

مسلم قانون

جلد اول

سید امیر علی

قومی کنسل برائے فروغِ اردو زبان نئی دہلی

1039/66

مسلم قانون

جلد اول

سید امیر علی

مترجم

محمد رضا علی خاں



قومی کونسل برائے فروغِ اُردو زبان،

وزارت ترقی انسانی وسائل،

حکومت ہند

ویسٹ بلاک-1، آر۔ کے پورم، نئی دہلی۔ 110066

Muslim Qanoon Vol. I

By: Syed Amir Ali

✓
۱۲۵۷
۴۹۵
۷۵۳۳۸

© قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

سزائے اشاعت : اپریل، جون 2001ء، ستمبر 1923ء

پہلا ایڈیشن : 1100

قیمت : 265/-

سلسلہ مطبوعات : 869

ناشر : ڈائریکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ویسٹ بلاک-۱، آر۔ کے۔ پورم،

نئی دہلی۔ 110066

طابع : انجمنی پبلیشرز، 900 دین دنیا ہاؤس، جامع مسجد، دہلی۔ 110006

پیش لفظ

”ابتدا میں لفظ تھا۔ اور لفظ ہی خدا ہے“

پہلے جمادات تھے۔ ان میں نمو پیدا ہوئی تو نباتات آئے۔ نباتات میں جببت پیدا ہوئی تو حیوانات پیدا ہوئے۔ ان میں شعور پیدا ہوا تو بنی نوع انسان کا وجود ہوا۔ اسی لیے فرمایا گیا ہے کہ کائنات میں جو سب سے اچھا ہے اس سے انسان کی تخلیق ہوئی۔

انسان اور حیوان میں صرف نطق اور شعور کا فرق ہے۔ یہ شعور ایک جگہ پر ٹھہر نہیں سکتا۔ اگر ٹھہر جائے تو پھر ذہنی ترقی، روحانی ترقی اور انسان کی ترقی رک جائے۔ تحریر کی ایجاد سے پہلے انسان کو ہر بات یاد رکھنا پڑتی تھی، علم-مینہ بہ سینہ اگلی نسلوں کو پہنچاتا تھا، بہت سا حصہ ضائع ہو جاتا تھا۔ تحریر سے لفظ اور علم کی عمر میں اضافہ ہوا۔ زیادہ لوگ اس میں شریک ہوئے اور انہوں نے نہ صرف علم حاصل کیا بلکہ اس کے ذخیرے میں اضافہ بھی کیا۔

لفظ حقیقت اور صداقت کے اظہار کے لیے تھا، اس لیے مقدس تھا۔ لکھے ہوئے لفظ کی، اور اس کی وجہ سے قلم اور کاغذ کی تقدیس ہوئی۔ بولا ہوا لفظ، آئندہ نسلوں کے لیے محفوظ ہوا تو علم و دانش کے خزانے محفوظ ہو گئے۔ جو کچھ نہ لکھا جاسکا، وہ بلا آخر ضائع ہو گیا۔

پہلے کتابیں ہاتھ سے نقل کی جاتی تھیں اور علم سے صرف کچھ لوگوں کے ذہن ہی سیراب ہوتے تھے۔ علم حاصل کرنے کے لیے دور دور کا سفر کرنا پڑتا تھا، جہاں کتب خانے ہوں اور ان کا درس دینے والے عالم ہوں۔ چھاپہ خانے کی ایجاد کے بعد غم کے پھیلاؤ میں وسعت آئی کیونکہ وہ کتابیں جو مادر تھیں اور وہ کتابیں جو منید تھیں، آسانی سے فراہم ہوئیں۔

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کا بنیادی مقصد اچھی کتابیں، کم سے کم قیمت پر مہیا کرنا ہے تاکہ اردو کا دائرہ نہ صرف وسیع ہو بلکہ سارے ملک میں سمجھی جانے والی، بولی جانے والی اور پڑھی جانے والی اس زبان کی ضرورتیں پوری کی جائیں اور نصابی اور غیر نصابی کتابیں آسانی سے مناسب قیمت پر سب تک پہنچیں۔ زبان صرف ادب نہیں، سماجی اور طبی علوم کی کتابوں کی اہمیت ادبی کتابوں سے کم نہیں، کیونکہ ادب زندگی کا آئینہ ہے، زندگی سماج سے جڑی ہوئی ہے اور سماجی ارتقاء اور ذہن انسانی کی نشوونما طبی، انسانی علوم اور ٹکنالوجی کے بغیر ممکن نہیں۔

اب تک بیورو نے اور اب تشکیل کے بعد قومی اردو کونسل نے مختلف علوم اور فنون کی کتابیں شائع کی ہیں اور ایک مرتب پروگرام کے تحت بنیادی اہمیت کی کتابیں چھانپنے کا سلسلہ شروع کیا ہے۔ یہ کتاب اس سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ امید ہے یہ اہم علمی ضرورت نوپورا کرے گی۔ میں ماہرین سے یہ گزارش بھی کروں گا کہ اگر کوئی بات ان کو مادرست نظر آئے تو ہمیں لکھیں تاکہ اگلے ایڈیشن میں نظر ثانی کے وقت خامی دور کر دی جائے۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھٹ

ڈائریکٹر

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

وزارت ترقی انسانی وسائل، حکومت ہند، نئی دہلی

ترتیب

ز	پروفیسر طاہر محمود	تعارف کتاب
۳	رضا علی خاں	معرفہ ضات مترجم
۵	مصنف	پیش لفظ
۱۱		مقدمہ
۳۵	قانون ہبہ	باب ۱
۱۱۶	ارکان ہبہ	باب ۲
۱۵۳	تمنیخ ہبہ	باب ۳
۱۶۰	قواعد عوض	باب ۴
۱۷۹	شیعہ قانون ہبہ	باب ۵
۱۹۲	شافعی قانون ہبہ	باب ۶
۱۹۵	حنفی قانون وقف	باب ۷
۲۱۹	قیام وقف (حنفی قواعد)	باب ۸
۲۲۸	موضوع وقف	باب ۹
۲۷۳	موقوف علیہم یا مقاصد وقف	باب ۱۰
۳۵۰	مقاصد وقف (جاری)	باب ۱۱
۳۸۶	عمومی اور مثل عمومی اوقاف	باب ۱۲
۴۱۱	وقف کی آمدنی کا استعمال	باب ۱۳
۴۱۶	عام اصول	باب ۱۴
۴۴۵	انتظام وقف	باب ۱۵

۳۸۳	شیعہ قانون وقف	باب ۱۶
۵۱۷	مالکی قانون وقف	باب ۱۷
۵۳۱	شافعی قانون وقف	باب ۱۸
۵۳۵	وقف کے آراء و قواعد	باب ۱۹
۵۵۳	<u>قانون وصایا</u>	باب ۲۰
۵۸۲	قیام وصیت	باب ۲۱
۶۰۸	قواعد برائے وصایا غیر مسلمین	باب ۲۲
۶۱۳	موضوع وصیت	باب ۲۳
۶۱۹	وصیت کے عمومی قواعد	باب ۲۴
۶۳۵	وصی	باب ۲۵
۶۷۳	وصیت کے قواعد متفرق	باب ۲۶
۶۷۶	شافعی اصول وصایا	باب ۲۷
۶۸۷	قانون شفعہ	باب ۲۸
۷۰۹	شیعہ قانون شفعہ	باب ۲۹
۷۱۶	قانون تحویل	باب ۳۰

ضمیمہ

۷۲۲	شیعہ قانون وقف	باب (۱)
۷۲۶	حنفی قانون وقف	باب (۲)

(اصل کتاب) تعارف کتاب

(۱) اصل کتاب

1849ء میں موجودہ ہندوستانی ریاست مغربی بنگال میں علوم مشرقیہ کے ممتاز عالم سید سعادت علی خاں کے یہاں، جو کہ ایرانی نسل کے تھے اور ابتدا میں اڑیسہ کے مقام کلکتہ میں رہ کر بنگالی میں بس گئے تھے، ایک روشن تقدیر نے جنم لیا۔ اس بچے نے لیے جس کا نام سید امیر علی رکھا گیا، مادر وطن کے ممتاز ترین سپوتوں میں شامل ہونا مقصوم تھا۔ اٹھارہ سال کی عمر میں امیر علی بنگالی کالج میں داخل ہوئے اور 1869ء میں تاریخ میں ایم اے اور قانون کی ڈگریاں لے کر فارغ ہوئے۔ پھر وہ انگلستان روانہ ہوئے اور 1873ء میں بیرسٹر بنے۔ وطن واپسی پر امیر علی نے قانون کے پیشہ ورانہ اور علمی دونوں پہلوؤں میں دلچسپی لی۔ انہوں نے بطور بیرسٹر کلکتہ ہائی کورٹ میں وکالت کی، کلکتہ یونیورسٹی کے فیلو بنے اور پریسڈنسی کالج میں اسلامی قانون پڑھایا۔ عرصہ تک پریسڈنسی مجسٹریٹ رہنے اور چیف پریسڈنسی مجسٹریٹ کے طور پر کام کرنے کے بعد 1890ء میں وہ کلکتہ ہائی کورٹ کے جج مقرر ہوئے۔

1884ء میں امیر علی نے کلکتہ یونیورسٹی میں اسلامی قانون جاننادر کے بعض پہلوؤں پر اپنے معرکتہ الار "انگلو قانونی خطبات" دیئے۔ مئی 1904ء میں ملازمت سے اپنی سبکدوشی کے بعد وہ انگلستان گئے اور آخر عمر تک وہیں رہے۔ اس مدت میں امیر علی کو پریوی کونسل کا پہلا ہندوستانی جج بنائے جانے کا اعزاز حاصل ہوا اور اس حیثیت میں انہوں نے 1928ء تک کام کیا۔ اسی سال انگلستان کے مقام سسکس میں انہوں نے وفات پائی۔

پیدائشی طور پر سید امیر علی اسلامی قانون کے اثنا عشری شیعہ مذہب سے تعلق

رکتے تھے اور انہوں نے پوری پیشہ ورانہ اور علمی زندگی میں اس میں بھرپور دلچسپی لی۔ تاہم وہ اسلامی قانون کے حنفی، شافعی اور مالکی مذاہب میں بھی مہارت تامہ رکھتے تھے اور انہوں نے مسلم علم قانون کی تمام شاخوں سے اپنی واقفیت کا اپنی متعدد تصانیف میں زبردست مظاہرہ کیا۔ ماہواروں میں ان کے کچھ عدالتی فیصلے بندہ قانون سے بھی ان کی گہری واقفیت کی شہادت دیتے ہیں۔

سید امیر علی کی کتاب "مسلم قانون" کا جز اول ابتدا میں اسلامی قوانین پر، اوقاف اور وصایا پر ان کے نیگور قانونی خطبات پر مشتمل تھی جو کہ انہوں نے 1884ء میں نکلنے یونیورسٹی میں دیئے تھے۔ بعد میں انہوں نے اپنے اصل کام کو مختلف طور پر بڑھا کر اور اس میں قوانین شفقہ اور تحویل پر دو ابواب اور قوانین وقف پر ایک دو جزوی شمیعے کا اضافہ کر کے اسے اسلامی قانون جائداد و نقل جائداد پر ایک مکمل تصنیف کی شکل دے دی۔ 1892ء میں یہ تصنیف اصل کتاب کے دوسرے ایڈیشن کے طور پر شائع ہوئی۔ امیر علی نے خود اس کے دو مزید ایڈیشن تیار کئے جو کہ یکے بعد دیگرے 1904ء اور 1912ء میں شائع ہوئے۔

امیر علی کی کتاب "مسلم قانون" کے دوسرے جز میں، جس کا ذیلی عنوان "مسلمانوں کا شخصی قانون" ہے، اسلامی عائلی قانون پر ان کے وہ لکچر شامل ہیں جو انہوں نے کلمتہ کے پریسڈنسی کالج کے طلباء قانون کے لیے دیئے تھے۔ اس کا حصہ اول، جو انہوں نے بعد میں شامل کیا، اسلامی قانون وراثت سے متعلق ہے۔ یہ حصہ اولاً 1881ء میں شائع ہوا تھا۔ اس معرکتہ الآرا تصنیف کے مصنف کے خود تیار کردہ تین اور ایڈیشن شائع ہوئے۔ 1928ء میں اپنی وفات سے کچھ قبل امیر علی نے اس حصہ کا ایک اور ایڈیشن

تیار کیا تھا۔ یہ نیا پانچواں ایڈیشن ان کی وفات کے بعد شائع ہوا۔

اس طور پر امیر علی کی موجودہ کتاب کا دوسرا جزو پہلے سے زیادہ قدیم ہے۔ شاید دونوں جز پہلے الگ الگ کتابوں کے طور پر تیار اور شائع کیے گئے تھے اور بعد میں انہیں ایک مشترکہ کتاب کا حصہ اول اور حصہ دوم قرار دیا گیا۔

امیر علی کی ”مسلم قانون“ کے جز اول (چوتھا ایڈیشن) 1912ء میں تیس ابواب شامل ہیں۔ پہلے چھ باب اسلامی قانون بہہ پر ہیں۔ اگلے تیرہ باب مسلم اوقاف سے متعلق ہیں اور ایک ضمیمہ دو جزوی ضمیمہ کے ساتھ مل کر حصہ اول کا ضخیم تر جز بنتے ہیں۔ اس کے بعد اگلے آٹھ ابواب میں قانون وصایا سے بحث کی گئی ہے۔ پھر دو ابواب میں قانون شفعہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ ضمیمہ سے قبل آخری باب میں مختصراً قانون تحویل پیش کیا گیا ہے۔

جز اول کے برعکس جز دوم دو علیحدہ حصوں میں منقسم ہے۔ آٹھ ابواب پر مشتمل پہلے حصے کا عنوان ”قانون وراثت“ ہے اور اس میں قواعد توریث سے تفصیلی بحث کی گئی ہے۔ اس جز کے دوسرے حصے کا نام ”قانون حیثیت“ ہے۔ اس کی شروعات احوال شخصیہ کے ضمن میں تضادات قانون پر ایک باب سے ہوتی ہے۔ اس کے بعد قانون اطفال (صحت نسب، اقرار بنوہ، بلوغ، ولایت، حضانت اور نفقہ) سے ابواب ۲ تا ۵ اور پھر ۱۶ اور ۱۷ میں بحث کی گئی ہے۔ درمیان میں ابواب ۶ تا ۱۵ قانون نکاح و طلاق سے متعلق ہیں۔ اس جز میں تین ضمیمے ہیں۔ ان میں سے پہلے دو (جو کہ نکاح کی رسومات اور تعداد ازدواج سے متعلق ہیں) حصہ دوم کے باب ۶ کے ساتھ پڑھے جانے چاہئیں۔ تیسرا ضمیمہ (جس میں ولایت مال پر مزید مواد پیش کیا گیا ہے) باب ۷ کا حصہ سمجھا جانا چاہیے۔

اپنی کتاب کے دونوں اجزا میں امیر علی نے حنفی قانون، اثنا عشری قانون (جسے

انہوں نے "شیعہ قانون" کہا ہے) اور شافعی قانون سے بحث کی ہے۔ کیونکہ یہ تینوں برصغیر ہند میں رائج ہیں۔ کہیں کہیں انہوں نے مانگی قانون کی بھی بات کی ہے۔ جب کہ دنیا سے اس نئے میں اس کے پیرو نہیں ہیں۔ اسلامی قانون کے چوتھے سنی مذہب فقہ حنبلی کے بارے میں (جس کے پیرو بھی برصغیر میں نہیں ہیں) ان کی کتاب میں بہت کم بات کی گئی ہے۔ اسمعیلی شیعہ قانون پر (جس نظام سے ہندوستان کے خوارج اور بوہرے متعلق ہیں) ان کی تصنیف تقریباً خاموش ہے۔

بہ حیثیت جموعی امیر علی کی کتاب ایک عظیم فقہی ذخیرے پر مکتوبی ہے۔ برصغیر ہند میں مجالس قانون ساز، عدالتوں اور کتابوں کے مصنفین کے ہاتھوں اسلامی قانون کے ارتقا میں اس کے اثرات اتنے معروف ہیں کہ ان کی تفصیل بیان کرنا غیر ضروری ہے۔

1912ء اور اور 1929ء کے درمیان آخری بار شائع شدہ امیر علی کی یہ معرکہ آرا تصنیف کئی لحاظ سے پرانی ہو چکی ہے۔ 1928ء میں ان کی وفات کے بعد کسی نے اس پر نظر ثانی کی جرأت نہیں کی کیوں کہ بلاشبہ یہ ایک سخت مشکل کام ہوتا۔ گذشتہ پچاس برسوں میں اس مضمون پر کئی نئی کتابیں لکھی گئی ہیں لیکن امیر علی کی بے حد عالمانہ کتاب اب تک کسی نئے ایڈیشن کی منزل تک نہیں پہنچ سکی ہے۔ 1965ء میں پاکستان کے راجہ سعید آکبر خاں نے اصل کتاب میں چند نئے وضعی قوانین اور بعض جدید عدالتی نظائر کے حوالے شامل کر کے اس کو نئے "ایڈیشن" کے عنوان سے شائع کروایا تھا۔

موجودہ کتاب کوئی نیا ایڈیشن نہیں بلکہ صرف ایک نئی طباعت ہے۔ اس کے ناشرین کی درخواست پر میں اس کے آخر میں ایک ضمیمہ شامل کر رہا ہوں جس میں امیر علی

کی اصل کتاب کے ابواب کے حوالوں کے ساتھ 1928ء کے بعد سے اب تک اسلامی قانون کے میدان میں عالم اسلام میں کیے گئے اقدامات پر بس ایک طائرانہ نظر ڈالی گئی ہے۔

(1985ء کی نئی ہندوستانی طباعت پر میرے پیش لفظ کا اردو ترجمہ)

(ب) موجودہ اردو ترجمہ

امیر علی کی کتاب کی جلد اول کا یہ ترجمہ اب سے تقریباً اٹھارہ سال قبل سابق ترقی اردو بیورو حکومت ہند کے لیے راجستھان کے ایک سبکدوش ضلع جج مرحوم رضا علی خاں نے کیا تھا۔ مختلف وجوہات سے یہ ضخیم ترجمہ منزل اشاعت تک نہیں پہنچ سکا تھا۔ اب موجودہ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان حکومت ہند نے اس کی اشاعت کا فیصلہ کیا ہے۔ فاضل مترجم دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں اس لیے ان کی اس عرق ریزی کو ضائع نہ ہونے دینے کا فیصلہ مناسب ہی ہے۔

اس قدر اوق مضمون، اس پر سو برس سے بھی پہلے کی لکھی ہوئی کتاب اور وہ بھی سید امیر علی جیسے جید قانون داں کی تصنیف کردہ۔ ظاہر ہے کہ مرحوم نے بڑی جو کھم والا کام اپنے سر لیا تھا۔ افسوس کہ موت کے فرشتے نے انھیں اپنے کام پر نظر ثانی کی مہلت نہ دی جس کی یقیناً شد ضرورت تھی۔ اللہ تعالیٰ انھیں غریق رحمت فرمائے۔ اردو کونسل کی طرف سے ترجمے کا ناپ شدہ مسودہ میری تحریک پر سید امین الحسن رضوی صاحب کے پاس بھیجا گیا تھا جنھوں نے بڑی محنت سے جہاں تک ہو سکا اس کی تصحیح کر دی۔

قارئین سے درخواست ہے کہ کہ باقی ماندہ اغلاط کی نشاندہی ضرور کریں تاکہ اردو کونسل اس کی آئندہ اشاعت اور صحیح اور بہتر بنا سکے۔ امیر علی کی کتاب کی جلد دوم کا بھی ترجمہ کروانے اور شائع کرنے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ اس پر حیدرآباد میں کام ہو رہا

۲
ہے۔ ضرورت ہوئی تو بعد تصحیح مزید پہلی جلد کا یہ ترجمہ دوسری جلد کے ترجمے کے ساتھ
دوبارہ شائع کیا جاسکتا ہے۔

میں محض ڈاکٹر حمید اللہ بھٹ، ڈائریکٹر اردو کونسل کا مشکور ہوں کہ انہوں نے مجھے
اس مفہیم قانونی ورثے کے اردو ترجمہ پر یہ معروضات پیش کرنے کا موقعہ دیا۔

پروفیسر طاہر محمود

3 اپریل 2001

معروضات مترجم

ترقی اردو بورڈ کی فرمائش پر جسٹس امیر علی کی تصنیف ”مخزن لا“ کا اردو ترجمہ پیش ہے۔

ترجمہ کا فن مشکل بھی ہے اور دلچسپ بھی۔ مشکل اصل شوق نہ ہونے تک ہے ورنہ یہ بہت ہی دلچسپ علمی مشغلہ ہے۔ انگریزی سے اردو ترجمہ میں مترادفات کی تلاش، سیاق و سباق کے مطابق مناسب الفاظ کا انتخاب، زور بیان، سلاست و روانی تاہیں کہ ترجمہ اصل تصنیف معلوم ہو، بڑے ریاض کا کام ہے اور صحیح شوق ہی ریاض کا محرک ہوتا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ ترجمہ الفاظ کا نہیں بلکہ مفہوم کا ہونا چاہئے۔ ادب کے لیے تو یہ اصول قابل عمل ہے مگر اصطلاحی علوم اور قوانین کے ترجمہ پر یہ کلیہ منطبق نہیں ہوتا۔ انگریزی ادب کے شائقین جب کسی قانون کی کتاب کا انگریزی میں مطالعہ کرتے ہیں تو انہیں اجنبیت، غیر مانوس پن اور اکتاہٹ محسوس ہوتی ہے۔ قانون کا انگریزی میں ایک خاص اسلوب ہے، اس لئے قانون کی کسی کتاب کے انگریزی سے اردو ترجمہ میں ادبیت، روانی اور برجستگی کی تلاش نہ مترجم کے ساتھ انصاف ہے اور نہ قانون کے ساتھ۔ اگر قانون کی کتابوں کے اردو ترجموں میں سلاست اور ادبی اسلوب نہ ہو تو اس سے نہ ترجمہ میں کوئی نقص وارد ہوتا ہے اور نہ مترجم لائق سرزنش۔ مثلاً ادب کے ترجمہ میں ایک ہی لفظ کی تکرار گراں گذرتی ہے مگر قانون کے ترجمہ میں یہی تکرار ناگزیر ہے ورنہ اصل مفہوم ہی سرے سے خبط ہو جاتا ہے۔

قانون کی مشہور کتابوں میں بعض ایسی ہیں جن کا امتداد زمانہ کے باوجود مہتمم بالشان مقام ہے۔ یہ روشنی کے ان مناروں کے مثل ہیں جو سمندر کی تاریکیوں میں جہازوں کو راستہ بتاتے ہیں۔ یہی کیفیت جسٹس امیر علی کی شہرہ آفاق تصنیف ”مخزن لا“ کی ہے۔ قانون کی تاریخ میں اس کا ایک بنیادی اور دوامی مقام ہے۔ کتاب مذکورہ کا پہلا ایڈیشن دسمبر ۱۸۸۰ء میں شائع ہوا تھا۔ اور آج ایک صدی سے زیادہ گزرنے کے بعد اب

اس کا اردو ترجمہ ہو رہا ہے۔

سوم و فلسفہ کا مطالعہ ہو یا الہیات و طبیعیات کی منزل بلا جگر کا وہی نتیجہ حاصل نہیں ہوتا۔ اقبال نے خون جگر کو ہی اساس قرار دیا ہے۔

مرد ہے وہ یا نزع کے عالم میں گرفتار
جو فلسفہ لکھا نہ گیا خون جگر سے

لون و قلم کی پرورش ہو یا درد و بام حرم کی زینت یا لب و رخسار کی رعنائی یہ سب خون جگر کے ممنون ہیں۔ اردو کے دل کش لباس میں مترجم کے خون جگر کی رعنائی آپ بھی ملاحظہ فرمائیے۔

اردو ترجمہ اور وہ بھی ایک کتاب قانون کا اصطلاحی علوم کی کتابوں کے ترجمے کی افادیت اور اس کی دشواریوں سے متعلق ایک مشہور مصنف کا قول رہ رہ کر یاد آتا ہے اور یہی تاثیر میری حقیر کوششوں کا محرک ہے: "ترجمہ آسان کام نہیں ہے بالخصوص انگریزی سے اردو کا ترجمہ کرنا اور ایسا ترجمہ کرنا کہ وہ ایک مستقل تصنیف معلوم ہو نہایت دشوار ہے۔ مترجم شکر یہ کا مستحق ہے کیونکہ اگر دنیا میں مترجم نہیں ہوتے تو زمین پر علم کی جھیلیں اور دریا تو بہتیرے ہوتے مگر ان کو ملا کر علم کا بحر ناپید اکنار بنانے والا کون ہوتا۔"

محمد رضا علی خاں

جے پور، یکم جون 1983ء

پیش لفظ (اشاعت اول)

قانون اسلام کا مطالعہ ان لوگوں کے لیے جو نہ اسلام میں پیدا ہوئے اور نہ اس میں نشوونما پائی کافی مشکل ہے۔ سر دست اس موضوع پر انگریزی میں تصانیف کمیاب ہیں۔ مگر فرانسیسی زبان میں اس پر وافر ذخیرہ ہے۔ اگرچہ علم فقہ اور مسائل و احکام شرعیہ پر متقدمین فقہاء کی گراں قدر تصانیف زبان عربی میں دستیاب ہیں۔ مگر اس زبان پر عبور حاصل کرنا اتنا ہی مشکل ہے جتنی کہ اس کے اسالیب کی کثرت ہے۔

ہندوستان میں تعلیم یافتہ مسلمانوں میں علم فقہ کا مطالعہ اگرچہ متروک نہیں ہوا مگر شاذ و نادر ہی رہ گیا ہے۔ بہت کم لوگ اس کا علم برائے علم یا ایک تحقیقاتی و تجرباتی موضوع سمجھ کر جائزہ لیتے ہیں۔ علم فقہ کی تحصیل میں مصروف رہنے والے محض احکام میراث کے چند خشک و غیر مفید قواعد کا مطالعہ کرتے ہیں جو بے سود ہیں۔ یہ صورت حال لارڈ ولیم بیتنگ کی حکمت عملی کا نتیجہ تھی۔ لیکن اس سے قبل ہندوستان میں مسلمانوں کو دیگر فرقوں پر خاص امتیاز حاصل تھا۔ یہی نہیں بلکہ اسلامی ادب اور علم فقہ کی متواتر گورنروں نے سرپرستی کی۔ ان کی روایات کا احترام کیا اور ملک کے سابق فرمانروا و حاکم کے اعتبار سے ان کی منزلت قائم رکھی۔ مگر لارڈ ولیم بیتنگ کے دور حکومت میں ہوا ہی بدل گئی اور مسلمان اہانت اور عدم توجہی کا شکار ہو کر نظر انداز کیے گئے۔ ان کے آئین و قوانین روبہ زوال ہوئے۔ مولویوں اور مفتیوں کے قدیم طبقات جنہوں نے لارڈ ویلزلی اور وارن ہیسٹنگز کے عہد کو رونق اور تابانی بخشی تھی ناپید ہو گئے۔ اس کے برعکس حکومت فرانس الجیریا میں علم فقہ، عربی ادب اور علوم اسلامیہ کی ترویج و اشاعت میں کوشاں رہی۔ حتیٰ کہ عوامی فلاح کی خاطر مقامی اداروں کی زر کثیر و بیش از بیش مالی امداد و اعانت سے ہمت افزائی کی گئی۔ دوسری طرف ہندوستان کے انگریز حکمران اسلامی علوم و فنون کے ہر شعبہ کو تباہ کر رہے تھے۔ اس غلط حکمت عملی سے جو نقصان پہنچا اس کا قرار واقعی اندازہ لگانا مشکل ہے۔ اسلامی علم فقہ، اسلامی تمدن و معاشرہ اور اسلامی رسوم و قوانین سے عدم واقفیت کا اب بھی یہ نتیجہ ہے کہ اعلیٰ ترین عدالتیں بھی بعض مقدمات کا فیصلہ

اصول فقہ اور شرع کے خلاف صادر کرتی ہیں۔ پس کوئی تعجب نہیں کہ ہندوستان میں شرع کے خلاف ایسے غیر منصفانہ فیصلوں سے برٹش حکومت کے خلاف عوامی ذہن میں طویل فرد جرم میں ایک مزید جرم کا انصاف ہوتا ہے۔ بلاشبہ پچھلے کچھ عرصہ سے بعض صوبائی حکومتوں، خاص کر حکومت ہائے بنگال و مدراس، نے کسی حد تک سماجی کی کوشش کی ہے تاکہ ان تکالیف کا ازالہ ہو سکے، جو مسلسل نصف صدی میں قصداً غفلت سے پہنچائی گئی ہیں۔ تاہم مسلمانوں کے معاملات میں حصول دادرسی کے لیے عدل و انصاف کی بنا پر کوئی مثبت عملی طریقہ اختیار نہیں کیا گیا۔ مسلمانوں کے مختلف فقہی مذاہب میں وسیع اختلاف کی بنا پر شریعت اسلامیہ کے کسی شعبہ میں قدرت حاصل کرنا اتنا مشکل نہیں ہے جتنا کہ شرع کے شخصی قوانین کا مطالعہ۔

یہ کتاب جو میں عوام کے سامنے پیش کر رہا ہوں اس کی غرض مسائل شرعیہ میں پیش آنے والی دقتوں کو رفع کرنا اور مسلمانوں کے شخصی قوانین سے متعلق ایک جامع و منصفانہ تصنیف کی کمی پورا کرنا ہے۔ اس کتاب میں ان لیکچروں کا خلاصہ بھی شامل ہے جو میں نے پریسڈنسی کالج میں لیکچرر کی حیثیت سے شرع شریف پر دیئے تھے۔ اسی کے ساتھ شیعہ و سنی قانون میراث متعلق فرائض کی ایک فہرست بھی شامل ہے۔ اس کے بعد کے صفحات میں مسائل شرعیہ کا تقابلی تجزیہ جازہ لیا ہے۔ اس کوشش میں کس حد تک کامیاب ہو سکا ہوں یہ ناظرین پر چھوڑتا ہوں۔ انگریزی ادب میں یہ کتاب اپنی نوعیت کی "انٹرش اول" ہے نیز جامعیت اور امتیازی خصوصیت میں منفرد تجربہ ہے۔ تاہم مجھے امید ہے کہ ناظرین ناگزیر فروگزاشتوں کے باوجود اس کا مطالعہ کریں گے۔ اپنی اس خواہش کے پیش نظر کہ مصروف قانون دان، طلباء اور شائقین علم مستفید ہو سکیں، میں نے نظائر کا بغور جائزہ لیا ہے اور مسائل شرعیہ کی صحت پر کافی توجہ دی ہے۔

علم فقہ پر اصل اسناد کے حوالہ سے قبل شرع شریف پر یورپین زبانوں میں جو کتابیں میرے زیر مطالعہ رہیں ان کا حوالہ بھی ناظرین کے لیے دلچسپی سے خالی نہ

ہوگا۔ قابل ذکر تصانیف میں میکناٹن کی کتاب اصول و نظائر مسلم قانون، ہملٹن کا فارسی ترجمہ ہدایا، بیلی کا ڈائجسٹ، شیاماچرن سرکار کے لیکچرس اور ریمزے کا انگریزی میں قانون میراث ہیں۔ مسلم قانون پر میکناٹن کی تصنیف تاحال سب سے زیادہ مستند سمجھی جاتی ہے، اگرچہ بعد میں جوں اور دکلاء کی نظر میں اس کی منزلت بہت کم ہو گئی ہے۔ میکناٹن کا حنفی اور شیعہ قانون میراث کا پبلک امتحانات میں شامل ہونے والے طلباء کے لیے مفید ترین سمجھا جاتا ہے۔ ہملٹن کا فارسی ترجمہ ہدایا ان لوگوں کے لیے بہت مفید ہے جو مختلف فرقہ ہائے اہل سنت کے مسائل میں فرق و امتیاز نہ کر سکتے ہوں۔ مگر ہدایا میں فقہ حنفی کے اصولوں کی مکمل نشاندہی میں بیشتر دکلاء کی دشواری سے اس کی افادیت کم ہو گئی ہے۔ بیلی کے ڈائجسٹ میں فتاویٰ عالمگیری اور شرائع الاسلام کے حصص کے آزاد ترجمے ہیں اور یہ گراں قدر تصانیف مسلم فقہ پر ریسرچ کرنے والوں کے لیے بہت مفید ہیں۔ بیلی کے ڈائجسٹ میں ان کی علمی نوعیت کے باوجود بہت سی غلطیاں ہیں۔ ان میں فاش غلطی مسماۃ اسلو کے مقدمہ میں ظاہر ہوئی جس پر توجہ دلائی گئی ہے۔ بیلی کے ڈائجسٹ کی افادیت بلاشبہ کہیں زیادہ ہوگی اگر ہر مقدمہ میں محولہ کتب و اسناد فقہ کا ترجمہ بھی مثل ان مسائل کے ترجموں کے شامل ہوتا، جیسا کہ انھوں نے بعض صورتوں میں کیا ہے۔ اس کمی کو کسی حد تک بابو شام چرن سرکار نے پورا کیا۔ ان کے لیکچرس دوسرے اعتبار سے اصلاً شرع محمدی کی نقول ہیں۔ اور یہ ان تمام قانون پیشہ حضرات کے لیے جو مسلم فقہ کا بدقت نظر مطالعہ کرنا چاہتے ہوں بیش بہا اضافہ ہیں۔ ریمزے کا ڈائجسٹ فقہ حنفی کے احکام میراث پر ایک گراں قدر اور جامع تصنیف ہے۔ شرع شریف اور علم فقہ پر فرانسیسی تصانیف نے انگریزی تصانیف کو پیچھے چھوڑ دیا ہے۔

۱۷۷۷ء میں شاہ سوئڈن کی زیر سرپرستی چھپی ہوئی کتاب الموسوم بہ ٹیبلکس

جنرل ڈی پمباراد نوموں، مصنف ڈی اولیس مغرب کی غیر معمولی تخلیقی ذہانت، طباعی، جانکاہی اور غلیت کی ایک عظیم الشان دائمی یادگار ہے۔ یہ فقہ حنفی کے ان دیوانی، فوجداری، سیاسی اور اخلاقی قواعد کا سب سے معتبر اور مکمل خلاصہ ہے جو ممالک عثمانیہ میں نافذ ہیں۔ ڈی اولیس کی متذکرہ تصنیف کے علاوہ علمائے فرانس مثل بزن، ستائیرہ،

سیسی، لاسیل، ڈی میزول، ڈی کری، ونسیت اور دوسروں نے اسلامی فقہ میں پیش کیا
انسانوں سے فرانسیسی ادب کو مالا مال کیا ہے۔

مندرجہ بالا تصانیف سے بھی کتاب ہذا کی تیاری میں مجھے گراں قدر مدد ملی
ہے۔ اس کے مقدمہ کے تاریخی حصہ کی بنیاد ابن الاثیر کی "العائل" پر اور قانونی حصہ کی
بنیاد امام فخرالدین رازی کی تصنیف "المحصل" پر ہے۔ نیز ابن خلدون کی تصنیف
سکومات، شہرستانی کی ملل و الحمال اور ڈی لیس کی ٹیمپلکس جنرل پر مبنی ہے۔

شیعہ فقہ کے اصول شرائع الاسلام، مفاہیح، ارشاد الحکامہ۔ اور جامع الشتات
سے لیے گئے ہیں۔ مؤخر الذکر تصنیف شیعہ نظائر کا پیش بہا مجموعہ ہے۔ اور یہ نظائر مشمول
فتاویٰ عالمگیری (احناف) کے مثل مستند ہیں۔ مذکورہ بالا کے ماسوا میں نے نیل
الہرام، جامع عباسی، مبسوط اور تحریر الاحکام کا بھی مطالعہ کیا ہے اور شیعہ احادیث کے
سلسلہ میں بحر الانوار سے بھی مستفید ہوا ہوں۔

تصانیف محولہ کے علاوہ فقہ حنفی کے سلسلہ میں کتب فتاویٰ میں کنز الدقائق کا
فارسی ترجمہ، ہدایا کے انگریزی اور فارسی ترجمے، فصول العمدادیہ، غنایہ، کنایہ، درالختار،
ردالمحتار اور ابراہیم حلیمی وغیرہ کا بھی مطالعہ کیا ہے۔ شافعی و مالکی مذاہب فقہ کے سلسلہ
میں کتاب الانوار، المحرر، اختلاف الائمہ اور میرن کا ترجمہ سیدی خلیل، ستاریہ وغیرہ بھی
پیش نظر رہے ہیں۔ متذکرہ کتب کے علاوہ دیگر تصانیف کا بھی مطالعہ کیا ہے اور میرے
نوٹس میں ان کا خاص طور پر حوالہ ہے۔ اس موقع پر وہ مختلف تصانیف جن سے فیضیاب ہوا
ان کی احسان مندی کا اعتراف کرتے ہوئے میں ڈاکٹر روٹ اور اے۔ جی میکفرسن مشیر
قانونی (سکرٹری آف اسسٹنٹ فار انڈیا) کا بھی شکر گزار ہوں، جنہوں نے بلا کسی پابندی یا
روک کے انڈیا آفس میں علوم شرقیہ کی لائبریری و قانون کی کتابوں کے مطالعہ کا موقع
دیا۔ میں ذاتی طور پر مسلمانوں کے غیر معروف مگر اہم فلسفیانہ فقہی عقیدہ معتزلہ سے
وابستہ ہوں۔ اسی لیے ہندوستانی مسلمانوں کے مختلف العقائد فرقوں کے تجزیہ میں مجھے
زیادہ آسانی ہے۔ وہ تحریک جو پچھلے کچھ عرصہ سے جاری ہے اس کا بغور مطالعہ کر رہا
ہوں۔ تمدنی اصلاحات، ترقی پسند تصورات اور عزائم نونے مسلمانوں کو بھی مثل دیگر

فرقوں کے متاثر کیا ہے اور نئی نسل غیر شعوری طور پر معتزلہ عقائد کی طرف مائل ہو رہی ہے۔ ان میں کہن سال اگر وہ شیعہ ہیں تو اصلی اور سنی ہیں تو وہابی مسلک کو اختیار کر رہے ہیں۔ یہ تحریک مذہبی عقیدہ میں کمزوری کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ حقیقی اسلام کو اپنانے کی گہری خواہش ہے۔ دراصل اس کا مقصد ان زوائد کو دور کرتا ہے جنہوں نے اسلام کی عظمت و شان کو دھندلا کر دیا ہے۔ مسلمانوں میں ترقی پسندانہ ذہن کا یہ ثبوت ہے کہ تعداد ازدواج، غلامی اور طلاق بلا اجازت قاضی کے متعلق اکثریت کے خیالات تبدیل ہو چکے ہیں۔ تمدن کے ابتدائی دور میں تعداد ازدواج کی خواہ کیسی ہی ضرورت ہو مگر موجودہ زمانہ میں اس کو نہایت قبیح اور مذموم سمجھا جاتا ہے۔ ان ترقی پسندانہ خیالات اور کلام پاک کے معنی پر فکر و تدبر کی وجہ سے ہندوستان کے مسلمان عام طور پر تعداد ازدواج کو خلاف شرع سمجھتے ہیں۔

مجھے کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں کے شخصی قوانین میں عظیم تغیرات آئیں گے۔ مگر یہ کیسے اور کس کے ذریعہ آئیں گے؟ آیا علماء و فقہائے اسلام کی ایک عام مجلس شوریٰ کے ذریعہ یا مقتنہ کے منظور شدہ ایکٹ کے نفاذ سے، یہ اس وقت بتانا ناممکن ہے۔ الغرض مسلمانان ہند میں اس وقت خیالات کی ایک غیر محسوس لہر جاری ہے جو شاید غیروں کو محسوس نہ ہو، مگر مسلمان حالات کے رخ کو خوب سمجھ رہے ہیں۔ پس ملک کے موجودہ فرمانرواؤں کو لازم ہے کہ مسلمانوں کے شخصی قوانین پر خاص توجہ دیں۔ اس لیے کہ ہندوستان میں یہی ایک ایسی قوم ہے جو ہر اعتبار سے یکساں وہم آہنگ واحد ملت ہے۔ اگر یہ کتاب مسلمانوں کے شخصی قوانین سے متعلق عام معلومات کے اضافہ میں مفید ثابت ہوئی تو میں یہ سمجھوں گا کہ اس کی تالیف پر میری زمانہ تعطیل کی محنت وصول ہو گئی۔

امیر علی

۲۶ دسمبر ۱۸۸۰ء

مقدمہ

فصل اول: مسلم قانون کا اطلاق

ہندوستان میں مقننہ نے شرع اسلام کے قوانین متعلق وراثت و انتقالات کو بعینہ قائم رکھا ہے۔

بلکہ یہ کہنا مناسب ہوگا کہ اس ملک میں سوائے ان مخصوص قوانین کے جنہیں قوانین ملکی کہنا مناسب و موزوں ہوگا کوئی مقامی قوانین نہیں ہیں۔

ہندوستان میں اصلاً شخصی قوانین رائج ہیں جن سے نہ صرف وضع قانون کی مشکلات میں اضافہ ہوتا ہے بلکہ حصول دادرسی میں بھی مزید نقص کا اندیشہ رہتا ہے۔

فقہ اسلام جس کا بیشتر حصہ نامانوس زبان میں ہے اسکے قواعد کا تعین اور ان کا نفاذ اکثر بہت ہی مشکل ہے۔ اس کا بظاہر یہی سبب ہے کہ مسلم لا کے اصولوں کو نافذ کرنے میں کسی حد تک تاثر ہوتا ہے اور اسی لئے احکام شرع کے لیے انگریزی قانون اور بعض اوقات ہندو قانون کی تائید حاصل کی جاتی ہے۔ اس طرح احکام شرع کی تفسیح کی بالواسطہ کوشش انگریزی قانون (موضوع) کے اصل منشاء سے بالراست متصادم ہوتی ہے۔

برطانوی حکومت نے اس ملک میں اپنے دور فرمانروائی کے آغاز میں پارلیمنٹ کے باضابطہ ایکٹ کی رو سے ہندوستانیوں کو ان کے ذاتی قوانین اور رسم و رواج کے بحال رہنے کا یقین دلایا تھا جیسا کہ تمہید ایکٹ مذکور (مقصد ۲) میں بتایا گیا ہے کہ یہاں کے باشندوں کو ان کے دیرینہ قوانین، روایات، حقوق، اور مراعات کے استعمال اور ان سے استفادہ کے لیے ہر طرح کا تحفظ کیا جائے گا۔ اگر یہ امر غیر منفصلہ ہوتا تو مسئلہ کی نوعیت صریحاً اس طرح متنازع ہوتی کہ آیا مجلس قانون ساز کا واقعی یہ منشا تھا کہ اس ملک کے باشندوں (خواہ وہ کسی طبقہ یا مذہب کے ہوں) کے شخصی قانون میں تبدیلی کی جائے۔

اس سلسلہ میں مقدمہ مصلح بنام مصلح اور دیگر مقدمات کے فیصلوں سے ظاہر ہے کہ عدالت کا یہی رجحان رہا ہے کہ تمام شخصی قوانین کا نفاذ خاص کر ہندو اور مسلمانوں تک محدود رکھا جائے۔

مقتضیٰ کا اصل منشا معلوم کرنے کے لیے کہ آیا اس ملک کے رہنے والوں (قطع نظر ان کی نسل اور عقائد کے) کے قوانین شخصیت میں کوئی تبدیلی کی جائے یہ مقدمہ اور دوسرے فیصلے قابل توجہ ہیں۔ ان سے ظاہر ہے کہ عدالتوں کا رجحان یہ تھا کہ قوانین شخصیت خاص کر ہندو مسلمانوں کے قوانین ان کے نفاذ کو محدود کر دیا جائے۔

قواعد مابعد میں جی، ای، او، ۳ کی دفعات ایکٹ ۱۳، ۱۸، ۸۷ کا دراصل اہم حصہ ہیں اور انگریزی حکومت کے دیے اہم ترین تحفظات میں سے ہیں جن کی ہندوستان کے باشندوں کو یقین دہانی کرائی گئی ہے۔ دفعہ ۱۷ کے نفاذ کو محض جائیسی اور وراثت تک محدود رکھنے کی کوشش واضح طور پر خود دفعہ کے الفاظ کے قطعا برعکس ہے۔ اس کی تمام نکات اور منشاے مقتضیٰ سے تائید ہوتی ہے۔ اصل لفظ (معاملات) میں انتقالات بھی شامل ہیں۔ مزید برآں مقتضیٰ نے واضح طور پر یہ طے کر دیا ہے کہ جب کسی خاص مسئلہ کے متعلق کوئی مخصوص قانون نہ ہو تو عدالتوں کو معدلت گسٹری اور نیک نیٹی کے اصول پر عمل کرنا چاہئے۔

عدالت عالیہ کلکتہ کے دو فاضل جج Steer اور Levine نے یہ طے کر دیا ہے کہ مسلمانوں کے عام معاملات بسلسلہ انتقال جائیداد مسلم لا کے مطابق طے کرنا عین انصاف اور نیک نیٹی کے مطابق ہے۔

بمقدمہ ظہور الدین سردار بنام نور اللہ سردار میں ہر دو فاضل جج نے اپنے خیالات کا اظہار اس طرح کیا ہے ”مدعی جو اب دو (انتقالات) کے وکلاء نے ہمارے سامنے یہ بحث کی ہے کہ عدالت کے سامنے جس نوعیت کا معاہدہ ہے اس پر مسلم لا کا اطلاق نہیں ہوتا اور ۱۹۳۷ء کے ریگولیشن ۴ کی دفعہ ۱۵ کے مطابق عدالت کو صرف وراثت، شادی اور حصہ کے مسائل ہی مسلم لا کے مطابق طے کرنا ہیں مگر چونکہ عدالت کے سامنے معاملہ بذامت ذکرہ بالا نوعیت کا نہیں ہے اس لئے عام اصول انصاف و قانون کے مطابق یہ طے ہونا چاہئے۔“

اس دلیل کے جواب میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس ملک کی عدالتوں نے مسلم لا کا دیگر مختلف معاملوں پر بھی عملاً اطلاق کیا ہے جو وراثت، شادی اور برادری کے امور کے ماسوا ہیں۔ حتیٰ کہ دیرینہ اور مسلمہ اصول کی بنا پر عدالت کے فعل کو اگر جائز قرار نہ بھی

دیا جائے تب بھی یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ایسی حالت میں جب عدالتیں مسلمانوں کے معاملات میں ان کے قانون پر عمل کرتی ہیں تو وہ انصاف، حق اور سچائی کے خلاف عمل پیرا ہیں۔ اسی طرح کا ایک عذر یوسف علی بنام کلکٹری پارہ کے مقدمہ میں کیا گیا تھا لیکن فاضل جج Garth اور Mecdonell نے مسلم لا کی بنیاد پر ہی اس مسئلہ کا فیصلہ کیا۔

عدالت عالیہ بمبئی نے نہایت پر زور طریقہ پر اس امر کو تسلیم کیا ہے کہ مسلمانوں کی تحریر شدہ دستاویزات جو منتقلی جائیداد سے متعلق ہوں ان پر مسلم لا ہی لاگو ہونا چاہئے۔

مسٹر جسٹس Billeston نے بمقدمہ ایچ ایچ غرایم النساء بیگم بنام کلیمنٹ ڈیل میں 27 اور B.E - CAP 6 اس امر پر غور کرتے ہوئے کہ آیا یہ معاملات ہندو اور مسلمانوں پر منطبق ہوتے ہیں، اس طرح اپنا اظہار خیال کیا Ch Ret 358 Mister میں ہے کہ وہ قانون جو کہ B Eti Cap V ہے اور جس کا اطلاق ہندوستان میں بھی معلوم ہوتا ہے بلکہ ایک ایسے مقدمہ میں جو کہ ہندو اور مسلمانوں کے علاوہ انگریزی رعایا کے درمیان تھا، میں یہی خیال کرنے پر مائل ہوں کہ مقدمہ Freemaan v/s Cap Fairlie 365 اور Mayur of Lizons v/s the E Cap' 1175 کے اصول کی روشنی میں ہے، کو بھی غور کرنا چاہئے لیکن اس مقدمہ میں ایک مسلمان نے دوسرے مسلمان کو ہبہ کیا تھا اور اسکے جواز کے سلسلہ میں میرے خیال میں مسلم لا کے مطابق فیصلہ ہونا ضروری ہے۔

یہ درست ہے اگرچہ مدعا علیہ مسلمان نہیں ہے بلکہ ایک یورپین برٹش رعایا ہے اور وہ اشخاص جن کی جانب سے وہ مدعی ہے وہ نواب کے قرض خواہ ہیں اور ایک مقدمہ Turnbull's Gardens میں مسلمان نہیں تھے بلکہ East Indian تھے جن پر کہ انگلش لا لاگو ہوا مگر اس سے مدعی کے مطالبہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

سپریم کورٹ کے منشور کی دفعات اس طرح ہیں:

”مسلمانوں“ کے مقدمات مثلاً وراثت اور زمین پر جائیداد نشینی کرایہ داری اور مال و اسباب اور معاہدہ سے متعلق دونوں فریقوں کے درمیان معاملات مسلمانوں کے رواج اور قانون کے مطابق طے کئے جائیں گے۔ اور جب فریقین میں سے کوئی ایک مسلمان ہو

تو مدعا علیہ کے قانون اور رواج کے مطابق طے ہوں گے لیکن اس کا یہ فضا نہیں ہے کہ اگر کسی مقدمہ میں یورپین برٹش رٹس رٹیا ہے تو سوائے انگلینڈ کے قانون کے پچھلے لین دین کے جواز کے تعین کے لیے جو اس مقدمہ میں زیر غور ہو لاگو کیا جائیگا۔

میرے خیال میں صرف اس کا ایک ہی نتیجہ ہے کہ جب دو فریقین کے درمیان جن میں سے ایک مسلمان ہو، کوئی معاملہ ہو اور اس کے بارے میں کوئی مقدمہ دائر کیا جائے تو ان فریقین کے نزاع کا مدعا علیہ کے قانون کے مطابق فیصلہ ہونا چاہئے۔ لیکن ایسا معاملہ جس پر کہ مدعی کی حقیقت کا انحصار ہو گو وہ محض مسلمانوں کے درمیان ہو اور خواہ واجب کا ایسے لوگوں سے جو کہ مسلمان نہ رہا ہو واسطے رہا ہو اور وہ مسلم لا کے پابند نہ ہوں تو چونکہ مدعیہ ایسے مسئلے میں فریق نہیں تھی اسلئے نواب کے فعل کی وجہ سے سوائے مسلم لا کے وہ اور کسی قانون کی پابند نہیں ہو سکتی۔

بمقدمہ فضل بذل الرحمن بنام شمس النساء بیگم پر یوی کونسل کی جو ڈیشل کمیٹی نے حکمت کی صدر عدالت کے ججوں کی اس رائے کے بارہ میں جب کہ انہوں نے مقدمہ ہذا میں مسلم لا کے لاگو کرنے سے انکار کر دیا تھا، یہ لکھا:

”دیرلارڈ شپس (فاضل ججان) پُر زور طریقہ پر اس اخذ کردہ نتیجہ سے اختلاف کرتے ہیں۔ ان کی رائے میں وہ نتیجہ برٹش انڈیا کی عام پالیسی کے اصول کے برعکس ہے۔ خاص کر محولہ بالا قانون (Reg IV of 1793, Sec 15) جس میں یہ لازم قرار دیا گیا ہے کہ ججوں کو شادی، ذات پات اور تمام مذہبی رسم و رواج اور اداروں سے متعلق مسلمانوں کے مقدمات مسلم لا کے مطابق اور ہندوؤں کے معاملات کو ہندو لا کے مطابق (عام اصول کے مطابق) غور کر کے فیصلہ کرنا چاہئے۔

مسلم قوم کے واجب اندیشوں کا وہ اس سے زیادہ تصور نہیں کر سکتے جبکہ بر بنائے فیصلہ ہائے عدالت وہ قوانین شخصیہ جن کا اطلاق ان کے لیے جائز طور پر محفوظ کر دیا گیا تھا اس کو ایسے مسئلہ پر نظر انداز کر دیا گیا جس کا ان کی خانگی زندگی سے تعلق تھا۔

فصل دوم: مسلم فقہ کا ارتقا

تمام طریقہ ہائے قانون میں تاریخی اعتبار سے فقہ اسلامی کا ارتقا سب سے زیادہ دلچسپ اور حیرت انگیز ہے۔ چھوٹی سی ابتدا سے اس نے مقابلتہ بہت ہی کم عرصہ میں نشوونما کر کے تعجب خیز ترقی کی ہے حتیٰ کہ مہذب دنیا کے سب سے اہم قوانین میں اس قانون کو نمایاں ترین مقام حاصل ہے

اسلامی فقہ کی شاندار تعمیر کی بنیاد کلام پاک کے قوانین اور آنحضرت ﷺ کی احادیث پر مبنی ہے لیکن اس بلند تعمیر میں مزید اضافہ بغداد، بخارا، شام، اندلس اور فارس میں ہوا۔ میں نے کسی دوسری جگہ اسلامی قانون اور یہودیوں کے قانون میں مشابہت کا حوالہ دیا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس ان فقہائے اسلام کے بہت سے اقوال کا بھی حوالہ ہے جو مسلمانوں کے اوج و ترقی کے دور کی یادگار ہیں جو کہ رومن لاکے مشترکہ موضوعات سے حیرت انگیز اور قوی مماثلت رکھتے ہیں اور اکثر یہ مماثلت اس قدر تحیر خیز ہے کہ ایک بالغ نظر محقق خود ہی سوال کرتا ہے کہ کیا یہ مشابہت ایک امر اتفاقی ہے یا باہمی عمل اور رد عمل کا نتیجہ ہے۔ ہر دو اقوام کے قریب تر تعلق اور اسکول و کالج کے میدانوں اور ہال میں مسلسل رابطہ پر غور کرنے کے بعد ایسا قیاس کرنا ناممکن ہے کہ رومیوں کے خیالات کا کوئی اثر عرب فقہاء کے تصورات قانون پر نہیں ہوا۔

شیعہ اور سنی فقہ

وہ ناخوشگوار اختلاف جو آج اسلامی دنیا کو دو بڑے طبقوں، شیعہ اور سنی میں تقسیم کئے ہوئے ہے اس کی اصل بنا وہ دنیوی اسباب تھے جو بالآخر ان کے فقہی مسائل میں بھی وسیع اختلاف کا باعث ہوئے۔ یہ اختلاف خاندانی نزاع سے شروع ہوا جس سے قانونی و اعتقادی مسائل پیدا ہوئے۔ شیعوں کا عظیم گروہ بھی چار مذاہب میں تقسیم ہے اور ان میں بھی اعتقادی اور قانونی امور میں اتنے ہی زیادہ اختلافات ہیں جتنے بڑے شیعہ اور سنی مذاہب میں سے کسی ایک میں۔ تاہم ایک دوسرے مذاہب میں آپس میں اتنی تلخی نہیں ہے جتنی کہ مشترکہ شیعوں کے خلاف ہے اس کی ظاہر وجہ مسئلہ امامت پر ان دو بڑے طبقوں میں اختلاف ہے۔

مسئلہ امامت اہل اسلام کی روحانی سربراہی سے متعلق ہے اور یہی شیعوں اور سنیوں کے درمیان ماہ الاقویاز ہے جس سے ہر دور کے نظریاتی عقائد کو ایک خصوصی ہیئت ملتی ہے۔ شیعہ، پیشوا کے انتخاب میں جماعت (رائے عامہ) کے اختیار کو (آنحضرت ﷺ کی نشاندہی کے باوجود) مسترد کرتے ہیں اور جائز حقوق کو یعنی تسلیم کرتے ہیں۔ اس کے برعکس سنی اجماع کے فیصلوں کو (خواہ کسی طرح حاصل کئے گئے ہوں) عالمگیر اہمیت دیتے ہیں۔ یہ مسئلہ آنحضرت ﷺ کے وصال کے فوراً بعد ہی زیر بحث اور تہیہ طلب ہوا۔ اس لئے کہ خلیفہ یا آنحضرت کے جانشین کا انتخاب اسلام کی سربراہی کے لیے ضروری ہو گیا۔ بنی ہاشم اور آنحضرت کے اقربا کا یہ اصرار تھا کہ اس منصب پر چونکہ آنحضرت ﷺ نے اپنے جانشین اور وصی کیلئے حضرت علیؑ کیلئے خیال ظاہر فرمایا تھا اس لئے ان کا اصرار تھا کہ اس منصب پر حضرت علیؑ کا حق ہے۔ ادھر قریش جو اپنے طور پر بنی ہاشم کے مخالف تھے انہوں نے انتخاب پر اصرار کیا۔ جب کہ بنو ہاشم آنحضرت ﷺ کی تجبیز و تکفین میں مصروف تھے۔ حضرت ابو بکرؓ جن کو مکہ میں پختگی رائے اور منصب کی بنا پر ایک بلند مقام حاصل تھا قریش کی کثرت رائے سے منصب خلافت کے لیے منتخب ہو گئے۔

اسلام کے خلیفہ اول

حضرت ابو بکرؓ کا دور خلافت کے تیسرے سال انتقال ہو گیا اور حضرت عمرؓ (ابن الخطاب) ان کے جانشین ہوئے۔ ان کے دور میں مسلمانوں کو شام، مصر، اور فارس کی فتوحات حاصل ہوئیں۔ ان کے وصال کے بعد حضرت علیؑ کو اس شرط پر خلافت پیش کی گئی کہ وہ اول دو خلفا کے مقررہ اصول کے مطابق خلافت کی ذمہ داریوں کو انجام دیں گے لیکن حضرت علیؑ نے یہ اصرار کیا کہ تمام معاملات جن میں کوئی واضح حکم یا آنحضرت کا فیصلہ نہ ہو وہ اپنی رائے پر انحصار کرتے ہوئے فیصلہ کریں گے پس انہوں نے منصب خلافت سے انکار کر دیا۔ حضرت علیؑ کی یہ اہم رائے شیعہ اور سنیوں کے درمیان اختلاف کی ایک اور بنا ہوئی اس پر حضرت عثمانؓ کو خلافت پیش کی گئی انہوں نے انتخابی جماعت کی شرائط کو قبول کر لیا۔

فقہی اختلاف

سنی اور شیعہ کے مابین مسائل شرعیہ میں اسی واقعہ سے اختلاف کا آغاز ہوتا ہے۔ حضرت ابو بکرؓ و حضرت عمرؓ کے مقررہ اصولوں پر حضرت عثمانؓ کی بلا چون و چرا رضامندی اور ان اصولوں کو بدلتی ہوئی انسانی ضروریات کو بلا کسی وجہ جانے منطبق کرنے کی بنا پر سنی فقہ میں ایک اور امتیازی صورت پیدا ہو گئی۔ حضرت ابو بکرؓ و حضرت عمرؓ ہر دو اپنے دور ان خلافت حضرت علیؓ کے وضع کردہ اصول شرع کا پاس رکھتے تھے۔ اور حضرت علیؓ کی توضیحات احادیث کے مطابق فیصلے صادر کرتے تھے لیکن حضرت عثمانؓ نے ایک مختلف مثال قائم کی۔ آپ نیک طبیعت اور سادہ مزاج خلیفہ تھے اور کلیتہً اپنے سیکریٹری و عزیز معاویہؓ (جو کہ بعد میں خلیفہ ہوئے) کے مشورہ پر عمل کرتے تھے۔ وہ ایک عرصہ تک خلافت کرنے کے بعد سپاہ مصر کے ہاتھوں جس کے سردار محمد ابن ابو بکر تھے ایک پر آشوب دور حکومت کے بعد شہید کر دئے گئے۔ ان کی وفات کے بعد حضرت علیؓ خلیفہ منتخب ہوئے ان کا منصب خلافت پر فائز ہونا مخالف گروہ کے لیے دو شدید بغاوتوں کا اشارہ تھا۔ ایک کی سربراہ حضرت ابو بکرؓ کی صاحبزادی حضرت عائشہؓ تھیں جسے بلا کسی مشکل کے فرو کر دیا گیا لیکن دوسری زیادہ کامیاب رہی۔ حضرت عثمانؓ نے اپنے دور خلافت میں اپنے عزیز معاویہؓ پر ابو سفیان کو شام کا گورنر بنا دیا تھا۔ اس جاہ طلب سردار نے حضرت عثمانؓ کی شہادت سے اپنی قوت میں اضافہ کا موقع حاصل کر لیا اس طرح یہ بغاوت بالواسطہ ان بہت سی تباہیوں کا پیش خیمہ بنی جو اسلام کو پیش آئیں۔ انہوں نے کئی لڑائیوں میں متواتر ہزیمت کے بعد ثالثی کے ذریعہ نزاع طے کرنے کی اپیل کی جسے حضرت علیؓ نے مزید خونریزی بچانے کیلئے قبول کر لیا۔ ابو موسیٰ العشری اہل بیت (آنحضرت ﷺ) کی جانب سے اور عمر بن العاصؓ، معاویہؓ کی جانب سے حکم مقرر ہوئے۔

عمر بن العاصؓ نے ان زخموں کے اندمال کیلئے جو اسلامی دنیا کے وجود پر آئے تھے یہ تجویز رکھی کہ دونوں کو معزول کر دیا جائے اور کسی دیگر شخص کو خلیفہ منتخب کیا جائے۔ ابو موسیٰ نے اس تجویز سے اتفاق کر لیا مگر جب لوگ ثالثوں کا فیصلہ سننے جمع ہوئے تو انہوں نے اعلان کیا کہ حضرت معاویہؓ و حضرت علیؓ دونوں کو معزول کر دیا گیا

تے۔ اس کے بعد عمر بن العاص نے اعلان کیا کہ وہ حضرت علی کو معزول کرنے میں ابو موسیٰ سے مشفق ہیں مگر معاویہ کے منصب خلافت کی تصدیق کرتے ہیں۔ یہ منصوبہ جس جسارت اور بدعتی سے بروئے کار لایا گیا اس سے ان تمام لوگوں کو جنہوں نے مالشی کو اسلام میں مزید خونریزی روکنے کا ایک ذریعہ سمجھا تھا شدید مایوسی ہوئی۔ عمر ابن العاص کے اس عمل سے بنی فاطمہ غضبناک ہوئے اور ہر دو فریق یہ قسم کھا کر جدا ہوئے کہ وہ ایک دوسرے کے خلاف نہ مننے والی نفرت جاری رکھیں گے۔ کچھ ہی عرصہ بعد کوفہ کی ایک مسجد میں حضرت علیؑ اثنائے نماز میں شہید کر دئے گئے۔ انکی شہادت سے معاویہ کو موقع ملا اور انہوں نے شام اور حجاز میں اپنی حکومت کو مضبوط کر لیا۔

معاویہؓ

امیر معاویہ کے منصب خلافت پر فائز ہونے تک اولین خلفائے اپنی اعلیٰ صفات سے منصب خلافت کو مقدس و متبرک بنا دیا تھا۔ اس وقت تک کسی بھی فریق کو نہ کوئی جہاگاہ (امیازی) لقب دیا گیا تھا نہ اس نے اختیار کیا تھا اور اس وقت تک حضرت علیؑ کے حامی (طرف دار) محض بنو ہاشم کہلائے جاتے تھے لیکن معاویہ کے عہد میں اہل بیت کے پیرو شیعہ یا وابستگان کہلائے جانے لگے۔ جب کہ معاویہ کے طرف دار امویس (اموی) کہلائے۔

جب عباسیوں نے غلبہ حاصل کیا تو وہ فریق جس نے موروثی جانشینی پر اصول انتخاب کو ترجیح دی تھی اس نے خود کو اہل سنت والجماعت کہلوا یا۔ بنی فاطمہ نے سبز رنگ کو جو آنحضرت ﷺ کو پسند تھا اپنے حق کی علامت رکھا۔ اس کے برعکس بنی امیہ نے اپنا نشان سفید رکھا۔ اب تک دونوں گروہوں میں اختلاف خاص کر سیاسی اور خاندانی تھا لیکن پھر اعتقادی اور قانونی اختلافات نے وہ بھرپور شدت اختیار کی جو آج تک قائم ہے۔

شیعہ حضرات نہ صرف اس اجماع کے فیصلوں کو ناجائز قرار دیتے ہیں بلکہ ان تمام احادیث کو بھی تسلیم نہیں کرتے جو ماسوا حضرت علیؑ یا ان کی اولاد (جنہوں نے کہ آنحضرت ﷺ کو دیکھا اور ان کی صحبت سے مشرف ہوئے) سے مروی ہیں۔

قرآن

مسلم لا اگرچہ اصلاً قرآن پاک پر مبنی ہے مگر بہت سے قواعد و اصول جو کہ فی زمانہ مسلمانوں کی زندگی پر محیط ہیں اس میں نہیں ہیں۔ گو بلاشبہ اسکمیں ان تمام بنیادی اصولوں کی تخم ریزی ہے جن سے زندگی کے ان متنوع معاملات کی ترتیب ہوتی ہے جو مذہبی دیوانی اور فوجداری امور پر حاوی ہیں۔ بلکہ ان سے ایک حکمراں نظام کے دستور اور اس کے نفاذ کی بھی نشاندہی ہوتی ہے جو سیاست اور سماجی اقتصادیات پر بھی حاوی ہیں۔

کلام پاک کے بارے میں زیادہ تر اس پر زور دیا جاتا ہے کہ اس میں ترتیب کا سلسلہ مفقود ہے۔ اصلاً اس کی وجہ یہ کہ آنحضرت ﷺ کی حیات مبارکہ میں یہ بتدریج نازل ہوتا رہا اور وہ اخلاقی اصول اور قانونی مسلمات جن پر کلام پاک مشتمل ہے وہ ایک ساتھ ہی مجموعی قانونی کتاب کی صورت میں نازل نہیں ہوئے بلکہ وقت کے تقاضوں اور حالات کی ضروریات کے مطابق ”جو ایک سادہ اور قدیم سماج میں پیدا ہوتے رہے“ نازل ہوئے۔

شیعہ اصول

شیعہ فقہ کے مطابق احادیث رسول ﷺ کی کلام پاک کے احکام کے ضمیمہ کی حیثیت ہے اور ان پر عمل کا انحصار اسی درجہ تک ہے جتنا کہ نصوص قرآنی اور احادیث میں تطابق ہے۔ پس وہ احادیث جو کلام پاک کے واضح احکامات کے برعکس ہیں غیر مستند سمجھی جاتی ہیں۔ احادیث کا یہ استخراج مسلمہ اصولوں کے منطقی قواعد اور واضح حقائق کی بنا پر کیا جاتا ہے اور یہ معتزلہ نے ایک خاص طریقہ پر مرتب کئے ہیں۔ اور ان ہی کی بنا پر آنحضرت ﷺ کی حدیث قدسی سے ان مروی احادیث کو خارج کر دیا گیا ہے جو آنحضرت ﷺ کی ترقی پذیر تعلیمات سے جن کی بعض عالموں اور فقہانوں نے تشریح اور وضاحت کی نہ مطابق ہیں اور نہ کوئی مناسبت رکھتی ہیں۔

اس کے برعکس اہل سنت کے قوانین کی بنیاد کلیہ احادیث پر ہے اور وہ خانائے راشدین کے متفقہ فیصلوں اور اجماع امت کو نصوص و احکامات قرآنی کا تہمتہ سمجھتے ہیں اور ان کو بھی اسی طرح حجت تسلیم کرتے ہیں۔

مسلم لا کے ماخذ

اہل سنت کے نزدیک شرع شریف کے ماخذ جن کی تعداد مقرر ہے ترتیب میں مختلف نہیں ہیں اور ان کو ہی فقہ (اہل سنت) کی اصولی بنیاد کہا جاتا ہے۔ اہل سنت کے مختلف مذاہب میں ان کے بارہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے گو ان قواعد کی توضیح و استدلال میں وہ ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ (۱) قرآن (۲) احادیث (سنن رسول ﷺ جو آنحضرت سے مروی ہیں) (۳) اجماع امت (پہروں کے درمیان جن پر اتفاق ہے) (۴) قیاس (تمثیلی حجت) یہ وہ اساسی بنیادیں ہیں جن پر کہ فقہ اہل سنت قائم ہے۔

آنحضرت ﷺ کی احادیث میں یہ سب امور شامل ہیں:

(الف) آپ کے تمام الفاظ، ارشادات اور زہالی ہدایات (قول)

(ب) آپ کے تمام افعال (معروفیات) اور روزانہ کے طریقے (افعال)

(ج) کسی کے بارہ میں آپ کا سکوت جس سے مراد ہے کہ آپ نے صحابہ کے

کسی انفرادی فعل کو پسند فرمایا۔ اصول جو ان ذیلی ذرائع سے مستنبط کئے گئے ہیں وہ بہ اعتبار

دائرہ استناد بڑی حد تک مختلف النوع ہیں۔ اگر یہ اصول یا احادیث عام طور پر مشہور ہیں

جن کو ہم "احادیث متواترہ کہتے ہیں" تو یہ قطعاً قابل اعتماد اور فیصلہ کن ہیں۔ اگر احادیث

ایسی ہیں جن سے عام طور پر لوگوں کی اکثریت واقف ہے مگر عام تواتر کی نوعیت نہیں

ہے تو وہ "احادیث مشہورہ" سے موسوم ہیں۔ مگر اخبار واحد یعنی وہ احادیث جن کے بارہ

میں ایک تنہا فرد کی سند ہے ان کو کوئی اہمیت نہیں ہے پس وہ احادیث جو آنحضرت ﷺ

کے صحابہ اور آپ کی حیات مبارکہ کے دوران بیان کی گئیں آپ سے قربت کے قطع

نظر وہی صحیح اور مستند سمجھی جاتی ہیں جو بعض ان تنقیدی شرائط کے معیار پر جو ان کی سند

تحقیق کیلئے وضع کی گئی ہیں پوری اتریں۔

۳۔ اجماع الامت سے فشا عام مسلمانوں کا متفق رائے ہونا ہے۔ اجماع میں

آنحضرت کے تمام اذکار، توضیحات، تاویلات شامل ہیں۔ نیز آپ کے مخصوص صحابہ، ان

کے جانشینوں اور عظیم فقہاء کی دینی و دنیوی مسائل سے متعلق آرا بھی شامل ہیں۔

۴۔ قیاس۔ یہ تمثیلی انداز پر استخراج ہے جو کہ اہل سنت کے مسالک فقہ میں

اختلاف آرا کا خاص سبب ہے۔

شیعہ فقہ کے مآخذ

اہل تشیع کسی ایسی حدیث کی صحت کو تسلیم نہیں کرتے جو اہل بیت مشمولہ حضرت علیؑ حضرت فاطمہؑ اور ان کے جانشینوں سے منقول نہ ہو۔ حتیٰ کہ وہ ان تمام فیصلوں کے جواز کو بھی جو ان کے روحانی پیشوا و ائمہ نے نہیں کئے رد کرتے ہیں۔ قیاس کے منطبق کرنے اور قدیمی روایات سے استخراج کے بارہ میں بھی وہ سنیوں سے بہت مختلف ہیں جب تک کہ صفوی شہنشاہوں نے مذہب شیعہ کو حکومت کا مذہب قرار نہیں دیا تھا اس مذہب کے پیرو ہمیشہ تحقیر اور ظلم و ستم کا نشانہ رہے۔ وہ زیادتیاں جو وقتاً فوقتاً شیعوں پر کی گئی تھیں، ان کے گہرے نقوش ان کے فقہی تصورات دینی و دنیاوی علاقے ”مذہب و ریاست“ کے مابین فرق پر ثبت ہیں۔ شیعوں نے اس بنا پر کہ ان کے امام آخر الزماں جو قدرت الہی سے روپوش ہو گئے نیز یہ عقیدہ کہ وہ اب تک حیات ہیں اور دشمنان اسلام کو ختم کرنے کیلئے پھر ظاہر ہوں گے مزید ان تعدیوں کی وجہ سے جو ان پر کی گئیں، انہوں نے دینی اور دنیوی امور کو الگ کر دیا ہے۔ بایں ہمہ مجتہدین جو شیعہ فقہ کی توضیح کرتے ہیں ان کا شیعہ حکومتوں میں ایسا اقتدار ہے جو ترکستان کے شیخ الاسلام کا بھی نہیں ہے۔

ضبطی

مذہب اور سلطنت کے علیحدہ ہونے کا نتیجہ اصول ضبطی ہی میں سب سے زیادہ نمایاں ہے۔ اہل تشیع کے مطابق بیت المال کی ضبطی نہیں ہو سکتی۔ شیعہ عقیدہ کے مطابق بیت المال کا تصور ہی قابل نفرت ہے۔ وہ تمام جائیداد جو کسی شخص کے لاوارث مر جانے پر ضبط کی جاتی ہے وہ روحانی امام کو ملتی ہے۔ اور اس کی عدم موجودگی میں اس کے نمائندہ کو جو اس جائیداد کو متولی کے ہم وطن غربا میں تقسیم کر دیتا ہے۔

شیعوں کے فرقے

شیعہ کئی ذیلی فرقوں میں تقسیم ہیں۔ مثلاً اثنائے عشریہ یا امامیہ (بارہ اماموں کے پیرو) اسماعیلیہ جو حضرت امام جعفر صادق (چھٹے امام کے لڑکوں میں سے ایک) کے

پیر و جدید یہ بلیہ باطنیہ (مجازیہ) وغیر وہ ان سب کا فقہ کے اصولوں کی تشریح میں اتنا اختلاف نہیں ہے جتنا کہ اعتقادات میں۔ معتزلہ جو شیعوں کی ایک شاخ ہے (ابتدائی مدینہ اسکول) اماموں سے قریب ترین مشابہ ہے۔ معتزلہ فرقہ کا عروج تاریخ اسلام کا بہت ہی دلچسپ واقعہ ہے۔ اس کے ابتداء و اصل ابن عطا (جو امام حنیفہ کا معاصر تھا) کے ان اعتقادات سے انحراف کی بنا پر ہوئی جنکی حضرت امام بصری نے انہیں تعلیم دی تھی۔

حضرت امام حسن کی تعلیم خاندان فاطمی کے فلسفیوں میں ہوئی تھی اور ان کے خیالات کی وسعت اپنے معاصرین کے نظریات سے مختلف تھی اور واصل نے بھی انہی ذرائع سے علم حاصل کیا تھا مگر جبر و اختیار کے مسئلہ پر حضرت حسن بصری سے اس کا اختلاف ہو گیا اور اس نے اپنا ایک علیحدہ فرقہ بنا لیا اس کے پیروں نے معتزلہ یا اہل الاعتزال (اختلاف کرنے والے) کا لقب اختیار کیا۔ واصل نے فاطمی فلسفہ میں دونوں طریقوں اور اصولوں کو اپناتے ہوئے ان نظریات کو مرتب کیا جو عام طور پر اس کے مذہبی تصورات سے اختلاف کی بنیاد ہیں۔ اس کی بے چین طبیعت اسے اکثر ذہنی استبداد کی مخالفت (عناد دشمنی) میں اعتدال کے حدود سے متجاوز کر دیتی تھی تاہم اس کے فرقہ کی واقعیت پسندی کی وجہ سے اس دور کے اعلیٰ اور قابل دماغ اس کے جھنڈے کے نیچے بطور اس کے پیر و جمع ہو گئے۔ انہی میں (کشاف کے مصنف) امام ابوالحسن المسعودی جو امام مورخ اور فاضل تھے۔ پیر خونند اور خونند میر جو روضۃ العضا اور حرب السیر کے مصنف ہیں یہ سب معتزلی تھے۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ معتزلہ حضرت علی اور ان کی اولاد کے خیالات (جو بہت سے علوم سے آراستہ تھے) کے ہمنوا تھے اسلئے کہ بنی فاطمہ کے اعتقادات واصل کے قائم کردہ طریقے جن کی اصلاح امور زخشری نے کی۔ قریب ترین مماثلت رکھتے ہیں۔ یہ امر مسلمہ ہے کہ علمائے معتزلہ خود بنی فاطمہ تھے یا بنی فاطمہ سے تعلیم یافتہ تھے۔

معتزلہ کے اعتقادات

معتزلہ کا یہ عقیدہ ہے کہ انصاف تمام انسانی اعمال کی روح ہے اور انصاف کا منشا یہ ہے کہ انسان کے افعال اس کے ضمیر اور عقل کے مطابق ہوں۔ بقول معتزلہ

انسانی افعال کے متعلق کوئی ابدی اور ناقابل تبدیل قانون نہیں ہے اور احکام الہی جو کہ انسانی افعال کی راہ راست پر نشاندہی کرتے ہیں وہ انفرادی اور اجتماعی ارتقا کا نتیجہ ہیں۔ ان کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ اوامر و منہیہ اور امید و بیم جو نوع انسانی سے متعلق ہیں بلا شک و شبہ انسانیت کی ترقی کے موید ہیں اور احکام شرعیہ عقل انسانی کے ارتقاء کے ساتھ ترقی کرتے رہتے ہیں۔ معتزلہ کے اعتقادات کو عبد اللہ المامون نے قبول کیا۔ اس نے اور اس کے بعد کے دو جانشینوں نے معتزلہ فلسفہ اور الٹھیات کو تمام مسلم دنیا میں پھیلانے کی کوشش کی مگر اسلام کی بد نصیبی سے قدما ان فرمانرواؤں کے مقابلہ میں بھی زیادہ طاقت ور ثابت ہوئے اور ایک خود ساختہ تقلیدانہ (تقلید پسند) عقیدہ (مذہب) متوکل علی اللہ جیسے کٹر رہنمائی میں (جو ترقی اور اصلاح کا مخالف تھا) بالآخر خلافت کے زوال کا سبب بنا۔

امامیہ

ہندوستان کے شیعہ خاص کر اثنا عشریہ یا امامیہ ہیں۔ اثنا عشریہ میں دو فرقے ہیں، اخباری اور اصولی یعنی جو مجتہدوں (فقہائے مذہب) کے بعض اصولوں کی تشریح کے پابند ہیں اور وہ جو تاویلات کے اثر کو قبول کرنے سے قطعاً انکار کرتے ہیں تا وقتیکہ تاویلات عقل سلیم اور فہم کے مطابق نہ ہوں۔ اصولی ہر قانونی مسئلہ پر قیاس (ذاتی رائے) کو تسلیم کرتے ہیں اور جیسا کہ آپ دیکھیں گے اس معاملہ میں وہ اہل سنت کے مخصوص مذہب سے قریب ہیں اور اعتقاد و ارتقا کو تسلیم کرتے ہیں۔ وہ معتزلہ سے بہت قریب ہیں۔

خو جے

خو جے احاطہ بمبئی میں ملتے ہیں اور بہت سے بوہروں کی طرح اسماعیلیہ عقیدہ سے مطابق ہیں اگرچہ وراثت کے معاملات میں ہندو رواج کے پابند ہیں مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان کا وہی اصول ان کی جائیداد کے انتقال پر بھی لاگو ہوتا ہو۔ پس یہی قیاس کرنا ہوگا کہ ان معاملات میں وہ اپنے فرقے کے ہی قانون (جس سے وہ متعلق ہیں) کے پابند ہیں اور چونکہ اسماعیلیہ کا کوئی قانونی نظام نہیں ہے ان پر عام شیعہ قانون لاگو ہوتا ہے۔

بوہروں کی اکثریت اسماعیلیہ ہے لیکن وہ خوہجوں کے امام کو نہیں مانتے۔ ان کا روحانی پیشوا عیسیٰ میں رہتا ہے اور ان کی جائیداد کے انتظامات نام مسلم لا کے مطابق ہوتے ہیں۔ کجرات کے کچھ حصوں کے سنی بوہرے جو ابتداً راجپوت تھے وہ اسماعیلی بوہروں سے بالکل الگ ہیں۔

شیعہ

۹۰۰ ہجری میں شہاد اسماعیل صفوی جو کہ صفوی خاندان کا بانی تھا اس نے شیعہ عقیدہ کو اٹلی فارس کا قومی مذہب اور قانون بنا دیا اور جب سے اب تک ایسا ہی چلا آ رہا ہے حتیٰ کہ افغان خانب اشرف اور بے رحم نادر شاہ تک نے سنی عقیدہ کو راج کرنے کی کوششیں کیں مگر کامیابی نہیں ہوئی۔ ہمایوں کی ۱۰۰۰ ہجری میں ایران سے واپسی تک شیعہ خاص کر بیجاپور اور گولکنڈہ کی حکومتوں تک محدود تھے بہمنی اور عادل شاہی بھی شیعہ تھے اور اصل ایران کے ہم عقیدہ ہونے کی وجہ سے انہوں نے ایرانی تمدن بھی اختیار کر لیا تھا۔ شیر شاہ سوری کے انتقال کے بعد جب ہمایوں ہندوستان لوٹا تو حکومت ایران سے جو اسے قومی مدد ملی تھی اس کے بدلہ میں کہا جاتا ہے کہ وہ یہ عہد منعم کر کے لوٹا تھا کہ وہ شیعہ عقائد کو ہندوستان میں راج کرے گا۔ اس میں صداقت خواہ کچھ بھی ہو مگر اس میں شک نہیں کی بہت سے شیعہ علما ہمایوں کے ساتھ ہندوستان آئے اور انہوں نے یہاں سکونت اختیار کی۔ اس طرح شیعہ مذہب لوگوں میں پھیلنے لگا جو حکومت کا مذہب سنی رہا تاہم شاہ جہاں کا دوسرا لڑکا شاہ شجاع شیعہ تھا اور ۱۶۵۷ء میں بادشاہ امجد علی شاہ نے اودھ میں حکومت کا مذہب شیعہ قرار دیا اور یہی وجہ ہے کہ اس صوبے میں مسلمانوں کی کثیر آبادی شیعہ ہے۔ اسی طرح ضلع مراد آباد میں بھی شیعہ آبادی اکثریت پر مشتمل ہے۔

فصل سوم :- سنیوں کے مذاہب فقہ

سنیوں کے اصل چہار مذاہب فقہ اپنے بانیوں کے نام سے موسوم ہیں۔ انہیں مجتہد یا امام (فقہ کی اعلیٰ ترین توضیح کرنے والے) کا نام دیا گیا۔ وہ اپنے علم و

فصل کی بنا پر اس کے مستحق تھے کہ مسائل شرعیہ کی توضیح میں کسی کی پابندی نہ کریں بلکہ اپنی رائے اور قیاس کے مطابق ان کی وضاحت کریں۔ گو مذاہب اربعہ بنیادی اصولوں میں متفق ہیں مگر قیاس اور شرع کی توضیح و وضاحت کو علی الترتیب کتنی اہمیت دی جائے اس میں باہم مختلف ہیں۔

امام ابو حنیفہ

سنیوں کے پہلے اہم اور ممتاز (فقہ کے بانی) امام ابو حنیفہ تھے جو عبد الملک بن مردان کے عہد میں ۸۰ء ہجری میں پیدا ہوئے اور شیعہ مذہب میں تعلیم پائی اور حضرت امام جعفر صادق (اہل بیت کے چھٹے امام) سے علم فقہ حاصل کیا اور علم حدیث ابو عبد اللہ بن مبارک اور حامد بن سلمان سے پڑھا۔ یہ امام اعظم اپنے استاد (امام جعفر صادق) کے اقوال اکثر سنا نقل کرتے ہیں۔ اپنے وطن اصلی شہر کوفہ کو مراجعت کے بعد اگرچہ وہ حضرت علیؑ کے اصل خاندان کے مسلسل بہت پر جوش اور مستقل طرفدار و حامی رہے مگر مذہب شیعہ سے اپنا تعلق علیحدہ کر لیا اور ایک نئے مذہب کی بنیاد ڈالی جو بہت سے مسائل فقہ میں شیعہ مذہب سے مختلف ہے۔ تاہم امام اعظم کی توضیحات مسائل (فتاویٰ) اور شیعوں کی توضیحات کے برابر (اقوال) میں اتنی مشابہت ہے کہ ان کے اصل تاثر کی بنیاد کے بارے میں شک و شبہہ کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔ انہوں نے اصول فقہ کی توضیح میں قیاس کے لیے جس قدر وسعت خیال (لچک) کی گنجائش رکھی وہ بلا شک علمائے اہل بیت کے اقوال کا عکس معلوم ہوتا ہے۔ امام اعظم نے ۱۵۰ھ میں وفات پائی اور وہ مذہب جو انہوں نے قائم کیا ”حنفی مذہب“ کہلاتا ہے اور یہ (مذہب) ہندوستانی مسلمانوں کی اکثریت، افغانان، ترکمان اور قریب قریب تمام وسط ایشیا کے مسلمانوں اور ترکوں مصریوں میں رائج ہے۔

در حقیقت اس مذہب کے سب سے زیادہ پیرو ہیں۔ امام اعظم کی تعلیمات کی توضیح و تشریح ان کے دو گرامی شاگردوں ابو یوسف اور امام محمد نے کی ہے۔

امام ابو یوسف، بغداد

امام ابو یوسف (یعقوب ابن ابراہیم کوفی) ۱۱۳ ہجری مطابق ۳۱۷ء میں پیدا

ہوئے اور ۱۸۳۳ ہجری مطابق ۱۸۰۱ء میں بغداد شریف میں انتقال کیا۔ یہ ابو حنیفہ کے شاگرد تھے خلیفہ ہادی باللہ نے پہلے انہیں بغداد شریف کا قاضی مقرر کیا۔ بعد ازاں خلیفہ ہارون الرشید نے سلطنت کے قاضی القضاة کے عظیم منصب پر انہیں مامور کیا اور یہی وہ پہلے شخص ہیں جو اس بلند منصب پر فائز ہوئے۔

امام ابو یوسف کے فتاویٰ کا مجموعہ ہارون الرشید کے وزیر جعفر بن یحییٰ بن برکنی کی سرپرستی میں شائع ہوا اور اسی لئے وہ فتاویٰ برکنی کہلاتا ہے اور مسلم لاکے شارحین بکثرت اسکا حوالہ دیتے ہیں۔

امام محمد

یہ امام ابو عبید اللہ محمد (ابن حسین الشعبانی) ۱۳۴ ہجری میں مطابق ۷۵۲ء میں بمقام واسیت میسونیا پویمہ میں پیدا ہوئے اور ۱۸۷ ہجری مطابق ۸۰۵ء بمقام رے ان کا انتقال ہوا امام محمد جن کو عام طور پر اسی نام سے پکارا جاتا ہے وہ بھی امام ابو حنیفہ کے شاگرد اور امام ابو یوسف کے استاد بھائی تھے۔ امام اعظم کے انتقال کے بعد ابو یوسف سے ہی انہوں نے تعلیم حاصل کی اور متعدد تصنیفات چھوڑیں جن کی شرح فقہ حنفی کے ممتاز ترین قانون دانوں نے کی ہیں۔ امام ابو حنیفہ اور ان کے ہر دو متذکرہ شاگردوں کے بعد (سنی) حنفی مذہب میں امام زفر ابن البازل ہیں۔ یہ بصرہ میں چیف جسٹس تھے اور بصرہ میں ۱۷۸ ہجری مطابق ۷۷۳ء میں انتقال کر گئے۔ ان کے ساتھ حسن بن زیاد کا نام آتا ہے یہ دونوں فقیہ ہم عصر اور دوست تھے اور امام ابو حنیفہ کے شاگرد تھے۔

اساتذہ کا مقام

حنفی مذہب کے فقہاء کی علی الترتیب استناد کے متعلق رائے ابتدائی زمانہ کی بہ نسبت بعد کے دور میں زیادہ واضح ہو گئی، بقول سر ولیم جونز ”اگرچہ امام ابو حنیفہ کو رائج الوقت مذہب کا سربراہ تسلیم کیا جاتا ہے اور وہ مذہب بھی انہی کے نام سے موسوم ہے تاہم ابو یوسف اور امام محمد کا اس قدر احترام ہے کہ ان صورتوں میں جب کہ وہ اپنے استاد سے اختلاف کرتے ہیں، مسلمان حج کو اختیار ہے ان دونوں میں سے کسی ایک کے قول کو جو زیادہ ہم آہنگ اور مستند ہو اختیار کرے“ یہ رائے تفصیل طلب اور کسی حد تک قابل ترمیم ہے۔

در مختار میں اس اصول کو اس طرح بتایا ہے قاضی کو مثل مفتی امام ابو حنیفہ کے قول کو علی الاطلاق اختیار کر لینا چاہئے خواہ ان کے شاگرد اس سے متفق ہوں یا نہ ہوں۔ اور امام اعظم کے بعد ابو یوسف اور ان کے بعد محمد اور ان کے بعد زفر اور حسن بن زیاد کے قول پر عمل کرنا چاہئے مگر اس واضح قول کا صرف اسی وقت اطلاق ہوتا ہے جب کہ خود قاضی میں نتائج اخذ کرنے کی صلاحیت نہ ہو۔

علی الترتیب استناد

ہدایہ میں بھی اسی طرح بتایا ہے کہ فتاویٰ بنیادی طور پر امام ابو حنیفہ کی توضیحات کے مطابق ہونا چاہئیں اور اس کے بعد علی الترتیب ابو یوسف، امام محمد زفر اور حسن کے نام آتے ہیں۔ ایسا بھی ہے کہ کسی مسئلہ پر امام ابو حنیفہ کی کچھ رائے ہو اور ان کے دونوں شاگردوں کی متفقہ رائے کچھ اور ہو تو اس صورت میں مفتی کو ان دونوں میں سے کسی ایک کی رائے اختیار کرنے کی آزادی ہے لیکن یہ صرف اسی صورت میں ہے جب کہ مفتی واقعی متفق نہ ہوں۔ اسلئے کہ وہ مختلف متضاد آراء سے نتیجہ اخذ کرنے کا اہل نہیں ہوتا۔

کفایہ میں یہی خیال ظاہر کیا گیا ہے۔ امام سرخسی نے بھی قانون مسائل میں امام ابو یوسف کی رائے پر انحصار کرنا زیادہ محفوظ سمجھا ہے اور عالموں و فاضلوں نے ایسی صورت میں انہی کی پیروی کی ہے۔ خواہ دونوں شاگردوں (صاحبین) میں کسی بھی مسئلہ پر اختلاف ہو لیکن جس شاگرد کی رائے امام ابو حنیفہ کے مطابق ہو اسی کی رائے قابل ترجیح ہے۔ دونوں شاگردوں کی متفقہ ایک ہی رائے اگرچہ امام ابو حنیفہ کی رائے سے مختلف ہو تو اسے اختیار کر لینا چاہئے بشرطیکہ یہ اختلاف انسانی معاملات میں حالات کی تبدیلی انسانوں اور وقت کے تقاضوں میں تبدیلی کی بنا پر ہو اور اسی لئے دور جدید کے قانون داں اس پر متفق ہیں کہ عدالت دیوانی کے معاملات میں فیصلہ کے لیے شاگردوں (صاحبین) کا اصول اختیار کرنا چاہئے۔

جامع القصر میں بھی درج ذیل الفاظ میں اس اصول کی تائید کی گئی ہے۔ اگر کسی مسئلہ کے بارے میں ہمارے اماموں میں اختلاف ہو اور دونوں شاگردوں (صاحبین) میں

سے کوئی ایک امام اعظم سے متفق ہو تو اس رائے کو صحیح تر سمجھنا چاہئے اور اگر دونوں شاکر دو امام اعظم کی رائے سے اختلاف رکھتے ہیں تو یہ غور کرنا ضروری ہے کہ آیا ان کا اختلاف حالات کی تبدیلی اور اغراض انصاف کی بنا پر ہے۔ ایسی صورت میں صاحبین کے قول کو انسانی حالات میں تبدیلی کی بنا پر قبول کر لینا چاہئے۔ مزارعت اور معاملات کی صورتوں میں ان کی رائے پر عمل کرنا چاہئے اس لئے کہ فقہائے حال بھی اس پر متفق ہیں مابوازیں فقہاء کا یہ اصول بھی ہے کہ قاضی کو بعد غور مماثل معاملات سے نتیجہ اخذ کرنے فیصلہ کرنا چاہئے۔

قاضی خان نے مفتی کے فرانس کے سلسلہ میں اس طرح وضاحت کی ہے۔ اور اگر مسئلہ ایسا ہے جس پر ہمارے فقہاء مختلف رائے ہوں تب یہ دیکھنا ہوگا کہ اگر صاحبین میں سے کوئی ایک امام اعظم سے متفق ہو تو ایسی صورت میں امام اعظم کی رائے اور اس شاکر دو کی رائے جو امام سے متفق ہو اختیار کرنا چاہئے اس لئے کہ یہی دلیل قوی ہے۔ اگر دونوں شاکر دوں کی رائے امام اعظم کی رائے سے مختلف ہو تب یہ غور کرنا ہوگا کہ آیا یہ اختلاف حالات زمانہ کے تغیر کی بنا پر ہوا ہے اور آیا ایسی صورت میں اغراض انصاف کے مطابق فیصلہ صادر کرنا چاہئے۔ اور کیا وہی اصول اپنانا چاہئے جو انسانوں کے تغیر پذیر حالات سے مطابق ہوں اور کیا معاہدوں اور دیوانی لین دین اور اسی طرح کے معاملات میں شاکر دوں کی رائے اختیار کرنا چاہئے۔ اگرچہ فقہاء کی علی الترتیب اسناد بعض اوقات وسیع تر مفہوم کی حامل ہوتی ہیں۔ تاہم قانون کے بغور مطالعہ سے ظاہر ہے کہ حج کے لیے اس بارے میں کافی گنجائش ہے کہ اسی قول کی پیروی کرے جو سب سے زیادہ اغراض انصاف اور سماج کے تبدیل شدہ حالات، مخصوص مقامات کی ضروریات اور باشندوں کے حالات سے زیادہ سے زیادہ مطابق ہو اور اسی لئے شرعی معاملات یا جن کو دینی امور (عبادات) کہا جاتا ہے ان میں ابو حنیفہ کی رائے سب سے زیادہ رائج ہے۔ لیکن دنیوی معاملات میں کوئی محدود قانون نہیں ہے۔ بعض معاملات میں ان کے اقوال سے جن سے بنیادی اصول کی توجیح ہوتی ہے وہ تسلیم کئے جاتے ہیں اور بعض امور میں ان کے شاکر دوں کی رائے تسلیم کی جاتی ہے۔ اگر وہ دونوں امام اعظم کی رائے سے اختلاف میں متفق ہوں۔ اگر دونوں (شاکر دو) آپس میں بھی اختلاف کرتے ہوں اور امام اعظم کا اس بارے میں کوئی

واضح متوازن قول فیصل نہ ہو تو ایسی صورت میں یہ حج کی مرضی پر ہے کہ وہ اس قول کو جو اغراض انصاف کی تکمیل میں زیادہ سے زیادہ مناسب ہو تسلیم کرتے ہوئے بروئے کار لائے۔ بعض صورتوں میں اگر امام اعظم اپنے شاگردوں میں سے کسی ایک سے بھی متفق ہوں تب بھی دوسرے شاگرد کی واحد رائے کو قبول کر کے اس پر عمل کیا جاتا ہے۔

مکرر یہ کہ بعض معاملات میں ایک کی رائے متفقہ طور پر دوسرے کے مقابلہ میں زیادہ مستند سمجھی جاتی ہے اور جب کسی خاص امر کی وضاحت کے سلسلہ میں عام اتفاق رائے نہ ہو تو بعض حلقوں میں ابو یوسف کے قول کو اور بعض میں امام محمد کے قول کو سند سمجھا جاتا ہے۔

مکرر یہ کہ حنفی فقہاء کے اقوال علی الترتیب اسناد کے بارہ میں خاص کر قاضی کے فرائض کے بارہ میں ان ابواب میں درج ہیں۔ انکی اصل غرض یہی ہے کہ اصولوں میں یکسانیت اور استحکام حاصل ہو سکے۔ تاکہ حج کی مضطرب صواب دید کو روکا جاسکے اور اس لئے اس قاضی کو جو تمثیلی دلائل یا نتائج اخذ کرنے کی صلاحیت سے متصف نہ ہو، چاہئے کہ فقہاء میں سے کسی ایک کے طے کردہ اصول کو اختیار کرے۔

دعوئی پر تمادی عارض ہونا

اگرچہ اصل مسلم لادعاوی کے لیے کسی تمادی کو تسلیم نہیں کرتا مگر زمانہ مابعد میں شاہان وقت عام طور پر بعض معاملات میں مدت کا تعین کرنے لگے تاکہ اس کے بعد مطالبہ کی کوئی کارروائی نہ کی جاسکے۔ مثلاً جیسا کہ بتایا جا چکا ہے کہ حکومت روم (سلطنت ترکیہ) کے بادشاہوں نے یہ حکم جاری کر دیا تھا کہ پندرہ سال منقضی ہونے کے بعد کوئی مطالبہ سوائے معاملات وراثت اور وقف کے نہیں کیا جاسکتا۔ طحاوی کے مطابق اس کا مقصد دتو کہ اور فریب کو روکنا تھا۔

حنفی مصنفین

وہ قانونی تصانیف جو کہ آٹھ صدیوں سے احناف میں مستند سمجھی جاتی ہیں عام طور پر دو حصوں میں تقسیم کی جاسکتی ہیں:

(الف) نصابی کتابیں

(ب) فیصلہ جات کے خلاصے جو فتاویٰ کے نام سے مشہور ہوئے۔
حنفی فقہاء کے مصنفین میں درج ذیل سب سے زیادہ مشہور ہیں۔

ابو بکر احمد بن عمر الخطاب جو مشہور ترین رسائل الموسوم بآداب القاضی کے مصنف ہیں ان کی ۲۶۱ ہجری مطابق ۸۷۳ء میں انتقال ہو گیا۔ خطاب کی آداب القاضی کی سب سے اہم شرح عمر بن عبدالعزیز بن ماجہ کی ہے جو عام طور پر حسین شہید کے نام سے مشہور ہیں وہ ۵۳۶ھ مطابق ۱۱۴۱ء میں شہید ہوئے۔ آگے کے صفحات میں ان کا اکثر حوالہ آئے گا۔

ابو جعفر بن محمد الطحاوی امام محمد کی جامع الصغیر کے شارحوں میں سے ایک ہیں۔ انہوں نے حنفی اصولوں کی ایک تلخیص ترتیب دی ہے جو مختصر الطحاوی کہلاتی ہے۔ یہ دونوں تصانیف بطور سند مستعمل ہیں مگر ہندوستان میں آسانی سے دستیاب نہیں ہیں۔ القدوری (ابن احمد محمد) دوسرے معروف فقیر ہیں ان کی تصنیف الموسوم "المختصر" کو ہندوستان میں بہت وزن اور اہمیت حاصل ہے۔ حتیٰ کہ حاجی خلیفہ نے ایسی کئی تصانیف کا ذکر کرتے ہوئے اس پر زور دیا کہ یہ کتاب اس قدر نام طور پر مشہور و معروف ہے کہ اس کو "الکتاب یا کتاب" سے موسوم کیا جاسکتا ہے اور فقہ سے متعلق مسائل کے بارے میں اگر کسی کتاب کا حوالہ یہاں آتا ہے تو اس کا مطلب 'مختصر القدوری' ہے۔ یہ قانون پر ایک نام رسالہ ہے۔ جو بارہ ہزار سے زائد نظائر پر مشتمل ہے۔ یہ قدرتی امر ہے کہ ایسی مشہور تصنیف کی شرح کئی مصنفین نے کی ہو فتاویٰ عالمگیری میں ان میں سے بہت سی شرحوں کے اقتباس ہیں۔

القدوری کا ۴۲۸ھ مطابق ۱۰۳۶ء میں انتقال ہو گیا۔ قدوری کی المختصر کی مشہور شرح الجوہر البشرہ ہے جس کو بعض وقت الجوہر المنیرہ بھی کہتے ہیں۔ Bartho کا قول ہے کہ یہ تصنیف اگرچہ ہدایہ کے بعد لکھی گئی ہے مگر کئی اعتبار سے زیادہ قابل قدر ہے۔ میں نے جوہر المنیرہ اور دوسری شرح مختصر موسوم بہ سراج الوہاج سے استفادہ کیا ہے۔

شمس الائمہ ابو بکر محمد الصورتی جو جامع الکبیر اور جامع الصغیر مصنفہ امام محمد اور دیگر تصانیف کی بہت سی شرحوں کے مصنف ہیں۔ بلکہ دوران قید (بمقام از بند) انہوں نے زیادات اور نوارد سے فقہ پر ایک بہت فاضلانہ کتاب الموسوم بہ "المحیط" لکھی ہے امام

محمد کی تصنیف 'مبسوط' اور ان کی بہت سی تصانیف میں سب سے زیادہ اس کے حوالے ملتے ہیں۔ سرخسی کی تصنیف 'محیط' بھی ہندوستان میں بڑی پایہ کی تصنیف سمجھی جاتی ہے۔ اور فتاویٰ عالمگیری میں اس کے اکثر حوالے ملتے ہیں۔

برہان الدین بن احمد نے بھی ایک محیط تصنیف کی ہے یہ اگرچہ ہندوستان میں مشہور ہے مگر اس کی اتنی شہرت نہیں ہے جیسی کی محیط السرخسی کی۔ برہان الدین محمد کی تصنیف عام طور پر "محیط البرہانی" کے نام سے مشہور ہے اور اس میں خاص طور پر امام محمد کی تصانیف مبسوط حماس، زیادات، سیر سے زیادہ مواد لیا گیا ہے۔ اس کتاب میں بھی امام محمد کی نوارد سے استفادہ کیا گیا ہے

شیخ علاء الدین بن السمرقندی نے بھی القدوری کی "مختصر" کا خلاصہ مرتب کیا ہے جو تحفۃ الفقہاء کے نام سے موسوم ہے۔ اور علاء الدین کی اس تصنیف کی شرح ان کے شاگرد ابو بکر ابن مسعود کاشانی نے کی ہے۔ جن کا ۵۸ھ مطابق ۱۱۹۱ء میں انتقال ہو گیا۔ یہ شرح بدائع الصنائع کے نام سے موسوم ہے۔ اصل کتاب اور اس کی شرح دونوں کا اکثر سند احوالہ دیا جاتا ہے۔

حنفی تصنیفات:- فقہ حنفی پر ہدایہ سب سے زیادہ مشہور تصانیف میں سے ایک ہے۔ اور یہ بدائع الشعر کی شرح ہے۔ اصل تصنیف اور شرح کے مصنف برہان الدین علی ابن ابو بکر المرغنانی (مرغنان فرغانہ میں ہے) جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انہوں نے ہدایہ کی تدوین میں تیرہ سال صرف کئے ان کا ۵۹۳ھ مطابق ۱۱۹۶ء میں انتقال ہوا۔ ہدایہ کی کئی شرحیں لکھی گئی ہیں اس کی پہلی شرح حمید الدین علی البخاری نے لکھی ہے جن کا ۶۶ھ مطابق ۱۲۶۸ء میں انتقال ہوا۔ یہ ایک مختصر رسالہ ہے جو الفوائد کے نام سے ہے۔ ہندوستان میں سب سے زیادہ ہدایہ کی مشہور شرحیں نہایہ، عنایہ البیان، کفایہ، اور فتح القدر ہیں۔ ان میں سے پہلی نہایہ حمید الدین حسین بن علی (جو برہان الدین کے شاگرد بتائے جاتے ہیں) کی تصنیف ہے۔ اس کی اہمیت اس لئے بھی ہے کہ قانون وراثت جو ہدایہ میں نہیں ہے وہ اس میں شامل کر دیا گیا ہے اگرچہ اس موضوع پر اس کو فرائض السراجیہ کے مقابلہ میں معتبر نہیں سمجھا جاتا۔

ہدایہ پر دو شرحیں عنایہ کے نام سے ہیں لیکن ان میں سے ایک جو عام طور پر

اس نام سے زیادہ مشہور ہے وہ شیخ اکمل الدین بن محمد نے لکھی تھی۔ جن کا ۱۷۸۷ء مطابق ۱۲۰۳ء میں انتقال ہوا۔ غایۃ البیان اور کفایہ انہی کی تصانیف ہیں۔ ان میں مصنف کی مختصر شرح اور تنقید ہی نہیں ہے بلکہ دوسری شرحوں کا بھی خلاصہ ہے۔ بقول حاجی خلیفہ کفایہ ۱۷۸۷ء مطابق ۱۲۰۳ء میں مکمل ہوئی۔ ان دونوں تصانیف سے مجھے اس کتاب کی تصنیف میں بہت مدد ملی ہے۔ ان تمام شرحوں میں سب سے زیادہ اہم فتح القدر ہے یہ برائے نام شرح ہے ورنہ بقول برہان الدین علی اس میں بلند پایہ ججوں اور مفتیوں کے فیصلے، احکام اور آرا شامل ہیں جس میں انہوں نے فقہ حنفی کے اصولوں کی توضیح و تشریح کی ہے۔ اس سے دو صدیوں کے دور کے فقہاء اور ججوں کے ذہنی ارتقا کی کیفیت بھی معلوم ہوتی ہے۔

مورے اس تصنیف کے بارہ میں اس طرح لکھتا ہے: کمال الدین السببانی الموسوم ابن تمیم جن کا انتقال ۱۸۱۱ھ مطابق ۱۴۰۶ء میں ہوا انکی تصنیف فتح القدر العجاز الختیبہ ہدایہ کی تمام شرحوں میں سب سے زیادہ جامع ہے۔ اس میں فیصلوں کا مجموعہ بھی شامل ہے اس لئے بدرجہ اتم مفید ہے۔

میں نے اس کتاب سے بہت استفادہ کیا ہے اور میری تصنیف میں اس کا برابر حوالہ ہے۔ ہدایہ کا فارسی میں دارن ہسنگ کی سرپرستی میں ترجمہ ہوا۔ بعد ازاں مسٹر ہمیلٹن نے اس کا فارسی سے انگریزی میں ترجمہ کیا۔

دوسری تصنیف جس سے میں نے تالیف ہذا کے لیے استفادہ کیا اور ہندوستان میں بہت مستند سمجھی جاتی ہے وہ رمز الحقائق ہے جو کنز الحقائق (علامہ العینی بدر الدین محمود) کی شرح ہے اور ہندوستان کے احناف میں بہت ہی مشہور ہے۔ کنز الحقائق کی دوسری شرح جس کی سنیوں میں بڑی منزلت ہے وہ بحر الرائق مصنفہ علامہ زین العابدین ہے جن کا ۱۷۹۰ء مطابق ۱۵۶۲ء میں انتقال ہوا۔

دوسری مستند کتاب تحصیل ہے جو لطیف الاسادات مصنفہ امام بدر الدین محمود کی شرح ہے اس سے بھی میں نے استفادہ کیا ہے۔

ترکستان میں جو قانونی تصانیف شائع ہوئیں ان میں سب سے مشہور ملتقی الابحار مصنفہ شیخ ابراہیم ابن محمد الحکیمی ہے۔ یہ جو شاہ سلمان کے دور میں تھے اور ان کا

۱۵۰۶ء مطابق ۱۰۴۹ء میں انتقال ہو گیا۔ یہ تصنیف فقہ حنفی کا ایک جامع ضابطہ اور ہر چار مجتہد اماموں کے اقوال پر مشتمل ہے جن کی توضیح مذہب حنفی کے جید علماء نے کی ہے۔ تمام مملکت عثمانیہ میں فقہ کی دیگر تصانیف کے مقابلہ میں اس تصنیف کا کثرت سے حوالہ ملتا ہے اور میں نے بھی اس کا بکثرت حوالہ دیا ہے۔

ملتی الابحار اصل عربی میں ۱۲۹۱ھ مطابق ۱۸۳۵ء میں شائع ہوئی اور اس کی شرح عبدالرحمان ابن شیخ محمد المعروف بہ شیخ زاوہ نے کی۔ یہ ۱۲۴۰ھ مطابق ۱۸۲۳ء میں دار الخلافہ میں شائع ہوئی۔ یہ شرح بھی بے حد مفید اور دلچسپ ہے اس سے جدید ترکی (ترکستان) کے علماء کے مروجہ خیالات و عقائد معلوم ہوتے ہیں۔ مجمع السناد بھی اس کتاب کی تصنیف میں بہت مفید ثابت ہوئی۔

مانسروجن کا مشابہ فقہائے ترک میں شمار ہوتا ہے انہوں نے اپنی مشہور تصنیف الموسوم بہ دار الاحکام ۸۲۳ھ مطابق ۱۷۷۸ء میں مکمل کی۔ سند کے اعتبار سے ملتی الابحار کے بعد ہی اس کا شمار ہوتا ہے۔ اور بعد کی تصانیف میں اس کا اکثر حوالہ ملتا ہے۔

خلاصہ جات

فقہ کی تصانیف میں دوسری قسم ان فتاویٰ (فیصاوں کا مجموعہ) کے مجموعہ کی ہے۔ ان میں جن سے میں نے استفادہ کیا ہے، وہ ’فتاویٰ قاضی خان‘، ’فصول العمدیہ‘ کنایۃ المدیہ ’فتاویٰ زینیہ‘، ’فتاویٰ در المختار‘، ’فتاویٰ عالمگیری‘، ’فتاویٰ انقراویہ‘ اور ’رد المختار‘ ہیں۔

اول الذکر کے لیے Marley نے اس طرح لکھا ہے۔ فتاویٰ قاضی خان یا امام فخر الدین حسن منصور الفرغانی الموسوم بہ قاضی خان کے فیصاوں کا مجموعہ ہے جن کا ۶۹۲ھ مطابق ۱۱۹۰ء میں انتقال ہوا۔ ہندوستان میں اس تصنیف کی سب سے زیادہ اہمیت ہے اور عدالتوں میں برہان الدین علی جو کہ قاضی خان کے ہم عصر تھے، کی ”ہدایہ“ کو بھی یکساں سند مانا جاتا ہے۔ یہ روزمرہ کے معاملات پر فتاویٰ سے مملو ہے اور اس کی عملی افادیت خاص طور پر اس لیے اور بھی زیادہ ہے کہ اس میں فتاویٰ کی اکثر تمثیلات مع ثبوت اور دلائل دی گئی ہیں۔ چونکہ قاضی خان خود قاضی اور فقیہ تھے اس لیے ان کے فتاویٰ بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔

فصول الامدادیہ کے دو حصے ہیں۔ پہلا حصہ ابوالفتح محمد بن ابوبکر المرغزانی نے مرتب کیا تھا جن کا ساتویں صدی ہجری کے آخر میں انتقال ہوا۔ اور دوسرا حصہ امام جمال الدین بن عماد الدین کی تصنیف ہے۔

کنایہ المنیہ مختار بن محمود بن محمد الزاہدی ابوالرجاء الفزونی الموسوم بہ نجم الدین کے فتاویٰ کا مجموعہ ہے جن کا ۶۵۸ھ مطابق ۱۲۵۹ء میں انتقال ہوا۔

فتاویٰ زیدیہ زین العابدین ابراہیم بن حکیم المسری بحر الرائق اور اشاہ والنظار کے مشہور فتاویٰ پر مشتمل ہے۔ یہ فتاویٰ ان کے لڑکے احمد نے ۹۷۰ھ مطابق ۱۶۶۳ء کے قریب جمع کئے تھے۔

در مختار تنویر الامیار مصنفہ شیخ شمس الدین محمود بن عبداللہ انصاری ۹۹۵ھ مطابق ۱۵۸۶ء کی شرح ہے یہ تصنیف بہت مستند اور بلند پایہ ہے۔ در المختار ۱۰۷۱ء مطابق ۱۶۶۰ء میں محمد علاء الدین ابن شیخ علی الحکافی نے تصنیف کی تھی اور یہ اہم فتاویٰ سے معمور ہے۔

فتاویٰ عالمگیری ان فتاویٰ کا مجموعہ ہے جو کہ شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر (اسی لئے یہ نام ہوا) کے حکم سے مرتب کئے گئے تھے۔ یہ ایک جامع نوعیت کی کتاب ہے اس کو ہندوستان میں بہت ہی مستند سمجھا جاتا ہے۔ اہل مغرب کی تصانیف میں اسکو ہندیہ کہا جاتا ہے اصل کتاب میں وہ فقہاء جن کے فتاویٰ جمع کئے گئے ہیں ان کے نام بھی لازماً دئے گئے ہیں اور اس کے مرتبین عالم منتیان عدالت نے مع دلائل اس کی شرح بھی لکھی ہے۔ مسٹر Neill Baillie پنجابوں نے فتاویٰ عالمگیری کے کچھ حصوں کی تشریح کی ہے نے اسناد کو کلیتاً واکثر اہم مسائل کی تشریح و دلائل نظر انداز کر دیا ہے۔ نتیجہ قاری کو اصل حوالے نہ ہونے سے کسی حد تک بے ربطی اور بعض وقت اختلاف محسوس ہوتا ہے جو اصل عربی کتاب میں نہیں ہے۔

فتاویٰ انقراویہ امام الانقراویہ کے فتاویٰ کا مجموعہ ہے جسے شیخ الاسلام محمد بن الحسین (م ۱۰۹۸ھ - ۱۶۸۶ء) نے مرتب کیا تھا۔

اس جہت کی تمام عملاً مفید و مدلل تصانیف میں سب سے بہتر ردالمختار ہے جو کہ ردالمختار مصنفہ محمد امین (ساکن شام) کی شرح ہے جو ارث چہارم کے عہد میں

مشہور ہوئے۔ عصر ہذا میں ردالمحتار فقہ حنفی پر یقیناً سب سے بہتر و مستند کتاب ہے۔ اس میں سابقہ فتاویٰ کا خلاصہ اور ابتدائی زمانہ کے اہم ترین فقہاء کی آرا اور ان تمام اصولوں کی تفصیل جو موجودہ دور میں تسلیم اور قبول کئے گئے ہیں شامل ہیں۔ میں نے کتاب ہذا کی تالیف میں اس تصنیف سے کافی استفادہ کیا ہے۔

ردالمحتار کی ایک دوسری شرح تحفۃ الاخبار ہے جس کے حوالے میں نے یہاں

بھی دئے ہیں۔

امام مالک، سنی مذہب ثانی

شیعوں کے مذہب فقہ کے دوسرے بانی ابو عبد اللہ مالک ابن انس تھے جن کے اصول شمالی افریقہ خاص کر مراکش اور الجیریا میں رائج ہیں۔ ان کا ہارون الرشید کے دور حکومت میں ۱۷۹ھ میں انتقال ہوا فقہ مالکی کے سب سے اچھے اور مشہور شارح سیدی خلیل ہیں جن کی دائرۃ المعارف تصنیف کو M Perron نے زیر سرپرستی فرانسیسی حکومت بزبان فرانسیسی ترجمہ کیا ہے۔

امام شافعی تیس، ماسنی مذہب

امام شافعی تیسرے طریقہ مذہب فقہ کے بانی ہیں وہ شہر ”عشیرہ“ واقعہ ملک شام میں اسی سال پیدا ہوئے جس سال امام اعظم ابو حنیفہ کا انتقال ہوا۔ ان کا بعہد خلافت المامون ۲۰۴ھ مطابق ۸۱۹ء میں بمقام مصر انتقال ہوا۔ وہ شیعہ امام علی بن موسیٰ رضا کے ہم عصر تھے ان کے مذہب کے پیرو شمالی افریقہ کی حد تک مصر، جنوبی عربیہ جاوا اور عام طور پر جزیرہ نما ملایا و سیلون و ساحل مالا بار میں پائے جاتے ہیں۔ ان کے پیرو احاطہ بمبئی میں بھی ہیں فقہ شافعی کی کتابوں میں درج ذیل مشہور ہیں۔ (۱) ابو خواجہ کی ”مختصر“ (۲) تقریب مصنفہ شمس الدین ابو عبد اللہ ابن القاسم انصاری (۳) المحرر مصنفہ ابو القاسم بن محمد الراہی (۴) منہاج الطالبین معین الدین ابوزکریہ یحییٰ بن شرف انفرادی (جنہوں نے ۴۷۴ھ میں وفات پائی) اور ڈچ گورنمنٹ کے حکم سے حال ہی میں فرانسیسی میں M. Van Den Berg کے فاضلانہ ترجمہ کے ساتھ طبع ہوئی ہے۔

یہ امر قابل توجہ ہے کہ شافعی مذہب کی ہندوستان کے مسلمانوں میں بھی کافی

اشاعت ہوئی ہے۔

امام احمد بن حنبل، چوتھا سنی مذہب

چوتھے مذہب فقہ کے بانی ابن حنبل ہیں یہ المامون اور اس کے جانشین معتصم باللہ کے دور حکومت میں ممتاز ہوئے۔ ہر دو خلیفہ معتزلہ تھے۔ امام احمد بن حنبل نے شدید تعصب اور مسلک کی بنا پر غوام کو شاہان وقت کے خلاف اجمار اسی وجہ سے حکمرانوں کے ہاتھوں انہیں تکلیفیں اٹھانا پڑیں۔ انہوں نے ۲۴۱ھ میں بہت تقدس اور برگزیدگی کی حالت میں انتقال کیا۔ ابن حنبل اور ان کے ہمنا پیروں کی وجہ سے ہی مذہب معتزلہ کی ترویج نہ ہو سکی اور وہی قانون کی ناکامیابی کے ذمہ دار ہیں حتیٰ کہ ان مظالم کے مسلسل سیلاب کے لیے بھی جس نے اسلامی دنیا کو مسلمانوں کے خون میں غرق کر دیا۔

اہل سنت و اجماعت کے امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام حنبل مذاہب اربعہ کے بانی ہیں۔ ان کے اصول فقہ اوپر بیان کئے جا چکے ہیں گو بنیادی اصولوں کے اعتبار سے فی الاصل وہ ایک ہیں مگر قیاس اور کلام پاک کی توضیح اور تشریح میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔

امام مالک اور ابن حنبل کے نزدیک مسائل شرعیہ کی توضیح میں قیاس کی کوئی گنجائش نہیں ہے وہ محض سندی نظائر کے پابند ہیں اور تمثیلی استخراج کے نتائج یا شرع کی ایسی توضیح جس کی کسی خاص مسئلہ کے متعلق مخصوص حالات کی بنا پر تعبیر کی جائے تسلیم نہیں کرتے۔ شافعی امام ابو حنیفہ سے نسبتاً کم قیاسی اور امام مالک اور حنبل سے زیادہ وسیع اخیال ہیں ان کے پیرو بھی مثل مالکی اور حنفی کے اہل حدیث کہلاتے ہیں۔

غیر مقلد

حال ہی میں ایک نیا فرقہ ہندوستان کے سینوں میں پیدا ہوا ہے جو اپنے کو غیر مقلد یا کسی کی پیروی نہ کرنے والا کہتے ہیں۔ ان کے مخالفین بعض وقت انہیں وہابی کے نام سے موسوم کرتے ہیں جو کہ نامناسب اور ناجائز ہے۔ لفظ غیر مقلد کا مفہوم ہے کہ جو کسی خاص فرقہ کا پیرو نہ ہو مگر معاملات عقائد میں شافعیوں سے قریب تر ہو۔ غیر مقلد انہی کی طرح نماز میں لفظ "آمین" (جس کو آمین بالجہر کہتے ہیں) کو آواز سے ادا کرتے ہیں۔ اور

دوران نماز خاص موقع پر اپنے ہاتھ کانوں سے اوپر اٹھاتے ہیں اس کو ”رفع یدین“ کہتے ہیں۔ یہ دراصل محض فروعی مسائل میں اختلاف ہے جس کا فرائض نماز سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس اختلافی اصول کے علاوہ غیر مقلد عام طور پر مسلک حنفی کہ پیرو ہیں۔ ایک سنی مسلمان خواہ وہ کسی مسلک کا پیرو ہو کسی بھی دوسرے فرقہ کے امام کے پیچھے نماز ادا کر سکتا ہے۔

قیاس کی تصدیق آنحضرت ﷺ نے فرمائی اور آپ کے قریب تر پیرو اس پر عامل رہے۔ اس طرح بنی فاطمہؑ میں زیادہ یکجہ (گنجائش) کا رجحان پیدا ہوا اور اس سے امام ابو حنیفہ قدرتا متاثر ہوئے۔ امام اعظم اور ان کے اولین شاگردوں کے نزدیک قیاس کی اہلیت فتاوائے عالمگیری کی متواتر عبارتوں سے ظاہر ہے اور اسی لئے اب امام اعظم کے پیرو اہل الرائے والقیاس کہلاتے ہیں۔

ابن خلدون جو مسلمانوں کے تبحر عالموں اور فقہاء میں سے ہیں سنی مذاہب کے پیروؤں کے قیاس یا تنقیدی نظریات کے بارہ میں اس طرح کہتے ہیں۔

”علم فقہ دو طریقوں پر مشتمل ہے ایک اہل الرائے والقیاس جو اہل عراق ہیں اور دوسرے اہل حدیث جو اہل حجاز ہیں۔ چونکہ اہل عراق کے پاس بہت کم حدیثیں تھیں انہوں نے قیاس کا سہارا لیا اور اس میں ایسا کمال حاصل کیا جس کی وجہ سے وہ اہل قیاس ہی کہلانے لگے ان کے پیشوا امام ابو حنیفہ کو اس طریقہ کا مکمل وجدان تھا انہوں نے اپنے شاگردوں کو اس کی تعلیم دی۔ اہل حجاز کے پہلے امام ملک بن انس بعد ازاں امام شافعی ہوئے۔ کچھ عرصہ بعد علما کے ایک طبقہ نے قیاس کو ناپسند کیا اور اس طریقہ کو ترک کر دیا یہ ظاہری یا لفظ پرست ابو داؤد سلیمان کے پیرو تھے۔ اور انہوں نے یہ اصول طے کیا کہ تمام مسائل شرعیہ کا استنباط نصوص بالخصوص (قرآن، احادیث) اور اجماع (متقدمین اماموں کے متفقہ فیصلوں) کی روشنی میں کیا جائے۔“

قیاس کا استعمال

متقدمین حنفی فقہاء نے نہایت واضح الفاظ میں احکام شرع اور فصل خصومات میں قیاس کے استعمال کی اہمیت کو بتایا اور اس طرح اصولی شیعوں کے عقائد سے وہ قریب

تر ہیں۔ رضی الدین نیشاپوری نے اپنی کتاب محیط میں لکھا ہے کہ اگر کسی معاملہ میں متفقہ رائے نہ ملے تو خواہ اس مسئلہ پر ان کے معاصرین تابعین صحابہ متفق ہوں تو قاضی مؤخر الذکر کے فیصلہ سے رہنمائی حاصل کرے۔

اگر معاصرین (تابعین صحابہ) میں اختلاف ہو تو قاضی ان کے دلائل کے تقابلیں کے بعد اس فیصلہ کو اختیار کرے جو قابل ترجیح معلوم ہو۔ اگر اسناد محولہ کسی بھی صورت میں نہ ملیں اور قاضی میں اجتہاد کی صلاحیت نہ ہو تو وہ خود ہی طے کرے کہ صداقت اور انصاف کی بنا پر کونسی رائے سب سے زیادہ اقرب الی الصواب ہے اور بعد ازاں مقدمہ کے واقعات اور حالات پر خلوص نیت کے ساتھ غور کرے اور اسی کے مطابق فیصلہ صادر کرے۔ ابو بکر کاشانی نے اپنی کتاب بدایع میں لکھا ہے کہ ”جب کسی معاملہ میں نہ کوئی واضح حکم شرع ہو اور نہ قاضی کی رہنمائی کے لیے کوئی متفقہ فیصلہ ہو اگر وہ اجتہاد (قانونی تحقیق) کی صلاحیت کا حامل ہو اور نااطق فیصلہ کر چکا ہو تو حکماء سے نافذ کر دینا چاہئے خواہ دیگر فقہاء اس سے مختلف رائے ہوں اس لئے کہ جو امر تحقیق عیسق کے بعد صحیح اور قرین انصاف معلوم ہو وہی بارگاہ خداوندی میں قابل قبول ہے۔“ اس کے بعد مؤخر الذکر کتاب سے اسی موضوع پر ایک تیسرا پیرا نقل ہے۔

”اگر کسی مقدمہ میں قاضی متضاد شہادتوں سے جملہ تشویش ہو تو ایسی صورت میں بعد غور اپنی رائے میں جو صحیح فیصلہ سمجھے کرنا چاہئے یا مزید تحقیق کے لیے دیگر لائق فقہاء سے مشورہ حاصل کرنا چاہئے اور اگر دلائل کے موازنہ کے بعد بھی وہ مختلف رائے ہوں تو اس کو بہ صواب دید خود صحیح فیصلہ صادر کرنا چاہئے۔ ان اقوال سے اسلام پر اکثر کئے جانے والے ان اعتراضات کا شانی جواب مل جاتا ہے کہ اسلام میں اپنے غیر متبادل (رسمی) و محدود قوانین کے باعث نہ تو کوئی لچک ہے اور نہ ترقی کے عناصر۔“

بد نصیبی سے دنیا کے اہل سنت والجماعت کے ذہن میں یہ خیال سما گیا ہے کہ اجتہاد یا مسائل شرعیہ کا استخراج اور ان کی مستند وضاحت تیسری صدی ہجری میں رک گئی۔ یہ تصور سنی مسلک کے مسلمانوں کی فلاح و ترقی کے لیے مہلک ترین ثابت ہوا۔ دور جدید کے اہل سنت والجماعت اجتہاد کے تین درجے تسلیم کرتے ہیں۔ طبقہ اول کے مجتہدین مسائل شرعیہ کی وضاحت میں بالکل آزاد خیال ہیں گویا کہ وہ احکام شرعیہ اور

اپنے شاگردوں کے درمیان ایک رابطہ ہیں۔ ان شاگردوں کو قرآن کی تفسیر، سنت، اور اجماع کے بارے میں، خواہ وہ حکم فقہ کے عناصر یا مسائل سے کتنے ہی متضاد ہوں، جرح کا کوئی حق نہ تھا۔ اس بلند طبقے کے مجتہدین نے ہجرت کی پہلی تین صدیوں میں نمایاں ترقی کی اور چونکہ مسائل شرعیہ واضح طور پر متعین ہو گئے تھے، امور شرع میں قیاس کا استعمال ترک ہو گیا۔

بعض متاخرین فقہا مثلاً الظہیری اور السیوطی نے قیاس کو اہمیت دینا چاہا لیکن رائے عامہ (جمہور) قیاس کے برعکس استنباط کو مرجع سمجھتی تھی۔ ان کی رائے کو مسترد کر دیا گیا اور تب سے ہی قیاس پوری طرح استنباط کے تابع ہے۔ وہ مجتہد جو اجتہاد کے دوسرے درجہ میں ہیں اس امر کے مجاز تھے کہ وہ مسائل جن کو بانیاں مذاہب اربعہ نے حل نہیں کیا تھا ان کو حل کریں۔ یہ طبقہ اول کے مسلمہ مجتہدین کے شاگرد تھے۔ انہوں نے خاص حالات میں اپنے شاگردوں کو اس امر کی آزادی دی کہ وہ ان کے فتاویٰ کے برعکس اپنے ہی اصولوں پر عمل کریں اور ان کی تعلیم کو کبھی کبھی انکے اقوال کو وہ خود بھی قبول کر لیتے تھے۔

ایسے مجتہدین جنہوں نے اجتہاد کی تیسری منزل بھی طے کر لی تھی اس امر کے مجاز تھے کہ وہ امور جن میں کہ بانیاں مذاہب اربعہ یا ان کے شاگردوں نے کوئی فتویٰ نہ دیا ہو اپنی ہی سمجھ کے مطابق فیصلہ دیدیں مگر وہ کلام پاک، احادیث اور اجماع نیز مجتہدین درجہ اول و دوم کی آرا کے مجموعی تقابل پر بعد غور فتاویٰ صادر کرتے تھے۔ وہ اس امر کے مجاز تھے کہ اپنے مسلمہ (مشترکہ) عقائد خواہ یہ احکام شرع کے تیسری عناصر سے متعلق ہوں یا جو قواعد ان سے اخذ کئے گئے ہوں ان کی تردید کریں۔ طبقہ سوم کے مجتہدین کے لیے یہ لازم تھا کہ وہ علم فقہ کے تمام شعبوں اور مذاہب کے مسائل کا علم رکھتے ہوں اور یہ طبقہ ایسے کثیر تعداد علما پر مشتمل ہے جو کم و بیش معروف ہیں۔ ان میں سے کچھ اپنی حیات میں ہی درجہ اجتہاد پر فائز ہو گئے تھے مگر ان میں سے اکثر کو بعد ممات یہ مرتبہ حاصل ہوا۔

مجتہد کا لقب سنیوں میں عرصہ دراز سے متروک ہو گیا ہے۔

ابتدائی صدیوں میں اسلام کی تیز رفتار ترقی کے مقابلہ میں ملت اسلامیہ کا

موجودہ تہود اسلحا اجتہاد کے اپنی تصور کی بنا پر ہے بلکہ عام نظریہ یہ بھی ہے کہ محض وہی شخص جو دینی سربہ کمال یا علم فقہ کے اس تجربی علم کا جس پر پہلی تین صدیوں کے مجتہدین کو عبور حاصل تھا، حامل ہو، اس امر کا مجاز ہے کہ اصول فقہ کے نظائر کی (بلائے معنی پہنائے ہوئے) تعبیر کرے۔

نظریات قانون کا ارتقا

متذکرہ بالا مشکلات اور رکاوٹوں کے باوجود قانونی نظریات میں بتدریج ترقی ہوئی ہے اور قدیم تعبیرات سماجی حالات کی ترقی سے ہم آہنگ خیالات کے مقابلہ میں متروک ہو گئی ہیں۔ اس امر کی تائید متاخرین کے اصولوں کی بغایت ترجیح سے بھی ہوتی ہے نیز اس امر سے بھی کہ ایک مسلمان جج کو اس امر کی آزادی ہے کہ وہ ائمہ و فقہاء کے اقوال سے جو کہ اغراض انصاف زمانہ کے تبدیل شدہ حالات یا سماج کی تبدیلیوں سے زیادہ سے زیادہ مطابقت ہوں نتائج کا استخراج کر کے ان اصولوں پر عمل کرے جو متذکرہ حالات میں زیادہ سے زیادہ ہم آہنگ ہوں۔

ضابطہ کار

فرانس قاضی کے عنوان کے تحت جو قواعد دئے گئے ہیں وہ ضابطہ کار سے متعلق ہیں۔ مثلاً شافی اور حنفی فقہ کے مطابق قاضی کو اختیار ہے کہ کسی شخص کی عدم موجودگی میں حکم صادر کر دے لیکن حنفی فقہ کے مطابق کوئی ڈگری شخص غیر حاضر کے خلاف یا موافق صادر نہ ہوگی اور اگر صادر ہوئی ہے تو وہ ناقابل نفاذ ہوگی اور یہی فتویٰ ہے کہ ڈگری شخص غیر حاضر کے نائب یا نمائندے کی حاضری میں خواہ وہ وکیل یا وصی ہو یا وقف کا متولی ہو صادر ہونا چاہئے۔ بقول طحطاوی اگر وکیل کی حاضری میں شہادت قلم بند ہو اور وہ غیر حاضر ہو جائے اور وارث حاضر ہو یا وارث جائز کی جگہ کوئی دوسرا حاضر ہو تو ان تمام حالات میں شخص واحد کے خلاف ڈگری جائز ہوگی۔

درالختار میں مزید یہ بھی ہے کہ اگر کوئی ڈگری کسی غیر حاضر یا متوفی کے خلاف نہ کہ وکیل یا وصی کے خلاف صادر ہو تو قاضی مثل میں اسکا اندراج کر دے کہ اس نے یہ

ڈگری مدعی کے خلاف وکیل کی حاضری میں یا متوفی کے خلاف اس کے وصی کی حاضری میں صادر کی ہے۔ پس ورثا میں سے کوئی بھی ایک فریق مقدمہ یا مقروض کے شرکاء میں سے کوئی ایک شریک کی حیثیت سے پیش ہو سکتا ہے۔ اسی طرح کوئی بھی شخص غیر جس کے قبضہ میں کسی یتیم کی جائداد ہو بجائے اس کے پیش ہو سکتا ہے۔ اسی طرح وقف کے استفادہ کنندگان میں سے کوئی (ایک جس کے لیے وقف ہو) پیش ہو سکتا ہے۔

یہ بھی جائز ہے کہ قاضی ایسے مدعا علیہ کے خلاف جس کی پیروی کے لیے اس نے وکیل مقرر کیا تھا ڈگری صادر کرے اور یہ صورت پانچ موقعوں پر ہو سکتی ہے۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ جب مدعا علیہ غیر حاضر یا لاپتہ ہو اس صورت میں موجودہ فقہاء کی رائے میں قاضی اس امر کا مجاز ہے کہ کسی کو وکیل مقرر کر دے اور یہی رائے دوسرے امام (حضرت امام ابو یوسف) کی ہے۔ بقول طحاوی اس مسئلہ پر سب متفق ہیں کہ قاضی شخص غیر حاضر کے مکان پر جتنے عرصہ کے لیے مناسب خیال کرے مہر لگا سکتا ہے اور وکیل مقرر کر سکتا ہے۔ ایک حج کو کسی بھی دیوالیہ شخص (مستغرق بالدين) کی جائداد موروثی کو فروخت کرنے کا اختیار حاصل ہے مگر اس کے ورثا کو نہیں ہے لیکن بقول طحاوی اگر ورثا قرض کی ادائیگی پر آمادہ ہوں تو قرض خواہوں کو مجبور کیا جاسکتا ہے کہ وہ اسے قبول کریں۔

فصل چہارم: شیعہ فقہاء

شیعہ فرتے

اہل تشیع کے خیالات میں بھی وہی انتشار پیدا ہو گیا جبکہ عوام (اہل تشیع) نے اصولی عقیدہ کو ترک کر کے اختیاری عقیدہ کو پسند کیا۔ مؤخر الذکر مسلک کے مطابق فیصلہ میں آزادی رائے سے سماجی ترقی اور اخلاقی ارتقا میں کافی گنجائش ہو گئی ہے۔

”اخباری“ تامل شیعہ ممالک کی مجتہدین احکام کی توضیح کو تسلیم کرتے اور خیال کی ہر آزادی کو مسترد کرتے ہیں۔

ذہن انسانی کے اس تعطل نے اسلام میں وہ تحریک پیدا کی جس کی علامات تمام

اطراف میں محسوس ہوئیں۔ یہ اسلامی دنیا کے مستقبل کیلئے ایک امید افزا قال نیک ہے۔
ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مذہب شافعی نے ان قدیم زنجیروں کو توڑ پھینکا ہے اور اب وہ
سنیوں کے بالمقابل اس طرح پیش پیش ہے کہ اخلاقی احیا اور اصلاح قانون کے لیے ان
آرزوں کا مرکز بن گیا ہے جو عالم اسلام کے ذہن کو مضطرب کئے ہوئے ہیں۔

شیعہ فقہاء

شیعہ فقہاء میں درج ذیل سب سے زیادہ مشہور ہیں:

(۱) شیخ محمد ابن محمد ابن نعمان ابو عبد اللہ المفید اس لئے مشہور ہیں کہ ان کے
بہت سے شاگرد تھے وہ ۳۳۳ھ یا ۳۳۸ھ میں پیدا ہوئے اور ۳۱۳ھ میں انتقال کر گئے
(۲) شیخ محمد الحسن ابن علی ابو جعفر الطوسی الموسوم بہ شیخ عقائد امامیہ المختصر شیخ
۳۵۸ھ میں پیدا ہوئے اور ۳۶۰ھ تک زندہ رہے۔ یہ شیخ مفید کے سب سے ممتاز
شاگردوں میں تھے۔ انہوں نے بے شمار ایسی تصانیف چھوڑی ہیں جو ان تمام مقامات پر
جہاں شیعہ عقائد رائج ہیں مستند اور معتبر سمجھی جاتی ہیں۔ منجملہ ان کی دیگر تصانیف کے
استبصار، الخلاف والوفاق، نہایہ فی بحر الفقہ والعریایہ اور آخری مبسوط سب سے اہم اور
سب سے زیادہ فاضلانہ ہیں ان کی متعدد شرحیں اور توضیحات ہیں۔ وہ ایک روشن خیال
اور غیر متشدد فقیہ تھے اور ان کے نظریات ان کے بہت سے جانشینوں کے مقابلہ میں زیادہ
ترقی یافتہ تھے۔

(۳) شیخ سید مرتضیٰ ابوالقاسم علی ابن ابی احمد الحسینی آنحضرت ﷺ کی آل
میں تھے اور الہدی (راہ نجات) کے رہنما کے نام سے معروف تھے۔ یہ بھی شیخ مفید کے
شاگرد تھے اور اپنے زمانہ کے ممتاز قانون دانوں میں سے ایک تھے۔ ان کے نظریات واضح
طور پر جدید تصورات اور ترقی پذیر تہذیب کی ضرورتوں سے زیادہ ہم آہنگ ہیں اور
اصولیوں میں خاص طور پر رائج ہیں۔

مصنف تراجم الاسلام

میں نے اس کتاب کی تالیف میں ان کی تصانیف میں سے کتاب الانتصار سے
استفادہ کیا ہے۔ بد نسبتی سے شیخ نجم الدین ابوالقاسم جعفر ابو علی یحییٰ الموسوم الحق عالم

کے محدود نظریات، اخباری شیعوں، میں مروج ہو گئے جن سے سب ترقی رک گئی۔ وہ ۶۰۲ میں بمقام (Hilleh) (واقع ساطل فرات) پیدا ہوئے اور ۶۷۶ تک درس و تدریس فقہ کے فرائض انجام دیتے ہوئے اپنے مکان کے چبوترہ سے گر کر انتقال کر گئے اور بمقام نجف حضرت علی کے مقبرہ کے قریب دفن ہوئے۔ یہ النافع شیخ طوسی کی تصنیف نہایت کی کئی شرحوں اور مشہور کتاب شرائع الاسلام فی مسائل الحلال والحرام (شرع میں کیا حلال و کیا حرام ہے) کے مصنف ہیں۔ موخر الذکر کی بلی (Baillie) نے توضیح کی ہے اور Query نے اس کا فرانسیسی میں ترجمہ کیا ہے۔

شرائع الاسلام

یہ کتاب چار حصوں میں ہے۔ پہلے میں عبادات، دوسرے میں معاملات، تیسرے میں مستحبات، چوتھے میں احکام بابت اکل و شرب و مذہبی و دیوانی قوانین کے تحت جرائم و خطاؤں کی تعزیر کی توضیح کی ہے۔

اس ماہر قانون (فقہ) کے عقائد کی پیروی میں شیعہ طبقات پر جو اثرات ہوئے ان کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔ ان لے بے کیف و خشک عقائد (نظریات) جنہوں نے تمام دینی حرکت کو ماؤف کر دیا وہ خاص کر اخباریوں میں رائج ہیں۔

شرائع الاسلام کی بہت سی شرحیں ہیں ان میں شیخ زین العابدین علی الشامی ملقب بہ شہید ثانی کی شرح مسالک الاخیام اور شیخ محمد حسن نجفی کی شرح جواہر الکلام نہایت ہی مبسوط اور فاضلانہ ہیں۔ موخر الذکر تصنیف اگرچہ شرائع التحقیق کی شرح ہے لیکن مسائل فقہ پر آزادانہ اظہار خیال کے ساتھ دوسرے فقہاء کے اقوال کے حوالوں سے اس کی مبصرانہ حیثیت ظاہر ہے۔ اس میں حضرت علی اور ان کے قریب ترین جانشین کے اقوال کے حوالے بھی ملتے ہیں۔

منجملہ دیگر اہم تصانیف فقہ کے ابی مکرم محمد ابن اور لیس اطلبی کی سرائر اور ابن ظہری کی ”غنائیہ“ اور ابو جعفر الصدوق کی ”مقنفہ“ و ہدایہ اور شیخ سید مرتضیٰ کی نصریہ اور شیخ علامہ جمال الدین حسن ابن یوسف ابن المرتضیٰ العلی کی تلخیص المرام والغایت الاحکام اور تحریر الاحکام میں ان کی ایک دوسری تصنیف ارشاد الادخان الہی کے تبحر عملی کا نمونہ

بے اور اس کے اقتباس بطور اسناد ارشاد غلامہ کے حوالہ سے دئے گئے ہیں۔
 شیعہ فقہ سے متعلق جامع عباسی بھی ایک مختصر مگر جامع تصنیف ہے جو میں
 ابواب پر مشتمل ہے۔ یہ عام طور پر شیخ بہاء الدین غالی کی تصنیف سمجھی جاتی ہے جن کا
 ۱۰۳۱ء مطابق ۱۶۲۱ء میں انتقال ہو گیا۔

مناجیح کے مصنف محمد ابن مرتضیٰ المقلب بہ محسن ہیں اور اس کی شرح انہی
 کے تلمیذ اور ہم نام نے جو مقلب بہ "ہادی" ہیں نے لکھی ہے۔ یہ جدید اور مشہور تصانیف
 لائق مطالعہ ہیں۔ روضۃ الاحکام کے مصنف اودہ کے ایک مجتہد ہیں۔ یہ چار ابواب پر
 مشتمل ہے۔ پہلا باب قانون میراث کے متعلق ہے۔ احکام نہایت شرح و بسط سے لکھے
 گئے ہیں۔ یہ تمام تصانیف اخباری فرقے سے متعلق ہیں۔

دوسری بلند پایہ عالمانہ تصنیف جامع الثنات ہے وہ ان اہم فیصلوں اور مسائل کا
 مجموعہ ہے جو طہران کے مشہور (نامور) مجتہدین نے صادر کئے اور گذشتہ صدی میں
 فارسی میں طبع ہوئے ہیں۔

ان صفحات کی ترتیب میں جن کتابوں سے میں نے خاص طور سے استفادہ کیا
 ہے وہ امام جعفر طوسی کی مبسوط، نہایہ اور استفسار ہیں۔ ان کے علاوہ شیخ سید مرتضیٰ کی
 انتصار ہے السادق کی ہدایہ اور شیخ ابوالحسن مجتہد اعظم طہران کی تصانیف سراہیہ، غنایہ،
 جواہر الکلام، جامع الثنات اور صراط النجات ہیں۔

مسلم لاتے متعلق مسائل پر غور کرتے وقت یہ ہمیشہ ذہن نشین رکھنا چاہئے
 کہ اسلام میں مختلف مذاہب و ذیلی مذاہب دوسرے متعلقہ مختلف عقائد کے فرقوں یا ہم
 مشرب، گروہوں سے اتنا قریبی ربط رکھتے ہیں کہ جب کوئی شخص کسی خاص مشرب، فرقہ
 یا ذیلی فرقہ کے عقیدہ کو اختیار کرنے والا اس مذہب (عقیدہ) کے اصول کے مطابق ہو
 جائے جو اس نے اختیار کیا ہے مثلاً ایک شیعہ سنی عقیدہ اختیار کرنے پر سنی فقہ کا پابند ہوگا
 اور اسی طرح کوئی حنفی شافعی عقیدہ یا کوئی اخباری اصلی عقیدہ اختیار کرنے پر شافعی یا اصلی
 احکام کا، جیسی بھی صورت ہو، پابند ہوگا۔

باب ۱۔ قانون ہبہ

فصل اول :- عام اصول

مسلم لا کے مطابق موروثی اور خود اکتسابی جائیداد میں کوئی امتیاز نہیں ہے۔ مالک جائیداد کوئی الوقت تمام مقبوضہ جائیداد پر مالکانہ اختیار قطعی حاصل ہوتا ہے۔ خواہ یہ جائیداد اس نے خود حاصل کی ہو یا بذریعہ وراثت اس کو ملی ہو۔ وہ اپنی مرضی کے مطابق اس جائیداد کو فروخت یا منتقل کر سکتا ہے بشرطیکہ اس کا نفاذ حین حیات خود کرے۔ اسکا اختیار بسلسلہ انتقال جائیداد ذریعہ وصیت اس کے ورثا کے حق کی وجہ سے بقدر یک ثلث محدود ہو جاتا ہے اگر انتقال جائیداد اس کی موت کے بعد یا مرض الموت میں مبتلا ہونے کی وجہ سے جس میں کہ وفات کا قوی اندیشہ ہو، واقع ہو۔

رانی کھجور النساء بنام مسماة روشن جہاں

پریوی کونسل نے بمقدمہ رانی کھجور النساء بنام مسماة روشن جہاں ایک مسلمان کے انتقال جائیداد کے اختیار کو اس طرح محدود کر دیا ہے ”مسلم قانون کا بظاہر منشا یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک وصی پر بذریعہ وصیت اپنے ورثا میں قانوناً جائیداد منتقل کرنے پر پابندی عائد کی جائے اگرچہ وہ ایک مختص حصہ جائیداد ۳/۴ تک کسی بھی شخص غیر کو دے سکتا ہے۔ مگر یہ بھی ظاہر ہے کہ مالک جائیداد حین حیات خود اپنی کل جائیداد یا اس کا جزو اپنے لڑکوں میں سے کسی ایک کو دے دے اور اسی طرح کسی حد تک وہ قانون کی پالیسی کا نفاذ کر سکے (بشرطیکہ چند شرائط کی پابندی کرے)

وہ پابندی (جس کی مماثلت بعض یورپین قوانین میں ملتی ہے) چند شرائط پر مبنی ہے اور مسلم لا کے مطالعہ کے دوران ان پر بہت توجہ کی ضرورت ہے۔ انتقالات جائیداد دو عنوانات کے تحت ہیں:

(۱) انتقالات مابین زندہ اشخاص (۲) وہ انتقالات جن کی نوعیت وصیتی ہے اور

منتقل کنندگی موت کے بعد جن کا نفاذ ہوتا ہے۔

(۳) دستاویزات جو فی نفسہ متعلق بہ وصیت ہوں اور وصی کی موت تک تا قابل نفاذ ہوں۔ کوئی بھی انتقال جو انتقال کنندہ بعارضہ مرض الموت کرے وہ وصیتی انتقال کہلائے گا مگر اس پر ہم مناسب موقع پر بالتفصیل اظہار خیال کریں گے۔

انتقالات جائیداد

زندہ اشخاص کے مابین انتقالات جن سے ہم اصلاً متعلق ہیں وہ ”ہبہ“ اور ”وقف“ ہیں۔

(۱) ہبہ ایک عطیہ ہے اور عام طور پر اسکی تین قسمیں ہیں:
 (الف) ہبہ محض اور سادہ (ب) ہبہ بالعوض (کسی بدل کے عوض بخشش یا عطیہ) جو عطیہ سے زیادہ ایک بدل کی صورت ہے۔ (ج) ہبہ یا شرط العوض یا عطیہ جو اس شرط پر کیا جائے کہ مویوب الیہ یا منتقل الیہ اس عطیہ کے عوض واقف کو مستقبل میں کسی وقت یا مدت کے بعد کوئی شے متعینہ عطیہ کے عوض دے گا۔

(۲) وقف :- وقف کسی جائیداد کی آمدنی کا ایسا دائمی انتظام ہے جس سے افراد یا مذہبی یا امر خیر کے مقاصد کو فائدہ حاصل ہو۔

ایک محض سادہ ہبہ کسی مختص خاندان کا (خواہ وہ واقعتاً موجود ہو یا قابل تلاش ہو) بخشش بلا بدل انتقال ہے اس کی تعریف بالتفصیل بعد میں کی جائے گی۔
 سنی فقہ کے مطابق کسی عطیہ کی آمدنی بلا بدل اور محدود وقت کے لیے جو حسب مرضی واپس لی جاسکے ”عاریت“ کہلاتی ہے۔

محمد فیض احمد خان بنام غلام احمد خان

ہبہ اور عاریت میں فرق یا اور کسی شے کے عین یا اصل کے بارہ میں مقررہ وقت تک محض آمدنی کے بارے میں فاضل سب حج علی گڑھ نے بہت تفصیل سے بمقدمہ فیض احمد خان بنام غلام احمد خان وضاحت کی ہے اور اس فیصلہ کو عدالت ہائے عالیہ اور پریوی کو نسل نے منظور اور قبول کیا ہے۔ یہ فیصلہ اس قدر جامع اور مکمل ہے کہ میرے منشاکی وضاحت کے لیے اس کے ایک حصہ کی نقل کرنا بہتر سمجھتا ہوں۔

عاریت

”کسی اصل شے کو کسی شخص کی ملکیت میں بلا عیوض دینا ہبہ ہے اور محض منافعوں میں بلا کسی بدل کے مالک بنانا ”عاریت“ ہے (ملاحظہ ہو درالمختار کتاب الہبہ)۔ ہبہ کے لیے یہ لازمی ہے کہ واہب صحیح العقل ہو، شے کا مالک ہو، اور بالغ ہو اور شے موہوبہ غیر منقسم نہ ہو بلکہ واہب کے قبضہ میں ہو۔ اس کا ایجاب اور قبول ہو۔ کوئی ہبہ ناجائز شرائط کی وجہ سے باطل نہیں ہوتا اسکے برعکس شرائط باطل ہو سکتی ہیں۔ مثلاً اگر کسی غلام کو ہبہ میں دیا جائے اس شرط پر کہ موہوب الیہ اسے آزاد کر دے گا تو شرط باطل ہے مگر ہبہ جائز ہے (درالمختار کتاب الہبہ)۔ عاریت میں یہ ضروری نہیں کہ واہب بالغ ہو، نہ یہ کہ شے موہوبہ تقسیم شدہ ہو، نہ یہ شرط ضروری ہے کہ ایجاب کے بعد قبول ہو۔

(عالمگیری) عماد یہ میں ہے کہ مشترکہ جائیداد کی عاریت جائز ہے اسی طرح

اس کا جمع کرنا اور فروخت بھی جائز ہیں۔ (درالمختار کتاب العاریت)

وہ الفاظ جن سے کہ ”عاریت“ کی تشکیل ہوتی ہے ان کی بابت عالمگیری میں

علیحدہ ایک خاص باب ہے اور یہاں میں بتاؤں گا کہ عاریت کے وقت کون سے الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں اور انکی کیا اہمیت ہے۔

اگر کوئی یہ کہے کہ میں نے ایک مہینہ کے لیے مکان کے منافعوں کا ہمیں مالک

بنادیا ہے یا ہبہ یا بدل کا حوالہ نہ دے تو یہ عاریت ہے۔ یہ فتاوائے قاضی خان میں ہے اور

ان الفاظ میں یہ جائز ہے: ”میں تمہیں یہ پوشاک ایک روز کے لیے قرض دیتا ہوں یا میں

یہ مکان تمہیں ادھار دیتا ہوں تم اس میں ایک سال رہ سکتے ہو“ (تاتارخانیہ)۔

اگر وہ یہ کہے کہ میں ایک مہینے کے لیے اپنے مکان کو تمہاری رہائش کے لیے

دیتا ہوں یا وہ یہ کہے کہ میں اپنے اس مکان کو تمہاری رہائش گاہ ایک ماہ کے لیے بناتا ہوں یا

وہ یہ کہے کہ میں اپنی میری حیات اس کو تمہاری رہائش بناتا ہوں تو یہ عاریت ہوگی (ایسا

ذاکر یہ میں ہے)

اگر وہ یہ کہے کہ میرا مکان بطور رہائش تمہارے لئے ہے یا رہائش کے لیے بطور

صدقہ ہے (ہدایہ میں ایسا ہی ہے)

اگر وہ یہ کہے کہ میرا مکان قرض رہائش یا صدقہ بطور عاریت ہے یا قرضہ (عاریت) بطور ہبہ ہے یا ایک قرضہ (عاریت) بطور ہبہ ہے یہ سب عاریت ہے۔ یہی ”کافی“ میں ہے۔

اگر وہ یہ کہے کہ میرا یہ مکان اگر میرے بعد تو زندور ہے تو تیرے لئے ہے اگر تیرے بعد میں زندور ہوں تو میرے لئے ہے یا تیرے لئے ایک وقف ہے تو ابوحنیفہ اور امام محمد کے مطابق یہ عاریت ہے۔ مگر ابو یوسف کے مطابق ہبہ ہے اور الفاظ رقبہ اور جس باطل ہیں۔ بدائع میں ایسا ہی ہے۔

اگر وہ یہ کہے کہ میرا مکان تمہارے لئے ہے اگر تم میرے بعد زندور ہو تو۔ اگر میں تمہارے بعد زندور ہوں تو میرے لئے ہے یا یہ تمہارے لئے وقف ہے تو یہ سب کے مطابق عاریت ہوگا۔ نہایہ میں ایسا ہی ہے ”میں نے یہ خیر تمہیں دیا ہے تاکہ تم اسے استعمال کرو اور میرے صرفہ پر اسے گھاس کھاؤ تو یہ عاریت ہے۔ درکنیا میں ایسا ہی ہے۔“
اگر وہ یہ کہے کہ میں نے یہ درخت تمہیں اس کے پھل کھانے کے لیے دیا ہے تو یہ عاریت ہے تا وقتیکہ اس سے ہبہ مراد نہ ہو ثمر تاشی میں ایسا ہی ہے

محمد فینش احمد خان بنام غلام احمد خان

یہی وہ الفاظ ہیں جن سے ”عاریت“ کا مفہوم ادا ہوتا ہے اور ان سب کو دیکھنے سے ظاہر ہوگا کہ لفظ ”وہبٹو“ میں نے ہبہ کیا کہیں نہیں ہے۔ الفاظ ”ہبطن سکنہ“ یا سکنہ ”ہبطن“ جو اوپر استعمال کئے گئے ہیں ان سے اصل شے کا ہبہ مراد نہیں ہے۔ یہ صرف ”دری لک“ کی وضاحت ہیں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ جو مکان دیا گیا ہے وہ صرف رہائش کے لیے ہے۔ اب میں وہ الفاظ آپ کو بتاؤں گا کہ جن سے ہبہ ہو جاتا ہے اور وہ تین قسم کے ہیں: اولاً وہ جن سے خاص طور پر ہبہ مراد ہے، ثانیاً وہ جن سے استعارتاً یا تعبیراً ہبہ مراد ہے، ثالثاً وہ جن سے ہبہ یا عاریت مساوی طور پر مراد ہیں۔ میں درج ذیل اقتباس غامگیری کتاب الہبہ باب اول سے نقل کرتا ہوں۔ ”الفاظ جن سے کہ ہبہ ہوتا ہے تین قسم کے ہیں۔ اولاً وہ الفاظ جو خاص طور پر ہبہ کے لیے وضع کیے گئے ہوں یا مرتب ہوئے ہوں، ثانیاً وہ جن سے ہبہ استعارتاً یا تعبیراً مراد ہو، ثالثاً وہ جن سے ہبہ یا

عاریت مساوی طور پر مراد ہو۔ اول الذکر قسم میں یہ الفاظ آتے ہیں۔ ”ان کپڑوں کو میں بیہ کرتا ہوں یا میں تمہیں ان کا مالک بناتا ہوں یا میں تمہارے لئے یہ بیہ کرتا ہوں یا یہ تمہارے لئے ہے، یہ میں تمہیں بخشش کرتا ہوں یا تمہیں دیتا ہوں“۔ یہ سب بیہ ہے۔ دوسری نوعیت میں درج ذیل ہیں۔ ”میں تمہیں پہننے کے لئے یہ کپڑے دیتا ہوں“۔ ”تمہاری زندگی بھر کے لئے یہ مکان تمہیں دیتا ہوں۔“ یہ بھی بیہ ہے۔ اسی طرح اگر کوئی یہ کہے کہ میں اپنی زندگی بھر کے لئے تمہیں یہ مکان دیتا ہوں یا اپنی زندگی بھر کے لئے دیتا ہوں، پس تم مر جاؤ تو مجھے عود کرے گا تو، بیہ جائز ہوگا مگر شرط باطل ہوگی لیکن تیسری قسم میں یہ آتے ہیں: اگر وہ یہ کہے کہ یہ مکان تمہارے یا میرے لئے ہے اگر میں تمہارے بعد زندہ رہوں تو تمہارے لئے وقف ہے اور اگر اسے دیدے تو امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے مطابق عاریت ہے اور ابو یوسف کے مطابق بیہ ہے۔

عاریت اور بیہ میں فرق

مندرجہ بالا سوال سے ظاہر ہے کہ لفظ ”واہبطو“ جس کے معنی ہیں میں نے تجھے بیہ کیا، ایسا لفظ ہے جو خاص طور پر بیہ کے لئے استعمال ہوتا ہے اور قرضہ حاصل کرنے کے لئے نہیں ہوتا۔ اور یہی وہ لفظ ہے جو دستاویز بیہ نامہ میں استعمال ہوتا ہے اس دستاویز میں کوئی بھی مشتبہ یا مبہم الفاظ استعمال نہیں کئے گئے ہیں۔ اور اس کے بعد جو بھی الفاظ استعمال کئے گئے ہیں وہ بطور مشورہ کے ہیں۔ یہ ان کتب ہائے فقہ کی مثال ہے جو کہ معاملہ ہذا پر بخوبی منطبق ہوتی ہیں۔ ان سے ظاہر ہے کہ متازعہ معاملہ بیہ کا تھا نہ کہ عاریت کا۔ یہ مثال تمام کتب ہائے فقہ: ہدایہ، درالمنہار اور عالمگیری (داری لکھتیاں سکھ) میں ملے گی۔

”میرا مکان تمہارے لئے بطور بیہ ہے جب تک تم چاہو اس میں رہو۔“
 عربی کا یہ قاعدہ ہے کہ کوئی فعلی جملہ کبھی بطور تفسیر جملہ اسی استعمال نہیں ہوتا ”داری لکھتیاں“ یہ جملہ اسمیہ ہے اور سکھ ایک فعلیہ جملہ ہے پس سکھ بچھلے جملہ کا وضاحتی نہیں ہوتا۔ اس کے برعکس ذاہب بطور مشورہ موہوب الیہ کو رائے دے سکتا ہے کہ وہ اس (مکان) میں رہے اور موخر الذکر آزاد ہے کہ اس کے مشورہ پر عمل کرے یا

نہ کرے۔ وہ جملے جن کے ذریعہ بہہ جائز کیا جا سکتا ہے: کتب ہائے فقہ میں درج ذیل جملے ملتے ہیں۔ درالختار ”میرامکان“ تمہارے لئے ہے کہ تم اس میں سکونت رکھو ”تسکنہ“ یہ ایک مشورہ ہے نہ کہ وضاحت اس لئے کہ ایک فعل اسم کا وضاحتی نہیں ہوتا پس وہ ہمیشہ مالک ایسے مکان میں رہائش کے لیے کہتا ہے پس اگر وہ چاہے تو اس کے مشورہ پر عمل کرے یا اسے قبول نہ کرے۔ اگر وہ یہ کہے کہ ”داری لک حبان تسکنہ“ یا تسکنہ حبان تو یہ ملیت کی تفسیر یا وضاحت ہے برعکس ”داری لک حبان سکنہ“ حبان کی یہ تفسیر نہیں ہے۔ اگر وہ بطور بہہ یہ کہے کہ تم اس میں رہو تو یہ بہہ ہے اس لئے کہ وہ ”تسکنہ“ کہتا ہے کہ تم اس میں رہو۔ اس لئے یہ ایک مشورہ ہے وضاحت نہیں ہے اور مقصد کی نشاندہی ہے حبان سکنہ“ کے برعکس کہ وہ اس کی تفسیر ہے۔ بہہ نامہ میں الفاظ ”بہہ کیا“ اور اس کو قبضہ دے دیا کے بعد یہ ہدایت کہ ہے ”ہمیشہ رشتہ“ دیہات کا انتظام کرے اور آمدنی کو ضروری منصرف اور گورنمنٹ کے محصول کی ادائیگی پر صرف کرے یہ بطور مشورہ ہے اور پچھلے الفاظ سے بہہ کی تکمیل ہو جاتی ہے۔ الفاظ ”بہہ کیا“ سے اصل معنی ظاہر ہوتے ہیں جو کہ ہر دو دیہات کے بارے میں کہے گئے ہیں۔

ہر زبان کا یہ قاعدہ ہے کہ ایک لفظ اس کے لغوی معنی سے سمجھا جاتا ہے۔ اگر لفظی معنی مراد نہ ہوں تو استعارہ کے طور پر معنی سمجھے جاتے ہیں۔ اس امر کی تائید کے لیے عربی کتب کے حوالہ کی ضرورت نہیں ہے لفظ ”بہہ“ جب دستاویز میں استعمال ہوتا ہے تو وہ اپنے لفظی معنی میں ہی مستعمل سمجھا جاتا ہے یہاں نہ واہب نابالغ تھا اور نہ سئے موبوبہ مشاع تھی۔ پس کوئی وجہ نہیں کہ لفظ ”بہہ“ سے مراد ”عاریت“ سمجھی جائے جب کہ مواضع ساہولی اور کمل آباد واضح طور پر بہہ ہو چکے ہیں تو ان مواضع کے منافعوں کو عاریت میں دینا کیوں نہ سمجھا جائے۔

تمام دستاویز کے بغور ملاحظہ سے ظاہر ہے کہ فیض احمد خان نے کبھی عاریت کا سوچا بھی نہ تھا انہوں نے کافی الفاظ استعمال کئے ہیں جن سے سوائے بہہ ان کی کچھ اور نیت نہ تھی۔ پوری دستاویز بہہ نامہ ہے اور اس میں عاریت کا مطلق کوئی شائبہ بھی نہیں ہے۔ جائیداد کی مالیت مقرر کر دی گئی تھی اور پوری اشامپ ڈیوٹی ادا کی گئی تھی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ جائیداد پر مشاع کا شبہ ہو جائے یا غیر منقسم سمجھ لی جائے اور اس وجہ سے بہہ باطل

سمجھ لیا جائے۔ انہوں نے بتایا ہے کہ میں بلا شرکت غیرے ہر دو مواضع کا مالک ہوں۔ پس لفظ ہبہ کے استعمال سے انہوں نے اس حصہ کا اعلان کیا ہے اور اس کی تصدیق کر دی ہے۔ بلکہ یہاں تک لکھ دیا ہے کہ نہ اس کا اور نہ اس کے ورثا کا اس سے کوئی تعلق ہوگا۔

آخر میں انہوں نے دستاویزی نوعیت کی اسے ہبہ تامہ بتاتے ہوئے وضاحت کی ہے انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ مسماۃ کو انہوں نے قبضہ دے دیا ہے۔ اس طرح ہبہ کی تکمیل ہو جاتی ہے (جس کی عاریت یا قرضہ میں ضرورت نہیں ہے)۔ انہوں نے مسماۃ سے قبولیت بھی لکھوائی ہے جو کہ جواز ہبہ (نہ کہ رعایت) کے لیے ضروری ہے۔ دستاویز کے خاتمہ پر لفظ ”فقط“ الفاظ مکرر کے بعد مدعا علیہ نے استعمال کئے ہیں کہ یہ ہبہ بالعوض ہے۔ کوئی وجہ نہیں ہے کہ تمام الفاظ کے حقیقی معنی حقیقی نہ سمجھے جائیں اور معاہدہ کو عاریت سمجھا جائے۔ جب کہ دستاویز میں اس کے لیے ایک بھی لفظ نہیں ہے پس یہ معاہدہ کسی طرح عاریت نہیں سمجھا جاسکتا۔ تاوقتیکہ تمام الفاظ کے لغوی معنی نہ سمجھے جائیں جس کے لیے بہت قوی وجوہات ہونا چاہئیں اس کے لیے عدالت کے نزدیک وجوہات نہیں ہیں۔

پریوی کونسل کی نظیر کا اس مقدمہ میں میرے خیال میں یہ نتیجہ ہے کہ جب ہبہ قطعی ہو تو الفاظ جو اس کے مقصد کی وضاحت کے لیے استعمال ہوتے وہ اس کے نفاذ کو نہ محدود اور نہ کم کر سکتے ہیں۔ ”ہبہ“ اور ”عاریت“ کے فرق کو بہت غور سے الفاظ میں بیان کیا جاسکتا ہے۔ اول الذکر میں منتقل ایہ مکمل اختیار حاصل کر لیتا ہے۔ موخر الذکر میں وہ محدود عرصہ کے لیے اس سے منافع یا اس کے استعمال کا محدود طور پر حق حاصل کرتا ہے اور جائیداد اس پر منتقل نہیں ہوتی۔

فصل دوم: ہبہ یا عطیہ سادہ

مسلمانوں میں ہبہ کے قانون کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ اصول ”حجب“ جو تمام مکاتب فقہ اسلامی میں ملتا ہے، حق نمایندگی کے فقدان سے اس میں بہت سی دشواریاں پیش آتی ہیں۔ مثلاً اگر ایک شخص کے تین لڑکے ہیں ان میں سے ایک اپنے باپ کی حین حیات بچے چھوڑ کر انتقال کر جاتا ہے تو یہ بچے اپنے دادا کے ورثہ میں اپنے

بچوں سے بچ ہیں۔

مسلم قانون میں عورتوں کو لڑکوں کے مقابلہ میں کم حصہ ملتا ہے۔ سنی فقہ میں خاص کر اسول ہم بدی سے نانی تا انسانی ہوتی ہے۔ اور ماکان جائیداد کی اکثر یہ کوشش ہوتی ہے کہ اپنی حین حیات اسے دور کر دیں۔ بیٹی کے بچے بھائی کے بیٹوں کے مقابلہ میں جائیداد سے محروم ہوتے ہیں۔ ان خرابیوں کی اصلاح کے لیے ہندوستان کے مسلم خاندان مثل اور جگہ کے بہہ کا سہارا لیتے ہیں جس سے محض ان تا انصافیوں کی اصلاح کی کوشش ہوتی ہے جن کاموں نے ذکر کیا ہے۔ بلکہ اکثر ایک وارث کے مقابلہ میں دوسرے کو زیادہ حصہ ملتا ہے۔ ایک وارث کو با حین حیات دوسرے کے مقابلہ میں زیادہ حصہ دینا خاص طور سے قانوناً مسلم ہے۔

درالتمار نے بحوالہ قاضی خان مروجہ عنوان ”خانہ“ کے تحت لکھا ہے کہ ایک بچے کے مقابلہ میں دوسرے بچے کو زیادہ چاہنے میں کوئی عذر نہیں ہو سکتا اس لئے کہ یہ تقابلی معاملہ ہے۔ بعینہ یہ معاملہ ہے جب تک کہ دوسروں کو ضرر پہنچانے کا ارادہ نہ ہو۔ اگر ایسی کوئی نیت (حصہ کم کرنے کی) ہو تو ان کے حصص مساوی کر دینا چاہئے۔ یعنی لڑکی کو بھی وہی شخص دیں جو لڑکے کو دئے ہیں، یہ ابو یوسف کے مطابق ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔ اور کوئی شخص بحالت صحت اپنی تمام جائیداد ایک ہی بچے کو دے تو یہ جائز ہے ایسا کر سکتا ہے یہی اسول فتاوائے عالمگیری میں بتایا ہے۔

اگر کوئی تندرست آدمی اپنے بچوں کے حق میں ہبہ کرتا ہے اور ان میں سے کچھ کو دوسروں پر ترجیح دیتا ہے تو ہمارے فقہاء نے اس سلسلہ میں کسی ”اصل“ حدیث کا حوالہ نہیں دیا ہے مگر ابو حنیفہ کا قول ہے کہ وہ اس بچے کو زیادہ دے سکتا ہے جو کہ مذہبی اعتبار سے دوسروں سے زیادہ ممتاز ہو۔ اگر ایسا نہیں ہے تو یہ امر قابل الزام ہے۔ ابو یوسف نے اعلیٰ میں بتایا ہے کہ ایک مساوی تقسیم قانوناً ہو سکتی ہے جب کہ کسی بھی بچے کو نقصان پہنچانے کی نیت نہ ہو۔ اور لڑکی کو اتنا ہی دینا چاہئے جتنا کہ لڑکے کو اور اس پر فتویٰ ہے ایسا ہی فتاوائے قاضی خان میں ہے اور ظہر یہ کے مطابق یہ مسلمہ مسئلہ ہے۔ اگر ایک تندرست شخص اپنی تمام جائیداد ایک بچے کو دے دیتا ہے تو یہ قانوناً جائز ہے مگر حسب فتاویٰ قاضی خان یہ گناہ ہے۔

یہی اصول درالختار میں بتایا گیا ہے۔
 ہندوستان میں جس کثرت سے بہہ ہوتے ہیں اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ
 اس موضوع پر توجہ سے قانون کا مطالعہ کیا جائے۔

بہہ کی تعریف

درالختار میں بہہ کی یہ تعریف ہے کہ جائیداد میں عین (تملیک العین) کا انتقال
 ہے جو ایک شخص بلا عوض دوسرے کو کرتا ہے لیکن بلا عوض ہونا کوئی شرط نہیں ہے۔ با
 لفاظ دیگر یہ ایک جائیداد یا اس کے عین کا ایک شخص سے دوسرے شخص کو بلا بدل برضا
 مندی عطیہ ہے، اس طرح کہ موہوب الیہ شے موہوبہ کا مالک بن جاتا ہے۔ بہہ کے جواز
 کے لیے تین شرطیں ضروری ہیں (۱) واہب کی جانب سے بہہ کی خواہش کا اظہار
 (۲) موہوب الیہ کا صریح یا استعارتاً قبول کرنا (۳) شے موہوبہ پر موہوب الیہ کا واقعی یا
 تعبیری قبضہ۔

تفویض :- حنفی فقہا بہہ کو فعل ”تیرع“ بتاتے ہیں جس کی رو سے کسی شے میں
 حق مختص بلا بدل ہوتا ہے۔ بہہ یا عطیہ کو وصیت سے ممتاز کرنے کے لیے ابن کمال
 مصنف فتح القدر جائیداد پر ایک فوری (فی الحال) حق تفویض بتاتے ہیں۔ اسی طرح
 سیدی خلیل (مالکی فقیہ) اس کو ایک عمل بخشش بتاتے ہیں اس طرح کہ مالک (بدل میں
 بلا کوئی چیز حاصل کئے ہوئے) بخشش کرتا ہے۔ شیعہ فقہا اس کے برعکس اسے عقد بتاتے
 ہیں جس کی رو سے واہب جائیداد کو ایک متعین غرض سے فوراً غیر مشروط طور پر بلا بدل
 بغیر کسی مذہبی یا دنیوی امر کی نیت کے منتقل کر دیتا ہے۔ بہہ تحریری یا زبانی ہو سکتا
 ہے۔ (قانون انتقال جائیداد ایکٹ ۴، ۱۸۸۹)۔

بہہ زبانی قمر النساء بی بی بنام حسینی بی بی

پریوی کونسل نے بمقدمہ قمر النساء بی بی بنام حسینی بی بی ایک بہہ زبانی کو جب وہ تمام
 حالات سے ثابت ہو، جائز تسلیم کیا ہے۔ مسلمانوں میں ایک اور قسم کا عطیہ (صدقہ) بھی
 ہے یہ بھی اپنی نوعیت میں امر خیر ہے اور آخرت کے اجر کی بنا پر کیا جاتا ہے۔ یہ صدقہ

کہلاتا ہے۔ اس کی اصل کام پاک کی سورہ ۲ آیت ۲۱ میں ملتی ہے: ”جو نیکیاں تم کرو گے (یا جو مال تم دو گے) خدا کے ظلم میں ہے۔“ تمام مکاتیب فقہ کے نزدیک بیہ کی جہتیں ناقابل منسوختی ہیں لیکن ہم اس کی ترتیب کے مطابق ان پر اظہار خیال کریں گے۔

اسطلاحاً عظیمہ کسندہ واجب کہلاتا ہے، عظیمہ یا بندہ موہوب لہ اور شئے بیہ موہوب کہلاتی ہے۔

فصل سوم: بیہ کی اہلیت

ایک بیہ جائز کی ضروری صفات یا بالفاظ دیگر عظیمہ کی اہلیت جسے بر غبت تمامیک کہہ سکتے ہیں وہی ہیں جو دوسرے کسی معاہدے کے جواز کے لیے ضروری ہیں۔ ہر وہ فعل جو کہ شرعاً تصرفات شرعیہ کے ذیل میں آتا ہے اس میں کسی حد تک رضامندی یا خوشی کا عنصر شامل ہوتا ہے اور جیسا کہ تصحیح کہا گیا ہے یہ ایک ارادی فعل عقل ہے اور ذہن انسانی کے خیر اور بشر دونوں کا توازن کرتا رہتا ہے۔ شرع کے تحت ہر قانونی فعل ایک ”مقصد“ ہے اور ہر فعل کا جواز اس شخص کی صلاحیت یا اہلیت پر منحصر ہے کہ وہ بخوبی آزادی سے اس فعل کے نتائج پر غور کر سکے۔ اگر وہ شخص فی نفسہ خود عائد کردہ مجبوری اور اتقائی عدم اہلیت کی وجہ سے اپنی رضامندی کھلے ذہن اور بعد غور کامل ظاہر کرنے کے لیے تیار نہیں ہے تو اس کا اقرار معاہدہ کا عدم اور باطل ہے۔

کسی انتقال جائیداد کے جائز ہونے کے لیے درج ذیل شرائط لازمی ہیں:

(۱) سن بلوغ (۲) فہم و ادراک (۳) آزادی رائے (۴) شئے منقولہ کی ملکیت۔

یہ شرائط شخص بیہ تک محدود نہیں ہیں بلکہ تمام انتقالات جائیداد پر عائد ہوتی ہیں۔

سن بلوغ سے کم عمر والے اشخاص کو صغیر یا کم سن سمجھا جاتا ہے اور ان کو اس قابل نہیں سمجھا جاتا کہ وہ فہم و ادراک کی کمی کے باعث خود کو پابند معاہدہ کر سکیں۔ عام طور پر نابالغی پندرہواں سال گزرنے پر ختم ہو جاتی ہے جب کہ ہر دو اصناف کے جوانوں کے لیے یہ قیاس کیا جاتا ہے کہ وہ سن شعور پر پہنچتے ہیں۔ اسی لئے ایکٹ نمبر ۱۹، ۱۸۷۵ء کے نافذ ہونے سے قبل ایک پندرہ سالہ مسلمان اپنی جائیداد کے انتقال جائز کا اہل تھا مگر ایکٹ ۱۸۷۵ء کے نافذ ہونے سے قبل قانون نے بلوغ کے تین درجے تسلیم کئے ہیں۔

دفعہ نمبر ۳ ایکٹ ۱۸۷۵ء کی رو سے مسلم لاکے بہت سے مسائل متعلق شادی، مہر اور طلاق اس پابندی سے مستثنیٰ ہیں مگر دوسرے قواعد کے مطابق بہت سے بالغ اشخاص کی عمر جو کورٹ آف وارڈس کی ولایت میں ہیں یا عدالت نے جن کا ولی مقرر کیا ہے انکی عمر بلوغ ۲۱ سال ہے۔ دوسروں کیلئے ۱۸ سال پہلی صورت میں کوئی شخص مسلم لا کے تحت بہہ نہیں کر سکتا تا وقتیکہ وہ ۲۱ سال کا نہ ہو گیا ہو اور مؤخر الذکر کی صورت میں ۱۸ سال کا نہ ہو۔ قانون بلوغ کی اس خصوصیت کی وجہ سے ایک ہی شخص کے مختلف افعال سے اہم مشکلات پیدا ہو سکتی ہیں۔ مثلاً ایک شخص پندرہواں سال ختم ہونے پر شادی کا معاہدہ مہر کی بابت کرنے سے مہر کی ادائیگی کے لیے جائیداد فروخت کر سکتا ہے۔ اسی طرح ایک عورت جو پندرہ سال سے زیادہ ہو مگر اس مدت سے کم نہ ہو جو ایکٹ میں بلوغ کے لیے مقرر کی گئی ہے، مجاز ہے کہ اپنے خاوند کے حق میں مہر بہہ کرے یا خاوند کو مہر معاف کر دے۔

وہ معاہدے جو سفیہ اور فاطر العقل کریں وہ باطل اور کالعدم ہیں لیکن جب کوئی شخص جو سفیہ ہو مگر درمیانی دنوں میں تندرست رہتا ہو تو ان وقفوں کے درمیان اس کے افعال چند شرائط کے تحت جائز ہوں گے۔

ممانعت کے معاملات

ہدایہ کے مطابق ممانعت کے معاملات تین ہیں یعنی صغیر سنی، غلامی اور جنون۔ اکثر کتب ہائے فقہ میں ممانعت والے معاملات میں محض لفظ ”جنون“ استعمال ہوا ہے مگر متذکرہ مثالوں سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ ان طبقات کے لوگ جن کی قانون حفاظت کرتا ہے صرف وہی نہیں ہیں جو کسی نہ کسی صورت میں سفاہت اور جنون میں مبتلا ہوں بلکہ وہ بھی ہیں جو اتفاقی واقعات کی بنا پر وقتی طور پر اپنی فہم کھو بیٹھے ہوں۔

لارڈ کوک نے مختلف درجوں کے لوگوں کا حوالہ دیا ہے جو کہ قانوناً سفیہ اور فاطر العقل سمجھے جاتے ہیں یہ ان اصولوں کے لیے صحیح رہ نما ہیں جن کے تحت مسلم لا کے مطابق ان لوگوں کے افعال جو عاقل نہ ہوں قانوناً جائز ہیں۔

سٹیج۔ یا فاترا العقل

اور لوگ نے قانون کے مطابق جو فاترا العقل سمجھے جاتے ہیں ایسے اشخاص کو چار قسموں میں تقسیم کیا ہے۔ (۱) وہ جو پیدائشی فاترا العقل اور احمق ہیں۔ (۲) وہ جن کی یادداشت اچھی اور حافظہ اچھا ہے مگر مشیت ایزدی سے اپنی یادداشت کھو بیٹھے ہیں۔ (۳) وہ جو پاگل ہوں مگر کبھی کبھی دماغی کیفیت ٹھیک ہو جاتی ہے اور بعض وقت فاترا العقل ہوتے ہیں (۴) وہ جو اپنے فعل سے ہی فاترا العقل ہو جائیں جیسے کہ شرابی ہوتے ہیں۔ آخری قسم کے لوگوں کے لیے اگرچہ یہ صحیح ہے کہ شراب نوشی ان کے افعال قانون کی خلاف ورزی کو باکا نہیں کرتی بلکہ جرم کو مزید سنگین بناتی ہے اور اس سے اس کو کوئی رعایت حاصل نہیں ہوتی لیکن قانون کی نظر میں اگرچہ ایک شراب خور کے افعال اور معاہدے کو فاترا العقل کے مقابلہ میں کوئی رعایت نہیں ملتی تاہم عدالت ہائے معدلت مارشن۔ ثابیت کے دوران افعال اور معاہدے جو بر بنائے فریب یا جبر اکرائے گئے ہوں ان سے صرف نظر نہیں کرتیں۔ خود ایک شراب خور کا خواہ کتنا ہی غلط طریقہ ہو لیکن فریق متعلقہ عدالت ہائے معدلت سے اپنے غیر اخلاقی اور فریبانہ طریقہ کے لیے کسی رعایت کا مستحق نہیں ہے۔

شراب نوشی

شراب نوشی کی حالت میں کسی قول یا معاہدہ کو نظر انداز کرنے کے لیے یہ دلیل کافی نہیں ہے کہ شراب خور نشہ کی حالت میں تھا۔ یہ ثابت کرنا ضروری ہے کہ شراب خور نشہ میں اس درجہ کی حالت میں تھا کہ وہ فہم اور ادراک کھو بیٹھا تھا اور ایسی حالت میں وہ قانوناً اپنے قول یا معاہدہ کو بخوبی سمجھنے کا اہل تھا اور نہ وہ اس کا پابند ہو سکتا تھا۔ اگر شراب نوشی کی وہ کثرت نہ ہو تو عدالت ہائے معدلت اس وقت تک مطلق مداخلت نہیں کریں گی تا وقتیکہ یہ ثابت نہ ہو کہ اس شخص کو شراب پلانے کی کوئی ایسی سازش کی گئی تھی تاکہ اس سے مدہوشی کی حالت میں نا واجب فائدہ یا نفع حاصل کیا جا سکے۔ عام طور پر عدالت ہائے معدلت مفاد عامہ کے تحت اس کی مدد نہیں کرتی ہیں جس نے دوسرے شخص سے عالم مدہوشی میں کوئی معاہدہ کیا ہو یا استفادہ حاصل کیا ہو۔ دوسری

طرف نہ وہ مدہوس فریق کی ذمہ داری کو ہلکا کرنا چاہتی ہیں جس نے حالت مدہوشی میں کوئی فعل یا معاہدہ کیا ہو۔ وہ فریقین کو عام طور پر اپنی اپنی قانونی چارہ جوئی کے لیے چھوڑ دیتی ہیں تا وقتیکہ بد نیتی یا جبر کی بنا پر کوئی کارروائی نہ کی گئی ہو۔ حالت نشہ کے متعلق شارحین قانون طبعی اور قانونی نے اس کو بطور ایک عام اصول اختیار کیا ہے۔ کہ وہ معاہدے جو اشخاص نے بالارادہ سے خواری کی حالت (نشہ) میں کئے ہوں وہ قطعی باطل ہیں۔ اس لئے کہ ان میں غور و فکر کے بعد رضامندی کے اظہار کی اہلیت نہیں ہوتی اسی طرح جیسی کہ پاگل یا فاترا العقل لوگوں کی کیفیت ہوتی ہے۔ یہ اصول Pefendoz اور Heinecius نے وضع کیا ہے اور اسی کو Pothior نے جو اعلیٰ ترین محققین میں سے ہیں بطور اصول تسلیم کیا ہے جس کے لیے کسی تمثیل کی ضرورت نہیں ہے Heinecius نے اس موضوع پر بحث کرتے ہوئے بعض معقول نتائج اخذ کئے ہیں۔ اس کا قول ہے کہ معاہدہ کنندہ فریق کی حالت نشہ دو کیفیتوں سے خالی نہیں ہے، یا تو اس کو نشہ بہت زیادہ تھا یا معمولی۔ اگر معمولی تھا اور اس کی فراست اس حد تک زائل نہیں ہوئی تھی کہ وہ سمجھتا تھا کہ کس معاملے میں وہ کس سے معاہدہ کر رہا ہے تو ایسی صورت میں وہ پابند ہوگا لیکن اس کی حالت نشہ ایسی شدید تھی کہ اسے اس بات کا احساس ہی نہ رہا ہو کہ معاہدہ کنندہ فریق اس کو بد یہی فریب دے رہا تھا، تو اس تصفیہ کے لیے اسے کم از کم خود کو متہم کرنا چاہئے کہ اس نے ایک شخص سے ایسی حالت (نشہ) میں معاہدہ کیا۔

اسکاٹ لینڈ کے قانون میں اس فرق کو تسلیم کیا گیا ہے۔ ایسے اشخاص جو قطعاً مدہوش ہو کر اپنے حواس زائل کر چکے ہوں، وہ کسی معاہدے کے پابند نہیں ہوتے لیکن کمتر عرصہ نشہ کے معاہدے جس میں ذہن محض قدرے ماؤف ہوا ہو، منسوخ نہ ہوں گے۔

سفاہت

مندرجہ بالا صورتوں میں سے وہ صورت یہی ہے جب کہ کوئی شخص دیوانہ یا فاترا العقل نہ ہوتا ہم ایسا سفیہ ہو کہ دھوکا دہی اکراہ یاد باؤنا جائز سے خود کو نہ بچا سکے پس یہ قطعی بے معنی ہے کہ اسباب سفاہت کیا تھے، خواہ یہ غرضی علالت یا عام ضعف دماغ یا ذہنی کمزوری کی بنا پر یا پیدا کنشی کمزوری یا شدید بڑھاپے یا اتفاقی حادثات سے کمزوریوں کی

بنا پر ہوں جو ایک خوف و ہراس، عوارض جسمانی یا شدید مصائب سے لاحق ہوتے ہیں۔
 اور یہ مجنون یا فاتر العقل (فاتر الحواس) ہونے کا کوئی بدیہی ثبوت نہ ہوتا تاہم اگر وہ
 ضعیف العقل یا سفیہ یا زیادہ پریشان اور ستم زدہ ہے یا اس نے دستاویز اس حالت میں تحریر
 کی جب کہ وہ مستقیم تھا یا مرض سکتہ میں مبتلا تھا تو ایسی صورت میں یہ قیاس نہیں کیا جا
 سکتا کہ اس کے حواس ایسے بجاتے کہ اس نے معاہدہ سوچ سمجھ کر کیا بلکہ قیاس کیا جائے
 گا کہ وہ آسانی سے فریب میں مبتلا کر دیا گیا۔ محض ضعف عقل یا سفاہت امتناع شرعی کا
 کوئی جواز نہیں ہے۔ ایسے شخص کے افعال جو مجنون یا فاتر العقل نہ ہوتاہم کمزور ذہن کا ہو
 گمراہ بنائے فریب نہ ہو، جائز ہیں۔

اس سلسلہ کی نظائر پر غور کرنے سے قبل مسٹر جسٹس اسٹوری کے الفاظ ذہن
 میں رکھنا ہوں گے جن کے ذریعے فاضل جج نے ان اصولوں کی وضاحت کی ہے جن کی
 بنا پر انگلستان کی عدالت بائے چانسری ایسے بہت ہی کمزور ذہن اشخاص کے افعال کو نظر
 انداز کر سکتی ہیں جو اگر ادا، ابرام یا دباؤ تا جائز سے فی نفسہ اپنی مدافعت میں قاصر ہوتے ہیں۔

حریت

جواز معاہدہ کی دوسری شرط حریت ہے۔ ایک غلام کے افعال بھی اسی طرح
 امتناع شرعیہ میں آتے ہیں جیسے کہ بچوں اور مجنون کے افعال لیکن ایک غلام اور ایک
 پاگل کی حالت میں فرق ہے۔ غلام کے افعال کی توثیق اس کا آقا کر سکتا ہے جس طرح کہ
 ایک بچے کے افعال کی بعض صورتوں میں اس کا سرپرست۔ غلام اور بچے کے افعال کی
 توثیق علی الترتیب اس کے آقا اور سرپرست کر سکتے ہیں مگر ایک مجنون کے افعال قطعاً
 کا اعدام ہیں۔ ایک غلام کے افعال کے بارہ میں امتناع شرعیہ کے وجوہ بشرح و بسط ”ہدایہ“
 میں دئے گئے ہیں۔

برودہ فردوسی چونکہ برٹش انڈیا میں کسی صورت میں بھی موجود نہیں ہے اگرچہ
 شرعاً اس کا جواز ہے مسئلہ کا اب یہ محض ایک قد امتی پہلو ہے اس سے ان طریقوں کا علم
 ہوتا ہے جو تہذیب جدید کی روشنی میں بہت تیزی سے بدل رہے ہیں۔ نیز پیغمبر (عرب)
 ﷺ کے احکام شرعیہ کے صحیح تر مطالعہ کی بصارت بھی حاصل ہوتی ہے۔

غلامی سے جو عدم اہلیت پیدا ہوتی ہے اس سے غلام کی حیثیت قانونی ظاہر ہے۔ وہ شرعاً ایک نابالغ کے مثل ہے جس کو شخص اہل سمجھا جاتا ہے چونکہ خود مختاری یا آزادی رائے میں عارضی نقص جو بوجہ جبر، دباؤ یا زبردستی ہو، انسان کی حیثیت پر اثر انداز نہیں ہوتا۔ اسی لئے دباؤ ناجائز یا جبر کی بنا پر معاہدے جائز ہیں۔ بشرطیکہ شخص (معاہدہ کنندہ) نے دباؤ ناجائز یا جبر کے ختم ہونے کے بعد اس کی توثیق کر دی ہو۔

اکراہ یا جبر کا قاعدہ

فقہ اسلامی کی کتابوں میں ایک خاص باب ”اکراہ“ کے عنوان سے ان اصولوں کی توضیح پر ہے جو مسائل محولہ پر منطبق ہوتے ہیں۔ اگرچہ دباؤ ناجائز کے متعلق چند اصول انٹلیجنڈ کی عدالت ہائے نصفت (Equity) کے مسلمہ قواعد کے مقابلہ میں بادی النظر میں کم نظر آتے ہیں لیکن معاہدہ جو ایک آزاد، صحیح العقل اور بالغ نے کیا ہو اس کی تنسیخ کیلئے ضروری ہے کہ معاہدہ کرنے والا اس حالت میں تھا کہ وہ اپنی دھمکی کو عمل میں لاسکتا تھا اور وہ دھمکی فی نفسہ ایسی تھی جس سے ایک عاقل آدمی کا کردار متاثر ہو سکتا تھا۔ یہ قاعدہ معدلت کی دوسری صورت ہے۔ بالفاظ دیگر وہ دباؤ ناجائز ایسا تھا جس سے کہ یہ گمان ہو سکتا تھا کہ معاہدہ کنندہ کا واقعتاً اپنی آزادی فعل پر اختیار نہ رہے۔ ایسی صورت حال میں اگر کسی فریق کی آزادی اس طرح متاثر ہو جائے کہ اس فریب یا جعل سے فائدہ حاصل کر سکے تو ایسے معاہدہ کا منسوخ کرنا قاضی کے لیے جائز ہے

اکراہ یا دباؤ بقول ”ہدایہ“ اس صورت میں اثر انداز ہوتا ہے جب کہ معاہدہ کرانے والا خواہ وہ سلطان ہو یا دیگر شخص مگر اتنا مقتدر ہو کہ وہ اپنی مرضی کے مطابق عمل کرا سکے اسکی وجہ یہ ہے کہ اکراہ سے مراد وہ فعل ہے جو ایک شخص دوسرے سے جبراً کراتا ہے اور دوسرا شخص آزادی فعل ہوتے ہوئے بھی مجبور محض ہو کر رہ جاتا ہے۔ یہ صورت حال اس وقت تک واقع نہیں ہوتی جب تک کہ دوسرے شخص کو خوف زدہ نہ کیا جائے اور خوف کو اندیشہ نہ ہو کہ کوئی شخص اس سے بالجبر فعل کرانا چاہتا ہے اور اگر وہ نہیں کرے گا تو تخویف واقع ہوگی اور یہ خوف واندیشہ اس وقت تک جاگزیں نہیں ہو سکتا جب تک خوف دلانے والے کو خوف زدہ کرنے کی طاقت حاصل نہ ہو اور اس

طاقت کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ یہ طاقت سلطان میں ہی ہو یہ کسی بھی شخص میں ہو سکتی ہے۔

امام ابو حنیفہ کے مطابق سوائے سلطان کے کوئی اکراہ نہیں کر سکتا۔ اس سلسلہ میں یہ فاضلانہ رائے اختلاف زمانہ سے پیدا ہوئی ہے ورنہ اصلاً کسی اختلاف رائے کی بنا پر نہیں ہے اس لئے کہ ان کے زمانہ میں کوئی بھی شخص سوائے سلطان کے قدرت نہیں رکھتا تھا لیکن مابعد تبدیلیاں نوع انسان کے طریقوں میں واقع ہو گئیں۔ یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ اکراہ ثابت کرنے کے لیے یہ لازمی ہے کہ جس طرح اکراہ کا تبدیلہ کو بروئے کار لانے کے قابل تھا اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ خوف کو اس امر کا اندیشہ لاحق ہو کہ تبدیلہ عمل میں آجائے گی اور یہ خوف مفروضہ ہی نہ ہو بلکہ اس شخص کا ظن غالب ہو کہ اکراہ کا رویہ ہی کر گزرے گا جس کی اس نے دھمکی دی ہے اور اس سے وہ فعل بہ جبر یا اکراہ کرائے گا جو کہ وہ کرانا چاہتا ہے۔

وہ شخص جس سے بالا اکراہ معاہدہ کرایا گیا ہو بعد میں اس کو منسوخ بھی کر سکتا ہے۔ اگر کوئی شخص اس غرض سے کسی دوسرے کو زخمی کرنے یا ضرر رسانی یا قید کا مرتکب ہو کہ وہ اس شخص کے حق میں ایک ہزار روپیہ قرضے کی تحریر لکھ دے یا مکان کرائے پر دے یا دوسرا شخص اس کے منشا کے مطابق جائیداد خریدے وغیرہ وغیرہ یہ سب اکراہ کی تعریف میں آئے گا۔ مابعد یہ اس کی صواب دید پر ہے کہ اس معاہدہ بالا اکراہ پر وہ عمل کرنے یا فتح کر دے اور اشیاء فروخت شدہ لے لے یا واپس کر دے۔ اس لئے کہ جواز معاہدہ کے لیے ہر دو فریق کی رضامندی شرط لازم ہے اور یہاں یہ صورت موجود نہیں ہے اس لئے معاہدہ بھی تا وقتیکہ اکراہ برائے نام نہ ہونا جائز ہے۔ یہ اصول اکراہ اس صورت میں منطبق نہیں ہوتا جب کہ اکراہ محض ایک معمولی ضرب یا ایک دن کی قید ہو۔ اس لئے کہ اس نوعیت کے ضرر یا قید سے خوف پیدا نہیں ہوتا پس اکراہ ایک ہی ضرب یا ایک دن کی قید سے نہیں بنتا تا وقتیکہ خوف دلانے والا ذی مرتبہ نہ ہو کیوں کہ اس کے لیے یہ ضرر محض مسرت رساں یا توہین آمیز ہوگا۔ شخص مذکور پر اکراہ محض ضرر کی شدت سے قائم ہو جاتا ہے اور اس کی رضامندی اس سے ضائع ہو جاتی ہے۔

درالمختار میں بھی بعینہ یہ اصول دئے گئے ہیں اور بتایا ہے کہ مکمل اکراہ کے لیے

چار شرطیں ضروری ہیں۔

۱۔ کہ مجبور کرنے والا بادشاہ ہو یا کوئی رہن ہو جو تہدید کو بروئے کار لانے کی

طاقت رکھتا ہو۔

۲۔ کہ شخص مجبور خوف کو یہ قوی اندیشہ ہو کہ تہدید بروئے کار آئے گی۔

۳۔ کہ تہدید اس نوعیت کی ہو کہ اس کی آزادی رائے سلب ہو جائے۔

۴۔ خوف سے وہ فعل کبھی سرزد نہ ہوتا الا تخویف یا تہدید کی وجہ سے۔

پس ان حالات میں کوئی بھی فعل مثلاً خرید و فروخت اقرار قرضہ یا کرایہ داری

کو خوف بعد رفع اکراہ منسوخ کر سکتا ہے۔ حق قانونی مجبور خوف یا خوف کی موت سے

زائل نہیں ہوتا اور نہ بائع کا حق زائل ہوتا ہے۔ اگر جائیداد کسی تیسرے شخص کو فروخت

کی گئی ہے تو زائل ہو جاتا ہے خواہ جائیداد فروخت شدہ کے بارہ میں علیحدہ کارروائی بھی

ہوئی ہو۔ بلکہ جائیداد واپس کر دی جائے گی۔ اگرچہ کئی جگہ منتقل ہو چکی ہو مگر مجبور

یا خوف کو تصدیق معاہدہ کا حق ہے جو قولاً (واضح الفاظ) میں فعلاً مثلاً، عملاً (رقم کے قبول

یا تسلیم کرنے سے) ہو جاتی ہے۔

شرع محمدی میں مثل قانون انگلینڈ اکراہ واقعی قید یا نظر بندی یا دھمکی تک

محدود نہیں ہے بلکہ ان تمام امور پر حاوی ہے، جن میں کسی شخص کی آزادی رائے سلب

ہو گئی ہو اور وہ فی نفسہ یا کسی دوسرے شخص کے بارہ میں انتہائی خوف یا اندیشہ کی وجہ سے

مجبور ہو یا کسی شدید ضرورت یا ابتلا کالاحق ہونا یا فریقین معاہدہ کے درمیان شدید نوعیت

کی غلط فہمی واقع ہونا یا ایک شخص کا دوسرے شخص پر فریب کارانہ اثر ڈالنا یہ سب اکراہ کی

تعریف میں آتے ہیں۔

شرع محمدی میں واہب سے متعلق اشخاص پر جو فرائض عائد ہوتے ہیں ان کی

بابت کوئی مختص قواعد نہیں ہیں بلکہ عام طور پر انگلینڈ کی عدالت ہائے عدالت کے مسلمہ

اصولوں ہی پر ایسی صورتوں میں عمل ہوتا ہے۔ بلکہ عدالت عالیہ بمبئی نے تو اس حد

تک کیا کہ وہ ہبہ جو انگلستان کی عدالت ہائے عدالت کے مسلمہ اصولوں کے خلاف تھے

ان کو ناجائز قرار دے دیا۔ یہ ہبہ ان اشخاص کے حق میں تھے جو کہ واہب سے قریب تھے،

حالانکہ واہبہ ایک مسلمان خاتون تھی اور قانون شرع کے مطابق جائز وجہ بھی موجود

تھی۔ یہی اصول پر یوی کونسل کی جوڈیشل کمیٹی نے بمقدمہ توقیر الدین تواری بنام نواب سید علی حسین خان میں طے کیا۔
شے موہوبہ کو واہب کی جائیداد ہونا چاہئے۔

توقیر الدین تواری بنام نواب سید علی حسین

جواز بیہ کی ایک یہ بھی شرط ہے کہ شے موہوبہ واہب کی ملک ہونا چاہئے ورنہ بیہ فی نفسہ باطل ہوگا۔

قادی نامگیری میں ایک مزید شرط یہ بھی ہے کہ شے موہوبہ ایک ہی شخص کی جائیداد ہونا چاہئے اس لئے کہ ایک مشترکہ جائیداد بیہ نہیں ہو سکتی اور کسی شخص کے لئے جو خود اصل جائیداد کا مالک نہ ہو اس شے کا کسی اور کو مالک بنادینا ناممکن ہے۔ بالفاظ دیگر جس پر کوئی حقوق ملکیت ہی حاصل نہ ہو سکیں، مثلاً ہوایا سمندر کا پانی۔ ایک مزید شرط یہ ہے کہ جائیداد واہب کی مملوک ہونا چاہئے اس لئے کہ واہب کسی شخص دیگر کو اس شے کا مالک نہیں بنا سکتا جو کہ تیسرے شخص کی ملکیت ہو۔

بیہ دو طرح سے عمل میں آتا ہے۔ یا تو کسی جائیداد پر انتقال حق (تملیک) سے یا تینخ وادائیگی سے۔ مقروض پر قرضے کی رقم کا بیہ مؤخر الذکر نوعیت میں آتا ہے۔ درالختار میں یہی اصول بالا اختصار دئے گئے ہیں۔

جواز بیہ کی شرائط یہ ہیں کہ واہب اپنی آزاد مرضی سے بیہ کرے، وہ بالغ ہو اور بحیثیت مالکانہ وہ جائیداد پر قابض ہو۔ اس لئے کہ کسی نابالغ یا غلام کا بیہ خواہ و مکاتب ہونا جائز ہے۔

مزید یہ کہ شے موہوبہ جائیداد واہب سے اس طرح جدا ہو کہ بلا کسی اشتباہ کے اس پر قبضہ ہو سکے۔ وہ قطعاً علیحدہ ہو اور ملکیت واہب کی کوئی چیز اس میں شامل نہ ہو۔ بیہ کا بنیادی اصول اعلان بیہ اور اس کا منظور اور قبول کرنا ہے جس کا قانونی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ واہب موہوبہ الیہ کو جائیداد پر حق ملکیت چند مستثنیات کے تابع کلیتاً تفویض کر دیتا ہے۔

دیوالیہ کی حالات میں کسی شخص کا ہبہ کرنا

دیوالیہ واہب: آیا کوئی شخص جو دیوالیہ یا نہایت مقروض ہو، جائیداد ہبہ کر سکتا ہے۔ اس مسئلہ کے مالکی و حنفی اماموں نے دو مختلف طریقوں سے جواب دئے ہیں۔ اگرچہ دونوں امام نتیجہ میں متفق الرائے ہیں۔

مالکیہ کے مطابق ایسا شخص جو حالت افلاس یا انتہائی مقروض (مستغرق) ہو وہ اپنی جائیداد کے منتقل کرنے کے لیے تابع ہے۔ ایسی صورت میں ایسے حالات والے شخص کا ہبہ مالکیہ اصول کے مطابق غیر موثر ہے۔ مگر حنفیوں کے مطابق یہ کوئی عدم اہلیت نہیں ہے تاہم قاضی قرض خواہوں کی تحریک پر بشرطیکہ ہبہ ان کو محروم کرنے کی نیت سے کیا گیا تھا منسوخ کر سکتا ہے۔ یہ اصول قانون انگلینڈ کے اصول کے مطابق ہے جس میں کہ ایسے انتقال جو قرضداروں کو عمداً محروم کرنے کی غرض سے کئے ہوں، لائق استرداد قرار دئے گئے ہیں۔ انگلش نظائر جو قانون انتقال جائیداد میں مندرج ہیں، حنفی قانون کے ان اصولوں کو واضح کرتے ہیں۔

بدینتی

محض مقروض ہونا یا یہ امر کہ واہب مشکل حالات میں مبتلا تھا اس امر کے لیے وجہ کافی نہیں ہے کہ کسی ہبہ کو ناجائز قرار دیا جائے یا اس سے واہب کی بدینتی اخذ کی جائے جس کی بنا پر ایسے انتقال منسوخ کئے جاسکتے ہوں۔ منسوخ قرار دینے کے لیے یہ بتانا ہوگا کہ جب ہبہ کیا گیا تو بلارقم دیا ہوا قرضہ تھا اور واہب اگر دیوالیہ نہ بھی تھا تو اتنا زیادہ مقروض تھا کہ عدالت کو یہ باور کرایا جاسکے کہ ان لوگوں کے ساتھ واہب کا منشا فریب کا تھا جو بوقت ہبہ اس کے قرض خواہ تھے۔

قرضہ کی نوعیت

ایسے قرض کی نوعیت جس سے کہ فعل انتقال جائیداد کا عدم ہو جاتا ہے وہ مختصراً اس طرح ہے کہ واہب کا منشاء ایمان داری سے موہوب الیہم کی بسراوقات کا انتظام یا جائیداد کو اپنی دسترس سے دور رکھنا نہیں تھا بلکہ اپنے خلاف واجب الادا جائز مطالبات کے دعوے سے قرض خواہوں کو محروم کرنا تھا۔ لیکن فیصلہ کے وقت اتنی

جائیداد کی موجودگی جو بیہ میں شامل نہ ہو اور ادائیگی قرض کے لیے کافی ہو، بدعتی کی تردید کر دے گی۔ قانون شرع کے مطابق قرض خواہاں کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ ایسے شخص کے انتقال جائیداد پر اعتراض کریں بوقت منتقلی جائیداد مقروض نہ تھا۔

خاندانی تملیک نامے

ایسے انتظامات جائیداد جو دیانت دارانہ طریقہ پر خاندانی انتظامات کے سلسلہ میں ہوں انکلینڈ کی عدالت ہائے عدالت کے نزدیک بھی پسندیدہ ہیں اور الزبتھ اسٹیٹیوٹ کے تحت نہیں آتے تاوقتیکہ قرض خواہاں کے حقوق میں بالراست مداخلت نہ ہو۔

یہ عام رواج ہے کہ جائیداد سے متعلق مستقبل کے نزاعات کو روکنے کی غرض سے جائیداد کو عین حیات ہی تقسیم کر دیتے ہیں۔ ایسے انتقالات خاندانی تملیک کی نوعیت کے ہوتے ہیں اور دستاویزات جن کے ذریعے یہ انتقالات کئے جاتے ہیں تملیک نامے کہلاتے ہیں۔ بعض وقت واہب پرورش یا گزارہ خود کے لیے منتقل شدہ جائیداد میں اپنا حق یا محدود مفاد محفوظ کر لیتا ہے۔ اکثر منتقل جو الہیم اگر وحسی واہب کے وارث بننے والے ہوں، قلیل حصہ لیتے ہیں اس کے مقابلہ میں جو وہ واہب کے بلا وصیتی انتقال کی صورت میں حاصل کرتے۔ ایسے انتقالات بھی خاندانی انتقالات کی نوعیت میں ہی آتے ہیں۔

شرع محمدی کے مطابق بدل سے (خواہ کتنا ہی قلیل ہو) نوعیت بہہ تبدیل ہو جاتی ہے اور یہ ایک بہہ سادہ یا خالص عطیہ نہیں رہتا ایسی صورت میں واہب کو حق ملکیت سے دست بردار ہونے کے لیے کسی ثبوت کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ یہ ایک انتقال یا بدل ہے جس میں تفویض قبضہ ضروری نہیں ہے۔ قرض خواہوں کے نزدیک ایسے انتقالات بر بنائے فریب کہاں تک قابل گرفت ہیں ان پر ہم بعد میں روشنی ڈالیں گے۔

ایسا انتقال جو برضامندی بر بنائیک نیتی ہو اور قبضہ بھی دیدیا گیا ہو تو بعد والے خریدار کے حق میں منوثر ہے۔ قانون انتقال جائیداد سے قبل اس ملک میں 27 Eliz ca 1 کا (خلاوہ پریسڈنسی ناؤن کے) اطلاق نہیں تھا۔ تاہم ایک ہذا کی دفعہ نمبر ۱۵۳ اس اصول پر مبنی ہے جس کی 27 Eliz ca 1 IV میں وضاحت کی گئی ہے۔

ایکٹ مذکور کا باب ۲ شرع محمدی کے کسی قانون پر اثر انداز نہ سمجھا جائے گا۔

شادی شدہ عورت کے انتقالات

ایک شادی شدہ عورت دوران ازدواج جائیداد منتقل کرنے سے ممنوع نہیں ہے۔ وہ اپنی جائیداد کا اسی طرح استعمال کر سکتی ہے گویا کہ وہ اس کی مطلقاً مالکہ ہے۔ ایک مسلمان بیوہ کے اس جائیداد میں (جو اسے متوفی شوہر سے ملی ہے) وہ حقوق مالکانہ متوفی کے ورثا سے متاثر ہوں گے جیسا کہ ہندو قانون میں ہے۔ وہ بحالت صحت جس کو جی چاہے جائیداد منتقل کر سکتی ہے۔

فصل چہارم:۔ مرض الموت میں مبتلا اشخاص کی جانب سے ہبہ

مرض الموت

(مرض الموت میں مبتلا اشخاص کی جانب سے ہبہ)

امراض مہلک میں مبتلا اشخاص کی جانب سے ہبہ کی بابت مختلف مذاہب میں مختلف طریقہ ہائے کار ہیں۔ مالکیہ کے مطابق ایسے حالات میں انتقال جائیداد ناجائز ہے۔ جامع الثقات کے مطابق جو مسلک شافعی کی ممتاز کتاب ہے ایک ایسے شخص کا ہبہ جو مرض مہلک میں مبتلا ہو اور اسکی موت واقع ہو جائے تو تمام جائیداد کا ہبہ جائز ہے بشرطیکہ واہب کے ہوش و حواس درست ہوں اور اس نے قبل از انتقال قبضہ دیدیا ہو۔

۱۔ ایک مرض الموت میں مبتلا شخص بدستی ہوش و حواس اگر تمام جائیداد کسی دوسرے شخص کو ہبہ کرتا ہے تو کیا ایسی حالت میں اسکی تمام جائیداد کا ہبہ جائز ہو گا یا ایک ثلث کا۔

۲۔ جواز ہبہ کے لیے موہوب الیہ کا قبضہ لازمی ہے یا محض ایک جزو جائیداد پر قبضہ پوری جائیداد ہو ہو بہ کے لیے مؤثر ہو گا۔ اگر موہوب الیہ شے موہوبہ پر قبضہ پانے کے بعد شے مذکور کسی گھر میں مقفل کرنے کے بعد تحویل واہب میں چھوڑ دے یا مکان ہبہ کی صورت میں بوجہ علالت اس میں سوتا ہے حالانکہ مکان موہوب الیہ کے قبضہ میں ہے تو کیا قانوناً یہ قبضہ کافی ہے اسی نہج کے سوالات کا جواب اس طرح ہے۔

۱۔ ہبہ کے لیے کل جائیداد پر قبضہ ضروری ہے اور بلا قبضہ ہبہ غیر مؤثر ہے۔

۲۔ اگر قبضہ دہانی سے قبل واجب کا انتقال ہو جائے تو بیہ باطل ہے تا وقتیکہ موبوب الیہ صغیر سن ہو اور واجب اس کا سر پرست نہ ہو۔ اس کے لیے سر پرست کا قبضہ تا باقی کے قبضہ کے مساوی ہے اور اس کے لیے جداگانہ قبضہ کی ضرورت نہیں ہے، ایک جزو جائیداد پر قبضہ تمام جائیداد پر موثر نہیں ہے۔

۳۔ شے موبوبہ پر اگر واقعی قبضہ لے لیا گیا ہے تو یہ کافی ہے خواہ شے مذکور واجب کے مکان میں رکھ دی گئی ہو۔ مکان کے بیہ کے سلسلہ میں اگر موبوب الیہ نے واضح اور عمل قبضہ لے لیا ہے تو ایسی صورت میں واجب کی رہائش بوجہ روانہ یا غیبت جواز بیہ پر اثر انداز نہیں ہوتی۔

شیخہ۔ اصول اور شرائع الاسلام

”شرعیہ“ میں یہ اصول اس طرح درج ہے۔

اگر کوئی شخص مرض مہلک میں مبتلا ہو کر بیہ کرے مگر بعد میں صحت یاب ہو جائے تو بیہ جائز ہے۔ لیکن اگر اس مرض میں انتقال کر جائے اور اس کے ورثاہیہ کے لیے رضامند نہ ہوں تو یہ بیہ بقدر ثلث حدیث صحیح کے مطابق جائز ہے۔ اس لئے کہ بظاہر واجب کی موت کے قبل ہی موبوب الیہ کو قبضہ دیدیا گیا تھا۔ اسی طرح دوسری جگہ یہ امر مذکور ہے کہ اگر واجب کا بیہ کے مطابق قبضہ دہانی سے پہلے انتقال ہو جائے تو جائیداد پر اصول میراث نافذ ہوگا۔

حنفی اصول

حنفی مسلک کے مطابق اس شخص کا انتقال جائیداد جو ایسے مرض میں مبتلا ہو کہ وہ عام طور پر مہلک سمجھا جاتا ہے (جس میں بالآخر اسکا انتقال ہو جائے) صرف جزو موثر ہوتا ہے بشرطیکہ اس کی موت کا اندیشہ لاحق تھا یا اس کی حالت مرض میں دیگر حالات ایسے تھے جن سے کہ موت کا خطرہ لاحق تھا۔ درالختار کے مصنف کے مطابق مرض کا محض عام طور پر مہلک ہونا ہی قابل غور نہیں ہے بلکہ فیصلہ کن امر یہ ہے کہ آیا بیمار کے ذہن پر موت کا تاثر تھا۔ اس نوعیت کے مرض کو مرض الموت یا موت کی بیماری کہا جاتا ہے لیکن اگر کوئی شخص ایک طویل عرصہ سے مریض ہو یہاں تک کہ مرض اس کے جسم

کا جزو بن گیا ہو یا مرض کی رفتار ایسی غیر محسوس ہو جس سے موت کا کوئی اندیشہ معلوم نہ ہو تو ایسی حالات مرض الموت کی تعریف میں نہیں آتی۔ ایسے شخص کے انتقال جائیداد کی بابت جو مرض مہلک میں مبتلا ہو قانوناً یہی قیاس ہوتا ہے کہ ان حالات میں انتقال جائیداد خاص کر ہبہ کا منشا یہ نہیں ہے کہ ورثا کو ان کے حقوق وراثت سے محروم کر دیا جائے بلکہ ان کے حقوق قانونی محفوظ رہنے چاہئیں تاکہ انتقالات عام اصول وراثت کی حد سے متجاوز نہ ہوں۔ پس مرض الموت میں مبتلا شخص کا ایک غیر وارث کے حق میں ہبہ اس کی جائیداد کے ایک ثلث سے زیادہ اسی وقت موثر ہوگا جب کہ دوسرے ورثا رضامند ہو گئے ہوں۔ اگر کسی وارث کے حق میں ہبہ کیا گیا ہے تب وہ بھی قطعی غیر موثر ہے تا وقتیکہ دوسرے ورثا اس کو منظور نہ کر لیں۔

مرض الموت میں کیا گیا ہبہ

مرض میں مبتلا شخص کے انتقالات کا اثر مریض کی دماغی حالت پر مبنی ہے۔ اس لئے فقہانے کم و بیش آزمانشا بعض معیار مقرر کئے ہیں، مثلاً یہ کہ آیا انتقالات کے وقت مریض موت کے خوف میں مبتلا تھا؟ جو بقول ایک فاضل ہندوستانی حج دور جدید میں علم تشخیص سے قبل یہی ایک ممکن طریقہ تھا۔ مابعد ان علامتوں اور حالات کی نشاندہی بھی ہونے لگی جن سے کوئی بھی شخص نتیجہ اخذ کر سکتا تھا کہ مرض ایسا تھا جس سے مریض کے دماغ میں موت کا خوف پیدا ہو سکتا تھا یا پیدا ہوا لیکن اس تجرباتی طریقہ کو مریض کے مرض یا اس کی ذہنی کیفیت کی جانچ کے لیے قطعی قرار نہیں دیا جاسکتا۔ حسب درالمختار ایسے شخص کا ہبہ جو پیش میں مبتلا ہو کلیتاً جائز ہے بشرطیکہ مدت مرض ایک سال سے زیادہ ہو اور موت کا اندیشہ نہ رہا ہو۔ لیکن اگر یہ مرض ایک سال سے زیادہ کا نہ ہو اور مریض کو اندیشہ موت ہو تو ہبہ محض ایک ثلث کے لیے موثر ہوگا۔ درالمختار میں اس اصول کی وجہ یہ بتائی گئی ہے جب کہ کوئی شخص ایسے مرض میں مبتلا ہو جو کہ عام طور پر ایک سال کے بعد مہلک ہوتا ہے، تاہم مریض کے ذہن پر اندیشہ کا تاثر نہیں ہوتا، اس طرح کہ یہ فطرت ثانیہ بن جاتا ہے۔ بقول بعض مرض الموت ایک ایسی بیماری ہے جو انسان کو اس کے حوائج ضروریہ کے ناقابل بنادیتی ہے تاہم مرض الموت کی بابت یہ

اصول مسلمہ ہے کہ وہ ایسا مہلک مرض ہے جس میں اندیشہ موت ہو خواہ مرینس صاحب فراش نہ ہو اور نہ ہستی کا یہی قول ہے۔

جب کوئی مرض یوں یا فیوما نہیں بڑھتا یا مرینس کی عادت بن جاتی ہے جیسے کہ ایک لپانج اور نابینا کو موت کا خوف نہیں ہوتا بلکہ مرض الموت ایک ایسا مرض ہے جس میں موت کا اندیشہ غالب ہوتا ہے اور مرینس کی حالت روز بروز بدتر ہو کر موت واقع ہو جاتی ہے مگر حالت مرینس ایک نچ پر قائم ہو جاتی ہے اور اس سے اندیشہ موت نہیں رہتا جیسے کہ ایک تائینا کی صورت میں اور علاج بھی نہیں کیا جاسکتا، تو یہ مرض الموت کے زمرہ میں نہیں آتا۔

یہ قول کہ اگر کوئی مرض ایک سال سے زیادہ مدت کا ہو تو وہ مرض الموت نہیں ہے، یہ کوئی قانونی کلیہ نہیں ہے بلکہ یہ تو محض ایک عام اصول کی وضاحت ہے اس لئے کہ کوئی بھی مسلسل بیماری بلا مزید شدید کیفیت کے خواہ موت کا اندیشہ ظاہر ہوتا ہو اس کو مرض مہلک قرار نہیں دیا جائے گا۔ لیکن اگر مدت طویل ہو اور یکایک طبیعت خراب ہو کر مرینس صاحب فراش ہو جائے تو یہ مثل ایک نئے مرض کے ہو گا۔ بالفاظ دیگر مرینس کے ذہن میں موت کا خوف پیدا کرنے والا سمجھا جائے گا اور اس حالت میں اس کے انفعال (اس مرض سے موت واقع ہونے کی صورت میں) ایک ثلث جائیداد ہی کے لیے موثر ہوں گے۔

مرض الموت میں مبتلا شخص کا طلاق دینا

فقہائے قاضی خان میں ایسی عورت کے حقوق کو جس کو مرض مہلک میں مبتلا خاوند نے طلاق دیدی ہو اس طرح واضح کیا گیا ہے:

اگر کوئی شخص بیماری سے اس قدر ناتواں ہو چکا ہے کہ صاحب فراش ہو کر اپنے خارجی معاملات کے انتظام کے نااہل ہو گیا ہو اور اس کی غلالت روز بروز بڑھ رہی ہو تو فریق ثانی یعنی اس کی بیوی اس کی جائیداد میں حصہ پائے گی۔ اس لئے کہ اس کی حالت سے اغلب نتیجہ موت ظاہر ہے۔ اور اگر ایسی حالت میں وہ اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہے تو اس کو گریزا (پہلو تہی) قرار دیا جائے گا۔

اگر کوئی شخص باوجود علامات اپنی روزانہ مصروفیات کی انجام دہی کے قابل ہے خواہ اس بیماری میں بالآخر اس کی موت واقع ہو جائے تو اس کو مرض الموت میں مبتلا نہ سمجھا جائے گا۔

اسی طرح اگر کوئی شخص فالج یا پچیش میں مبتلا ہو اور مرض میں اضافہ ہو کر بیماری زیادہ عرصہ رہے مگر شدید نہ ہو تو مریض کو تندرست قرار دیا جائے گا۔ بعض فقہاء کا یہ اصول ہے کہ مرض خواہ کیسا ہی مہلک ہو اگر ایک سال سے زائد تک رہا ہو تو اس کو مرض مہلک قیاس نہ کرنا چاہئے۔ اس لئے کی مریض اس کا ایسا عادی ہو جاتا ہے کہ اپنی حالت کے متعلق اسے کوئی اندیشہ نہیں رہتا۔

یہی کلیہ درالمختار میں دیا گیا ہے اور بزازیہ کی سند سے بتایا ہے کہ کوئی شخص موت کے فوراً اندیشہ کی حالت میں ہو خواہ خوف یا کسی اور سبب سے ہو حتیٰ کہ بوجہ علامت مریض اس قدر ناتواں ہو گیا ہو کہ گھر سے باہر اپنی روزمرہ کی ضرورتیں بھی انجام دینے سے قاصر ہو۔ مثلاً ایک نمازی سجدہ کرنے سے، ایک تاجر دوکان پر جانے سے، ایک خاتون اندرون خانہ مصروفیتوں کو پورا کرنے سے۔ یہ مرض الموت ہے۔

مجتبے کے حوالے سے مزید بتایا گیا ہے کہ جب علامت اس قدر شدید ہو جائے کہ مریض کو بغیر کھڑے ہوئے (حالت نشست میں) نماز کی اجازت ہے، مرض الموت خیال کرنا لازمی ہے۔

بقول درالمختار جب منظومہ کے مصنف سے مرض الموت کی تعریف دریافت کی گئی تو انہوں نے جواب دیا کہ مرض الموت بہت سے ہیں۔ حنفی علما نے فضلی کے مقررہ اصولوں کو ہی تسلیم کیا ہے یعنی جب کوئی شخص اپنی ضرورت کے لیے گھر سے نکلنے سے معذور ہو یا کوئی عورت اپنے گھریلو مشاغل کی تکمیل میں اٹھنے بیٹھنے میں دشواری محسوس کرتی ہو تو یہ موت کی علامت ہے۔ مرض الموت کا یہ اصول صرف انتقالات جائیداد تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ طلاق پر بھی حاوی ہے۔ مثلاً مرض الموت میں مبتلا کوئی شخص اپنی زوجہ کو طلاق قطعی بھی دیدے تب بھی وہ دوران عدت اپنے حق ورثہ سے محروم نہیں ہوگی۔

فتاوائے عالمگیری کے باب ۴ (ہبہ و مریض) میں یہ اصول کچھ تفصیل سے دئے گئے ہیں۔ اولاً اصل کے حوالے سے بتایا گیا ہے کہ وہ شخص جو مرض الموت میں مبتلا

ہو اس کا بیہ یا صدق (جس کی تعریف بعد میں دی گئی ہے) بلا دخل قبضہ کے موثر نہیں ہے اور اگر قبضہ حاصل بھی کر لیا جائے تو وہ محض ایک ٹمٹ کے لیے جائز ہے۔ اگر قبضہ دہانی سے قبل واہب کا انتقال ہو جائے تو پورا انتقال ناجائز ہوگا۔ اس لئے یہ ذہن نشین کر لینا ضروری ہے کہ مرینس کا کیا ہوا بیہ وصیت نہیں ہے اس لئے ورثا کے استحقاق کی بنا پر جو انہیں مرینس کی جائیداد پر ہے حق انتقال صرف ایک ٹمٹ تک محدود ہے اور بوجہ نفل بیہ شرع کی مقررہ حد تک ہی بقدر ایک ٹمٹ موثر ہے اور چونکہ یہ انتقال عطیہ ہے اس لیے بیہ سے متعلق شرائط لازم آتے ہیں جن میں واہب کی جائیداد پر موہوب الیہ کا قبضہ پانا ضروری ہے اور ”محیط“ میں بھی یہی ہے۔ اگر مرض الموت میں مبتلا کوئی شخص موہوب الیہ کو موہوب مکان پر قبضہ دہانی کے بعد انتقال کر جائے اور معلوم ہو کہ اس کے علاوہ اس کی کوئی جائیداد نہ تھی تو بیہ ایک ٹمٹ تک جائز ہوگا اور بقیہ ۲/۳ ورثا کو لوٹا دیا جائے گا۔ اور یہ اصول تمام ہی جائیداد موہوبہ پر لازم ہوگا۔ خواہ قابل تقسیم ہو یا نہیں ”مبسوط“ میں یہی ہے۔

اگر کوئی مرینس ایک ٹمٹ سے زیادہ جائیداد کا بیہ کرتا ہے تو موہوب الیہ کو ایک ٹمٹ سے زیادہ واپس کر دینا چاہئے کیونکہ واہب اس سے زیادہ بیہ کا مجاز نہیں ہے۔ ایک مرینس اپنے مہر کا بیہ اپنے شوہر کے نام کرتی ہے اور وہ مرض سے صحت یاب ہو جاتی ہے تو یہ جائز ہے لیکن اگر اس مرض میں وفات بھی پا جائے تب بھی بیہ جائز ہوگا بشرطیکہ وہ مرض الموت میں مبتلا نہ ہو لیکن اگر وہ مرض الموت میں مبتلا تھی تو وہ بیہ بلا ورثا کی رضامندی کے جائز نہ ہوگا۔ مرض الموت کی تعریف جو مستند سمجھی گئی ہے وہ اس طرح ہے۔

بیہ (فی حد مرض الموت) مرض سے یہ اندیشہ غالب ہو کہ موت واقع ہو جائے گی تو مرض الموت کی تعریف میں آتا ہے خواہ صاحب فراش ہو یا نہ ہو۔ ابواللیث کی رائے بھی یہی ہے۔ ”جوہر النیرۃ“ میں ہے کہ جب کوئی شخص کھڑے ہو کر نماز نہ پڑھ سکتا ہو تو یہی مرض الموت کی تعریف ہے۔

ایک مرینس اپنے خاوند کو بیہ مہر کر کے انتقال کر جاتی ہے تو ابو جعفر فقیہ کے مطابق اگر بوقت بیہ وہ اپنی ضرورتوں کی تکمیل کے لیے کھڑی ہو سکتی تھی اور بغیر کسی سہارے

کے اٹھ سکتی تھی تو وہ تندرست کی تعریف میں آئے گی اور بیہ جائز سمجھا جائے گا۔
فدادائے قاضی خان میں یہی درج ہے۔ ایسا شخص جو معذور، مفلوج، یا مدقوق،
ماؤف ہو اور مرض طویل و مسلسل ہو مگر موت کا کوئی قریبی خطرہ نہ ہو تو وہ مرض الموت
میں مبتلا نہیں سمجھا جائے گا۔ تابعین کی کتاب ”وصایا“ میں درج ہے:

ایک حاملہ عورت کے انتقالات اپنی جائیداد کے ایک ثلث تک جائز ہیں مگر
اس کے صحت یاب ہونے پر تمام انتقالات جائز ہیں۔

”جوہر النیرۃ“ میں درج ہے کہ اگر کوئی حاملہ عورت دوران حمل اپنا مہر خاوند
کے حق میں بیہ کرتی ہے اور دوران نفاس فوت ہو جاتی ہے تو وہ بیہ نہیں ہے۔

ایسا ہی سراجیہ میں درج ہے اگر مرض الموت میں مبتلا کوئی عورت خاوند کے
حق میں بیہ کرتی ہے اور وہ اس سے پہلے ہی فوت ہو جاتا ہے مگر چونکہ اس کی موت تک
بیہ جائز ہے اس پر دعویٰ نہیں کر سکتی لیکن اگر عورت کا اس مرض میں انتقال ہو جائے تو
اس کے ورثا مہر کا دعویٰ کر سکتے ہیں جیسا کہ ”کیمیاء“ میں حوالہ ہے ایک متوفی خاوند کے
حق میں مہر کا بیہ بصورت استحسان جائز ہے (قانون کی وسیع توضیح کے مطابق ایسا ہی سراجیہ
میں ہے)۔ ایک حاملہ عورت کا فعل بیہ اس کی ۱۳۱ جائیداد تک موثر ہو سکتا ہے اسی طرح
جب آدمیوں کے دو گروہ (الطائفین) خونخوار جنگ میں مبتلا ہوں اور دونوں ہی ہم پلہ ہوں
یا ایک دوسرے پر غالب ہوں ان حالات میں مرض الموت کا اصول لاگو ہوتا ہے۔

بالفاظ دیگر ان دو گروہوں میں سے کسی ایک کا فعل تیسرے کے لیے مثل ایک
میراث کے موثر ہوگا۔ لیکن اگر وہ واقعی نبرد آزمانہ ہوں تو ایسا نہ سمجھا جائے گا۔

اگر کوئی شخص ایسے سمندر میں سفر کر رہا ہو جسے کوئی خوف نہ ہو لیکن جب
طوفان کی لہروں سے مغلوب ہو کر موت کا اندیشہ ہو یا کوئی شخص ایسے جرم میں جس کی
سزا موت ہے، مقید ہو، اسی خوف میں مبتلا سمجھا جائے گا۔ یہ اصول مرض الموت میں مبتلا
اشخاص کے (باب الطلاق) میں بہتر طریقے پر دئے گئے ہیں۔ یہ واقعات ایسے نہیں جن
سے موت کا خطرہ ہو۔ اگر کوئی شخص کسی دشمن سے جنگ آزما ہونے کے لیے بڑھتا ہے یا
پھانسی دینے کے لیے لایا جاتا ہے اور ان دونوں صورتوں میں وہ اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہے
تو وہ حق وراثت سے محروم نہیں ہوگی۔ اسی طرح اگر وہ ایسے جہاز پر سفر کر رہا ہو جو تباہ

ہو گیا اور وہ خود کو ایسے تختے پر پائے جس کے فوری ڈوبنے کا خطرہ ہو ایسی صورت میں اس کی فوری کا حق منساق نہیں ہوگا۔ لیکن اگر وہ کسی جنگ آزما فوج میں عہدہ دار ہونے یا بحالت جیل حکم موت یا جہاز کی بربادی کے قبل طلاق دیدیتا ہے تو یہ موثر ہوگا اس لئے کہ ان حالات میں زیست کی امید باقی ہے۔

اگرچہ مرض الموت کے موضوع پر ابتدائی نظائر میں کسی حد تک غلط فہمی ہوئی ہے مگر حکمت و تدبیر بانی کورٹ کے فیصلوں نے ان اصولوں کو مناسب طریقوں پر واضح کر دیا ہے۔
(بمقدمہ حسرت بی بی بنام غلام جعفر)

ایک بیہ پر اس لئے اعتراض کیا گیا کہ جائیداد مرض الموت میں بیہ کی گئی تھی۔ حکمت بانی کورٹ نے اس امر کو طے کرنے کے لیے کہ آیا مریض مرض الموت کی تعریف میں آتا ہے یا نہیں درج ذیل سوالات مرتب کئے۔

۱۔ آیا واجب بوقت بیہ ایسے مرض میں مبتلا تھا جو اس کی فوری موت کا باعث تھا؟

۲۔ آیا مرض اس قسم یا اس نوعیت کا تھا جس سے مریض کو یہ یقین ہو گیا تھا کہ

وہ مر جائے گا؟ یا اسے موت کا اندیشہ ہو گیا تھا؟

۳۔ آیا مرض ایسا تھا جس سے مریض اپنی روز مرہ کی مصروفیت یا کھڑے ہو کر

نماز پڑھنے سے معذور تھا؟ اور یہ ایسی صورت حال تھی جس سے مریض کے ذہن میں موت کا اندیشہ پیدا ہو گیا تھا؟ کیا مرض اتنی طویل مدت تک رہا جس سے کہ فوری ہلاکت کا اندیشہ دور ہو گیا؟ یا مریض مہلک مرض کا عادی ہو گیا تھا؟

یہ بھی بتایا گیا ہے کہ فقہ کی کتابوں میں عرصہ علالت یا نوعیت علالت کے بارہ میں کوئی طے شدہ اصول نہیں ہے بلکہ صرف یہ بتایا ہے کہ اتنے طویل عرصہ تک مرض جاری رہنے سے مرض مہلک (مرض الموت) کی تعریف میں نہیں آتا۔

فاطمہ بی بی بنام احمد بخش

متذکرہ بالا اصول پر بمقدمہ فاطمہ بی بی بنام احمد بخش پر عمل کیا گیا اور یہ طے پایا کہ وکالت نے اگرچہ یہ بتایا ہے کہ بعض عوارض مہلک کی علامت ہیں لیکن ان سے مثبت طریقہ پر قطعی معذوری ظاہر نہیں ہوتی۔

سائز بائی بنام رابعہ بائی

فاضل حج نے بتایا کہ مرض الموت ثابت کرنے کے لیے کم از کم مندرجہ ذیل

شرائط لازمی ہیں۔

A- موت کا قریب تر اندیشہ بالفاظ دیگر غلبہ خوف موت یعنی جو زندہ رہنے

کے مقابلہ میں زیادہ غالب ہو۔

B- مریض کے ذہن میں فی نفسہ کسی حد تک خوف موت ہو۔

C- بعض خارجی علامات کا ہونا بھی ضروری ہے جن کی بنا پر مریض خاص طور

پر روزمرہ حوائج کو انجام دینے کے ناقابل ہو۔

یہاں یہ بتادینا ضروری ہے کہ موخر الذکر بصورت شرط نہیں ہے بلکہ ایک

جانچ (آزمائش) ہے

بمقدمہ غلام مصطفیٰ بنام حرمت

الہ آباد کورٹ نے یہ طے کیا ہے کہ شرع محمدی کی فراہم کردہ سہولیات ہبہ کا

اطلاق ایسی مہلک بیماریوں میں مبتلا مریضوں کے اس طرح کے کسی بھی نام نہاد ہبہ پر

نہیں ہوتا۔ کیوں کہ یہ بھی اصلاً بیع کی صورت ہے اس لئے کہ یہ درمیانی شکل ہے۔

مگر یہ نظریہ محڈن لاسے متضادم ہے جس کی رو سے کہ ایسے شخص کا بیع بھی جو

مرض مہلک میں مبتلا ہو ایک ثلث کی حد تک ہی جائز ہے۔

فصل :- پنجم موہوب الیہ

موہوب الیہ، حنفی قانون

کوئی بھی شخص بلا امتیاز صنف عمر یا عقیدہ ہبہ سے مستفید ہو سکتا ہے۔ مذہب

حنفی کے مطابق موہوب لہ کا بوقت ہبہ موجود ہونا ضروری ہے۔ اس لئے ایک ایسے

شخص کے حق میں ہبہ جو پیدا نہیں ہوا بلکہ ہنوز رحم مادر میں بھی قیاساً نہیں

ہے، ناجائز ہے۔ تاہم ایسے بچوں کے حق میں جو تاریخ ہبہ سے چھ ماہ میں پیدا ہوں جائز

ہے۔ اس لئے کہ اس صورت میں یہ قیاس کیا جائے گا کہ بچہ رحم مادر میں واقعاً ایک جدا
گانہ حیثیت سے موجود تھا۔

شیعہ اصول

شیعہ قانون اگرچہ اس سے مختلف ہے۔ اس کے مطابق ایک جائیداد کسی غیر
پیدا شدہ شخص کو بھی ہبہ کی جاسکتی ہے بشرطیکہ رحم مادر میں اس کا آغاز ہو چکا ہو۔

فقہی اصول کے مطابق الف کے حق میں اس کی حین حیات کا ہبہ ناجائز ہوگا یعنی
اگر یہ موہوب الیہ کی زندگی تک ہی محدود ہو۔ بلکہ یہ ”ہبہ قطعی“ کی طرح موثر ہوگا۔

فقہ شیعہ کے مطابق الف کے حق میں حین حیات ہی ہبہ کیا جاسکتا ہے اور اس کے
انتقال پر واہب یا اس کے ورثا کو شے موہوبہ عود کرے گی۔

فقہ شیعہ میں اولاد الف کو بعدد اب کو حین حیات کے بعد دیکرے ہبہ موثر
رہے گا اور ب کے انتقال پر جائیداد واہب یا اس کے ورثا پر عود کرے گی۔ جب کہ ہبہ
الف کے حق میں حین حیات ہو اور اس کے بعد ب اور اس کی آل اولاد کے حق میں
ہو تو۔ ایسی صورت میں الف کے بنیق میں ہبہ حین حیات ہوگا اور ب کے حق میں دوامد۔
دونوں ہی مذاہب کے مطابق الف، اس کے بچوں اور عام طور پر اس کی آل اولاد کے حق
میں کیے بعد دیکرے ہبہ یا ایسا ہبہ جو ان شرائط پر مشتمل ہو جن کا لازمی مفہوم بلا کسی
رکاوٹ کے ہبہ ہو، الف کے حق میں ہبہ قطعی کی صورت میں موثر ہوگا۔

فصل ششم:- شے موہوبہ (ہبہ کی جانے والی شے)

ہر وہ چیز جس پر اختیار یا حق ملکیت استعمال کیا جاسکتا ہے یا ہر وہ چیز جس پر قبضہ
ہو سکتا ہے یا جس کی مخصوص جداگانہ حیثیت ہو اور جس پر حق کا نفاذ ہو سکتا ہے یا واقعاً
ہر وہ چیز جو مال کی تعریف میں آتی (یا حق ناش) یا غیر مادی حقوق بھی مثل مادی کے ہبہ
ہو سکتے ہیں۔ بقول ’کفایہ‘ ایسا قرض جسکی وصول یابی کی توقع ہو، مادی جائیداد حتیٰ کہ زکوٰۃ
(جو کہ لازمی ہے) تمایک کی تعریف میں آتی ہے۔

ایک ایسے قرضہ کا ہبہ جس سے مقروض کے حق میں قرضہ کی بے باقی

ہو جائے معنا و شرع کی وسیع توضیح کے مطابق جائز ہے لیکن اس قرضہ کا دوسرے شخص کے حق میں بیہ قانون انتقال جائیداد کی رو سے تملیک کی تعریف میں آتا ہے جو موخر الذکر بیہ کی بنا پر جائز ہے۔ اسی طرح درالختار میں ہے کہ مقروض کے ماسوا کسی دوسرے کو قرضہ کا بیہ جائز ہے۔ بصورت موجودہ وہ عین نہیں ہے لیکن مستقبل میں یہ ایک جائیداد بن سکتی ہے۔

ملک عبدالغفور بنام مسماة مالکہ

بمقدمہ ملک عبدالغفور بنام مسماة مالکہ جو استدلال کیا گیا اسکی کوئی بنا نہیں ہے۔ بلکہ اس کے برعکس 'کفایہ' میں حنفی اصول محولہ کی رو سے غیر مادی اشیاء کے حقوق کے متعلق بیہ اور حق ناش یا حق مادی کو واضح طور پر قانوناً تسلیم کیا گیا ہے۔ مسلم فقہانے رواج کو بر بنائے استحسان اختیار کرنے پر بہت زور دیا ہے تاکہ سماج کے ترقی پذیر حالات سے قانون کو ہم آہنگ کر دیا جائے۔ اس اصول کو تسلیم کر لیا گیا ہے اور مختلف صورتوں میں اس کو عملاً نافذ کر دیا گیا ہے۔ پس کفالت ہائے سرکاری کا بیہ جن سے صرف سود حاصل کیا جاسکتا ہو یا ایسے مالکانہ حقوق کا عطیہ جن سے کہ موہوب الیہ کو گورنمنٹ سے حقیقت کی آمدنی کا مالکانہ حصہ وصول کرنے کا اختیار یا اسی طرح کے اختیارات موضوع (نفس) بیہ ہوتے ہیں اسی لئے مسلمان بادشاہوں کے وہ عطیات مال گزاری غول عطیات سے موسوم تھے عطیہ یا بندگان اکثران کو منتقل (بیہ) کر دیتے تھے۔ پس جائیداد بقبضہ کاشت کار کا بیہ قانوناً جائز ہے۔

اس طرح اس امر کی نشاندہی ہوتی ہے کہ موہوب الیہ کو قابض کاشت کار یا پٹہ دار سے محاصل وصول کرنے کا حق تفویض ہوا ہے یہی صورت جائیداد بقبضہ مرتہن یا زیر قرتی کے بیہ کی ہے۔ یہ بیہ ایسے غیر تقسیم شدہ حصہ کا ہے جو کہ واہب کو ورثے میں ملا ہو اور جس پر اسے اب تک مالکانہ مفاد یا املاک آراضی پر نہ مالکانہ قبضہ حاصل ہوا ہو اور نہ گورنمنٹ سے وصولیابی کا حق حاصل ہوا ہو۔

موہوبہ آراضی جو کہ کاشتکاروں کے قبضہ میں ہو

جب کہ جائیداد بحالت پٹہ یا اجارہ دوسرے کے قبضہ میں ہو تو یہ موہوب الیہ

و قبضہ واقعی حاصل کرنے کے لیے یا قبضہ بالراست حاصل کرنے کے لیے (جو کہ بالائی بندوستان کی قانونی زبان میں شے موہو بہ پر خاص قبضہ کہلاتا ہے) نہیں دی جاسکتی اس لئے کہ یہ واہب اور پٹہ دار کے درمیان معاہدے کے متناقض یا اس کی خلاف ورزی ہوگا لیکن پٹہ سے تحت مقررہ محاصل کو وصول کرنے کے حق یا انتقال حق کو روکنے کے خلاف کوئی قاعدہ نہیں ہے۔ پس ایسی جائیداد کا بیہ جو قبضہ کا شکار ہو اور جس کا مثلاً ہشیر قبضہ یا پٹہ دار سے لگان وصول کرتا ہو، جائز ہے۔

فقہائے حنفیہ میں یہ عبارت ہے کہ اگر وہ جائیداد کسی غاصب یا مرتبین یا مستاجر کے قبضہ میں ہو تو قبضہ نہ ہونے کی بنا پر بیہ خلاف قانون ہے مگر نابالغان یا صغیرین بچوں کو بیہ کی صورت میں جو کہ خود شے موہو بہ پر قبضہ نہیں لے سکتے، قبضے کی ضروری شے (جس کا ذکر بعد میں آئے گا) باپ یا کسی شخص کے جو بجائے والدین کے ہو، قبضہ کرنے سے پوری ہو جاتی ہے۔ اس طرح یہ واضح ہے کہ ایک باپ کا اس کے صغیرین بچے سے حق میں بیہ محض اس اعلان سے ہی مکمل ہو جاتا ہے خواہ شے موہو بہ اسکے قبضہ میں رہے یا کسی امین کے۔ بالفاظ دیگر خواہ قبضہ واقعی ہو یا تعبیری اس لئے کہ امین کا قبضہ بھی مثال اس کے قبضے کے ہے۔

لیکن یہ صورت اس وقت نہیں ہوتی جب جائیداد کسی ایسے شخص کے قبضے میں ہو جس نے اپنے حق ملکیت کی بنا پر واہب سے آزادانہ طور پر قبضہ میں لیا ہو اور جو بااثر قبضہ قبضہ ہو۔ مثلاً ایک قابض مستاجر یا پٹہ دار اور مرتبین خود واہب کے فعل کی بنا پر جائیداد پر قابض ہو یا کوئی غاصب قبضہ مخالفانہ کی بنا پر اس پر قابض ہو، ان میں سے کسی بھی صورت میں قبضہ واہب کے پاس اس طرح نہیں ہوتا کہ وہ حق قبضہ محض اپنے قول سے منتقل یا تفویض کر سکے جیسا کہ اس صورت میں ہوتا ہے جب کہ جائیداد خود اس کے یا کسی امین کے قبضے میں ہوتی جس سے وہ کسی وقت بھی قبضہ حاصل کر سکتا۔ ایسی جائیداد کی بیہ کی تکمیل کے لیے جو کسی کے سپرد یا ایسے شخص کے قبضے میں ہو جس نے کہ ناجائز بیع یا قبضہ مخالفانہ کی بنا پر قبضہ کر رکھا ہو، اس کے لیے اعلان سے بھی ماسوا کارروائی کی ضرورت ہے جیسے آمدنی وصول کرنے یا مدت پٹہ یا رہن کی میعاد گزرنے پر قبضہ یا بازیابی کے لیے دعویٰ کرنا چاہئے۔ بیہ بجائے خود غیر موثر نہیں ہے۔ جیسا کہ درج ذیل حوالہ قانون سے

ظاہر ہے۔ بقول ”سجانی“ ایک باپ کا ایسی جائیداد کا بیہ جو کہ ایک مرتہ غاصب یا ایک جائز بیع کے مشتری کے قبضے میں ہو وہ اس وقت موثر ہوگا جب کہ مدت رہن یا پٹہ پوری ہو جائے یا بیع منسوخ کر دیا جائے یا شے مغموبہ واپس لے لی جائے۔ اگرچہ لفظ ”مستاجر“ بطور مماثلت فتاوائے عالمگیری میں استعمال ہوا ہے مگر ”ہدایہ“ میں ایسا نہیں ہے۔

ہدایہ میں یہ جزو عربی میں اس طرح ہے:

”ما اذا كان في يده او في يد مودعه لان يده كيدہ بخلاف ما اذا كان مرهونا او معصوبا اور مبيعا بيعا فاسد الا انه في يد غيره او في ملك غيره والصدقة في هذا مثل الهبة“

اگر شے موہوبہ واہب یا اس کے امین کے قبضے میں ہو تو بیہ جائز ہے۔ اس لئے کہ امین کے قبضہ میں ہونا بھی مثل قبضہ واہب کے ہے اور صورت رہن غصب یا ناجائز بیع سے مختلف ہے۔ اس لئے کہ حالات متذکرہ میں جائیداد دوسرے کے قبضہ میں ہوتی ہے اور ایسی صورت میں صدقہ مثل بیہ کے ہوتا ہے۔ مذکورہ بالا پر ’کفایہ‘ کی شرح حسب ذیل ہے۔

”بخلاف ما اذا كان مرهونا او معصوبا الى اخره يعنى اذا كان مال الاب مغموبا او كذا و كذا لم يدم الهبة بالعقد لانه في يد غير في الرهن والغصب او في ملك غيره في البيع الفاسد فان قيل ينبغي ان لا يدم الهبته اذا كان في يد مودعه الا بشرط اكمال في القبض وكون هذا القبض حكيمحا وهو نقص من القبض حقيقته فلنا لقبض حكما كاف الاتمام الهبته“

ایسا بیہ جس میں شے موہوبہ رہن یا غصب شدہ ہو یا ناجائز طور پر بیع کی گئی ہو وہ بیہ نہیں ہے کیونکہ اس پر دوسرے کا قبضہ ہے۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ بیہ کی صورت میں مکمل قبضہ ہونا چاہئے اور جائیداد بقبضہ امین کا بیہ نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ یہ محض قبضہ تعبیری ہوگا واقعی قبضہ نہیں تو ایسی صورت میں یہ طے شدہ امر ہے کہ تعبیری قبضہ ہی تکمیل بیہ کے لیے کافی ہے۔

لفظ مستاجر نہ صرف مجمع الزہار میں آیا ہے اور اس پر رکاوٹ بظاہر ہدایہ میں ہے اور محض اس جائیداد تک محدود ہے جو مرتہن یا غاصب کے قبضہ میں ہو یا بیع فاسد کے

تحت منتقل کی گئی ہو۔

رہن

رہن کے سلسلہ میں دشواری کی بابت یہ سمجھنا ضروری ہے کہ بلا قبضہ وہابی کوئی رہن نہیں ہوتا نتیجتاً اگر کوئی جائیداد متازمہ ہے یا سپردار کے قبضہ میں ہو تو راہن یا سپرٹنڈنٹ کا مفاد "یعنی حق خود" موہوب الیہ کو بطور ہبہ دیا جاسکتا ہے نہ کہ واقعی حق قبضہ کے طور پر اس لیے کہ قبضہ بوجہ سپردگی یا رہن، مرہن یا سپردار کو منتقل کیا جاسکتا ہے۔ بلکہ جائیداد غیر منقولہ اگر اپنے دار یا کاشتکار کے قبضہ میں ہے تو موہوب الیہ کو صرف وصولی لگان کا حق دیا جاسکتا ہے۔

فیصلہ معین الدین بنام پٹر شاو غلط ہوا

بمقدمہ معین الدین بنام پٹر شاو عدالت عالیہ بمبئی نے یہ طے کیا ہے کہ اراضیات جو مرہن کے قبضہ میں ہوں ان کو شرعاً ہبہ نہیں کیا جاسکتا۔ اس سلسلہ میں ادباً عرض ہے کہ یہ رائے فقہ حنفی کی غلط تعبیر کی بنا پر ہے جس کے مطابق رہن کے لیے قبضہ ضروری ہے لیکن مذہب مالکیہ میں قبضہ ضروری نہیں ہے۔ موضوع متعلقہ کے بارہ میں حنفی اصول کے صحیح مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ راہن کو حق انفکاک کے ہبہ کرنے سے کوئی چیز مانع نہیں ہے اس کے برعکس قانون متعلق "حوالات" کے تحت ایک مقروض قرضہ بہ ذمائی خود دوسرے کو منتقل کر سکتا ہے اور چونکہ قرضہ کی کفالت جائیداد سے ہوتی ہے اس لیے منتقل الیہ کو ادائیگی رقم قرضہ کے بعد جائیداد واگذاشت کرانے کا حق رہتا ہے لیکن اگر جائیداد قبضہ مرہن نہیں ہے (جیسا کہ ہندوستان میں عام رواج ہے) اور اس پر کئی قرضوں کا (جنکی کفالت میں یہ جائیداد ہے) بارہے تو راہن بلا شبہ رہن کو منتقل کرنے کا مجاز ہے۔

جائیداد قبضہ غاصب

ایسی جائیداد کا ہبہ جو غاصب کے ہاتھ میں ہو، غالباً مختلف نوعیت کا ہوتا ہے چونکہ جائیداد پر واہب کا محض نامکمل حق ہوتا ہے یعنی بازیابی قبضہ کے لیے وہ دعویٰ دائر

کرے اور یہ بھی ممکن ہے کہ ابتدائی زمانہ میں دعویٰ دائر کرنے کا محض قیاسی حق ہیہ بلا صریحاً مجاز کئے ہوئے ناپسندیدہ ہو مگر اس بارہ میں کوئی وجہ کافی نہیں ہے کہ جب ایسی کوئی جائیداد جس کا بر بنا حق کوئی شخص مستحق ہو مگر وہ جائیداد ایسے شخص کے قبضہ میں ہو جس نے اول الذکر کے خلاف دعویٰ کر رکھا ہو تو ایسی صورت میں مستحق (مالک جائیداد) کسی تیسرے شخص کو ہیہ نہیں کر سکتا۔

بمقدمہ محمد بخش بنام حسینی بی بی

پریوی کو نسل نے اس اصول کو طے کیا ہے کہ جب کسی پبلک (عوامی) ہیہ کے ذریعہ موہوب الیہ کو اس پر قبضہ کا اختیار دیدیا گیا ہو جس پر وہ بالآخر قابض ہو جائے تو یہ ہیہ اس وجہ سے ناجائز نہیں ہوگا کہ بوقت ہیہ واہب شے موہوبہ پر قابض نہ تھا۔ یہ نظر یہ قانون شرع کے عین مطابق ہے۔ بمقدمہ معین الدین بنام من چر شاہ عدالت العالیہ بمبئی نے طے کیا ہے کہ ایسی جائیداد کا بیع جس پر کہ بیچنے والا (بائع) قابض نہ ہو جائز ہے۔ اس طرح اس کا ہیہ بالعوض جو کہ قانونی نتائج کے مطابق ہے بلا شک جائز ہے۔

ملک عبدالغفور بنام مسماة مالکہ

ایسی زمینیں یا مکانات جو بلاشبہ کاشتکاران کے قبضہ میں ہوں ان کے ہیہ کا جواز، بلاشبہ بمقدمہ ملک عبدالغفور بنام مالکہ کے فیصلہ سے طے ہو جاتا ہے۔

فاضل چیف جسٹس نے جواز ہیہ کے متعلق بعد سماعت اس طرح طے کیا۔ ”پس عدالت ہذا کے روبرو دستاویز ہیہ کے متعلق تصفیہ طلب مسئلہ یہ ہے کہ آیا شے موہوبہ سے متعلق بوقت تحریر دستاویز جب کہ ہر دو موہوب الیہم میں تقسیم نہیں ہوئی تھی۔ بمقابلہ مدعیان ہیہ جائز ہے۔“

”ہمارے سامنے اس مسئلہ پر تفصیل سے بحث کی گئی ہے ہم فاضل وکلا فریقین کے ممنون ہیں کہ انہوں نے اس موضوع پر تمام متعلقہ نظائر کا حوالہ دیا ہے، تاہم معاملہ زیر بحث پر پوری طرح غور کرنے کے بعد ہم مطمئن ہیں کہ ہیہ جائز ہے۔ اور عدالت ماتحت صحیح نتیجہ پر پہنچی ہے۔“

جائیداد ہو بہ چنداں زمینداروں اور زمینداروں میں حصص جو کہ عام طور پر ہشتادویں و تیسویں پر دئے جاتے ہیں، بہت سی لیکے راج جائیدادوں جو کہ کاشتکاروں کو اجارے پر دی جاتی ہیں اور کئی حقوق مالکان اور پٹہ میں مختلف قسم کی مکان کی جائیدادوں اور عمارتوں سے مقامات پر سکونتی جائیدادوں جیسے کہ مکانات، سائبان، سڑکوں اور باغات پر مشتمل ہے۔

ان مسائل میں ہمارے سامنے کوئی قابل اطمینان شہادت نہیں ہے کہ جب یہ جائیدادیں تقسیم ہو کر ان کے قبضہ کیا گیا تو استعمال میں آتی تھی۔ مدعی کی جانب سے بحث میں تین خاص امور پر توجہ دلائی گئی ہے۔

اول۔ شرع کے مطابق ایسی اراضیات جو واجب کے قبضہ میں نہ ہوں نہ ان کا اور نہ غیر مادی جائیداد اور کرایہ کے حقوق مالکانہ کا بہ کیا جاسکتا ہے۔

ثانی۔ کسی مکان یا زمینداری کا غیر منقسم حصہ شے ہو بہ نہیں ہو سکتا۔
 ثالث۔ دو اشخاص کو ایسی شے کا بہ جو نہ پہلے سے تقسیم ہوئی ہو اور نہ علیحدہ ہوئی ہو مانا جاتا ہے۔

ان مسائل پر غور کرتے وقت ہمیں یہ نہ بھولنا چاہئے کہ اصول فقہ جو کہ قدیم مستند کتابوں میں ملتے ہیں اور جن پر ہماری توجہ دلائی گئی ہے وہ کئی صدیوں قبل بغداد اور دوسرے ممالک میں نافذ ہو چکے تھے۔ اور ہندوستان کے مروجہ قانون اور معاشرہ سے مختلف تھے۔ اگرچہ ہماری جانب سے امکانی کوشش یہی ہوتی ہے کہ مسلمانوں کے باہمی معاملات کا تہنید اصول شرع کے مطابق کریں لیکن اکثر یہ معلوم کرنا دشوار ہو جاتا ہے کہ حقیقتاً وہ قواعد کیا تھے۔ ان سے بھی مشکل ان اختلافات میں مطابقت پیدا کرنا ہے جو دانشمندانہ امام ابو حنیفہ نعمان اور ان کے شاگردوں (صحابین) کے درمیان تھے اور جو ہندوستان میں عام طور پر ابھر کر سامنے آتے رہے ہیں۔

ہمیں حتی الامکان ان اصولوں کا جائزہ لینا ہے جن پر کہ علم فقہ کی بنیاد رکھی گئی ہے اور ان کو نیک نیتی، عدل اور انصاف سے اس ملک میں مروجہ قوانین معاشرہ اور کے حالات پر منطبق کرنا چاہئے۔

تمہید میں یہ لکھنے کے بعد ہمارے خیال میں متذکرہ مسئلہ نمبر ۱، جس پر

بالوصاحت بحث کی گئی ہے، جلد طے پا سکتا ہے بلکہ اصلاً یہ پہلے سے ہی طے شدہ مسئلہ ہے۔ ہمارے سامنے کئی اسناد کے حوالے دئے گئے ہیں ان میں درالمنہار کے صفحہ ۳۶، کا بھی حوالہ ہے جہاں یہ طے کیا گیا ہے کہ کوئی بہہ (تا وقتیکہ بوقت بہہ) شے موہوبہ واہب کے قبضہ میں نہ ہو، جائز نہیں ہو سکتا۔ پس ایسی آراضی جو کہ غاصب پٹہ دار یا مرتہن کے قبضے میں ہو اس کا بہہ جائز نہیں ہے اس لئے کہ واہب اس شے موہوبہ پر قابض نہیں ہے جسے ذریعہ بہہ دینا چاہتا ہے۔

مگر ہمارے خیال میں یہ اصول بلاشبہ کئی مستند کتابوں میں ملتا ہے کہ یہ ان معاملات آراضی سے متعلق ہے جن میں کہ خود آراضی پر حق قبضہ دینا چاہتا ہے نہ کہ محض حق عود۔ البتہ واقعی اختیار قبضہ سوائے اس شے کہ جس پر وہ قابض سے منتقل نہیں کر سکتا۔

ہمیں بتایا گیا ہے کہ ابتدائی دور میں جو قانون آراضیات کے پٹہ کے متعلق بغداد میں رائج تھا، ان شرحوں میں اس کا حوالہ ملتا ہے۔ اس کا منشا اس ملک میں عام طور پر کاشت کے پٹوں سے ہے جو قانون بغداد کے مطابق خود کاشت آراضی اور منافع پیداوار کا پٹہ ہوتا تھا اور مالک زمین (پٹہ کنندہ) اس طرح اپنے حق عود کو منتقل الیہ کو تفویض نہیں کر سکتا تھا کہ وہ اجارہ دار سے حق حاصل وصول کر سکے (ملاحظہ ہو فتاوائے عالمگیری جلد نمبر ۳ کتاب بہہ صفحہ نمبر ۵۲۱)

اسناد کا واقعی منشا کیا یہی ہے، یہ امر مشکوک ہے مگر یہ یقینی ہے کہ اس ملک میں موجودہ قانون کے نفاذ سے کسی زمینداری یا دیگر زمینداران کے مفاد کا انتقال بطور بہہ ناممکن ہو جائے گا۔ آراضیات قریب قریب ہمیشہ کسی نہ کسی قسم کے کرایہ پر دیجاتی ہیں اور زمیندار اور قابض کاشتکار کے درمیان اکثر چار یا پانچ مختلف نوعیت کے معاملات ہوتے ہیں۔ پس اس ملک میں قبضہ کا جو عام طور پر مفہوم ہے اس سے واقعی قبضہ خاص مراد نہیں ہے بلکہ مکان یا منافع کی وصولیابی ہے۔ اگر پٹہ شدہ آراضی شے موہوبہ نہیں ہو سکتی تو آراضیات زمینداری پر جو ہزاروں بہہ ہوتے ہیں وہ سب ناجائز ہو جائیں گے۔ اگر ہم فقہ کے اس انوکھے نظریہ سے متفق ہو جائیں تو ہمارے خیال میں مسلمانوں کو انتقال جائیداد کے متعلق قانونی نااہلیت سے نقصان پہنچے گا۔

اس ملک میں اب تک ایسا تجربہ نہیں ہوا ہے پس قانون کی ایسی توضیح جو کئی مقدمات صدر عدالت دیوانی سے حسب فتاویٰ قاضی خان اور عدالت ہذا میں پائے ہیں، متناقض ہوئی اور یہ مقدمہ امیر التسابنام غابد التسابمفصلہ پر یومی کونسل کے بھی بالراست خلاف ہوگا۔

مقدمہ متذکرہ میں بڑی زمینداروں کو تابع بہہ قرار دیا گیا ہے جیسا کہ ظاہر ہے یہ عام طور پر ہتھیوں پر مشتمل ہوتی ہیں جن میں بالعموم ہر طرح کے قبضہ جات اور مفادات شامل ہوتے ہیں۔ اس وقت بہہ کے بارے میں اس بنا پر سابق میں ایسا کوئی عذر نہیں کیا گیا جو اب ہمارے سامنے پیش کیا جا رہا ہے اور معلوم ہوتا ہے یہ عذر پہلی دفعہ کیا گیا ہے۔

حق بذالقیاس ہمیں کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ حقوق مالکانہ زمین جیسے کہ لگان یا اسی طرح کے غیر مادی جائیداد پر اس قسم کا بہہ نہیں ہو سکتا۔ ہم پہلے ہی یہ تصفیہ کر چکے ہیں کہ ایسے حقوق عودتی جن میں کہ لگان وصول کرنے کا حق بھی شامل ہو، منتقل ہو سکتے ہیں۔ یہ بھی واضح ہے کہ گورنمنٹ قرضہ جات نوٹ اور حق نالاش لگان (مالکین حق) گورنمنٹ یا تیسرے فریق سے روپیہ وصول کرنے کا مجاز کرتے ہیں وہ بھی شے ہو بہو بنی تعریف میں آتے ہیں۔

حق مالکانہ سے مراد مال گزاری میں وہ حصہ منافع ہے جو ایک شخص گورنمنٹ سے حاصل کر سکتا ہے۔ اگر وہ شخص جو کسی وجہ سے مقررہ رقم کی ادائیگی سے انکار کر دے اور وہ حقیقت گورنمنٹ اپنے قبضہ "خاص" میں لے یا دوسرے شخص پر جو گورنمنٹ کی مقررہ رقم ادا کرنے پر رضامند ہو منتقل کر دی جائے۔ جہاں تک ہم غور کرتے ہیں اصولاً ان میں کوئی فرق نہیں ہے خواہ حق وصول ہو یا لگان یا منافع ہو جو گورنمنٹ سے تمسکات پر دیا جاتا ہے۔

شیوہ قانون کے مطابق بہہ

حق نالاش کے انتقال کے معاملہ میں اہل تشیع میں دو مختلف طریقے نافذ ہیں۔ 'سراج الاسلام' میں محقق نے بتایا ہے کہ کسی قرضہ کا بہہ یا دوسرے شخص پر کوئی بار یا کسی

اور پر سوائے مقروض یا ایسے شخص کے جس کے ذمہ مطالبہ واجب ہو جائز نہیں ہے اس کی وجہ وہ شرط ہے جس کا پہلے حوالہ دیا جا چکا ہے اس لئے کہ اس کے جواز کے لیے قبضہ ہونا ضروری ہے خواہ مقروض کو بہہ کیا جائے جو بالکل جائز ہے اور بے باقی قرضہ کی صورت میں اس کا نفاذ ہو جاتا ہے۔ 'مبسوط' کے عظیم مصنف اور دوسرے بلند پایہ شیعہ مجتہدین اس امر میں حنفی فقہ سے متفق ہیں کہ وسیع المعنی توضیح کی بنا پر قرض خواہ کی رقم قرضہ کسی تیسرے شخص کو منتقل کر دینا جائز ہے۔ جامع الثقات کی رائے بھی یہی ہے۔

اصول مبسوط عملاً تسلیم شدہ

اصول مندرجہ 'مبسوط' جو مسلمہ یا عام رواج کی صورت میں ایک ترقی یافتہ قوم میں عملاً مشکل ہے وہ مصنف شرایع کے بیان کردہ اصولوں کے مطابق کلیتاً زائل ہو جاتا ہے۔

حنفی قانون

حنفی اصول کے مطابق کسی مقروض کو بلا اس کی رضا مندی رقم قرضہ کا بہہ جائز ہے لیکن اگر مقروض اس قرضہ کی بے باقی سے انکار کر دے تو جائز نہیں ہے۔

قانون شیعہ

شیعہ مجتہدین میں اس موضوع پر اختلاف ہے بقول مصنف 'مبسوط' ایک مقروض کی بے باقی قرضہ کا بہہ (ابرا) ناجائز ہے اور نہ موثر تا وقتیکہ مقروض کی رضامندی صریحاً یا کنایتاً شامل نہ ہو۔ بقول مصنف شرایع ایسا بہہ بے باقی بلا اس کی رضا مندی کے بھی جائز ہے خواہ مقروض نتیجہ کے متعلق کچھ کہے اور نہ اس کو تسلیم کرے۔ اس سے منشا غالباً یہی ہے کہ بہہ موثر ہوگا۔

شیخ زین العابدین طہران کے سابق مجتہد نے اپنی تصنیف خیر المعاد میں مبسوط کی رائے سے اتفاق کیا ہے اور جامع الثقات میں ایک ایسے مقدمہ کا حوالہ ہے کہ جس کے مطابق شیعہ قانون میں بھی مثل سنی قانون کے اگر کوئی قرض خواہ مقروض کو بے باقی قرضہ کا بہہ کرے تو قرض خواہ مقروض کو ادائیگی قرضہ کا مستوجب نہیں کر سکتا لیکن ایک مقروض ادائیگی قرضہ کے لیے اصرار کر سکتا ہے مگر قرض خواہ پر اس کا انحصار ہے

کہ قرضہ قبول کرنے کے لیے اس کو مجبور کیا جاسکتا۔ ایسی جائیداد جو بوقت بیہ موجود نہ ہو بلکہ مستقبل میں بھی اس کا وجود مشتبہ ہو ناجائز ہے۔

غیر موجود اشیا کا بیہ

ایسی اشیا کا بیہ جو قطعاً غیر موجود ہیں ان کی ناجوازی کے لیے رد الاحکام میں مندرجہ ذیل سزاہت ہے۔

ان اشیا کی ناجوازی بیہ کی دلیل جیسے گیسوں میں آنا وغیرہ اس امر پر مبنی ہے کہ وہ دوران تبدیلی اپنی نوعیت بالکل بدل لیتی ہیں اور استعمال کے بعد بطور ایک نئے شے کے وجود میں آتی ہیں۔

در المختار میں یہ اصول اسی طرح بتایا گیا ہے کہ گیسوں میں آنے تل میں تیل یا دودھ میں مکھن کا بیہ اس لئے قطعاً ناجائز ہے کہ وہ معدوم ہے اس لئے کہ ان چیزوں پر حق ماکانہ اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتا جب تک کہ ایک نیا عقد یا معاہدہ نہ ہو۔ اس کے خلاف تھن میں دودھ بھینز پر اون یا ناریل کے درخت میں ناریل یا درختوں میں پھل کا بیہ اگرچہ بوجہ مشاع جائز ہے لیکن اگر موہوبہ شے علیحدہ کر کے موہوب الیہ کو دیدی جائے تو وہ قابل نفاذ ہو جاتا ہے لیکن یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا موہوب الیہ کا واہب کی اجازت سے ان چیزوں کا علیحدہ کرنا بیہ جائز کی تعریف میں آتا ہے۔ ظہیر الروایات کے تسلیم شدہ اصول کے مطابق ایسا ہی ہے۔

شے موہوبہ کے سلسلہ میں کونسی شے موہوبہ ہے اور کونسی نہیں۔ فتاواے عالمگیری میں درج ذیل وضاحت کی گئی ہے۔

شے موہوبہ کے لیے کئی ضروری شرائط ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ بوقت بیہ وہ شے موجود ہو پس ایسی شے کا بیہ جو بوقت عقد (بیہ) موجود نہ ہو جائز نہیں ہے مثلاً اگر کوئی شخص ایسے پھل کا بیہ کرے جو اس کے درخت میں سال بعد میں پیدا ہونے والا ہو یا ایسا مینہ جو بھینز کے پیٹ میں ہو یا دودھ جو اس کے تھن میں ہو ان بیہ ناجائز ہے خواہ اس کے وجود میں آنے کے وقت (پیدائش یا دودھ دوہنے) پر اختیار و قبضہ دیدیا گیا ہو۔ اسی طرح دودھ میں مکھن، تل میں تیل یا گیسوں میں آنے کا بیہ بھی ناجائز

ہے اگرچہ ان کے وجود میں آنے پر موہوب الیہ کو ان پر قبضے کا اختیار دیدیا گیا ہو۔ وجہ یہ ہے کہ بوقت ہبہ یہ غیر موجود ہیں پس ہبہ کے موثر الذکر ہونے کے لیے مناسب نہیں ہیں اور یہی اصول صحیح ہے جس کی تائید جو اہر الاخلاق سے بھی ہوتی ہے۔

اگر کسی شخص کا کوئی مستحکم و مسلسل حق کسی ایسی شے پر ہے جو نہ تغیر پذیر ہے اور نہ غیر یقینی، تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ اصولاً اس کا ہبہ ناجائز ہو۔ پس کسی خاص جائیداد منقولہ یا غیر منقولہ کے متعینہ کرائے یا متعلقات کا انتقال جائز طور پر بطور ہبہ عمل پذیر ہو سکتا ہے۔

بمقدمہ امتہ النساء بیگم بنام نصیر الدین خان عدالت العالیہ بمبئی سے بظاہر یہ اصول سہو نظر انداز ہو گیا۔ اس سلسلہ میں ادباً یہ توجہ دلانا ہے کہ واقعی اصول جس کے تحت غیر موجود شے کا ہبہ ناجائز قرار پاتا ہے تو وہ شے موہوبہ پر نہ صرف اختیار قبضہ کی عدم صلاحیت ہے بلکہ اس کی غیر یقینی حالت بھی ہے۔

شے موہوبہ کی قانونی حیثیت یا قیمت

اس بارے میں دوسری شرط یہ ہے کہ شے موہوبہ کی کوئی قانونی قیمت بھی ہونا چاہئے اس لئے کہ ایسی شے جس پر کوئی حق ملکیت پیدا نہیں ہوتا مثلاً متعفن گوشت یا لحم الخنزیر یا جس حق قبضہ سے دست برداری کی گئی ہو یا غلام آزاد کر دیا گیا ہو یا کوئی ایسی چیز جس پر شرعاً کوئی قیمت نہ ہو مثلاً شراب یہ شے موہوبہ نہیں ہو سکتی۔

تیسری شرط اس سلسلہ میں یہ ہے کہ موہوب الیہ کو حق قائم رکھنے کے لیے اس پر قبضہ ملنا چاہئے اگر شے موہوبہ باعتبار نوعیت قابل تقسیم ہے تو اس کو تقسیم کر دینا چاہئے۔ اور جو شے ہبہ میں نہ دی گئی ہے وہ اس کے ساتھ شامل نہ ہونا چاہئے اور نہ اس پر قبضہ ہونا چاہئے بلکہ وہ اس سے مابہ الامتیاز ہو۔ پس ایسی زمین کا ہبہ جو واہب کی : و اور اس پر کوئی فصل ایستادہ ہو یا کھجور کا درخت بلا اس کے پھل کے یا اسکے برعکس ناجائز ہے۔ اسی طرح کسی مکان یا برتن کا ہبہ جس میں کہ واہب کی کوئی شے ہو بلا اس شے کے ناجائز ہے۔ نہایہ کا بھی یہی قول ہے۔

مشاع کی بابت مذاہب میں اختلاف

مؤخر الذکر اصول کے متعلق ایک طرف احناف اور دوسری جانب شوافع اور

شیعوں میں بڑا اختلاف ہے۔ مذہب حنفی کے مطابق اگر شے موہوبہ قابل تقسیم ہے یا کسی ایسی شے کا جزو ہے جو قابل تقسیم یا قابل صلح گئی ہے تو بہ اس وقت تک جائز نہیں ہوتا جب تک واپس کی اس جائیداد سے جو کہ بہ نہ کی گئی ہے اسے صلح دیا جدا نہ کر دیا جائے لیکن اگر شے موہوبہ قابل تقسیم شے یا کسی ایسی شے کا جزو ہے کہ تمام جائیداد کو کافی تقسیم پہنچانے بغیر یہ صلح نہیں ہو سکتی تو بہ جائز ہے خواہ تقاسم نہ ہو۔

شیعہ اور شافعی اصول

اس اصول کے سلسلہ میں اہل تشیع، شوافع اور احناف سے بالکل مختلف ہیں۔ ان کا (احناف) استدلال ہے کہ دونوں صورتوں میں بہ جائز ہے اس لئے کہ بہ ایک تملیک کی صورت ہے اور ہر شے کا بہ جائز ہے خواہ وہ قابل تقسیم یا نا قابل تقسیم شے کا حصہ ہو۔ اہل تشیع کا مزید یہ بھی کہنا ہے کہ شے موہوبہ کے متعلق عدم تعین نہ ہونا چاہئے یعنی شے موہوبہ کافی طور پر اس طرح واضح ہونی چاہئے کہ اس کے بارہ میں کسی اشتباہ کی گنجائش نہ رہے۔ شے موہوبہ کا بہ غیر یقینی کیفیت یا عدم تعین کی بنا پر منسوخ ہو سکتا ہے مگر محض ابہام سے جس کی دوسرے حالات سے وضاحت ہو سکتی ہے ایسا نہیں ہو سکتا۔ شافعیوں کے مطابق محض غیر یقینی کیفیت سے بہ ناجائز نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ ایک غیر متعین لیکن معروف حصہ پر حق ملکیت اسی طرح ہوتا ہے جیسے کہ کسی یقینی اور منسوخ حصہ پر۔

نا قابل تقسیم شے اور اصول قبضہ

ایسی شے کا بہ جس پر کہ قبضہ لیا جاسکتا ہے اور جو واپس کی دوسری جائیداد اور اس کے حقوق سے علیحدہ کر لی گئی ہو جائز ہے۔ اسی طرح مشع (جو قابل تقسیم ہے) کا بہ اس نوعیت کا ہے کہ جس سے کوئی منافع یا فائدہ حاصل کیا جاسکتا ہے لیکن بعد تقسیم کل یا جزو تقسیم شدہ سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا جاسکتا۔ مثلاً کوئی چھوٹا گھر (بیت الصغیر) (یا چھوٹا غسل خانہ) مگر ایسی شے میں مشع کا بہ جو قابل تقسیم ہے اور جس میں حق استفادہ کو محفوظ کیا ہو جو تقاسم سے قبل حاصل تھا۔ محدود کر دیا گیا ہو جائز نہیں ہے۔ 'کافی' میں بھی یہی رائے ظاہر کی گئی ہے۔

ضروری امر یہ ہے کہ شے موہوبہ کی بوقت قبضہ حقیقت منتقل ہونہ کہ معاملہ بہ کے وقت۔ اس کی مثال اس طرح دی جاسکتی ہے کہ کوئی شخص اپنے غیر تقسیم شدہ نصف مکان کا بہ کسی شخص کو کرے لیکن اس وقت تک اس کو قبضہ نہ دے جب تک کہ دوسرے نصف کا دوسرے کو بہ نہ کرے۔ لیکن اگر ایک ہی وقت میں وہ قبضہ دیدے تو ظہر یہ کے مطابق یہ قبضہ جائز ہوگا۔ لیکن نصف کا بہ اگر ایک شخص کو کرے اور قبضہ دیدے اور دوسرے نصف کا بہ کسی تیسرے شخص کو کرے اور اسی طرح اسے بھی قبضہ دیدے تو یہ جائز نہ ہوگا۔ اور بقول نہایہ دونوں بہ فاسد اور ناجائز ہوں گے۔

مشاع کا قبضہ جائیداد پر حق قائم کرتا ہے

ایسی شے کا قبضہ جو ناقابل تقسیم ہے کسی شریک کو (فضل العادیہ) کے مطابق جائز ہے ایسے مشع کا بہ جو قابل تقسیم ہے جائز نہیں ہے خواہ یہ کسی شریک کو یا غیر شریک کو کیا گیا ہو۔ اور بقول حسام الدین جیسا کہ انہوں نے ”کتاب الواقعات“ میں درج کیا ہے اگر قبضہ بھی لے لیا ہو تب بھی یہ موہوب الیہ کی جائیداد ثابت نہ ہوگی بلکہ ایک دوسرے موقع پر یہاں تک بتایا ہے کہ اس طرح ناجوازی ثابت ہوگی جس کی تائید میں سراجیہ میں کئی فیصلے ملتے ہیں۔ عدالت ہائے ہند میں شے کے موضوع پر بہت ہی مفید (معنی خیز) بحثیں ہوئی ہیں اور اس سے متعلقہ مشکلات کی بنا پر ضروری ہے کہ اصول اور اس کی علت و غایت اور قابل انطباق اصول قانونی پر احتیاط سے غور کیا جائے۔ مشع کی تعریف Frey tag نے اس طرح کی ہے۔

بر مشترکہ غیر منقسمہ جائیداد جس پر ایک سے زیادہ افراد کا حق ہو مشع ہے۔ مشع دراصل شیوع سے نکلا ہے جس کا منشا الجھن یا انتشار ہے۔

جب کوئی خاص مشترکہ غیر منقسمہ جائیداد کئی شخصوں کی ملکیت میں ہو اور ان میں سے کوئی شخص بھی وثوق کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ اس کا مفاد کسی مخصوص حصہ سے وابستہ ہے تو ایسی حالت میں مشترکہ حصے داروں میں سے کوئی بھی حصہ دار اپنی جائیداد کا بہ کرے تو تمام حصہ داران کے حق استعمال میں انتشار پیدا ہوگا۔ پس اس سے ظاہر ہے کہ اصول مشع مفہوماً غیر تقسیم شدہ جائیدادوں کے جو اپنی نوعیت سے تقسیم ہو

سکتی ہیں منافی ہے جو اصلاً احناف کے مخصوص فقہاء جن کے پیش رو (امام ابو حنیفہ ہیں) کے اس ذہنی اندیشہ (ماثر) کی بنا پر ہے کہ جب تک قابل تقسیم اشیا منقسم ہوں بہت سے نزاعات و دشواریاں پیدا ہوں گی۔

مشاع

امام ابو حنیفہ نے جائیداد کی غیر یقینی صورت کے بارہ میں اعتراض کیا ہے۔ بالفاظ دیگر ایک مشترکہ غیر تقسیم شدہ جائیداد میں کسی جز کا بیہ جو قابل تقسیم ہے۔ مسئلہ زیر بحث کے تعلق سے ان میں اور ان کے شاگردوں میں نمایاں اختلاف ہے۔ عموماً ان کے نظریات امام ابو حنیفہ کے مقابلے میں ایک ترقی پذیر ملت کی ضروریات سے ہم آہنگ ہیں اور موخر الذکر اسناد کی وضاحت کے تابع نہیں ہیں۔

فتاویٰ عالمگیری کی درج ذیل عبارت سے موضوع متعلقہ پر مصنفین متقدمین کے نظریات نمایاں طور پر واضح ہوں گے بلکہ امام اعظم اور ان کے شاگردوں کے اختلافات کی نوعیت بھی واضح ہوگی۔ حالانکہ اصول مندرجہ کو متاخرین فقہانے علی الامان تسلیم کیا ہے۔ کسی جائیداد کے غیر منقسم حصہ بیہ کے جواز کے لیے جو قابل تقسیم نہیں ہے، یہ شرط ہے کہ اس کی مقدار معلوم ہونا چاہئے۔ مثلاً اگر کوئی شخص کسی غلام میں پتہ حصہ دینا ہے جس کا جو حصہ متعین نہیں ہے تو یہ سبب عدم تعین حصہ بیہ نا جائز ہوگا۔ اس لئے کہ حصے کے عدم تعین سے جیسا کہ بحر الرائق میں بتایا گیا ہے، تنازعات ہوں گے مگر جب موہوب الیہ کو واہب کے حصے کا علم ہو تو امام اعظم کے مطابق یہ بیہ جائز ہے مگر (ابو یوسف ابو محمد) کے مطابق ایسا نہ ہونا چاہئے جیسا کہ محیط السرخسی میں درج ہے۔

تنبہ

ایسی شے کا بیہ جو دو آدمیوں یا دو طبقوں پر قابل تقسیم ہے ہر دو شاگردوں کے قول کے مطابق جائز ہے لیکن امام اعظم کے مطابق ناجائز ہے گو یہ باطل نہیں ہے۔ اس طرح قبضے سے جائیداد پر حق ثابت ہو جاتا ہے۔ یہ جو اہر الاخلاق کے مطابق ہے۔
صدر الشہدائے مطابق جب کوئی شخص دو آدمیوں کو کوئی ایسی چیز دے جو

قابل تقسیم ہے تو اس کا ہبہ امام اعظم کے مطابق ناجائز ہوگا۔ بعد ازاں قبضہ بھی لے لیا جائے تو حق قبضہ بھی ناجائز ہوگا۔ اور اسی اصول کے مطابق فتویٰ بھی ہے جو فتاویٰ آباہبہ میں درج ہے۔ جائیداد پر موہوب الیہ کا حق قبضہ اس وقت تک ثابت نہیں ہوتا جب تک کہ وہ شے موہوبہ پر قبضہ نہ پالے اور یہی مسلمہ اصول ہے جیسا کہ ”فصوص العمدیہ“ میں درج ہے۔ مسٹر بیلی Baillie نے بتایا ہے کہ مشع کا ہبہ تین مختلف طریقوں سے ہو سکتا ہے اولاً ایک شخص جو کہ کل شے کا مالک ہو اور اس میں سے غیر متعینہ اور حصہ دوسرے کو دے دے۔ اس صورت میں دونوں طرف ہی شیوع یا انتشار واقع ہوگا اور بروئے اجماع یہ ہبہ ناجائز ہوگا۔

ثانیاً۔ ایک شخص جو تمام شے موہوبہ کا مالک ہو وہ سب کی سب دو یا زیادہ اشخاص کو بلا تقسیم کئے ہوئے دیدے، نہ وہ تقاسم کرتا ہے اور نہ ہزارہ حصص۔ ایسی صورت میں موہوب الیہم میں انتشار پیدا ہوگا اور ابو یوسف اور ابو محمد کے نزدیک یہ ہبہ جائز ہوگا مگر ابو حنیفہ کے نزدیک ناجائز۔

ثالثاً۔ جب دو یا زیادہ اشخاص مشترکہ غیر تقسیم شدہ جائیداد پر قابض ہوں اور وہ مل کر مشترکہ طور پر محض ایک شخص کو ہی ہبہ کر دیں تو ایسی صورت میں انتشار واہبان کو ہوگا اور ہبہ بالاجماع جائز ہوگا۔

فتاوائے عالمگیری میں یہی اصول اس طرح بالترتیب دئے گئے ہیں۔

جائیداد قابل تقسیم کے دونوں جانب انتشار سے حسب اجماع ہبہ جائز نہیں ہے۔ اگر انتشار صرف موہوب الیہ کی طرف ہے تو بقول امام اعظم لیکن ابو یوسف اور محمد کے برعکس ہبہ ناجائز ہے۔ جیسا کہ ظہیر یہ میں ہے لیکن اگر کئی شخصوں کو ہبہ کی صورت میں جو غریب ہیں، تو بصورت صدقہ بروئے اجماع ہبہ جائز ہوگا لیکن اگر وہ دولت مند ہیں تو ہر ایک کو بقدر نصف نصف اگر ہبہ کیا ہے یا ان کو مبہم طور پر ان الفاظ کے ساتھ ہبہ کیا ہے (میں نے جائیداد تم دونوں کو دی ہے) یا ایک کے حق میں زیادہ ہے۔ مثلاً بائیں الفاظ کہ ایک کو اس میں سے ایک ثلث اور دوسرے کو دو ثلث ملے گی۔ تو بقول امام اعظم یہ ہبہ تینوں صورتوں میں جائز ہے مگر بقول امام یوسف ایسا ہبہ دو حالتوں میں جائز ہے خواہ دونوں کو یہ غیر معین صورت میں دی گئی ہو یا نصف نصف لیکن کسی ایک کو زیادہ

دئی گئی ہے تو یہ ناجائز ہے۔

کرتی نے ابن کے حوالہ سے بتایا ہے کہ اگر کوئی شخص دو آدمیوں سے یہ کہے (میں نے اس عمارت کا بیہ تم دونوں کو کیا ہے ان میں سے نصف ایک کا ہے اور نصف دوسرے کا) تو یہ بیہ جائز ہوگا کیونکہ اس نے تمام عمارت کو بیہ کیا اور اس کا تعین کر دیا ہے۔

اس اصول کے اطلاق میں شدید اور اصطلاحی دشواری درج ذیل قول سے ثابت ہے۔ اگر واجب یہ کہے میں یہ عمارت تم کو دیتا ہوں اور نصف دوسرے کو، بیہ جائز نہ ہوگا بلکہ خود عقد (معاہدہ) بھی شیوخ سے متاثر ہوگا۔ اور اگر کوئی یہ کہے کہ اس عمارت کا بیہ میں نے تم دونوں کو کیا ہے۔ ایک ٹلٹ ایک کو اور دو ٹلٹ دوسرے کو تو بقول امام اعظم و ابو یوسف یہ جائز نہ ہوگا مگر امام محمد کے نزدیک بیہ جائز ہوگا۔ ایسے بیہ کو ناجائز قرار دینے میں امام اعظم اور امام ابو یوسف کا استدلال ایک دوسرے سے مختلف ہے مگر بقول امام اعظم جو بیہ انتشار عقد ناجائز ہوگا لیکن بقول ابو یوسف چونکہ حصص کی نوعیت مختلف ہے بیہ دو عقود (معاملوں) میں علیحدہ علیحدہ ہو سکتا ہے اور چونکہ جواز بیہ کے لیے جب کہ دو اشخاص کسی دوسرے کو مکان کا بیہ کرتے ہیں تو ان حالات میں یہ ممکن نہیں ہے۔ بروئے اہتمام یہ بیہ جائز ہے۔ جیسا کہ مضمرات میں بتایا گیا ہے۔

ابتدائی انتشار (جو کہ بوقت بیہ ہو) بیہ کو کالعدم کر دیتا ہے لیکن ایسا انتشار جو بعد میں واقع ہو وہ بیہ کو کالعدم نہیں کرتا۔ مثلاً اگر کوئی شخص کسی دوسرے کو تمام بیہ اور بعد ازاں غیر تقسیم شدہ حصہ کے بیہ کو منسوخ کر دے یا کسی حصے کے متعلق حق مخالفانہ ثابت کرنے ایسی صورت میں بیہ نہیں ہوا۔ اس لئے کہ یہ مکفولہ سے مختلف ہے جو درمیان میں واقع ہونے والے انتشار سے ناجائز ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ شرح وقایہ میں درج ہے۔

”اگر کوئی شخص کسی شے کے ایسے غیر تقسیم شدہ حصے کو جو قابل تقسیم ہے بیہ کرے اور بعد تقسیم ہو ہو بایہ کو حصہ دیدے تو سراج الوہاج کے مطابق جائز ہوگا۔ اگر وہ نصف کا بیہ کرے اور کل دیدے تو یہ جائز نہ ہوگا۔ لیکن اگر وہ کل کا بیہ کرے اور اس کے جزو پر قبضہ دے تو یہ جائز ہوگا لہذا اتاتار خانہ میں بتایا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے مکان کے غیر منقسم حصہ کو بیہ کرے اور اس پر قبضہ دیدے اور بعد ازاں دوسرا نصف دوسرے کو بیہ کر دے، ان میں سے کوئی بھی بیہ جائز نہ ہوگا لیکن اگر اس

نے پہلے موہوب الیہ کو قبضہ نہیں دیا تھا اور دوسرے کو ہبہ کر دیا اور اس کے بعد دونوں کو ہی قبضہ دیدیا تو بقول ابو یوسف اور محمد دونوں کے حق میں جائز ہوگا اس لئے کہ ایسا ہبہ ہر دو موہوب الیہ کو مساوی مفید ہے جیسا کہ مبسوط میں آیا ہے۔

اسناد جن کا کہ مولفین فتاوائے عالمگیری اکثر حوالہ دیتے ہیں، فی زمانہ ہندوستان میں موجود نہیں ہیں تاہم واجزا لکروی کے نظریہ کے مطابق درالمختار کے قول سے براہ راست متضاد ہے چند مصنفین کی آرا کا حوالہ دینے کے بعد جیسے کہ کوئی شخص کسی غیر تقسیم شدہ شے کا ہبہ کرے اور موہوب الیہ کو قبضہ دیدے تو موہوب الیہ کو حق جائیداد اس طرح حاصل نہیں ہوتا کہ اس کے انتقال کے بعد اسے استحقاق حاصل ہو جائے۔ لیکن اگر وہ ایسا کرے تو ہر جہ کی ادائیگی کا مستحق ہوتا ہے۔ اور واہب کا حق انتقال قائم رہتا ہے مصنف نے مزید بتایا ہے کہ دارالاحکام میں فصول کے حوالہ سے یہ وضاحت کی گئی ہے کہ ایک ہبہ فاسد سے یہ بنا قبضہ جائیداد پر حق ثابت ہو جاتا ہے اور اسی اصول پر فتویٰ ہے۔ بزاز یہ میں بھی علیٰ ہذا القیاس یہی طے کیا گیا ہے جو اس کے برعکس ہے مگر یہی صحیح بتایا گیا ہے لیکن لفظ فتویٰ الاصحیح کے مقابلہ میں زیادہ وزنی ہے اس کی تفصیل مصنف نے مشع سے متعلق دیگر اصولوں کی وضاحت میں دی ہے۔

یہ مسئلہ کہ آیا کسی عزیز کے حق میں ناجائز ہبہ منسوخ ہو سکتا ہے درد میں بتایا ہے کہ ایسا ہو سکتا ہے بشرنی بلالیہ نے اس پر اعتراض کیا ہے۔ اس کے بقول ایسی تہنیخ اصول مسلمہ کے منافی ہے جس کی بنا پر وہ فتوے (ڈگریاں) صادر ہوتے ہیں کہ کسی ناجائز ہبہ میں بھی حق جائیداد قبضے کے بنا پر پیدا ہو جاتا ہے۔ اور یہی عمل قابل لحاظ ہے۔

یہی اصول شبلی نے ”اتفاقی“ سے بتایا ہے کہ مشع کا ہبہ صرف ناجائز ہے یا ادھورا جائز ہے (صحیح غیر تام) ہے جس کی بحر الرائق کی عبارت سے بھی توثیق ہوتی ہے۔

کفایہ میں اس اصول کو مزید وضاحت سے بتایا گیا ہے اور ایسے مشع کا حصہ جو قابل تقسیم ہے حصہ دار یا کسی غیر حصہ دار کو جائز نہیں ہے۔ لیکن (اسامہ) نے بتایا کہ اگر قبضہ حاصل کر لیا گیا ہے تو جائیداد پر حق ثابت کرنے میں یہ کار آمد ہوگا۔

کسی مشع کا بیع خواہ یہ قابل تقسیم ہو جائیں، جائز ہے۔ اسی طرح اس کا کرایہ (پٹہ) حصہ دار کو جائز ہے۔ اگرچہ کسی غیر (اجنبی) کے لیے جائز نہیں ہے اس کے فتوے

ست بھی تصدیق ہوتی ہے لیکن کسی غیر کو بلا تقسیم شدہ حصہ (مشع) کا پنہ محض ناجائز ہے۔ ایک غیر تقسیم شدہ حصہ (مشع) کا حصہ دار کو قرض دینا جائز ہے لیکن ایک غیر کو ایسی صورت میں جب کہ حصہ تقسیم کر کے دیا جائے، جائز ہے۔ مشع کار بن ناجائز ہے خواہ یہ قابل تقسیم ہو اور خواہ یہ حصہ دار کو دیا جائے یا غیر کو فادائے مالگیری کی درج ذیل عبادت سے اصول مشع کی اصطلاحی نوعیت پورے طور سے واضح ہوگی۔

”اگر کوئی شخص درمیانی (تقسیم والی) دیوار کے ایک حصہ کو یاراستہ یا غسل خانہ کو بہہ میں دینا چاہے جسے وہ بخش کر دے اور موہوب الیہ کو قبضہ حاصل کرنے کے لیے مجاز کر دے یہ بہہ اس طرح جائز ہوگا جیسے کہ ایک مکان کسی دوسرے کو مع دروبست تمام حقوق بہہ کر دیا ہو اور جس پر موہوب الیہ نے تقسیم شدہ حصہ پر جداگانہ قبضہ پالیا ہو لیکن اس میں آمدورفت کا حق دونوں کے درمیان مشترک ہو ایسا بہہ جو اہر الاخلاق کے مطابق جائز ہے۔“

”اصل“ میں آیا ہے کہ اگر کسی عمارت کا نصف حصہ بلا تقسیم کسی شخص کو بہہ کیا جائے اور اس کو قبضہ دیدیا جائے اور اگر وہ اس کو بیع کر دے تو یہ بیع جائز نہیں ہوگا اور یہی فتوے میں سریحانہ کور ہے کہ یہ اصول صحیح ہے اسی کی تائید واجزا لکروی سے ہوتی ہے۔

اگر کوئی شخص کسی ایسی عمارت کو جس میں اس کا کچھ اسباب بھی رکھا ہو بہہ کرے اور موہوب الیہ کو محض یہ عمارت اسباب کے دے تو بہہ جائز نہیں ہے لیکن ایک ایسا طریقہ (حیلہ) بھی ہے جس سے کہ ایسا بہہ جائز ہو سکتا ہے وہ اس طرح کہ اولاً تو موہوب الیہ کے پاس اپنا اسباب رکھ دے اور پھر اپنے لئے اس سامان کو خالی کرائے اور عمارت اس کے سپرد کرے اس کے برعکس اگر وہ شخص اسباب کا ہی (بلا عمارت) بہہ کرے اور موہوب الیہ کے لیے اس کو خالی کرائے تب عمارت پر قبضہ دے یا عمارت اور اسباب ساتھ ساتھ ہی بہہ کرے اور موہوب الیہ دینے کے لیے انہیں خالی کر دے تو بقول جواہر النیرہ تمام صورتوں میں بہہ جائز ہوگا۔

اگر دوران سپردگی عمارت و اسباب کو علیحدہ علیحدہ کر دیا جائے اور ان میں سے ایک کا بہہ کر کے اس کو اس پر قبضہ دیدیا جائے اس کے بعد دوسرے کا بہہ کر کے اس پر بھی قبضہ دیدیا جائے اور ابتدا عمارت سے کی جائے تو ایسی صورت میں عمارت کا بہہ جائز

نہیں ہے۔ بلکہ اسباب کا بہہ جائز ہے۔ اگر اسباب کا بہہ پہلے کیا جائے تو بقول جواہر النیرہ دونوں کا بہہ جائز ہوگا۔

اگر کسی زمین کا بہہ بلا فصل ایستادہ کے کرے یا فصل کے بہہ بلا زمین یا درختوں کے کرے یا پھول یا پچاؤں کا بہہ بلا درخت کرے اور ان کو موہوب الیہ کے لیے خالی کر دے ان میں سے کسی صورت میں بھی بہہ جائز نہ ہوگا۔ وجہ یہ کہ وہ اتنے متصل ہیں کہ ایک دوسرے کا جزو بن گئے ہیں۔ بہہ مثل مشع کے ایسی شے ہے جو قابل علیحدگی ہے لیکن اگر وہ شخص ہر ایک کو بطور بہہ علیحدہ علیحدہ دے مثلاً پہلے فصل اور اس کے بعد زمین دے یا اول زمین اور بعد میں فصل ان دونوں کو ساتھ ساتھ دے تو دونوں کا بہہ جائز ہوگا لیکن اگر بوقت سپردگی قبضہ دونوں کو علیحدہ کر دے تو دونوں کا بہہ ناجائز ہوگا۔ خواہ وہ کسی سے ابتدا کرے۔ اور یہی اصول سراج الوہاج میں درج ہے۔ اگر کوئی شخص کسی عمارت کا بہہ کرے اور اس وقت تک قبضہ نہ دے جب تک کہ اسباب بھی نہ دے اور دونوں کو ساتھ ساتھ ہی دے تو بہہ جائز ہے۔ اسی طرح جب کوئی اناج کی بوری یا کٹہ دے اور جب تک کہ غلہ مشمولہ کا بہہ نہ کرے انہیں نہ دے بعد میں دونوں ہی دیدے تو سب کا بہہ جائز ہوگا۔ جیسا کہ محیط میں درج ہے۔ اگر بوقت بہہ مکان خالی ہے لیکن بوقت قبضہ دہانی گھرا ہوا ہے۔ ایسا بہہ ناجائز ہے اور نہ واہب کے ان الفاظ سے کہ قبضہ لے لو میں نے تمہارے سپرد کر دیا ہے یہ بہہ جائز ہوگا بلکہ واہب یا اس کے آدمی یا اس کا اسباب اس عمارت میں ہوں۔ تارخانیہ کا یہی قول ہے۔

ایسی اشیا کا بہہ جو کہ رکھی ہوئی ہیں یا ان پر قبضہ ہے

ایک ایسی شے کا بہہ جو کہ دوسری جگہ رکھی ہوئی (شاغل) ہے جائز ہے۔ لیکن اس شے کا بہہ جس پر وہ رکھی (مشغول) ہے ناجائز ہے جنس کے معاملات کا اصول یہ ہے کہ شے موہوبہ جو واہب کی جائیداد میں رکھی ہوئی ہے یا اس میں ملی ہوئی ہے تکمیل بہہ میں مانع ہوتی ہے اس لئے کہ قبضہ لازمی ہے مگر شے موہوبہ جو واہب کی جائیداد پر رکھی ہوئی ہے یا اسے روکے ہوئے ہے تو بہہ کی انجام دہی میں حارج نہیں ہے۔

اگر کوئی شخص اپنی آراضی کی فصل یا اس کے درخت کے پھل یا تلوار کی نیام

یا عمارت کے حصے یا اتاج کے ذمیر میں سے اتاج کا کچھ وزن بہہ کرے اور موہوب الیہ کو ہدایت کرنے کے فعل کو دور کرے یا پھلوں کو اکٹھا کرے یا نیام کو نکال دے یا عمارت کے حصے کو نکال دے یا خانہ الگ تولے اور وہ شخص حسب ہدایت عمل کرے تو یہ بہہ غلی وجہ الاستحسان جائز ہو گا لیکن اگر حصول قبضے کی اجازت نہیں ہے اور وہ قبضہ حاصل کر لیتا ہے تو اس کی ذمہ داری ہو گی۔ ایسا ہی کافی میں درج ہے۔ ایک زوجہ کا اس کے مکان کا بہہ جب کہ اس میں زوجہ اور شوہر دونوں سکونت پذیر ہوں، جائز ہے جیسا کہ واجزا لکروی میں بتایا گیا ہے۔

بہہ باطل ہو جاتا ہے اگر کسی جزو میں کسی اور کا حق ثابت ہو

اگر کسی شخص کے پاس کرایہ پر مکان ہو اور کرایہ پر دینے والا اس مکان کا بہہ کر دے تو تیار خانہ کے مطابق یہ جائز ہے۔ اور اگر کوئی شخص اپنا مکان مع فرنیچر بہہ کر دے اور دونوں پر ہی قبضہ دیدے اور بعد ازاں فرنیچر کے متعلق اپنا حق ثابت کر دے تو مکان کے متعلق بہہ جائز ہو گا جیسا کہ کافی میں درج ہے۔ یہ امر کہ اگر شے موہوبہ عاودہ واجب کی جائیداد کے کسی اور مکان میں رکھی ہو تو آیا اس سے تکمیل بہہ ہو جاتی ہے اس بارہ میں مصنف محیط نے موضوع بہہ کے پہلے باب میں بتایا ہے کہ اس کا یہ منشا نہیں ہے بلکہ اس کے بقول اگر کوئی شخص کسی دوسرے کو مکان مستعار دے اور وہ اس مکان سے کچھ جائیداد خورد و نبرد کر کے اس مکان میں رکھ دے اور مستعار رکھنے والا مکان مذکور کو بہہ کر دے تو یہ بہہ جائز ہو گا۔ غلی ہذا القیاس اگر کوئی شخص کسی دوسرے کو ایک مکان مع فرنیچر سپرد کرے اور اس کے بعد اس سامان کو مع مکان بہہ کر دے تو بہہ جائز ہو گا اور اگر دوران قبضہ موہوب الیہ کا فرنیچر ضائع ہو جائے تو شخص حقدار فرنیچر کا معاوضہ موہوب الیہ سے پانے کا مستحق ہو گا۔ ابن رستم نے اس کو امام محمد کا نظریہ بتایا ہے۔ حالانکہ بقول امام اعظم اگر کوئی شخص کسی ایک کا مستحق ہو تو بہہ مکان ناجائز ہو گا۔

اگر کوئی شخص ایسے کئے جن میں کہ سامان ہو ایسی بوری جس میں کہ غذا ہو بہہ کر کے موہوب الیہ کو دے اور بعد ازاں اس شے پر اپنا حق ثابت کرے ان میں سے ہر صورت میں کٹوں یا بوری کا بہہ مکمل ہو جائے گا اور یہی محیط کا قول ہے۔

اگر کوئی شخص مکان مع فرنیچر بہہ کر کے ہر دو پر قبضہ دیدے اور اس کے بعد دوسرا شخص فرنیچر پر اپنا حق ثابت کرے تو مکان کا بہہ جائز نہ ہوگا اور اگر فرنیچر جائز شخص کے مطالبہ سے قبل ضائع ہو جائے تو فرنیچر خواہ موہوب الیہ کو صریحاً تفویض کیا گیا تھا یا نہیں مگر واہب جو اس کا مالک جائز ہے، موہوب الیہ سے معاوضہ پاسکتا ہے۔

بقول بعض ابو محمد کا یہ اصول ہے لیکن ہمارے تمام فقہا اس امر پر متفق ہیں کہ جب تک شے نہ ہٹالی جائے، معاوضہ کی کوئی ذمہ داری نہیں ہوتی۔ دوسروں کا بھی یہی کہنا ہے۔ ہمارے فقہا کا بھی یہی قول ہے اور محیط السرخسی کے مطابق یہی قول صحیح ہے۔

اگر کوئی شخص ایسی عمارت کا حصہ بہہ کرے جس پر کہ قبضہ دیدیا گیا ہو مگر بعد ازاں اس کے ایک حصہ میں اپنا حق ہو تو ”نیانیہ“ کے مطابق یہ بہہ باطل ہے اور اگر کوئی شخص آراضی مع کاشت یا درختان کھجور سے پھل بہہ کر کے ہر دو پر قبضہ دیدے مگر بعد میں فصل یا پھلوں پر اپنا حق کاشت ثابت کرے تو آراضی یا درخت کا بہہ باطل ہے۔ محیط میں ایسا ہی آیا ہے۔ ایک شخص اپنی آراضی مع فصل کا بہہ کرتا ہے اور فصل کو دور کر کے اس پر قبضہ دے دیتا ہے مگر اس کے بعد ان میں سے کسی ایک پر اپنا حق ثابت کرتا ہے تو بہہ باطل ہوگا۔ اور یہی محیط السرخسی کا قول ہے۔

اگر ایک شخص کسی مکان کا مالک ہو اور دوسرے کا جزوا ہو اور کسی شخص سے یہ کہے میں یہ دونوں مکانات تجھے بہہ کرتا ہوں تو بہہ کسی کا بھی جائز نہ ہوگا لیکن اگر وہ یہ کہے کہ میں تجھے یہ مکان اور دوسرے میں اپنا حصہ بہہ کرتا ہوں تو یہ جائز ہوگا جیسا کہ خزینۃ المتین میں بتایا گیا ہے۔

فتاویٰ الابدائیہ میں درج ہے کہ اگر کوئی شخص اپنا مکان اپنی زوجہ اور جو کچھ اس کے رحم میں ہے (غیر پیدا شدہ بچہ) کے حق میں بہہ کرے یا بطور صدقہ دے تو جائز نہ ہوگا لیکن اگر زندہ کے حق میں بہہ کرے اور دوسرا بہہ ایسے شخص کے نام کرے جو مرچکا ہے اور مثل دیوار کے جو غیر ذی روح ہے تو یہ تمام بہہ ذی روح کے حق میں جائز ہوگا جیسا کہ تاتارخانیہ میں بتایا گیا ہے۔

ایک شخص جس کا موتی گم جاتا ہے اس کا بہہ وہ کسی دوسرے شخص کے حق میں کرے اور اس کو تلاش کرنے اور مل جانے پر قبضہ کا مجاز کر دے تو بقول امام ابو یوسف

ایسا بہہ ناجائز ہے اس لئے کہ یہ شخص ایک اتفاقاً امر ہے۔ ظہر یہ کا بھی یہی قول ہے۔ جب کوئی شخص اپنے شریک (مضارب) کا روبرو کو جائیداد بہہ کرے اور اس کا کچھ جزو لوگوں سے واجب الوصول ہے اور کچھ جزو شریک کے قبضہ میں ہو تو اس کے قبضہ میں جو کچھ ہے اس کا بہہ جائز ہے مگر جو دوسروں کے قبضہ میں ہے تو اس کے کہنے پر کہ وہ تم وصول کر لو بہہ جائز ہے لیکن وہ شے غیر حاصل شدہ منافع (رانج) کی صورت میں ہے تو اس کا بہہ جائز نہ ہوگا۔ ایسا ہی محیط میں آیا ہے۔

ایک شریک کا دوسرے شریک کو ایسے حصہ کا منافع میں بہہ جو کہ جائز ہے جب دونوں شرکا میں سے کوئی ایک دوسرے سے کہے کہ میں نے تمہیں اپنے منافع کا حصہ دیدیا ہے تو اس سلسلہ میں یہ آیا ہے کہ اگر جائیداد موجود ہو تو یہ بہہ ایک قابل تقسیم مشع ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے لیکن اگر شریک نے جائیداد کو ضائع کر دیا ہے تو اسے (حق معدوم) ہونے کی وجہ سے بہہ جائز ہوگا جیسا کہ ظہیر یہ میں ہے۔

احول مشع

یہ اصول درالختار میں بہت سہل انداز میں دئے گئے ہیں۔ قاعدہ یہ ہے کہ اگر شے موہوبہ میں واجب کی کوئی ایسی چیز ہے جو بہہ میں شامل نہیں ہے تو یہ تکمیل بہہ میں مانع ہے۔ لیکن اگر شے موہوبہ واجب کی کسی ایسی چیز میں رکھی ہوئی ہے جو کہ بہہ میں نہیں دی گئی ہے تو یہ بہہ میں مانع نہیں ہے۔ وہ اس طرح کہ اگر کوئی شخص کسی کو ایک تھیلا بہہ میں دیتا ہے جس میں کہ واجب کا کھانا رکھا ہوا ہے یا اس کو مکان دیتا ہے جس میں کہ اس کا سامان رکھا ہوا ہے یا ایک جانور دیتا ہے جس پر کہ اس کی زین رکھی ہوئی ہے تو بہہ جائز نہیں ہے مگر برعکس صورت میں بہہ جائز ہے۔ مثلاً اگر کھانا یا فرنیچر یا زین بہہ ہو جائے تو بہہ موثر ہوگا۔ یہ امر کہ شے موہوبہ میں کسی دیگر شخص کی کوئی شے علاوہ واجب کے رکھی ہوئی ہے جواز بہہ میں خارج نہیں ہے۔ اسکی وضاحت طحاوی میں اس طرح کی گئی ہے کہ مثلاً کوئی شخص اپنے مکان اور فرنیچر کا بہہ کر کے موہوب الیہ کو قبضہ دیدیتا ہے مگر فرنیچر کسی تیسرے شخص کی ملکیت میں تھا تو ایسی حالت میں صرف مکان کے بارہ میں بہہ موثر ہوگا کیونکہ بوقت بہہ مکان اور فرنیچر دونوں واجب کے قبضے میں

تھے۔ اور ان کی سپردگی جائز تھی۔ لیکن فرنیچر پر دوسرے کے حق کا ثبوت مابعد، مکان کے ہبہ کو ناجائز نہیں کرے گا۔ ”اشیاع“ کے مطابق ایک مشمولہ شے کا ہبہ جو کہ ایک باپ نے نابالغ لڑکے کے حق میں کیا ہو جائز ہے۔

کسی زوجہ کا اپنے خاوند کے حق میں مشمولہ اشیا کا ہبہ مسلمہ اصول کے مطابق جائز ہے اس لئے کہ زوجہ اور اس کی جائیداد خاوند کے قبضے میں تھی۔ اس لئے ان پر قبضہ دہی خود بخود موثر ہے۔ اگر ایک زوجہ اپنے شوہر کو ایسا مکان ہبہ کرتی ہے کہ جس میں دونوں سکونت پذیر ہیں اور اس کا اسباب بھی رکھا ہوا ہے تو ہبہ جائز ہے اور یہی اصول ہے۔ جو اہرہ میں شے مشمولہ (جائیداد) کے جواز کے ہبہ کے سلسلہ میں ایک طریقہ بتایا گیا ہے پہلے واہب کی جائیداد موہوب الیہ کے قبضے میں بعینہ امانت رکھی جائے بعد ازاں بصورت مشع موہوبہ اس پر قبضہ دیدیا جائے۔ یعنی جس جائیداد (مکان) میں وہ شے رکھی ہوئی ہے اس کا ہبہ جائز ہوگا۔ چونکہ واہب کا فرنیچر اور اسباب بقبضہ موہوب الیہ پہلے سے ہی بطور امین ہے پس یہ تکمیل ہبہ میں رکاوٹ نہیں ہوگا۔

مشاع کے متعلق اعتراض کہاں تک لائق اطلاق ہے

مشاع کے بارہ میں ان اشیا پر یہ اعتراض نہیں ہوتا جن کی افادیت تقسیم کے بعد (مثلاً چھوٹا مکان یا چھوٹا غسل خانہ) برقرار نہیں رہتی۔ ہبہ صرف انہی اشیا سے متعلق ہے جن کی تقسیم کے بعد بھی نہ افادیت ضائع ہوتی ہے اور نہ ان سے استفادہ میں کمی آتی ہے۔ اس لئے ہبہ کی تکمیل میں ان کا تقاسم ضروری ہے۔ بحر الرائق کے مطابق کونسی شے قابل تقسیم ہے یا قابل تقسیم نہیں ہے، اس امر پر منحصر ہے کہ آیا قاضی قانوناً ایسے حصہ دار کو پابند کر سکتا ہے جب کہ دوسرا حصہ دار جائیداد کے تقاسم کا خواہش مند ہو۔

مشاع (انتشار) پر اعتراض میں یہ دیکھا جائے گا کہ آیا واہب شریک ہے یا غیر۔ لیکن بقول دوسروں کے اگر وہ شریک ہے تو ہبہ جائز ہے۔ یہی مسلمہ اصول ہے۔

ناجائز ہبہ میں قبضہ سے حق جائیداد ثابت ہو جاتا ہے

درو میں ہے کہ اگر واہب شے موہوبہ کو تقسیم کرے تو اس پر قبضہ جائز ہے اور وہ عذر دور ہو جاتا ہے لیکن اگر وہ ایسی صورت میں قبضہ دے کہ شے موہوبہ اس کی

دوسری جائیداد میں ملی ہوئی ہو تو موبوب الیہ نہ حق قطعی حاصل کر سکتا ہے اور نہ اس کے ساتھ بلا کسی مشمولہ ذمہ داری کے معاملہ کر سکتا ہے بلکہ واہب کا حق انتقال بھی قائم رہتا ہے۔ فصول میں درج ہے کہ ایک بیہ فاسد کی بنا پر جائیداد پر حق قبضہ ثابت ہو سکتا ہے اور اسی کے مطابق فتویٰ ہے اور یہی بزازیہ میں ہے۔ اور امدادیہ میں جو صحیح بتایا گیا ہے اس کے برعکس ہے لیکن لفظ الفتویٰ صحیح کی بہ نسبت زیادہ قوی ہے جیسی کہ مصنف نے مشع کے اس لوں کے متعلق تفصیل سے بحث کی ہے۔

شیوع "انتشار" جو مکمل بیہ میں حائل ہوتا ہے بوقت "مکارین" موجود ہوتا ہے مگر اس کے بعد "تری" میں حائل نہیں ہوتا۔

اصول مشع میں اصطلاحی صورت کی تمثیل اس اختلاف رائے سے ظاہر ہوتی ہے جو قطعہ آرائشی (معہ ایستادہ فصل) کے جواز بیہ کے بارہ میں ہے۔ بعض قانون دان (فتیبا) کی رائے ہے کہ اگر تیسرے شخص نے فصل پر اپنا حق ثابت کر دیا ہے کہ یہ مثل انتشار ابتدائی (شیوع مکارین) کے ہے تو یہ بیہ آرائشی کو بھی باطل کر دیتا ہے جب کہ دوسرے جن میں (صدر الشرائع) اور ابن مکمل بھی ہیں ان کے مطابق یہ صرف شیوع قائم ہے اور بیہ آرائشی کے جواز پر اثر انداز نہیں ہوتا۔

مسئلہ اصول

"منطقہ" کے مطابق ابو یوسف کی رائے میں زوجین میں سے کوئی بھی اس مکان کا جائز بیہ جس میں کہ ہر دو سکونت پذیر ہیں، نہیں کر سکتے ہیں۔ مگر اصول مسلمہ سے اس نظریہ کی تردید ہوتی ہے اور اب یہ طے شدہ مسئلہ قانونی ہے کہ دونوں صورتوں میں ایسا بیہ جائز ہے۔

بقول امام اعظم اگر کوئی شخص اپنے مکان کو دو شخصوں کو بیہ کرتا ہے تو یہ جائز ہے اور ان کا یہی اصول تمام اشیا قابل تقسیم پر منطبق ہوتا ہے لیکن ان کے ہر دو شاگردوں کے مطابق ایسا بیہ ناجائز ہے مگر ابو حنیفہ کے مطابق بھی بیہ اس صورت میں جائز ہے جب واہب تعین حصص کردے مگر مسلمہ قانون ان کی اس رائے کے بالراست برعکس ہے۔ اگر کوئی شخص اپنے مکان کا نصف حصہ کسی ایک شخص کے حق میں

ہبہ کرے اور دوسرا کسی دیگر کے حق میں اور یہ دونوں حصے بوقت ہبہ دیدے تو یہ ہبہ جائز ہے۔ لیکن اگر قبضہ ایک کو دوسرے سے پہلے دے تو یہ ہبہ جائز نہ ہوگا مگر بقول امام اعظم یہ ہبہ کسی صورت میں بھی جائز نہ ہوگا۔

قبضہ ایک ناجائز ہبہ کو مکمل کر دیتا ہے

مجمع الانہار میں ہے کہ یعقوب پادشاہ کی رائے میں اگر کوئی شخص کسی قابل تقسیم شے کو دو شخصوں میں ہبہ کرے تو یہ ایک ناجائز ہبہ ہوگا مگر باطل نہ ہوگا۔ بقول امام اعظم اگر موہوب الہیم کا ان کے بقول جائیداد پر قبضہ ثابت ہو جاتا ہے تو فتویٰ بھی اسی طرح ہے اور یہ رائے صدر الشہید کے عین نظریہ کے مطابق ہے۔ کسی مشترکہ غیر تقسیم شدہ جائیداد میں کسی حصہ پر اگر قبضہ ہو جائے تو اس سے جائیداد پر حق ثابت ہو جاتا ہے اور یہی امر مجمع الانہار کی عبارت سے صاف ہے۔

جامع الفصولین اور نہایہ میں بتایا گیا ہے کہ ہبۃ الفاسد قبضہ سے مکمل ہو جاتا ہے اور اس کے مطابق فتویٰ ہے اگرچہ بعض نے دوسرا خیال صحیح بتایا ہے تاہم لفظ ”فتویٰ“ صحیح کی بہ نسبت زیادہ قوی ہے۔ مصنف کے اس قول کے سلسلہ میں کہ مشع تکمیل ہبہ میں حائل ہوتا ہے، شارحین کے نزدیک قبضہ ضروری ہے جیسا کہ فصولین میں ہے مگر ذیلیہ کی رائے میں ایسی شے کا ہبہ جس پر واہب کا بھی حق ہونا جائز ہے اور عمادیہ نے بھی اشیا کی شرح میں بتایا ہے کہ یہ اصول ان دو مقولوں کی بنا پر جن کی وجہ سے اس قسم کے مشع کے بارہ میں (جو قابل تقسیم ہیں) اختلاف پیدا ہوا ہے یعنی ایسا ہبہ باطل یا نامکمل ہے مگر یہ کہنا زیادہ صحیح ہوگا، جیسا کہ ”بزازیہ“ میں کہا گیا ہے۔ دُرّ الاحکام میں درج ہے کہ ایک ناجائز ہبہ سے جائیداد پر قبضہ مل جاتا ہے ایسا ہی فتویٰ ہے اور فصولین میں بھی یہی درج ہے۔

در المختار نے بھی دُرّ کی عبارت کا حوالہ دیا ہے فصولین کے حوالہ سے دُرّ میں درج ہے کہ ایک ناجائز ہبہ کے ذریعہ جائیداد پر قبضہ حق ثابت کرنے میں کار آمد ہوتا ہے اور اسی کے مطابق فتویٰ بھی ہے اور بزازیہ میں بھی۔ اس کے برعکس عمادیہ میں جو بتایا گیا ہے وہ صحیح ہے تاہم لفظ ”فتویٰ“ لفظ ”صحیح“ کی نسبت زیادہ قوی ہے۔

فصل ہفتم :- اصول قبضہ

یہ اصول ذہن میں رکھنے کے بعد کہ قبضہ سے ایک ادھورا یا نامکمل بیہ جائز ہو جاتا ہے، مجمع الانہار کے مصنف نے قبضہ اکامل (مکمل قبضہ) کی اس طرح تعریف کی ہے اور قبضہ اکامل (مکمل قبضہ) سے بحوالہ اشیا منقولہ مراد یہ ہے کہ ان کا ان کی نوعیت پر انحصار ہے اور غیر منقول جائیداد کے حوالہ سے یہ منشا ہے کہ جو اس کی نوعیت کے مطابق ہو جیسا کہ مکان کی کنٹی لینا جو کہ قبضہ کے مساوی ہے۔

قبضہ حاصل کرنے کا اختیار کافی ہے

اس کے باوجود واقعی قبضہ تکمیل بیہ کے لیے ضروری نہیں ہے۔ درالمختار کے مطابق قبضہ حاصل کرنے کی حالت میں ہونا قبضہ لینے کے مساوی ہے۔ بالفاظ دیگر موہوب الیہ کو قبضہ حاصل کرنے کی حالت میں لے آنا قبضہ دینے کے برابر ہے اسی طرح اس فرض سے اختیار انویض کرنا بھی اسی کے لیے پوری طرح کافی ہے۔

حمید یہ میں جامع الفتاویٰ کے حوالہ سے درج ہے کہ اگر کوئی شخص بیہ کرتا ہے تو آرائشی پر ایستادہ فصل یا کھجور جو درخت پر لٹک رہے ہیں یا نیام جو نیچے پر ہے یا کوئی عمارت یا دینار جو دوسرے شخص کے ذمہ یا ہر وہ چیز جو ناپی کی جاسکتی ہے اور موہوب الیہ کے اس کے ذرد کرنے یا نہیں توڑنے یا اتارنے یا قبضہ کرنے یا تولنے کا اختیار ہے اگر موہوب الیہ ایسا کرے تو مفطرہ توشیح کی بنا پر یہ جائز بیہ ہوگا۔

مکرر یہ کہ اگر واہب خود یا اس کا نائب تقسیم کرتا ہے یا اگر واہب موہوب الیہ کو شریک کے ساتھ حصہ کرنے کے لیے مجاز کرتا ہے تو اس سے بھی بیہ مکمل ہو جائے گا اور یہ رائے بر بنا فتاوائے قاضی خان مزید ذہن نشین ہو جاتی ہے۔ اگر کسی شخص کو کوئی شے بیہ کی جائے اور وہ شخص اپنے نائب سے قبضہ حاصل کرنے کے لیے دو شخصوں کو مقرر کرے اور وہ دونوں قبضہ حاصل کر لیں تو جیسا کہ فتاوائے قاضی خان میں درج ہے، جائز ہوگا۔

اصول مشع زمیندار یوں میں لاگو نہیں ہے

کتب فقہ میں جو تمثیلیں دی گئی ہیں، ان سے بہ آسانی یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ اصول مشع محض آراضی کے چھوٹے قطعات اور مکانات پر لاگو ہوتا ہے۔

عرب فقہانے بظاہر اس پر غور نہیں کیا کہ یہ اصول بڑی زمیندار یوں کے مخصوص حصوں میں یا ہندوستان میں جن کو زمینداریاں کہا جاتا ہے ان پر لاگو ہونا چاہئے۔ جب یہ اصول احناف میں لاگو ہوا اس وقت ہم عصر ریکارڈ سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اس وقت وہاں بڑی زمینداریاں تھیں۔ جیسی کہ ہم ہندوستان میں جانتے ہیں۔

عرب فتوحات نے فارس قدیم کے زمینداری نظام کو ختم کر دیا تھا۔ پس ساسانیوں کے تحت ایک دہقان جو زمیندار کی حیثیت رکھتا تھا، ایک کتر زمیندار یا کسان بن گیا۔ عرب حکومت کے تحت ملک کی زمین یا تو عرب آبادکاروں میں تقسیم کر دی گئی یا قدیم مالکان کے قبضے میں اس نوعیت سے رہی کہ وہ نئی حکومت کو تباہ کرنے کے لیے کوئی متحدہ گروہ نہ بنالیں۔ فقہ حنفی کے آغاز میں سوسائٹی کی معاشی حالت ایسی ہی ظاہر ہوتی ہے۔ یہی وہ وقت تھا کہ متقدمین حنفانے عروج حاصل کیا۔ عوام کی خوشحالی کے وسائل خاص کر بھیروں اور بکریوں کی عام تجارت، وسیع گلوں کی تجارت اور کشت زار کے قطعات تھے۔ ابتدا میں اصول مشع کا بڑی زمیندار یوں پر اس طرح اطلاق مقصود نہ تھا جیسا کہ بعد میں ہوا۔

عابد النساء بنام امیر النساء

پریوی کونسل کی جوڈیشل کمیٹی نے بمقدمہ عابد النساء بنام امیر النساء اس مسئلہ پر اظہار خیال کیا ہے کہ آیا کسی بہہ کی ناجوازی بر بنائے مشع ان حصص زمینداری پر اعتراض ناند ہوتا ہے جو کہ علیحدہ خود مال گزاری ادا کرتی ہیں۔

عدالت عالیہ میں ایسے بہہ جات کے جواز کے بارہ میں اس بنا پر اعتراض قانونی کیا گیا تھا کہ مشع یا کسی جائیداد کا غیر تقسیم شدہ حصہ جو قابل تقسیم ہے، بروئے شرع ناجائز ہے۔

عدالت عالیہ میں پہلی بار یہ مسئلہ پیش ہوا اور اس پر بحث کی گئی۔ حسب شرع بہہ سے متعلق جو بھی قانون ہے ظاہر ہے۔

بدایہ میں اس اصول کی دو وجہیں بتائی گئی ہیں۔

اولاً ہبہ کی صورتوں میں قبضہ کی شرط ضروری ہے۔ چونکہ قابل تقسیم شے میں ایک غیر معین حصے پر قبضہ ناقابل عمل ہے، اس شرط کی تکمیل نہیں ہو سکتی۔

ثانیاً۔ واہب پر ایسے تقاسمہ کی ذمہ داری عائد ہو کہ جس کے لیے دو تیار نہیں ہے۔ فقہانے ان غیر تقسیم شدہ اشیاء کی مثالیں دی ہیں جو کہ ہبہ میں نہیں دی جاسکتیں جیسے کہ درخت سے بلا توڑے ہوئے پھل، آراضی سے ڈرونہ کی ہوئی فصل۔ اس نوعیت کی اشیاء کے بارہ میں ظاہر ہے کہ ان پر غیر تقسیم شدہ صورت میں قبضہ نہیں دیا جاسکتا جس سے واہب اور موبوب الیہ میں اختصار پیدا ہو سکتا ہے اور جس کی قانوناً اجازت نہیں ہے۔ موجودہ مقدمے میں اشیائے موبوبہ بعض زمینداروں کے معین حصوں کی صورت میں ہیں اور ان میں نوعیت حقوق واضح کی گئی ہے جو برٹش گورنمنٹ کے پبلک آفیس کے مطابق ہیں۔

عدالت عالیہ نے اس امر کی وضاحت کے بعد کہ زمینداروں میں حصص جداگانہ مال گزاری کی غرض سے معین حصے اور ان کا خسروں میں نمبر جداگانہ درج نہیں ہے اور ان میں سے ہر ایک پر گورنمنٹ کی جداگانہ مال گزاری معین تھی۔ نیز زمیندار کاشتکاروں سے معین حصہ لگان حسب استحقاق وصول کرتا رہا، یہ طے کیا کہ اصول شرع اس نوعیت کی جائیداد پر لاگو نہیں ہوتے۔

فاضل ججان کی رائے میں عدالت عالیہ کا یہ فیصلہ صحیح ہے۔ ان کے فیصلے کے مطابق وہ اصل اصول اور بنائے دلائل ان مخصوص معینہ حصص زمینداری پر لاگو نہیں ہوتے جو معینہ حاصل کی جداگانہ جائیدادیں ہیں۔

مسٹر Leith نے اس پر زور دیا ہے کہ جب آراضی غیر تقسیم شدہ ہے اور حصص مالکانہ کا تقاسمہ ہو سکتا ہے تو یہ حق قائم پر بھی جائیداد مشع ہی رہتی ہے۔ فاضل ججان کی رائے میں حصص زمینداری متعلقہ قوانین خاص (خود حصص) اور قبل تقسیم آراضی حصہ داران کی جن سے کہ وہ جداگانہ اور معینہ حاصل وصول کر کے کام میں لاتے تھے بر بنائے اصول استدلال قانون مشع کے تحت نہیں آتے۔

بمقدمہ شیخ ممتاز احمد بنام زبیدہ جان یہی اصول وضع کیا گیا تھا۔ جب کسی جائیداد بالمشع کا جو قابل تقسیم نہ ہو ہبہ کیا جائے تو ہبہ کی شرط کے مطابق اس کی مقدار ظاہر یا

معین ہونا چاہئے پس اگر کوئی شخص اپنا حصہ ہبہ میں دینا چاہے اور حصہ معین نہ ہو تو ہبہ ناجائز ہوگا اس لئے کہ حصے سے عدم واقفیت نزاعات کا سبب ہو سکتی ہے۔

بمقدمہ جعفر خان بنام حسینی بی بی

عدالت صدر نے یہ طے کیا کہ ایسی آراضی ہبہ جو کہ مشترکہ جائیداد کا جزو ہو، اس کے جواز کے لیے جداگانہ ہونا ضروری ہے۔ اور جائیداد کی وسعت اور حدود واضح ہونا چاہئیں۔ عدالت صدر کی پچھلی نظائر کے مطابق یہ ماننا پڑتا ہے کہ مشع کی بنا پر یہ عذر موثر ہے مگر قواعد کی حسب شرع تائید نہیں ہوتی۔ لیکن کلکتہ اور الہ آباد ہائی کورٹ کے تازہ فیصلوں میں اس مسئلہ میں زیادہ وسعت نظری سے کام لیا گیا ہے اور وہ جدید کتب ہائے فقہ مثل درالمختار مجمع الانہار اور درالمختار کے اصولوں سے قریب ہیں۔

بمقدمہ جیون بخش بنام امتیاز بیگم

بمقدمہ جوان بخش بنام امتیاز بیگم ایک متوفی مسلمان کی لڑکی نے اپنے باپ کی ہبہ کی ہوئی جائیداد کے خلاف جو متوفی نے اپنی حیات اپنے بڑے لڑکے (مدعا علیہ) کو ہبہ کی تھی، اپنے حصہ کے قبضہ کے بارہ میں دعویٰ دائر کیا۔ ہبہ مذکور میں جو مدعا علیہ کے باپ نے اس کے حق میں کیا تھا دوسری جائیدادوں کا ایک ثلث حصہ وچند مشترکہ اور غیر تقسیم شدہ دیہات کی زمینداری بھی شامل تھی۔ بحیثیت قابض حصص مدعا علیہ کا باپ منافع دیہات سے گورنمنٹ کی مال گزاری و خرچہ دیہات و مصارف وصول یا بی مال گزاری ادا کرنے کے بعد ایک ثلث کا مستحق تھا۔

مدعیہ کا استدلال تھا کہ بر بنائے مشع ان حصص کا ہبہ ناجائز تھا۔ عدالت عالیہ نے یہ طے کیا کہ جائیداد زمینداری میں حصے متعین اور ہبہ کی حقیقت زمینداری معین ہے جس کی جداگانہ حقیقت ہے اس لئے یہ عذر ناقابل التفات ہے۔

قاسم حسین ودیگراں بنام شریف النسا

بمقدمہ قاسم حسین ودیگر بنام شریف انسا جس میں کہ ایک شخص نے دو موہوب الیہم کے نام ہبہ کیا تھا، ہبہ نامہ درج ذیل الفاظ میں تھا منکہ۔۔۔ بذریعہ ہذا اعلان کرتی ہوں کہ معافی کا ۱۲/۱ حصہ اور مکان سکونتی کی پشت پر مشمولہ ایک کمرہ شمال مشرق رویہ

جس کے سانسے پانچ گز آراضی ہے دو دالان شرق رو یہ، ایک دروازہ، ایک جائے حوانج ضرور یہ، ایک صحن اور ایک زینہ میری جائیداد موروثہ ہیں اور بر بنائے تقاسم میرے قبضے میں ہیں۔ پس میں نے قاسم حسین اور ناظم حسین مدعی علیہم کو مذکورہ بالا جائیداد مع درو بست متوق اسلی داخلی خورد و کماں اور اس کے متعلقات کا قطعی مالک بنایا ہے۔ جائیداد مذکور کسی دیگر شخص کے حق سے بری ہے اور نہ اس پر کوئی رہن نہ بار کفالت ہے اور نہ یہ بیع اور رہن ہے اور انتقال جائز کے سلسلہ میں کوئی امر مانع نہیں۔ جائیداد مذکور پر میرا بلا شرکت غیرے قبضہ ہے۔ اس پر میں نے مالکانہ قبضہ دے دیا ہے۔ اب میرا اور میرے ورثہ کا اس پر کوئی حق و مفاد نہیں ہے۔ پس اپنے بجائے میں نے قاسم حسین اور ناظم حسین کو درج ذیل شرائط پر اپنا قائم مقام مقرر کیا ہے۔ شرائط یہ ہیں کہ میری حین حیات جائیداد بغرض عمرانی میرے قبضے میں رہے گی۔ اور میری وفات کے بعد دونوں اس میں مساویانہ حصص کے برابر مالک قطعی ہوں گے اور اس کی آمدنی اپنے ضروری منصرف میں کام میں لائیں گے مگر کسی بھی وقت اس امر کے مجاز نہ ہوں گے کہ جائیداد کو منتقل کریں یا اس کو کفالت پر رکھیں۔ اگر وہ جائیداد مذکورہ کو کبھی بھی بلا واسطہ یا بالواسطہ منتقل کریں گے تو بروئے دستاویز ایسا انتقال عدالت میں قابل تسلیم نہ ہوگا۔

اس کے ورثہ میں سے ایک نے منسوخی دستاویز کے سلسلہ میں مقدمہ میں دو حذر کئے ہیں اول یہ کہ دستاویز وصیت نامہ تھی اور اس لیے ۲/۳ حصہ جائیداد کے متعلق بارہا مندی ورثہ جائز نہ تھی۔

دوسرے یہ کہ یہ ہبہ بر بنائے مشع جائز نہیں ہے۔ اول الذکر اعتراض کے بارہ میں فاضل بیج نے فیصلے میں لکھا ہے کہ دستاویز کا مقصد یہ ہے کہ معافی آراضیات میں واہب کا حصہ حق ملکیت میں مدعا علیہم کو منتقل کر کے مالک کر دیا جائے مگر واہب نے حین حیات خود آمدنی محفوظ کر دینی اس لئے کہ کسی مختص حصہ کا ہبہ شرعاً نہ قابل اعتراض ہے اور نہ باطل۔ اس لئے کہ واہب نے اپنے لئے منافع کو خواہ بر بنائے عدم قبضہ (جو کہ حسب شرع جائیداد پر دینا ضروری ہے) یا ایسی شرط کی بنا پر جو جس سے ہبہ فاسد اور باطل ہو جائے۔

بمقدمہ امجد علی خان بنام محمود بیگم عدالت پر یوی کو نسل نے یہ طے کیا کہ اگرچہ حق قانونی کے انتقال سے شرعاً اصول قبضہ مسئلہ کے قانونی اور اصطلاحی حیثیت سے

طے ہو جاتا ہے تاہم یہ تھا اس امر کے لیے کافی نہیں ہے جب تک کہ حال یا مستقبل میں انتفاع ملکیت منتقل کرنے کی نیت نہ ہو۔ جب کوئی واہب حسب شرع حین حیات خود جائیداد کو واقعی منتقل کر دے اور نہ عین جائیداد اور نہ کسی حصہ پر اپنا قبضہ رکھے بلکہ محض اپنی حین حیات متواتر مسلسل آمدنی پر اپنا حق رکھے تو حسب شرع یہ مکمل ہبہ ہوگا۔

فاضل ججان نے لکھا ہے کہ ”ہدایہ کے متن سے ظاہر ہے کہ مسئلہ مذکورہ پر غور ہو کر نفی میں طے کیا گیا ہے۔ واپس کی جانے والی شے وہ نہیں ہے بلکہ اس سے مختلف ہے“ (ملاحظہ ہو ابواب ہبہ جلد نمبر ۶ کتاب نمبر ۳۰ صفحہ نمبر ۲۹۴)۔ اس عذر کے بارہ میں کہ جائیداد ہبہ کے منافع میں شامل ہونے سے ہبہ ناجائز ہو جاتا ہے یہ طے کیا گیا کہ واہب شے موہوبہ یعنی تمام غیر تقسیم شدہ شے سے منافع اندوز نہیں ہوتا بلکہ وہ دوسری شے سے مستفید ہوتا ہے اس لئے کہ ہبہ اصل شے یعنی عین کا ہے نہ کہ اس کے منافع کا۔

اس صورت میں مقدمہ ہذا میں شے موہوبہ گورنمنٹ پرامیزری نوٹ تھے جن کا منافع واہب نے اپنے لئے خود مخصوص کر لیا تھا۔ اور فاضل ججان نے لکھا ہے کہ اگر باپ کی حین حیات منافع کو کام میں لانے کا معاہدہ شرط متبائن قرار دیا جائے تو یہ صورت تمام شے موہوبہ سے مستفید ہونے کے بھی منافی ہوگی۔ اس لئے حسب شرع ہبہ ناجائز نہیں ہے البتہ شرط ناجائز ہے (ملاحظہ ہو ہدایہ باب ہبہ جلد نمبر ۳ کتاب نمبر ۳۰ صفحہ نمبر ۳۶۵)۔ محض زمینداری میں منافع مخصوص کر لینے سے ہبہ باطل نہیں ہوتا۔ دوسرے عذر کے استدلال کے بارہ میں سب حج نے لکھا ہے کہ فیصلہ غلط ہے۔ دستاویز میں انتقال پر پابندی لگائی گئی ہے لیکن اس سے مرافعہ گزار کا زینہ۔ دروازہ اور جائے ضرور کے قبضہ کے متعلق عذر جائز ہے۔ چونکہ مذکورہ بالا حصہ کا تقاسمہ ناقابل تقسیم ہے اس لئے اس حصہ کا ہبہ ناجائز ہے۔

عذر ثانی کے سلسلہ میں فاضل حج نے استدلال ہوئے لکھا ہے کہ مرافعہ گزار کا عذر زینہ، دروازہ و جائے ضرور کے بارہ میں صحیح ہے۔ جائیداد ہبہ کا یہ حصہ خارج کیا جاتا ہے اس لئے کہ مندرجہ بالا اشیاء ناقابل تقسیم ہیں۔ موضوع مذکور پر ہدایہ کتاب (۳) پارہ (۱) میں یہ درج ہے کہ کسی شے کے جز کا قابل، تقسیم حصہ، تا وقتیکہ مشع مذکور تقسیم نہ کر کے واہب کی جائیداد سے علیحدہ نہ کر دیا جائے جائز نہیں ہے۔ لیکن ناقابل تقسیم حصہ

کا بہ جائز ہے۔ اشیاء محولہ بالا اس حصہ غنارت میں رہنے والوں میں مشترک ہیں جو کہ دوسری صورتوں میں منقسم شدہ نہیں اور اب ناقابل تقسیم ہیں چونکہ واہب نے اپنا تمام مفاد موہوب الیہم کو منتقل کر دیا۔ پس ایسی صورت میں بہہ ناجائز نہیں ہے۔ مکان کے متعلق بہہ کو موثر سمجھنا مجہول ہو گا اور آمد و رفت کے تمام ذرائع کو روکنا بقدر مجہول ہو گا۔

اصول مشاع میں الجعمن

اصول مشاع (انتشار) کے سلسلہ میں بمقدمہ ملک عبدالغفور بنام مسماۃ مالکہ فاضل چیف جسٹس نے مرافعہ گزار کی بحث میں اس عذر پر کہ بہہ بر بنا شرع غلط تھا اظہار خیال کرتے ہوئے لکھا ہے ”ہمارے سامنے یہ بحث کی گئی ہے کہ واہب کی جانب سے کسی غیر منقسم جائیداد کا بہہ ناجائز ہے۔ ہر دو موہوب الیہم کے حق میں بہہ میں بلا ان کے حصص کی علیحدہ تقسیم کے ناقص ہے اور یہ موہوب الیہم میں انتشار کی وجہ سے ہے۔“

لیکن یہ ذہن نشین رکھنا چاہئے کہ یہ اصول صرف ان اشیاء موہوبہ پر لاگو ہوتا ہے جو کہ قابل تقسیم ہیں (ملاحظہ ہو ہدایہ جلد ۳ صفحہ ۲۱۳)

مندرجہ اصول کا منشا یہ ہے کہ ایسی شے کا بہہ جب تک کہ جائیداد علیحدہ یا تقسیم نہ ہو، جائز نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو (بیلی مسلم لا دوسر ایڈیشن صفحہ نمبر ۷۲۰ فتاویٰ عالمگیری کتاب بہہ صفحہ نمبر ۵۲۱ میک فائدہ مسلم لا صفحہ نمبر ۲۰) یہ اصول صرف ان جائیدادوں پر جو قابل تقسیم ہیں، لاگو ہوتا ہے۔ حالانکہ مفاد عودی یا حق مالکانہ یا دوسرے حق مالک قابل تقسیم نہیں ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس اصول کی اصل وجہ کہ جو محض بہہ جات پر ہو لاگو ہوتی ہے نہ کہ بیعات پر، یہ ہے کہ کسی شخص کے ورثا کے ان حقوق کے حفاظت کی جائے جو بہہ کی وجہ سے کالعدم ہو جاتے ہیں۔ ہمارے سامنے کچھ ایسی اسناد فقہ کا حوالہ دیا گیا ہے جو بظاہر ان اصول کی تائید میں ہیں۔ اس اصول کے متعلق غالباً دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ قرض خواہوں کی فریبانہ بہہ جات سے حفاظت کی جائے۔ کسی بہہ کی سچائی کی جانچ کا معیار یہ ہے کہ آیا شے موہوبہ موہوب الیہ کو منتقل ہو گئی ہے۔

ہمارے سامنے مزید استدلال کیا گیا ہے کہ مشع کے قانون کے مطابق معاملہ ہذا میں جو بہہ مدنا علیہم کو کیا گیا تھا وہ کلیتاً باطل ہے۔ اس لئے کہ بہہ آراضیات کا ہے اور

ان آراضیات کا تقاسمہ نہیں ہوا تھا اگر اس ہبہ کو ان جائیداد ہائے زمینداری کے لیے جو پٹہ پردی گئی تھیں جائز بھی سمجھ لیا جائے تو چونکہ یہ پٹہ میں نہیں دکھائی گئی ہیں اس لئے مکان باغات کے تعلق سے حالانکہ یہ قابل تقاسمہ تھے، ہبہ ناجائز تھا۔

نظام الدین بنام زبیدہ بی بی

معاملہ ہذا میں ایک شخص قادر بخش نے اپنی جائیداد کا ۱/۴ حصہ سب سے بڑے لڑکے کے نام ہبہ بالوصیت اس شرط کے ساتھ کیا کہ وہ حصہ جائیداد واقع دریائے راوی جانب شمال (مشمولہ آراضیات لیکہراج) موصلی کے انتقال کے بعد ظہیر الدین کو منتقل ہو جائے گی لیکن دریا کے جانب جنوب واقع آراضی موصلی کے سب سے چھوٹے بیٹے امان اللہ کو منتقل ہوئیں۔ تاکہ وہ ہر دو حصوں کی مال گزاری کی وصولیابی اور ادائیگی کر سکے۔ اس کا وہ حساب نہ دے گا اور جب تک کہ ظہیر الدین کے پسر مجاز پیدا نہ ہو یہ کارروائی کرتا رہے گا۔ اس کی وجہ یہ بتائی گئی کہ ظہیر الدین ان زمینوں کا جن کا محصول دینا پڑتا ہے، نگرانی کا اہل تھا۔ ظہیر الدین اور امان اللہ نے اپنے والد کے انتقال کے بعد مندرجہ بالا آراضی کو اپنے قبضے میں رکھا اور موصلی کی آراضی کے متعلق عمل کرتے رہے۔ یکم ستمبر ۱۸۶۳ کو ظہیر الدین نے اپنی جائیداد موہوبہ میں سے ۱/۵ حصہ کا ہبہ نامہ اپنے دو لڑکوں نظام الدین اور صدر الدین نابالغان کے حق میں تحریر کیا لیکن اس ہبہ نامہ میں دونوں بھائی حصص جائیداد کو کس طرح علی الترتیب تصرف میں لائیں یا تقسیم کریں اس کا ذکر نہیں تھا۔ ہبہ نامہ رجسٹری ہو گیا اور سال رواں میں دریائے راوی کے جانب شمال آراضیات کا داخل خارج ہو گیا۔ ۱۸۱۱ میں ظہیر الدین کا انتقال ہو گیا اور اس کے پس ماندگان میں کئی لڑکیاں اور ایک نابالغ لڑکا (نظام الدین و صدر الدین کے حق میں ہبہ نامہ تحریر کرنے کے بعد پیدا ہوا تھا) چھوڑے۔ دریائے راوی کی جنوب کی آراضی امان اللہ اور اس کے قبضے میں رہی جس کے منافع کا کوئی حساب انہوں نے ظہیر الدین کو نہیں دیا اور ۱۸۷۱ تک موہوبہ لیبم قبضہ نہ پاسکے۔ دریائے راوی کے کنارے جانب شمال آراضی پر جیسا کہ ظاہر ہے موہوبہ لیبم نے فوراً قبضہ حاصل کر لیا تھا۔ ظہیر الدین کی لڑکیوں میں سے ایک زبیدہ بی بی نے اپنے باپ کی متروکہ جائیداد سے، وصولیابی حصہ کا دعویٰ

کیا جس پر وہ بر بنائے اخفائے بیہ نامہ مستحق تھی۔

عدالت ابتدائی نے دستاویز کو اس لئے جائز قرار دیا کہ شے موہوبہ واضح اور معین تھی۔ عدالت ماتحت اپیل نے ڈگری کو منسوخ کر دیا۔ رقم واصلات ڈمکن مدعی کے تعین کے لیے مقدمہ واپس کر دیا۔ یہ بھی طے کیا کہ شرعاً بیہ نامہ جائز تھا۔ اس لئے کہ بیہ موہوبہ الہیم۔ علی الترتیب منسب منسب کے تقاضے کے مطابق کیا گیا تھا۔ چونکہ موہوبہ الہی نے واہب کے انتقال کے بعد حصہ جائیداد واقع جانب جنوب دریائے راوی پر قبضہ نہیں کیا تھا، عدالت نے واضح طور پر یہ طے نہیں کیا کہ آیا جائیداد واقع جانب شمال دریائے مذکور کا بیہ نامہ فوراً موثر ہو گیا۔ نیز یہ بھی طے کیا گیا کہ واہب سفیہ یا سادہ لوت تھا اگرچہ اس کے باپ نے آراضیات قابل ادا کی مال گزاری کی نگرانی کی اس کو اجازت نہیں دی تھی تاہم ایسا خیال کرنے کے لیے کوئی معقول وجوہات نہیں ہیں۔ مرافعہ خاص میں نذرات یہ تھے کہ بیہ نامہ حسب شرع ناجائز تھا اس لئے کہ آراضیات جنوب راوی پر واہب قبضہ دے سکتا تھا مگر وہ موہوبہ الہیم نے حاصل کر لیا تھا اور آراضیات جانب شمال پر واقعی قبضہ لے لیا تھا۔ خواہ ایک غیر تقسیم شدہ جائیداد کا بیہ خلاف قانون تھا لیکن چونکہ موہوبہ الہیم قبضہ حاصل کر چکے تھے اس لئے ناجائز نہ تھا۔

عدالت العالیہ نے فیصلہ میں لکھا "مقدمہ ہذا میں مدعیہ کا مطالبہ اپنے باپ ظہیر الدین کی متروکہ جائیداد میں ورثہ کی بنا پر ہے۔" متوفی کے بیہ نامہ کی بنا پر مدعیہ نے بیہ نامے پر اس لئے اعتراض کیا ہے کہ متوفی کمزور فرضی تھا اس لئے ۱۸۶۰ء میں بیہ نامہ اپنے لڑکوں کے حق میں تحریر کیا۔ تاریخ مذکور کے بعد ایک دوسرا لڑکا پیدا ہوا اس طرح دستاویز کا منشا یہ تھا کہ اس کا چھوٹا بیٹا اور کئی بیٹیاں بوجہ ظاہر حق سے محروم ہو جائیں۔ عدالت ابتدائی میں دستاویز کو جائز قرار دیتے ہوئے دعویٰ خارج کر دیا گیا عدالت ماتحت اپیل نے دستاویز بیہ کو تین وجوہات سے ناجائز قرار دیا۔

(۱) جائیداد شے موہوبہ جو کہ قابل تقسیم تھی ہر دو موہوبہ الہیم میں تقسیم

نہیں کی گئی۔

(۲) اس جزو جائیداد کی حد تک جو بوقت تحریر دستاویز واہب کے قبضہ میں

نہیں تھا، بیہ ناجائز ہے۔

(۳) اور اس طرح جائیداد اپنے لڑکوں کو منتقل نہیں کر سکتا تھا چونکہ جائیداد کا دوسرا حصہ اس وقت مسلمہ طور پر اس کے قبضہ میں تھا۔ عدالت ہائے ماتحت نے (جو ان کا فرض تھا) اس بارہ میں غور نہیں کیا اور فیصلہ دیا کہ ظہیر الدین کے انتقال سے قبل دستاویز موثر ہو گئی تھی۔ اگر دریائے راوی کے جانب شمال متعلقہ آراضی پر یہ دستاویز فوراً ہی موثر ہو گئی۔ اور عدالت ماتحت کا بھی رجحان ہے جس کی معقول شہادت بادی النظر سے بھی تائید ہوتی ہے۔ ایسی صورت میں یہ قرار نہیں دیا جاسکتا کہ جائیداد واقع جانب جنوب دریائے مذکورہ کے متعلق دستاویز موثر نہیں ہوئی۔ جائیداد کا موخر الذکر حصہ اس کی نگرانی میں تھا اور وہ اس کے منافعوں سے ہر دو حصص پر تمام معینہ مالگزار کی ادا کرنے کا پابند تھا۔ شخص یا اشخاص جو حصہ جانب شمال پر قابض تھے مشکل سے نہ بلا قبضہ سمجھے جاسکتے ہیں اور نہ یہ خیال کیا جاسکتا ہے کہ انہوں نے دوسرے حصے سے (جس پر اس کے یا ان کے ذمہ مال گزاری واجب ہو سکتی تھی) کوئی منافع حاصل نہیں کیا۔ بہر حال تمام صورتوں میں واہب نے حصہ جنوب پر جس قدر کہ اس کے پاس تھا اور وہ منتقل کر سکتا تھا قبضہ دیدیا۔ اگرچہ عدالت کے قبضے کے وجوہات نمبر ۲ و نمبر ۳ کی صحت مشتبہ ہے تاہم یہ کہنے کے لیے ہم تیار نہیں ہیں کہ وہ حصہ غلط ہے۔

عام اصول شرع یہ ہے کہ ہر وہ شے جو قابل تقسیم ہے بوقت ہبہ یا اس کے فوراً بعد ہر دو شخص کو تقسیم کر دیا جائے مگر یہ تقسیم قبضہ دہانی سے قبل ہونا چاہئے تاکہ قدر انتشار کو رد کرتے ہوئے پورا پورا اور مکمل قبضہ حاصل کیا جائے۔ مرافعہ گزار کی جانب سے یہ بھی بحث کی گئی ہے کہ غیر منقسم جائیداد کا ہبہ خلاف قانون ہے مگر ایسا نہیں ہے بشرطیکہ موہوب الہیم نے اس پر قبضہ حاصل کر لیا ہو یہ کلیتاً ناجائز ہے۔ اس کی تائید صاحبین کے قول سے ہوتی ہے اگرچہ یہ امام اعظم کی رائے کے برعکس ہے لیکن درالختار کے اور فتاوائے عالمگیری کی ایک عبارت سے (مثل موجود کے) خاص صورت میں جب کہ ہر دو موہوب الہیم میں سے ایک بالغ اور دوسرا صغیر سن ہے، ایک غیر تقسیم شدہ جائیداد کا قبضہ نہ صرف قطعاً ناجائز و فاسد بلکہ باطل ہے۔ اس اصول کی علت یوں بتائی گئی ہے اور اگرچہ کسی خاص طریقہ جیسا کہ بتایا گیا اس سے بچا جاسکتا ہے اور جو واضح طور پر قطعاً قابل فہم نہیں کہ مقدمہ ہذا میں دستاویز متنازعہ کے متعلق فریقین نے کوئی ایسا عذر

اختیار کیا پس ہدالت ماتحت کے اخذ کردہ نتائج کی کثرت اسناد سے تائید ہوتی ہے اور اس نتیجہ (ماخوذ) کو بر بنائے شرع برقرار رکھا جاتا ہے۔ اگر اس کے برعکس ہوتا تو اس پر غور کرنا ہمارا فرض تھا کہ آیا ہم مقدمہ ہذا میں اصول شرع کو سختی سے منطبق کرنے کے پابند ہیں یا انصاف کے اصولوں پر نیک نیتی کے ساتھ غور کر کے فیصلہ دیں۔ اس سلسلے میں مزید بحث میں جائے بغیر یہ بتاتے ہوئے ہم مطمئن ہیں کہ دستاویز حسب شرع ناجائز تھی۔ اور حالات عقد کردہ کی بنا پر بھی یہ دستاویز قائم نہیں رہتی۔ ابھی بارہ سال نہیں گزرے کہ جب دستاویز تحریر ہوئی اور ظہیر الدین کے ورثا اگر وہ حیات ہوتے تو اس کو منسوخ کر سکتے تھے کہ وہ اس کے پابند نہیں ہیں اور ورثا ظہیر الدین پوری طرح اس کے جواز کی تردید کے مستحق ہیں۔ یہ ذرا مشکل ہے کہ فیصلے کی وجہ آخر کے استدلال سے اتفاق کیا جائے۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ وہ اصول جن پر قدیم حنفی اصولوں کی بنیاد ہے وہ بڑی حد تک نظر انداز ہو گئے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اس اصول کی ابتدا جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ فقہائے حنفی کے مشترکہ غیر تقسیم شدہ جائیداد کے استعمال کے اندیشہ کی بنا پر بھی ایسے بیہ کی بابت دو موہوب الیہم کے حق میں ان میں سے ایک بالغ اور دوسرا نابالغ جو واہب کی سرپرستی میں نہ ہو، صاحبین میں کوئی اختلاف نہیں ہے اس لئے کہ ایسی صورت میں نابالغ موہوب الیہ حصے پر حق قبضہ علاوہ واہب کے دوسرے وارث پر منتقل ہوتا ہے اور ابو یوسف اور محمد کے مطابق انتشار پیدا نہیں ہوتا یہ صورت تو اس وقت پیدا ہوتی ہے جب نابالغ موہوب الیہ خود واہب کی نگرانی یا سرپرستی میں ہو۔

نابالغ اور بالغ کو مشترکہ بیہ

تمثیلاً جب کوئی بیہ مشترکہ ایک بالغ اور دوسرے نابالغ لڑکے کے حق میں کیا جائے تو واہب بحیثیت سرپرست نابالغ لڑکے کے حصے پر قابض رہے گا اور پسر بالغ اپنے حصے پر قابض ہو جائے گا مگر ان حالات میں ہر دو موہوب الیہم کی جائیداد کے استفادہ سے متعلق نہ صرف ان میں انتشار پیدا ہو گا بلکہ واہب اور ان کے انتشار اور مشکل میں بھی اضافہ ہو جائے گا۔ اگر واہب (والد) کے قرض خواہ ہوں اور وہ عذر آور ہوں کہ یہ بیہ بر بنائے فریب ان کے مفاد کے خلاف کیا گیا ہے تو اس نظریہ پر غور کرنے کے بعد

معلوم ہوتا ہے کہ غالباً یہ اصول ابتدا اس لئے وضع کیا گیا تھا کہ قرض خواہوں کی حفاظت ہو سکے اور واہب یا اس کے نمائندوں کی جانب سے تکمیل دستاویز کے بارہ میں تمام اعتراضات کی تردید ہو سکے موہوب الیہ مثل عطیہ یا محض "ہبہ" کی بنا پر جائیداد حاصل کرتا ہے تو شے موہوبہ پر اس کا حق خود بخود مکمل نہیں ہوتا تا وقتیکہ واہب نے اس کو جائیداد تفویض نہ کر دی ہو۔ واہب کی نیت اس سے ظاہر ہے کہ شے موہوبہ پر اس کو قبضہ دے یا قبضہ حاصل کرنے کا اسے مجاز کر دے اور اس طرح شے موہوبہ کا دوسری جائیدادوں میں یا وہ جائیدادیں جو حصے داران کے قبضہ میں ہیں، انتشار کی کوئی گنجائش نہیں رہتی اگر ایسا نہ کیا جائے تو قبضہ الکا مل نہیں ہوتا اور محض عطیہ کا آغاز ہے۔ ہبہ کی بھی بظاہر یہی دلیل تھی جس پر دور اول کے فقہاء کی رائے منحصر ہے۔

بالغ اور نابالغ کے حق میں ہبہ جائز کا طریقہ

اس مسئلہ پر حنفی اصولوں میں دو ترمیمیں ہوئی ہیں۔ چودھویں صدی عیسوی کے آغاز سے ہی اس اصول کی اہمیت کو تسلیم کر لیا گیا ہے۔ اس وقت بزازیہ کی تالیف ہوئی تھی اور انتشار کے بارہ میں دفع اعتراض ایک ضابطہ بنا لیا گیا تھا یعنی تمام جائیداد بالغ کو تفویض کر دینی چاہئے اور پھر دونوں کے حق میں اس کا ہبہ کر دینا چاہئے۔ ایسی حالت میں بالغ موہوب الیہ نابالغ کا متولی بن جائے گا اور اس کو بطور امن پہلے ہی اس کو قبضہ تفویض کر دیا گیا ہو تو ایسا ہبہ نابالغ کے ہبہ کے متعلق شیوع کا عذر دار نہیں ہوتا۔

ماہرین قانون کی رائے میں اس پر مزید اضافہ ہوا ہے اور سترہویں صدی میں جبکہ ردالمحتار تالیف ہوئی یہ واضح طور پر ظاہر ہوا کہ دو بالغان یا دو نابالغان یا مشترکہ طور پر ایک بالغ اور ایک نابالغ کے حق میں ہبہ میں کوئی فرق نہیں ہے۔

پس اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابتدا سے ہی ایک نابالغ یا بالغ کے حق میں مشترکہ ہبہ میں فی نفسہ کوئی قانونی سقم نہیں تھا۔ اصل اعتراض نزاعات باہمی کو دور کرنے کی غرض سے تھا لیکن اگر دونوں کے مفادات کی کافی طور پر وضاحت کر دی گئی ہو اور انتشار کا کوئی اندیشہ نہ ہو تو شیوع کے خلاف یہ اصول لاگو نہیں ہوتا۔

اس امر پر غور کرتے ہوئے کہ ہندوستان میں غیر منقولہ جائیداد کے انتقال کے سلسلہ میں رجسٹری و داخلی بیع کے بارہ میں قانونی تکمیل و دیگر شرائط ضابطہ جن سے فی الواقع انتقال جائیداد مقصود ہو جائیداد کے حق میں استعمال کے متعلق کسی بھی نزاع

کے اندیشوں کے خلاف کافی ضمانت ہیں۔ ایسی صورت میں قدیم قانون کی کوئی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ نذر شیوع سے بہہ شخص ناجائز ہوتا ہے لیکن باطل نہیں ہوتا ایسے بہہ میں جو باطل ہو مگر فاسد یا غیر مکمل نہ ہو شخص ناجائز ہو کافی فرق ہے۔

بزازیہ کے مطابق ایک ناجائز بہہ قبضہ سے جائز ہو جاتا ہے۔ عمادیہ میں اگرچہ یہ اصول درج نہیں ہے مگر اس اصول کے مطابق کئی فیصلے صادر ہوئے ہیں۔

حق بذالتیاس اگر دو افراد کے حق میں بہہ کیا گیا ہو اور دونوں قبضہ حاصل کر لیں تو ایسے بہہ کی ناجوازی دور ہو جاتی ہے۔ ایسے مشع کا بہہ جو کہ قابل تقسیم ہیں اور موہوب الیہم حصہ کے بعد تقسیم کرتے ہیں تو یہ بہہ جائز ہے۔

ایک مکان کا نصف بہہ (جو بصورت دیگر مشع کی غرض سے ناجائز ہوتا ہے) حسب بزازیہ اس طرح جائز طور پر موثر ہو سکتا ہے یعنی۔

اولاً واجب ایک مقرر قیمت پر بیع کرے اور اس کے بعد مقروض (خریدار) کو قرضہ (قیمت مکان) چھوڑ دے۔

جیسا کہ پہلے بتایا گیا ہے کہ کسی بہہ کی ناجوازی کے لیے بوقت بہہ شیوع یا انتشار کا ہونا ضروری ہے مگر بعد میں وہ حائل نہ ہونا چاہئے اور قانوناً اس کی نوعیت تسلیم کی گئی ہو۔ غیر متعین کا انتخابی نذر موہوب یا موہوب الیہم کو جائیداد پر حصول قبضے کے اختیار سے روک دیتا ہے۔ اور اس طرح فعل بہہ کے لیے وہ جواز مل جاتا ہے جس کی ابتدا میں ضرورت تھی۔ عرب فقہانے ایسے انقلابی حالات میں پیدا ہونے والی مشکل کے ازالے کے لیے تحلیلی کا اصول تجویز کیا ہے جس کے لفظی معنی قانوناً جائز بنانا ہیں۔ محولہ مسئلہ کا مقصد واجب کی جانب سے ایسی توثیح قانونی ہے جس سے کہ موہوب الیہ شے موہوبہ کو اپنے تصرف میں لاسکے اور اس طرح اس کو بہہ جائز بنائے۔ درج ذیل تمثیلوں سے قانون متعلق بہہ پر کافی روشنی پڑی ہے۔

اصول تحلیلی

اگر کوئی شخص دوسرے سے کہے ”جو کچھ میرا سامان کھائے وہ تیرے لئے جائز ہے“ تو اس میں کھانا اس شخص کو جائز ہوگا۔ مگر بصورت نزاع ایسا نہ کرنا چاہئے ملقبہ میں ایسا ہی درج ہے۔ اگر کوئی دوسرے سے کہے کہ جس کسی نے میرا مال کھایا ہے اس کے لیے جائز ہے تو ایسا حسب فتویٰ جائز ہے ایسا ہی سراجیہ میں درج ہے۔

ابن فضائل نے ایک حدیث کے حوالہ سے بتایا ہے کہ ہر شخص کے لیے خواہ وہ غریب ہو یا امیر کسی درخت کا پھل کھانا جائز ہے۔ جب کہ درخت کا مالک یہ کہے کہ میرے درخت کے پھل کھانا تمام شخصوں کے لیے جائز ہے۔ ایسا ہی کتاب فتاویٰ غیاثیہ میں درج ہے۔

اگر کوئی شخص کسی دوسرے سے یہ کہے کہ میرے خلاف جو حقوق تمہیں حاصل ہیں ان کو میرے لئے جائز کر دو اور وہ ایسا ہی کرے اور کہنے والے کو سبکدوش کر دے ایسی صورت میں اگر مالک اپنے حقوق سے واقف ہے تو حقوق سے سبکدوشی چاہنے والا قانوناً نیک نیتی کی بنا پر سبکدوش ہو جائے گا لیکن اگر صاحب الحق اپنے حقوق سے واقف نہیں تھا تو وہ صرف قانوناً سبکدوش ہو گا مگر ابو یوسف کا یہ قول ہے کہ وہ نیک نیتانہ طریقہ پر بیباق ہو گا اور فتاویٰ اسی کی تائید میں ہیں۔ یہی خلاصہ میں درج ہے۔

اگر کسی شخص کے مملوک کوئی شے دوسرے کے قبضے میں ہو اور وہ اس کو اپنے مال میں اس یقین کے ساتھ ملائے کہ شخص اول دوسرے کی چیزوں میں سے شناخت نہیں کر پائے گا۔ اگر پہلے والا مالک وہ چیز بھی اس کے لیے قانوناً جائز کر دے تو یہ جائز ہے اگر بعد میں یہ چیز اسے مل جائے تو اس کو لوٹا دینا چاہئے کیونکہ کتاب میں ایسا ہی ہے۔ اگر کوئی شخص کسی دوسرے سے کہے کہ میرے سامان میں سے جو بھی تجھے مل جائے اور جو بھی تجھے پسند ہے تیرے لئے جائز ہے ابو یوسف کے قول کے مطابق یہ صرف درہم و دینار تک ہی ٹھیک ہے مگر یہ جائز نہ ہو گا کہ وہ آراضیات درخت یا بادام یا گائے بکری بھی لے لے۔ ایسا ہی بخیر یہ اور خلاصہ میں درج ہے۔

اگر کوئی شخص یہ اعلان کرے کہ اس نے اپنا مال دوسرے کے لیے کھانا جائز کر دیا ہے اور موخر الذکر کو اس اعلان کا علم نہ ہو اور وہ اس میں سے کھالے تو یہ جائز ہو گا اور محیط، سرخسی اور دارقطنی میں یہ درج ہے کہ اس کا ایسا کھانا جائز نہیں ہے تا وقتیکہ اجازت کا اسے علم نہ ہو۔

اگر ایک شخص کسی دوسرے کا مقروض ہے اور قرض خواہ کو اپنے رقم قرضے کا علم نہ ہو اور مقروض سے یہ کہے کہ اس قرضہ سے جو تمہیں دینا ہے، بیباک کر دو اور وہ جو ابنا کہے کہ میں نے تمہیں دونوں جہانوں میں بیباق کر دیا۔ اس سلسلے میں فقیہ ناصر کا یہ کہنا ہے کہ مقروض صرف اسی حد تک رقم قرضے سے بیباق ہو گا جو کہ قرض خواہ کے تعین میں

ہے مگر محمد ابن سلیمان کی رائے ہے کہ مقررہ شخص اپنے پورے قرضے سے جہاں ہو جائے گا۔ ابو یوسف اور دوسرے فقہاء کی رائے ہے کہ جو کچھ ابن سلیمان نے کہا ہے وہ قاضی کا فتویٰ ہے اور جو کچھ ناسر نے کہا ہے وہ آخرت کے لیے ہے۔ ایسا ہی ذخیرہ میں درج ہے۔

اگر کوئی شخص کسی دوسرے سے کہے کہ جو کچھ مال کھایا ہے یا لیا ہے وہ تیرے لئے جائز ہے ایسے حالات میں کھانا تو جائز ہے لیکن لینا اور دینا جائز نہیں ہے اس لئے کہ سرانج الوہاب میں ایسا ہی درج ہے مگر وکیل کے لیے جائز نہ ہوگا کہ وہ تکمیل میں ہی ۱۰۰ یا ۵۰ درہم لے بلکہ صرف اتنا ہی لے جو کہ اس کے بسر اوقات کے لیے مناسب اور ضروری ہو۔ ملاحظہ کا یہی قول ہے۔

یہ بھی قابل غور ہے کہ مشع کا اصطلاحی اصول قانون متعلق قبضہ کے مبالغہ آمیز تصور اور جائیداد بلا دخل پر تصرف کی وجہ سے ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ایسی جائیداد جو بر بنائے حق وراثت منتقل ہوتی ہو، اس مشع پر لاگو نہیں ہوتا اور اسی بنا پر یہ مذکورہ مقدمہ ابراہیم غلام خارف بنام ساہیو جوڈیشل کمیٹی کے سامنے اٹھایا گیا تھا اس مقدمہ میں فاضل بنجان نے لکھا ہے: ”یہ قرار دیتے ہوئے بھی کہ قانون مشع منقسمہ جائیداد کے غیر تقسیم شدہ حصوں کے بہہ میں مانع ہے تاہم یہ رکنوں کے سکونت پذیر مسلمانوں کے حق وراثت پر لاگو ہوتا ہے۔ قانون مشع قابل توریث آرائی کے غیر تقسیم شدہ حصوں اور کمپنیوں کے حصص پر بطور بہہ بالوصیت لاگو نہیں ہوتا۔“

مقدمہ ہذا میں محولہ نظریہ کے پیش نظر یہ بتانا ہے کہ اصول مشع ایسے بہہ جات کے لیے بطور امتناع نہیں ہے۔

اگر کوئی شخص بیمار جانور کو بہہ کہتے ہوئے چھوڑ دے کہ جو چاہے اسے کام میں لائے تو یہ اس کا ہو جائے گا اور دوسرا شخص اس جانور کو استعمال کرے تو یہ قانوناً اس کی جائیداد ہوگا۔ اور یہی ابوالقاسم کا قول ہے۔

اسی طرح کوئی پالتو پرندہ چھوڑ دیا جائے تو وہ بھی بیمار جانور کی تعریف میں آتا ہے۔ اگر کوئی شخص کسی جائیداد کا جزو غصب کرے اور اس کا جائز مالک کہے کہ میں نے بچے عام حقوق حلال کردئے ہیں تو فقہاء کی رائے میں وہ غاصب تمام ہر جہ کی ذمہ داریوں سے بری ہوگا مگر شیعہ مختص کو واپس لوٹانے سے بری نہیں ہوتا۔ بقول محمد

”اگر کوئی شخص کسی دوسرے شخص کا کسی جائیداد کے سلسلہ میں ذمہ دار ہے

اور مالک جائیداد کہتا ہے کہ میں نے اس کو تیرے لئے جائز کر دیا ہے تو یہ بہہ ہے۔ لیکن اگر وہ اس کو تحلیل کہے تو یہ بیباتی ہوگی۔ ذخیرہ میں ایسا ہی کہا گیا ہے۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میرے تمام مقروضوں کو ان کی ذمگی قرضے جائز کر دئے ہیں تو مقروضوں کی بیباتی ہوگی لیکن پٹے دار کے لیے نہیں ایسا ہی خلاصہ میں درج ہے اگر کوئی شخص اپنے وکیل سے کہے کہ میری جائیداد میں ایک درہم سے سو درہم تک اگر لے تو جائز ہے۔

واہب کسی وقت بھی جب تک کہ موہوب الیہ کو قبضہ نہ دیا گیا ہو شے موہوبہ پر قبضہ کر سکتا ہے جس طرح قبضہ ناجائز بہہ کو مکمل کر دیتا ہے۔ اسی طرح واہب کے ورثا کا یہ حق ہے کہ وہ قابل تقسیم جائیداد کے غیر تقسیم شدہ حصہ کے جواز پر جس پر کہ قبضہ دیا گیا ہو اور قبضہ لے لیا گیا ہو اعتراض کریں۔ حالاں کہ اس وقت یہ اعتراض مسلمان فقہاء کے تصور میں بھی نہ تھا۔ علاوہ ازیں کمپنیوں کے حصص از روئے شرع قابل تقسیم جائیداد کے زمرے میں نہیں آتے۔

جنوبی ہند کے مسلمانوں میں رواجی قانون

جنوبی ہند میں تو مسلموں نے اپنے بہت سے رسم و رواج کو قائم رکھا ہے خاص کر ”ترواد“ کو جو مشترکہ خاندان کا بنیادی طریقہ ہے جس میں کہ ماں سربراہ خاندان ہوتی ہے ان لوگوں میں اصول شرع میں کافی تغیر ہوا ہے مثلاً ایک مسلمان کا کیا ہوا بہہ (جو رواجی قانون سے) اپنی بیوی یا بیٹی اور ان اولاد اناث کے حق میں جائز ہے اور اولاد مذکور کو خارج کرنے کی شرط ناجائز قرار دی گئی ہے۔

مرو مکتیم قانون :- اس طرح کسی مسلمان خاوند کا (حسب قانون مروجہ ترویہ) اپنی بیوی بچوں کے حق میں بہہ جو اس قانون کے پابند ہیں، یہ طے کیا گیا ہے کہ تنہا جائیداد مع حقوق قانونی موہوب الیہم کی ہوگی اور ان کے انتقال پر جائیداد اگرچہ حسب شرع (ماں) کے ورثا پر منتقل نہیں ہوتی۔ اگرچہ بصورت بہہ ماں اس کے بچے ایک جداگانہ تردو میں نہیں آتے۔ اسی طرح شخصی قانون اور رواجی قانون میں نمایاں فرق آسانی سے دیکھا جاسکتا ہے۔

باب ۲۔ ارکان ہبہ

فصل اول :- تشکیل ہبہ کے الفاظ

ہبہ کا طریقہ

شرع کے تحت ہبہ کے لیے کسی رسم یا خاص تشبیر کی ضرورت نہیں ہے وہ زبانی یا تحریری ہو سکتے ہیں لیکن جب کسی جائیداد منقولہ کا ہبہ بندوستان میں بذریعہ تحریر کیا گیا ہو تو قانون ہائے اسامپ و رجسٹریشن کی دفعات کی تکمیل ضروری ہے۔ ہبہ کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ سرخ الفاظ استعمال کئے جائیں حتیٰ کہ اگر الفاظ سے اعلان اور اقرار بھی ظاہر نہ ہو لیکن اگر عمل سے نیت ظاہر ہے تو یہ کافی ہوگا۔ خزانہ فتاویٰ میں درج ہے کہ اگر کوئی شخص کوئی شے اپنے لڑکے کو دے اور وہ اس کو تصرف میں لائے تو اس پر بھی وہ جائیداد باپ کی ہی رہتی ہے تا وقتیکہ ایسی کوئی علامت نہ ہو کہ اس نے اپنے لڑکے کو مالک بنا دیا اور ملکیت لڑکے کو منتقل کر دی۔ میری رائے یہی ہے اور اس سے یہی نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ اعلان اور اقرار کے الفاظ استعمال کرنے کی پابندی نہیں ہے بلکہ انتقال ملکیت کی نیت اگر قرائن سے ظاہر ہو تو کافی ہے مثلاً اگر ایک شخص کوئی شے کسی فقیر کو دیتا ہے اور وہ اسے لیتا ہے اور ان میں سے کوئی بھی لفظ استعمال نہیں کرتا ہے تو یہی کافی ہے اور یہی صورت تخائف اور اس کے مثل دیگر چیزوں کی ہے۔

اگر کوئی شے بطور ہبہ تحریر یا زبانی دی گئی ہے اور ایسا کوئی بھی لفظ ادا ہو جس سے کہ واہب اصل شے کو ہبہ کرنا چاہتا تھا تو اس سے یہی قیاس کیا جائے گا کہ اس کی نیت شے مذکور کو منتقل کرنے کی تھی۔ نیت یا ارادہ کا متعلقہ واقعات سے استنباط کیا جائے گا۔ شبہ کی صورتوں میں رہنما اصول ہونا ضروری ہے۔ المختصر اگر مستعملہ الفاظ سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکے کہ کسی شے کے حقوق مالکانہ کسی دوسرے کو منتقل کرنے کی نیت تھی تو وہ ہبہ ہوگا اور اگر کسی طرح یہ معلوم ہو کہ واہب کی نیت ایک محدود وقت کے لیے محض

حق و اصالت یا منافع پہنچانے کی تھی تو مسلک حنفی کے مطابق یہ عاریت ہوگی۔ فتاوائے عالمگیری کے متعلق الفاظ جن سے کہ بہہ موثر ہوتا ہے تین قسم کے ہیں۔

اول۔ وہ الفاظ جن سے کہ بہہ صریحاً ظاہر ہو۔

دوم۔ وہ الفاظ جن سے کہ بہہ کنایتاً یا عرفاً ظاہر ہو۔

سوم۔ وہ الفاظ جن سے کہ بہہ یا قرض دینے کے معنی پورے طور پر ذہن

نشیں ہوتے ہیں۔

مختلف نوعیت کے اظہار الفاظ کی مثالوں کے حوالہ کے ساتھ فتاوائے عالمگیری میں مزید بتایا گیا ہے کہ ان تمام صورتوں میں اصل اصول یہی ہے کہ جب ایسے الفاظ استعمال کئے جائیں کہ جن سے اصل جائیداد کا حق منتقل کرنے کا منشا ہو تو یہ بہہ ہوگا لیکن ایسی صورت میں جہاں منافع (حق تملیک) منتقل کرنے کا حوالہ ہو تو یہ بمنزلہ قرض ہوگا۔ لیکن اگر ان الفاظ سے کوئی بھی معنی اخذ ہو سکتے ہوں تو انحصار نیت پر ہوگا۔

صریح الفاظ کی مثالیں جن سے تکمیل بہہ ہوتی ہے زبان کے نازک فرق پر متحد ہیں۔ اور انگریزی ادب کے مختلف جملوں کے علیحدہ علیحدہ پہلوؤں کو معنا ذہن نشیں کرانا مشکل ہے لیکن عام نوعیت کی بعض مثالوں سے اس موضوع کے قانونی پہلوؤں پر روشنی ڈالی جاسکتی ہے۔

مثلاً یہ بتایا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میری تمام جائیداد یا وہ تمام اشیا جو میری ملکیت میں ہیں، فلاں فلاں کے لیے ہیں۔ یہ بمنزلہ بہہ ہوگا مگر بلا قبضہ دیے مکمل نہ ہوگا یا اگر کوئی شخص یہ کہے کہ وہ تمام جائیداد جو مجھ سے منسوب کی جاتی ہے۔ وہ فتاوائے قاضی خان کے مطابق اقرار نامہ ہوگا۔

اگر کسی صغر سن بچے کا باپ درخت لگائے اور کہے کہ میں نے یہ اپنے بچوں کو دیدیے تو یہ بہہ ہوگا اور یہ ایسا ہی ہوگا جیسے کہ وہ یہ کہے کہ میں نے اپنے بچے کے نام بہہ کر دیا ہے اور یہ تسلیم شدہ اصول ہے جو زیادہ تر فقہانے اختیار کیا ہے۔ جیسا کہ غیاثیہ میں ہے۔

اگر کوئی شخص کہے کہ میری تمام مملو کہ جائیداد صغر سن بچے کی ہوگئی تو یہ قبل عطیہ (کراوت) ہوگا نہ کہ بہہ اور جب تک کہ وہ معین نہ کرے کہ اس نے کیا شے دی ہے اس وقت تک بہہ نہ ہوگا مثلاً اگر یہ کہے کہ مکان جس کا میں مالک ہوں یا میرا یہ مکان

میرے صغیر سن لڑکے کا ہے تو یہ بیہ ہوگا اگر یہ باپ کے قبضہ میں ہے تو بیہ اسی وقت مکمل ہو جائے گا۔ کنا یہ میں ایسا ہی درج ہے اور اگر وہ یہ کہے کہ فلاں فلاں چیزیں میں نے اپنے لڑکے کو دیدیں تو یہ بیہ ہوگا اور اگر وہ یہ کہے کہ یہ فلاں فلاں شے کسی صغیر سن بچے کے لیے ہے تو یہ بیہ بھی جائز ہوگا اور بلا موہوب الیہ کے قبول کئے ہی بیہ مکمل ہوگا جیسا کہ تارخانہ میں ہے۔

اگر کوئی شخص اپنی اہلیہ کو اس غرض سے دینا دے کہ وہ ان سے پوشاک بنوائے اور اس کے سامنے پہنے۔ اگر وہ اس رقم کو (تجارت) کاروبار میں صرف کرتی ہے تو اس سے حاصل شدہ منافع اور اصل رقم اہلیہ کی ملک ہوگی بچوں کے لیے جو کپڑے بنائے جائیں تو وہ اس کی مملوک شے ہوگی۔ خادموں اور ملازموں کے لیے جو کپڑے بنائے جائیں تو وہ ان کی ملکیت نہ ہوں گے۔

شرائط جو فعل بیہ کے جواز کے لیے ضروری ہیں

درج ذیل شرائط بیہ کے جواز کے لیے ضروری ہیں

(۱) اعلان جس کا کسی بھی زبان میں اظہار ہو مگر منشا ذہن نشین ہو سکے یا طرز عمل سے ظاہر ہو سکے۔

(۲) اقرار صریحاً یا غائباً

(۳) موہوب الیہ کا شے موہوبہ پر قبضہ ہو اگر پہلے سے ہی شے مذکور موہوب الیہ کے قبضے میں ہو۔

قبضہ مالکی میں شے موہوبہ پر قبضہ پہلے ہی ثابت ہو جاتا ہے بہ الفاظ دیگر تکمیل بیہ کے لیے قبضہ ضروری نہیں ہے۔

بمقدمہ مندا سگہ بنام پیر جعفر شاہ جو جہ حسب فقہ حنفی فیصلہ ہوا۔ اس میں نے کیا گیا کہ بیہ کا انحصار اس کے اعلان اور اقرار پر ہے لیکن ملکیت کے لیے قبضہ ضروری ہے۔

کسی حد تک بعد کے فیصلوں میں شرع کے مطابق جواز بیہ کے بارہ میں اصول قبضے کی صحیح اہمیت نظر انداز کر دی گئی ہے اور یہ قیاس کر لیا گیا ہے کہ واقعی قبضہ یا انتقال

قبضہ اس قاعدے کی بنا پر ہے کہ قبضہ دہانی جواز بہہ کی ایک شرط ہے۔

مانع اقباض یا قبضہ

اس سلسلہ میں اصطلاح ”قیاس“ یا ”قبضے“ کے واقعی معنی حسب شرع معین کرنا ضروری ہیں۔ یہ ماننا ہوگا کہ جب تک بہہ موہوب الیہ میں اقباض (واقعی یا تغیری) کا قیاس نہ کیا جائے تو یہ موثر نہ ہوگا لیکن اس سلسلہ میں قانون کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ واقعی قبضہ دینا ضروری نہیں ہے اگر نوعیت قبضہ تبدیل ہو جاتی ہے تو واہب کے قبضے میں محض شے موہوبہ کا وجود جواز بہہ پر اثر انداز نہ ہوگا اور وہ جائیداد پر بحیثیت متولی یا امین قبضہ قائم رکھ سکتا ہے اور ایسے قبضہ سے انتقال جواز موثر نہ ہوگا اس طرح اگر کوئی شے ٹرسٹ موہوب الیہ کے قبضے میں ہے تو ایسی صورت میں بہہ مکمل ہوگا۔ خواہ رسمی قبضہ نہ دیا گیا ہو۔

وجہ یہ ہے کہ اصلاً شے موہوب الیہ کے قبضے میں ہے اس لئے قبضے کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ یہ صورت اس سے بالکل مختلف ہے جب کوئی سپردار متولی کو امانت بیع کر دے اس صورت میں اصل قبضہ کافی نہیں ہے قبضہ بوجہ خرید ایسے قبضے کی تعریف میں آتا ہے جس سے کہ ذمہ داری پیدا ہوتی ہے اس لئے امانت قبضہ کا بدل نہیں ہو سکتی بلکہ اس کے برعکس خود قبضہ بوجہ بہہ ایسے قبضے کی تعریف میں نہیں آتا جس سے کہ ذمہ داری عائد ہو بلکہ بوجہ امانت قبضے کا بدل ہو سکتا ہے۔ قانون نابالغان کے حق میں بہہ کی صورت میں واہب کی نیت دیکھتا ہے اگر کسی باپ یا دوسرے سرپرست کا بر بنائے نیک نیتی بہہ کرنے کا ارادہ ہے تو تقلیب قرضہ ضروری نہیں ہے اور واہب کی جائیداد پر قبضہ نابالغ کا ہی قیاس کیا جائے گا۔ بمقدمہ عابد النساء خاتون بنام امیر النساء یہ مسئلہ اس طرح بہت واضح طور سے منضبط کیا گیا جب کہ پریوی کونسل نے شرع کے مطابق اس مسئلہ پر غور کرتے ہوئے یہ طے کیا کہ جب کسی باپ یا دوسرے سرپرست کی جانب سے واقعی یا بر بنائے نیک نیتی بہہ کا خیال ہے یا ارادہ ہے تو بلا تکمیل قبضہ بہہ کی تکمیل ہو جائے گی اور جائیداد پر مابعد قبضہ نابالغ موہوب الیہ کی جانب سے ہی قیاس کیا جائے گا۔

قبضہ لینے کی اہلیت بہت سی صورتوں میں فعل بیہ کے جواز کے لیے کافی ہے

بقول قاضی خان موہوب الیہ کی اہلیت اگر وہ بالغ ہے یا اس کے سرپرست کی اہلیت اگر وہ بالغ ہے۔ بغرض حصول قبضہ بالغ یا بالغ دیکر جائیداد پر حق اختیار فعل بیہ کے جواز کے لیے کافی ہے پس جب کہ بیہ کر دیا جائے اور موہوب الیہم کو شے موہوبہ پر قبضہ کرنے اور ماہمی تقاضے کے لیے مجاز کر دیا جائے تو ایسا بیہ جائز قرار دیا جائے گا۔ بعض صورتوں میں حصول قبضہ کا اختیار واقعی حاصل کرنے کے مساوی ہے اس کا منشا یہ ہے کہ جب واجب شے موہوبہ پر موہوب الیہ کے حق جائیداد کے استعمال کا اختیار دے دے تو یہ قبضہ وہابی کے مساوی ہے مثلاً اگر A اپنے گھوڑے الف کا بیہ جو اصطبل میں ہے B کو کر دے اور B اس جگہ کی کٹی دے کر اس پر قبضہ کا مجاز کر دے تو قانوناً یہ قبضہ کافی ہے۔

پس اسی طرح ایک جائیداد غیر منقولہ کا بیہ جو قبضہ کا شکاران ہے مکمل ہو جائے گا۔ یا تو دستاویزات حق ملکیت سپرد کر دی جائیں یا کاشت کاران کو حسب ضابطہ اطلاع دی جائے کہ وہ موہوب الیہ کے حق میں شے موہوبہ منتقل کر دیں اگر حقوق زمینداری ہیں تو دفتر کے رجسٹر میں ناموں کا داخل خارج کر دیا جائے۔ پس اس طرح اس جائیداد کا بھی بیہ جائز ہو سکتا ہے جو کلکٹر نے مال گزاری کے بقایا میں قرق کی ہے ایسی جائیداد کا بھی بیہ ہو سکتا ہے بالغ یا دیگر ایک بیہ مکمل ہو جاتا ہے اگر واجب متوقع بیہ کی تکمیل میں وہ تمام افعال بجالائے جو اس کو انجام دینا ہیں، یا تو وہ جائیداد پر قبضہ واقعی دیدیتا ہے یا موہوب الیہ کو اس پر قبضہ حاصل کرنے کے لیے مجاز کر دیتا ہے

قبضہ واجب کی اجازت سے ہونا چاہئے

موہوب الیہ کا قبضہ واجب کی اجازت سے ہونا چاہئے۔ حسب ہدایہ موہوب الیہ بوقت معاہدہ بیہ مجلس میں ہو، بلا واجب سے اجازت لئے کہے کہ اس بیہ پر قبضہ کر لیا یہ ایک مناسب حال توضیح ہے۔ یہ بیہ جائز ہوا۔ اگر اس کے برعکس مجلس کے برخاست ہونے کے بعد شے موہوبہ پر وہ قبضہ حاصل کر لے تو بیہ جائز نہ ہوگا تا وقتیکہ ایسا کرنے کے لیے واجب کی اجازت شامل نہ ہو۔ اس تمثیل سے یہ ذہن بنتا ہے کہ دونوں صورتوں میں ہی قبضہ جائز نہیں ہے اس لئے کہ یہ فعل قبضہ اس جائیداد کے

متعلق ہے جو اب تک واہب کی ہے تا وقتیکہ قبضہ نہ دیا جائے، اس کا جائیداد پر حق قبضہ برقرار ہے مگر بلا اس کی اجازت کے ناجائز ہے۔ مسئلہ زیر بحث کے متعلق قانون کی مزید مناسب حال توفیح کی وجہ یہ ہے کہ ہبہ کی صورت میں قبضہ اقرار بیع کے مثل ہے اس پر بعد غور معلوم ہوتا ہے ایک صورت میں دستاویز (یعنی جائیداد پر حق کا ثبوت) تحریری دستاویز کا نتیجہ ہے جو ایک صورت میں قبضے پر اور دوسری صورت میں اقرار پر منحصر ہے۔ مزید برآں چونکہ ہبہ کا مقصد جائیداد کی ملکیت کا ثبوت ہے پس واہب کی پیش کش موہوب الیہ کو واقعتاً قبضہ حاصل کرنے کا اختیار دیتی ہے اور اختتام میں بعد حصول قبضہ نوعیت بدل جاتی ہے اس لئے کہ ہمارے فقہائے موہوبہ پر ثبوت قبضہ تسلیم نہیں کرتے لیکن اگر قبضے کے فوراً بعد ہی اقرار بھی شامل ہو اور چونکہ جواز اقرار خاص طور پر مقام جلسہ تک محدود ہے۔ پس اس شے کا (قبضہ) بھی اس سے ملا ہوا ہے۔

یہ بھی ایک مختلف امر ہے کہ واہب بمقام جلسہ موہوب الیہ کو قبضہ حاصل کرنے سے روک دے۔ اس لئے کہ ایسی صورت میں جلسہ کے مقام پر موہوب الیہ کا قبضہ ناجائز ہوگا کیونکہ نیت بالکنایہ کا استدلال صریح اعلان کے مقابلہ میں قائم نہیں رہتا۔ واقعتاً کسی ہبہ کا نتیجہ قانون میں اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا جب تک کہ قبضہ واقعی باتبیری نہ دے دیا جائے اور اس بارہ میں ایک اجنبی اور واہب کا بچہ جبکہ بالغ ہو، ایک ہی حیثیت میں ہیں۔

اجازت کا صریح ہونا ضروری نہیں ہے

گو واہب کی اجازت سے موہوب الیہ کا قبضہ ہونا چاہیے تاہم یہ ضروری نہیں ہے کہ ایسی اجازت صریح ہو۔ ایسی اجازت یا واہب کا قبضہ حاصل کرنے کے لیے اذن اس طریقہ سے اخذ کیا جاسکتا ہے یہ کافی ہے کہ بعد ہبہ فوراً ہی قبضہ لے لیا جائے، جواز ہبہ کے بارہ میں کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور اگر واہب بعد ہبہ موہوب الیہ کو قبضہ لینے سے منع کرے لیکن اس پر بھی اگر وہ قبضہ لے لے تو یہ جائز نہیں ہے۔ اگر دو شخصوں کو یکے بعد دیگرے ہبہ کیا گیا ہے اور پہلے کے بعد دوسرے نے قبضہ لے لیا ہے تو دوسرا ہبہ بھی جائز ہے۔ شرائع میں انتقال جائیداد کے مقدمات کے تصفیہ میں مسئلہ قبضہ

کو اس قدر اہمیت ہے کہ لفظ Seisin یا اس کے مساوی عربی (قبضے) کے معنی کی وضاحت
اہمیت اہم ہے۔

عدالت عالیہ بمبئی کے روبرو مقدمہ ایس بی بی بنام خدیجہ بی بی یہ مسئلہ برائے
فیصلہ پیش ہوا مقدمہ مذکور میں ایک شوہر نے اپنے مکان اور بعض ملحقہ مکانات (دفتر)
جو کرایہ پر تھے اپنی اہلیہ کے نام بیہ کر دئے تھے۔ ان کی کنجیاں اپنی بیوی کو دے کر چند
دنوں کے لیے واقعی قبضہ دہانی کی تکمیل کی غرض سے مکان خالی کر دیا مگر بعد میں قبضہ
واپس لے لیا اور انتقال تک اسی مکان میں سکونت پذیر رہا۔ دوران حیات خود ملحقہ دفاتر
کے کرائے قیسا اپنی اہلیہ کی جانب سے جمع کئے چنانچہ اس کے ورثانے بیوہ کے خلاف
مفسوختی بیہ بر بنا مقدمہ دہانی قبضہ کا دعویٰ دائر کر دیا اس مقدمہ میں چیف جسٹس Sausse
نے درج ذیل فیصلہ دیا۔

”سب شرع و افعال جو جواز بیہ کے لیے ضروری ہیں وہ اعلان (پیش کش)
اقرار اور قبضہ ہیں لیکن یہ طریقہ جس سے قبضہ بروئے کار لایا جائے اس خاص تعلق
(قربت جو کہ شرع میں شوہر و زوجہ کے درمیان تسلیم کی گئی ہے) کے پیش نظر کافی
ترمیم کی ضرورت ہے ہر ایک کی جائیداد دوسرے سے علیحدہ اور آزاد ہوتی ہے۔ ان
میں سے کوئی بھی ایک یا دونوں سب شرع دوسرے کے حق میں باہمی تعلق میں
انسانی کی غرض سے شرعاً بیہ کر سکتے ہیں۔ اصول کی اہمیت پر اتنا زور دیا گیا ہے کہ ایسی
بیہ بی تہنیک بھی جائز نہیں ہے۔ خواہ دوسری صورتوں میں تہنیک جائز ہو۔ ایک زوجہ اپنے
مکان کو جس میں وہ دونوں رہتے ہیں، خاوند کے حق میں بیہ کر سکتی ہے حالانکہ یہ اس کی
علیحدہ جائیداد تھی اور وہ دونوں ہی مابعد بیہ اس میں سکونت پذیر رہے۔ اصولاً میں نہیں
سمجھتا کہ ایک خاوند بھی اسی طرح اپنی بیوی کے حق میں وہ مکام بیہ کرنے کے لیے جس
میں دونوں رہائش رکھتے تھے اور اس کے بعد بھی دونوں سکونت پذیر رہے ہوں آزاد کیوں
نہ ہو، بشرطیکہ خاوند بیہ کرنے کا مجاز ہو جو وہ بر بنائیک نیتی یا اپنے قرض خواہاں یا دوسرے
اشخاص کے خلاف بر بناء فریب کرے۔ اس سلسلہ میں تکمیل قانون کی شرط میں صرف
ایک ہی دشواری ہے اور وہ بلا شرکت غیرے قبضہ دہانی ہے۔ اگر شوہر پوری طرح اس امر
کا مجاز ہے کہ بیہ نامہ تحریر کرے اور مطابق شرائط مکان یا جائیداد کی کنجیاں سپرد کر کے

علامتی قبضہ دیدے۔ مزید برآں اپنی نیک نیتی کی تائید میں گواہان کے روبرو مکمل طور پر مکان و تمام مشمولہ اشیاء پر قبضہ دیدے تو میں نہیں سمجھتا کہ اس سے زیادہ کون سی کارروائی اس بہہ کو بروئے کار لانے میں بحیثیت شوہر اپنے حقوق قانونی کے استعمال میں بدرجہ اولیٰ کام میں لیتا۔

آمنہ بی بی بنام خدیجہ بی بی

بہہ نامہ کی رو سے اس کی اہلیت کو مجاز کیا گیا تھا کہ شے موہوبہ کو حاصل کر کے اپنا قبضہ رکھتے ہوئے مکان میں رہائش رکھے لیکن شرع شوہر کو اس امر کا حق دیتی ہے بلکہ اس پر فرض ہے کہ وہ اپنی زوجہ کے ساتھ رہائش رکھے۔ اگر ایسی صریح نیت کا اظہار موجودہ بہہ نامہ میں ہے جس پر غیر مبہم طریقہ سے گواہان کے سامنے عمل کیا گیا۔ اس پر اگر حسب شرع (قبضہ) نہ سمجھا جائے تو مقصد بہہ پر بمنزلہ پابندی عائد کرنے کے ہوگا۔ ایسی پابندی ان کتب شرع میں جن کا میں نے مطالعہ کیا ہے نہیں ملتی۔ شوہر اپنی بیوی کے حق میں بہہ کے لیے عام طور پر مجاز ہے لیکن اگر بہہ موجودہ کو ناجائز قرار دیا جائے تو بمنزلہ اس اعلان کے ہوگا کہ کوئی بھی شوہر کسی حالت میں بھی اپنی بیوی کے حق میں اس مکان کا بہہ نہیں کر سکتا جب تک کہ وہ اس میں سکونت پذیر ہے اور رہائش رکھتا ہے۔ اگر شرع میں کوئی ایسی پابندی نہیں ہے تو شوہر کی موہوبہ جائیداد کو موثر بنانے کے لیے کوئی قانونی طریقہ کار ہونا چاہئے۔ جب ایک باری الاصل قبضہ دیدیا جائے اور مابعد وہ قبضہ جاری رہے تو مکمل قبضہ کے لیے لازمی شرط نہیں ہے اور نہ قبضہ کے عدم تسلسل سے بہہ ناجائز ہوتا ہے ملاحظہ ہو (مقدمہ جعفر خاں بنام حسینی بی بی) بحوالہ ای ایس ڈی صفحہ ۱۲ شرح میں مورے ڈائجسٹ قبضے کا تصور اس دخل دہانی کے مثل ہے جو انگلینڈ میں سابق میں پایا جاتا تھا۔ اور اسی طرح بروئے کار سمجھا جاتا تھا جیسے کہ کوئی مٹی کا ڈھیلا یا زمین میں اگی ہوئی شاخ یا کسی دروازے کی زنجیر کا حلقہ یا قفل کو علامتی طور پر قبضے میں دیدیا جائے Cake on ditleation میں ۵۷ میں یہ طے کیا گیا ہے کہ اگر دستاویز قبضہ آراضی کی شکل میں دیدیا جائے یا واہب موہوب الیہ سے یہ کہے کہ حسب دستاویز اس آراضی کو تصرف میں لاؤ یا اس آراضی پر قبضہ کر لو خدا تمہیں خوشی عطا کرے یہ الفاظ

بھی مثل دہل دہانی قبضے کے ہیں۔ تحفہ جلد ۲ خوات ۵۹-۳۳۵ کے دو جملوں میں ثابت کرنے کے لیے کہ مدعا سببم نے ان پر انحصار کیا ہے کہ کسی مکان کی کنجیاں دینا اور ان کا اقرار کر لینا یہ قبضے کے لیے کافی ہے یا بیع اور خرید کی صورت میں حصول قبضہ کی صورت میں بھی بیہ کو بمنزلہ بیع سمجھا جائے۔ خریدار کو جائیداد غیر منقولہ پر قبضہ دینے کا انحصار ان الفاظ پر ہے جن کو بیچنے والا (بائع) استعمال کرتا ہے اس سے منشاء یہ ذہن نشین کرتا ہوتا ہے کہ مکان خالی کر دیا گیا ہے اور مکان کی کنجیاں سپرد کر دینے سے وہ شے جو کہ بیہ کی کٹی ہے (بلا قبضہ دیے) موہوب الیہ کی جائیداد نہیں ہوتی جیسا کہ ان اشیاء کی صورت میں ہوتا ہے جو کہ فروخت کر دی جاتی ہیں۔ لیکن واہب کا اس بارے میں یہ احاطان کہ اس نے قبضہ دیدیا ہے، قبضہ واقعی کے ثبوت کے لیے کافی ہے۔ مقدمہ ہذا میں بیہ نامہ سپرد کر دیا گیا تھا ساتھ میں مکان کی کنجیاں و فرنیچر، مندرجہ بیہ نامہ اور مکان جس میں کہ شوہر اور اس کی زوجہ رہتے تھے سپرد کر دیا گیا تھا واہب کی اظہار نیت کی غرض سے کہ حسب قانون بیہ کی تکمیل ہو جائے۔ جو الفاظ بیہ میں استعمال کئے گئے ان سے زیادہ کوئی موثر الفاظ نہیں ہو سکتے یہ کہ میں نے اپنا قبضہ ترک کر کے متذکرہ مکانات اور ان کی کنجیاں اپنی زوجہ کے قبضے میں جن کے حق میں بیہ کیا ہے دیدی ہیں اور تمام شرائط متعلقہ بیہ (یعنی باہمی رضامندی) بعد انخلا قبضہ مکمل کر کے میں نے اور زوجہ خود نے جس کے حق میں بیہ کیا ہے۔ تکمیل کر دی ہیں مزید برائے مستقبل اس جائیداد پر نہ میرا کوئی مطالبہ ہوگا اور نہ میرے ورثا میں سے کوئی بھی متذکرہ بالا جائیداد میں کوئی حصہ طلب کر سکے گا۔

میری رائے میں شوہر و زوجہ کے رشتہ اور شوہر کا بیوی کے ساتھ حق رہائش و عملرانی جائیداد سے اس استنباط کی تردید ہوتی ہے جو فریقین کی صورت میں جن کے درمیان اس سے مختلف تعلق ہو اس کے برعکس ہے اور جو بعد بیہ مکان میں یہ مسلسل سکونت اختیار کرنے سے ظاہر ہوتی ہے۔ شوہر کا عام طور پر مکان سے متصل چال کا کرایہ وصول کر لینے سے یہ بتانا بھی زیادہ مناسب ہے کہ شوہر نے کچھ کرایہ داران سے کہا کہ وہ مکان جس کو اس نے اپنی بیوی کے نام بیہ کر دیا تھا اس کا کرایہ اپنی بیوی کی جانب سے وصول کر رہا ہے۔

یہ مسئلہ ان قرض خواہان کا نہیں ہے جو ایسے بیہ کے خلاف ہوں جو ان کے

واجبات سے بچنے کی تشخیص کے لیے کیا گیا ہو۔ یہ مسئلہ بلکہ ان ورثا یا قرابت داران کے مطالبہ کا ہے جو واہب کے خلاف ہیں۔

عظیم النساء بنام کلے مینٹ ڈیل

یہی اصول عظیم النساء بنام کلے مینٹ ڈیل میں طے کیا گیا تھا۔ مقدمہ مذکور میں نواب کرناٹک نے بعض مکانات کا بہہ اپنی بیگم عظیم النساء کے نام کر دیا تھا مگر حسب سابق ان مکانات میں سکونت قائم رکھی اور مثل جائیداد خود اسے کام میں لیتے رہے۔ فاضل حج (نیل اسٹون) نے فیصلہ دیا کہ بہہ جائز تھا اور موہوب الیہ پر حق ملکیت منتقل ہو گیا۔

بمقدمہ امینہ بی بی بنام حاجرہ بائی چیف جسٹس Sargent چیف Sansse؟ کے بمقدمہ آمنہ بائی خدیجہ بائی کے خیال سے اتفاق کرتے ہوئے یہ طے کیا کہ جب کسی شوہر نے اپنی جائیداد کو بہہ کر دیا تو یہ ناجائز نہیں ہے کہ شوہر تاریخ بہہ کے بعد لگان و منافع وصول کرتا رہے بشرطیکہ اس سے یہ استنباط کیا جاسکے کہ وہ اپنی زوجہ کے سربراہ کار کی حیثیت سے وصول کر رہا تھا۔

بمقدمہ جعفر خان بنام حسینی بی بی یہ طے کیا گیا کہ جب قبضہ دہانی کے اصطلاحی تقاضہ کی تکمیل ہو گئی تو مسلسل قبضہ ضروری نہیں ہے۔

آیا جائیداد غیر منقولہ پر بذریعہ قبضہ دہانی بغرض تکمیل حصہ واقعی یا رسمی طور پر ضروری ہے؟ فاضل ججان West اور ننا بھائی ہریداس کے سامنے پیش شدہ شیخ ابراہیم بنام شیخ سلیمان کے مقدمہ میں فاضل حج ویسٹ نے زیر بحث مسئلہ قبضے کے بارہ میں اصول شرع کو بڑی وضاحت سے لکھا ہے کہ ”قانون متعلق مقدمہ ہذا کے سلسلہ میں عدالت ہائے ماتحت کو یہ ذہن نشین رکھنا چاہئے کہ جب آراضی بقبضہ کاشت کاران ہو تو اس صورت میں ان سے موہوب الیہ کا نام منتقل کرنے کی صرف استدعا ہی واحد قبضہ کی صورت ہے جو کہ واہب زمین کے مجوزہ بہہ کی تکمیل کے لیے کر سکتا ہے۔ ایسا قبضہ بموجب فیصلہ بمقدمہ کھجور النساء بنام روشن جہاں کافی ہوگا۔ مکان پر قبضہ دہانی کے متعلق یہ اصول ذہن نشین رکھنا چاہئے کہ جب کوئی شخص وہ مکانات جن میں رہائش رکھتا ہے اگر ان پر قبضہ دلانا مقصود ہے تو محض اس شخص کا اعلان (جن کے قبضے میں پہلے سے مکان

تھا) قبضہ دہانی کے مترادف ہے۔ اگر مکان کے کسی حصہ پر وہ قبضہ حاصل کر لیتا ہے تو چونکہ یہ قبضہ فریقین کی رضامندی سے قبضہ واقعی ہے اس لئے فریقین کے تمام مکان پر قبضہ کے مترادف ہو گا۔ اس حصے سے بالکل متصل ہو جس پر از روئے انصاف نہ کہ ناجائز صورت میں قبضہ کیا گیا ہو۔ ایک ہی مکان میں دو اشخاص ہوں ان میں سے ایک کو بے دخل کیا جا سکتا ہے اور دوسرے کو قابض بنایا جا سکتا ہے۔ بلا اصلاً جسمانی طور پر خالی کرانے یا داخل کئے جب کہ مالک مکان کی نیت صریحاً ظاہر ہو چکی ہو۔ یہ مجمع الانہار کے واضح اصول کے مطابق ہے۔“

بمقدمہ تمیر دہانی بنام بی بی بنام بی بی

مدعیہ تمیر دہانی نے اپنا مکان اور دوسری غیر منقولہ جائیداد کو بذریعہ رجسٹرڈ دستاویز اپنے جتیبے (شوہر مدنا علیہم) کے نام منتقل کر دیا تھا۔ بعد تحریر یہ نامہ واہب کی خواہش پر دفتر کلکٹر کے ریکارڈ میں داخل خارج کی کارروائی بحق موہوب الیہ کر دی گئی اور اس وقت سے موہوب الیہ کے نام سے ہی کاشت کاران کو لگان کی رسیدیں دی گئیں لیکن مدعیہ مکان مذکور میں جو کہ بیہ میں شامل تھا ہمہ وقت سکونت پذیر رہی اور جس کی دیکھ بھال موہوب الیہ جائیداد غیر منقولہ کے کرایہ و آمدنی سے کرتی رہی۔

موہوب الیہ کے انتقال پر مدعیہ نے بیوہ کے خلاف دعویٰ اس امر کے استتہار کی بابت دائر کیا کہ بیہ نامہ ناجائز قرار دیا جائے اس لئے کہ حسب منشا شرع قبضہ نہیں دیا گیا تھا اور نہ واہب نے بوقت بیہ مکانات کو خالی کیا تھا اور نہ اپنے اسباب کو وہاں سے ہٹایا تھا۔

عدالت العالیہ الہ آباد نے اپنے فاضلانہ فیصلے میں اس طرح اظہار رائے کیا ہے ”ہم اس کے مثل مقدمہ میں یہ طے کرنے کو تیار نہیں ہیں کہ واہب کا مکان موہوبہ سے نقل مکانی (حسب دستاویز) تکمیل بیہ کی غرض سے قبضہ دہانی کے لیے ضروری ہے اس کے برعکس ہمارے خیال میں فریقین کی مکانات ملحقہ میں موجودگی سے واہب کی نیت قبضہ دہانی واضح طور پر ثابت ہے۔“

بمقدمہ بی بی خیر و سلطان بنام بی بی رقیہ سلطان واہبہ (بی بی بیگم جان) نے جو

کہ مذہب شیعہ فرقہ اصلی کی پیرو تھیں۔ انہوں نے مدعا علیہا بی بی رقیہ سلطان (اپنی بیوہ بہو) اور ان کے بچوں کو ایک مکان جس میں کہ وہ سکونت پذیر تھی بطور ہبہ منتقل کر دیا اور بعد تحریر دستاویز ہبہ نامہ اس مکان سے منتقل ہو گئیں۔ اور اپنا اسباب چھوڑ گئیں اور دور روز بعد واپس آگئیں اور اسی طرح رہنے لگیں جیسے کہ ہبہ سے قبل رہتی تھیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ ان کی تحریک پر کچھ کرایہ داران نے جو کہ مکان کے ایک حصہ میں رہتے تھے کرایہ نامہ بی بی سلطان کو منتقل کر دیا۔ مدعیہ (دختر بی بی بیگم جان) کے دائری دعویٰ پر کہ حسب شرع شرائط قبضہ دہانی کی تکمیل نہیں ہوئی ہبہ کو منسوخ کیا گیا۔

عدالت العالیہ بمبئی نے یہ طے کیا کہ واہب کی جائیداد غیر منقولہ کا تحریری ہبہ نامہ بہ ترک قبضہ عارضی بحق موہوب الیہ اور کرایہ داروں کا تحریر کرایہ نامہ بحق منتقل الیہ حسب شرع جواز ہبہ کے لیے کافی قبضہ دہانی ہے۔

بمقدمہ کندانا تھ و تل پانام مسالین و تل پر کراکتی میں عدالت العالیہ مدراس نے اس صریح اصول کی وضاحت کی ہے کہ بعد ہبہ واہب کی موہوب الیہ کے ساتھ سکونت ہبہ کو ناجائز نہیں کرتی۔

اس صورت میں کہ موہوب الیہ پہلے سے ہی قابض ہو تجدید کی ضرورت نہیں ہے جب کہ ہبہ کسی امین تحویلدار یا متولی یا ایسے شخص کے حق میں جس نے غصب ہبہ کیا اور جو کہ پہلے سے ہی جائیداد موہوبہ پر قابض ہو۔ اس کے لیے رسمی انتقال کی ضرورت نہیں ہے۔

بمقدمہ ولایت حسین بنام منیرن عدالت العالیہ کلکتہ نے یہ طے کیا کہ جب شے موہوبہ موہوب الیہ کے قبضے میں واہب کے ایجنٹ یا بطور منیجر کے ہے، موہوب الیہ کا ایسا قبضہ جواز ہبہ کو غیر مؤثر بنانے کے لیے کافی نہ تھا۔ پس جائیداد کی واقعی یا رسمی قبضہ دہانی ہونا چاہئے۔ مقدمہ متذکرہ ہبہ مرض الموت میں کیا گیا تھا جو کہ صریحاً خلاف شرع ہے۔

بمقدمہ ولایت حسین بنام منیرن غلط فیصلہ ہوا

المختصر تقلیب یا قبضہ دہانی کے سلسلہ میں فریقین کا باہمی تعلق پیش نظر ہونا چاہئے ایسے مکان میں شوہر کی رہائش جو کہ اس نے اپنی زوجہ کو ہبہ کیا ہو یا اس جائیداد کا

کر ایہ یا منافع وصول کرنے واجب و محبوب الیہ کے رشتہ کی بنا پر قابل توجہ ہے۔ علیٰ ہذا القیاس اگر ایک باپ اپنے بالغ لڑکے کے حق میں کار و بار بہہ کرے اور اس کی جانب سے نذرانی کرے یا کوئی بچہ اپنی جائیداد بھتیجے کے نام بہہ کر دے اور محبوب الیہ اس کی خدمت کرتا رہے تو اس بنا پر بہہ ناجائز نہ ہوگا۔

جیسا کہ پہلے بتایا گیا ہے اگر کسی بالغ کے حق میں بہہ کیا جائے تو یہ ضروری ہے کہ واجب جائیداد میں اپنا حق ملکیت محبوب الیہ کو اس طرح کلیتاً منتقل کر دے کہ مؤخر الذکر اس کی آمدنی سے بصورت مستقیم استفادہ کر سکے۔

مقدمہ محولہ محمد جعفر بنام کلثوم بی بی جوڈیشل کمیٹی نے بعد غور یہ طے کیا کہ بہہ جائیداد کے لیے نیت انتقال کی شہادت ضروری تھی مگر بہہ ناجائز تھا۔ اور اگر منتقل الیہ کی تصدیق ظہری ہوئی تو فیصلہ برعکس ہوتا۔ عدالت عالیہ بمبئی نے یہ طے کیا کہ خواہ جائیداد محبوب الیہ کو بالراست منتقل ہوئی ہو یا اس کے مفاد کے لیے متولیان کو منتقل کی ہو انتقال جائیداد کے جواز کے لیے واقعی 'امانتی یا تعبیری قبضہ ضروری ہے۔ جیسا کہ فاضل بیج طلبیب نے مقدمہ ہذا میں لکھا ہے کہ شرع کے قریب قریب ہر شعبے میں امانت کی ضمانت ملتی ہیں۔ اس لئے یہ ذہن نشین ہونا ضروری ہے کہ جب کسی شخص کے مفاد کی بے ایمان کو اور انتقال جائیداد کی نیت غیر مبہم طریقہ پر واضح ہونے پر بہہ مکمل ہو جاتا ہے خواہ وہ اپنے نام سے ہی جائیداد پر اس طرح قبضہ رکھے جیسا کہ بہہ سے قبل تھا۔

اسی طرح یہی اصول ایک ماں پر جو اپنے خورد سال یتیم بچے کے حق میں جس کی وہ پرورش کر رہی ہے اور کوئی متعینہ سرپرست نہیں ہے، منطبق ہوتا ہے اور اسی طرح کسی ایسے شخص کا اپنے بچے کے حق میں بہہ کے لیے جس کی وہ پرورش کر رہا ہو جائز ہے۔

صدقہ کے بارے میں قبضہ متعلق قانون مثل بہہ کے ہے۔ ایک قبضہ کے تعلق سے ایک حصہ مثل تمایک بالارادہ ہے۔ مسلمانوں میں کثرت سے بہہ بالفاظ صریح عموماً بچوں یا اقربا کے حق میں حصول رضائے خداوندی (اجر) کے لیے بطور صدقہ کئے جاتے ہیں۔ شرع میں اس کا مستحسن بدل "جزا" ہے اس سلسلہ میں قرض خواہان کے مطالبات بھی قابل غور نہیں ہوتے مگر جب کوئی ایسا بہہ ہو تو قبضہ دہانی مثل بہہ بلا بدل کے ہوتی ہے۔ اگر شے موہوبہ پر موہوب الیہ بہہ سے پہلے ہی قابض تھا تو بلا مزید تجدید

قبضے کے جائیداد منتقل کی جاسکتی ہے۔ انتقال قبضے کا اظہار کسی بھی صورت میں ہو اس کی تکمیل کے لیے ضروری ہے۔

فصل دوم :- ہبہ بہ حق نابالغان

ہبہ بہ حق نابالغان

ایسا ہبہ جو باپ اپنے نابالغ لڑکے کے لیے کریاس کے لیے اقرار ضروری نہیں ہے محض عقد سے ہی ہبہ مکمل ہو جاتا ہے اور اس سے کوئی فرق نہیں یزتا کہ آیا شے موہوبہ باپ کے یا باپ کی جانب سے امین کے قبضہ میں ہے۔ جب باپ کسی شے کا ہبہ خورد سال بچے کے حق میں کرے تو بچہ برنا ہبہ اس جائیداد کا مالک ہو جاتا ہے بشرطیکہ اس وقت شے موہوبہ یا تو باپ کسی شخص کے قبضے میں دیدے جو باپ کی جانب سے مثل امین ہو۔ اس لئے کہ باپ کا قبضہ بر بنائے ہبہ مثل بچے کے قبضے کے ہے اور قبضہ امین باپ کے قبضے کے مثل ہے۔

جائیداد بہ قبضہ کاشت کاران کے بحق نابالغان ہبہ کے بارے میں ما قبل باب میں کافی وضاحت کی گئی ہے اور بتایا ہے کہ جائیداد غیر منقولہ جو بقبضہ کاشت کاران یا پٹے داران یا مرتبان ہو، وہ ایک باپ (شے موہوبہ براہ راست قابض کے تبدیلی قبضہ بغیر) اپنے نابالغ بچے کو ہبہ کر سکتا ہے اور اس کی تکمیل کے لیے اقرار موہوب الیہ ضروری نہیں ہے بلکہ ہبہ ہونے پر وہ بلا قبضہ مزید مالک ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر باپ خورد سال بچے کے حق میں ہبہ کرے خواہ شے موہوبہ اس کے یا اس کی جانب سے دوسرے کے قبضے میں ہو تو یہ بلا واقعی قبضہ و اقرار جائز ہے۔

اگر علاوہ باپ کوئی اور شخص کسی بچے کو کوئی شے ہبہ کرے تو بچے کے والد کو قبضہ دینے سے ہبہ کی تکمیل ہو جاتی ہے اور اگر بچے کے والد کا انتقال ہو جائے تو اولاد جو سرپرستی کا مستحق ہو اس کو قبضہ دہانی جائز ہے۔ وصی یا دادا کے مقررہ وصی بالترتیب آتے ہیں۔

کسی اجنبی کے ہبہ کی صورت میں حسب فتاویٰ قاضی خان حصول قبضہ و اقرار ہبہ کا اختیار بچے کی جانب سے باپ کو ہے۔ باپ کے انتقال یا اسکی دور دراز فاصلے پر رہائش کی صورت میں وصی مستحق ہے۔ باپ کے مقررہ وصی کو دادا پر فوقیت حاصل

ہے۔ جب نہ باپ ہو نہ اس کا مقررہ وصی تو حق قبضہ اولاد ادا کو مابعد اس کے مقررہ وصی کو حاصل ہوتا ہے ان چاروں کے علاوہ کسی اور شخص کا قبضہ جائز نہ ہو گا تا وقتیکہ بچہ اس کی نگرانی میں نہ ہو۔ اسی لئے کہ بقول بعض فقہاء اگر بچہ اپنے چچا کی نگرانی یا پرورش میں ہو جس پر وہ بیہ کر کے قبضہ کر لے حالانکہ باپ کا مقررہ وصی بمنزلہ باپ (جو بجائے باپ ہے) موجود ہو تو ایسا قبضہ ناجائز ہو گا اور اگر بھائی یا چچا یا ماں قبضہ حاصل کر لیں اور بچہ اجنبی کی دیکھ بھال میں ہو تو بیہ ناجائز ہو گا۔ تاہم ایسے اجنبی کا قبضہ جس کی نگرانی میں وہ بچہ ہے جائز ہو گا۔

اگر کوئی نابالغ لڑکی اپنے شوہر کے مکان میں ہو اور کوئی اجنبی غیر رشتہ دار اس کے حق میں بیہ کرے تو خاوند کا قبضہ جائز ہو گا۔ خواہ باپ (جو نہ مرا ہو دور دراز فاصلہ پر ہو) زندہ اور اگر باپ قبضہ حاصل کرے تب بھی یہ بیہ جائز ہو گا خواہ لڑکی اپنے خاوند کے مکان میں سکونت پذیر ہو۔ جب بچہ اپنے دادا یا چچا یا ماں کی نگرانی میں ہو اور ان میں سے یا کسی دوسرے کے بچے کے لیے بیہ کیا ہو اور بچے کا نگران خواہ باپ موجود ہو قبضہ حاصل کرے تو خاوند کے جواز کے بارہ میں مختلف رائے ہیں بعض کے نزدیک بیہ ناجائز ہو گا مگر صحیح اصول کے مطابق مثل اس بیہ کے جائز ہو گا۔ بیہ جو ایک نابالغ لڑکی کے حق میں کیا جائے تو خاوند کا قبضہ باپ کی موجودگی میں بھی جائز ہے۔ اگر بچہ کسی اجنبی (غیر رشتہ دار) کی نگرانی میں ہو تو وہ نابالغ کی جانب سے قبضہ حاصل کرنے کا مجاز ہو گا۔

ردالمحتار نے مختلف فقہاء کی علیحدہ علیحدہ رائے کے اظہار کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ وہ شخص جس کی نگرانی میں بچہ ہے اگر بچے کی جانب سے شے موہو بہ پر باپ کی موجودگی میں بھی قبضہ کر لیتا ہے تو بعض کی رائے میں یہ جائز نہیں ہے۔ دوسرے اسے جائز بتاتے ہیں اور اسی طرح مشتمل الاحکام میں فتویٰ ہے اور اصول صحیح کے مطابق یہ اسی طرح جائز ہے مثل اس خاوند کے جو اپنی نابالغ بیوی کے بیہ پر اس کے باپ کی موجودگی میں قبضہ حاصل کرے۔ اور خانیہ میں ہے کہ اس کے جواز میں فتویٰ بھی ہے۔ یہی استروسی کی رائے ہے ”آپ کے علم میں ہے کہ ہدایہ اور جوہرہ نے باپ کی موجودگی میں بچے کے نگران کا قبضہ ناجائز بتایا ہے اور منصف ہدایہ نے تسلیم کیا ہے۔ لیکن منہج فقہا قاضی خان اور دوسروں (اسحاب الفقہاء) نے اس کی تائید کرتے ہوئے اسے جائز قرار دیا ہے۔“

اصول ہائے مندرجہ بالا میں قاضی خان کا اصول صحیح ہے۔ اس سے انحراف نہ کرنا چاہئے اس لئے کہ وہ بہہ بدرجہ اولیٰ (فقیہ النفس) خاص کر بچہ کے مفاد کے مسئلہ پر ہے۔ پس فتویٰ صادر کرتے وقت یہ زیر غور ہونا چاہئے۔ اسی لئے میں نے مختلف اصول جس طرح وہ کتب فقہ میں وارد ہوئے ہیں بیان کر دئے ہیں۔

ایک شخص کی جانب سے بچہ کے حق میں بہہ جس کی مکمل نگرانی اسے تفویض کر دی گئی ہو (ایسا شخص کہ بچہ اس کی نگرانی میں ہو) اور اس زمرہ میں باپ چچا بصورت عدم موجودگی باپ بشرطیکہ بچہ اس کی نگرانی میں ہو شامل ہیں۔ ایسی صورت میں محض اعلان واہب سے (یعنی بلا موہوب الیہ کے اعلان) قبضہ مکمل ہو جاتا ہے۔ بشرطیکہ شے موہوبہ متغیر نہ ہو اور واہب یا اس کے امین کے قبضہ میں ہو اس لئے کہ سرپرست کا قبضہ بھی قبضہ نابالغ کے مساوی ہے۔

اگر کسی اجنبی نے بچہ کے حق میں بہہ کیا ہے تو یہ بنا قبضہ مکمل ہو جائے گا اور اس کا (سرپرست) ان چار اشخاص میں سے کوئی ایک ہوگا۔ اول باپ اس کے بعد وصی بعد ازاں دادا اور اس کے باپ کا مقررہ وصی خواہ بچہ واقعی اس کی نگرانی میں نہ ہو۔ اور کسی بھی شخص کے قبضہ لینے پر بہہ مکمل ہو جاتا ہے یعنی اگر کوئی شخص بطور چچا بچے کا نگران ہو اور اجنبی کا کیا ہو یا بہہ ماں یا کسی ایسے شخص کے قبضہ لے لینے سے جس نے کہ بچہ کی پرورش کیا ہو مکمل ہو جاتا ہے اور بہہ بچہ کے قبضہ سے بھی مکمل ہو جاتا ہے بشرطیکہ وہ باشعور ہو اور حصول جائیداد کا ادراک اس طرح ہو کہ بہہ اس کے مفاد کے لیے ہے نہ کہ اس کے نقصان کے لیے۔

مصنف درالمختار مزید رقم طراز ہے:

میں بتاتا ہوں کہ برجنیدی میں جواز بہہ کے سلسلے میں اختلاف رائے ہے۔ باپ کی موجودگی میں اگر بچہ کے حق میں کی گئی شے موہوبہ پر بچہ کے نگران کنندہ نے قبضہ حاصل کر لیا ہو تو بقول بعض یہ ناجائز ہے مگر صحیح اصول کے مطابق جائز ہے اور کابستانی نے اس کے جواز کو ہی ترجیح دی ہے اور اس اصول جواز کو فخر الاسلام سے منسوب کیا ہے جسے مصنف تنویر الابصار نے اپنی شرح میں خلاصہ سے منسوب کیا ہے، اس رائے کے خلاف ہے تاہم متن کتاب (مصنف) میں جواز کی تاویل اس استثنائی جملہ (باوجودیکہ

باپ موجود ہو) سے تمام صورتوں میں منطبق ہوتی ہے اور طحاوی نے اس کی وضاحت اس شرح کی ہے۔

جیسا کہ مصنف نے بتایا ہے موبوب الیہ خواہ وہ بالغ ہو اور خواہ اس کا باپ موجود ہو بوبہ پر قبضہ جائز حاصل کر سکتا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ اگر بچہ ماں یا کسی اجنبی کی دیکھ بھال میں ہو اور اس کی ماں یا اجنبی شے موبوبہ پر قبضہ حاصل کریں تو باپ کی موجودگی سے کوئی فرق نہیں پڑتا مگر ان کے بچہ کا قبضہ لینا خواہ باپ موجود ہو جائز ہے۔

فتاویٰ عالمگیری کے مطابق موبوب الیہ قبضہ حاصل کرنے کا مجاز ہے تو شے موبوبہ پر قبضہ حاصل کرنے کا بھی مستحق ہے۔ لیکن اگر وہ نابالغ یا مجنون ہے تو قبضہ کا اختیار دلی کو ہے۔ دلی یا تو باپ ہو گا یا باپ کا مقررہ وصی اس کے بعد دادا اس کے بعد باپ کے مقررہ وصی کا وصی پھر قاضی مابعد کوئی بھی شخص جس کو قاضی نے مقرر کیا ہو قطع نظر اس کے کہ نابالغ کا ان میں سے کوئی نگران ہے یا نہیں۔ ایسا ہی شرح المحتوی میں دیا گیا ہے پس اگر باپ یا اس کا مقررہ وصی یا دادا یا دادا کا مقررہ وصی دور دراز فاصلے پر رہنے کی وجہ سے غیر حاضر ہو تو حسبِ خلاصہ ایسے شخص کا قبضہ جو دلی مقرر کیا گیا ہو کافی ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ شے موبوبہ پر نابالغ کی جانب سے حصول قبضے کے لیے کوئی دلی خاص طور پر مقرر کیا جاسکتا ہے۔

قبضہ وہ شخص بھی لے سکتا ہے جس کی نگرانی میں بچہ ہو

لیکن اشخاص ماسوا باپ دادا اور دیگر مثل بھائی، چچا، ماں یا قرابت دار بھی قانون کی وسیع تشریح کے مطابق شے موبوبہ پر قبضہ لینے کے مجاز ہیں بشرطیکہ بچہ ان میں سے کسی کی نگرانی میں ہو۔ اس طرح اس وسیع تشریح کی بنا پر ان کا مقررہ دلی بھی قبضہ لے سکتا ہے۔ ایک اجنبی جس کی نگرانی میں ایسا یتیم ہے کہ اس کی کوئی اور دیکھ بھال کرنے والا نہ ہو قبضہ لے سکتا ہے۔ اور یہی اصول اس صورت میں بھی منطبق ہوتا ہے۔ جب بچہ قبضہ لینے یا نہ لینے کا کافی ادراک رکھتا ہو۔ یہ ان حالات میں ہے جب کہ باپ کا انتقال ہو گیا ہو یا وہ فاصلہ مزاحم پر ہو۔ اگر باپ زندہ اور موجود ہے اور بچہ دوسروں میں سے کسی کی نگرانی میں ہو اس صورت میں کہ آیا موخر الذکر کا قبضہ جائز ہو گا کوئی مستند قول سوائے

ایک اجنبی کے حق کے بارہ کے ہمیں ہے۔ اگر بچہ اجنبی کے نگرانی میں ہے اور دوسرا کوئی اس کا نگران نہیں ہے تو اس کی طرف سے اجنبی کا قبضہ جائز ہوگا۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ دوسرے رشتہ دار کا باپ کی موجودگی میں قبضہ ناجائز ہے۔ یہ بھی واضح ہے کہ اگر بچہ کا باپ زندہ ہو تو داد ایلہ لحاظ اس امر کے کہ بچہ اس کی نگرانی میں ہے یا نہیں قبضہ نہیں لے سکتا۔ نہ اس امر کا کوئی امتیاز ہے کہ آیا بچہ اس کی نگرانی میں ہے یا نہیں پس اس قاعدہ کا عام اطلاق ضروری ہے جیسا کہ ذخیرہ میں ہے۔ اس قول میں استثناء جیسا کہ بعد میں آئے گا۔ یہ معقول بنا پر ہے۔ پس ایک نابالغ جو گود میں ہے اور اپنے چچا کی سرپرستی میں ہے اور چچا باپ کے مقررہ ولی کے باوجود نابالغ کے حق میں بہہ کر کے خود شے موہوبہ پر قبضہ حاصل کر لیتا ہے تو بقول فقہا قبضہ ناجائز ہے۔ اور اگر بھائی، چچا یا ماں ایسی صورت میں جبکہ نابالغ ایک اجنبی کی ولایت میں ہو، قبضہ لے لیں تو یہ ناجائز ہوگا۔ لیکن خود اجنبی جس کی ولایت میں بچہ ہے، قبضہ حاصل کر لے تو یہ جائز ہے۔ اور ایسا ہی فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔

اگر ایک شادی شدہ نابالغ لڑکی جو سن بلوغ پر پہنچ گئی ہے اور اپنے خاوند کی ولایت میں ہو تو وہ خود یا اس کی جانب سے خاوند کسی بھی شے پر جو لڑکی کو بہہ کی جائے جائز طور پر قبضہ لے سکتا ہے مگر ایسی لڑکی جو ابھی بالغ نہیں ہوئی ہے ہمارے بعض فقہا کے مطابق اس کی جانب سے خاوند کا قبضہ جائز نہ ہوگا۔ مگر صحیح اصول یہی ہے کہ اگر وہ خاوند کی ولایت میں ہے تو خاوند شے موہوبہ پر جائز طور پر قبضہ لے سکتا ہے لیکن اگر وہ خاوند کے ساتھ اس کے گھر میں سکونت نہیں رکھتی تو خاوند قبضے کا مجاز نہیں ہے۔ بلکہ لڑکی کا ولی اس کی جانب سے قبضے کا مجاز ہوگا۔ یہی ذخیرہ میں درج ہے۔ اگر نابالغ لڑکی اپنے دادا، بھائی، ماں، چچا کی ولایت میں ہے اور ان میں سے کوئی بہہ کرتا ہے تو خاوند کا قبضہ جائز ہے۔ ایسا ہی تاتار خانہ میں درج ہے۔

جب لڑکی بالغ ہو جائے تو بلا اس کے اذن کے نہ اس کا باپ نہ خاوند قبضہ حاصل کرنے کے مجاز ہیں ایسا ہی جوہر النیرہ میں ہے اور اگر کوئی نابالغ لڑکی باپ کی اجازت سے کسی اجنبی کی ولایت میں ہے اور باپ موجود نہیں ہے تو بجائے بھائی کے اجنبی کا قبضہ جائز ہے۔

اگر کوئی نابالغ جس کے حق میں بیہ کیا گیا ہو اور بھائی یا ماں کی ولایت میں ہے اور اس کا گھر اس باپ کی موجودگی کے باوجود قبضہ حاصل کر لیتا ہے تو اس پر ہمارے مشائخ میں اختلاف ہے۔ جیسا کہ فتاویٰ قاضی خاں میں اور فتاویٰ الفتویٰ میں ہے موبوب الیہ کا جو خود حائل ہے قبضہ حاصل کرنا جائز ہے اگر باپ حیات ہو تب بھی جائز ہے جیسا کہ واجد الغرویٰ میں آیا ہے اور یہی ذخیرہ کے مطابق اور ہمارے ایک ثلث فقہاء کی رائے ہے۔ اگر وہ حائل نہیں ہے تو سراج الوہاج کے مطابق قبضہ ناجائز ہے۔ موبوب الیہ کا اقرار بشرطیکہ بیہ اس کے مفاد میں ہو تو جائز ہے اور اگر ضرر رساں ہے تو ناجائز ہے۔

جب کوئی باپ نابالغ بچے کے حق میں مکان بیہ کرتا ہے اور واہب کی اشیا بھی اس میں ہیں تب بھی بیہ جائز ہے۔ یہی مسلمہ اصول ہے اور اسی کے مطابق فتویٰ ہے جیسا کہ کتاب فتاویٰ میں درج ہے۔ ملتقی میں بھی امام محمدؒ کے حوالہ سے ہے کہ اگر کوئی اپنے نابالغ بچے کے لیے مکان بیہ کرے اور بطور کرایہ دار کرایہ دیتے ہوئے اس میں رہائش رکھے تو یہ جائز ہے اور بلکہ واہب بغیر کرایہ دئے اگر رہائش رکھے تب بھی جائز ہے۔

بیہ حق نابالغان

اس سلسلہ میں عدم جواز واہب کی دو جہتوں سے ہوتا ہے۔

یہ کہ مکان جو دو نابالغ بچے کو بیہ کرتا ہے اس کا کرایہ دار بن جاتا ہے۔ اس لئے کہ بچے نے بطور ولی اسے قبضہ مکان تفویض ہوتا ہے۔ اگر وہ کرایہ ادا کرتے ہوئے بھی قابض رہتا ہے تو خود اپنا کرایہ دار بن جاتا ہے۔ اسی استدلال کی بنا پر امام محمد کی رائے ہے کہ خواہ باپ اس مکان پر جو اس نے نابالغ بچے کو بیہ کیا ہو، سکونت پذیر رہے مگر اسے ایک کرایہ دار کی حیثیت سے عمل کرنا چاہئے۔ لیکن یہ اعتراض اس صورت میں قائم نہیں رہتا جب کہ شئے موبوبہ (مکان) متولیان کو منتقل کر دی جائے اور ان سے مکان کرایہ پر لیا جائے اور نہ اس کا اطلاق اس حالت میں ہوگا جب کہ علاوہ ولی (جس کی ولایت میں بچہ ہے) کسی اور شخص نے بیہ کیا ہو۔

اگر یتیم بچہ جو ماں کی نگرانی میں ہو اور شئے موبوبہ پر اس کی ماں قبضہ کرے تو

یہ جائز ہے۔ اس لئے کہ وہ بچے کی جائیداد اور ذات کے تحفظ کی مجاز ہے اور اس کا شے موہوبہ پر قبضہ خود بچے کی حفاظت کی مثل ہے۔ اس لئے کہ بلا جائیداد بچہ کا وجود قائم نہیں رہ سکتا۔ یہی اصول ایک یتیم کے غیر رشتہ دار ولی کے جواز قبضہ پر منطبق ہوتا ہے۔ پس ایک یتیم جو اجنبی کی سرپرستی میں ہو اور بحیثیت ولی اس پر قبضہ حاصل کرے تو قانوناً یہی قبضہ کافی ہے۔ بالفاظ دیگر ایک واقعی قابض ولی یا ایسا ولی (جس کو باپ کی حیات میں عدالت نے مقرر کیا ہو) کافی ہے۔

بچے کے ولی کا قبضہ

اگر ایسا نابالغ جسے اپنے مفاد کا ادراک ہے، خود ہی شے موہوبہ پر قبضہ حاصل کرے تو یہ جائز ہے بشرطیکہ یہ اس کے لیے فائدہ رساں ہو۔ ایک ضرر رساں ہبہ کی مثال اس طرح ہے:۔ اگر کوئی شخص کسی نابالغ کو ایک نابینا غلام بطور ہبہ دے تو اس کا اقرار ناجائز ہوگا۔ اس بارہ میں استدلال ظاہر ہے اس لئے کہ موہوب الیہ پر غلام کی پرورش کا بار ہوتے ہوئے بھی غلام کی خدمات سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

ہبہ بہ زوجہ نابالغ

اوپر بتایا گیا ہے کہ کسی شوہر کا اس جائیداد پر قبضہ جو اس کی نابالغ زوجہ کو ہبہ کیا گیا ہو جائز ہے بشرطیکہ وہ اس کے باپ کے مکان سے شوہر کے گھر بھیج دی گئی ہو اس لئے کہ جب ایک باپ اپنی لڑکی کو شوہر کے مکان پر بھیج دیتا ہے تو مفہوم اس کی جائیداد کی نگرانی و قبضہ اس کے شوہر کو ہی تفویض ہوتا ہے لیکن باپ کے گھر سے نہ بھیجی گئی ہو تو صورت مختلف ہوگی۔ لیکن یہ قیاس نہیں کیا جاسکتا کہ اس کے باپ نے جائیداد کے انصرام سے دست کشی کر لی۔

لیکن باپ کی حیات کی صورت میں جو رہائش گاہ میں ہو لے سکتی ہے جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری اور دوسری تصانیف کے متذکرہ اقتباسات سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ اگر وہ قبضہ حاصل کرتی ہے تو ہبہ ناجائز ہوگا۔

جب بچے کو باپ یا دوسرا شخص (جس کی ولایت میں بچہ ہے) کوئی شے

بیہ کرے تو یہ ضروری نہیں ہے واجب خود کو تمام مفادات سے علیحدہ کر لے۔
مثلاً اگر کوئی مکان بیہ کیا ہے تو یہ ضروری نہیں کہ واجب اس میں نہ رہے یا اسباب
اس میں سے بنائے۔

نابالغ بچہ وہاں کہ دین مہر بشور بیہ

جب کوئی عورت اپنا دین مہر جو اس کے شوہر کے ذمے واجب ہو اسی شوہر
سے پیدا شدہ خور و مال بچہ کو بیہ کرتی ہے تو صحیح اصول کے مطابق وہ بیہ جائز نہ ہوگا کہ
اس بچہ کو جو اسی شوہر سے ہے، وصولی مہر کا مجاز کرے۔ فتاویٰ قاضی خان کے مطابق
بچہ بعد وصول یا بی بی اس کا مالک ہوگا۔ ماں کو چاہئے کہ وہ بچہ کو باپ سے رقم وصول کرنے
کا مجاز مردے خواہ مہر نامہ کسی دیگر غیر شخص کو بچہ کی جانب سے دیدے یا اس کو بچہ کی
جانب سے مہر طلب کرنے کا مجاز کرے۔

صورت مندرجہ بالا میں اصولوں کی ترتیب اس طرح ہے:

اگر کوئی اجنبی کسی نابالغ کے حق میں بیہ کرے تو بچہ کی جانب سے حق اقرار
اور حصول قبضہ اولاً باپ کے ذمہ ہے۔ باپ کے انتقال یا اس کے طویل فاصلہ پر ہونے کی
صورت میں جب کہ اس کی موجودگی مشکل ہو تو باپ کا مقررہ وصی اس کا قائم مقام
ہوگا۔ اگر باپ کا مقررہ وصی نہیں ہے تو داد اور اس کی عدم حاضری میں دادا کا مقررہ وصی
مجاز ہوگا۔

مزید برآں کوئی بھی شخص جو کہ حسب واقعات نابالغ کا ولی ہو، جس کی نگرانی
میں وہ بچہ ہے (ولی قانونی سمجھا جاسکتا ہے) شے موہوبہ پر قبضہ لے سکتا ہے۔

مسماۃ بانوبی بی بی بنام فخر الدین حسن

بمقدمہ مسماۃ بانوبی بی بی بنام فخر الدین حسن عدالت صدر نے بر بنائے اصول یہ
صحیح فیصلہ صادر کیا کہ ایک خاتون کا ایسے نابالغ کے حق میں جائیداد کا بیہ جس کو اس نے
اپنے خاندان میں بطور متبقی لڑکے کے شامل کر لیا تھا اور جس پر کہ بوقت بیہ یا صحن حیات
واقف قبضہ نہیں دیا گیا نابالغ کی جانب سے (باوجودیکہ نابالغ کا باپ زندہ تھا) قبضہ جائز اور
قانوناً مکمل تھا۔

ایک نابالغ لڑکی شادی کے بعد اپنے شوہر کے ساتھ رہتی ہے تو باپ یا خاوند کی مقبوضہ شے پر اس کے حق میں بیہ جائز ہے۔ لیکن کوئی نابالغ عورت اگر خاوند کے یہاں جانے سے قبل بالغ ہو جائے تو خاوند اس شے پر قبضہ کا مجاز نہیں ہے۔ ایک نابالغ زوجہ کی ولایت جب وہ خاوند کے گھر آتی ہے تو خاوند کو ہی تفویض ہوتی ہے لیکن جب تک وہ خاوند کے گھر نہ آئے تو خاوند کو زوجہ کی جانب سے اس کی شے موہوبہ پر قبضہ کا اختیار نہیں ہے۔ اگر خاوند کے ساتھ رہائش اختیار کر لیتی ہے تو وہ اس کا ولی ہو جائے گا اور نابالغ اگر قابل فہم ہے تو وہ شے موہوبہ پر قبضہ لے سکتا ہے بصورت نزع قاضی نگران مقرر کرنے کا مجاز ہے۔

اگر موہوب الیہ سفیہ ہو تو قبضہ کا حق ولی کو پہنچتا ہے اور اگر وہ لیتق کے حق میں بیہ کیا گیا ہے تو ایسے بچے کے پرورش کرنے والے شخص یا حج (قاضی) کا قبضہ کافی ہے۔ ایک سن تمیز کو پہنچنے والے بچے کو حق ہے کہ بیہ کو منظور کرے یا نا منظور یا والدین بشرط ضرورت (واہب کا منشا ثابت ہونے پر) بچے کی شے موہوبہ کو استعمال کر سکتے ہیں مگر ضائع نہ کریں۔ تحائف کے لیے بھی جو عروس کو پیش کئے جاتے ہیں یہی اصول منطبق ہوتا ہے۔ اس لئے کہ اگر شوہر کے رشتہ داروں کی جانب سے ہوں تو شوہر کی ملک ہوں گے تا وقتیکہ اس امر کی وضاحت نہ کر دی جائے کہ وہ اس کی زوجہ کے ہیں۔ ایسی اشیاء جو کہ عروس کو جہیز میں دی جاتی ہیں وہ عروس کی ہوتی ہیں تا وقتیکہ باپ امین بطور عاریت ظاہر نہ کرے۔ اس کا بار ثبوت باپ پر ہوگا اور اس کے ساتھ رواج پر بھی غور کرنا ہوگا۔

کوئی بھی شخص اپنے بچے کی جائیداد بطور بدلہ بیہ نہیں کر سکتا۔ اسی اصول کی بنا پر کوئی بھی ولی تا وقتیکہ غیر معمولی حالات نہ ہوں نابالغ کی جائیداد کو بیع نہیں کر سکتا۔ بوقت ختنہ جو تحائف ملتے ہیں وہ بطور بیہ کے ہیں۔ اگر وہ اس کے لیے ناموزوں ہیں تو اس کے والدین کی ملک ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ والدین کے اعزہ کی طرف سے ہوتے ہیں۔ لیکن اگر تحفہ دینے والا واضح طور پر یہ مختص کر دے کہ یہ بچے کے لیے ہے تو وہ بچے کی ملک ہوں گے۔ ایک بچہ جو سن تمیز کو پہنچ چکا ہے لیکن نابالغ نہیں ہوا ہے مگر مفاد کا لورا رکھتا ہے تو

بیہ کو قبول کر سکتا ہے خو لو اس کے دل نے نامنظور کر دیا ہو۔ فتاویٰ قاضی خان میں ہے کہ اگر کوئی اپنے نابالغ بچے کو مکان بیہ کرے اور مابعد مکان موہوبہ کے منافع سے ایک دوسرا مکان حاصل کرے تو بعد والا مکان بھی بچے کی ہی ملک ہوگا۔ بقول درالمتحدیہ مسئلہ مسلمہ ہے۔ اگر اس مسئلہ کا تجزیہ کیا جائے تو اس اصول کی اس طرح صراحت ہوتی ہے کہ جب کوئی باپ اپنے بچے کے حق میں بیہ کرے تو شے موہوبہ بچے کی ملک ہو جاتی ہے۔ خو لو یہ باپ کے ہی قبضہ یا تصرف میں رہے۔ اس لئے کہ باپ کا قبضہ اس جائیداد کے بارہ میں بچے کے حق کے مانع نہیں ہے۔ اس سے بچے کی حق نوعیت بیہ نہ تبدیل ہوتی ہے اور نہ ضائع۔

فصل سوم :- بیہ بالشرائط

بیہ مشروط بالوقت اور بیہ بالشرائط

بیہ مشروط اور بیہ مسلک بالشرائط میں بڑا فرق ہے۔

اول الذکر ایسی حالت میں جو بعض اتفاقی واقعات پر منحصر ہیں اور تمام مذاہب کے مطابق باطل ہیں۔ ایسے بیہ جو تابع شرائط ہیں ان کے بارہ میں اہل تشیع و احناف میں بڑا اختلاف ہے۔ مذہب حنفی کے مطابق تکمیل بیہ میں کوئی بھی نقص اسے کالعدم کر دیتا ہے۔ اور اگر موہوب الیہ کو تمام شے موہوبہ دیا جانا یا ملنا ثابت ہے تو شرائط مابعد جیسے شے موہوبہ پر تصرف کا کم یا محدود ہونا کالعدم و باطل ہوں گی۔

ایسی صورت میں مذہب حنفی کے مطابق یہ جائز ہے مگر اس کی شرط باطل ہے۔ شیعہ فقہ کے مطابق اگر بیہ کی شرط ذیلی ہے تو بیہ اور شرط دونوں جائز ہیں مثلاً اگر کوئی شخص یہ کہے کہ جو میری رقم قرضہ A پر واجب ہے وہ تم B کو دو تو اس شرط پر بیہ کرتا ہوں تو مذہب حنفی کے مطابق شرط باطل ہے لیکن بیہ جائز ہے۔ مگر شیعہ فقہ کے مطابق اگر بیہ کا انحصار شرط مسلک پر ہے تو تمام بیہ ناقص ہوگا اگر بیہ کا شرط پر انحصار نہیں ہے اور شرط کی نوعیت محض قانونی ہے تو بیہ اور شرط دونوں جائز ہیں۔ طریقہ معروف کے مطابق اس میں کوئی فرق نہیں ہے کہ آیا بیہ کا انحصار شرط مسلک پر ہے یا شرط کی نوعیت محض ثانوی ہے دونوں ہی صورتوں میں بیہ اور شرط ہر دو جائز ہیں۔

مذہب حنفی

حنفی اصول کے مطابق یہ واضح ہونے کی صورت میں کہ A کے حق میں نہیں
 شے کی نیت ہے اور ساتھ محدود حق ملکیت کی شرط ہو کہ محض دوران حیات اس
 سے استفادہ کر سکے گا تو شرط باطل ہوگی اور ہبہ قطعاً موثر ہوگا۔ علیٰ نذ القیاس اگر ایک
 شخص قطعہ آراضی دوسرے کو اس شرط پر ہبہ کرے کہ موہوب الیہ اس کو (واہب کو)
 دو انا تمام منافع آراضی دیتا رہے تو ایسی شرط ناقص ہے اس لئے کہ ان صورتوں میں شرط
 مذکور مقصد ہبہ کو باطل کر دیتی ہے بالفاظ دیگر اگرچہ ہبہ کا منشا موہوب الیہ کو جائیداد منتقل
 کرنے کا ہوتا ہے مگر اس کا مفاد اس حالت میں قطع ہو جاتا ہے اور دوسری صورت میں وہ
 دائماً ہبہ کے زیر بار ہوتا ہے۔

مذہب حنفی

مذہب حنفی کے مطابق صرف وہی شرائط ناجائز ہیں جو کہ ہبہ کو بے اثر یا اس
 کے مقصد کو باطل کر دیتی ہیں۔ فتاوائے عالمگیری میں مندرجہ مثالیں زمانے کے سماجی
 حالات کے مطابق ہیں جن سے فقہاء کی نیت کے بارہ میں شک کی گنجائش نہیں ہے تمام
 فقہاء اس پر متفق الخیال ہیں۔ اگر کسی ہبہ کے ساتھ کوئی ناجائز شرط منسلک ہو تو ہبہ جائز
 اور شرط باطل ہوگی۔ مثلاً اگر کوئی ایک غلام لڑکی دوسرے شخص کو اس شرط کے ساتھ
 ہبہ کرے کہ وہ اس کو کبھی فروخت نہ کرے گا یا اسے بچوں کی ماں بنائے گا (یعنی اس کے
 نطفے سے بچے پیدا ہوں گے) اور اس کے نتیجے میں وہ اس کے اثر سے آزاد ہوگی یا وہ اس کو
 فلاں فلاں کو فروخت کرے گا یا ایک ماہ بعد واہب کو واپس کر دے گا ان تمام صورتوں
 میں ہبہ جائز اور شرط باطل ہے۔ یہی سراج الوہاج میں ہے۔

بے نتیجہ ہبہ کی مثالیں

متذکرہ مثالوں سے معلوم ہوگا کہ منسلکہ شرائط سے ہبہ قطعاً غیر موثر ہو جاتا ہے
 بلکہ منشا ہبہ کے قطعاً متصادم ہے اس لیے کہ اس سے حقوق موہوب الیہ محدود ہوتے ہیں۔
 اس لئے شرائط باطل ہیں۔ دوسری مثالیں جن سے فقہاء کا منشا ظاہر ہوتا ہے اس طرح ہیں۔
 اگر کسی دوسرے شخص کو مکان اس شرط پر دیا جائے کہ واہب کو وہ ایک حصہ

واپس کرے یا اس کے عوض موہوب الیہ کوئی بدل دے تو ہبہ جائز ہوگا اور شرط باطل ہوگی۔ ایسا ہی کافی میں آیا ہے۔ ان تمام صورتوں میں یہی اصول حاوی ہے کہ مشروط بالتبعض معاہدات میں لا حاصل شرائط سے معاہدوں کی تسخیح نہیں ہوتی بلکہ وہ شرائط خود منسوخ ہو جاتی ہیں جیسا کہ ہبہ یا رهن میں ہوتا ہے۔ یہی سراج الوہاج میں آیا ہے۔ وہ معاہدے جو لا حاصل شرائط سے منسوخ ہوتے ہیں ان کی تعداد تیرہ ہے۔ جیسے کہ بیع، تحسہ، ہبہ، بیعت، قرضہ، رهن، طلاق، رهن، قرضہ، ہبہ، وصایا، وہ معاہدے جو کہ مستقبل سے متعلق ہوں ان کی تعداد ۱۳ ہے اور جو مستقل نہ ہوں وہ ۹ ہیں۔ جیسے بیع تقسیم، شرکت ہبہ وغیرہ۔

اگر کوئی قطعہ آراضی دوسرے کو اس شرط پر ہبہ کرے کہ موہوب الیہ اس کی پیدوار واہب کو دیدے تو ابو القاسم ستار کے مطابق اگر اس زمین پر انکور کی بیلین یا دوسرے درخت ہوں تو ہبہ جائز اور شرط باطل ہے۔ اگر آراضی بخر ہے تو ہبہ جائز ہوگا اور شرط باطل ہوگی۔ ایسا ہی فتویٰ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ اسی طرح اگر کوئی انکور کی بیل دوسرے کو اس شرط پر دے کہ موہوب الیہ اس کی فصل واہب کو دے گا تو ہبہ جائز اور شرط باطل ہے۔ ایسا ہی محیط السرخسی میں ہے اور بقرا سی جالی کے بقول اگر کسی کو کوئی ہبہ کرے یا کوئی شے بطور صدقہ اس شرط پر دے کہ موخر الذکر اسکا ایک ٹلت یا چہارم واپس کر دے گا تو ہبہ جائز ہے خواہ موہوب الیہ کچھ واپس نہ کرے۔ یہی تاتار خانیہ میں درج ہے۔ ان تمام مثالوں سے ظاہر ہے کہ موہوب الیہ پر غائد شدہ شرط ہبہ کے یکسر منشا کو ہی مستحکم کر دیتی ہے اس لئے کہ یہاں تمام شے کا انتقال مقصود ہے مگر اختیار اتنا محدود ہے کہ بعض حالات میں ان کا تصرف (حق استعمال) بالکل بے معنی ہو جاتا ہے اور دیگر صورتوں میں ”نعین شے“ کا جزوی حاصل ہوتا ہے پس اصل مقصد ہبہ پر عمل ہوتا ہے یعنی ہبہ جائز اور شرط باطل رہتی ہے۔ یہی فقہاء کے تشریحات کی اصل ہے۔

جائز شرطوں کی مثالیں

اگر A کوئی جائیداد B کو اس کا اختیار انتقال محدود کئے بغیر اس شرط پر ہبہ کرے کہ A کو مقررہ میعاد تک B ادا نیگی کرتا رہے یا A اور اس کے ورثا کو عین جائیداد کا ایک

جزو دیتا ہے تو صورت حال اس کے برعکس ہوگی اور بیہ و شرط دونوں جائز ہوں گے اور اگر B جائیداد کو منتقل کرے تو منتقل ایہ اسی شرط کے تحت لے گا۔

ان حالات میں جیسا کہ ظاہر ہے واہب کا اپنے یا ورثاء کے مفاد کو محفوظ کر لینے سے منتقل ایہ کا حق ملکیت جائیداد (بذریعہ انتقال) زائل نہیں ہوتا۔

شرعاً اصل مقصد کے تجزیہ سے ظاہر ہے کہ تمام حقوق انتقال متعلق عین جائیداد کا بیہ اصلاً کرایہ اور آمدنی کے مفاد کی حفاظت ہے۔ اس سے حاصل شدہ مفاد یا اس کے استعمال میں کوئی ثانوی جزو جواز کو متاثر نہیں کرتا اور یہ نظیر نابالغ موہوب ایہ تک ہی محدود نہیں ہے۔

نواب امجد علی خان بنام محمدی بیگم

بمقدمہ نواب امجد علی خان بنام محمدی بیگم پر یوی کونسل کی جوڈیشل کمیٹی نے بڑی وضاحت سے اصول متذکرہ سے متعلق سیر حاصل بحث کرتے ہوئے یہ فیصلہ صادر کیا ہے اور یہی صحیح اصول ہے جو ان حالات میں منطبق ہوتا ہے۔ ضروری ہے کہ اس مقدمہ کی قانونی جہتوں کا تفصیل سے جائزہ لیا جائے۔

مرافعہ گزار کے والد (نواب امجد علی خان) نے انتقال سے چند سال قبل اپنے نام پر گورنمنٹ پراسری نوٹ کافی تعداد کے منتقل کر کے تصدیق مہری کردی اور مرافعہ گزار کی ہدایت کے مطابق نوٹس کا منافع باپ کو بھی ملتا رہا بعد ازاں اس کے والد نے کچھ جائیداد از قسم آراضی برائے نام بدل پر اپنے لڑکے کے نام منتقل کردی اور تاحین حیات اس جائیداد کا حق استعمال اپنے لئے محفوظ رکھا۔

باپ کے انتقال پر فریق ثانی (یکے از دختران) نے گورنمنٹ پراسری نوٹس کے متعلق دعویٰ اس بنا پر دائر کیا کہ مرحوم نواب ان کے اصل مالک تھے اور مرافعہ گزار برائے نام قابض تھا۔

فاضل ججان نے بعد غور مقدمہ میں درج ذیل فیصلہ صادر کیا۔

ترتیباً ان معاملات میں اول شرع کا اہم اصول بیہ مابین اشخاص زندہ موجود ہے اس سے قبل کہ اصول جواز بیہ مابین اشخاص زندہ طے کیا جائے اس پر غور کرنا ضروری

ہے کہ اصل نویت انتقال کیا تھی۔ مراد گذار کو قانوناً پر اسری نوٹس پر حق ملکیت بلا شبہ باپ کے نقل پر ہی اس کی حیات میں حاصل تھا۔ قانوناً حق انتقال سے اگرچہ شرعاً واصلاً شرائط انتقال قبضہ کی تکمیل ہو جاتی ہے تاہم جب تک حال یا مستقبل میں ملکیت مفاد منتقل کرنے کی نیت نہ ہو یہ کافی نہیں ہے۔ (مسٹر فریزر Mr. Friser سول جج) نے شرائط متعلق بیہ پر کافی غور کیا ہے۔

ان مقامی یا نقد لگان کے لیے اپنے طور پر مثل خاندان کے ایک خاندانی حالت میں رہتے ہیں اور جائیداد کی آمدنی جو خاندان کے علیحدہ ممبر ان کے نام پر درج ہے جو کہ سربراہ خاندان والدین نے منتقل کی ہے ان کی خواہشات کے احترام انتظام اور ان کی رضا مندی عام طور پر ظاہر ہوتی ہے۔ اس بارہ میں اس کی تائید میں پر زور دلیل سے کہ اس معاملے میں جیسا کہ حالات موجودہ میں ہے پوشیدہ بدنیتی کی کوئی رمت اس میں شامل نہیں تھی بلکہ واہب کی حیات انتقال جائیداد کی نیت کے امکان کو مزید تقویت ملتی ہے جس میں کہ روپیہ سے پیدا شدہ آمدنی یا اس سے مفاد محض واہب کی حیات انتقال کو محدود رکھا گیا ہو۔

یہ غور طلب ہے کہ ایک واہب کا حین حیات جائیداد کا شرعاً انتقال جب کہ وہ نہ جائیداد کے "حین" حق ملکیت کو اپنے لیے محفوظ کرے اور نہ کوئی اپنا حصہ مختص کرے بلکہ محض تا حین حیات علی الاطلاق پیداوار پر اپنا حق مالکانہ مشروط کرے تو یہ حسب شرعاً نامکمل بیہ ہے۔ ہدایہ کے متن میں یہ مسئلہ شامل ہے۔ جس کا جواب نفی میں ہے۔ واپس کی جانے والی شے اصلاً وہ نہیں ہوتی بلکہ قدرے مختلف ہوتی ہے (ملاحظہ ہو ہدایہ بیہ، جلد نمبر ۳ کتاب نمبر ۳۰ صفحہ نمبر ۳۰۴) رہا یہ اعتراض کہ جائیداد موہوبہ میں واہب کی شرکت بیہ کو ناجائز بنا دیتی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ واہب اس شے کو جو بیہ نہیں کی گئی استعمال کر سکتا ہے۔ بالفاظ دیگر وہ تمام غیر تقسیم شدہ شے کا استعمال کر سکتا ہے اس لیے کہ بیہ اصل شے کا ہے نہ کہ اس کے استعمال کا۔

مکرر یہ کہ اگر باپ کی حیات میں اس کے مفاد کا تحفظ موہوب الیہ کے مکمل استفادہ کے خلاف ایک شرط متضاد قرار دی جائے تو ایسی صورت میں جب مسلم لائیں بیہ ناجائز نہیں ہوتا بلکہ شرط ناجائز ہوتی ہے (ملاحظہ ہو ہدایہ جلد نمبر ۳ کتاب نمبر ۳۰ صفحہ

نمبر ۳۰۷) چونکہ باپ و بیٹے کے درمیان اس قسم کے حق استعمال کی سہولت بنیادی طور پر صحیح ہے اور لڑکے کا اس طرح معاملہ کرنا جائز ہے۔ عدالت ہائے ہند میں ایسا معاہدہ جس کی بنا پر ٹرسٹ قائم کیا جائے اور وقت معینہ تک جس کی آمدنی واپس کرنے کی شرط کی گئی ہو اس کو عدالت ہائے مذکور نے جائز اور قابل نفاذ قرار دیا ہے۔ عذر فریقین احکام ”بدایہ“ کے خلاف ورزی نہیں ہے اس لئے انتقال مکمل ہو جاتا ہے۔

بادی النظر میں یہ فیصلہ ابو القاسم السافر حنفی فقیہ کے اصول سے برعکس ہے۔ مگر یہ ذہن نشین رکھنا چاہئے کہ حسب فقہ حنفی شرائط کا ابطال بڑی حد تک عربی جملوں کی معنوی خاصیت اور نوعیت سے پیدا ہوتا ہے۔ عام کلیہ کے مطابق یہ بتایا جاسکتا ہے کہ جب تمام جائیداد میں انتقال حقوق ملکیت کا ارادہ قطعاً واضح ہو تو کوئی ایسی شرط جس سے فی الفور مکمل ہبہ میں نقص پیدا ہو تو وہ باطل ہے۔ اور جب کوئی شرط ہبہ کی فی الفور تکمیل میں نقص یا رکاوٹ کے بغیر پوری ہو سکتی ہے یا شے موہوبہ کے عین کے خود ہی انتقال میں خارج ہو تو شرط اور ہبہ دونوں باطل ہیں۔ اگر کوئی دوسرے کو جائیداد ہبہ قطعی کر کے اور موہوب الیہ کو قابض کر دے اور حسب تحریر مجمع الانہار شے موہوبہ کی نوعیت کے پیش نظر یہ شرط ہو کہ تمام حصہ آمدنی واہب یا دیگر شخص کو تا حین حیات دیا جائے گا ایسی شرط یا مخصوص نوعیت سے جائیداد کو موہوب الیہ میں تفویض ہونے سے کوئی دشواری نہیں ہوتی۔ اور شرط جائز ہوگی اس طرح اگر کوئی اس شرط پر ہبہ کرے کہ موہوب الیہ واہب کے قرضوں کی ادائیگی کرے گا۔ اور شے موہوبہ پر قبضہ دے دیا جائے تو یہ شرط جائز ہوگی۔

یا اگر کسی واہب کی یہ شرط ہو کہ موہوب الیہ آمدنی کا ایک جز دیا مقررہ رقم سالانہ دو امان اس کے ورثا کو ادا کرے گا اور ہبہ پر عمل کرنے کے لیے شے موہوبہ موہوب الیہ کو منتقل کر دے۔ چونکہ یہ شرط تکمیل ہبہ میں کسی طرح خارج نہیں ہوتی اس لیے ہبہ اور شرط دونوں ہی قانوناً موثر ہوں گے۔ اس سلسلے میں پریوی کونسل کے فاضل ججان کا فیصلہ فقہ حنفی کے کلیتاً مطابق ہے۔

ایسے بیبات جو کہ کسی امر کے وقوع پر منحصر ہوں، جیسا کہ بتایا گیا، ہر دو مذاہب کے مطابق باطل ہیں۔ مثلاً کسی قرض کی ادائیگی سے بچنے کے لیے درج ذیل الفاظ کے مطابق ایک شرط (بب توکل آئے اور تیری موت واقع ہو جائے تو میرے قرضے سے بری الذمہ ہو جائے گا) یہ شرط کا عدم اور باطل ہے (یا بالفاظ دیگر) اگر اس مرض سے تیری موت واقع ہو جائے یہ مکان تیرا ہے ان سب صورتوں میں بیہ قطعاً باطل ہے۔ لیکن ایسی شرط جس سے کہ بیہ کا فوری نفاذ مقصود ہو تو جائز ہے۔ مثلاً کوئی دوسرے سے یہ کہے کہ اگر میرا کوئی روپیہ تمہارے ذمہ ہے تو میں اس سے تمہیں بری الذمہ کرتا ہوں یا میں بب مر جاؤں تو تم میرے قرضے سے بری الذمہ ہو جاؤ گے۔ موخر الذکر صورت میں یہ بیہ بالوسیت ہوگا۔

بیہ کی غیر اہم شرائط کی مثالیں

بب ایک شخص دوسرے سے کہے کہ یہ مکان تیرے لئے ہے اگر تو میری حیات میں مر جائے تو یہ میرا ہے اور اگر میں تیری حیات میں مر جاؤں تو تیرا ہے اصطلاحاً است رقبہ کہتے ہیں اور بقول طحاوی امام ابو حنیفہ اور محمد کے قول کے مطابق ایسا معاملہ باطل ہے اور ابو یوسف کے مطابق یہ بیہ ہے۔ لیکن اول الذکر اصول صحیح ہے۔

بب کوئی جائیداد بطور رقبہ دی جائے تو یہ عاریت قرار دی جائے گی یعنی موہوب الیہ کے پاس بطور قرض رہے گی کہ جس کو وہ منتقل نہیں کر سکتا۔ اور واہب اس امر کا مجاز ہوگا کہ اس بیہ یا عاریت کو کسی بھی وقت واپس لے لے۔

فقہ حنفی کے مطابق ایک حین حیات بیہ یا عمرہ اگر ان شرائط کے ساتھ کیا جائے جس سے بیہ قطعاً مفہوم ہو تو بیہ نافذ ہوگا۔ اور بیہ کو محدود کرنے والی شرائط باطل ہوگی۔ A کو حین حیات بیہ اور بقیہ B کو وہ بوقت A بطور بیہ قطعاً موثر ہوتا ہے اور انگریزی کے محاورے میں اس کو ... مل جاتی ہے کسی شے میں منافع کا بیہ قانون کی نظر میں محض عاریت یا قرض بلا بدل ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ موہوب الیہ اسی اصل شے کو واپس کرنے کا پابند ہے۔

ایسی شے کا بیہ جو حاصل ہونے کے بعد گم ہو جائے بقول امام یوسف ناقص

ہے مثلاً اگر کوئی شخص دوسرے سے یہ کہے کہ میں تجھے موتی ہبہ کرتا ہوں تو اس کو تلاش کر کے لے لے تو یہ ہبہ بر بنائے قیاس باطل ہوگا۔ اس کے برعکس فقہ ظفر نے اس کو جائز بتایا ہے اور انہی کا فتویٰ مطابق شرع ہے۔

کسی بھی قابل نفاذ حق کا ہبہ بروئے اجماع جائز ہے۔ مثلاً A کسی ایسی جائیداد کا مستحق ہو جو B کے قبضے میں ہے تو A کا C کو جائیداد کا ہبہ کرنا یا اس پر اس کا حق قائم کرنا جائز ہے۔ ایک عمارت کا ہبہ (بلا اس زمین کے جس پر یہ واقع ہے) جائز ہے۔ اگر موہوب الیہ کو اس اختیار سے ہبہ کیا جائے کہ خواہ وہ ہبہ منظور کرے یا نا منظور تو یہ حق اختیار اسی جگہ استعمال ہوگا جہاں ایسا اختیار تفویض ہو۔ اگر کوئی واہب ایسے ہبہ میں یہ اختیار قائم رکھے کہ جب چاہے ہبہ منسوخ کر دے تو ہبہ صحیح ہے اور اختیار باطل۔

کوئی ہبہ ناجائز شرط کی بنا پر باطل نہیں ہوتا

کوئی ہبہ کسی ناجائز شرط کی بنا پر ناجائز نہیں ہوتا۔ اگر شوہر یا اس کی زوجہ کے درمیان کوئی معاہدہ ہبہ ان کے جداگانہ حقوق کے متعلق ہو اور معاہدہ کے تحت جائیداد دوسرے کو منتقل کر دے تو ہبہ موثر ہوگا۔ اور کسی ناجائز شرط کی بنا پر باطل نہ ہوگا لیکن حسب قول قاضی خان ہر ہن 'بیع یا پٹہ ناجائز شرط کی بنا پر باطل ہوگا۔ اگر کوئی شخص مکان خرید کرے اور بعد حصول قبضہ اسے ہبہ کر دے اگر دوسرا شخص بعد ہبہ نصف مکان پر بر بنائے حق شفع قبضہ حاصل کرے تو جہاں تک کہ موہوب الیہ کا تعلق ہے قبضہ کا ہبہ ناجائز ہے بالفاظ دیگر بقیہ حصہ واپس کر دے یا بطور ہبہ اپنے پاس رکھے۔

اقرار ہبہ مثل قبضہ موثر ہے

اقرار ہبہ کا منشا یہ ہے کہ تمام ضروری شرائط متعلق ہبہ کی تکمیل ہوگی۔ اگر کوئی یہ کہے کہ میں نے اپنی جائیداد زید کو ہبہ کر دی تو ایسا ہبہ موثر ہوگا اور قبضہ کے بارہ میں یہ سمجھا جائے گا کہ اس نے حسب قانون قبضہ دیدیا۔ اگر ہبہ تحریراً ہو اور واہب حسب انڈین رجسٹریشن ایکٹ ہبہ نامے کو رجسٹری کر دے تو یہ علیحدہ کر لیا۔ اگر اس نظریہ کو صحیح سمجھا جائے تو نظیر بمقدمہ مغل شاہ بنام محمد صاحب کو مشکل سے مسلم لا کے مطابق کہا جائے گا۔ یہ بھی قابل غور ہے کہ ایسے اقرار سے محض قیاس پیدا ہوتا ہے اور کوئی قطعی

ثبوت شرعی قبضہ دہانی کی پتہ نہیں ہے پس ایسی صورت میں دو امور ذہن میں رکھنے کی ضرورت ہے۔

موجود الیہ کا واجب سے رشتہ اور دوسرے حسب شرح واجب کی قانونی اہلیت قبضہ دہانی مثلاً اگر موجود الیہ بچہ ہے اور عملاً واجب کی ولایت میں ہے تو قبضہ دہانی کی ضرورت نہیں ہے۔ مگر یہ کہ اگر شے موجودہ جائیداد اراضی ہو اور واجب اس قدر شدید بیمار ہو جائے کہ ودکاشت کاروں سے موجود الیہ کو قبضہ دلانے سے قاصر ہو تو شخص اس کا دستاویزات شہادت ملکیت مع بہہ نامہ دے دینا جائیداد پر حصول قبضہ کے لیے جواز کافی ہے۔ اگر کوئی اپنے شریک کو شراکت کا اثاثہ اپنے بالغ لڑکے کو دینے کی ہدایت کرے اور لڑکے کو اس امر کا مجاز کر دے تو یہ مکمل بہہ کی طرح موثر ہوگا۔

فصل چہارم: شیعہ اصول محدود حقیقت

شیعہ فقہ

شیعہ قانون حقیقت میں حین حیات کے جواز کو پوری طرح تسلیم کیا گیا ہے اور اس موضوع پر ایک غلطیہ باب ہے۔ مثلاً:

اگر (الف) ب کی حین حیات ب کے حق میں بہہ کرے تو ب ایسا بہہ اپنی حین حیات میں لے گا اور جائیداد B کے انتقال پر واجب اور اس کے ورثہ پر عود کرے گی۔ اسی طرح B کے حق میں اس کی حیات میں بہہ اور اس کے بعد قطعاً C کے حق میں یا حقیقت تا حین حیات B کے حق میں یا دوران حیات C کے حق میں بعد ازاں قطعاً D کے حق میں حسب شیعہ قانون فقہ جائز ہے۔

اسی طرح A کے حق میں اس کے حین حیات بہہ اور بعد ازاں A کے بچوں کے حق میں ایسا بہہ بھی قطعاً جائز ہے۔ بالفاظ دیگر ایک حقیقت حین حیات یا حقیقت جو یکے بعد دیگرے کئی لوگوں کی حیات سے متعلق ہو شیعہ قانون کے مطابق جائز ہے۔ شرائع الاسلام کے ایک پیرے پر رائے زنی کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ اگر کوئی کہے کہ میں نے یہ مکان تم کو اور تمہاری آل اولاد کو بطور عمرہ دیا ہے تو عمرہ ہے۔ بقول جواہر الکلام عمرہ

(یعنی عمر و یا حقیقت حین حیاتی) کی اس وقت تک پابندی قائم رہے گی جب تک کہ آل اولاد باقی ہے اور ان کی حقیقت واہب پر عود کرے گی لیکن مکان ہمیشہ مالک کی جائیداد رہے گا۔

شیعہ اصول حقیقت حین حیاتی

یہ قابل غور ہے کہ ”ٹیگور کیس“ میں طے شدہ اصول کسی حد تک شیعہ لا کے قوانین سے مطابقت رکھتے ہیں ان کی رو سے یہ ضروری نہیں ہے کہ بوقت ہبہ آخری موہوب الہیم اصلاً یا تعبیراً موجود ہوں۔ جب تک کہ پہلا موہوب الیہ بوقت ہبہ موجود ہے تو انتقال حسب شیعہ فقہ موثر ہے۔ موہوب الہیم مابعد کی اس وقت ضرورت ہوتی ہے جبکہ درمیانی حقیقت ختم ہوتی ہے اور اس کے حقوق میں فی نفسہ قبضہ دہانی یا تقلیب قبضہ ان اشخاص کے حق میں مفید ہو جن سے کہ حق قائم رہتا ہے اور وہ ان کے بعد پانے کے مستحق ہیں۔ وجہ جیسا کہ بتایا گیا ہے کہ قبضے کی نوعیت میں جب ایک بار تبدیلی ہو جاتی ہے تو ایسا ہبہ نیک نیتی کی علامت قرار دیا جاتا ہے۔

شیعہ قانون میں عارضی حقیقت

عارضی یا محدود ہفتیوں کے ہبہ ان کی غایت کی بنا پر جس غرض سے کہ یہ ہبہ کئے گئے ہیں یا یہ ہفتیں قائم کی گئی ہیں منسوب ہوتے ہیں۔

(A) ”جس“ سے لفظی طور پر مراد کسی جائیداد کو باندھنا ہے۔ اصطلاحاً اس کا منشا ایسی تملیک یا ہبہ ہیں جو کسی وقت کے لیے محدود ہیں۔ جس ایک ایسا فعل ہے جس سے کہ مالک حقیقت دوسرے شخص کو (حقیقت یا بلا بدل) کسی شے کے (جائیداد) کے ”جس“ یا اس کے استعمال پر تصرف کا حق دیدے اور اس میں جس کی رو سے حق جائیداد مالک کا قائم رہے فریقین معاہدہ کنندگان کی باہمی رضامندی خواہ صریحاً یا مفہوماً مع انتقال قبضہ جواز معاہدہ کے لیے کافی ہے اور یہ فقہ حنفی میں مثل عاریت ہے۔

(B) کسی حین حیاتی مفاد یا استعمال پر تصرف بالفاظ دیگر حقیقت حین حیاتی العمرہ

کہلاتی ہے۔

(C) کسی مکان کا استعمال بلا حقیقت ملکیت ”سکنہ“ یعنی حق رہائش کہلاتا ہے۔

(D) کسی شے کے مفاد یا استعمال کا مقررہ مدت کے لیے حق استعمال "الرقبہ" کہلاتا ہے۔ لفظی طور پر اس سے مراد "طاعت" ہیں اور یہ اس صورت میں متعلق ہوتا ہے جب کہ تکمیل بہہ میں کمی رہتی ہے اور بہہ قطن کم ہو کر محدود حق ملکیت میں آجاتا ہے۔ ایسے معاہدہ کے نفاذ کے لیے کوئی خاص ضابطہ کار نہیں ہے مگر درج ذیل الفاظ سے یہ موثر ہو سکتا ہے۔ مثلاً "میں نے فلاں شخص کو فلاں مکان یا زمین کا حق استعمال اس کی عین حیات یا اتنی مدت کے لیے دیا ہے"۔ یا بالفاظ دیگر یہ مالک جائیداد کی نیت کا اظہار ہے۔ اگر یہ موہوب الیہ کی عین حیات تک ہے تو عمرہ کہلاتا ہے اور معاہدہ کی تکمیل قبضہ دہانی کے بعد لازمی ہو جاتی ہے۔ ایسا معاہدہ جس کی رو سے کسی شخص کو مکان یا جائے رہائش کا حق استعمال کے لیے دیا جائے وہ انتقال واہب پر سوخت ہو جاتا ہے تا وقتیکہ کوئی دوسری مدت مقرر نہ ہو۔ اگر بہہ اس شرط سے کیا جائے کہ تمہارے انتقال پر یہ مجھے عود کرے گا تو واہب الیہ کے انتقال پر عودیت نافذ ہوگی۔

ب محدود یا مقررہ وقت کے لیے کسی منافع کا بہہ کیا جائے تو قبضہ دہانی کے وقت یہی معاہدہ واجب تکمیل ہوتا ہے۔ واہب تا اختتام مدت مقرر شے موہوب کو واپس نہیں لے سکتا۔ ایسا بہہ جو تا عین حیات واہب کیا جائے موہوب الیہ کے انتقال پر ختم نہیں ہوتا بلکہ حق سکونہ (سکونت) اس کے ورثا پر منتقل ہو جاتا ہے جو اسے واہب کے انتقال تک استعمال کرتے ہیں۔ کسی شے کے مفاد کا بلا تعین وقت بہہ کسی وقت بھی واہب کی مرضی پر منسوخ کیا جاسکتا ہے۔

شیعہ اصول بابت محدود حقیقت و ملکیت

کسی جائیداد میں محدود ملکیت یا اس کے منافع میں معینہ مدت کے لیے بہہ شے کے عین کے بیع سے ختم نہیں ہوتا بلکہ شے موہوب پر موہوب الیہ کا ہی استحقاق رہتا ہے اور تا انقطاع مدت بہہ موہوب الیہ اس کے مفاد کو اپنے استعمال میں لاسکتا ہے۔

بروہ شے جس کا بہہ جائز ہے اس کا عمرہ یا عین حیات بہہ بھی جائز ہے۔ ایسا بہہ بیع سے ناجائز نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ ہر خریدار کا فرض ہے کہ عین حیات کرایہ دار کی شرائط کو جو واہب نے کی تھیں پورا کرے۔

حق سکنہ یا رہائش کی بنا پر جو دیگر شرائط کے ساتھ ہو تو موہوب الیہ مجاز ہے کہ اپنے اعزہ و بچوں کے ساتھ رہائش رکھے۔ مگر یہ حق دوسرے کو تا وقتیکہ اس بارہ میں کوئی خاص شرط ہو منتقل نہیں کر سکتا۔ A اور اس کے بچے کو حق سکنہ سے موہوب الیہ اور اس کے بچوں اور پس ماندگان کو بھی اس وقت تک حق رہائش حاصل رہتا ہے جب تک آخری باقی ماندہ بچے کا انتقال نہ ہو جائے۔ ایسا بہہ جو موہوب الیہ اور اس کے پس ماندگان تک محدود ہو اس سے موہوب الیہ اور اس کے انتقال پر حاضر الوقت اشخاص پر حق حین حیاتی تفویض ہوتا ہے اور بہہ موہوب الیہ کے خاندان کے آخری پس ماندہ شخص کی موت پر واہب یا اس کے ورثہ پر عود کرتا ہے۔

شرائع میں یہ عبارت کہ (A) یا محض اس کے اعقاب کے حق میں بہہ محض حق حین حیات کی صورت میں نافذ ہوتا ہے گویا کہ لفظ اعقاب استعمال ہی نہیں کیا گیا تھا بلکہ عمرہ کا حوالہ تھا۔ حسب معنی شرایع لفظ اعقاب (جس کے معنی بعد میں آنے والا شخص ہے) مثل آل اولاد کے ہے اور اس سے حق کامل منتقل نہیں ہوتا۔

محدود حقیقت

مدت معینہ تک عمرہ اور رقبہ حین حیاتی جو واماندگان کے حق میں جائز ہے اسی طرح ایک عمرہ کئی لوگوں کی مدت حیات کے لیے علی التواتر جائز ہے۔ ایک رقبہ عبوری مدت کے لیے جائز ہے لیکن واہب کی مرضی پر واپس ہو سکتا ہے اور شے موہوبہ کے بیع سے بہہ ختم ہو جاتا ہے۔

ایک موہوب الیہ کسی مکان یا عمارت کو جو اس کی سکونت کے لیے دیا جائے بلا اجازت واہب کرایہ پر نہیں دے سکتا۔

ایسے وہ تمام بہہ جو کہ مقررہ اشخاص کے لیے بلا صراحت مدت کئے جائیں واہب یا مالک کی موت پر ختم ہو کر ورثہ کا جزو ہو جاتے ہیں۔

جب A کے حق میں ان الفاظ میں کوئی بہہ کرے ”اگر مجھ سے قبل تمہارا انتقال ہو جائے تو جائیداد مجھ پر عود کرے گی اور اگر میں تم سے پہلے مر جاؤں یہ تمہاری ہوگی۔“ بعض کے نزدیک اگر موہوب الیہ سے پہلے ہی واہب کا انتقال ہو جائے تو موخر الذکر کے

حق میں یہ عمرہ ہوگا اور بعض کے نزدیک یہ بیسے قطعی ہوگا۔ بشرطیکہ کوئی دوسری پابندی نہ ہو۔
 کئی شیخ اور دوسروں کے مطابق ایک علی التواتر حق حسین حیاتی جائز اور حسب
 قاعدہ ہے۔ اگر کوئی بیہ A یا اس کے بچوں کے لیے نسلًا بعد نسلًا کیا جائے یا اگر کوئی بیہ A
 کے حق میں یا بڑا دی مروجہ عبارت جس سے شے موہوبہ کا منشا موہوب الیہ کے سلسلہ
 آل اولاد میں دوامًا (نسلًا بعد نسلًا بطنًا بعد بطنًا) رکھتا ہو تو بیہ سے موہوب الیہ کے حق
 میں ایک دائمی حقیقت منتقل ہوتی ہے۔ عبارت مستعملہ سے مراد بیہ دائمی ہے دراصل
 موہوب الیہ یا اس کی اولاد کے لیے ایسے قبضہ سے موہوب الیہ کو ایک حقیقت فی نفسہ
 تنوین ہوتی ہے اور اس پر انتقال یا کسی اور صورت میں کوئی پابندی نہیں ہے۔

مقدمہ ناصر حسین بنام صفرائی بیگم

مقدمہ ناصر حسین بنام صفرائی بیگم کی کارروائی سے ظاہر ہے کہ مدعی کے والد
 ذوالفقار حسین نے ۲۳ نومبر ۱۸۶۸ء کو اپنے مملوک مکان کا بیہ نامہ اپنے بھتیجوں علی محمد،
 مظفر حسین اور مدنا علیہ ابوالمظفر کے حق میں کر دیا تھا اور ایک دوسرے بیہ نامہ کے
 ذریعے جو ۱۴ ستمبر ۱۸۷۵ء کو بعد تحریر حسب قاعدہ رجسٹرڈ ہوا۔ اسی مکان میں اپنا حق
 ملکیت مدعی نے ناصر حسین کے حق میں منتقل کر دیا تھا۔ علی محمد کا حق ملکیت جو مندرجہ بالا
 مدنا علیہم میں سے ایک تھا حسب دستاویز مورخہ ۲۳ نومبر ۱۸۶۸ء اس کے خلاف صفرائی
 بیگم کی اجرا ڈگری میں قرق ہو گیا تھا۔ مدعی نے اس کے خلاف عذر داری پیش کی۔ چونکہ
 درخواست عذر داری نامنظور ہو گئی، اس نے مکان متنازعہ پر حق ملکیت نیز اس امر کے
 استقرار کا دعویٰ دائر کیا کہ بروقات علی محمد متوفی جائیداد پر حقوق منقطع اور ختم ہو گئے۔
 مقدمہ مذکور میں اصل امر تصفیہ طلب یہ تھا کہ آیا انتقال نامہ مورخہ ۲۳ نومبر کے شرائط
 کے مطابق حق ملکیت مکان منتقل الیہم پر منتقل ہو گیا۔ دستاویز کا اہم حصہ درج ذیل ہے۔

”میں نے بخوشی و رضا و رغبت یہ مکان میرے برادران علی محمد و مظفر حسین
 اور ابوالمظفر اور ان کے ورثا کو نسلًا بعد نسلًا منتقل کیا۔ اب میں یا میرے ورثا کا مکان
 مذکور میں نہ کوئی حق ہے اور نہ ہم کسی حق کا مطالبہ کریں گے۔ اگر میرے متذکرہ بھائی یا
 ورثا مکان مذکور کو بیع یا رہن کریں گے تو مجھے اور میرے ورثا کو حق تالش ہوگا۔ لیکن

جب تک کوئی بیع یا رہن عملاً ہوگا مکان مذکور سے میرے یا میرے ورثا کا کوئی تعلق یا خلاقہ نہ ہوگا۔“

عدالت ابتدائی نے موہوب الیہم میں سے ایک کا حق قابل ارشاد و انتقال قرار دے کر دعویٰ خارج کر دیا۔ مدعی نے عدالت العالیہ میں دوران اپیل منجملہ دیگر عذرات کے یہ بھی غدر کیا کہ فریقین شیعہ ہیں اس لئے قانون (شرع) جس پر عدالت ماتحت نے انحصار کیا ہے سنیوں پر عائد ہوتا ہے نہ کہ اہل تشیع کے لیے قابل پابندی ہے۔ عدالت العالیہ الہ آباد نے عدالت ابتدائی کے فیصلہ کی توثیق کرتے ہوئے درج ذیل فیصلہ کیا۔

”مقدمہ ہذا میں ہماری رائے میں جج صحیح نتیجہ پر پہنچے ہیں۔ اور مدعا علیہ نے مکان منشائش نہ محض رہائش کے لیے بلکہ قطعی طور پر لیا ہے۔ بہ نامہ کے متعلقہ الفاظ بہت صاف اور واضح ہیں اس کے بعد فاضل جج نے مزید تحریر کیا کہ اور چونکہ ایسے انتقال نامے کا منشابالکل صاف ہے۔ مکان کے بہ کی غرض و نوعیت رہائش ہے لیکن چونکہ بہ فی نفسہ موہوب الیہم اور ان کے لیے بعد نسلاً بعد نسل ورثا کے حق میں ہے اور اس کے بعد جو کچھ لکھا ہے وہ مشورہ کی نوعیت ہے۔ لیکن اس کے حق ملکیت کو قانوناً صرف مکان تک محدود کرنے کے لیے نہیں ہے۔ یہ انگلینڈ کے قانون سے مطابق ہے اور سب جج نے جیسا کہ بتایا ہے مسلم قانون کے مطابق ہے۔“

ناصر حسین بنام صغریٰ بیگم

دوران بحث مرافعہ گزار کی جانب سے یہ استدلال کیا گیا کہ فریقین مقدمہ شیعہ ہیں اور مسلم لا کے متن اور دیگر اسناد محولہ کا مسلمانوں کے وسیع سنی طبقہ سے تعلق ہے مقدمہ ہذا میں فریقین بلاشبہ شیعہ ہیں اور اگر ان کے امامیہ قانون سنی احکام یا قوانین (متذکرہ سب جج) کے برعکس ہوتے تو یہ تو ہمارا فرض تھا کہ ہم قانون پر عمل کرتے مگر امامیہ ضابطہ قوانین (جس کی کہ مسٹر بیلی نے ۱۸۶۹ء صفحہ نمبر ۲۲۶ پر تصریح کی ہے) کے بغور مطالعہ سے ہمیں یقین ہے کہ اس موضوع پر مسلم قانون کے دونوں طریقوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ بلکہ اس موضوع پر سنی قانون بہت واضح اور صاف ہے اور شیعہ

امامیہ قانون اس بارہ میں خاموش ہیں۔

مؤخر الذکر قانون کا منشا یہی ہے کہ اہل تشیع کے لیے بھی سنی قانون کو اختیار کر کے اس کا اطلاق کیا جائے۔ امامیہ قانون اس بارہ میں خاموش ہے اور متذکرہ مؤخر الذکر نوہیت کے بہات سرینجا حقیقت حسین حیاتی تک محدود ہوتے ہیں۔

نبلی کے امامیہ لاصنفی نمبر ۳۳۶ و نمبر ۳۳ کے پیرے کو اگر بلاشبہ شیعیہ اصول کی وضاحت قرار دیا جائے تو یہ مزید غور کا مستحق ہے۔ پیرا یہ ہے۔

”اگر کوئی کہے کہ میں نے یہ عبارت تجھے حسین حیات اور تیرے جانشین کو دی ہے تو اس کی زندگی کے لیے یہ عمرہ ہوگا اور مسلمہ ترین قول کے مطابق یہ حامل پیرہ حسین حیاتی کے حق میں اس طرح منتقل نہیں ہوگا گویا اس نے (تیرے جانشین) کے الفاظ ادا ہی نہیں کئے۔ اگر امامیہ قانون یہی ہے تو یہ سمجھنا مشکل ہے اور اس سے زیادہ مشکل اس مفاد کو محدود کرتا ہے جس کی رو سے الفاظ بہہ سے ان کی بالتصریح وضاحت (توسیع مفاد بحق جانشین) کے الفاظ کی لازمی طور پر قطع کرتا۔ مصنف اس امر کی وضاحت نہیں کرتا کہ وہ (مسلمہ ترین سند) کس کو قرار دیتا ہے اگر کم سے کم ایک بہہ کی زیادہ سے زیادہ من مانی تاویل ہے۔ جیسا کہ بروئے اقرار ظاہر ہے تو یہ قائم نہیں رہتی۔ اگر عبارت (تیرے جانشین) بہہ نامہ کا جزو ہے، مقدمہ ہذا میں بہر حال حقیقت بروئے دستاویز بہہ نامہ وسیع تر مفہوم میں استعمال ہوئی ہے۔ جس کی رو سے مکان موہوب الیہم کو ان کی رہائش اور ان کے ورثا کو نسلًا بعد نسلًا منتقل کیا گیا ہے (میں یا میرے بعد ورثا کو نہ اب نہ آئندہ مکان متنازعہ کے بارہ میں کوئی حق ہوگا) اگر ان الفاظ کے کوئی قانونی معنی ہو سکتے ہیں تو یہ واضح طور پر شے موہوبہ پر کلیتاً حق ملکیت تفویض کرتے ہیں۔

باب ۳۔ تہنیخ ہبہ

تہنیخ ہبہ اور شافعی اور مالکی فقہ

واہب کو سادہ یا بلا بدل ہبہ کی تہنیخ کے اختیارات کے سلسلہ میں مختلف مسالک میں کافی اختلاف ہے۔

شافعی و مالکیوں کے مطابق کوئی ہبہ (سوائے اس کے جو والدین نے اپنے بچوں کے حق میں کیا ہو) منسوخ نہیں ہو سکتا۔ خواہ تبدیلی قبضہ ہو یا نہ ہو۔ البتہ وہ ہبہ جو بر بنائے جبر یا عدم ادراک ہوں اس سے مستثنیٰ ہیں۔

والدین بھی اس کے مجاز ہیں کہ وہ ہبہ جو انہوں نے بچوں کے لیے کئے ہوں منسوخ کر دیں لیکن حق تہنیخ ہر صورت میں نہیں ہوتا بلکہ نوعیت ہبہ پر منحصر ہے (عطیہ یا ہبہ جو ثواب آخرت یا اجر آخرت کی غرض سے ہونا قابل تہنیخ ہے)۔

درج ذیل صورتوں میں والدین اپنے بچوں کے حق میں ہبہ منسوخ کرنے سے ممنوع ہیں۔ (۱) جب شے موہوبہ کی اصل ہبیت قائم نہ رہے یا کلیتاً یا جزواً معدوم ہو جائے یا اگر بیع یا مبادلہ کی جائے تو محض اس کے مازاری نرخ کی کمی یا بیشی سے بازاری بھاؤ اس کی قیمت کی کمی یا زیادتی پر اثر انداز نہ ہو۔

(۲) جب موہوب الیہ نے معاہدہ شادی کیا ہو اور وہ شادی شے موہوبہ کے بدل کے طور پر کی گئی ہو۔

(۳) جب موہوب الیہ کا انتقال ہو جائے اور جائیداد اس کے ورثا میں منتقل

ہو گئی ہو۔

شیعہ لا

شیعہ فقہاء کے نزدیک شے موہوبہ پر قبضہ کی صورت میں اجماع عام کے مطابق اگر یہ ہبہ والدین کے حق میں کیا گیا ہے تو قانوناً منسوخ نہیں ہو سکتا بلکہ موہوب

ایہ امر واہب کا رشتہ دار قریبی ہو تب بھی بیہ منسوخ نہیں ہو سکتا اس بارہ میں اگرچہ کچھ اختلاف رائے ہے مگر اس کا کوئی وزن نہیں ہے۔

اسی طرح دو بیہ جو شوہر نے اپنی زوجہ کے حق میں یا زوجہ نے شوہر کے حق میں کیا ہو (بقول شیخ مصنف مبسوط) منسوخ نہیں ہو سکتا مستندائمہ کی جماعت کے مطابق امر تحویل قبضہ ہو چکی ہو تو منسوخ نہیں ہو سکتا۔

تمنیخ بیہ

ان کا قول ہے کہ شوہر اور زوجہ کے باہمی بیہ بوجہ قرابت رشتہ ایک ہی سطح پر ہیں۔ اس سلسلہ میں شیعہ اور حنفی فقہاء (جیسا کہ بعد میں معلوم ہوگا) اس امر میں متفق الہائے ہیں کہ رشتہ ازدواج تمنیخ بیہ میں مانع ہے۔

مصنف شرایع گو کہ ایسے بیہ کی تمنیخ کو جو زوجہ نے خاوند کے حق میں یا خاوند نے زوجہ کے حق میں کیا ہو ناپسند قرار دیتے ہیں مگر وہ بظاہر خلاف قانون نہیں ہے۔

اس امر کے پیش نظر کہ شرایع میں اخلاقی بلکہ مذہبی حیثیت کس حد تک قانون سے ہم آہنگ ہے نتیجہ میں اسی کا ہم خیال ہوں کہ وہ (مصنف شرایع) شیخ سے متفق ہے۔

اجنبی کے حق میں بیہ منسوخ ہو سکتا ہے

ایک اجنبی کے حق میں جب تک شے موہوبہ قائم ہے اس کا بیہ کسی وقت بھی منسوخ ہو سکتا ہے۔ لیکن ایسا بیہ اس کے ضائع ہونے یا تبدیلی قبضہ کے بعد منسوخ نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح اگر شے موہوبہ مبادلہ میں ملی ہو خواہ شے مبادلہ کسی قیمت کی ہو یا نہ ہو اس کا بیہ منسوخ نہیں ہو سکتا۔ جز اس کے کہ موہوبہ الیہ کے استعمال سے شے موہوبہ کی نوعیت اصلاً بدل جائے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا تحویل قبضہ کے بعد واہب بلا اجازت موہوبہ الیہ بیہ منسوخ کر سکتا ہے۔

حنفی قانون

حسب فقہ حنفی تمنیخ بیہ اگرچہ اخلاقی نقطہ نظر سے ناپسندیدہ ہے تاہم یہ خلاف قانون نہیں ہے۔ بقول فتاوائے عالمگیری (تمنیخ بیہ ہر حالت میں ناپسندیدہ ہے مگر پھر

بھی جائز ہے) اس اصول کی بنا پر ایک بہہ بہر صورت قبل تحویل قبضہ منسوخ ہو سکتا ہے مگر تحویل قبضہ کے بعد بعض اقسام کے بہہ منسوخ نہیں ہو سکتے لیکن دوسرے بہہ حج کی ڈگری یا مہوب الیہ کی رضامندی سے تبدیل ہو سکتے ہیں۔

بہہ کب ناقابل تہنیخ ہے

جب ایک بہہ کسی قریبی رشتہ دار کے لیے جو کہ شے مانع ازدواج میں آتا ہو اور تحویل قبضہ ہو چکی ہو تو واہب کو اس کے منسوخ کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ اس امر کے تصفیہ کے لیے کہ آیا بہہ ناقابل تہنیخ ہے غور کرنا ہو گا کہ بہہ نہ صرف قرابت دار حقیقی کو کیا گیا ہو بلکہ وہ قرابت مانع ازدواج بھی ہے۔ کسی بھتیجے کے حق میں بہہ قابل تہنیخ نہیں ہے اس لئے کہ بھتیجہ رشتہ مانع ازدواج میں نہیں آتا۔ اسی طرح کسی شخص کا اپنی زوجہ کی والدہ کے حق میں بہہ قابل تہنیخ ہے اگرچہ وہ مانع ازدواج میں تو آتی ہے لیکن وہ رشتے دار نہیں ہے۔

فقہ حنفی میں تہنیخ بہہ

ایسے بہہ جو اشخاص ماسوائے رشتہ داران رشتہ مانع ازدواج کو کئے جائیں، ان کو واہب قبل از تحویل قبضہ اپنی مرضی پر کلیتاً یا جزواً منسوخ کر سکتا ہے۔ تحویل قبضہ کے بعد تہنیخ کو جائز قرار دینے کے لیے مہوب الیہ کی اجازت یا حج کی ڈگری حاصل کرنا چاہئے۔ مہوب الیہ کے حق میں ایسا بہہ جو قبضہ دہانی سے مکمل ہو چکا ہو اور واہب اس حصہ کو فریب دھوکہ دہی اور دباؤ ناجائز کے ماسوا دیگر وجوہات کی بنا پر منسوخ کرنا چاہتا ہو تو ایسی تہنیخ صرف عدالت کی ڈگری سے موثر ہو سکتی ہے جب تک کہ مہوب الیہ بلا عدالت کی استمداد کے واہب کو واپس کرنے پر آمادہ نہ ہو بہہ جو بر بنائے فریب یا جبر و اکراہ کرائے جائیں وہ تمام صورتوں میں ناجائز ہیں۔

تمام فقہاء اس پر متفق الرائے ہیں کہ حج کی ڈگری بابت تہنیخ بہہ اصل بہہ کی تہنیخ ہے لیکن اس امر میں کچھ اختلاف رائے ہے کہ آیا باہمی رضامندی سے تہنیخ بہہ منسوخ بہہ کے مساوی ہے۔ نظائر کا وزن ہر حالت میں منسوخ بہہ کی تائید میں ہے پس اگر کوئی شخص کوئی چیز کسی دیگر کو دے اور دوسرا تیسرے کو دے اور پھر بہہ منسوخ کر

دے تو اختیار تفسیح و اہب اہل میں مکرر تفویض ہوتا ہے۔ لیکن اگر موہوب الیہ دوئم شے موہوبہ اپنے و اہب کو بطور بیہ لوائے تو صورت دوسری ہوگی اس لئے کہ دوسری تفسیح چونکہ تفسیح بیہ ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ شے مذکور اپنی پہلی نوعیت پر آجاتی ہے اور و اہب از سر نو بغیر قبضہ حاصل کے اس کا مالک ہو جاتا ہے۔ تفسیح کے بعد شے موہوبہ ایک امانت ہوتی ہے کہ اگر یہ ضائع بھی ہو جائے تو وہ اس کے نقصان کا ذمہ دار ہے۔ جب تفسیح نہ حج کے حکم سے ہوتا یا باہمی رضامندی سے تو موہوب الیہ کو چاہئے کہ شے موہوبہ و اہب (جو اسے قبول کر لیتا ہے) کو واپس کر دے۔ اور وہ اس کا مکرر مالک نہیں ہوگا۔ ہر وقتیکہ اس نے قبضہ نہ لیا ہو۔ اگر و اہب نے قبضہ حاصل کر لیا ہے تو موہوب الیہ کی جانب سے بیہ حج کے حکم یا باہمی رضامندی سے منسوخ ہو جاتا ہے اور موہوب الیہ کو اس کی تفسیح کا کوئی اختیار نہیں ہے۔

اختیار تفسیح

ابو یوسف کی رائے میں تفسیح بیہ کے لیے جب تک حج کا حکم نہ ہو موہوب الیہ شے موہوبہ کو استعمال یا منتقل کر سکتا ہے۔ حج کا حکم ہونے کے بعد ایسا انتقال اور استعمال غیر قانونی ہے۔

اور ابو حنیفہ و امام محمد کی رائے یہی ہے۔ اگر شے موہوبہ و اہب کے مکرر قبضہ لینے سے قبل مگر بعد حکم قاضی قبضہ موہوب الیہ ضائع ہو جائے تو قبضہ طلب کرنے پر جب تک وہ انکار کرے نقصان کا ذمہ دار نہیں ہے۔ اگر کسی ذمہ دار سے قبل بیہ منسوخ ہو گیا ہو تو موہوب الیہ کو لازم ہے کہ شے موہوبہ و اہب کو دے دے اور وہ اس پر قبضہ لے لے تو یہ حج کے حکم کی تفسیح کے مثل موثر ہوگا۔ یہ فرض کرتے ہوئے بھی کہ و اہب تفسیح بیہ کا اختیار صریحاً ترک کر دیتا ہے مگر یہ اختیار اسی طرح قائم رہتا ہے اور تبدیل نہیں ہوتا لیکن اگر و اہب موہوب الیہ کو شے موہوبہ پر اختیار تفسیح اور اس شے کے عوض جو موہوب الیہ اسے دیتا ہے تو امتزاج جائز ہے اور ایسا مبادلہ اختیار تفسیح ساقط کر دیتا ہے۔

تفسیح صریح الفاظ میں ہونا ضروری ہے

امر تفسیح کا مناسب جملوں میں ہونا ضروری ہے جیسے ”میں نے بیہ منسوخ

کر دیا" یا "اپنی ذاتی جائیداد میں شامل کر لیا" یا "ہبہ کو فسخ کر دیا"۔

اگر واہب جملوں کو استعمال کئے بغیر شے موہوبہ کے بیع کا معاہدہ یا اس کو رہن کرتا ہے تو یہ فعل بمنزلہ بیع نہ ہو گا اور اگر تنسیخ مشروط ہے تو یہ غیر موثر ہو گا مثلاً اگر کوئی یہ کہے کہ میں منسوخ کر دوں گا یہ ہبہ اگر کوئی واقعہ پیش آ گیا تو منسوخ سمجھا جائے گا یا کسی تاریخ پر ہو گا تو ایسا ہبہ جائز نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ تنسیخ میں نہ کسی شرط پر انحصار ہوتا ہے نہ کسی مستقبل (آنے والے وقت) کا حوالہ ہوتا ہے۔

وہ صورتیں کہ جن میں ہبہ منسوخ نہیں ہوتا

(A) شے موہوبہ قبضہ موہوب الیہ سے بصورت ہبہ یا بیع یا کسی دیگر نوعیت انتقال کے ذریعہ منتقل ہو کر اس کے قبضہ سے نکل گئی ہو۔

(B) جب کہ موہوب الیہ کا انتقال ہو چکا ہو اور شے موہوبہ اس کے ورثا پر منتقل ہو چکی ہو۔

(C) جب کہ واہب کا انتقال ہو گیا ہو یا بالفاظ دیگر اس کے ورثا کو تنسیخ کا اختیار نہیں ہے۔ حق تنسیخ واہب کا ذاتی حق ہو۔

(D) شے موہوبہ کھو گئی ہو۔

(E) جب کہ ہبہ بابل ہو۔

(F) جب شے موہوبہ میں موہوب الیہ کے دوران قبضہ فی الاصل کوئی تبدیلی

آگئی ہو۔

(G) جب کہ شے موہوبہ میں کوئی اضافہ یا اس کا اتصال ہو کر اس میں اس طرح

ضم ہو گیا ہو کہ وہ علیحدہ نہ ہو سکے۔ اس صورت میں اس کی تنسیخ نہیں ہو سکتی خواہ یہ اضافہ

موہوب الیہ کے کسی فعل یا عدم فعل کا نتیجہ ہو خواہ خود اس شے سے پیدا ہوا ہو (مثل

درختوں کے پھلوں سے) یا اس میں اتصال ہوا ہو (مثل افزونی نشوونما) لیکن شے موہوبہ

میں یہ چیزیں شامل ہوں یا اس میں ضم ہو گئی ہوں جس سے قیمت میں اضافہ یا ترقی واضح

ہو۔ مثلاً رنگائی، سلائی وغیرہ یہ وہ افعال ہیں جن سے حق تنسیخ ساقط ہو جاتا ہے۔

محض ایک مقام سے دوسرے مقام پر انتقال، جب کہ شے موہوبہ کی مالیت

میں اضافہ ہو اور خرینج ہو گا فی مانع تفسیح ہے ایک علیحدہ اضافہ سے کسی نقصان یا ضرر کے اندیشہ سے تفسیح بہہ میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی۔

منفی قانون رشتہ ازدواج مانع تفسیح

جب کہ واجب اور مہوہوب الیہ ازدواجی رشتہ میں منسلک ہوں تو ایسی صورت میں بہہ ناقابل تفسیح ہو گا اگر وہ ازدواجی تعلق کے قیام کی مدت میں ہو اہو۔ ایسا بہہ جو قبل از شادی ہو اہو منسوخ ہو سکتا ہے۔ مگر ایسا بہہ جو شادی کے زمانے میں کیا جائے اور بعد میں شادی منسوخ ہو جائے تو بہہ منسوخ نہیں ہو سکتا۔ شادی شدہ فریقین میں اختلاف فقہیہ سے بہہ کی ناقابل تفسیح بدیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ خون کارشتہ جو مانع ازدواج ہو بلا اختیار فقہیہ واجب اور مہوہوب الیہ تفسیح بہہ کے مانع ہے۔ شئے مہوہوبہ کی قدر تا نشوونما واجب کو تفسیح بہہ میں مانع ہے۔ تفسیح بہہ کا اختیار ہونے کی صورت میں یہ کل یا جز کسی کی بھی تفسیح ہو سکتی ہے۔

کسی بہہ کے منسوخ ہونے کی صورت میں واجب اس پر حقوق مالکانہ استعمال کر سکتا ہے جب کہ شئے مہوہوبہ اس کے قبضے میں آئی ہو لیکن اس سے پہلے اس کا فعل بھی نظر انداز نہیں ہو سکتا۔

اگر کوئی شخص مکان پر بہہ کے بعد قبضہ دے اور اس سے متصل کوئی مکان فروخت ہو اور اس کے بعد بہہ منسوخ کر دیا جائے تو اس شخص کو دوسرے مکان کے بارہ میں کوئی حق شفع نہیں ملتا۔

بیباقی قرضہ کے سلسلے میں کوئی تفسیح نہیں ہوتی

جب کسی مقرض کو ادائیگی قرضے سے بیباق کر دیا جائے تو واجب یا قرض خواہ کو رقم قرضہ بیباق شدہ کی تفسیح کا کوئی حق نہیں ہے۔

حزینۃ الممتنعین کے مطابق رشتہ رضاعی یا قرابت مانع تفسیح نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص کسی دوسرے کو گھوڑا بہہ کرے اور مہوہوب الیہ اس کی تربیت کرے تو واجب کو اسکی تفسیح کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ بعد بہہ جو ضروری سامان مہوہوب الیہ حاصل کر لیتا ہے یہ بھی حق تفسیح کے مانع ہے۔

شے موہوبہ کا ایک مقام سے دوسرے مقام پر منتقل کرنے پر جو صرفہ اور محنت ہو وہ بھی مانع تفسیح ہے۔

اگر کوئی کسی دوسرے کو کپڑے بہہ کرے اور وہ ان کو دھو بی سے دھلوائے تو یہ بھی حق تفسیح کے مانع ہے۔

اگر ایک شخص کسی دوسرے کو درہم بہہ کرتا ہے اور بعد میں ان کو بطور قرض لے لے تو حق تفسیح زائل ہو جاتا ہے اس لئے کہ شے موہوبہ کی جہت بدل چکی ہے۔

جس طرح کہ دخل یا بی قبضہ کے بعد عدالت کی ڈگری یا موہوب الیہم کی رضامندی کے بغیر تفسیح نہیں ہو سکتی اس طرح کوئی بہہ کرے اور بعد میں بلا اجازت موہوب الیہ واپس قبضہ لے لے ایسا عدالت کا حکم ہو اور شے موہوبہ کھو جائے تو واہب اس برجہ کا ذمہ دار ہوگا۔ اگر ایک عورت اپنے شوہر کے حق میں بہہ کرتی ہے اور اس کے بعد یہ کہتی ہے کہ یہ بہہ استحصال بالجبر یا دھمکی کی بنا پر تھا تو اس کا دعویٰ قابل پیش رفت ہوگا۔

اگر کوئی بہہ ہمہ وقت یا مشترکاً ایسے رشتہ دار کے حق میں کیا جائے جو مانع ازدواج ہو یا ایسے شخص کو کیا جائے جس کا ایسا رشتہ نہ ہو تو موخر الذکر کے حق میں بہہ منسوخ ہو سکتا ہے۔

باب ۴۔ قواعد عوض

فصل اول:- مختلف اقسام کے عوض

اب تک ہم نے ہیہ بلا بدل کے بارہ میں بتایا ہے لیکن عطیات یا ہیہ یا بدل کی نوعیت مختلف ہوتی ہے عوض یا بدل (ابتدائی تصور کے مطابق قواعد کی ابتدائی صورت تھی) دو قسم کا ہوتا تھا۔ ایک ایسا معاہدہ (ہیہ) جو مابعد ہوتا تھا۔

دوسرا جس میں شرائط ہوتی تھیں۔ بالفاظ دیگر پہلی صورت میں واجب کو ہیہ کے بعد بدل دیا جاتا تھا اور یہ ہیہ باہمی سمجھا جاتا تھا۔ ادائیگی بدل کے لیے کوئی شرط نہیں ہوتی تھی مگر جوں ہی واجب کو یہ ملتا تھا اس کا حق تنسیخ ختم ہو جاتا تھا۔

ہیہ بالعوض

بظاہر یہ ہیہ بالعوض کی اولین شکل تھی۔ زمانہ مابعد کا ہیہ بالعوض واضح طور پر ایسے ہیہ کی ایک ارتقائی صورت ہے۔

ہیہ بالشرط بالعوض

دوسری قسم میں معاہدہ بدل کی صریح شرط ہوتی تھی اور جب ایک بار یہ حاصل ہو جاتا تھا تو ہر معاملہ نفع کی قانونی حیثیت میں تبدیل ہو جاتا تھا۔ جدید ہیہ بالشرط العوض بلاشبہ مذکورہ بالا ہیہ کی پیداوار ہے۔

قسم اول کے ہیہ کے سلسلہ میں یہ بتانا ہے کہ بقول فتاوائے عالمگیری بدل جو معاہدہ ہیہ کے بعد ہو اس پر دو نظریوں سے بحث کی ضرورت ہے۔ یعنی اولاً ایسے ہیہ کے جواز کے لیے جبکہ اصل شے ہی بدل ہو تو کونسی شرائط ضروری ہیں اور اس کی کیا نوعیت ہو۔ بعد میں وہ شرائط بتائے گئے ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے۔ اولاً یہ واضح طور پر مختص کرنا ضروری ہے کہ یہ عوض (بدل) ہیہ کے لیے ہے اور یہ ”عوض“ شے موہوبہ کا جزو نہ

ہونا چاہئے۔ اگر عوض ہبہ کا جزو ہے تو یہ ناجائز ہوگا اور کوئی عوض نہیں ہوگا۔ لیکن اگر شے موبوبہ کے سلسلہ میں ایسی رکاوٹ ہے جو تینخ ہبہ میں مانع ہے تو اس کا ایک جزو ہبہ کے لیے بدل یا عوض ہو سکتا ہے۔

اگر دو چیزیں دو مختلف معاہدوں کی رو سے دی گئی ہوں اور ان میں سے ایک دوسرے کے بدلہ میں دی جاسکتی ہے۔ اگر یہ بھی شرط ہو کہ واہب کے لیے بدلہ کو محفوظ رکھا جائے اور اگر واہب بدلہ کسی اور شخص کو دیدے یا کسی دیگر شخص کا پورے میں حق ہو۔ تو یہ مبادلہ نہیں ہے۔ اور ہبہ منسوخ ہوگا۔ اگر ہبہ کا کوئی حصہ ضائع ہو جائے تو باقی حصہ پورے ہبہ کے لیے مناسب بدلہ ہے۔

جہاں تک اس کی نوعیت کا مسئلہ ہے تو وہ بدلہ جو بعد معاہدہ دیا جائے وہ ابتدا سے ہی ہبہ بالنفس ہے اگر شے غیر مبادلہ کو ہبہ بھی قیاس کیا جائے تب بھی واہب (ابتدائی موبوبہ الیہ) اس امر کا مجاز نہیں ہے کہ ایک بار اس کو دینے کے بعد منسوخ کر دے۔ اور اگر اصل ہبہ کے واہب نے عوض (بدل) کو قبضہ میں لے لیا ہے تو موبوبہ الیہ کا ہبہ کو منسوخ کرنے کا اختیار قطعاً ختم ہو جاتا ہے۔ پس انجام کار خواہ موبوبہ الیہ نے عوض دیا ہو یا کسی اجنبی نے، خواہ اس کی اجازت سے یا بلا اجازت، ایسی صورت میں نہ واہب اور نہ موبوبہ الیہ اس عوض کے لیے (جو دوسرے کو منتقل ہوا ہے) واپسی کا مطالبہ کر سکتے ہیں۔ تمام شرائط ہبہ عوض (بدل) پر بھی منطبق ہوتی ہیں اور یہ معاملہ معاوضوں کے معاہدے یا مبادلہ باہمی (ابتدایا تکمیل) کی تعریف میں نہیں آتا۔ پس یہ شفع کے تحت نہیں آتا نہ شے موبوبہ کو کسی بھی نقص کی بنا پر خارج کیا جاسکتا ہے۔ محیط السرخسی میں یہی آیا ہے۔

ہبہ بالشرط العوض یا ہبہ بالشرط مبادلہ

بقول فتاوائے عالمگیری دوسرے قسم کا بدلہ وہ ہے جسکی معاہدہ میں شرط ہو جب کہ از روئے معاہدہ اس شرط پر ہبہ کیا جائے کہ بدلہ میں کوئی جزو دیا جائے گا۔ اس پر بھی ابتدا سے ہی وہ تمام شرائط جو ہبہ پر لاگو ہوتی ہیں اس پر بھی لاگو ہوں گی۔ پس جائیداد کا بدلہ جس پر کہ قواعد مشع لاگو ہوں، ناقابل تقسیم شے ہے۔ اس لیے جائز نہیں ہے۔

تھے موبوبہ پر قبضہ سے قبل حق قائم نہیں ہوتا اور فریقین میں سے ہر ایک قبضہ دہانی سے انکار کر سکتا ہے لیکن قبضہ باہمی ہونے کے بعد اس کا نتیجہ بیع ہے جسے نہ واپس منسوخ کر سکتا ہے اور نہ موبوبہ الیہ۔ شفع کا بدل باہمی کارروائی سے طے پاتا ہے اور فریقین میں سے ہر ایک شے مقبوضہ کو بر بنا نقض واپس کر سکتا ہے۔

بقول فتاویٰ قاضی خان حسب قیاس ایک بیہ مشروط بالعوض ابتدا سے تکمیل تک بیع رہتا ہے۔ ایک شخص جب دو شخصوں کو اس شرط پر غمارت دے کہ وہ اس کے عوض یا بدل کے طور پر ایک ہزار درہم دیں گے تو بعد قبضہ دہانی یہ مبادلہ باہمی بیہ قانونی کی مشمل ہے۔ کنا یہ میں ایسا ہی ہے۔

بیہ بالعوض تا قابل منسوخی

اگر کوئی شخص پورے بیہ کا عوض دیدیتا ہے تو بلا لحاظ مالیت یہ بدل مانع تفسیح ہے۔ اور اگر یہ بیہ کے کسی جزو کا عوض (بدل) ہے تو جزو جس کا کوئی عوض (بدل) نہ ہو منسوخ ہو سکتا ہے مگر وہ جزو جس کا عوض (بدل) دیا جا چکا ہے منسوخ نہیں ہو سکتا۔

یہ ضروری نہیں ہے کہ خود موبوبہ الیہ عوض (بدل) دے اس لئے کہ کسی اجنبی کی طرف سے بھی عوض جائز ہے۔ خواہ موبوبہ الیہ کی ہدایت پر ہو یا نہ ہو۔ اگر موبوبہ الیہ کے ماسوا کوئی اور شخص دے تو وہ موبوبہ الیہ سے عوض واپس نہیں لے سکتا اس لئے کہ وہ خود اس کا ذمہ دار ہے۔

اس قسم کے معاملات میں بقول فتاویٰ قاضی خان عام اصول یہ ہے کہ کسی شخص سے اگر کوئی شے قابل طلب ہے اور جس کی ادائیگی اس پر لازم ہے، اس کا دوسرے شخص کو ادائیگی کی ہدایت کرنا یہ خود اس کے خلاف (بلا کسی شرط ذمہ داری) کارروائی کا سبب ہو سکتا ہے۔ جب کسی شخص سے ایسی کوئی شے قابل طلب نہیں ہے اور اس کا دینا اس پر لازم بھی نہیں ہے تو دوسرے شخص کو اس کی ادائیگی کی ہدایت اس کے خلاف چارہ جوئی کا سبب نہیں ہو سکتی تا وقتیکہ کہ اس کو واپس کی شرط کا پابند نہ کیا گیا ہو۔

حالات جن کے تحت عوض دئے جانے کے باوجود بھی تفسیح ہو سکتی ہے

اگر کسی بچہ کا باپ اپنے بچہ کی جائیداد کسی دوسرے شخص کو بطور ہبہ دے اور

اس شخص سے مبادلہ میں کوئی شے قبول کرے تو وہ ہبہ کو منسوخ کر سکتا ہے یا موہوب الیہ کسی بھی وقت جب دونوں پسند کریں ہبہ کو منسوخ کر سکتا ہے۔
جب کوئی شخص کوئی شے کسی نابالغ کو دے اور نابالغ کا باپ اس شے کا عوض جائیداد نابالغ سے ادا کرے تو ایسا مبادلہ جائز نہیں ہے۔ خواہ یہ ہبہ بلا شرط عوض ہو۔ متذکرہ ہر دو اصولوں کی وجہ ظاہر ہے۔

ایک باپ کو نابالغ کی جائیداد پر سوائے چند مخصوص مقاصد کے اختیار نہیں ہے۔ اگر کوئی ایسی بیماری میں مبتلا ہو جس میں بالآخر اسکا انتقال ہو جائے اور وہ دوسرے شخص کو ایک ہزار درہم کی مالیتی جائیداد ہبہ کرے اور اس کے پاس اس کے علاوہ کوئی اور جائیداد نہ ہو اور موہوب الیہ اس ہبہ کا عوض دے جس پر کہ واہب نے قبضہ لے لیا ہو اور وہ مر جائے مگر اس کی موت کے وقت عوض قبضہ میں ہو جو قیمت جائیداد کے ۲/۳ یا اس سے زیادہ مالیت کی ہو تو ہبہ جائز ہے۔ لیکن اگر عوض ۲/۳ سے کم مالیت کا ہو تو اس کے ورثاء اس امر کے مستحق ہوں گے کہ وہ موہوب الیہ سے شے موہوبہ کی ۲/۳ مالیت اور شے مبادلہ کے واقعی مالیت کے فرق کو وصول کر لیں۔ مثلاً:

اگر شے موہوبہ کی مالیت ایک ہزار درہم تھی اور عوض صرف پانچ سو درہم تھا تو واہب کے ورثاء اس امر کے مستحق ہوں گے کہ موہوب الیہ سے ایک ہزار درہم کا ۱/۶ حصہ پائیں۔ خواہ عوض میں اصل ہبہ کی شرط یہی ہو۔ موہوب الیہ اگر چاہے تو تمام ہبہ کو (عوض واپس لے کر) لوٹا سکتا ہے۔ یا ہبہ کا ۱/۶ حصہ دے کر بقیہ اپنے پاس رکھ سکتا ہے۔ عوض کی شرط جائز ہے۔ بشرطیکہ شے معاوضہ کی بخوبی وضاحت کر دی گئی ہو اور مجہول نہ رہی ہو۔

بالفاظ دیگر جب کوئی جائیداد کسی دوسرے کو منتقل کر دی جائے یا اس کا ہبہ بالعوض (منتقل الیہ سے منتقل کنندہ کو) مقصود ہو تو عوض واضح طور پر (نہ کہ غیر یقینی طور پر) متعین ہونا چاہئے۔ اس موضوع پر فتاویٰ قاضی خان کی درج ذیل مثالیں کار آمد ہوں گی۔

کوئی شے جو ہبہ کے عوض دی جائے وہ تنسیخ کے مانع ہے اور نہ عوض کا ہبہ منسوخ ہو سکتا ہے۔ یہ واضح ہونا ضروری ہے کہ بدل ہبہ کے عوض دیا گیا تھا۔ کوئی بھی شخص ماسوائے موہوب الیہ موخر الذکر کی اجازت یا بلا اجازت ہبہ کا عوض دے سکتا ہے اس

ظہر و اہب کے حق تہنیخ ہبہ کو زائل کر سکتا ہے (بشر طیکہ اس نے عوض قبول کر لیا ہو)۔
 ماسوا موبوب الیہ اگر کسی دیگر شخص نے عوض دیا ہو تو وہ اس کو منسوخ
 کر سکتا ہے تا وقتیکہ موبوب الیہ نے کسی دوسرے شخص سے یہ سودا نہ کیا ہو کہ اس کو
 بدل و اہب کر دیا جائے گا۔ اگر و اہب شے موبوبہ (جو بطور بدل دی گئی ہے) میں کوئی
 شخص بھی محسوس کرے تو وہ ہبہ منسوخ نہیں کر سکتا۔ اگر دو شخصوں کو ہبہ کیا جائے اور
 ان میں سے ایک اپنے حصہ کا بدل ادا کرے تو و اہب دوسرے کا حصہ منسوخ کر سکتا ہے۔
 اگر کوئی (بدل کا) دعویٰ کرے اسے حاصل کرے تو و اہب اسے منسوخ
 کر سکتا ہے۔ اور اگر وہ صرف ایک ہی حصہ حاصل کرے اور ایک حصہ و اہب کے قبضے
 میں رہے تو وہ منسوخ نہیں کر سکتا اس لئے کہ اقل ترین بدل ہی اختیار تہنیخ کو ضائع
 کرنے کے لیے کافی ہے۔

اگر شے موبوبہ اس کے دوسرے مستحق قانونی نے حاصل کی ہے تو موبوب
 الیہ تمام عوض لے سکتا ہے۔ اگر جائز مستحق نے صرف ایک حصہ لیا ہے تو موبوب الیہ
 اپنے عوض بدل کا صرف ایک حصہ ہی پاسکتا ہے۔

اگر موبوب الیہ ہبہ کا ایک حصہ کسی دوسری شے میں تبدیل کر کے اس کو
 مبادلہ میں دے تو یہ مناسب عوض ہوگا۔ اگر ایک شخص ایک ہزار درہم A کو ہبہ کرے
 اور وہ ان درہموں میں سے ایک درہم بطور مبادلہ دے تو ہمارے نزدیک یہ معقول عوض
 نہیں ہے۔ گو ظنر کا اس بارہ میں اختلاف ہے۔

ایک عیسائی کسی مسلمان کو ہبہ دے اور موخر الذکر مبادلے میں کوئی ممنوعہ
 شے دے تو یہ مبادلہ احسن نہیں ہے۔ اور اگر کوئی نابالغ A کو ہبہ کرے اور وہ اس کا بدل
 بھی دے تو وہ ہبہ باطل اور غیر موثر ہے۔ اور یہ عوض نابالغ میں تفویض ہوتا ہے۔

ان تمام صورتوں میں بدل معاہدہ کا جزو نہیں ہے۔ اور اس لئے قواعد متذکرہ
 اس پر منطبق نہیں ہوتے۔ جیسے دور جدید میں وہ ہبہ جسے ہم ہبہ بالعوض سے منسوب
 کرتے ہیں۔ یہ مختلف نوعیت کا ہوتا ہے اور اس میں کسی حد تک دوسری قسم کا عوض
 (بدل) جیسا کہ فادائے عالمگیری میں بتایا ہے شامل ہے۔ یعنی اس کے معاہدہ میں شرط
 ہو۔ اس قسم کے ہبہ بالعوض میں بدل مقصد ہبہ سے بالراست متضاد ہوگا۔ اس لئے کہ

دونوں واقعی موجود ہیں اور ایک کا بعد معاہدہ عمل کے لیے کوئی حوالہ نہیں ہے۔ ہبہ اور بدل ایک ہی معاملہ کے جزو ہیں۔ ہبہ بالعوض تمام قانونی ملکات کے ساتھ بیع ہوتا ہے۔ بیع میں معاہدہ کے جواز کے لیے باہمی قبضہ ضروری نہیں ہے۔ اس قسم کے ہبہ میں شرائط کا منشا (ایک دوسرے کی مخالف) اشیا موجودہ کا موجود ہونا ہے اور کسی بھی فریق کو دوسرے کے فریب سے نقصان کا کوئی اندیشہ نہیں ہے۔ ”میں نے تمہیں اس کے عوض یہ دیا ہے“ اس کا مفہوم یہ ہے کہ بدل موجود ہے اور وہ شخص اپنی جائیداد سے دست بردار ہونے سے پہلے اس کو حاصل کرنے کا خیال رکھے گا۔ اس لئے کہ قانون نے نوعیت اور نتیجے کے اعتبار سے ہبہ کو بیع قرار دیا ہے۔

ہبہ بالعوض میں قبضہ لازمی نہیں

مثلاً فرض کرو کہ کسی شخص نے بوقت ہبہ بتایا کہ اس نے ہبہ کر دیا ہے اور جائیداد میں تمام حقوق مالکانہ موہوب الیہ کی دی ہوئی شے کے عوض اسے تفویض کر دیئے ہیں تو یہ اس مبادلے کا ہبہ نہیں ہے جو کہ بزمانہ آئندہ دیا جائے گا۔ بلکہ یہ بہ اعتبار نوعیت و نتیجہ باہمی انتقال یا بیع کا معاہدہ ہے ایسی صورت میں قبضہ لازمی شرط نہیں ہے۔

ہبہ بالشرط العوض

معاہدہ ہبہ بالشرط العوض ہبہ بالعوض سے مختلف نوعیت کا ہے ایسے ہبہ نامہ کے ترتیبی اجزا مشروط ہوتے ہیں مثلاً ”میں نے تمہیں یہ اس شرط پر دیا کہ تم بھی کوئی چیز مجھے دیدو“۔ اس سے یہ ظاہر ہوگا کہ اس معاہدہ کا قانونی اثر ایک شرط کی تکمیل پر منحصر ہے۔ اور وہ عوض یا ”بدل“ پر قبضہ ہے۔ ورنہ اگر شرط کے بغیر جائز یا قابل پابندی ہوتا تو بدل رک جاتا اور پھر نتیجتاً تکمیل شرط کے معاہدہ کے بعد بیع قرار پاتی یعنی باہمی قبضہ وہابی کے بعد یہ اصلاً بیع ہو جاتا۔

ہبہ بالشرط العوض یا بہ شرط مبادلہ

مثلاً اگر کوئی شخص یہ اقرار کرے کہ اس نے اپنی تمام جائیداد دوسرے شخص کو

ہبہ کر کے اس کے حقوق مالکانہ اس شرط پر ہو ہوب الیہ کو منتقل کئے ہیں کہ وہ اس ہبہ کے مبادلے میں کوئی شے اس کو بھی دے اور موہوب الیہ اس شرط کو منظور کرے تو یہ ہبہ بالشرط العوض یا ہبہ بالشرط الميعاد ہوگا۔ جب تک شرائط کی تکمیل نہ ہو تو یہ ہبہ واجب کی سرشتی پر اپنی حالات میں مثل ایک ہبہ سادہ قابل تمسیح ہبہ ہے اور اس لئے قبضہ دہانی ضروری ہے مگر جب ایک بار شرائط کی تکمیل ہو جائے تو یہ معاہدہ بیع ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ شرح بیہقی میں بتایا گیا ہے کہ ہبہ بالشرط العوض کو اصطلاحاً ہبہ بالشرط کی روشنی میں غور کرنا چاہئے اور بیع کو اس کا نتیجہ سمجھنا چاہئے۔ قبضہ جواز ہبہ کے لیے لازمی ہے تا وقتیکہ فریقین ایک دوسرے کو قبضہ نہ دیں تو ہبہ ثابت نہیں ہوگا اور جائیداد پہلے کی طرح واجب کے تصرف میں رہتی ہے۔

عوض کسی بھی قسم کا ہو سکتا ہے یہ ضروری نہیں کہ مختص ہو

مشروط معاہدہ کی کوئی بھی شکل ہو سکتی ہے۔ اولاً ”عوض“ وہ خواہ کتنا ہی قلیل ہو ہبہ کو مؤثر بنانے کی لئے کافی ہے۔ فتاوائے عالمگیری اور دوسری کتب فقہ سے ظاہر ہے کہ عوض کی کوئی خصوصیت شکل ضروری نہیں ہے۔

مثلاً ایک عورت اپنا دین مہر شوہر کو دے سکتی ہے یعنی اس شرط پر چھوڑ سکتی ہے کہ وہ بد سلوکی سے پیش نہ آئے۔ اگر وہ اس شرط کو پورا کر سکتا ہے تو ہبہ مؤثر ہو جاتا ہے ورنہ مطالبہ پر اس کو عود یا مکرر تفویض ہو جائے گا یا وہ اس شرط پر بھی اپنا مہر چھوڑ سکتی ہے کہ وہ (خاوند) اس کے ساتھ غفلت نہیں برتے گا اور اس شرط کی خلاف ورزی پر حق مہر اسے عود کرے گا۔ غلیٰ ہذا القیاس اگر کوئی شخص اس شرط پر ہبہ کرے کہ موہوب الیہ اس کو اوقات معینہ پر ادائیگی کرتا رہے یا موہوب الیہ ہبہ کے بدلے میں واجب کی مقررہ اوقات پر خدمت انجام دیتا رہے۔

مشروط ہبہ کا نتیجہ

مشروط ہبہ کی صورت میں شرط مبہم نہ ہونا چاہئے بلکہ بطریقہ معمول ایسی شرط ہو جو پوری ہو یا موہوب الیہ اسے پوری کر سکتا ہو۔ ایسی صورت میں شرط واجبہ دونوں جائز ہیں۔

شرح جلیسی میں مثالیں دی گئی ہیں اور بکالی میں ابو یوسف کے حوالہ سے دیا ہے کہ اگر کوئی شخص دوسرے سے کہے کہ ”اگر تو پسند کرے تو یہ شے تیری ہے“ اس کو دیدے اور وہ شخص جو ابنا کہے کہ ”میں اسے قبول کرتا ہوں اور پسند کرتا ہوں“ تو یہ شرط درست ہے۔ اسی طرح ابو محمد کے قول کے حوالے سے آیا ہے کہ ”اگر کھجور کے درخت میں پھل آنے لگیں اور مالک درخت کسی دوسرے سے کہے کہ اگر کھجور پک جائیں یا کل کا دن آجائے تو تیرے ہیں“ یہ جائز ہے۔ لیکن وہ یہ کہے کہ اگر زید اپنے مکان میں داخل ہو تو کھجوریں تیری ہوں گی تو یہ جائز نہیں ہے۔

ہبہ اور اس کی بیباقی میں شرط کا اختیار نہیں ہوتا

اگر کوئی ہبہ اس شرط سے کیا جائے کہ موہوب الیہ کو تین روز تک اختیار ہوگا کہ وہ اس کو قبول کرے یا انکار کر دے تو ہبہ جائز ہے۔ اور اگر فریقین کے الگ ہونے سے پہلے ہبہ منظور کر لیا ہے تو ہبہ جائز ہے لیکن اگر ہبہ ہونے کے بعد بھی منظور نہیں کیا ہے تو ناجائز ہے۔ اگر ہبہ اس شرط پر کیا جائے کہ واہب کو تین روز تک اختیار ہوگا تو یہ ہبہ جائز ہے۔ اور اختیار قائم رہے گا۔ اس لئے کہ ہبہ سے پابندی معاہدہ ہوتی ہے اور اس لئے اختیار کی شرط کی گنجائش نہیں۔ اگر ایک شخص دوسرے سے کہے کہ میرے حقوق جو تیرے ذمہ تھے ان سے اس شرط پر تجھے آزاد کر دیا کہ میرا اختیار قائم رہے گا، آزاد کر دینا جائز ہے اور اختیار باطل۔

ہبہ مشروط اور ہبہ بالشرط میں فرق

ایک ایسا شخص جس کے دوسرے کے ذمہ ایک ہزار درہم ہوں اگر یہ کہے کہ جب کل آئے تو ایک ہزار تیرے ہوں گے یا تو ان کی ادائیگی سے آزاد ہے یا تو نصف جائیداد دے گا تو بقیہ نصف کی ادائیگی سے بیباق ہوگا یا بقیہ نصف تیرا ہے تو ہبہ باطل ہے۔ لیکن اگر وہ یہ کہے کہ میں اس شرط پر تمہیں بیباق کرتا ہوں کہ تم اپنے غلام کو آزاد کر دیا تمہیں میں نے اس شرط پر بیباق کر دیا کہ میرے بیباق کرنے سے تم اپنے غلام کو آزاد کرو اور وہ جو ابنا کہے کہ میں نے منظور کر لیا غلام کو آزاد کر دیا تو وہ ادائیگی قرضے سے بری ہوگا۔

منفی نیت میں بیہ قطعاً بشرط بالمیعاد نہیں ہو سکتا :

ایسے بیہ کے بارہ میں جن کے ساتھ کالعدم کرنے والی شرائط ہوں اور جن کا خاص مشابہہ قطعاً کی تشکیل ہو پہلے ہی اظہار خیال کیا جا چکا ہے۔ سراج الوہاب میں یہ اصول اس طرح بتایا گیا ہے اور ہمارے تمام فقہاء اس پر متفق الرائے ہیں کہ جب بیہ کیا جائے اور اس کو کالعدم کرنے والی شرط بھی شامل ہو تو بیہ جائز ہوگا اور شرط باطل۔ مثلاً اگر ایک شخص کوئی شے کسی دوسرے کو دے اور اسے بیع نہ کرنے کا اقرار کروائے تو بیہ جائز ہے اور شرط باطل۔ معاہدات کے بارہ میں بھی یہی ایک کلیہ ہے جس کی رو سے قبضہ دہانی ضروری ہے اور بیہ اور رہن میں ایک ہی شرط جو کہ معاہدہ کی قطعیت کو کم کر دیتی ہے مگر معاہدہ کو منسوخ نہیں کرتی بلکہ وہ خود ختم ہو جاتی ہے۔ بالفاظ دیگر جب کوئی شخص کوئی شے قطعاً طور پر دینے کی نیت کرے اور ایسے الفاظ میں نیت کا اظہار کرے جن سے بیہ قطعاً کا مفہوم ہو تو وہ شے موہوبہ کے تصرف یا انتقال پر ایسی کوئی شرائط عائد نہیں کر سکتا کہ جن سے خود بیہ ہی باطل ہو جائے۔ اس کے برعکس اگر بدل کی صورت ہو جس سے بیہ اور عطیہ صریحاً واضح ہو کہ موہوب الیہ کوئی ایسا فعل کرے گا یا ایسا فعل کرنے سے باز رہے گا یا بیہ کے عوض کوئی شے دے گا تو وہ معاہدہ کلیتاً جائز ہے۔ مثلاً A اگر کوئی جائیداد B کے معاوضے میں B کو منتقل کرے جس سے وہ تا حین حیات گزارہ کرتا رہے یا اس کو کچھ دیتا رہے اور اسکی موت کے بعد اس کے ورثا کو بھی مقررہ وظیفہ دیتا رہے تو ایسا معاہدہ قطعاً خلاف قانون نہیں ہے۔ اس لئے کہ یہ شرط معاہدہ کو باطل نہیں کرتی اور اگر موہوب الیہ اس معاہدہ کی بنا پر قبضہ حاصل کرے تو واجب اور ورثا کو حق ہے کہ وہ دستاویز معاہدہ (بابت عوض خلاف موہوب الیہ و دیگر اشخاص جو اس سے حق پاتے ہیں) کا قانوناً نفاذ کرائیں۔

فی الحقیقت ایک بار جب انتقال موثر ہو جاتا ہے تو موہوب الیہ جائیداد کو بطور امانت حاصل کر لیتا ہے اور کوئی بھی شخص جو جائیداد موہوب الیہ سے بطور بیع یا ہبہ یا ورثہ میں لیتا ہے اس پر وہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے جس بنا پر ابتداءً ہبہ کیا گیا تھا۔ درالختار کی مثالوں سے ظاہر ہے کہ ہبہ بشرط العوض ایک تعمیل طلب نوعیت

کاہبہ ہے اور بہہ اور اس کی شرط ایک دوسرے پر منحصر ہیں تاکہ جو نہی انتقال جائیداد ہو تکمیل شرط لازم ہو جائے۔ اور اگر بدل ناکام ہوتا ہے تو معاہدہ بھی منسوخ ہو جاتا ہے۔

ایک عورت کا بہہ دین مہر اپنی خاوند کے حق میں

اگر کوئی عورت ایسی شرط کے ساتھ اپنے مہر کا بہہ کرتی ہے جو اگر پوری نہ ہو تو بہہ ناجائز ہو جائے۔ مثلاً اگر دین مہر اس عوض کی بنا پر بیباق ہو جائے کہ شوہر اس کو حج کے لیے لے جائے گا یا اس کے ساتھ سختی کا برتاؤ نہیں کرے گا یا اس کو عزیزوں سے ملنے سے نہ روکے گا۔ اگر ایسی شرط یا شرائط پوری نہیں ہوتیں تو ایسی صورت میں ترک مہر (رقم) نہیں ہوتا۔

اگر کوئی عورت اس شرط پر مہر کا بہہ کرتی ہے کہ اس کا شوہر اس کے عوض ہر سال کچھ دیا کرے گا اور شوہر شرائط معاہدہ بذمکتی خود کی تکمیل سے قاصر رہے تو بہہ بھی کالعدم ہو جائے گا۔ اس لئے کہ بہہ بالشرط العوض کی صورت میں جب تکمیل شرط نہیں تو بلا بدل (شرط) معاہدہ مکمل ہوتا۔ پس جب مخصوص عوض بھی نہ ملا تو بہہ غیر مؤثر ہوگا۔

ایک عورت اپنے خاوند کو مہر اس شرط پر بہہ کرتی ہے کہ اسے طلاق دیدے گا اور خاوند اس شرط کو منظور کر لیتا ہے مگر طلاق نہیں دیتا تو دین مہر اس پر واجب رہتا ہے۔ بہہ بالشرط العوض میں تکمیل شرط موہوب الیہ یا منتقل الیہ تک ہی محدود نہیں ہوتی اس لئے کہ شئے موہوبہ اپنوں میں سے کسی خاص فرد کے مفاد کے لیے (حسب شرائط امانت) منتقل ہو سکتی ہے۔ مثلاً اپنی جائیداد B اور C کو (بطور امینان) منتقل کرے تاکہ D, E اور F کو ان کی حین حیات و وظائف دنیا میں دائمان کو اور مابعد ان کے ورثا پر دو امانتگی و وظیفے کی ذمہ داری ہے جب کہ اضافہ و وظیفہ اس سے کی ہوئی شرط کی تکمیل پر منحصر ہو۔ اور اسے قبضہ دیدیا جائے تو معاہدہ متذکرہ کا استفادہ کنندگان نفاذ کر سکتے ہیں۔ وہ بہہ جو کسی واقعہ پر مشروط ہوں بہر حال منسوخ ہیں۔

مشروط بہہ کی مثالیں

اگر ایک عورت بیمار شوہر سے کہے کہ اگر بیماری سے تمہاری موت واقع

ہو جائے تو تمہیں اونٹنی مہر سے بری کرتی ہوں۔ یا تم پر میرا مہر صدقہ کے طور پر ہے
 عمر شرط بیہ ہونے کی وجہ سے شرط باطل ہے۔ یا اگر کوئی مریضہ عورت اپنے شوہر سے
 کہے کہ میرا مہر مثل صدقہ ہو گا یا میرا مہر میں نے تمہیں چھوڑ دیا اور اسی بیماری میں اس
 کا انتقال ہو جائے تو بیہ ناجائز ہے اور زر مہر کا مطالبہ ذمہ خاوند باقی رہتا ہے۔

اسی طرح ایک شخص دوسرے سے جس کے ذمہ اس کا روپیہ واجب ہے کہے
 کہ اگر تمہاری ذمگی میرا روپیہ میری موت واقع ہونے تک ادا نہ ہو تو میں نے معاف
 کر دیا ہے۔ یہ شرط بحر الرائق کے مطابق باطل ہے۔ اگر وہ یہ کہے کہ میری موت پر تم
 ادائیگی قرضہ سے بری ہو تو قاضی خان کے بقول یہ جائز ہوگا۔ یہ کہنے پر کہ اگر میں
 مر جاؤں تو اس کی ادائیگی سے بری الذمہ ہوگا تو یہ بیباقی نہیں ہوئی۔ اس لئے کہ وہ مشروط
 بالوقوع ہے۔ اسی طرح اگر وہ کہے کہ جب تو اس مکان میں داخل ہو تو اس مطالبہ سے جو
 میرا حق ہے پر باقی ہے بیباق ہے۔ کسی زر مطالبہ کے ایک غیر قانونی بدل سے بیباقی باطل
 ہے۔ مثلاً اگر ایک شخص کسی دوسرے سے کہے کہ تمہیں اپنے قرضہ کی ادائیگی سے بیباق
 کر دوں گا بشرطیکہ یہ اہم معاملہ سلطان سے طے کرادو۔ یہ بیباقی نہیں بلکہ رشوت ہے۔
 جیسا کہ بتایا گیا ہے کہ مسلم لا میں کسی بدل کا بیہ ”بالعوض“ یا بیہ یا انتقال جائیداد کو بیہ
 مابعد کی خصوصیات کا حامل ہونے کے لیے اس کی کوئی بھی شکل ہو سکتی ہے۔ یہ کسی قسم
 کے انعام مادی یا غیر مادی کی صورت میں بھی ہو سکتا ہے مثلاً۔

بمقدمہ محمود النسا بیگم بنام ہجر شاہ عدالت عالیہ بمبئی نے یہ فیصلہ صادر کیا کہ
 کسی متوفی مسلمان کی جائیداد میں چچا کا اس منشا سے اپنا حصہ ترک کر دینا کہ کلکٹر کے یہاں
 حصول سرٹیفکیٹ کی کارروائی (نابالغ بھتیجیوں کے حق میں) میں سہولت پیدا ہو سکے تو مسلم
 لائیں ایک مستحسن بدل ہے۔ اسی طرح جب ایک باپ اور دادی نابالغ بچوں کے حق میں
 ان کے دادا کی جائیداد میں اپنا حصہ ترک کر کے مشترکاً بیہ نامہ تحریر کریں تو یہ طے کیا
 گیا کہ دستاویز معاہدہ تملک برضا و رغبت نہیں ہے۔ بلکہ ایسا معاہدہ یا بدل ہے کہ A کا
 ترک بدل دوسرے کے ترک کا بدل ہے۔

فصل دوم :- قرضہ کا ہبہ

فتاوائے عالمگیری کے مطابق ایسے شخص کو قرضہ کا ہبہ جس کے ذمہ اور بھی قرضہ ہو قیاس اور استحسان دونوں کی بنا پر جائز ہے۔ مقروض کے ماسوا دوسرے شخص کو بھی بر بنائے قیاس جائز ہے بشرطیکہ وہ قبضہ کا مجاز ہو۔

اگر قرض دار کو رقم قرضہ کا ہبہ کر کے بیباق کر دیا جائے تو بغیر اس کے قبول کئے یہ مکمل ہو جاتا ہے۔ اگر وہ اسے نامنظور کر دے تو فقہاء کی عام رائے کے مطابق یہ موثر نہیں ہوتا اور جوہر الاخلاق کے مطابق یہی مسلہ اصول ہے۔ مندرجہ بالا اصول اگر قرضہ بصورت نقد نہ ہو تو لاگو ہوتا ہے۔ بصورت نقد مقروض کے منظور کرنے پر منحصر ہے، منظور کرنے کی صورت میں اس کا قرضہ بیباق ہو جاتا ہے ورنہ مستوجب ادائیگی رہتا ہے۔ دوسری نوعیت کے قرضوں میں یہ صورت نہیں ہے۔ اور مقروض خواہ بیباقی صریحا قبول کرے یا نہیں اس کی ادائیگی ہو جاتی ہے لیکن دوسری نوعیت کے قرضوں کا ہبہ اور ان کی بیباقی عدم قبول سے غیر موثر ہو جاتی ہے۔

ضامن کو قرضہ کے ہبہ کے سلسلہ میں معاملہ مقروض کی بیباقی سے مختلف نوعیت کا ہوتا ہے۔ اصول اس طرح ہے کہ ضامن کو ہبہ قرضہ بلا اس کی منظوری کے جائز نہیں ہے۔ اور نامنظور کرنے پر وہ مستوجب ادائیگی قرضہ ہوگا۔ لیکن بغیر اقرار کئے اس کی بیباقی جائز ہے اور اس کے انکار پر یہ منسوخ نہیں ہوتا۔

جب اصل مقروض کا اس کے حق میں ہبہ کے اقرار سے پہلے انتقال ہو جائے تو وہ قرضہ بیباق ہی سمجھا جائے گا اور اسی طرح مقروض کے انتقال کے بعد اس کا قرضہ بیباق قرار دیا جائے گا۔ تاہم اس کے ورنہ ایسی بیباقی کو نامنظور کر سکتے ہیں اور قرضہ ادا کر دیا جائے گا۔ یہ ابو یوسف کی رائے ہے لیکن ابو محمد کا اس سے اختلاف ہے ان کی رائے میں انکار سے کوئی اثر نہیں ہوتا۔ وجہ یہ کہ ماضی کی بیباقی حال پر بھی موثر ہوتی ہے ایسا ہی ذخیرہ میں آیا ہے۔

اگر کوئی قرض خواہ اصل مقروض کو بیباق کرنا چاہے اور وہ اقرار کرے تو ایسی صورت میں مقروض اور ضامن دونوں کا قرضہ بیباق ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر منظور نہ کرے

تو مقروض اور ضمانت دونوں ہی بیباق نہیں ہوتے۔

اگر کوئی شخص جو دوسرے کا مقروض ہے اور ادائیگی قرضہ سے پہلے مر جائے اور قرض خواہ مقروض کے ورثہ کو قرضہ بہہ کر دے تو یہ جائز ہوگا۔ خواہ یہ قرضہ ورثہ میں شامل کیا گیا ہو یا نہیں ایسا ہی فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔

اگر مقروض کے ورثہ میں سے کسی کے حق میں قرضہ بہہ گیا ہے تو یہ سب کے ہی مفاد میں ہوگا اور اس طرح سب ہی کا قرضہ بیباق ہو جائے گا ایسا ہی واجزا لکروی میں ہے۔ فتاویٰ آمو میں درج ہے کہ اگر قرض خواہ مقروض کے ورثہ میں سے کسی ایک کا قرضہ بیباق کر دے تو اس کی ذمگی قرضے تک جائز ہے۔ اس سے صریحاً مقروض کے اثاثے میں بعد تقاسمہ حصص (جبکہ ہر وارث کا حصہ متعین ہو چکا ہو) اس کے اثاثے کی بیباقی یا ادائیگی مقصود ہے۔ قرابے میں درج ہے کہ کسی قرضہ کے بہہ کے معاملے میں قرض خواہ یا مقروض کی موت اس کے اقرار بہہ کے مساوی ہے۔

اگر قرض خواہ کئی ورثہ چھوڑ کر انتقال کر جائے اور ان میں سے ایک متوفی کے ترکہ کی تقسیم سے قبل مقروض کو اپنے یا فتنی حصہ قرضے سے بیباق کر دے تو یہ بیباقی جائز ہے۔ لہذا یہ میں یہ مسئلہ اس طرح واضح کیا گیا ہے کہ اگر قرض خواہ کے ورثہ میں سے ایک تقسیم رقم قرضہ سے قبل اپنا حصہ قرضہ ذمگی مقروض کو بہہ کر دیتا ہے اور متوفی کے ترکہ میں زر نقد اور سامان دونوں ہوں تو یہ بہہ مثل تفسیہ بہ ادائے آئے معاملہ قانوناً جائز ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں درج ذیل فقرہ جو کہ تاتار خانیہ سے لیا گیا ہے اس طرح ہے۔ ”مقروض کو نابالغ لڑکے کے حق میں قرضہ کا بہہ جائز نہیں ہے“ اس کا منشا یہ ہے کہ جس طرح کہ قرضہ کا بہہ تیسرے شخص کے حق میں جواز بہہ قرض خواہ کی اس کو وصول یا بی قرضہ کی صورت ہدایت پر منحصر ہے۔ اور چونکہ مقروض کے خورد سال بچہ کو ایسا لٹایا اس کے ولی قدرتی (خود مقروض) کو اس طرح مجاز نہیں کیا جاسکتا بہہ موثر نہیں ہو سکتا۔ لیکن اس کا یہ نتیجہ نہیں ہے کہ جب کسی مقروض کا انتقال ہو جائے اور قرض خواہ اس قرضہ کا بہہ اس کے بچہ کے حق میں کرے یا اس کو قرضے اور متعلقہ قرضے کی ذمہ داری سے بیباق کرے تو یہ بہہ ناجائز ہوگا۔ اس کے برعکس تمام مستند اقوال کے مطابق ایسا بہہ یا بیباقی قطعی جائز ہے۔ تاتار خانیہ کا اصول جس کا فتاویٰ عالمگیری میں حوالہ ہے

اس کو بچہ تعدیل کے ساتھ اختیار کرنا چاہئے۔ جیسا کہ اس اصول کے مطابق کوئی بھی عورت اپنے دین مہر کا (جو اس کے خاوند کے ذمہ ہے) بیہ اپنے نابالغ بچے کے نام کر سکتی ہے (بشرطیکہ بچہ اتنا وصول کرنے کا مجاز ہو۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ مقروض کے بالغ بچے کو قرضے کے بیہ کی صورت میں موہوب الیہ کے خود بچے ہونے کی وجہ سے مقروض بطور ولی خود اپنا ذاتی قرضہ وصول کرنے کا مستحق ہو جائے گا۔ لیکن چونکہ ماں اپنے خورد سال بچے کو اس کے باپ سے اپنا مہر وصول کرنے کا مجاز کر سکتی ہے۔ کوئی وجہ نہیں ہے کہ کوئی دوسرا قرض خواہ وہی طریقہ کسی متولی یا کسی دیگر شخص کو بچے کی طرف سے وصولیابی قرضے کے بارہ میں مقرر کر کے اس امر کا مجاز نہ کرے۔

بمقدمہ نیانی بیگم بنام امرائی بیگم عدالت العالیہ بمبئی نے مسلم لا کے قواعد کے مطابق یہ فیصلہ صادر کیا کہ کسی متولی مسلمان کی بیوہ اپنا دین مہر بلا ورثا کی منظوری کے تفویض کر سکتی ہے۔

قرضہ کا بیہ

فتاوائے عالمگیری میں بحوالہ فتاوائے سروشنی آیا ہے کہ جب ایک عورت کسی خام شے کا جزو اپنے شوہر کو بیع کرتی ہے اور اس کا عوض اپنے خورد سال بچے کو بطور عطیہ یا بیہ کے دے بعد ازاں بچے کا انتقال ہو جائے تو تمام بدل عورت کی جائیداد قرار دیا جائے گا نہ کہ بچے کا ورثہ۔

جب کسی قرض دار کو کوئی رقم قرضہ جائز طور پر بیہ کی جائے تو مقروض اس امر کا مستحق ہے کہ جو جائیداد قرضہ میں مکفول کی گئی ہے وہ قرض خواہ سے واپس لے لے۔ اگر کوئی قرض خواہ مقروض کو اس کے بہ ذمگی قرضہ بیہ کرے جو بوقت ملاقات وہ قبول نہ کرے اور اس سے انکار کرے مگر چند روز کے وقفہ کے بعد مقروض اسے اور بیہ کو منظور کر لے تو اس مسئلہ پر کچھ اختلاف ہے مگر صحیح اصول یہ ہے کہ بیہ منسوخ نہیں ہوتا۔

جب دو شخصوں کے ذمہ قرضہ واجب ہو اور ان میں سے ایک مقروض کو اپنا حصہ دے تو یہ بیہ اور بیہاتی جائز ہے۔ بالفاظ دیگر جب دو قرض خواہ ہوں اور ان میں سے ایک مقروض کو اپنا حصہ بیہ کر دے تو یہ بیہ و بیہاتی جائز ہے۔ بالفاظ دیگر جب دو قرض

خواہ اور ایک مقرض ہوں اور ان میں سے کوئی ایک اپنے حصہ رقم کے قرضہ سے مقرض کو بیباق کر سکتا ہے یا فقہاء کے اسلوب تحریر کے مطابق اپنے قرض کے حصے کو مقرض کو واپس کر سکتا ہے۔

اسی بیباقی ہو کسی امر کے وقوع ہونے تک معلق ہونا جائز ہے لیکن اگر وہ کسی ایسی شے پر مشتمل ہو جس کی فوراً تکمیل ہو جانے والی ہو تو جائز ہے۔ مثلاً ایک شخص کسی دوسرے شخص سے بے کہ اگر تیرے ذمے میرا کوئی قرضہ ہے تو میں تجھے اس سے بیباق کر سکتا ہوں تو ایسا بے جا جائز ہوگا بشرطیکہ اس کے ذمہ قرضہ ہو۔ اسی طرح اگر وہ یہ کہے کہ میں مر جاؤں تو تو میرے قرضے سے بے باقی ہوگا تو یہ جائز ہے۔ اور یہ بیباقی نصف میراث پر موثر ہوگی۔

قرضہ کی بیباقی کی صورت میں جبکہ قبضہ دہانی ممکن نہ ہو تو مقرض کو قرضے کا بہہ اور اس کی ذمہ داری سے بیباقی بلا اس کے اقرار کے بھی موثر ہوتی ہے۔ چونکہ قرضہ کی بیباقی اس کے منتقلی کے مساوی ہے۔ اس لیے موہوب الیہ کی جانب سے اقرار قرضہ یا قبضہ نہ داری نہیں۔

قرضہ کا بہہ علاوہ مقرض کے کسی اور کو بطور حوالہ

درج ذیل صورتوں میں قرضہ کا بہہ مقرض کے علاوہ دوسرے شخصوں کو بھی جائز ہے۔

(الف) جب یہ بطور حوالہ کیا جائے یعنی جس شخص کو یہ تفویض ہو تو وہ قرض

خواہ یا ایجنٹ ہو۔

(ب) جب کہ بطور میراث بہہ بالوصیت کیا گیا ہو۔

(ت) منتقل الیہ قرضہ وصول کرنے کی حالت میں ہو۔

انتقال قرضہ سے مفہوم یہ ہے کہ منتقل کنندہ منتقل الیہ (مسلم لائیں موہوب

الیہ) کو وصولیابی قرضے کا مجاز کر دے اس لئے کہ ضروری شرط کو مزید احتیاط کے باعث قانونی مویشکانی سمجھا جائے گا۔

جب کوئی شخص کسی دوسرے کو اس کے قرضوں کی وصولیابی کا مجاز کرتا ہے تو

یہ قبضہ دہانی کے ہی مثل ہے۔ لیکن ایجنٹ کا محض امانتاً تختی نوٹ سپرد کر دینا جو کہ بطور امانت (مشمولہ سود) کے روپیہ کی رسید ہو اور اس شکل میں نہ ہو جس سے حامل نوٹ قرضے (بطور منتقلیہ) وصول یابی کا مستحق ہو سکے۔ اس کے بارہ میں طے کیا گیا ہے کہ یہ بمنزلہ منتقلی قرضہ نہیں ہے جس سے کہ حامل نوٹ کو اس پر کوئی حق ملکیت حاصل ہو۔ یا وہ اس روپیہ کو جو نوٹ کی کفالت میں ہو وصول کر سکے۔

اگر ایک شخص کو کسی خاص شرط کی بنا پر ادائیگی قرضے سے بیباق کر دیا گیا ہو تو اس شرط کی خلاف ورزی سے اس پر مکرر ادائیگی کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ یعنی اگر عورت اپنے شوہر کو اس کے دین قرضے سے کسی ایسی شرط پر (جسکی بعد میں اس نے خلاف ورزی کی ہو) بیباق کر دے تو وہ مکرر مستوجب ہو گا اور اس قرضہ کا دین دار رہے گا۔ اگر عورت اپنے شوہر سے کہے کہ میں اپنے قرضہ سے اس شرط پر بیباق کرتی ہوں کہ تم دوسری عورت سے شادی نہ کرو گے اور وہ اس کا اقرار کرے۔ مگر بعد میں دوسری شادی کرے تو وہ اس کی ادائیگی یعنی پہلی بیوی کے دین مہر کا ذمہ دار رہے گا۔

اوپر بتایا جا چکا ہے کہ جب شرط بے باقی قطعاً کسی غیر یقینی وقوع پر منحصر ہو تو یہ غیر موثر ہے یعنی اگر کوئی شخص اپنے مقروض سے کہے کہ میری موت کے واقع ہونے تک میں تم سے قرضہ طلب نہ کروں گا یہ تمہارا ہو چکا ہے تو یہ جائز ہے۔ اگر مقروض نے قرضہ کے بہہ پر رضامندی دیدی ہے تو یہ منسوخ نہیں ہو سکتا۔

فصل سوم :- قانون ہبہ کے متعلق مزید قواعد

بچوں کے حق میں والدین دو واقعی سرپرستوں کا ہبہ جیسا کہ بتایا جا چکا ہے ایک باپ کا خواہ وہ مقروض ہو بحالت صحت تمام جائیداد بچوں میں سے کسی ایک کے نام ہبہ کرنا قانوناً جائز ہے بشرطیکہ وہ ہبہ دیگر وجوہات سے باطل اور ناجائز نہ ہو۔

بمقدمہ کندتھ وٹیل باوا بنام مسئل نیم وٹیل پکروٹی (Kandath Veetil)

(Bava U. Musliam Veetil Pakrukulli) جب ایک ماں نے جائیداد کا بیہ (جس میں مکان اور زمینیں شامل تھیں) اپنی لڑکی کے حق میں کر دیا۔ واپس اور موہوب الیہ کی درخواست پر محلکہ ریونیو سے داخل خارج کی کارروائی ہو گئی۔ اور واپس و موہوب الیہ کے ساتھ رہنے لگی تو عدالت عالیہ مدراس کے فاضل ججان نے یہ طے کیا کہ اس سے بیہ ناجائز نہیں ہوتا ہے۔

ایک باپ کا ایسے مکان کا بیہ جس میں اس کی رہائش یا سامان ہے، ابو یوسف اور فتویٰ کے مطابق جائز ہے۔ اسی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے عدالتوں نے ڈگریاں صادر کی ہیں۔

کسی کا بطور والدین ایسے شخص کے لیے بیہ جو ان کی سرپرستی میں رہتا ہو محض امان سے ہی مکمل ہو جاتا ہے۔ ایسی صورت میں انتقال کی ضرورت نہیں۔ بقول شرح وقائع اگر کوئی باپ اپنے بچے کے حق میں بیہ کرتا ہے تو بچے بوجہ بیہ اس شے کا مالک بن جاتا ہے۔ یہی اصول اس صورت میں بھی منطبق ہو جاتا ہے جب کہ ایک ماں اپنے خورد سال لڑکے کو جس کی وہ پرورش کرتی ہے اور اس کا باپ مر چکا ہو کوئی شے بیہ کرتی ہو اور کوئی سرپرست نہ ہو۔ یہی صورت ایک ایسے شخص کے بیہ کی ہے جو انہی حالات میں پرورش کرتا ہے۔

اگر کوئی اجنبی بچے کے حق میں بیہ کرتا ہے تو اس میں بچے کے باپ کو قبضہ دینے سے بیہ مکمل ہو جاتا ہے۔ اگر بچے یتیم ہو تو اس کی جانب سے ولی کا قبضہ جسے باپ وادانے دسی مقرر کیا ہو، کافی ہے۔

ایسا یتیم بچہ جو ماں کی نگرانی میں ہو اور اس کی جانب سے اگر ماں بیہ پر قبضہ کرے تو جائز ہے۔ اور یہی اصول اجنبی یعنی غیر رشتہ دار کے معاملہ میں بھی (جسکی نگرانی میں وہ یتیم بچہ ہے) منطبق ہوتا ہے۔ اگر خود کوئی بچہ جس میں کافی فہم ہو اس شے پر جو ات دی جائے قبضہ حاصل کرے تو یہ جائز ہے۔

ایسے بیہ کے لیے جو والدین نے نابالغ بچے کو کیا ہو کسی اقرار کی ضرورت نہیں ہے۔ بیہ معاہدہ سے مکمل ہو جاتا ہے اور اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ شے موہوبہ باپ کے قبضہ میں ہے یا بچے کے۔ اس لیے کہ والدین کا قبضہ بمنزلہ بچے کے قبضے کے ہے۔

عورت کا اپنے مہر کا بہہ

مہر کا بہہ جو خاوند نے بالجبر یا غلط بیانی سے حاصل کیا ہونا جائز ہے۔ یعنی اگر شوہر غلط بیانی یا جبر سے اپنی بیوی کو اس امر پر راضی کرتا ہے کہ وہ اسے دین مہر سے سبک دوش کر دے تو ایسی سبک دوشی جائز نہیں ہے۔

قرضہ کا بہہ

بحر الراقی میں ہے کہ اگر ایک شخص جس کے مطالبات قرضہ لوگوں کے ذمہ واجب ہوں وہ دوسرے کو جو اس کا مقروض نہیں ہے قانوناً بہہ کر سکتا ہے اور موہوب الیہ کو یہ ہدایت کر سکتا ہے کہ بعد وصولیابی قرضہ اپنے کام میں لائے۔ ایسا بہہ جائز ہے۔ متذکرہ اصول کے نتیجے کے طور پر فتاویٰ قاضی خان میں بتایا گیا ہے کہ ایک عورت اس امر کی مجاز ہے کہ وہ اپنے دین مہر کو خورد سال بچے کے حق میں منتقل کر دے اور بالغ ہونے پر بچہ اپنے باپ سے طلب کرنے کا مستحق ہوگا۔ علیٰ ہذا القیاس ایک شادی شدہ اس امر کی مجاز ہے کہ وہ دین مہر کے عوض خاوند سے سمجھوتہ کر کے اس کے بجائے کسی دیگر چیز کو قبول کرے۔

ذیلی مقدمہ

ہندوستان میں شادی شدہ فریقین کے درمیان انتقال جائیداد جس کی رو سے کوئی شوہر اپنی بیوی کے حق میں دین مہر کے عوض کوئی جائیداد منتقل کرتا ہے تو وہ مقدمہ ذیلی کہلاتا ہے۔ ایک ذیلی مقدمہ دراصل بہہ بالعوض ہے اور اصلاً مہر کے عوض بمنزلہ بیع کے ہے۔

اگر ایک عورت اپنا مہر کسی شے میں تبدیل کرنے پر آمادہ ہوتی ہے جو قبل از قبضہ اس نے نہیں دیکھی مگر بعد میں اس کو نقص کا غلم ہوا تو وہ ایسے معاہدہ کو منسوخ کرنے کی مجاز ہے اور مہر کے لیے اس کا حق بجنسہ قائم رہتا ہے۔

ایک عورت اپنے متوفی شوہر کو قرضہ سے بیباق کر سکتی ہے یعنی ایک بیوہ اپنے متوفی شوہر کے اثاثے کو اس کے دین مہر کے بارہ میں بری کر سکتی ہے۔

اگر کوئی بیمار عورت شوہر کو مہر کا بہہ کرے تو ایسا بہہ اس کے صحت یاب

ہونے پر بھی جائز ہوگا۔ اور اگر اس دوران اس کا انتقال ہو جائے تب بھی جائز ہے بشرطیکہ وہ مرض الموت میں مبتلا نہ ہو۔ لیکن مرض الموت میں مبتلا ہونے کی صورت میں باامتیاز ورثہ کے جائز نہ ہوگا۔

رقبہ

بہ طور رقبہ سنی ائمہ کے مطابق ناجائز ہے اس لئے کہ وہ غیر یقینی امر ہے جو ایک شخص کی زندگی پر منحصر ہوتا ہے۔ (جو کہ ایک شخص کی حیات سے مشروط ہے) رقبہ کسی شخص کے اس اعلان سے ہی مرتب ہو جاتا ہے ”اگر تجھ سے قبل میرا انتقال ہو جائے تو یہ مکان تیرا ہوگا اور اگر تو مجھ سے قبل مر جائے تو یہ میرا ہے۔“ جب کوئی رقبہ لیا جائے اور شے موبہ ہو یا موبہ ہو تو قبضہ مل جائے تو یہ غاریت یا مشروط قرضہ ہوگا جو حسب الطلب واجب قابل واپس ہوگا۔

بہ عمارت بلا زمین

اگر ایک شخص کسی عمارت اور زمین کا (جس پر کہ وہ واقع ہے) مالک ہے تو وہ عمارت بلا زمین کے بہ کر سکتا ہے اور یہ جائز ہوگا۔

باب ۵۔ شیعہ قانون ہبہ

فصل اول:- شیعہ اصولوں کے مطابق مشاع اور قبضہ

اہل تشیع کے قانون کے مطابق مشاع (یا غیر منقسمہ جائیداد کے حصہ) کا ہبہ جائز ہے جس پر قبضہ لیا جاسکتا ہو اور مثل بیع اس پر قبضہ لیا جاسکتا ہے۔ بعد واہب کے شے مذکور تفویض کرنے یا اس سے علیحدگی اختیار کرنے پر اور بہ سند مبسوط مذہب شیعہ کے اصولوں کے مطابق کسی جائیداد کے حصے کا ہبہ خواہ قابل تقسیم ہو یا نہ ہو قطعاً جائز ہے۔

قبضہ لینے کا اختیار کافی ہے

مذہب حنفی میں جیسا کہ بتایا گیا ہے قبضہ کی نوعیت شے موہوبہ کی نوعیت پر منحصر ہے۔ یہی رائے علامہ نے اپنی تحریر الاحکام میں درج کی ہے اور اگر شے موہوبہ جائیداد غیر منقولہ ہو تو بصورت ہبہ اسے تفویض کرنا یا علامتی قبضہ دیتا سب صورتوں میں کافی ہے۔ بصورت جائیداد منقولہ اس کی نوعیت کے مطابق اس پر شیعہ قانون کے مطابق اس امر میں کوئی اعتراض نہیں ہے کہ دو شخصوں کو جائیداد دی جائے۔ ان میں سے ہر ایک اپنے حصے کا مالک ہو جائے یا بصورت دیگر ان میں سے ایک تو ہبہ کا اقرار کرے اور قبضہ لے اور دوسرا انکار کرے تو مقرر کو ہبہ جائز ہوگا۔

حنفی فقہ کے مطابق اقرار جواز ہبہ کی ضروری شرط ہے۔ حسب شرائع معاہدہ ہبہ کا اعلان و اقرار قبضہ ضروری ہیں۔

اعلان سے مراد واہب کا شے موہوبہ کو موہوب الیہ کی ملکیت میں بطور ہبہ انتقال کرنے کا اظہار ہے۔ ایسا معاہدہ جائز نہیں ہے جب تک واہب بالغ و عاقل نہ ہو اور جائیداد کے حق استعمال میں آزاد ہو۔ بالفاظ دیگر (شخص اہل بالغ) اپنے فعل کی نوعیت کو سمجھنے کے قابل ہو اور کسی امتناع سے مجبور نہ ہو۔

شیعہ قانون کے مطابق قرضہ کا بیہ

کسی یا شیعہ قانون کے مطابق قرض خواہ کی مقروض کے قرضے کی بیباقی یا بجز الی بیہ کے مساوی ہے جو شیعہ یا سنی فقہ میں جائز ہے۔ کسی بھی قرضہ پر جسمانی یا واقعی قبضہ یا حق نالاش حاصل کرنے کی مشکلات کی وجہ سے بعض شیعہ فقہ کا بشمول مسنف شریعت یہ فتویٰ ہے کہ کوئی قرضہ یا حق وصول باقی قرضہ کسی دیگر شخص کو منتقل نہیں ہو سکتا۔ مگر دوسرے فقہا خاص کر شیخ مسنف میٹو کی رائے اس کے برعکس ہے اور اس بارہ میں کوئی شبہ کہ صحیح مماثلت اور مسلمہ رواج کی بنا پر جو شیعہ فرقوں میں صدیوں سے جاری ہے جن کی رو سے حق نالاش (جائز انتقالات قرضہ) یا کسی دوسرے سے وصولی (قرضے کے حق) پر منحصر ہو۔ اور واجب یا قرض خواہ کسی تیسرے شخص کو (بالغیر) بطور بیہ منتقل کر سکتا ہے۔

مقدمہ امجد علی خان بنام محمدی بیگم بیہ گورنمنٹ پرائمری نوٹس کا تھا جس کے نتیجے سے معلوم ہوگا۔ نوٹس کا بیہ دراصل ایسا بیہ تھا جس سے کہ رقم پر منافع حاصل کیا جاسکے۔ اور اس کی کفالت خود نوٹس سے ہی ہوتی تھی۔ فریقین کے شیعہ ہونے کے باوجود مقدمہ مذکور میں ناجوازی بیہ کے لیے نذر نہیں کیا گیا کہ یہ ایسے حق کا بیہ تھا جو بوقت شرع حاصل ہو سکے۔ محض ایک نذر کی بنا پر اعتراض کیا گیا اور وہ یہ کہ واجب نے تاحین حیات خود اس کی آمدنی اپنے لئے محفوظ رکھی۔ مسلم لاء میں ایسا استفادہ ناجائز ہے۔ اسی طرح حق نالاش یا حقیقت مابعد کا انتقال شیعہ قانون میں اسی طرح جائز ہے جیسا کہ حنفی قانون میں۔

قبضہ واقعی یا تعبیری ہو سکتا ہے

شیخ اور سر ایہ، عقیدہ و فیروہ کے مسنفین کے مطابق قبضہ واقعی یا تعبیری ہو سکتا ہے۔ حصول اختیار قبضہ کو موثر بنانے کے لیے موہوب الیہ کا جائیداد پر قبضہ حاصل کرنا یا اس پر کسی قسم کا تصرف ہونا ضروری ہے۔ اوپر بتایا گیا ہے کہ کسی کا اپنی بیوی کو پرائمری نوٹس دستخطی ایجنٹ بینک (جو رقم امانت مع منافع کی رسید ہے) اس صورت میں نہ ہوں کہ حامل نوٹ ان رقمات کا قرضہ پانے کا مستحق ہوگا جو کہ بحیثیت منتقل الیہ پاسکتا ہے اس

کے بارہ میں یہ طے کیا گیا ہے کہ وہ ایسے انتقالات قرضہ نہیں ہیں جن کی بنا پر موہوب الیہ کو اختیار تصرف حاصل ہو اور وہ وصول کر سکے۔

بیہابی قرضہ

شرائع کے مصنف اور اس کے شاگردوں کے بقول جن کا کہ لغوی تشریح کے مسلک سے تعلق ہے دست برداری یا بیہابی اقرار موہوب الیہ کو موثر بنانے کے لیے ضروری نہیں ہے جب کہ ترقی پسندانہ مسلک کے نمائندے مثلاً شیخ ابن ظہرہ و شیخ مرتضیٰ وغیرہ مسلک حنفیہ سے متفق الرائے ہیں کہ بیہابی کے جواز کے لیے مقروض کی رضامندی ضروری ہے اور یہ نظریہ عدل گستری کے تقاضے کے مطابق ہے۔ ایک بیہابی محض قرض خواہ کی نیت کا اظہار ہے کہ وہ مقروض سے قرضہ وصول نہ کرے گا لیکن اس نیت کا اظہار جس کا نتیجہ قرض خواہ کو اپنے مطالبہ سے باز رکھے گا اس کا یہ منشا نہیں ہے کہ مقروض قرض خواہ کو قرضہ وصول کرنے کے لیے منع کرے۔ عقد یا معاہدہ ایک انگریز مصنف کے مطابق دو شخصوں کے درمیان ایسا رشتہ ہے کہ ان میں سے ایک کو ایک ذاتی حق خاص دوسرے کے افعال کو روکنے کے لیے حاصل ہوتا ہے تاکہ وہ کسی خاص امر کو انجام دے یا انجام نہ دے۔ یہی تعریف عرب فقہانے اصطلاح ”عقد“ کی ہے اس سے مراد وہ تعلق ہے جو ایک شخص کو دوسرے پر حاصل ہوتا ہے۔

فصل دوم:- شیعہ قانون میں محدود حق ملکیت

حنفی قانون کے مطابق اگرچہ الفاظ بہہ سے مراد موہوب الیہ کو ملکیت قطعی کا بہہ مقصود ہوتا ہے مگر الفاظ مابعد سے اصل بہہ میں کوئی کمی نہیں آتی۔ حنفی فقہانے محدود حقیت کے جواز کو ”عاریت“ کے نام سے مشروط طور پر تسلیم کیا ہے دراصل موہوب الیہ (ایسی صورت میں مستعار کہلاتا ہے) ”نین“ پر تصرف کی غرض سے جائیداد منتقل کرنے کا حق ہے ایسے بہہ کے جواز قانون کو عدالت العالیہ الہ آباد نے بمقدمہ خالد احمد و دیگران تسلیم کیا ہے۔

شیعہ قانون محدود حق ملکیت کے جواز قانون کو مکمل طور پر تسلیم کرتا ہے۔

شیعہ کے مطابق محدود حق ملکیت

A کے لیے اس فی تاحین حیات بیہ جائز ہے بصورت موت شے موہوبہ
 واپس اور اس کے ورثہ پر عود کر آتی ہے۔ اسی طرح A کا حین حیات بیہ مابعد دوسرے
 شخص پر ذمہ دار فی قائم کرتا ہے۔ اس نظریہ کی بنیاد پر حنفی فقہانے بیہ کو ایک قرضہ بتایا
 ہے یعنی بیہائی قرضہ بلا ضمانتی مقروض مکمل بتایا ہے۔ گو اس کی نامظوری سے وہ بے
 اثر ہو جاتی ہے۔ لیکن یہ صورت حال اصل مقروض کے معاملہ میں صحیح ہے اس لئے کہ
 ضامن کو قرضہ کا بیہ بغیر اس کے قبول کے مکمل نہیں ہوتا۔ اگرچہ اس کے انکار سے یہ
 منسوخ ہو جاتا ہے۔ اگر قرضہ خود اصل مقروض کو قرضہ سے بیہائی کر دے اور وہ اسے
 قبول کرے تو وہ اور اس کا ضامن دونوں بیہائی ہو جائیں گے۔ لیکن اگر وہ منظور نہ کرے تو
 وہ بیہائی نہ ہوگا۔ یہ اصول میری وضاحت سے جو ابراہیم الاغزیہ میں دیا گیا ہے کہ تاحین حیات
 موثر ہوگا مگر دوسرے شخص کے انتقال پر واپس اور اس کے ورثہ پر عود کرے گا اسی طرح
 A کے حین حیات بیہ اور B کے حق میں بیہ قطعی یا A کے حق میں حین حیات بیہ اور پھر
 A کے بچوں کے حق میں بیہ قطعی کیا جاسکتا ہے۔ اس سلسلہ میں کچھ اختلاف رائے ہے
 کہ آیا اس بیہ سے وہی بچے جو بوقت بیہ حیات تھے کلیتاً مستفید ہوں گے یا وہ بچے بھی جو
 کہ بعد بیہ پیدا ہوں۔ مسلمہ رائے کے مطابق تمام بچے جو بوقت بیہ حیات تھے اور جو بعد
 میں پیدا ہونے والے وہ سب بیہ سے مستفید ہوں گے۔ لیکن جب کہ A کے حق میں حین حیات
 بیہ اور ان کے بعد میں اس کے بچوں کو اگر حین حیات بیہ کیا گیا ہے تو صرف وہی بچے جو
 بوقت بیہ حیات تھے پس ماندگان کے حق کی بنا پر مستفید ہوں گے۔

ایسا بیہ کہ تاحین حیات بحق A ہو اس کے بعد B کو حین حیات ہو اور بعد ازاں
 A کے بچوں کے حق میں قطعی ہو وہ بھی یکساں جائز ہے۔ مصنف شرایع کے مطابق A اور
 اس کے عقب (جو اس کے بعد آئے) کے حق میں بیہ سے A کو حین حیات حق ملکیت
 حاصل ہوتا ہے اس لئے کہ لفظ عقب سے نہ کسی کی نشاندہی ہوتی ہے اور نہ کوئی تعین
 مفہوم۔ سر وی اور دوسری کتب فقہ کے مطابق ایسے بیہ سے A کو حقیقت قطعی مل جاتی ہے۔

شہزادہ سلمان قدر بنام داراب علی خان

ب: A کو تائین حیات اور اس کے بعد اس کے ورثا کو ہبہ کیا جائے یا اگر یہ الفاظ کے حق استفادہ کو اس کی حین حیات اور اس کے بعد اس کے ورثا کو دیا جائے تو اس ہبہ سے A کو محض حین حیات ہبہ ملے گا اور حقیقت قطعاً A کے ورثا کو ملے گی۔

بمقدمہ شاہزادہ سلیمان قدر بنام داراب علی خان پر یوی کو نسل کے فاضل تاجان نے اس لئے اس امر کا اظہار رائے کیا جس سے شے محدود حق ملکیت تسلیم نہ کئے جانے کا منشا قیاس کیا جاتا۔ مگر رائے مذکور کلیتاً سنی اسناد کی بنا پر تھی اور اس موضوع پر شیعہ قانون کے اصولوں کا حوالہ نہیں دیا گیا۔

ایسا ہبہ جو A اور نام طور پر اس کے بچوں اولاد یا فرزند ان کے حق میں نسل بعد نسل اور بطن بعد بطن کیا جائے۔ اس سے بطور انعام مراد ہے اور الفاظ بچوں کے بعد بچے یا نسل بعد نسل سے منشا الفاظ وضاحتی ہیں نہ کہ ان کو محدود کرنا۔

تعریف ہبہ

لفظ ہبہ کے استعمال سے عام منشا ایک قطعاً حقیقت ملکیت ہے۔ اس لئے کہ ہبہ سے وہ فعل مراد ہے جس سے کہ ایک شخص دوسرے کو بلا نیت بدل فوراً منتقل کرے۔ اور کسی شے پر تعبیری یا واقعی قبضہ دیدے۔ ایسا انتقال بزبان عربی الفاظ ”فیض کاملہ“ اور ”عن عطیہ“ سے بھی واضح ہوتا ہے اور زبان ہند میں لفظ عطیہ مبہم ہے۔ کنیت الفاظ دینا اور بخشا کی ہے۔ جب ان الفاظ سے ہبہ کیا جاتا ہے تو واہب کی نیت کو ہبہ نامے کے متن اور حالات متعلقہ سے معلوم کرنا چاہئے کہ آیا واہب کا منشا ہبہ قطعاً تھا یا محض ایک محدود ملکیت حقیقت۔

حین حیات پے داری اختیارات

ایک پے دار حقیقت حین حیات یا قابض حقیقت عارضی اس امر کا مجاز ہے کہ وہ جائیداد کو کسی بھی مدت کے لیے کرایہ پر دے لیکن وہ مدت اس کی مدت قبضہ سے زیادہ نہ ہو بشرطیکہ اس کا اختیار یا تصرف محدود نہ ہو۔ اس صورت میں وہ جائیداد کو اس کے مفاد کی اقتضائے مدت تک مناسب حالت میں واپس کرنے کے لیے پابند ہے۔ اس پر جائیداد

کے قدرتی انہدام اور جائز تصرف سے کوئی اثر نہیں پڑتا۔

حقیقی فتنے کے مطابق وازب شے موبہ بر بنا صین حیات اپنا حق حیاتی اس وقت تک محفوظ رکھ سکتا ہے جب تک کہ یہ حق محفوظ موبہ الیہ کے تفویض جائیداد میں درج نہ ہو۔ مثلاً A ایک مکان (جو کرایہ پر ہے) B کو اس شرط پر بیہ کرے کہ دو تا صین حیات خود اس کو کرایہ لیتا رہے گا۔ یہ اصول مقدمہ نواب امجد علی خاں بنام محمدی بیگم منع کیا گیا تھا۔ اور اس میں کے مطابق عمل ہے۔

رقبہ

اوپر بتایا گیا ہے کہ شیخہ قانون کے مطابق تمام محدود حقوں کے لیے رقبہ ایک عام اصطلاح ہے جس میں عمرہ (حقیقت صین حیاتی) اور سکنہ (حق رہائشی) دونوں شامل ہیں۔ اگر جائیداد کا صین دوسرے شخص کو موبہ الیہ کی حیات تک دیا جائے تو عام اصطلاح میں عمرہ کہلاتا ہے۔ اور جب مکان اغراض رہائش کے لیے دیا جائے تو یہ سکنہ کہلاتا ہے۔ قانون حقیقی کے مطابق یہ دونوں عاریت کی تعریف میں آتے ہیں چونکہ وازب یا اس کے ورثا کی مرضی پر عاریت قابل بحالی ہے۔ عمرہ یا سکنہ ایک مدت مقررہ تک موثر ہیں اور بحال نہیں ہو سکتے۔ کوئی بیہ جائیداد کے بیع سے ناجائز نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ بیع تابع بیہ لیتا ہے۔

حقیقت تابع استفادہ عام

شیخہ قانون کے مطابق کوئی شخص اپنی جائیداد پر محدود حقوق پیدا کر سکتا ہے۔ مثلاً کوئی دوسرے کو اپنی زمین پر ایک مقررہ وقت کے لیے حق گذر بلا اس کو دو اناحق آسائش دے ہوئے دے سکتا ہے۔ یا اپنے حوض سے پانی لے جانے کا حق دے سکتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ ایسے محدود حقوق بہ پابندی مفہوم رقبہ کہلاتے ہیں۔

افراد کے لیے کسی خاص مقصد کی غرض سے تملیکات خواہ مدت معینہ کے لیے ہوں یا غیر مدت معینہ کے لیے، جس کہلاتے ہیں خواہ ایک شخص کے حق میں ہو یا زیادہ یا افراد کے متواتر اغراض کے خاطر ہوں۔ اگر جس صرف معینہ مدت کے لیے ہو تو وہ حابس کی موت پر ختم اور اگر مقررہ مدت کے لیے ہو تو انقضائے مدت پر ختم ہو جاتا

ہے اور حابس کے ورثے کا جزو ہو جاتا ہے۔ ایک جس بلا واسطہ متولیان ہو سکتا ہے لیکن دونوں ہی صورتوں میں قانونی واقعات یکساں ہیں۔

ہندو۔ بانو بیگم بنام میر عابد علی عدالت عالیہ بمبئی نے شیعہ قانون کے تحت محدود حقیقت کو پوری طرح تسلیم کیا ہے۔

ایک واہب یا حابس محدود حقیقت کا اس طرح مجاز ہے کہ اپنے گذر معاش کے لیے ملتوی شدہ منافع بطور بیع یا ہبہ یا دوسرے طریقے پر بشرطیکہ اس مخصوص حقیقت میں کوئی خلل واقع نہ ہو کام میں لائے۔

اوپر بتایا گیا ہے کہ ایک بائع یا موہوب الیہ کا سابقہ حق حاصل شدہ حقیقت کے تابع حقیقت ہے۔

بچوں کے حق میں ہبہ

جب کسی بچے کے حق میں ہبہ کیا جائے تو حنفی قانون کے مطابق ایسے کسی بھی شخص کا قبضہ جس کی نگرانی میں بچہ رہتا ہو کافی ہے۔
شیعوں میں اس بارہ میں دو مختلف آراء ہیں۔

شرائع کے مطابق نابالغ کی جانب سے کسی ایسے شخص کو جو قانوناً مجاز ہو یا حج کو قبضہ لینا چاہئے۔ اور شیخ (مصنف مبسوط) اور دوسرے اصولی فقہاء کے مطابق ایسے شخص کا جو واقعتاً سر پرست ہو قبضہ کافی ہے۔ لیکن شرائع کے مطابق بھی جب کہ قبضہ حاصل کر لیا ہو اور نابالغ کی جانب سے کسی شخص نے بھی علاوہ باپ یا ان کے والد یا دادا یا موصی (کہ جو قانوناً سر پرست ہیں) کا قبضہ ہو تو ایسی صورت میں عدالت ہبہ کو ناجائز قرار نہیں دے گی۔ فریقین کی باہمی رضامندی اور شے موہوبہ کا موہوب الیہ کو سپردگی جواز ہبہ کے لیے کافی ہے۔

تشکیل ہبہ کے لیے کوئی مخصوص نظریہ نہیں ہے۔ اگر واہب کے کسی فعل یا اعلان سے اس کی نیت بلا شک و شبہ واضح ہے تو یہ کافی ہے۔ پس یہ الفاظ ”میں نے دے دیا ہے“، ”میں نے یہ شے دی ہے“، ”میں نے فلاں شے کی ملکیت فلاں کو تفویض کر دی“، ہبہ کی تشکیل کے لیے کافی ہیں۔

مگر واجب یہ اقرار کرے کہ اس نے بیہ کیا ہے اور موہوب الیہ کو وہ شے دیدی ہے تو بیہ ثابت ہے خواہ شے موہوبہ واجب کے قبضے میں ہو یا نہیں۔

جب کہ قبضہ دہانی ضروری نہیں ہے

اگر بوقت بیہ شے موہوبہ موہوب الیہ کے قبضے میں ہے تو مزید قبضے کی ضرورت نہیں ہے اور نہ ایسے بیہ کی صورت میں قبضہ دہانی ضروری ہے جو باپ یا دادا نے خوردہ مال بچہ کے حق میں کیا ہو۔ اس لئے کہ ان کا قبضہ نابالغ کے قبضے کے ہی مساوی ہے اور مندرجہ بالا اشخاص بیہ کرنے اور خوردہ مال بچہ کی طرف سے وصول پانے کے مستحق ہیں۔ جب موہوب الیہ نابالغ ہو اور شے موہوبہ پر قبضہ نہیں لے سکتا تو واجب اس کے لئے امین نامزد کر سکتا ہے جسے نابالغ کی جانب سے جائیداد پر بطور امانت قبضہ دیدیا جائے۔

اہل سنت و الجماعت کے قانون کے مطابق قبضہ دہانی پر غور کے وقت فریقین کے تعلق کو بھی پیش نظر رکھنا چاہئے۔ مثلاً اگر کوئی خاوند اپنا مکان یا جائیداد آراضی اپنی بیوی کے نام بیہ کرے اور اس میں مسلسل سکونت رکھے یا کرایہ اور منافع وصول کرے تو اس بنا پر بیہ ناجائز نہ ہوگا اس لئے کہ ان افعال کا جواز واجب اور موہوب الیہ کے تعلق سے ظاہر ہے۔ اس طرح اگر ایک باپ اپنے کاروبار کا بیہ نابالغ لڑکے کے نام کرے اور خود اس کی جانب سے دیکھ بھال کرتا رہے۔ یا ایک چچا جائیداد اپنے بھتیجے کو دے اور اس کے پاس (موہوب الیہ) کی دیکھ بھال کرتا رہے تو اس بنا پر بیہ ناجائز نہ ہوگا۔

ایسے ہی سنی قانون قبضہ دہانی شے موہوبہ کی نوعیت پر منحصر ہے۔ مثلاً ایسی اشیا کا بیہ جو بکس میں رکھی ہوں اور اس کی کنجی موہوب الیہ کو دینے سے یا جائیداد غیر مقبوضہ (جو قبضہ کاشت کاران ہوں) خواہ اس کے دستاویزات بابت حقیقت سپرد کرے یا کاشت کاران کو اس امر کا تقاضہ کرے کہ وہ موہوب الیہ کے حق میں حقوق زمینداری کی بابت کلکٹر کے دفتر میں ناموں کا داخل خارج کرائیں، کلکٹری میں کرا دے تو وہ مکمل قبضہ ہوگا۔

بیہ مشع جائز ہے

جیسا کہ بتایا جا چکا ہے کہ شیعہ قانون میں بیہ سے متعلق یہ اعتراض قابل تسلیم نہیں ہے کہ شے موہوبہ ایسی جائیداد کا جزو ہو جو تقسیم ہو سکتی ہو۔ اگر دو موہوب الیہم کو

بیہ کیا جائے اور وہ مشترکاً قابض نہ ہوں تو ان میں سے ہر ایک اس حصے کا مالک ہوگا۔
بشرطیکہ دونوں نے بیہ کا اقرار کیا ہو۔

اقرار پر دو موہوب الیہ میں سے صرف ایک نے اقرار کیا ہو اس کے حق میں جائز ہے لیکن انکار کرنے والے کے حق میں غیر موثر ہے۔ ایک باپ اپنے بچوں میں سے ایک کے حق میں یا دوسروں کو نظر انداز کر کے بیہ کر سکتا ہے مگر ایسا بیہ پسندیدہ نہیں ہے اس سے دور رہنا چاہئے۔

اختیار تنسیخ

ایک بیہ جو بالراست واہب کے (فرسٹ ڈگری) مورث اعلیٰ میں سے کسی کے لیے کیا جائے اور ورثا میں سے کسی ایک کے حق میں ہو اور دونوں ہی اسے قبول کر لیں تو ناقابل تنسیخ ہے۔ قرابت داروں کے علاوہ والدین اور بچوں کے حق میں بھی بیہ کا ناقابل تنسیخ ہونا اسی طرح تسلیم کیا گیا ہے شادی شدہ جوڑے بھی اس زمرہ میں ہیں جیسے کہ قرابت دار بذریعہ رشتہ خون۔ اجنبی کے حق میں بیہ تک وہ اصلی حالت میں ہے قابل تنسیخ ہے۔ شے موہوبہ کے ضائع ہونے کی صورت میں بیہ ناقابل تنسیخ ہے اسی طرح وہ بیہ بھی ناقابل تنسیخ ہے جس کے بدل میں کچھ قبول نہ کیا گیا ہو خواہ شے مبادلہ کتنی ہی کم مالیت کی ہو، ایسا بھی بیہ جس میں شے موہوبہ کسی قیمت پر فروخت کر دی جائے یا موہوب الیہ کو کسی اور صورت میں منتقل کر دی جائے تو قابل تنسیخ ہے۔ واہب کا شے موہوبہ کا بیع جبکہ اس پر صریحاً یا تعبیراً قبضہ لے لیا گیا ہو باطل ہے بشرطیکہ موہوب الیہ سے قرابت خون ہو اسی طرح اگر موہوب الیہ اجنبی ہو یعنی اگر اس سے قرابت خون نہ ہو اور نہ کوئی شے بیہ کے مبادلہ میں دے تو وہ بیہ بھی باطل ہے۔

اسی طرح اگر کوئی بیہ بلا بدل کسی اجنبی کے حق میں کیا جائے اور اس کو قبضہ بھی منتقل کر دیا جائے تو بیع کی وجہ سے منسوخ ہو جاتا ہے۔ مگر بعض فقہاء کے نزدیک جائز ہے کہ وہ اس کو منسوخ کر دے لیکن اول الذکر کی رائے بقول مصنف شرایع زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے۔

ہر دو پہلے بیان کئے گئے اصول اس بیع پر بھی لاگو ہوتے ہیں جو کوئی متوقع

وارث جائیداد اس حالت میں کرے کہ وہ مورث کو زندہ یقین کرتا ہو، اگر یہ معلوم ہو کہ اس وقت مورث واقعی مر چکا تھا۔

بیہ قبضہ یا انتقال کے وقت سے ہی تشکیل پا جاتا ہے نہ کہ تاریخ معاہدہ سے یعنی تمام قانونی مواعقات حقوق ذمہ داریاں جو بیہ سے پیدا ہوتی ہیں اس تاریخ سے وقوع میں آتی ہیں جب سے موہوب الیہ قبضہ پاتا ہے۔

مرات یا معاہدہ اس کے برعکس ہے۔ اس پر موہوب الیہ اجنبی کو اختیار شے کی منتقلی پر یا بدل پر ہو جاتا ہے اگرچہ انتقال بعد میں ہوا ہو۔

واہب اور موہوب کے تنازعہ کی صورت میں جب واہب یہ نذر کرے کہ اس نے بیہ کا اقرار ضرور کیا تھا مگر قبضہ نہیں دیا تھا تو اس کا یہ نذر قبول ہوگا لیکن اگر موہوب الیہ اس امر کا ادعا کرے کہ شے موہوب پر قانوناً قبضہ دے دیا گیا تھا تو واہب کو اپنے قول کو ثابت کرنا ہوگا۔

اسی طرح اگر کوئی شخص کہے کہ میں اس کو دیتا ہوں اور مالک بناتا ہوں اور بعد میں قبضہ دینے سے انکار کر جائے اس لیے کہ ممکن ہے اس نے دوسرا بیان دیا ہو (یعنی اس کو مالک بنا دیا ہو)، پہلے بیان کی طرح اور توثیق مکرر کر دی ہو یعنی میں اسے دیتا ہوں اور اس کا واقعی منشا انتقال سے نہ ہو۔

تفنیخ کی صورت میں موہوب الیہ پر کوئی تاوان عائد نہیں ہوتا اگر شے موہوب میں کوئی نقص واقع ہو گیا ہو، جب واہب ایسے بیہ کو منسوخ کرے جب کہ فی نفسہ شے موہوب کی قیمت میں اضافہ ہو جائے تو وہ اضافہ واہب کو ملتا ہے۔ اگر ایسا اضافہ یا بڑھوتری جو بیہ کے بعد ہوئی ہو اصل شے موہوب سے غلطی کی جاسکتی ہو تو موہوب الیہ اس کا مالک ہوگا۔ لیکن موہوب الیہ کے قبضے سے پہلے زمین بصورت تفنیخ واہب کا حق ہوگا۔ (ایسا بیہ جس میں کہ کوئی استثناء کیا گیا ہو تو اس کے بارہ میں یہی خیال ہوگا کہ وہ بلا بدل تھا) (اگر موہوب الیہ اپنی جانب سے کوئی چیز واہب کو دے تو ایسا بیہ ناقابل تفنیخ ہے۔) (ایک بیہ جو کہ اس شرط پر کیا گیا ہو کہ موہوب الیہ اس کو تحفے کے طور پر دے گا یا واہب کو کوئی انعام یا اس کا معاوضہ دے گا وہ جائز ہے۔ اور بیہ محض اس صورت میں قابل تفنیخ ہوگا کہ موہوب الیہ عائد کردہ شرائط کی تکمیل نہ کرے)۔

جب کہ تحفہ یا انعام جو کہ موہوب الیہ کو دینا ہے یا وہ منفعت جو اس کو پہنچانا چاہئے اگر معین نہیں ہے تو اس میں وہ آزاد ہے کہ اپنی خواہش کے مطابق اس کا تعین کرے اور واہب کے تحفہ یا انعام کا موہوب الیہ کی جانب سے قبول کر لینا بہہ کو ناقابل تہنیخ دیتا ہے۔

موہوب الیہ کو ان صورتوں میں جو گزشتہ عبارت میں بتائی گئی ہے تحفہ دینے کے لیے، جو کہ مقرر کر دیا ہو، مجبور نہیں کیا جاسکتا ہے۔ اسے حق ہے کہ وہ اس سے انکار کر دے مگر اس صورت میں واہب کا بہہ کو منسوخ کرنے کا حق محفوظ رہتا ہے۔ پچھلی متذکرہ صورت میں موہوب الیہ کے انکار سے بہہ منسوخ ہو جاتا ہے تو شے موہوبہ کے ضائع ہونے یا اس کی مالیت میں کمی کا وہ ذمہ دار نہیں ہے اس لیے کہ جب اس نے اس شے کو تصرف میں لیا ہے اس کا قانونی حق ملکیت اسکو منتقل ہو چکا تھا۔ ایسے کپڑے کے بہہ کے بارہ میں جو موہوب الیہ نے رنگ لیا ہو، واہب کے اختیار تہنیخ کے بارہ میں کچھ اختلاف رائے ہے۔

وہ فقہا جو اس امر پر متفق ہیں کہ شے موہوبہ کے استعمال سے حق تہنیخ ختم ہو جاتا ہے ان کی رائے میں کپڑے کے رنگنے سے وہ حق ختم ہو جاتا ہے اس کے برعکس دوسروں کے خیال میں محض رنگنا حق تہنیخ کے لیے مانع نہیں ہے البتہ موہوب الیہ افزونی مالیت بوجہ رنگائی پانے کا مستحق ہے اور اس اضافہ قیمت کی وجہ سے کپڑے پر وہ اپنا حق رکھتا ہے۔

بہہ بمرض الموت

ایسا بہہ جو شدید حالت مرض میں کیا گیا ہو جائز ہے۔ اگر وہ مر جاتا ہے تو ورثالی رضامندی سے ہی جائز ہوگا۔ اگر وہ رضامند نہ ہوں تو اس کے حق ملکیت کے بقدر ایک ثلث بہہ جائز ہوگا۔

فصل سوم: قرضہ کا بہہ شیعہ قانون کے مطابق

میں مقروض کے اضالفا قرضہ کے بہہ کے سلسلے میں پہلے ہی مبسوط کے مصنف (جو بلاشبہ سب سے بڑے شیعہ فقیہ ہیں) اور شراعیع کے مصنف کے درمیان

اختلاف آرا کو بتا چکا ہوں۔ یہ اختلاف شخص مستفیات سے دلچسپی کا موضوع نہیں ہے اس لئے کہ تم از کم ایک موقع پر اس سے بہت سے عملی نتائج برآمد ہوئے ہیں۔ مصنف مبسوط رقم طراز ہیں کہ جب کسی شخص کے پاس دوسرے کا مال ہو اور وہ اس کا دوسرے کو بھرا کر دے تو یہ "ابرا" ہے اور لفظ بھرا سے مستنبط ہے اور اس کی بے باقی کے جواز کے لیے بیباق شدہ شخص کا اقرار ضروری ہے یا نہیں اس بارہ میں اختلاف رائے ہے۔ امر کے ایک گروہ کی رائے ہے کہ "ابرا" کے جواز کے لیے ایسا اقرار ضروری ہے اور تا وقتیکہ بیباق شدہ شخص اس بیباقی کا اقرار نہ کرے یہ بیباقی جائز نہیں ہے اور جب یہ اقرار نہ کیا گیا ہو تو یہ حق اسی طرح قائم رہتا ہے۔ میری رائے میں موخر الذکر رائے صحیح ہے۔

جب تک کسی شخص پر دوسرے کو بیباق کرنے کا حق ہے تو اس پر یہ ایک قسم کی ذمہ داری عائد کرتا ہے مگر کسی شخص کو بھی ذمہ داری قبول کرنے کے لیے مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ اس سبب سے بھی بصورت بھرا (جانیداد مختص) کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ قبول کیا جائے اور بلا قبول بھرا جائز نہیں ہے۔

دوسرے گروہ کی رائے میں "ابرا" جائز ہے خواہ شخص مستوجب اسے قبول کرے یا نہ کرے۔

غلی بن القیاس ابو زہرہ فقیہ عقیہ میں لکھتے ہیں اگر کوئی شخص دوسرے شخص کو اس کی ذمگی شے کا بھرا کرے تو یہ بیباقی ہے کہ تعریف میں آتی ہے اور یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ جس شخص کے ذمہ روپیہ ہو بیباقی کا اقرار کرے اس لئے کہ ایسے اقرار سے مقروض پر ایک ذمہ داری عائد ہوتی ہے اور شخص ذمہ داری کے اقرار سے کوئی پابندی بجز ادائیگی عائد نہیں ہوتی۔

مصنف شرائع نے اس کے برعکس مختلف رائے کا اظہار کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ خود مقروض کو اس کے قرضہ کا بھرا جائز ہے اور بطور بیباقی کے موثر ہے اور "ابرا" کی صورت میں موہوب الیہ کا اقرار صحیح رائے کے مطابق کوئی شرط نہیں ہے وہ صحیح رائے دراصل انہی کی رائے ہے۔

مصنف جواہرہ نے مبسوط، عقیہ، سر اردانصار کے اقتباسات کا حوالہ دیتے ہوئے بالفاظ دیگر اصولی اور اخباریوں کی بلند پایہ تصانیف کے حوالے سے لکھا ہے کہ محقق

کی رائے صرف ان صورتوں سے متعلق ہے جب کہ ذمہ داری یک طرفہ ہو۔
 مثال کے طور پر جب کسی شخص پر دوسرے کا روپیہ واجب ہو اور قرض خواہ
 مقروض کی رقم قرضہ چھوڑ سکتا ہے یا بیباق کر سکتا ہے تو ایسی بیباقی کو موثر کرنے کے
 لیے موہوب الیہ (مقروض) کا اقرار شرط مقدم نہیں ہے مگر جب کہ قرض خواہ کو بھی
 چند ذمہ داریاں انجام دینا ہوں تو مقروض کی بیباقی بلا رضامندی مقروض اس ذمہ داری
 سے جو اس پر عائد ہو چکی ہے اس کو بری الذمہ نہ کرے گی لیکن اگر B کو پانچ سو درہم اس
 شرط پر دینے کا اقرار کرے کہ B پانچ سال تک اس کو باغ کے پھل مہیا کرتا رہے گا
 (تا وقتیکہ باہمی رضامندی سے معاہدہ ختم نہ ہو) ان پانچ سو درہم کے بارہ میں B کی A کو
 بیباقی B کو مدت موعودہ کے لیے پھل مہیا کرنے سے بری الذمہ نہ کرے گی۔

غور مکرر کے طور پر یہ قیاس کرتے ہوئے کہ A پانچ سال تک B سے اس شرط
 کا اقرار کرتا ہے کہ ہر ماہ پانچ سو درہم بطور وظیفہ کے ادا کرے گا اور B بلا A کی رضامندی
 اور قبل لذات قبضائے مدت واضح کر دے کہ اس کو A کی خدمات کی ضرورت نہیں ہے۔
 ایسی صورت میں اس کو پوری مدت کے لیے ادائیگی وظیفے کی ذمہ داری سے بری نہیں کیا
 جاسکتا۔ اس امر کے پیش نظر جیسا کہ مصنف جوہر نے بتایا ہے، سراہیہ کے مصنف کی
 رائے ان کی عظیم پیش رو کی رائے سے قدرے مختلف معلوم ہوتی ہے اس لئے کہ شیخ اور
 ان کے شاگردوں کا صرف یہ کہنا ہے کہ مقروض کی مرضی کے خلاف بیباقی کو موثر نہیں
 کیا جاسکتا خواہ وہ اس کو منظور کرے یا نہ کرے اس کی رضامندی بمنزلہ منظوری کے ہے۔

باب ۶۔ شافعی قانون ہبہ

شافعی اصول

کسی جائیداد کا انتقال بذریعہ ہبہ بے بدل ہبہ کہلاتا ہے اگر یہ انتقال آخرت میں بنا کر معمول ثواب ہو تو یہ صدق ہوتا ہے اور جب اس کا مقصد موہوب الیہ کی شخصیت کا انتقال ہو تو یہ ہبہ یا تحفہ کہلاتا ہے۔ ہبہ بکے جواز کے لیے لازمی شرط یہ ہے کہ واہب کی طرف سے اعلان ہو اور موہوب الیہ کی طرف سے اقرار ہو حالانکہ ہدیہ کی صورت میں یہ ضروری نہیں کہ اقرار بالسرادت ہو کہ واہب کوئی شے لائے اور موہوب الیہ اس پر قبضہ کرے۔ کوئی ہبہ مندرجہ ذیل جملوں کے استعمال سے منتقل ہوتا ہے۔

”میرے مکان میں رہائش اختیار کرو اور مرنے کے بعد تمہارے ورثا بھی مستفیذ ہوں گے۔“ میں چاہتا ہوں تم اس میں رہو“ شافعی اصول کے مطابق یہ دو سرادور ہو گا یا آخر میں وہ یہ کہے کہ ”تمہاری موت کے بعد مجھکو عود کر آئے گا۔“ جو ہبہ درج ذیل جملوں میں کیا گیا۔ ان کے جواز کے بارہ میں شافعی کی اس سے مختلف رائے ہے جو اس نے پہلے پہلے میں ظاہر کی تھی۔ ”میں اس مکان کا عین زندگی بھر کے لیے دیتا ہوں“ یا ”تمہاری زندگی بھر کے لیے ہبہ کرتا ہوں۔“ بالفاظ دیگر لیکن ”اگر تم مجھ سے قبل مر جاؤ گے تو مجھے عود کر آئے گا۔ اور میرے پہلے مر جانے کی صورت میں یہ غیر تمشیح طور پر تمہارا ہو گا۔“ ان کے باوجود امام شافعی کے ہر دو آرا ہمارے مذہب میں بصورت فتاویٰ نافذ ہیں۔ حالانکہ بعض کی رائے میں ایسے ہبہ جائز ہیں اور بعض کی رائے میں ناجائز۔

شے موہوبہ کیا ہو سکتی ہے

ہر وہ شے جس کا بیع یا کسی دوسری شے سے مبادلہ ہو سکتا ہے وہ شے موہوبہ ہو سکتی ہے لیکن ہر شے جو کہ قابل بیع نہ ہو مثلاً ایک غصب شدہ یا انجانی شے یا ایک جانور جو کہ کہیں سے چھٹ کر آگیا ہو وہ شے موہوبہ ہونے کے قابل نہیں۔ کسی قرضے

کے بہہ سے مراد اس قرضے سے دست برداری ہے اگر یہ مقروض کے حق میں کر دی جائے تو یہ جائز ہے لیکن اگر تیسرے کو کی جائے تو یہ قابل اعتراض ہے۔ بعض کے نزدیک یہ جائز ہے۔

جہاں تک شے موہوبہ کی ملکیت کا تعلق ہے تو اس کا انتقال صرف اس صورت میں موثر ہوتا ہے جب کہ موہوب الیہ وایب کی رضامندی سے قبضہ حاصل کرے۔ اگر فریقین میں سے ایک اعلان بہہ اور قبضہ لینے کے درمیان انتقال کر جائے تو اس کے ورثاتی اس کی جگہ اختیار کرتے ہیں۔

احادیث میں آیا ہے کہ والدین بشرطیکہ وہ اخلاقی اعتبار سے بدنام نہیں ہیں، اس امر کے مجاز ہیں کہ اپنی جائیداد کو حصہ مساوی اپنے بچوں میں بلا امتیاز صنف تقسیم کر دیں۔ حالانکہ بعض فقہا کی رائے یہ ہے کہ وراثت کے اصولوں کی اہمیت کو کم نہیں کرنا چاہئے۔

تمنیخ

ایک باپ مجاز ہے کہ جو بہہ اس نے بچوں کے حق میں کیا ہے وہ منسوخ کر دے بشرطیکہ موہوب الیہم نے اس شے کو غیر مشتبہ صورت میں منتقل نہ کیا ہو۔ اسی طرح وہ اجداد اس بہہ کو جو انہوں نے اپنے ورثا اور بچے کے بچوں کو کیا تھا منتقل کر سکتے ہیں مگر جب کہ موہوب الیہم جائیداد موہوبہ کو اس طرح منتقل کرتے ہیں جس سے کہ اس کا حق ملکیت مثل رہن بہہ بالشرط (کم از کم اس مدت کے لیے جب تک اس کا قبضہ منتقل نہ ہو) بحسنہ قائم رہتا ہے۔ مشروط حق رائے یا ہمارے اصول کے مطابق بھی بصورت معاہدہ بیٹے سے حق تمنیخ زائل نہیں ہوتا۔ ایسی صورت میں جبکہ موہوب الیہ وقت سے قبل ہی شے موہوبہ کا حق ملکیت ضائع کر دے اور بالآخر واپس حاصل کر لے تو حق تمنیخ کی تجدید نہیں ہوتی اور اگر اس عرصہ میں شے موہوبہ میں اضافہ ہو جائے تو تمنیخ صرف اس صورت میں موثر ہوگی جب کہ وہ اضافہ شے مذکور میں خلط ملط ہو گیا ہو لیکن اس صورت میں جب کہ اضافہ علیحدہ ہو تو تمنیخ موثر نہ ہوگی۔ تمنیخ درج ذیل الفاظ میں کی جاسکتی ہے کہ ”اپنے بہہ کو میں منسوخ کرتا ہوں یا اس کو واپس لیتا ہوں اور یہ چاہتا ہوں وہ مکرر میری ملکیت ہو جائے یا اپنے بہہ کو منسوخ کرنا چاہتا ہوں“ مگر یہ شے

موہوبہ منسوباً ما بعد انتقال جیسے بیع وقف یا دوسرے شخص کے حق میں حق منتقلی سے منسوخ نہیں ہو سکتی۔

اگر کوئی بیہ اس صریح شرط کے ساتھ کیا گیا ہے کہ اس کا کوئی بدل نہ ہو گا اس کی تسخیر کا حق سوائے اجداد کے اور کسی کو تفویض نہ ہو گا جب ایسا بلا شرط بیہ بغیر کسی بدل کے ہو بشرطیکہ موہوب الیہ ساتھی اعتبار سے واہب کے مقابلے میں کمتر یا بڑھ کر حیثیت رکھتا ہو۔ ہمارے اصول میں مزید بتایا گیا ہے اور اس میں بھی اسی اصول کو مانا گیا ہے جبکہ اشخاص مساوی حیثیت کے ہوں۔ اگر کوئی بدل لازمی ہو لیکن بوقت معاہدہ یہ طے نہ ہو تو یہ طے ہو کہ موہوبہ کی برابر کی مالیت میں ہونا چاہئے

اور واہب اس شرط کا مجاز ہے کہ اگر موہوب الیہ بدل کی ادائیگی سے غفلت برتے تو منسوخ کر دے۔

ایسا بیہ جو مقررہ بدل کی شرط پر ہو اس کا نفاذ جائز ہے لیکن وہ مثل بیع ہے۔ مگر ہمارے اصول کے مطابق اگر بیہ بدل کی خاص شرط کے تحت کیا گیا ہو تو وہ باطل اور کالعدم ہے۔

ایسا بیہ جو دوسرے شخص کو دیا گیا ہو وہ بھی اس بیہ کا جزو متصور ہو گا جبکہ عام رواج کے مطابق اس کا لوٹنا ضروری نہ ہو۔ مثلاً ٹوکری جس میں کھجوریں ہوں، واپس نہیں کی جاتی۔ بصورت دیگر وہ بنڈل واہب کے قبضہ میں رہتا ہے اور موہوب الیہ اس کا کوئی دیگر استعمال نہیں کر سکتا اس لیے کہ وہ اس کو شخص مقصد کے لیے استعمال کر سکتا ہے۔

باب ۷۔ حنفی قانون وقف

فصل اول:۔ عام احکام

اصل وقف

قانون وقف مسلم فقہ کا سب سے اہم حصہ ہے اور حسب شرع ابتدائے اسلام سے ہی مسلم اور نافذ ہے۔ بہ اعتبار تاریخ اس کی ابتدا آنحضرت صلعم کے براہ راست احکام سے ہوتی ہے۔ غایت البیان کے مطابق جواز وقف آنحضرت صلعم کے ارشاد پر مبنی ہے جو حالات ذیل میں آپ نے فرمایا اور اس پر بقول جامع ترمذی ابن عوف، نافع اور ابن عمر کے بعد دیگرے عامل رہے۔ نواح خیبر میں حضرت عمر کی ملک میں ایک قطعہ آراضی تھا جس کے لیے آپ آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ اس کے لیے سب سے بہتر امر خیر کی مجھے ہدایت فرمائیں۔ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا ”نفس جائیداد (آراضی) کو محفوظ کر دو۔ کہ نہ تو یہ بیع اور ہبہ کی جائے اور نہ ورثہ میں دی جائے اور اس کی واصلات (آمدنی) بنی نوع انسان کی فلاح پر لگاؤ۔ اور اپنے بچوں۔ اقرباء۔ اور مساکین پر راہ خدا میں صرف کرو۔“ اس ارشاد گرامی کے اتباع میں حضرت عمر نے آراضی متذکرہ کو وقف کر دیا۔ اور یہ وقف کئی صدیوں تک قائم رہا تا آنکہ آراضی بنجر ہو گئی۔ حسب مصنف فتح القدر (جو مستند کتاب فقہ اہل سنت ہے) وقف کی ابتدا آنحضرت صلعم نے بہ نفس نفیس فرمائی۔ حضرت عمر سے متذکرہ ارشاد گرامی کے ماسوا آپ نے فرمایا کہ ”تمام افعال انسانی ایک فرد کی زندگی پر ختم ہو جاتے ہیں۔ بجز ان کارہائے خیر کے جو کہ دوائی نوعیت کے حامل ہوں“ پس انہی مسلمات کے اتباع میں آنحضرت صلعم کی حیات مبارکہ اور آغاز اسلام کی ابتدائی صدیوں میں بکثرت وقف ہوئے۔ مصنف مذکور نے ایسے ہی چند اوقاف کی نشان دہی کی ہے۔ ان میں سے کچھ تادم تصنیف قائم تھے۔ مثلاً نواح خیبر میں آنحضرت صلعم کا مملوکہ قطعہ راضی جو آپ نے مسافروں کی

آرامش کے لیے وقف فرمایا تھا۔ اور انہی میں اوقاف پر مشتمل آرائسی الموسوم سماج ہے جو حضرت عمر نے اپنے بچوں اقربا اور غرباء کے آرام کے لیے وقف کی تھی۔ مزید برآں حضرت زبیر ابن عوام کا وقف اپنی لڑکی کے حق میں۔ حضرت ارقم کا اپنے لڑکے کے نام وقف۔ حضرت ابو بکر کا ان کے بچوں کے لیے وقف۔ حضرت ابن ابی وقاص کا ان کے بچوں کی پرورش کے لیے آرائسیات واقع مدینہ و مہاجر کا وقف جو اب تک ہے۔ اور حضرت عثمان کا آرائسیات الموسوم ہر باکہ وقف جو تاحال قائم ہے۔ الحاصل اصول وقف مسلمانوں کی ہمہ جہت مذہبی زندگی اور سماجی حیثیت میں سموئے ہوئے ہیں۔

توقف کی قسمیں

پہ نظر سہولت شریعہ محمدی کے مطابق وقف کی تین قسمیں ہو سکتی ہیں۔ یعنی وقف عام۔ مماثل وقف عام۔ وقف خاص اور غالباً اسی سے فقہائے عرب کی اختیار کردہ ترتیب پر اس کی درستی ہوئی ہے جو اوقاف کو درج ذیل تین زمروں میں تقسیم کرتے ہیں۔

(۱) عوام اوقاف۔ خوش حال اور ناداروں کے لیے

(۲) اوقاف اولاد۔ خوش حال طبقہ کے لیے بعدہ ناداروں کے لیے

(۳) اوقاف بخش۔ ناداروں کے لیے

امور فلاح عامہ سے متعلق اوقاف اگرچہ عوام الناس کے لیے مختص ہیں مگر وہ پہلی شق میں آتے ہیں۔ اور ان کا جداگانہ نام ہے۔ یہ مصالح عامہ کے اوقاف سے موسوم ہیں اور ایک نئے پر دوسرے اوقاف سے مختلف ہیں۔ مثلاً کسی فرد واحد نے ذاتی حیثیت سے پل تعمیر کرانے کے بعد اسے بلا کسی قید بطور شاہراہ عام وقف کر دیا تو یہ براہ راست سلطانی (حکم ال وقت) یا اس کے نمائندہ قاضی کے اختیار و تصرف میں رہے گا درآں حالیکہ دوسرے اوقاف کی صورت میں چند اشخاص مستحق استفادہ کی تحریک پر ہی قاضی مداخلت کر سکتا ہے۔ پس یہی صورت مسجد جامع (مسجد عام) کی ہے۔ خواہ اسے فرماں روائے وقت نے تعمیر کیا ہو یا کسی فرد واحد نے حیثیت ذاتی سے۔ لیکن بطور خاص یہ قاضی کی نگرانی میں رہے گی۔ اوقاف مصالح عامہ کو میں وقف عامہ سے تعبیر کرتا ہوں۔ لیکن ایسے کثیر اوقاف ہیں جن میں اوقاف مصالح عامہ نہ ہونے پر بھی ان کی کچھ صفت ملتی ہے۔ اسی

لیے میں نے یہ مناسب سمجھا کہ ان کو مماثل اوقاف عامہ کے زمرے میں شامل کر دوں۔ پس مماثل اوقاف عامہ سے مراد وہ اوقاف ہیں جن کی مقدم اور اصل غایت خیر و جزوا نام مقاصد خیر کی بہم رسانی اور جزوا ان خاص افراد یا طبقات افراد کی فائدہ رسانی ہے جو واقف کے خاندان سے ہوں۔

اوقاف خاص سے میری مراد وہ اوقاف ہیں جن کی غایت اصلی افراد خاص کے لیے فراہمی آذوقہ ہو اور اس زمرہ میں واقف کے افراد خاندان یا اقربا بھی آتے ہیں۔
تعریف وقف

وقف کے لغوی معنی ہے ”میں نے باندھ دیا“ یا روک دیا۔ اور یہ جانور مثل گھوڑے یا اونٹ کے باندھنے میں مستعمل ہوتا ہے۔ اصطلاحاً یا حسب تحقیق عرب قانون کی زبان میں وقف سے مراد ہے کہ کسی جائیداد کو خیراتی یا مذہبی مقصد کے لیے مختص کر دیا جائے یا اسکی منفعت نوع انسانی کے لیے محفوظ کی جائے۔ مسلم فقہاء کے منفعت سادہ مگر بلیغ اسلوب میں جائیداد کو کسی بھی نیک مقصد کے لیے مخصوص کرنا بقول اہل تشیع واجب اللہ والا حسان اور بقول احناف واجب الخیر والیہ البر وقف ہے۔ پر اواخر کی اصطلاحات میں تمام امور نیک اور مقاصد خیر شامل ہیں۔ فقہائے احناف کے نزدیک اپنے نفس کے لیے بسراوقات کا انصرام بھی امر خیر ہے چنانچہ آنحضرت صلعم نے ایک شخص کے سبیل معاش کے فعل کو امر خیر فرمایا۔ پس کسی بھی شخص کا اپنے خاندان کے استفادہ کے لیے وقف کرنا مستحسن اور تمام فرقوں کے نزدیک قانوناً جائز ہے۔

محمد صادق بنام محمد علی وغیرہ

صدر عدالت کے عاملان قانون نے مقدمہ محمد صادق علی بنام محمد علی وغیرہ کے فیصلہ میں لکھا ہے کہ امام ابو یوسف اور امام محمد کے قول کے مطابق جو اس مسئلہ پر بمنزلہ قانون ہے وقف کا منشا ہے کہ نفس جائیداد مثلاً آراضیات مکانات کے حق ملکیت سے دست بردار ہو کر انہیں مختص کر دیا جائے تاکہ بندگان خدا مستفید ہوں بشرطیکہ شے موقوفہ بہ تصرف واقف ہو۔

امام ابو حنیفہ کے نزدیک وقف کے فقہی معنی ہیں کہ کسی شے مختص کو واقف یا

متصرف تجویز خود میں لے کر اس کا منافع (بطور عاریت یا آسان قرضہ) غریبوں میں
 خیرات یا دوسرے کارہائے خیر میں صرف کرے۔ چونکہ یہ وقف مطلق نہیں ہے اس
 لیے واقف اس کو مٹا کر سکتا ہے اور بہ مرضی خود اسے تصرف میں لانے کے لیے
 آزاد ہے۔ امام ابوحنیفہ کی مزید رائے ہے کہ واقف کا حق ملکیت حج (قاضی) کی صادر
 ہونے کے ذمہ کے بعد ہی زائل ہوتا ہے۔ اور بقول ان کے ذمہ میں بالسرراحت یہ
 ورثہ ہونا چاہئے کہ واقف جائیداد موقوفہ کو متولی یا مگران کے سپرد کر دے۔ اس پر اگر
 واقف غدر آور ہو کہ وہ اس وقف کا پابند نہیں ہے اور جائیداد اسے واپس کر دی جائے
 تب حج لزوم وقف کی ذمہ کی صادر کرے اور اس طرح وقف قطعی ہو جائے گا۔

امام ابوحنیفہ کی رائے

امام ابوحنیفہ کے اس دیرینہ اور ناقابل عمل نظریہ کو ان کے متبعین نے بمنزل
 قانون تسلیم نہیں کیا بلکہ فتح القدیر میں اس نظریہ سے اختلاف کیا گیا ہے اور آنحضرت
 مسلم کی احادیث سے بھی تردید ہوتی ہے۔

کلیہ ابو یوسف مسلمہ بمنزل قانون

امام ابو یوسف کے نزدیک وقف سے مراد کسی شے کو خدادند کی ملکیت میں ضمنا اس طرح
 محفوظ کرنا ہے کہ اس کے منافع سے نوع انسان مستفید ہو سکے اور یہ وقف مطلق ہو تاکہ
 شے موقوفہ نہ کسی کو بیع اور بیہ ہو سکے اور نہ ورثہ میں مل سکے۔ امام ابو محمد جو امام ابو یوسف
 کے خواجہ تاش ہیں گو اس مسئلہ پر ان سے متفق ہیں مگر ان کے خیال میں جائیداد موقوفہ
 میں حق وارث اس وقت تک زائل نہیں ہوتا جب تک کے وہ کسی کو متولی یا مگران مامور کر
 کے شے موقوفہ اس کے سپرد نہ کرے۔ امام ابو یوسف کے نزدیک واقف کے محض اس
 اعلان سے کہ وہ جائیداد کو وقف کرتا ہے یا اس نے وقف کر دیا ہے وقف قطعی ہو جاتا ہے
 اور اس کی ملکیت زائل ہو جاتی ہے۔ اور تک زب کے حکم سے جو مستند مجموعہ فتاویٰ (فتاویٰ
 عالمگیری) مدون ہو اس سے ظاہر ہے کہ ابو یوسف کے اس اصول کی بنا پر یہاں وقف
 قطعی کی ذمہ کی صادر ہوتی ہیں۔ اس کے برعکس امام محمد کے اصول کو محض علمائے بلخ نے
 اختیار کیا ورنہ سنی دنیا کے کسی حصہ میں بھی یہ رائج نہیں ہے۔

فصل دوم:- شرائط متعلق وقف

شرائط ضروری بابت وقف جائز

فتح القدیر کے مطابق تمام وہ شرائط جو جواز بہہ کے لیے لازمی ہیں وہی جواز وقف کے لیے ضروری ہیں۔ یعنی واقف آزاد ہو، بالغ اور صحیح العقل ہو۔ مزید برآں بقول مصنف یہ بھی لازمی ہے کہ نفاذ وقف کسی واقعہ کے وقوع یا عدم وقوع پر منحصر نہ ہو۔ مثلاً کوئی شخص یہ کہے کہ اگر فلاں روز میرا لڑکا گھر آجائے گا تو آراضی وقف متصور ہوگی تو اس شرط کی وجہ سے چاہے لڑکا یوم مقررہ پر آئے یا نہ آئے آراضی وقف متصور نہ ہوگی۔

عام قاعدہ کے مطابق وہ تمام اشخاص جو بہہ جائز کے مجاز ہیں وہی جائز وقف کے بھی اہل ہیں۔ واقف (الف) آزاد ہو یعنی غلام نہ ہو (ب) صحیح العقل ہو۔ (ج) بالغ ہو بالفاظ دیگر اس کا سن بلوغ شرعی کو پہنچ گیا ہو جب کہ یہ قیاس ہو سکے کہ اسے قول خود کے ادراک کی کافی عقل یا فہم ہے۔

اہلیت واقف

تمام فرقے واقف کی اہلیت شرعیہ پر متفق ہیں۔ شرائط کے مطابق واقف بالغ اور صحیح العقل ہو اور بلا کسی مزاحمت جائیداد کو استعمال یا تصرف میں لاسکتا ہو۔ علی ہذا القیاس فتاویٰ عالمگیری کے مطابق بھی علاوہ شرائط مصرحہ بالا واقف کا بالغ اور صحیح العقل ہونا ضروری ہے اس لئے کہ ایک نابالغ یا مسلوب الحواس کا کیا ہوا وقف ناجائز ہے۔ ردالمحتار کی رو سے اگر کوئی ضعیف العقل شخص اصلاً اپنے استفادہ اور ماقتی دوسروں کے مفاد کے لیے وقف کرے تب ایسی صورت میں اپنی ذات کے لیے وقف جائز ہے۔ دیگر وقف حج (قاضی) کی منظوری سے جائز ہوگا۔

نواب اصغر علی بنام دلروز بانو بیگم

کوئی بھی صحیح العقل اور بالغ شخص وقف کر سکتا ہے۔ مگر وہی شرائط مثلاً دباؤ ناجائز (اکراہ) فریب یا ضعف عقل جن سے یہ نسخ ہوتا ہے انہی سے وقف بھی منسوخ ہو

کہتا ہے۔ بہ مقدمہ نواب اصغر علی بنام دلروز بیگم اپیلانٹ دلروز بیگم نے ۱۸۰۳ء میں جائیداد خود بذریعہ وقف نامہ چند مقاصد خیر کے لیے وقف کی۔ برآں طرفشانی نے خلاف مدعا سبب پر نیا فعل ناجائز انتظام وقف سے علیحدگی کا دعویٰ دائر کیا۔ چنانچہ مقدمہ مذکورہ میں فیصلہ صادر ہو۔ عدالت نے اسے اسی طرح ہے۔

عدالت ماتحت کی تجویز ہے کہ اب مدعا علیہا خدر آور نہیں ہو سکتی کہ اس نے منشاء منشاء مندرجہ وقف نامہ یا کاروائی سلسلہ تکمیل وقف نامہ کو غلط سمجھا ہے۔ عام حالات میں اگرچہ یہ قیاس بلاشبہ صحیح ہے کہ ہر شخص اپنے بالا راہ فعل کے نتیجے سے واقف ہوتا ہے مگر مقدمہ ہذا میں بات کسی قدر مختلف ہے۔ مدعا علیہا ایک پردہ نشین مسلمان خاتون ہے اور مشکل اپنی صنف کی کثیر التعداد عورتوں کے جاہل ہے۔ شہادت میں مدعا علیہا نے مختلف بیان کیا ہے کہ وہ محررہ دستاویز کے معنی نہیں سمجھی۔ اپنی اس خواہش کو بھی تسلیم کیا ہے کہ وہ والدہ خود کی یادگار قائم رکھنے کی غرض سے جائیداد کو چند مراسم کی دواہی دوائی کے لیے محفوظ کرنا چاہتی تھی۔ پس اپنے ملازم فقیر علی خاں کے اس مشورہ پر کہ وہ خاتون کے ذریعہ متذکرہ خواہش کی تکمیل کر سکے گی اس نے دستاویز پر دستخط ثبت۔ کردہ بیان حلفی میں مزید کہا ہے کہ تولیت نامہ اُسے بزبان فارسی پڑھ کر سنایا گیا تھا۔ جو وہ نہیں جانتی اور نہ اس کا منشاء حقوق ملکیت سے دست بردار ہونے کا تھا۔ تردید میں کوئی شہادت پیش نہیں ہوئی۔ صرف عبدالعزیز گواہ مدعا علیہا کا بیان تولیت نامہ کی بابت ہوا ہے۔ مگر اس نے یہ ثابت نہیں کیا کہ مسماۃ مذکورہ دستاویز ہندستانی زبان میں جو وہ سمجھتی تھی پڑھ کر سنائی گئی یا اس کا مفہوم ہی بتا دیا تھا۔ شروع سے ہی مسماۃ مذکورہ کے افعال سے ظاہر ہے کہ تولیت نامہ کی وجہ سے اس نے خود کو حقوق مالکانہ سے محروم نہیں سمجھا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ بعد تحریر دستاویز وہ جائیداد کو اسی طرح استعمال کرتی رہی گویا اب بھی وہ اسی کی ہے۔ مثلاً خرید و فروخت کرنا قرض لینا آراضی کے حسب ضابطہ پنے جاری کرنا۔ غرض کہ تمام حقوق مالکانہ کا استعمال نیز کاروائی سلسلہ انتقال آراضیات کی تکمیل ان سب کا حتی الامکان علانیہ اظہار وہ بصورت رجسٹری دستاویزات کرتی رہی۔ ظاہر ہے کہ کلکٹر چوہیس پرگنہ نے بعد مدت مدید تحریر تولیت نامہ دلروز بیگم کو ۱۸۷۱ء میں مالک جائیداد قرار دیتے ہوئے پٹے دئے۔ اس سے بھی مزید تائید ہوتی ہے کہ یہ

منشاء ریگولیشن۔ ۱۹۰۱ء یہ جائیداد کبھی وقف عام قرار نہیں دی گئی نیز یہ کسی طرح قرین قیاس نہیں ہے کہ اگر دلروس بیگم وقف جائیداد کے مضمرات سے باخبر ہوتی تو ایک طرف آسامیوں سے وصول شدہ مکان کی رسیدوں پر خود کو متولیہ اور جائیداد کو وقف تحریر کرتی۔ اور بایں ہمہ جائیداد کو اپنے حسب منشاء اس طرح تصرف میں لاتی گویا کبھی اس نے وقف ہی نہیں کیا تھا۔ مجھے از ابتدا تا انتہا اس کے افعال سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ جائیداد کی نسبت ایسے نظام کی فکر میں تھی کہ حقوق ورثا تو زائل ہو جائیں مگر وہ جائیداد کو مقاصد خاص کے لیے محفوظ رکھ سکے در آں حالیکہ کہ ہمیشہ اس نے سمجھا کہ وہ جائیداد کو تاقیامت حسب منشاء خود تصرف میں لاسکتی ہے۔

بالغ و عاقل کا وقف

جب کوئی بالغ و عاقل شخص حسب ضابطہ بذریعہ دستاویز رجسٹری شدہ وقف کرے اور اس قیاس کی کوئی وجہ نہ ہو کہ واقف پر بنا دباؤ ناجائز یا فریب کیا گیا تھا تو یہ منسوخ نہ ہوگا۔ اسی طرح کوئی واقف یہ بھی عذر نہیں کر سکتا کہ وہ لفظ ”وقف“ کے معنی نہیں سمجھایا کہ اس کا منشاء وقف نہیں تھا۔ مقدمہ فاطمہ بی بی بنام ایڈووکیٹ جنرل سے ظاہر ہے کہ مدعیہ ایک مسلمان سنی المشرّب خاتون نے ۱۶ نومبر ۱۸۶۶ء کو بذریعہ دستاویز وقف نامہ حسب مقاصد مصرحہ جائیداد خود کو اولاد نفس خود ثانیاً بچوں اور دیگر اولاد آخر الامر غرباء کے لیے وقف کیا۔ لیکن ۱۸۸۱ء میں جب اس نے وقف مذکورہ کو منسوخ کرنا چاہا تو میں جسٹس ویسٹ (جے) نے بحوالہ دفعہ ۲۰۷ ضابطہ دیوانی لکھا۔

”وقف جائیداد موقوفہ لازم ہے کہ قطعی اور غیر مشروط ہو۔ کسی کی مرضی پر منحصر نہ ہو۔ بلکہ ایک ایسے لازائل اور دوامی مقصد کے لیے ہو جس کی اقوال معتبرہ میں تصریح ہو۔ چونکہ دستاویز متنازعہ (وقف نامہ) میں اس طرح کا کوئی اندراج نہیں ہے اس لئے متنازعہ جائیداد وقف نہیں ہے۔ مگر صورت حال اس وقت برعکس ہوتی جب کہ مدعیہ بروئے وقف نامہ اصل جائیداد کو فروخت کرنے اور منافعہ کو تصرف میں لانے کی مجاز ہوتی۔ یہ مقدمہ دلروس بیگم بنام نواب سید اصغر علی بہ اس وقف باطل قرار دیا گیا کہ واقعہ گو متمول خاندان سے مگر ناخواندہ خاتون تھی اور بوقت وقف امام باڑہ یہ نہیں سمجھتی

تھی کہ وہ کیا کر رہی ہے امام باڑہ اسی کے مکان میں تھا۔ شریک متولی کے انتقال پر اس نے خود کو ہی معاون متولی کر لیا تھا۔ ایسے بھی اس کو حسب منشاء ایکٹ ۴۳، ۱۸۶۳ء نام مقاصد مذہبی کے لیے وقف نہیں سمجھا گیا۔ غرض کہ ہر امر سے اس کی تائید ہوتی ہے کہ جائیداد فی الواقع بھی وقف نہیں ہوئی۔ جج مندر فیصلہ عدالت نے لکھا ہے کہ خاتون مدعا علیہا نے امر واقعتاً اور عمدہ اوقاف نامہ تحریر کیا ہوتا تو دلروس بیگم سے اسکی تائید ہوتی جسے منسوخ نہیں کر سکتی تھی۔ مقدمہ ہذا میں واقفہ جائیداد پر حق ملکیت سے قطعی دست بردار ہو چکی ہے۔ اب کہا گیا ہے کہ مدعیہ کی جانب سے کوٹاہی ہوئی جو ایک طرح ٹھیک بھی ہے۔ اس لئے کہ جو وقف ایک چودہ سال لڑکی نے کیا ہو بلا تحقیقات قائم نہیں رہ سکتا۔ مگر یہاں صورت یہ ہے کہ شوہر مدعیہ نے کبھی اس وقف کے بارہ میں اعتراض نہیں کیا ہے بلکہ اپنے فعل ابتدائی (وقف) کی مدعیہ نے یوں بھی توثیق کر دی ہے کہ وہ مسلسل پندرہ سال سے جائیداد موقوفہ کا منافع متولیوں سے قبول کر رہی ہے۔ پس اب وقف کو باطل قرار دینے کے لیے جائز طور پر وہ یہ عذر نہیں کر سکتی کہ اس (وقف) میں نقص مناسبتاً رہ گیا تھا کہ وقف فی الواقع رضامندی سے نہیں کیا گیا تھا۔

بناءً وقف کے لیے اسلام ضروری نہیں

وقف جائز کے لیے واقف کا مسلمان ہونا لازمی نہیں ہے۔ کوئی بھی شخص خواہ کسی مذہب کا ہو وہ وقف کر سکتا ہے بشرطیکہ غایت وقف حسب مذہب واقف شرعاً جائز ہو۔ چونکہ اساس وقف کا لازمی عنصر خوشنودی الہی ہے اس لئے اگر حسب عقیدہ واقف غایت وقف خلاف شرع یا گناہ ہے تو ایسا وقف باطل ہوگا۔ کوئی بھی مسلمان کسی صورت غیر مسلموں کی عبادت گاہ یا کسی ایسے مقصد کے لیے جو خلاف شرع اور گناہ ہو وقف نہیں کر سکتا۔ نہ کسی غیر مسلم کا مسلم عبادت گاہ کے لیے وقف جائز ہو سکتا ہے۔ لیکن انتقال واقف کے بعد ان میں سے کسی بھی صورت میں برضامندی ورثا وقف نافذ ہو سکتا ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں اس کا یہ کو صاف صاف بتایا گیا ہے۔ اگر کوئی آدمی مکان خود مسجد مسلمانوں کے مروجہ طرز سہمت کے مطابق تعمیر کرائے اور انہیں بعد اجازت سے فوت ہو جائے تو جائیداد مذکور لائق ارث ہوگی۔ اسلوب

عبادت گو مبہم ہے لیکن فتح القدر میں اصول متذکرہ بالتصريح درج ہے۔ کوئی بھی شخص بلا رضامندی و رٹاہ خود جن کا استحصال حقوق ہوتا ہے اپنی جائیداد مورثان کو ان مقاصد کے لیے جو اس کے نزدیک گناہ ہوں مجاز وقف نہیں ہے۔ لیکن اگر کسی غیر مسلم واقف کا مقصد شرعاً جائز ہے اور گناہ نہیں ہے تو حسب اجماع ایسا وقف درست ہوگا۔ مثلاً اگر کوئی عیسائی کسی عمارت کو حسب مذہب اسلام عبادت خداوندی کے لیے جہاں اس کی رہائش میں مزاحمت نہ ہو وقف کرے تو یہ جائز ہے۔ بعینہ کسی مسلمان کا خدائے واحد کی عبادت کے لیے وقف کرنا میرے نزدیک فتح القدر کے مصرحہ اصول کے مطابق ہے۔

بحر الرائق کے مطابق ایک مسلمان کا کسی غریب غیر مسلم اور معذور کیلئے وقف کرنا جائز ہے۔ اسی طرح غیر مسلم بچوں کی تعلیم کے لیے وہ مدرسہ بھی وقف کر سکتا ہے علیٰ ہذا القیاس اس کے برعکس بھی ہو سکتا ہے۔

او قاف جو مرتد اسلام نے کئے ہوں

ایسے وقف کے جواز کی بابت جو کسی مرتد اسلام نے کیا ہو اختلاف رائے ہے فقہ ابن صحنہ کی رائے میں وہ تمام او قاف جو کسی مرتد نے ناداروں یا مقاصد امور خیر کے لیے کئے ہوں قابل نفاذ ہیں۔ لیکن ایسے او قاف جو مفاد و رٹا کے مخالف ہوں باطل ہیں۔ دیگر فقہاء کے نزدیک تمام او قاف بعد از ارتداد ناجائز ہیں۔ بلکہ انتقال واقف پر ایسی جائیداد (او قاف) ورثہ متصور ہوگی جس کے ورثہ مستحق ہوں گے۔

بایں ہمہ اگر واقف انتقال سے قبل مکرر مشرف بہ اسلام ہو جائے تو وقف نافذ ہوگا۔ ایک مرتد کا بعد از ارتداد کیا ہو واقف جائز ہے۔ لیکن اگر کوئی عورت بعد وقف مرتد ہو جائے تو ایسا وقف باطل نہ ہوگا۔

فصل سوم :- شے موقوفہ

شے موقوفہ واقف کی ہونا ضروری ہے

شے موقوفہ بوقت وقف واقف کی جائز جائیداد ہونا چاہئے۔ یعنی بوقت وقف

اس کے اختیار و تصرف میں ہونا لازمی ہے۔ لہذا اگر کوئی شخص کسی ایسی جائیداد کو وقف کرے جو اس نے ناجائز طریقہ سے حاصل کی ہو وہ ناجائز قرار دی جائے گی خواہ وہ بعد میں اس کے واقعی مالک سے خریدے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص کسی دوسرے کی مملوک زمین کو بعض اراضی خیر کے لیے وقف کرے اور بعد ازاں اس کا مالک ہو جائے تو بھی وقف جائز نہیں ہے لیکن اگر اس کا مالک اس وقف کو منظور کرے تو وہ وقف جائز ہوگا۔ اسی طرح جب کوئی شخص کسی ایسی جائیداد کو وقف کرے جو اس کی اپنی مملوک نہ ہو اور اس کے بعد اصل مالک اسکی توثیق کرے تو یہ وقف جائز ہے۔ جب کوئی شخص کسی جائیداد کی دوسرے کے حق میں وصیت کرے اور موسیٰ لا وصیت کی تفویض سے پہلے نیز موسیٰ (وصیت متذکرہ) کے انتقال سے پہلے اس جائیداد کو وقف کرے تو ناجائز ہے۔

ملی ہذا القیاس اگر کوئی شخص کوئی جائیداد خریدے اور بائع کو یہ اختیار ہو کہ وہ بیع کو منسوخ کر دے یا اس کو وقف کر دے۔ اور بائع اس بیع کی تصدیق بھی کر دے۔ تاہم مذکورہ طریقہ کے مطابق یہ وقف جائز نہ ہوگا۔ یا اگر کسی قطعہ آراضی کو موہوب لہ قبضہ پانے سے قبل وقف کر دے اور اس کے بعد قبضہ پائے تو فتح القدر کے مطابق یہ وقف جائز نہ ہوگا۔ بالفاظ دیگر اگر کوئی شخص کسی ایسی جائیداد کا وقف کرے جسے گو کہ ات اپنے تصرف میں لانا ہے مگر فی الوقت اس پر مکمل حقوق مالکانہ حاصل نہیں ہیں تو وقف جائز نہیں ہے۔ تاہم اس کلیہ کے بعض مستثیات ہیں۔

ایسی جائیداد کا وقف جس میں واقف کو مکمل حق مالکانہ نہیں

اگر کوئی زمین ہبہ کے طور قبضہ میں آئے اور واہب نے ناجائز طور پر اسے ہبہ کیا ہو پھر زمین وقف کر دی جائے تو بحر الرائق کے مطابق یہ وقف جائز ہوگا اور موہوب لہ اس کی قیمت کا ذمہ دار ہوگا۔ اگر کوئی مکان جو ناجائز طور پر بیع کیا گیا ہو اور قبضہ حاصل کرنے کے بعد مساکین کے لیے وقف کر دیا جائے تو فتاویٰ قاضی خان کے مطابق یہ وقف جائز اور موثر ہوگا اور اس کی قیمت کی ذمہ داری بائع پر ہوگی۔ لیکن اگر قبضہ سے پہلے وقف کیا گیا ہو تو محیط کے مطابق یہ وقف ناجائز ہوگا۔ جب کوئی شخص بیع جائز سے کوئی زمین خریدے اور قبل قبضہ وادائیگی قیمت اسے وقف کر دے تو وقف اس وقت تک معطل رہے گا جب تک کہ اس کی قیمت ادا کر کے قبضہ حاصل نہ کر لیا جائے تب ہی یہ

وقف جائز ہوگا۔ لیکن اگر وہ شخص کوئی بھی جائیداد چھوڑے بغیر مر گیا تو فقہ ابواللیث کے مطابق وہ آراضی فروخت کر دی جائے گی اور وقف منسوخ ہو جائے گا۔ اگر وقف کرنے کے بعد حق شفیع کا دعویٰ کیا گیا یا اپنا استحقاق قائم کیا گیا۔ اگرچیکہ مشتری نے وقف کی تکمیل بھی کر دی تو نہر الفائق کے مطابق وقف منسوخ ہوگا۔

ایسی آراضی کا وقف جو تابع اجارہ یار ہن ہو جائز ہے

یہ ضروری نہیں کہ جائیداد موقوفہ وقف کرنے کے وقت مکمل طور پر واقف کے قبضہ میں ہو اس لئے کہ دیگر جائیداد بھی جو واقف بعد میں حاصل کرے اسی وقف میں شامل کر سکتا ہے اور نہ یہ ضروری ہے کہ جائیداد موقوفہ دیگر فریقوں کے حقوق و مطالبات سے کلیتاً بری ہو۔ کیونکہ وہ جائیداد جو اجارہ پردی گئی ہو یار ہن یا مکفول ہو جائز طور پر وقف کی جاسکتی ہے۔

دوسروں کے مطالبات سے بریت شرط نہیں

بقول فتاویٰ عالمگیری یہ کوئی لازمی شرط نہیں ہے کہ شے موقوفہ دوسروں کے مطالبات (حقوق الغیر) سے بری ہو جیسا کہ کفالت یا ضمانت میں ہوتا ہے لہذا اگر کوئی شخص اپنی زمین اجارہ پردے اور قبل از انقضائے مدت مقررہ اس کو وقف کر دے تو اس کی شرائط کے مطابق وقف قابل پابندی ہوگا اور معاہدہ اجارہ باطل نہ ہوگا۔ لیکن انقضائے مدت کے بعد آراضی ان ہی اغراض کی جانب عود کر آئے گی جن کے لیے کہ وقف کی گئی تھی۔ اسی طرح اگر کوئی شخص اپنی آراضی کو رہن کرے اور قبل از انفکاک وقف کر دے تو یہ وقف جائز ہوگا مگر آراضی رہن سے واگزاہت متصور نہیں ہوگی۔ خواہ مرتہن کے قبضہ میں کتنے ہی سال رہے اور جب بھی چھڑائی جائے گی انہی اغراض کی طرف عود کر آئے گی جن کے لیے وقف کی گئی تھی۔ راہن کے قبل از انفکاک انتقال ہو جانے کی صورت میں بشرطیکہ وہ آراضی کی واگزاہت کے لیے کافی جائیداد چھوڑ جائے اس کے واگزاہت کرتے ہی وقف نافذ ہو جائے گا۔ لیکن اگر وہ اس غرض سے کافی جائیداد نہ چھوڑے تو وہی آراضی فروخت کی جائے گی اور وقف منسوخ ہوگا۔ البتہ اجارہ کی صورت میں چونکہ اجارہ دار یا اجیر (پتہ دہندہ پتہ وار) دونوں میں سے کسی ایک کے فوت ہونے سے

اجارہ باطل ہو جاتا ہے اس لئے وقف فوراً نافذ ہوگا۔ فتح القدر میں یہی درج ہے۔
 ذنب قرضہ رہن کی ادائیگی کی غرض سے کوئی آراضی فروخت کی جائے تو
 وقف کیسے منسوخ نہیں ہوتا بلکہ قیمت بیع میں سے بعد ادائیگی رقم قرضہ چکی ہوئی رقم پر
 وقف برقرار رہتا ہے۔

اس سلسلہ میں درالمختار کی عبارت اس طرح ہے۔ ایک دیوالیہ راہن کا کیا
 ہو وقف باطل ہے اور ایسے شخص کا بھی جس کے ذمہ قرضہ اس کے اثاثہ کی مالیت سے
 زیادہ ہو۔ اس زمانہ میں وہ مرض الموت میں مبتلا ہو صورت حال اس کے برعکس ہے۔
 جب کوئی شخص (مقروض) بحالت صحت عدالت کے حکم امتناعی کے نفاذ سے قبل وقف
 کرتے اور اگر وہ یہ شرط رکھے کہ اسکی ذمگی رقومات قرضہ آمدنی وقف سے بے باقی کی
 جائیں گی تو یہ وقف جائز ہوگا۔ لیکن اگر اس نے ایسی کوئی شرط نہیں لگائی ہے تب بھی
 اس کے قرضے وقف کی باقی ماندہ آمدنی میں سے جو کہ جائز مصارف کی ادائیگی کے بعد
 بچے ادا کئے جائیں گے۔ اگر واقف نے اپنے سوا کسی دوسرے کے حق میں وقف کیا تو وہ
 آمدنی خاص طور پر اس شخص کی رہے گی۔ فتاویٰ ابن کجیم میں ایسا ہی آیا ہے۔ مگر
 معروضات (فتاویٰ مفتی ابو سعود) میں ہے کہ ان سے ایک مسئلہ ایسے وقف کے جواز کے
 بارہ میں دریافت کیا گیا جو کسی شخص نے اپنے ذمگی قرض سے بچنے کے لیے کر دیا تھا۔
 انہوں نے کہا کہ ایسا وقف ناجائز ہے اور غیر موثر ہے۔ نیز قاضیوں کو ایسے وقف تسلیم
 کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

یہی اصول قریب قریب یکساں شرائط کے ساتھ بحر الرائق میں بتایا گیا ہے۔
 اور لمطاولی کے مطابق اس موضوع پر مکمل اتفاق رائے ہے۔ اور یہی توضیح شدہ اصول بہ
 مقدمہ شہزادی حضورا (ہاجرہ) بیگم بنام خواجہ حسین علی خان نافذ کیا گیا تھا کہ بوقت وقف
 کسی شے کے رہن ہونے سے وقف شرعاً ناجائز نہیں ہوتا۔ اجارہ دار یا اجیر (پتہ دہندہ یا
 پتہ دار) کی موت پر فقہ حنفی کے مطابق انقطاع اجارہ (پتہ) ایک قدرتی امر اور طے شدہ
 اصول ہے۔ کوئی بھی اجارہ پتہ دہندہ یا پتہ دار کے عرصہ حیات کے بعد قائم نہیں رہتا۔
 ہندوستان میں چونکہ پتہ کی نوعیت دوائی ہوتی ہے اس لیے فقہ حنفی کا یہ اصول یہاں
 منطبق نہیں ہوتا لہذا جب کوئی قطعہ آراضی جو پہلے سے دوائی پتہ پر ہو وقف کیا جائے تو

وقف فوراً نافذ ہو گا اور رقم اجارہ اغراض وقف کے لیے پتہ دار کے حقوق موروثی میں دست اندازی لیے بغیر محفوظ رہے گی۔

ایسی جائیداد کا وقف جو اجارہ پر ہے

ایسی آراضیات جو کسی وقت مقررہ کے لیے اجارہ پر ہوں ان کی نوعیت بالکل مختلف ہے۔ مندرجہ ذیل صورتوں میں دوران مدت اجارہ پتہ دار کے حقوق قبضہ میں مداخلت کئے بغیر وقف التوا میں رہے گا۔ مثلاً اگر کوئی شخص ایسا قطعہ آراضی وقف کرے جو اس نے پہلے سے ہی تعمیر مسجد کی غرض سے دوسرے شخص کو اجارہ پر دے رکھا ہو۔ یا کسی دوسرے مقصد کے لیے دیا ہو جس سے کرایہ دار یا پتہ دار کے قبضہ میں مداخلت ہوتی ہو تو اس مقصد کی تکمیل اس وقت تک ملتوی رہے گی جب تک کہ پتہ دار قبضہ نہ دیدے۔ مگر جب اس مقصد کا منشا یہ نہ ہو بالفاظ دیگر جب کہ جائیداد وقف کر دی گئی ہو مگر اس سے حاصل ہونے والے صرف منافع اور کرائے اغراض وقف کے لیے ہوں تو ایسی صورت میں کوئی التوا نہیں ہو گا اور وقف فوراً نافذ ہو گا۔

ایسے شخص کا وقف جس کے خلاف حکم امتناعی جاری ہو چکا ہو

ایسے شخص کی جانب سے جس کے خلاف حج نے حکم امتناعی جاری کر دیا ہو وقف جائز نہیں ہے۔ امتناع کی کاروائی دیوالیہ کی کاروائی کی طرح ہے۔ قاضی اس امر کا مجاز ہے کہ کسی شخص کے قرض خواہاں یا رشتہ داروں کی تحریک پر اصراف بیجا، سفاہت یا قرض سے لاپرواہی اور اندھا دھند قرضہ کی صورت میں اس کے خلاف حکم امتناعی جاری کر دے اور اس کو مزید قرضوں کے معاہدہ کرنے یا ایسا ہی کوئی معاملہ کرنے کے نااہل قرار دیدے یا اس کی جائیداد کاروبار یا تجارت کے لیے کوئی نگران مقرر کر دے۔ جب کسی شخص کے خلاف ایسا حکم امتناعی جاری کر دیا جائے تو وہ مہجور کہلاتا ہے اور کسی مہجور کا کیا ہوا وقف ناجائز ہے۔ جب تک کسی شخص کو قاضی مہجور قرار نہ دے وہ شخص تب تک اپنی جائیداد کے متعلق ہر قسم کا معاملہ کرنے کا اختیار رکھتا ہے۔

کسی جائیداد کو اس کے مالک کے وقف کرنے کے کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ اس کے تمام حقوق اس جائیداد سے قطعاً ساقط ہو جاتے ہیں۔ فعل وقف جو اپنی نوعیت کے اعتبار سے

نا قابل تشخیص ہے اس سے جائیداد مخلوق خدا کی فلاح و بہبود کے لیے ملکیت خداوندی میں منتقل ہو جاتی ہے۔ لہذا تب ہی سے واقف کو اس جائیداد کے بارہ میں اپنی مرضی کے مطابق معاملہ کرنے یا اس پر کوئی بار کفالت قائم کرنے کا اختیار باقی نہیں رہتا۔ المختصر وقف کرنے سے وہ جائیداد اس کی نہیں رہتی کہ وہ اس کے بارہ میں کوئی معاملہ کر سکے۔ اگر واقف خود کو متولی ہی مقرر کرے تو بھی اس کا کوئی معاملہ جو مفادات وقف کے خلاف ہو فعل ناجائز ہے اور اس چیز کا ثبوت ملنے پر قاضی یا جج اس کو بر طرف کرنے کا پابند ہوگا۔ بلکہ وہ توجیح کی اجازت کے بغیر قرضہ بھی نہیں لے سکتا ہے۔ لہذا ایسی ادائیگیاں جو واقف نے وقف کے بعد ہی ہوں وقف پر اثر انداز نہیں ہوں گی۔ اور قرض خواہوں کو کوئی حق نہیں ہوتا کہ وہ جواز وقف پر اعتراض کریں۔ اگرچہ مابعد وقف واقف کے کسی فعل سے جواز وقف کے کسی فعل سے متاثر نہیں ہوتا لیکن اگر وقف کرنے سے پہلے اس جائیداد مذکور سے کوئی حق منسک ہو چکا ہو تو فعل وقف سے وہ حق زائل نہ ہوگا۔ اگر جائیداد پہلے سے ہی رہن ہو چکی ہے اور رہن کے پاس ایسا کوئی اثاثہ نہ ہو جس سے کہ ادائیگی کر سکے تو وہ جائیداد متنازعہ فیہ بیع کر دی جائے گی اور زر ثمن ادائیگی قرضہ کے لیے استعمال ہوگا۔ ایسی جائیداد کے وقف کے بارہ میں جو بالرہن یا بالکفال ہو اصول پہلے ہی بتایا جا چکا ہے۔ لیکن ایسے قرض خواہاں جن کے قرضوں کی ادائیگی کے لیے جائیداد مکفول یا زیر بار نہ ہو تو ان کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ اس شخص کے وقف جواز کے سلسلہ میں کوئی تنازعہ پیدا کریں اور اس شخص کے لیے جو تندرست ہے اور مالی دشواریوں سے دوچار نہیں ہے فریب کے نتائج پیدا کریں۔

ایسے شخص کا وقف جو انتہائی مقروض ہو کر فوت ہو

اگر کوئی شخص وقت مرگ یا مرض الموت میں مبتلا اپنی جائیداد وقف کرے اور ایسی کوئی جائیداد نہ چھوڑے جس سے کہ اس کا قرض ادا ہو سکے بالفاظ دیگر حالت افلاس میں جس کا انتقال ہو تو قاضی مجاز ہے کہ متولی کے قرضوں کے لیے اس کی جائیداد سے ادائیگی کا حکم صادر کرے۔ ایسے قرض خواہوں کے بارہ میں جن کے قرضوں کی کفالت کے لیے واقف نے بحالت صحت انتہائی مقروض ہونے کی شکل میں بھی جائیداد موقوفہ کا کوئی حصہ رہن نہ کیا ہو، اسناد میں کچھ اختلاف ہے۔ فتاویٰ قاضی خان، فتح القدر، ذخیرہ، انفع الوسائل، سترہ الفتاویٰ اور دیگر اسناد کے مطابق قرض خواہوں کو مقروض کی جائیداد

میں کوئی حق نہیں ہے اور ایسے شخص کو جس کا دوسرے کے خلاف محض زر نقد کا دعویٰ ہو اور پہلے سے اس سلسلہ میں مقروض کی جائیداد کو مکفول کرنے کی کوئی تجویز نہ ہو تو اسے کوئی حق نہیں کہ اس مقروض کے وقف میں کوئی تنازعہ پیدا کرے۔ فتح القدر میں یہی عبارت درج ہے۔

فتاویٰ قاضی خاں میں آیا ہے کہ اگر مرض الموت میں مبتلا کوئی شخص ہو اور اس کے قرضے اس کے اثاثے سے زیادہ ہوں تو وقف منسوخ کر کے جائیداد بیع کر دی جائے گی۔ یہ صورت ایسے وقف سے بالکل مختلف ہے جو کسی شخص نے بہ حالت صحت و تندرستی کیا ہو حالانکہ وہ بھی قرض میں اسی طرح مستغرق ہو تاہم ایسی صورت میں وقف جائز ہے اور اگر قاضی نے اس شخص کو پہلے ہی سے مہجور قرار نہیں دے رکھا ہے تو قرض خواہان اس وقف کے سلسلہ میں تہنیک کا کوئی سوال نہیں اٹھا سکتے۔ ایسا وقف متفق علیہ طور پر جائز ہے۔ اس لئے کہ قرض خواہان اپنے قرض کی بابت مقروض کی جائیداد کے سلسلہ میں اس کی بحالت صحت کوئی دعویٰ نہیں کر سکتے۔ سترہ الفتاویٰ کی عبارت اسی طرح ہے۔

ایسے شخص کا وقف جو بہت مقروض ہو

دار العزیز کے تیسرے باب میں آیا ہے کہ اگر کوئی مرض الموت میں مبتلا شخص اپنے مکان کو وقف کرے اور یہ معلوم ہو کہ اس کا قرضہ اس کے اثاثہ سے زیادہ ہے تو وہ مکان بیع کر دیا جائے گا اور وقف ختم ہو جائے گا۔ اور یہی خزانہ المفتیین کے باب وقف میں درج ہے۔ ذخیرہ میں یہ طے کیا گیا ہے کہ جب کوئی شخص بہت مقروض ہو اور اس کے پاس ایک لاکھ کی درہم کی مالیت کا قطعہ آراضی ہو جسے وہ اپنے قرض خواہان کو پریشان کرنے کی غرض سے وقف کرے اس کی آمدنی اپنی ذات کے لیے مخصوص کرے اور گواہوں کی شہادت سے یہ بھی ثابت ہو کہ وہ دیوالیہ ہے تو حسب احکام شرع وہ وقف جائز ہوگا۔ جواز وقف محض اس امر پر مبنی ہے کہ واقف کا جائیداد پر اپنا حق ہو بالفاظ دیگر اگر جائیداد مکفول نہ ہو تو قرض خواہوں کو کوئی حق نہیں کہ اس کے بارہ میں کوئی عذر کریں۔ واقف کے گزارہ کے بعد جو آمدنی بیچ جائے اسے قرض خواہان لے سکتے ہیں کیونکہ اب محض آمدنی واقف ہی ان کے مقروض کی ملک ہے۔ انفع الوسائل کے باب

وقف میں اس امر کی تصریح کی گئی ہے کہ اگر مرض الموت میں مبتلا مرینس اتنا مقروض ہو کہ اس کے ذمگی قرضے اسکے اثاثہ سے زیادہ ہوں اور وہ اپنے مکان کو وقف کر دے تو وہ وقف منسوخ ہو کر مکان بیع کر دیا جائے گا۔ لیکن اگر کوئی مقروض بحالت صحت وقف کرے اور اس پر بھی اس کے اثاثہ سے زیادہ قرضہ ہو تو ایسی صورت میں وقف برقرار رہے گا بشرطیکہ قاضی کے حکم امتناعی صادر کرنے سے پہلے اس نے وقف کر دیا ہو۔ اور قرض خواہوں کو متعلق علیہ طور پر اس کے منسوخ کرانے کا کوئی حق نہیں ہے۔ کیونکہ مقروض نے وہ وقف بحالت صحت کیا ہے۔ فتح القدر میں اسکی وضاحت ہے اور کتاب سے بحوالہ ذخیرہ داس کی تائید ہوتی ہے۔ مفتی ابو سعید کی معروضات کے مطابق اگر کوئی شخص قرضہ میں اس حد تک مبتلا ہونے کے باوجود کہ وہ دیوالیہ ہو چکا ہو اور اپنے قرض خواہوں کے محروم کرنے کی غرض سے جائیداد کو وقف کرے تو قاضی ایسے وقف کو تسلیم نہ کرنے کا مجاز ہے۔ بلکہ وہ اس شخص کو جائیداد فروخت کرنے اور اس کی آمدنی سے حتی الامکان قرضے ادا کرنے کے لیے مجبور کر سکتا ہے۔

مقروض کی جانب سے وقف

ردائتہ کے منصف درالختار کے اس قول پر ایک دیوالیہ راہن کا کیا ہوا وقف باطل ہے۔ تنقید کرنے کے بعد رقم طراز ہیں کہ ”یہ غلط ہے“ ایسا وقف باطل نہیں ہوتا۔ کیونکہ احناف اور دیگر تصانیف میں یہ طے کیا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی جائیداد کو رہن کرنے اور مرہن کو تفویض کرنے کے بعد بھی وقف کرے تو وقف جائز ہے اور اگر اس کے پاس دیگر ذرائع آمدنی ہوں تو ان قرضوں سے ادائیگی کے لیے قاضی اسے مجبور کرے گا۔ لیکن اگر دوسرے ذرائع آمدنی نہ ہوں تو قاضی وقف کو منسوخ قرار دے گا اور جائیداد بغرض ادائیگی قرضہ بیع کر دی جائے گی۔ اسی طرح بصورت انتقال اگر راہن نے ادائیگی قرضہ کے لیے دیگر اثاثہ چھوڑا ہے تو وقف قائم رہے گا۔ ورنہ جائیداد موقوفہ بیع کر دی جائے گی اور وقف منسوخ ہوگا۔ فتح القدر میں بھی اس میں یہی تصریح ملتی ہے۔ اگر کوئی مرض الموت میں وقف کرے اور اسی حالت میں مر جائے اور اس کے ذمگی قرض اثاثے سے زیادہ ہوں تو ایسی صورت میں جائیداد بیع کر دی جائے گی اور وقف منسوخ ہوگا۔

یہ صورت اس سے مختلف ہے کہ جب کسی شخص نے بحالت صحت حکم امتناعی کے جاری ہونے سے پہلے وقف کیا ہو ایسے شخص کا وقف جائز ہے خواہ اس نے یہ وقف اپنے قرض خواہوں کی ادائیگی میں تاخیر پیدا کرنے کی غرض سے ہی کیوں نہ کیا ہو کیونکہ اس نے خود اپنی جائیداد کا معاملہ کیا ہے۔ یہی نفع الوسائل میں بحوالہ ذخیرہ تصریح کی گئی ہے۔

فتح القدیر میں درج ہے کہ ایسا وقف جو حکم امتناعی سے پہلے کیا گیا ہو جائز ہے۔ اور بالاتفاق قرض خواہوں کو اس کو منسوخ کرانے کا اپنے مقروض کی زندگی کے دوران کوئی حق نہیں ہے تا وقتیکہ انہیں مکفول نہ کر دی جائے۔

خیر یہ میں اسی بنیاد پر فتوے دیئے گئے ہیں اور ابن النجیم نے انہی کے مطابق احکام صادر کئے ہیں مگر میں معروضات کے حوالہ سے بتاؤں گا کہ اس میں اختلاف ہے۔ اگر واقف نے اپنی ذات پر اس شرط کے ساتھ وقف کیا ہو کہ اس کی آمدنی سے اس کے ذمگی قرضوں کی ادائیگی کی جائے گی تو وقف اس شرط کے ساتھ جائز ہے۔ اس کے مطابق ابن نجیم نے فیصلہ کیا ہے۔ بقول مصنف درالمختار اگر دوسرے شخص کے حق میں بھی اسی طرح کی شرط کے ساتھ ساتھ وقف کیا جائے تو وقف اور شرط دونوں جائز ہیں در آن حالیکہ وقف کی جانب سے ایسی کوئی شرط نہ ہو۔ لیکن اگر وقف اس کے حق میں ہو تو اس کے مصارف ضروریہ کے بعد بچی ہوئی رقم سے اس کے قرضوں کے ادائیگی ہوگی۔ لیکن اگر وقف کسی دوسرے کے حق میں ہو تو کل آمدنی اسے دیدی جائے گی۔ فتاویٰ ابن النجیم میں اس کی صراحت ہے۔ مفتی ابو سعود کی معروضات میں اس طرح آیا ہے کہ جب ان سے دریافت کیا گیا کہ اگر کوئی شخص اپنے قرض خواہوں کی ادائیگی سے بچنے کے لیے اپنی اولاد پر وقف کر دے اور اس کے پاس دیگر جائیداد نہ ہو کہ جس سے قرضوں کی ادائیگی ہو سکے تو کیا وقف جائز ہے تو انہوں نے جواباً کہا کہ نہیں نہ یہ جائز ہے نہ لازمی بلکہ قاضی ایسے شخص کے وقف کو تسلیم نہ کرنے کا مجاز ہے جس کا قرضہ اتنا ہو کہ اس کے اثاثہ پر بھی حاوی ہو۔

دیوالیہ واقف کا بر بنام بدعتی وقف کرنا

ذخیرہ اور فتح القدر کے حوالہ سے جو تشریح آئی ہے وہ اس رائے کے کہ جب تک کہ مقروض کے وقف کو جو اس نے بحالت مرض الموت کیا ہو محدود نہ کر دیا جائے متنازعہ ہے۔ اور فتاویٰ الامعیلیہ میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ قاضی ایسے وقف کو نافذ نہ کرے اور واقف کو جائیداد کی بیع پر مجبور کرنے اور قرضوں کی ادائیگی کو لازم کرنے کا مجاز ہے۔ یہ مولانا ابو سعود کی تشریح کے مطابق ہے جو توفیح مسلمہ ہے۔ ایسے دیوالیہ مقروض پر جس نے فریباً یہ عمل کیا ہو یہ حکم منطبق ہوتا ہے۔

مفتی ابو سعود کی معروضات اور فتاویٰ الامعیلیہ کے اصول موقوفہ میں فتاویٰ قاضی خاں، فتح القدر، ذخیرہ جیسی مسلمہ بلند پایہ اور مستند تصانیف کے منضبط کئے ہوئے اصولوں کی بنیاد پر مطابقت ہو سکتی ہے مزید براں تنویر الابصار کی روشنی میں بھی یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے۔

مقروض شخص کا وقف موثر نہیں ہوتا

ایسے شخص کا وقف جس کے قرضے اس کے اثاثہ پر حاوی ہوں یا تو واقف کو مہلت دے کر تاکہ وہ اپنے قرضوں کی ادائیگی کر دے یا پھر کوئی ناظم مقرر کر کے جو کہ گراہوں اور منافع کی وصولی سے ان قرضوں کی ادائیگی کرے برقرار رکھا جائے گا۔ اگر اس طریقہ سے بھی ادائیگی قرضہ قطعاً ناممکن ہو تو ایسی صورت میں حج جائیداد موقوفہ کی بیع کا حکم صادر کرنے کا مجاز ہے۔ لہذا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مقروض شخص کا کیا وقف لازماً باطل نہیں ہوتا۔ شخص اس صورت میں ہوتا ہے جب وہ اپنے قرض خواہوں کو محروم کرنے کی غرض سے فریباً وقف کرے۔

اس سلسلے میں یہ بتانا ضروری ہے کہ مساکین جو ہر وقف کے مستحق ہیں اساسی اہتمام کنندگان ہیں وہ کسی بھی فریب میں شریک نہیں ہو سکتے۔ اس لئے جہاں تک ممکن ہو ان کے حقوق زائل نہ ہونا چاہئیں۔ وقف قانون کا ہندوستان میں پریسید نئی ماؤنس کی حدود سے باہر اطلاق نہیں ہوتا۔ اور قانون انتقال جائیداد کی دفعہ ۳ سے جو کہ انگلش اسٹیٹیوٹ کی دفعہ ۲ پر مشتمل ہے مسلم لاء کی دفعات متاثر نہیں ہوتیں نتیجتاً اگر کوئی شخص

افلاس کی حالت میں نہ ہو اور اپنی جائیداد کے کسی حصہ کو وقف کرے تو نہ قرض خواہاں ما بعد اور نہ مشتری ما بعد جائیداد متنازعہ کے وقف کو منسوخ کرا سکتے ہیں۔ وہ نہ فروخت ہو سکتی ہے اس لئے کہ جائیداد ایک بار وقف ہو جانے پر نہ تو واقف کی ملکیت میں ہوتی ہے اور نہ وہ اس پر اب کوئی بار ڈال سکتا ہے۔ گویا کہ وہ قطعی بیگانہ ہے۔

وقف انتقال جائیداد ہے

یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ ”وقف“ جائیداد کا بغیر کسی معاوضہ کے انتقال نہیں ہے بلکہ یہ انتقال جائیداد قانوناً ملکیت خداوندی میں ایک مخصوص بدل کی غرض سے ہے۔ اور اس کا بدل یعنی ثواب وقف کرتے ہی حاصل ہو جاتا ہے۔ وقف اسی طرح موثر ہوتا ہے جیسے کہ تحریر غلام (غلام کو آزاد کرنا)۔ جیسا کہ بعد میں بتایا جائے گا واقف نہ تمسیح کا مجاز رہتا ہے اور نہ کسی شرط کا۔ نیز بعد میں نہ واقف نہ اسکے مختار کاروں میں سے کوئی یہ کہ سکتا ہے کہ اس کا ایسا قطعی منسوخ نہ ہونے والے وقف کرنے کا ارادہ نہ تھا۔

مرض الموت میں مبتلا شخص کا وقف

بہر حال وقف کو کلیتاً جائز قرار دینے کے لیے یہ ضروری ہے کہ بوقت وقف واقف مرض الموت میں مبتلا نہ ہو۔ بالفاظ دیگر مرض الموت میں مبتلا شخص کا وقف جس کا اس مرض میں انتقال ہو جائے وہ بطور وصیت اسکی ایک ثلث جائیداد پر نافذ ہوتا ہے مگر ایسے بیمار کا وقف جو انجام کار صحت یاب ہو جائے پوری جائیداد کے لیے موثر اور جائز ہوگا۔

اصول

ردالمحتار کے مطابق مرض الموت میں مبتلا شخص کا وقف اس بہ کے مصداق ہے جو مرض الموت میں کیا گیا ہو۔ یعنی ایک ثلث پر وہ نافذ ہوگا۔ فتح القدر میں بھی یہی ہے کہ مرض الموت میں کیا ہوا وقف وصیت کی طرح موثر ہوتا ہے۔ قاضی خاں نے امام ابو بکر محمد بن الفضل کے قول کو سند قرار دیتے ہوئے وقف کی نوعیت کے اعتبار سے وقف کی تین قسمیں بیان کی ہیں۔

(۱) وہ واقف جو بحالت صحت کئے جائیں (یعنی جن کا نفاذ صحت کے دوران ہو گیا ہو)

(۲) مرض الموت میں کئے جانے والے اوقاف

(۳) وہ اوقاف جو موت کے بعد نفاذ پذیر ہوں

پہلے قسم کے اوقاف میں حق ملکیت کا انتقال ضروری ہے مگر تیسری قسم میں ایسا نہیں ہے کیونکہ ان کی نوعیت وصیت جیسی ہے۔ مگر دوسری قسم کے اوقاف پہلی قسم کی طرح ہیں۔ اگرچہ یہ تیسری قسم کے اوقاف کی صورت حال ملکیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے مرض الموت میں کئے ہوئے بیہ کی طرح نافذ ہوتے ہیں۔

وقف بحالت مرض الموت

اگر مرض الموت میں مبتلا شخص اپنے مکان کو وقف کرے تو یہ جائز ہوگا۔ بشرطیکہ ترکہ کے ایک ثلث سے زائد نہ ہو لیکن اگر ایک ثلث سے زیادہ ہو اور وقف کے ورثہ رضامند ہو جائیں تو وہ وقف اپنی مکمل صورت میں جائز ہوگا۔ اگر ورثہ رضامند نہ ہو تو ثلث مال سے زیادہ کا وقف منسوخ ہوگا۔ اور اگر بعض ورثہ رضامند ہوں اور بعض نہ ہوں تو زائد وقف رضامند کے سہام شرعیہ میں جائز ہوگا۔ اگر نارضامند ورثہ میں سے کوئی اپنی اس جائیداد کے حصہ کو جس کا وقف اسے نامنظور ہو بیع کر دے بعد ازاں یہ پتہ چلے کہ وقف نے اس کے علاوہ دوسری جائیدادیں بھی چھوڑی ہیں تو ایسی صورت میں تمام جائیداد موقوفہ کا وقف کلیتاً جائز ہوگا کیونکہ یہ وقف کے تمام اثاثے کے ایک ثلث سے کم ہے اور وارثین بیع کو منسوخ نہیں کیا جائے گا بلکہ اسے دوسری جائیداد کے خریدنے کے لیے قیمت دینا ہوگی تاکہ اسے وقف میں شامل کر دیا جائے۔

وصیتی وقف منسوخ ہو سکتا ہے

پہلے یہ بتایا جا چکا ہے کہ وقف ناقابل تنسیخ ہوتا ہے۔ اگر ایک بار زبانی یا تحریری وقف کر دیا جائے تو وقف کا حق مالکانہ ہمیشہ کے لیے ساقط ہو جاتا ہے اور وہ آئندہ کسی بھی صورت میں اس کے بارہ میں کوئی معاملہ نہیں کر سکتا۔ مالک جائیداد کا محض یہ اعلان کہ وہ جائیداد کو وقف کرتا ہے یا پہلے ہی سے وقف کر چکا ہے بس یہی اس جائیداد سے مالک کو حقوق مالکانہ سے محروم کرنے کے لیے کافی ہے۔ اور اسی وقف سے وہ جائیداد ناقابل انتقال اور ناقابل ارث ہو جاتی ہے۔ لیکن ایسا وقف جو وقف کی موت کے بعد نافذ

ہو یا وقف بالوصیت ہو واقف کی زندگی میں کبھی بھی منسوخ ہو سکتا ہے۔ حسب فتح القدر ایسا وقف جو کہ واقف کی موت کے بعد نفاذ پذیر ہو اسے وہ دیگر تمام انتقالات وصیتی کی طرح اپنی موت سے قبل کسی وقت بھی منسوخ کر سکتا ہے۔ اور اگر منسوخ نہ ہو تو جب تک ورثہ راضی نہ ہوں اس کے اثاثہ کے ایک ثلث پر ہی نافذ ہوگا۔ رضامندی کی حالت میں تمام پر نافذ ہوگا۔

غایت البیان میں اس اصول کو واضح ترین صورت میں بتایا گیا ہے کہ کوئی بھی وقف بحالت صحت یا بیماری کیا جاسکتا ہے۔ اگر بحالت بیماری کیا جائے اور واقف اسی بیماری میں فوت ہو جائے تو وہ وصیت کی طرح اس کے ایک ثلث مال پر ہی نافذ ہوگا۔

فصل چہارم :- صدقہ اور اس کے معنی

صدقہ، بخشش، امر خیر

لفظ صدقہ مسلم فقہ سے متعلق تصانیف میں کثرت سے آتا ہے۔ آئین وقف میں اس کا اتنا اہم اثر ہے کہ اسلامی شریعت کے مطابق وقف کے قانون کو سمجھنے کے لیے اس کے مفہوم اور معنی کا سمجھنا ضروری ہے۔

رچرڈسن نے اپنی لغت میں اسکا ترجمہ بہہ با مختیرات کیا ہے نیز جائیداد موقوفہ برائے مقاصد خیر بھی۔ ہملٹن (ہدایہ کے فارسی ترجمہ کے انگریزی مترجم) نے اس کے معنی التبرع للمساکین (خیرات برائے غربا) سمجھا اور اسی غلطی نے بعد میں آنے والے تمام تصورات کو متاثر کیا۔

واقعہ یہ ہے کہ شرع اسلامی میں لفظ صدقہ کا مفہوم بہت وسیع ہے صحیح طور پر اس سے مراد کوئی بھی امر خیر ہے۔ اس کے لغوی معنی ہیں سچ بولنا، صالح عمل کرنا۔ پڑوسی کے ساتھ خندہ روئی بھی صدقہ ہے۔ غالباً لفظ خیرات ہی واحد لفظ ہے جس سے کہ اس کے وسیع مفہوم کی وضاحت ہو سکتی ہے۔

صدقہ کے قانونی معنی

بہر حال شریعت اسلامیہ میں اس سے مراد ایسی نذر یا بہہ ہے جو کہ خوشنودی

خداوندی کے حصول یا ثوابِ آخرت کی غرض سے کیا جائے۔ مثلاً کسی دوست کو تحفہ دینا صدقہ نہیں ہے اس لیے کہ اس میں دینی ارادہ نہیں ہے لیکن اگر کسی شخص کی ضروریات کے سلسلہ میں مدد اپنے یا اس شخص کو ناداری سے بچانے کے لیے کچھ عطا کیا گیا ہے تو یہ بھی صدقہ ہے اس لئے کوئی بھی خیرات جو حصولِ اجر اور رضائے خداوندی کے ارادہ سے کی گئی ہو وہ صدقہ ہے۔ اگر غرض بذاتِ خود خیر ہو تو چاہے کوئی خیرات بنیادی طور پر ثواب اور حصولِ خوشنودی خداوندی کے لیے کی گئی ہو یا نہیں وہ صدقہ ہی ہے کیونکہ اس فعل سے برکاتِ خداوندی کا نزول ہوتا ہے۔ خواہ اس کے مرنے والے نے اسے اسی فشاء سے کیا ہو یا نہیں۔ مثلاً مستقبل کے پیش نظر کسی کا اپنے خود کے لیے اپنی اولاد کے لیے گذر اوقات کا سامان فراہم کرنا بھی عملِ خیر ہے۔ اگر کوئی ایسی تیاری بھی کرے تو خداوند تعالیٰ اجر عطا فرمائے گا۔ خواہ اس شخص نے اس فعل کے کرتے وقت اس کا تصور بھی نہ کیا ہو۔ دراصل اسلام میں کوئی بھی وقف یا نذر ذہن میں نیت کے متعین کئے بغیر کہ یہ فعل قربِ خداوندی کی غرض سے کر رہا ہوں ہوتا ہی نہیں درج ذیل مثالوں سے اس کا مفہوم واضح ہوگا۔

سعد ابن ابی وقاص سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کسی کا اپنی بیوی بچوں کو کچھ دینا بھی صدقہ ہے۔ شریعتِ اسلامی میں بعض قانونی نیم قانونی اور اخلاقی صورتوں میں والدین آلِ اولاد اور دیگر رشتہ داروں کی عام طور پر پرورش کرنا فرض ہے۔ یہ بھی ضروری ہے کہ کسی بھی شخص کو اپنے گزارہ کے لیے انتظام کرنا چاہیے تاکہ وہ اپنی ضرورتوں سے مجبور ہو کر معاشرہ یا اعزاء پر بار نہ بن جائے۔ ان تصورات سے پیدا شدہ اصولوں کی نشاندہی جو کہ مغرب کے کسی بھی مروجہ نظام سے نہیں ملتے براہِ راست آنحضرت صلعم کے موضوع تو اہم سے ہوتی ہے۔

صدقہ یعنی عطیہ خیرات

سعد ابن عاقر سے مروی ہے جو روایت کرتے ہیں ابواللیث سے جو بیان کرتے ہیں عبدالرحمان بن خالد بن مسافر سے جنہوں نے روایت کیا شہاب سے جنہوں نے روایت کیا ابن مسیب سے اور انہوں نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا

سب سے بہتر فعلِ ثواب کسی کا اپنے لئے گزر اوقات کا انتظام کرنا ہے تاکہ وہ شخص محتاج نہ ہو جائے۔ اور اولاً صدقہ ان کو دیا جائے جن کی پرورش تم پر لازم ہے۔

صدقہ اپنے افرادِ خاندان کو

رسول خدا صلعم نے ارشاد فرمایا کہ اپنے اہل خاندان کو (ان کی حاجتوں کے پورا کرنے کی غرض سے) صدقہ دینا بھکاریوں کو بھیک دینے کے بہ نسبت زیادہ کارِ ثواب ہے۔ پیغمبر خدا صلعم نے مزید ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی شخص باری تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے اپنے اہل خاندان اور اعزاء کو خیرات دے تو یہ صدقہ ہے۔ اگرچہ اس نے یہ غرباء کو نہ دی۔ بلکہ اپنے گھر والوں اور اولاد کو دی ہے۔ سب سے بہتر صدقہ وہ ہے جو اپنے اہل خاندان کو دیا جائے۔ اجر کے اعتبار سے سب سے بڑا صدقہ وہ ہے جو تم اپنے خاندان والوں کو دیتے ہو۔ کسی غلام کو آزاد کرنے کے لیے روپیہ صرف کرنا، غرباء کو خیرات دینا، اپنے بچوں اور اعزاء کو کچھ دینا یہ سب صدقہ ہیں۔ غرباء کو خیرات دینے سے ایک اجر ملتا ہے مگر اعزاء کو دینے سے دو اجر ملتے ہیں تمام اعمال کا اجر نیت پر ہے یعنی حصولِ خوشنودی خداوندی کا ارادہ۔ وہ شخص جو حصولِ ثواب کی نیت سے اپنے خاندان کے گزارہ کا انتظام کرتا ہے تو وہ خیرات دیتا ہے۔ رسول خدا صلعم نے اسے کارِ خیر فرمایا ہے۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ جو خاندان کی گزر اوقات کا کفیل ہے وہ صدقہ دے رہا ہے۔

رسول اللہ صلعم نے ارشاد فرمایا کہ جو کچھ تم گزر اوقات کے لیے کسی دوسرے کو دو گے اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے گا۔ اور تمہیں اس کا اجر دے گا۔ بیویوں کے گزارہ کا انتظام کرنے سے تمہیں اجر ملے گا۔

خیرات دیتے وقت فوجیت ان کو دو جن کی پرورش تم پر فرض ہے اپنے بچوں اور اہل خاندان کی پرورش سب سے ضروری فریضہ ہے۔

رسول خدا صلعم نے ارشاد فرمایا خیرات دیتے وقت ابتدا ان سے کرو جن کی پرورش تمہارے ذمہ ہے اور جو تمہاری نگرانی میں ہیں۔

ایک دن حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی زوجہ جناب زینبؓ آنحضرت صلعم کی

خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ صدقہ کے بہترین مستحق کون ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تمہارے صدقہ کے تمہارے شوہر اور تمہارے بچے زیادہ مستحق ہیں۔
اس سلسلہ کی صاحبزادی حضرت زینب کہتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اپنے اعزہ کی خبر گیری کرو یہ بھی صدقہ ہے۔ اور اس کا اللہ تعالیٰ اجر عطا فرمائے گا۔

ذیل میں آنے والی صحیح مسلم کی مندرجہ مستند حدیث تمام سنی دنیا میں واجب پابندی ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کوئی بھی شخص جو خرچ کرتا ہے اس میں مقدس ترین خرچ وہ ہے جو وہ اپنے بچوں اور اہل خاندان کی پرورش اور آئندہ کے گزارہ کیلئے خرچ کرے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو کچھ تم اپنے خاندان کی آئندہ بسر اوقات کے لیے خرچ کرتے ہو اس کا ثواب اس سے کہیں زیادہ ہے جو کہ تم دوسروں کے گزارہ کے لیے خرچ کرو۔

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ میں سے ایک صحابی سے ارشاد فرمایا کہ سب سے پہلے اپنی ذات پر پھر اہل خاندان پر بعد ازاں اعزہ پر خیرات کرو۔ اور اگر پھر بھی کچھ بچ جائے تو ان لوگوں پر جو تمہارے قریب رہتے ہیں۔ ابو طلحہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ جو قابل وقف جائیداد میرے پاس ہے اسے کس کے لیے یا کسی مقصد کے لیے وقف کروں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اپنے اعزہ کے لیے وقف کرو۔ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کسی مسلمان کا اپنے خاندان کی بسر اوقات کا انتظام کرنا عمل صالح ہے اور صدقہ ہے۔

ایک مسلمان نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اس کے پاس ایک دینار ہے وہ اس کا کیا کرے آپ نے فرمایا اس سے اپنی ضرورتیں پوری کرو۔ اس نے عرض کیا کہ اس کے پاس ایک دینار اور بھی ہے اس پر آپ نے فرمایا کہ اس سے اپنے خاندان کی حاجتیں پوری کرو۔ اس نے عرض کیا کہ اس کے پاس ایک مزید دینار اور ہے۔ آپ نے فرمایا تو اس کو غریبوں پر خرچ کرو۔

ان اسناد کے مطالعہ سے جو کہ سنی دنیا کے لیے واجب پابندی ہیں کسی شخص کا اپنے خاندان اور آل اولاد کی ضروریات پوری کرنا قطعاً نفل ثواب ہے۔

باب ۸۔ قیام وقف (حنفی قواعد)

فصل اول: عام اصول

وقف کی تشکیل کیسے ہو سکتی ہے

تشکیل وقف کے لیے نہ تو کوئی خاص دستور ہے اور نہ کسی خاص عبارت یا اصطلاح کا استعمال کرنا لازمی ہے۔ جب وقف کی نیت کر لی گئی ہو تو قانون اسے موثر مان لیتا ہے خواہ کیسا ہی طرز بیان یا عبارت استعمال کی جائے اور خواہ کیسی ہی شرائط مرتب کی جائیں۔ اور کوئی بھی وقف زبانی یا تحریری ہو سکتا ہے۔

اصول۔ ثبوت نیت کا اظہار کب ضروری ہے

تشکیل وقف کے لیے جب لفظ وقف یا اس کے لیے مروجہ الفاظ میں سے کوئی لفظ استعمال کر لیا جائے تو دستور اس پر تمام قانونی ملحقات جو دائمی اور جائز وقف کے لیے ضروری ہیں عائد کر دیتا ہے۔ واقف کی نیت معلوم کرنے کی صرف اسی صورت میں ضرورت ہوتی ہے جب ایسے الفاظ استعمال نہ کئے جائیں۔ لیکن جب کہ وقف کی نیت ظاہر ہو یا وقف کیا جائے یا تمام ملحقہ حالات سے وقف کا ہونا اخذ کیا جائے تو یہ جائز اور لازمی وقف ہوگا خواہ لفظ وقف استعمال ہی نہ کیا جائے۔

ایسے جملے جن سے وقف مراد ہوتا ہے

فتاویٰ قاضی خاں میں اس سلسلہ میں بعض ایسے جملے جن سے وقف مراد ہوتا ہے اس طرح بتائے گئے ہیں۔ اگر کوئی شخص یہ کہے ”یہ میری زمین صدقہ ہے“ اور اس کے علاوہ کچھ نہ کہے کہ تو وہ زمین غربا کے لئے وقف بالخیر ہوگی۔ یہاں لفظ وقف قطعاً استعمال نہیں ہوا۔ مگر صدقہ سے مراد مقدس پیش کش ہوا کرتی ہے اور چونکہ غربا ہمیشہ اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں لہذا جائز وقف کی تشکیل کے لیے یہ کافی ہے۔ اگر کوئی شخص

مخمس یہ کہے ”یہ میری زمین دوامی مقصد (وجہ ابدی) کے لیے ہے تو یہ وقف ہو گا وجہ کا مفہوم نیک یا امر خیر ہے۔ اور ابدی سے مراد ہمیشگی ہے۔ اور واقف کا منشا بخوبی ظاہر ہے۔ جب غایت وقف متعین کر دی جائے اور اس کا نفاذ صریحاً مفہوماً بطور استقرار ہو تو وہ جائز وقف ہونے کے لیے کافی ہے۔

اگر کوئی یہ کہے کہ میری یہ زمین وقف ہے یا میں نے اس کو وقف کر دیا تو اس کا نتیجہ وہی ہو گا جیسے اس نے یہ کہا ہو میں اس کو وقف کر چکا ہوں۔

اصول: جب اصطلاح وقف استعمال ہو تو اور کچھ بتانے کی ضرورت نہیں

سراج الوہاب میں آیا ہے کہ جب کوئی مرد جب طریقہ پر وقف کرے اور مقصد ظاہر نہ کرے تو یہ جائز اور صحیح ہے۔ اسی سلسلہ میں مزید آیا ہے کہ ایسے کئی الفاظ ہیں جو اپنے مفہوم میں واضح ہیں اور جن کے استعمال سے صریحاً وقف ہو جاتا ہے۔ اس لئے کہ خود ان الفاظ سے منشاء وقف ظاہر ہے مثلاً وقیت۔ حظیت۔ حرمت۔ سلینت میں نے وقف کیا۔ میں نے محفوظ کیا۔ میں نے مقرر کیا میں نے راہ خدا میں دیا یہ جملے بہ اعتبار معنی بہت واضح ہیں اور جب کوئی یہ الفاظ استعمال کرے تو وقف مکمل ہو جاتا ہے کیونکہ نیت ظاہر ہے۔ مگر جب کوئی ایسا جملہ استعمال کرے جس سے کہ عموماً دائمی وقف کا منشا واضح نہ ہو تو یہ دیکھا جائے گا کہ وقف کا مقصد کیا ہے۔ اور یہ نوعیت مقصد غرض وقف سے اور متعلقہ حالات سے مستنبط کی جاسکتی ہے۔ مثلاً اگر کوئی یہ کہے کہ میں اپنی جائیداد اس مسجد میں دیتا ہوں تو یہ امر کہ یہ عطیہ کسی مسجد میں دیا گیا ہے ظاہر کرتا ہے کہ یہ دائماً مقصد نیک کے لیے دیا گیا ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ اس جائیداد کو غربا کے لیے دیتا ہوں تو اس سے بھی وہی منشا ہو گا۔ یہی کلیہ قریب قریب انہی الفاظ میں فتح القدر میں درج ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ یہ زمین میں غربا کو دیتا ہوں تو یہ جائز وقف ہو گا۔ اس لئے کہ غرباء ہمیشہ ہی ہوتے ہیں اور واقف کی نیت صاف ہے جس کا منشا یہ ہے کہ جائیداد کی آمدنی دواماً داروں کے لیے استعمال ہوگی۔

تشکیل وقف، لفظ وقف یا اس کے مترادفات کے علاوہ دیگر جملوں سے

واخر الحیط کے مطابق اگر کوئی یہ کہے کہ ”میری یہ زمین موقوفہ (وقف شدہ) یا

محرمہ (محمفوظ) یا محبوسہ (مقررہ) ہے تو ابو یوسف کے مطابق یہ وقف جائز ہوگا اور یہی زیادہ صحیح ہے۔ اس لئے کہ اس (واقف) نے لفظ وقف غیر مشروط طور پر استعمال کیا ہے۔ اور کوئی بھی غیر مشروط وقف رسم و رواج کے مطابق غرباء کے لیے ہوتا ہے۔ اور مروجہ وقف مشروط کی طرح ہوتا ہے۔ لوقال ارضی هذه وقفه او محبوسه محرمہ۔ عندہ ابی یوسف تعبیر وقضا و هو لا صح لانه ذکر الوقف مدانسا۔ و ابووقف المطلق یكون علی الفقراء غرباء عادة والمعروف كالمشروط۔

فتاویٰ عالمگیری کے مطابق اگر کوئی یہ کہے کہ میں نے یہ زمین حرام کی یا یہ حرام ہے تو بقول فقیہ ابو جعفر ابو یوسف کے مطابق یہ وقف جائز ہوگا۔ گویا کہ اس نے لفظ وقف استعمال کیا۔ (اس لئے کہ لفظ محرمہ کا مفہوم دوسروں کے لیے ممنوع ہے)۔ اس کے ساتھ یہ مفہوم بھی شامل ہے کہ جائیداد امر خیر کے لیے علیحدہ کر دی گئی ہے۔

بصورت ابہام منشاء واقف کو دیکھنا چاہئے

فتاویٰ عالمگیری کے مولف نے بتایا ہے نیز فقیہ ابو جعفر کا بھی کہنا ہے کہ کسی چیز کا روک کر محفوظ کر لینا یا صدقہ میں دینا ایسا ہے جیسے صدقہ دینا یعنی وقف کرنا۔ مزید برآں یہ بھی بتایا کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میری زمین راستہ (سبیل) ہے اور وہ ایسے مقام پر رہتا ہو جہاں ایسے بیان کا منشاء وقف ہوتا ہو تو زمین وقف ہوگی۔

نیت کا استنباط کیسے ہو

معنی کی وضاحت کے لیے الفاظ کیا جائے گا اگر وہ یہ کہے کہ اس کا منشاء وقف تھا تو اسی کے منشاء کے مطابق ہی معنی سمجھے جائیں گے۔ اگر وہ یہ کہے کہ اس کا منشاء صدقہ سے تھا۔ یا کوئی خاص مقصد نہ تھا تو اسے قسم کا کفارہ سمجھا جائے گا اور وہ زمین یا اس کی قیمت بطور مقدس ہبہ کے دیدی جائے گی۔

بصورت ابہام اگر واقف حیات ہو تو وہی اپنے منشا کی وضاحت کرے گا لیکن اگر مر گیا ہو تو متعلقہ حالات سے نیز جائیداد کی آمدنی جس طرح وقف ہوئی تھی اس سے اس کا منشاء اخذ کیا جائے گا مثلاً اگر کوئی یہ کہے کہ میری عمارت کی آمدنی سے ہر مہینے دس درہم کی روٹیاں خرید کر غرباء میں تقسیم کر دی جائیں تو فتاویٰ عالمگیری کے مطابق اس عمارت کا

اس منشا میں وقف ہونے کی لئے یہی کافی ہے۔

لفظ سبیل یا راہِ خدا کا استعمال وقف قرار دینے کے لیے کافی ہے

عادنی کے مطابق اگر کوئی یہ کہے کہ میری زمین اور مکان کی نوعیت ایک سبیل کی ہے۔ (سبیل اللہ) اور وہ ایسے ملک میں رہتا ہو جہاں سبیل سے مراد وقف ہو تو یہ وقف قطعی ہوگا۔ لفظ سبیل سے اب بالاتفاق وقف مسلمہ مراد ہے۔ سبیل یا سبیل اللہ (اللہ کا راستہ) محاورہ خدا کے مساوی تک جو ہندوستان میں مروج ہیں۔

اسی قسم کے الفاظ جیسے میں نے اس زمین کی آمدنی غربا یا کسی مقصد خیر کے لیے دیدی یا مکان میں نے غرباء کو دیدیا ہے اور اس میں وہ الفاظ شامل ہوں جن سے انتقال جائیداد یا انتقال بطور ارث سے منع کیا گیا ہو تو وہ بالاتفاق وقف ہوگا۔ منشا وقف واضح ہو تو تشکیل وقف کے لیے صریح الفاظ کی ضرورت نہیں

ردالمحتار میں اس اصول پر زور دیا گیا ہے اور بحر الرائق میں مثال کے طور پر ایسے چھبیس جملے آئے ہیں جن سے کہ وقف ہو جاتا ہے۔ نیز فتح القدر میں بھی بہت سے جملے دئے گئے ہیں۔ مگر جب تک یہ واضح ہو کہ وقف کی نیت انتقال جائیداد سے دائمائیت خیر کے لیے دینا تھی یعنی اگر کوئی یہ کہے کہ میرے اس مکان کی آمدنی کو غریبوں کے لیے روٹیاں خریدنے کے لیے صرف کر دو تو یہ تشکیل وقف کے لیے کافی ہے۔

اسی طرح اگر کوئی یہ کہے کہ میں نے یہ جائیداد اپنی دوسری جائیداد سے الگ کر لی یا محفوظ کر دی ہے تو اس کا منشاء بھی یہی ہے۔

جامع الفصولین کی تیرہویں فصل میں آیا ہے کہ اگر کوئی یہ کہے کہ اس مکان کی آمدنی مسجد کی روشنی کے لیے ہے اور مزید کچھ نہ کہے تو یہ وقف جائز ہوگا اس لئے کہ یہی خطابت کافی ہے۔

جیون داس ساہو بنام شاہ کبیر الدین

فاضل حجان پریوی کونسل نے بمقدمہ جیون داس ساہو بنام شاہ کبیر الدین کے فیصلہ میں محض اسی رائے کا اظہار کیا ہے جس کی شرع میں توضیح ہے۔ مقدمہ مذکور میں بخشش یا فرمان میں جس سے کہ انعامات دئے گئے تھے لفظ وقف کا کوئی حوالہ نہیں ہے۔

بلکہ اس کے برعکس انعام سے مقصد بخشش التمغہ اور مدد معاش ہے جس سے کہ اصلاً انفرادی مالکانہ حقوق مراد ہیں۔ مدعا علیہ کی جانب سے اس بنا پر یہ نذر کیا گیا کہ انعام کی جائیداد میں ناقابل انتقال وقف نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں پریوی کونسل کے فاضل ججان نے صدر عدالت دیوانی کے فیصلہ کی تائید کرتے ہوئے لکھا:

مسماة فریدہ بنام شاہ کبیر الدین

”مقدمہ ہذا اور فاضل ججان صدر عدالت دیوانی کے فیصلہ بمقدمہ مسماة فریدہ بنام شاہ کبیر الدین کے حوالہ سے ظاہر ہے کہ الفاظ ”انعام“ التمغہ کے شاہی فرامین میں حوالہ کے باوجود اور ان لوگوں کے حوالہ کے باوجود بھی جن کی درخواست پر یہ فرمان جاری کئے گئے، یہ تجسس، جیسا کہ واضح طور پر درخواستوں سے ظاہر ہے، ایک ادارہ خیرات کو قائم کرنے کے لیے کی گئی ہیں۔ اور فرمان میں جن لوگوں کا حوالہ ہے وہ اس کے مالک قرار نہ دئے گئے تھے اور یہ کہ اصلاً خانقاہ ہی موہوب لہ، تھی اور اشخاص محولہ محض خانقاہ کے متولی تھے۔ متولی کو انتقال جائیداد کا کوئی حق نہیں ہے۔ پس شاہ شمس الدین نے جو انتقال جائیداد کیا ہے وہ ناجائز تھا۔“

فاضل ججان نے مزید بتایا کہ یہ فیصلہ ہدایہ کتاب پندرہ باب وقف ترجمہ ہملٹن جلد دوم صفحہ ۳۳۲ کے اصول کے مطابق ہے۔ جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ لفظ وقف اپنے اصل منہوم میں بمعنی روکنے کے ہے۔ قانون کے مطابق (حنفی مسلک میں) اس کا منشاء یہ ہے کہ کسی شے مخصوص کو اسی طرح محفوظ کر دینا کہ اس محفوظ کرنے والے (واقف) کا حق استعمال اس میں جاری رہے اور اس کی آمدنی کسی کار خیر میں بطور صدقہ کے استعمال ہوتی رہے۔ صاحبین کے قول کے مطابق وقف سے مراد کسی خاص شے کا اس طرح تحفظ کرنا ہے کہ وہ شے ملکیت خداوندی کے تحت آجائے جس سے واقف کے حقوق ملکیت ساقط ہو جاتے ہیں اور وہ شے ملکیت خداوندی ہو جاتی ہے اور اس کے منافع مخلوق خدا کے کام آتے ہیں۔ پس صاحبین اس کو وقف قطعی مانتے ہیں۔ اگرچہ ان میں یہ اختلاف ہے کہ ابو یوسف ”تشکیل“ وقف کی ابتداء سے ہی قطعی تسلیم کرتے ہیں مگر امام محمد اس کو وقف قطعی بتاتے ہیں جب وہ کسی متولی کو تفویض کر دیا جائے۔ نتیجتاً یہ بیع یا ہبہ کے طور پر

استعمال نہیں ہو سکتی۔ اور نہ وراثت اس پر عائد ہوگی۔ پس لفظ وقف اپنے اصطلاحی معنی میں وہ تمام خصوصیات شامل رکھتا ہے جس کی امام ابو حنیفہ اور صاحبین نے وضاحت کی ہے۔ مگر سنی ۲۳۴ پر بتایا گیا ہے کہ جب کسی شے کا وقف قطعی تسلیم ہو جائے تو اس شے کا انتقال یا بیع ناجائز ہے اور یہ انتقال اس لئے ناجائز ہے کہ آنحضرت (سلم) کی حدیث ہے کہ اصل زمین کو امور خیر کے لیے اس طرح دیدو کہ دو آئندو تا قابل بیع اور تا قابل وراثت ہو جائے۔ پس فاضل جہن نے یہ طے کیا ہے کہ حسب شرع تشکیل وقف یا امور خیر کے لیے کسی چیز کو دینے کے سلسلے میں یہ ضروری نہیں ہے کہ لفظ ”وقف“ کا ہی وقف نامہ میں استعمال کیا جائے اگر اس کے سیاق و سباق سے ایسا مفہوم برآمد ہوتا ہو تو کافی ہے۔ لفظ وقف خود ہی کافی ہے۔

لفظ وقف کا استعمال ہر صورت میں ایک جائز دوائی وقف کے لیے کافی ہے اس لئے کہ قانوناً یہی اس کا واضح منشا ہے۔ پس جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ جب کوئی مقصد واضح نہ ہو تو یا ایسا مقصد ہو جو فوت ہونے والا ہو تاہم وقف جائز اور لازمی ہو گا اور جائیداد موقوفہ اولاً غرباء پر وقف ہوگی اور مقصد کے فوت ہو جانے پر بھی انہی پر وقف ہوگی خواہ وقف نامہ میں نہ ان کا حوالہ ہو اور نہ لفظ صدقہ قطعاً استعمال ہوا ہو۔

اصول

فتاویٰ عالمگیری میں آیا ہے کہ گو لفظ صدقہ استعمال نہ کیا گیا ہو تاہم لفظ صدقہ اس طرح استعمال کیا گیا ہو جیسے کہ کوئی یہ کہے کہ یہ میری زمین وقف ہے یا میں نے یہ زمین وقف کی ہے تو بقول ابو یوسف یہ زمین غرباء کے لیے وقف ہوگی۔ صدر الشہید اور بلخ کے دوسرے فقہاء کا قول ہے کہ وہ ابو یوسف کی رائے کے مطابق فتویٰ دیتے ہیں اور اسی طرح رواج کے مطابق مسائل طے کرتے ہیں۔

اگر کوئی کہے کہ یہ زمین ہمیشہ کے لیے خداوند کریم کے لیے مختص کر دی گئی تو یہ جائز ہے۔ خواہ لفظ صدقہ استعمال نہ کیا گیا ہو تب بھی غرباء کے لیے وقف ہوگی۔ لفظ وقف تنہا یا جن الفاظ کے ساتھ آیا ہو مسلمہ اصول کے مطابق وقف ہی ثابت کرتا

ہے۔ اور یہ رائے ابو یوسف کی ہے۔

فتاویٰ قاضی خاں میں بھی یہ بتایا گیا ہے کہ اگر کوئی کہے میری زمین موقوفہ ہے اور اس کے حدود اربعہ بتائے اور اس سے زیادہ کچھ نہ کہے تو بقول ابو یوسف یہ غرباء کے لیے وقف ہوگی۔ یا وہ یہ کہے کہ یہ میری زمین وقف ہے تو اس کا اثر بھی یہی ہوگا۔ یا اگر وہ یہ کہے کہ میری زمین ایک نیک مقصد کے لیے وقف ہے تب بھی یہی منشا ہوگا۔ اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ یہ زمین راہ خدا کے لیے دوانا موقوفہ ہے اس سے یہ وقف جائز ہوگا۔ خواہ لفظ صدقہ استعمال نہ کیا ہو۔ یہ غرباء کے لیے ہی وقف ہوگی۔ اور خواہ اس نے الفاظ برائے ”دوام“ استعمال نہ کئے ہوں تب بھی یہ جائز وقف ہوگا۔ اور اس کی آمدنی غرباء کے مفاد میں استعمال ہوگی۔

جملے جن سے وقف بنتا ہے

اسی طرح اگر واقف محض یہ کہے کہ یہ خدا کے لیے موقوفہ ہے یا حصول ثواب کے لیے موقوفہ ہے پس اسی طرح اگر وہ یہ کہے کہ (علی الوجہ البر والخیر) یا دونوں کے لیے ہے یہ غرباء کے لیے جائز وقف ہوگا اگر کوئی یہ کہے کہ میری زمین جہاد کے لیے یا مردوں کے کفن کے لیے یا کفن خریدنے کے لیے یا قبر کھودنے کے لیے یا دیگر امر خیر کے لیے جو کہ دوائی نوعیت کا ہو اس غرض کے لیے وقف جائز ہوگا۔ اگر کوئی واقف کسی خاص جائیداد کو مسافروں کے لیے وقف قرار دے تو یہ جائز ہے اس لئے کہ مسافر ہمیشہ ہی ہوتے ہیں اور اس کا منافع ان مسافروں کے لیے کام میں آئے گا جو کہ غریب ہیں، مال داروں پر استعمال نہیں ہوگا۔ یا اگر یہ کہے کہ یہ لنگڑے لوہوں اور نحیف و نزار معذوروں کے لیے ہے یہ وقف جائز ہوگا اس لئے کہ ایسے لوگوں کی کمی نہیں۔ ان میں سے غرباء کے کام میں آئے گا۔

خود اصطلاح وقف کا استعمال کافی ہے

در المختار میں آیا ہے کہ اگر کوئی یہ کہے کہ یہ میری زمین یا یہ مکان غرباء کے لیے ہے۔ یا راہ خدا میں فلاں فلاں کے لیے وقف ہے یا کسی امر خیر کے لیے ہے یہ کافی

ہے۔ اور بقول ابو یوسف لفظ موقوفہ ہے۔ اور بقول صدر الشہید ہم بالاتفاق اس کے مطابق فتویٰ دیتے ہیں۔

ہندوستان میں وقف کی اہمیت ظاہر کرنے کے لیے یہ نام رواج ہے کہ الفاظ راہ خدا میں بھی لاتے ہیں۔ یعنی اس طرح لکھتے ہیں کہ میں راہ خدا میں فلاں فلاں کے لیے وقف کرتا ہوں۔ بقول تسہیل کوئی شے محض لفظ وقف سے وقف کر دی جائے تو یہ جائز ہے اور موقوفہ عیہ کے انتقال پر اس کی آمدنی غربا میں تقسیم ہوگی۔ اور اسی کی تائید میں فتویٰ بھی ہے۔

واجز المحیط کے مطابق اگر کوئی یہ کہے کہ میری زمین موقوفہ ہے اور الفاظ ”صدقہ“ دائماً غربا کے لیے استعمال نہ کرے تو ابو یوسف کے مطابق یہ وقف جائز اور صحیح ہے۔ غایت البیان کے مطابق اگر واقف لفظ صدقہ استعمال نہیں کرتا ہے بلکہ صرف لفظ وقف استعمال کرتا ہے مثلاً یہ کہے کہ میری زمین وقف ہے یا میں نے اس کو موقوفہ کر دیا ہے یا میں نے اسے وقف کیا ہے تو ابو یوسف کے مطابق ایسا وقف محض غربا کے لیے ہوگا۔ مشائخ بلخ بھی ابو یوسف کی توضیحات کے مطابق طے کرتے ہیں۔

”لو لم يذكر الصدقة وذكر الوقف فان قال ارضى هذه موقوفة او قال فارضى هذه او قال جعلت ارضى هذه موقوفة او قال ارضى هذا وقف فان هذا يكون على الفقهاء في قول ابو يوسف خاصة فكان مشائخ بلخ يفتون بقول ابو يوسف“

اسی طرح لفظ صدقہ لفظ وقف یا اس کے مشتقات سے پیدا ہوا (مثل الفاظ موقوفہ) ایک جائز اور لازمی وقف ہوگا۔ مثلاً اگر کوئی یہ کہے کہ میری یہ زمین صدقہ موقوفہ ہے جو میری حیات اور بعد حیات دائماً وقف رہے گی یا یہ کہے کہ دائماً صدقہ ہے تو یہ جائز ہوگا اگر یہ کہے کہ یہ صدقہ ہے یا بطور صدقہ ہے بغیر دائمی بتائے تو یہ زمین وقف ہوگی۔ ان تمام لوگوں کی رائے کے مطابق بھی یہ وقف جائز ہوگا۔ اس لئے کہ صدقہ دوامی وہی ہوتا ہے جس میں کسی تہنیک کی گنجائش نہیں ہوتی۔ الفاظ میری زمین اس امر کے لیے صدقہ ہے ہر اس امر کے لیے بطور صدقہ ہے جس کی نوعیت ثواب ہے۔ یہ بھی بمنزلہ وقف کے ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ میری یہ زمین راہ خدا میں بطور صدقہ ہے یا راہ خدا میں وقف ہے تو یہ وقف ہوگی۔ اسی طرح اگر کوئی یہ کہے کہ راہ خدا میں یہ زمین

دیدنی ہے۔ یا خوشنودی کے لیے دی ہے یا یہ کہے کہ میری زمین بہ نیت ثواب وقف کی گئی ہے۔ تو یہ کہنا بھی ایسا ہی جائز وقف ہے جیسے کہ صدقہ وقف کہنا۔
اگر کوئی یہ کہے کہ میری زمین صدقہ موقوفہ ہے مگر اس سے زیادہ کچھ نہ ہے تو یہ وقف جائز ہوگا اور اس کا منافع دوائی ہوگا۔ جو غریبوں پر صرف ہوگا۔ (بقول امام ابو یوسف امام محمد اور ہمال)۔

جملے جن سے تشکیل وقف ہوتی ہے

اگر کوئی یہ کہے کہ میری زمین فلاں شخص کے لیے وقف ہے تو جائز ہے اس لئے کہ اصل مستفید ہونے والے غرباء ہی ہوں گے کیونکہ وہی صدقہ کے جائز اور آخری (اخاز) پانے والے ہیں۔ لیکن وہ شخص منفعت کا حین حیات مستحق ہوگا جس کا کہ ذکر کیا گیا ہے۔

اگر کوئی یہ کہے کہ میری یہ زمین دائماً صدقہ موقوفہ ہے یا میرے بچے کے لیے دائماً وقف ہے۔ اس سے بھی وہی مراد ہوگی لفظ دوائی سے کوئی اثر نہیں پڑتا۔
اگر کوئی یہ کہے کہ میری یہ زمین وقف یا صدقہ یا محروم کی گئی ہے۔ نہ کسی کو بیع کی جائے گی نہ بیہ ہی دی جائے گی تو ان تمام الفاظ سے مسلم اصول اور ابو یوسف کی رائے کے مطابق تخلیق وقف ہو جاتی ہے۔

حمید اللہ خان بنام بدر النساء

ایک ایسے امر کے بارہ میں جس پر تمام فقہاء متفق رائے ہیں یہ سمجھنا مشکل ہے کہ وہ رائے جس کا حوالہ بمقدمہ حمید اللہ خان بنام بدر النساء خاتون دیا گیا ہے کہاں سے حاصل ہوئی جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ کسی شخص کا اپنے بچوں کے حق میں بغیر لفظ صدقہ استعمال کئے تشکیل وقف نہیں ہو سکتی۔

مقدمہ مذکور میں وقف درج ذیل الفاظ میں کیا گیا تھا۔

”میں نے بقیہ چار آنے کا وقف میری دختر بدر النساء اور اس کی آل اولاد اور آل اولاد کی آل اولاد (خواہ وہ کتنی ہی بعید ہو) وقف کیا ہے۔ اگر وہ بھی معدوم ہو جائے تو محتاج و غرباء کے حق میں وقف رہے گا۔“ ایسا وقف حسب شرع صحیح صالح جائز اور

موثر ہے۔ اور ایک دائماً وقف غلی الخیر ہے۔ اور جس طرح یہ میری زندگی میں وقف ہے میری موت کے بعد بھی اسی طرح وقف قائم رہے گا۔ اور تملک و تملیک سے بری ہوگا۔ اور متذکرہ بالا تمام جائیداد موقوفہ کی آمدنی بعد ادائیگی مطالبہ مال گزاری گورنمنٹ اور مطالبہ کلکٹری نیز معاوضہ حق تولیت ادا کرنے کے جو کچھ بھی فاضل بچے وہ اس طرح تقسیم ہوگا۔

سہام چار آنے جمیلہ خاتون المعروفہ وصولی بی بی کو اور چار آنے بدر النساء کو۔ چونکہ جس طرح چار آنے متذکرہ خواتین کے حق میں وقف کئے گئے اور جہاں تک عبارت وقف نامہ کا سوال ہے مضمون وقف نامہ ہذا سے زیادہ کوئی صاف و صریح عبارت نہیں ہو سکتی۔ واقف نے سرینا جائیداد موقوفہ سے اپنا حق تصرف علیحدہ کر کے بدر النساء اور اس کی آل اولاد کے لیے جب تک کہ ان میں سے کوئی بھی حیات رہے مستقلاً بسر اوقات کا انتظام کیا ہے۔ اور تحریر کیا ہے کہ ان کے معدوم ہونے پر وقف کا منافع غربا اور ناداروں کو ملے گا۔ وقف نامہ کے ملاحظہ سے ظاہر ہے کہ شرائط مندرجہ شرع محمدی کے عین مطابق ہیں۔

عدالت العالیہ کی غلط رائے

محمد حمید اللہ خاں کی جانب سے بسلسلہ کارروائی اجرائے ڈگری ایک نالش بابت منسوخی بیع دائر ہوئی کہ یہ جائیداد جزو جائیداد موقوفہ ہے اس لئے اجرائے ڈگری میں جائیداد مذکور ناقابل انتقال ہے۔ اس پر ہائی کورٹ نے امور ذیل تجویز کئے۔

(الف) ایک جائز وقف کے لیے ضروری ہے کہ وہ جائیداد عبادت خداوندی یا مذہبی و خیراتی اغراض کے لیے ہو۔

(ب) حسب شرع اگر کسی شخص خاص یا اس کی آل اولاد کے دواماً وقف کیا گیا اور ان کے معدوم ہونے کے بعد غربا اور حاجت مندوں کے لیے ہو تو یہ اسی وقت جائز ہوگا جب وقف نامہ میں لفظ صدقہ استعمال کیا گیا ہو۔

ہائی کورٹ سے طے شدہ اول الذکر مسئلہ کے بارہ میں مابعد باب میں تفصیل سے بتایا جائے گا۔ دوسرا مسئلہ یعنی لفظ صدقہ کا استعمال اپنے کنبے یا آل اولاد کے لیے وقف کرنے کے سلسلہ میں حکم شروع کے صریح حوالے سے طے ہو جاتا ہے۔

فصل دوم:- شرائط متعلق تشکیل وقف

اصول: اعلان وقف جائیداد میں واقف کے حقوق ساقط کر دینا ہے۔
جیسا کہ اوپر بتایا جا چکا ہے کسی وقف جائز کی تشکیل کے لیے کسی معینہ طریقہ کی ضرورت نہیں ہے واقف کا محض یہ کہنا ہی کافی ہے کہ وہ جائیداد کو وقف کرتا ہے یا اس نے جائیداد وقف کر دی ہے۔ صرف اس اعلان سے اس جائیداد موقوفہ پر تمام قانونی اور لازمی وقف کی خصوصیات لاحق ہو جائیں گی اور واقف کا حق ملکیت سوخت ہو کر (خواہ وقف کا کچھ بھی مقصد ہو) وہ جائیداد ملکیت خداوندی میں تفویض ہو جائے گی۔ اس طرح یہ قابل تفسیح ناقابل انتقال اور ناقابل ارث ہو جاتی ہے۔

محض اعلان وقف سے وقف مکمل ہو جاتا ہے

سراج الوہاج میں درج ذیل عبارت ہے۔ ”بقول ابو یوسف کسی کے یہ کہہ دینے سے کہ اس نے وقف کر دیا یا وقف کرتا ہے جائز وقف ہو جاتا ہے۔ خواہ وہ جائیداد مشاع (مشترکہ جائیداد کا حصہ) ہو خواہ تفویض کی گئی ہو یا نہیں خواہ لفظ دواماً درج ہو یا نہیں۔ اور حق واقف ساقط ہو جاتا ہے اس لئے کہ وقف بھی اسی سطح پر ہے جیسا کہ غلام کو آزاد کرنا۔ اور فتویٰ بھی یہی ہے۔“

فقال ابو یوسف یجوز مشاعاً کان لو مقسوماً سلمه الى المتولی او لم یسلمه اشترط او لم یشرط و یزول الملك بمجرد القول لان منزلة الاعتاق وعلیه الفتوی۔

غایت البیان میں بھی یہی اصول درج ذیل الفاظ میں ہے۔ ”ابو یوسف کے مطابق اعلان وقف سے ہی جائیداد سے حق ملکیت سوخت ہو جاتا ہے۔ ان کے قول کے مطابق محض یہ کہنے سے کہ میں نے وقف کر دیا ہے واقف کا حق جائیداد ساقط ہو جاتا ہے۔“

قولہ۔ یزول بالقول عند ابو یوسف ای یزول الملك عن الواقف بمجرد قولہ وقف عندہ۔ فتح القدر میں بھی ایسا ہی ہے۔ بقول ابو یوسف محض اعلان وقف سے وقف مکمل ہو جاتا ہے اور اگر غایت وقف نہ بتائی جائے تو یہ غربا کے لیے وقف ہوتا ہے اور

کنایا ایسا وقف غربا کے لیے جائز ہوتا ہے۔ لفظ دوانا کے بھی مزید حوالے کی ضرورت نہیں ہوئی اس لئے کہ یہ غرض کبھی معدوم نہیں ہوتی۔ اور بقول صدر الشہید تمام فقہا اس بارہ میں ابو یوسف سے متفق ہیں۔ اور ہم بھی اسی کے مطابق فتوے دیتے ہیں۔

اسول

کسی بھی وقف جائز کی تخلیق کے لیے دوائی ہونا ایک ضروری شرط ہے۔ لیکن اس کا صریح حوالہ ضروری نہیں۔ بالفاظ دیگر کوئی جائیداد صریحاً یا کنایاً وقف کی جا رہی ہو تو کافی ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ وقف اصطلاحاً صریحاً کسی دوائی مقصد کے لیے ہو۔ لفظ وقف یا جس وغیرہ کے ساتھ جب وقف کیا گیا ہو تو جائیداد سے دوانا دست برداری بدیہاً ظاہر ہے خواہ مقصد کچھ بھی ہو اس پر قانون وقف نافذ ہو جائے گا۔ مقصد معینہ کے معدوم ہونے پر دوسرے دائی مقاصد پر صرف ہو گا اگر کوئی وقف صریح الفاظ میں نہیں کیا گیا ہو تو وقف کی نوعیت پر غور کرنے کے بعد متعلقہ حالات سے نتیجہ اخذ کرنا چاہئے۔ اس مسئلہ کو ردالمحتار نے بڑی وضاحت سے بتایا ہے۔ ابو یوسف کے مطابق اعلان وقف غلام آزاد کرنے کے مثل ہے۔ اور اس لئے قبضہ دہانی یا علیحدگی ضروری نہیں ہے۔ بقول ابو یوسف مجرد اعلان سے ہی وقف مثل غلام آزاد کرنے کے موثر اور لازم ہو جاتا ہے اس لئے کہ سقوط حق ملکیت دونوں میں یکساں ہیں۔ در الاحکام میں آیا ہے کہ دوامیت بالاتفاق رائے ایک ضروری شرط ہے مگر بقول ابو یوسف اس کا حوالہ ضروری نہیں ہے اگر کوئی یہ کہے کہ یہ وقف اپنے بچوں کے لیے کرتا ہوں تو جائز ہے۔ بقول بعض دوانا کے حوالہ کی زیادہ تر فقہاء کے نزدیک ضرورت ہے باستثناء ابو یوسف۔ ان کے مطابق لفظ صدقہ یا وقف حوالہ سے ہی دوانا کا مفہوم ظاہر ہے اور اس لئے کتاب مختصر القدوری میں درج ہے کہ ایسا وقف جائز ہے۔ اولاد معدوم ہونے کی صورت میں ایسا وقف غربا کے لیے ہوتا ہے خواہ وہ نامزد نہ کئے گئے ہوں اور یہی صحیح ہے۔

قوله وجعله ابو يوسف كان عناق فلذلك لم بشرط الفيض والامر

اتراجع ای فلیترم عنده بمحرج القول كانه عناق بجامع اسقاط الملك۔ قال فی الدرر والصحيح ان التابيد شرط اتفاقاً لكن ذكره ليس بشرط عنده ابى يوسف لو

قال دقنت علی اولادی ولم یزد حاز الوقف۔ الی قوله وقیل ان التابید شرط بالاحماع الا ان عند ابی یوسف لایشترط ذکرہ لان لفظ الوقف الصدقہ سنئی عنہ ولہذا قال وفی الكتاب وصار بعدها للفقراء وان لم یسمہم وهذا والصحیح۔

ابو یوسف کی رائے اس مسئلہ پر مسلمہ قانون ہے

غایت البیان میں بھی اسی طرح آیا ہے۔ بقول ابو یوسف کوئی جائیداد خواہ مشاع ہو خواہ تقسیم شدہ ہو خواہ نہ ہو متولی کو تفویض کی گئی ہو یا نہ کی گئی ہو۔ خواہ اس نے لفظ دوانا استعمال کیا ہو یا نہیں اس کا وقف جائز ہے۔ ابو یوسف نے اس قول کو آنحضرت صلعم کے اس کلیہ پر اساس بتایا ہے کہ آپ نے حضرت عمر سے فرمایا تھا کہ جائیداد کو محفوظ کر دو اور اس سے پیدا شدہ آمدنی کو نوع انسانی کے مفاد پر خرچ کرو اور جواز وقف کے لیے تفویض قبضہ کی کوئی شرط مقرر نہیں فرمائی۔

قال ابو یوسف یجوز مشاعاً کان او مقسوماً سلمہ الی المتولی او لم یسلمہ شرط انتابید اولم یشرط الی قوله ووجه قول ابی یوسف ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم امر عمر ما یوقف ولم یامرہ بالتسلیم فعلم ان التسلیم لیس شرط فتاوی عالمگیری کے مطابق تمام مذاہب کے اصول کی رو سے لفظ دوانا بھی شرائط وقف میں سے ہے۔ تاہم بقول ابو یوسف اس کا حوالہ شرط نہیں ہے اور یہی صحیح ہے۔ اگر کوئی شخص اپنی عمارت کو ایک دن مہینے یا وقت مقررہ کے لیے وقف کرتا ہے تو یہ وقف جائز اور دائمی ہے۔ لیکن اگر وہ یہ کہے کہ میری یہ زمین ایک مہینے کے لیے صدقہ موقوفہ ہے تو مہینہ گزر جانے پر بقول ہلال یہ وقف باطل ہوگا اس لئے کہ دوانا وقف کی لازمی شرط ہے اور اس کو خاص وقت کے لیے محدود کرنا ناجائز ہے اگر کوئی یہ کہے کہ میری زمین میری وفات کے بعد ایک سال کے لیے صدقہ موقوفہ نہ ہوگی اور مزید کچھ نہ کہے تو یہ وقف غربا کے مفاد کے لیے دوانا جائز ہوگا اس لئے کہ ان الفاظ کا مفہوم وصیت کا ہے اگر کوئی یہ کہے کہ میری یہ زمین میرے مرنے کے بعد فلاں کے لیے ایک سال تک صدقہ ہے اور ایک سال مقتضی ہو جانے پر وقف باطل ہوگا تو یہ اس کی موت کے بعد متذکرہ شخص کے لیے بطور وصیت ہوگا ایک سال کے لیے اور پھر یہ غریبوں کے لئے بطور ترکہ ہوگا اور اس کی آمدنی غربا میں تقسیم کر دی

ہو۔ کی زمین اگر وہ یہ کہے کہ میری زمین میری موت کے بعد فلاں شخص کو ایک سال کے لیے وقف کی گئی ہے اور مزید کچھ نہ کہے تو اس کی آمدنی ایک سال تک اس شخص کی ہوگی بعد ازاں اس کے ورثہ پر ہود کرے گی۔

وقف عمل طور پر مستفید ہونے کے متعلق موثر اصول

تسہیل کا بھی یہی اثر ہے۔ یعنی شے موقوف نہ بیع ہو سکتی ہے نہ ہبہ اور نہ ورثہ میں دینی جائیداد ہے۔ اس کی آمدنی خرچ کی جا سکتی ہے۔ اور یہ جائیداد وقف سے خارج کبھی جائے گی۔ بقول ابو یوسف وقف کے شخص امان وقف سے حق ملکیت ساقط ہو جاتا ہے۔ اور یہ تمہیک یعنی انتقال جائیداد نہیں ہے۔ اس لئے یہ غلام آزاد کرنے کی طرح بغیر تنویض کے بھی جائز ہے۔ عراق کے فقہاء نے بھی اس کے مطابق طے کیا ہے۔ ابو یوسف نے بلا دوانا کے حوالہ کے بھی وقف کو جائز قرار دیا ہے پس اگر کوئی شخص قابل معدوم غرض کے لیے وقف کرتا ہے تو بقول ابو یوسف یہ جائز ہوگا۔ اور بعد فوت غرض یہ وقف خرابے کے لیے ہوگا اور وہ شے ورثائی نہ ہوگی بلکہ غربا کی ہوگی اور یہی صحیح ہے۔

لا یباع ولا یوہب ولا یورث وانکن لیس شرتہ الی قولہ فیخرج عندہ ابی یوسف بمجرد نقول لان الوقف اسقاط ملک الوقف لا تملیک فصح مبدون التسمیہ کا لا عناف وہہ یعنی مشایخ العراق الی قولہ یحیز اب یوسف بلا ذکر تابد حتی لو وقف علی جنبہ تیوقف انقطاع عنها یصح عندہ ویكون بعدها للفقراء لا ملکاً لورثہ فی الصحیح۔

اس مسئلہ پر عام اتفاق رائے ہے

رمز المتقانی میں اوقاف کی ابتدا بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ وقف کے دیگر ملکات میں یہ بھی ہے کہ نہ بیع ہو سکتا ہے نہ ہبہ اور نہ ورثہ میں دیا جاسکتا ہے اگر اس کی کوئی نایت مختص نہ کی جائے تو اس کی منفعت غربا اور اعزہ پر صرف ہوگی۔ اور وقف بھی اس میں صرف کر سکتا ہے ابو یوسف کے مطابق یہ کہنا کہ یہ جائیداد میں نے وقف کر دی ہے وقف کے حق ملکیت کو ساقط کرنے کے لیے کافی ہے۔ اس لئے کہ یہ جائیداد خداوند کی ملکیت میں غلام آزاد کرنے کی مثل دینا ہے اور اس مسئلہ پر ہر

امام۔ شافعی، مالکی، حنبلی متفق رائے ہیں۔ بقول ابو یوسف اگر کوئی ایسا مقصد بتایا جائے جو کہ معدوم ہونے والا ہو تو بھی وقف لازم ہوگا اور مقصد کے فوت ہونے کے بعد منافع غربا پر صرف ہوگا خواہ وقف میں غربا کا ذکر نہ ہو۔

وقف، مثل غلام آزاد کرنے کے ہے۔ کلیہ

حسب ابو یوسف کسی واقف کے اس اعلان کے فوراً بعد کہ اس نے ایک مختص جائیداد کو وقف کیا مثل غلام آزاد کرنے کے وقف فوراً موثر ہو جاتا ہے۔

اصول کی توضیح

ابو یوسف کے مطابق وقف مثل غلام آزاد کرنے کے ہے اور جس لمحہ یہ اعلان ہوتا ہے اس لمحہ موثر ہو جاتا ہے۔ ہندوستان کی عدالت ہائے قانون نے اس اصول کے منشاء پر غور نہیں کیا۔ حقیقتاً اصول یہ ہے کہ جب بھی کوئی شخص کسی غلام کو آزاد کرتا ہے تو وہ اس کی تہنیت نہیں کر سکتا۔ نہ بعد میں یہ کہہ سکتا ہے کہ اسکا قطعاً آزاد کرنے کا ارادہ نہ تھا۔ جو نہی وہ یہ اعلان کرتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ میں اس غلام کو آزاد کرتا ہوں تو قانون اس غلام کو ایک آزاد انسان کے مقام پر متعین کر دیتا ہے۔ ایک بار اعلان کے الفاظ ادا کرنے پر نہ تو آزاد کرنے والا نہ اس کے ورثاء نہ قرض خواہ نہ دیگر گماشتہ اسکی آزادی کی قطعیت پر اعتراض کر سکتے ہیں۔ اس میں نیت کا کوئی حوالہ ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ اعلان سے قانوناً ایک قطعی اور غیر مشروط نیت کا قیاس کیا جائے گا۔

قطعی اور ناقابل تہنیت

اسی طرح جب کوئی مخصوص جائیداد وقف ہوتی ہے تو واقف کا حق ہمیشہ کے لیے ساقط ہو جاتا ہے وہ اس کے بعد یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس کا جائیداد وقف کرنیکا ارادہ نہیں تھا۔ نہ اس کے ورثاء نہ قرض خواہاں نہ دوسرے اشخاص جن کی اس سے حق تلفی ہو سکتی ہے یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ بر جائے فریب تھا اور بوقت وقف واقف کی نیت واقعی وقف کی نہیں تھی۔

دوا کا حوالہ ضروری نہیں

اگر وقف کسی ایسے مقصد کے لیے ہو جو کہ شرعاً اور مذہباً جائز ہو تو وہ بلاشبہ قلعی اور ناقابل تمسیح ہوتا ہے اور یہی تمام فرقوں اور مذاہب کے نزدیک حقیقتاً مطابق شرع ہے۔ شیخ اسول یہ ہے کہ دوا کا حوالہ شرط لازم نہیں ہے بقول ابو یوسف اگر وقف مخصوص افراد کے حق میں کیا جائے تو جائز ہے لیکن ان کی موت کے بعد وہ آمدنی فریبوں پر سرف ہوئی۔

ہندوستان میں بھی یہی اصول جیسا کہ فتاویٰ نائگیری میں بتایا ہے قابل پابندی ہے اس لئے کہ فقہاء ہند فقہاء پنج مقلدین اور (حسب واجز الحیط) دو فقہائے عراق و خراسان سے متفق ہیں بالفاظ دیگر تمام حنفی فقہاء سوائے بخاری فقیہوں کے اس معاملہ میں متفق ہیں۔ نیز واجز الحیط کے مطابق بھی دوا کا حوالہ یا کسی دائمی مقصد کا ذکر ضروری نہیں ہے۔ اس لئے اگر کوئی یہ کہے کہ میری زمین وقف ہے یا صدقہ موقوفہ ہے یا فرد خاص یا نادار امزہ یا یتامی کے لیے ہے خواہ اس میں دوا کا حوالہ نہ آئے تاہم ابو یوسف کے نزدیک یہ وقف قانوناً جائز ہوگا۔ یا اگر وقف یہ کہے کہ میری یہ زمین فلاں فلاں کے لیے ہے یا میرے بچے کے حق میں ہے تو یہ ابو یوسف کے نزدیک جائز ہے اور جب تک کہ وہ فرد خاص حیات رہے جائیداد کی آمدنی اس کی ضرورتوں پر صرف ہوگی۔ اور اس کے انتقال کے بعد غربا کے کام آئے گی۔

وان قال ارضی هذه موقوفة علی فلان او علی ولدی جائز الوقف وان لم
بدکر عندہ اسی یوسف والغلة لفلان مادام حیاتی اذابات یصرف الغلة الی الفقراء۔
لیکن اگر محض موقوفہ کے بجائے صدقہ موقوفہ کہے تو ابو یوسف نیز امام محمد
کے مطابق بھی جائز ہوگا خواہ اس میں دوا کا حوالہ نہ دیا ہو۔

جو ہر وہاں میں ہے کہ ابو یوسف کے قول کے مطابق اگر ایسا کوئی مقصد نامزد
بھی کر دیا جائے جو معدوم ہونے والا ہو تب بھی وقف جائز ہوگا۔ اور اس مقصد کے
معدوم ہو جانے پر یہ غربا کے کام آئے گا خواہ غربا کا حوالہ نہ دیا ہو۔

وقال ابو یوسف اذاذ جہہ منقطع جاز وصار بعدہ الفقراء وان لم یسمعہم

وہذا هو الصحيح ابو يوسف کے مطابق اصطلاح صدقہ سے بھی اصطلاح وقف کے مطابق دواماً کا مفہوم ہوتا ہے چونکہ یہ دونوں لفظ ایک دوسرے کے بدل ہیں اس لئے ان کی رائے میں اگر غربا کا حوالہ نہ ہو تب بھی مقصد کے فوت ہونے پر منافع غربا کے لیے ہوگا محض صدقہ کے حوالہ سے ہی دواماً مراد ہوتی ہے۔

مسئلہ کلیہ

حاصل کام یہ کہ کوئی بھی اصطلاح جس کا مفہوم دواماً ہو تخلیق وقف کے لیے کافی ہے مثلاً غرباء خداوندی کے لیے صدقہ موقوفہ ”موقوفہ بغرض ثواب“ جہاد یا کفن قبرستان وغیرہ کا حوالہ کافی ہے۔

جب کوئی وقف کسی مختص فرد یا افراد کے طبقہ کے لیے کیا جائے اور عبارت کا مفہوم مثل ”وقف“ یا صدقہ اصل عین یا جائیداد کو دائماً محفوظ کرتا ہو تو یہ جائز اور لازمی ہے۔ ابو یوسف کے مطابق اور ان لوگوں کے ختم ہو جانے پر منافع غربا پر صرف ہوگا اس لئے کہ ہر وقف کے مستحق لینے والے غربا ہی ہیں۔ اور یہ کبھی مفقود نہیں ہوتے اور بقول صدر الشہید فقہائے بلخ بھی اس کے مطابق فتویٰ اور فیصلہ دیتے ہیں۔

فتاویٰ قاضی خان

بقول قاضی خان تخلیق وقف کے لیے واضح اعلان کہ یہ وقف کیا گیا ہے کافی ہے۔ جب کسی محدود مدت کے لیے صدقہ موقوفہ پر کیا جائے اور یہ جواز نہ ہو کہ انقضائے مدت مقررہ کے بعد شے موقوفہ اصل متصرف پر عود کرے گی تو بھی وقف دائماً موثر ہوگا اس لئے کہ حسب رواج اصطلاحاً واقف کا منشا مشتمل بر غربا ہے جو بمنزلہ ایک وقف حقیقی کے ہے۔ لیکن اگر واقف پر عود کرنے کی شرط ہو تو بقول ابو یوسف یہ شرط باطل ہے۔

کلیہ مسئلہ

وقف کی تصریح غایت تمام مذاہب کے مطابق کبھی مفقود نہیں ہوتی۔ اس لئے بقول ابو یوسف غایت کا حوالہ ضروری نہیں۔ جب کوئی واقف کسی خاص مقصد کے لیے وقف کرے اور اس کی نوعیت دوامی ظاہر نہ کرے تو پہلا مقصد معدوم ہو جانے پر

جائیداد غرباء کے لیے ہوگی وجہ۔ یہ ہے کہ مقصد کی وضاحت نہ ہونے پر فقہاء کی بالاتفاق رائے یہ ہے کہ جائیداد غرباء کے کام آئے گی اس لئے کہ وہی اصل مقصد ہونے والے ہیں۔ بقول دارینی صحیح ہے۔

لیکن اگر کسی خاص غایت (یعنی کسی کی آل اولاد) کے لئے وقف کیا گیا ہو اور اس میں مزید کوئی جواز نہ ہو تو بقول ابو یوسف یہ جائز ہے اور اس مقصد کے معدوم ہونے پر غرباء پر سرف ہوگا۔ صاحب الہدایہ نیز ائمہ متقدمین وغیرہ نے بھی اس کی پیروی کی ہے۔ اور بقول صدر الشہید اسی کے مطابق فتوے ملتے ہیں۔

انتصار اسناد

متذکرہ اسناد کا نتیجہ ہے کہ تمام فقہاء کے نزدیک ابدیت ایک لازمی شرط ہے لیکن مقبوضہ اور مسلمہ رائے کے مطابق حسب کلیہ وضع کردہ ابو یوسف بوقت وقف ابدیت کا حوالہ ضروری نہیں ہے۔ اور اسی کی تائید میں فتویٰ بھی ہے۔ بالفاظ دیگر اگرچہ تمام فقہاء اس پر مسر ہیں کہ جائیداد ابداً وقف ہونا چاہئے اور اس سے واقف کا حق ملکیت ہمیشہ کے لیے ٹیچر ہو جانا چاہئے مگر بقول ابو یوسف تحدید ابد کا حوالہ ضروری نہیں ہے۔ نہ یہ ضروری ہے کہ غایت وقف دوامی اور دائمی نوعیت کی ہو۔

قال ابو یوسف اذا سمي جهة منقطع جاز وصار بعدھا للفقراء ان لم یسمہم۔

بقول ابو یوسف ایسے مقصد کے لیے وقف جو معدوم ہونے والا ہو جائز ہے۔ کیونکہ معدوم ہونے پر غرباء ہی استفادہ کریں گے خواہ ان کا حوالہ نہ ہو۔ اور

”یحییٰ“ ابو یوسف بلا ذکر تابد حتی لو وقف علی جهة الوقف انقطاعاً یصح عنده ویكون بعدھا للفقراء لا ویكون للورثة الصحیح۔

ابو یوسف کی رائے میں وقف بلا جواز دواماً بھی جائز ہے۔ لہذا اگر کوئی وقف معدوم ہو جانے والے مقصد کے لیے بھی کیا گیا ہو تو ان کی رائے میں جائز ہے۔ اس لئے کہ مقصد کے معدوم ہونے پر یہ وقف غرباء کے کام آئے گا۔ اور ورثاء واقف کو یہ جائیداد نہیں ملے گی اور یہی صحیح نظر یہ ہے کیونکہ اور بھی بہت سے ایسے مقاصد ہیں جو

معدوم ہو جانے والے ہیں اور اس کے باوجود بھی دیگر ابدی مقاصد کی طرح مستحسن ہیں۔ یہ نایت البیان کی مندرجہ ذیل عبارت کا صحیح مفہوم ہے

قوله - وهو مزعلبه اے التقرب الی اللہ تعالیٰ موخر علی جعل الوقف بحمه منقطع کما هو موثر علی جعله بحمله لا ينقطع یعنی یصل التقرب بهذا لوقف اسی قولہ کما یصل ہذاں الوجه۔

معدوم ہو جانے والے مقصد کے لیے وقف

یعنی جب کسی خاص مقصد کے لیے جو معدوم ہو وقف کیا جائے اور وقف نامہ کی عبارت کا یہ مفہوم ہو کہ وقف اپنی نوعیت میں صدقہ یا فی سبیل اللہ ہے یعنی دوامی ہے تو یہ وقف نہ صرف ابو یوسف بلکہ امام محمد کے مطابق بھی جو ابدی نوعیت کے مقصد کا جواز ضروری سمجھتے ہیں جائز ہے درالختار میں بحوالہ قاضی خاں ہے کہ اگر کوئی شخص محض یہ کہے کہ یہ جائیداد صدقہ موقوفہ کی گئی اور مزید کچھ نہ کہے تو ابو یوسف نیز امام محمد اور بلال کے مطابق وقف جائز ہے اور جب کوئی مقصد مخصوص کر دیا جائے تو بقول ابو یوسف وقف جائز ہے اور اس کے منقود ہونے پر غربا کے کام آئے گا۔ ہدایہ کے مطابق بھی یہ صحیح ہے دیگر کتب ملتقی عنایہ اور قدوری وغیرہ سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے۔

ولو قال موقوفة صدقة او صدقة موقوفة ولم یزد جاز عند ابی یوسف و محمد و ہلال و الصحیح الجواز لان کل الصدقة فی الاصل للفقراء فلا یحتاج الی ذکرہم ولان انقطاعہم فلا یحتاج الی ذکر الا ید ایضاً الخ فهذا صریح فی ان التصریح بالصدقة تصریح بالتأمن فیحوز عندها بلا خلاف قلو عین جاز عند ابی یوسف ثم بعد انقطاعه یعود الی الفقراء کما صحه فی الہدایہ وعلیہ المتون کالقدوری و الملتقی و النہایہ وغیرہ۔

حسب سراج الوہاج، ابو یوسف کے مطابق اگر کوئی شخص کسی ایسے مقصد کے لیے وقف کرے جو معدوم ہو جانے والا ہو تو جائز ہے اس لئے کہ معدوم ہو جانے پر وہ غربا کے کام آئے گا۔ خواہ ان کا ذکر نہ ہو۔ اگر کوئی یہ کہے کہ میں نے یہ صدقہ موقوفہ ابد اللہ تعالیٰ کے لیے فلاں کے بچے اور اس کے بچوں کے بچوں کے لیے کیا ہے۔ خواہ اس نے غریبوں یا ناداروں کا ذکر نہیں کیا تاہم چونکہ یہ صدقہ اللہ کے لیے ہو اس لئے دائمی

قرار دیا جائے گا۔ اور چونکہ جو وقف راہ خدا میں ہوتا ہے وہ بالآخر غربا کے لیے ہوتا ہے۔ پس مندرجہ بالا قول کا مفہوم یہی ہے کہ اس نے غربا کا حوالہ دیدیا ہے۔

وہو يوسف ادا سسی حینہ منقطع حار و صار بعدھا للفقراء وان لم
بسنہ و نزلت من ل يقول جعلتها صدقة موقوفة الله تعالى ابدأ علی ولد فلان و ولد
و نذر و لا يذكر الفقراء و المساكين او ذالك لانه اذا جعل له فقدا بدھا لان يكون به
نصف من نسبه کیں مصادر کما لو ذکر ہم۔

یعنی تسہیل میں بھی ہے کہ اگر یہ کہا جائے کہ میں نے یہ جائیداد اپنے لئے اور
فلان فلان کے لئے صدقہ موقوفہ کرتا ہوں تو اس کا منافع اس شخص کی حین حیات اس
کے کام آئے گا اور اس کے مرنے کے بعد غربا پر صرف ہوگا۔

وہو صدقہ عسی فلان جعله له ما دام حياً فاذا مات بصرف انى الفقراء۔
متذکرہ اسناد سے واضح ہوتا ہے کہ فقہ حنفی کے مطابق لفظ دوام خواہ
بائن است ہو خواہ بالذمنا یہ تخلیق وقف کے لیے ایک شرط لازم ہے اگر بوقت وقف نہ تو
اس کا حوالہ ضروری ہے اور نہ یہ ضروری ہے کہ وقف اصلاً کسی دائمی یا ابدی مقصد کے
لئے ہو۔ اصطلاح وقف یا اس کے مترادف کا مفہوم ہی دوا می ہوتا ہے۔ اس لئے واضح
ترین الفاظ میں یہ اصول منضبط ہوا کہ اگر ابتداء میں وقف کسی معدوم ہونے والے مقصد
کے لیے کیا گیا ہو تو بھی وقف باطل نہ ہوگا۔ بلکہ غربا کے حق میں عود کرے گا۔ اگر
وقف مدت مقررہ کے لیے کیا گیا ہے تو تعیین مدت باطل ہوگی اور وقف بطور دوام کے
موثر ہوگا۔

فصل سوم:- تشکیل وقف کی شرائط

حنفی قانون کے مطابق تفویض قبضہ ضروری نہیں ہے

کسی وقف کے موثر یا لازم ہونے کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ واقف
جائیداد پر قبضہ دے۔ وقف میں تفویض قبضہ مثل بہہ ضروری نہیں ہے۔ محض واقف
کا اعلان جائیداد کے وقف کے لیے کافی ہے اور واقف اسی وقت سے آئندہ کے لیے جائیداد

کا ایک متولی ہوتا ہے۔ وہ اپنی حیات آمدنی جائیداد اپنے مفاد میں محفوظ کر سکتا ہے۔ مگر اس بارہ میں قانوناً ایک واضح شرط ہے وہ یہ کہ اپنی حیات جائیداد کی آمدنی کلیتاً یا جزواً اگر چہ وہ اپنے ذاتی استعمال میں لائے گا تاہم وہ جائیداد بطور وقف اس کے قبضہ میں رہے گی جس کو نہ وہ بیع کر سکتا ہے نہ رہن رکھ سکتا ہے اور نہ کفالت میں دے سکتا ہے اور نہ اس میں کسی طرح کی کمی کر سکتا ہے۔ بصورت دیگر استفادہ کنندگان و وارثان مابعد اس امر کے مجاز ہوتے ہیں کہ جائیداد موقوفہ اس کے قبضہ سے لے کر کسی متولی کے سپرد کر دیں تاکہ وہ جائیداد کا کرایہ و منافع وصول کر کے کام میں لائے۔ اور بقیہ واقف کے سپرد کر دے گو کہ امام محمد کے نزدیک تکمیل وقف کے لیے موقوفہ جائیداد کو دوسری جائیداد سے علیحدہ کر کے اس پر تفویض قبضہ ضروری ہے، مگر ابو یوسف کے مطابق محض اعلان وقف سے ہی آزادی بردہ کی طرح وقف قطعی و لازمی ہو جاتا ہے اور ذاتی ملکیت فوراً ساقط ہو جاتی ہے۔

ابو یوسف کے مطابق فتاویٰ

فتویٰ خلاصہ میں ہے کہ فقہائے بلخ بھی ابو یوسف کے مطابق فتاویٰ صادر کرتے ہیں اور صدر الشہید نے بھی ابو یوسف کے مطابق فتویٰ جاری کرنا بتایا ہے۔ فتح القدیر میں آیا ہے کہ ابو یوسف کی رائے بمنزلہ اصول مسلمہ ہے۔ اور مدیہ میں درج ہے کہ فتویٰ ابو یوسف کے قول کے مطابق ہے اور اسی کو بلخ کے فقہانے تسلیم کیا ہے۔ مگر فقہائے بخارا نے امام محمد کے قول کو اختیار کیا ہے۔

حنفی اصول۔۔ قبضہ دہانی تکمیل وقف کے لیے ضروری نہیں

شرح و قایہ اور ملا خسرو کی شرح (دار الاحکام) میں ابو یوسف کے قول کی تائید میں فتاویٰ کا حوالہ ہے اور بعض مقامات پر فتاویٰ قاضی خان میں درج ہے کہ فتاویٰ ابو محمد کے مطابق ہیں۔ لیکن محیط میں درج ہے کہ ہمارے فقہاء کی کلیت نے ابو یوسف کی رائے اختیار کی ہے اور یہی صحیح ہے۔ یہ امر کہ آیا تکمیل وقف کے لیے متولی کو قبضہ دینا ضروری ہے اس پر بمقدمہ دوم جان بی بی بنام عبداللہ بار بر منفصلہ چیف جسٹس ریان اور جج گرانٹ عدالت عظمیٰ کلکتہ کے ہر دو فاضل ججین نے کافی غور و خوض کے بعد طے کیا ہے۔

چونکہ فاضل چیف جسٹس کا فیصلہ بہت اہم ہے اس لئے اس کو بعینہ نقل کرتا ہوں۔

مقدمہ۔ دو جاننابی بی بی نام عبد اللہ باربر

اس وقت یہ ضروری نہیں کہ واقعات مقدمہ جو کہ دوران تحقیقات ثابت ہو چکے ہیں ان کو دہراؤں۔ مابین طرفین اب امر ممتازہ دستاویز مورخہ کیم مارچ ۱۸۳۱ء کی قریب سے بارہ میں ہے۔ مدعی جائیداد دہندہ کی جانب سے یہ نذر کیا گیا ہے کہ بہ اندیشہ سر۔ دستاویز کو بیہ نامہ قرار دیا جائے۔ اور اسی طرح کارروائی ہذا میں ایک ٹمٹ منتقل ہو سکتا ہے اور مدعی کا مختار دو ٹمٹ پانے کا مستحق ہے۔ یہ بھی استدلال کیا گیا ہے کہ دستاویز مذکور بطور وقف نامہ یا مذہبی غرض کے استعمال کے سلسلہ میں بعض ان امور کی بنا پر ناقص ہے جن کے مطابق دستاویزات کا شرعاً قابل پابندی ہونا لازمی ہے، حسین حیات خود ذاتی استعمال میں نہیں لے سکتا۔ مگر دستاویز متذکرہ اس کے برعکس ہے۔

دوسرے جواز وقف کے لیے متولی کو قبضہ دہی ضروری ہے لیکن معاملہ ہذا میں قبضہ نہیں دیا گیا۔ بلکہ واقف نے خود کو ہی حسین حیات متولی مقرر کر لیا۔ تیسرے یہ بھی نذر کیا گیا کہ ایک واقف عورت حسین حیات خود متولی بن گئی ہے جو کہ شرعاً متولی نہیں بن سکتی۔

مدعا علیہ کی جانب سے جواباً استدلال کیا گیا ہے۔

اول۔ یہ کہ دستاویز متذکرہ وقف ہے نہ کہ وصیت نامہ۔

دوسرے۔ یہ کہ وقف نامہ تمام جائیداد کے بارہ میں ہے اور حسب شرع راد خدا میں ایک جائز وقف ہے۔ نتیجتاً یہ صورت موجودہ فیصلہ مدعا علیہ کے حق میں کیا جائے۔ اول الذکر مسئلہ کے بارہ میں عدالت کو اس سلسلہ میں کہ غلاما کی دلیل نوعیت دستاویز کی بابت کہ وہ عقل سلیم کے عین مطابق ہے کوئی شبہ نہیں۔ ان کے نزدیک یہ دستاویز وقف نامہ ہے کیونکہ خود واقف نے تحریر کیا ہے کہ اس نے حسین حیات کچھ آراشیات اپنے لئے وقف کی ہیں اور دستاویز کے آخر میں لکھا ہے کہ یہ چند سطور بطور تصدیق وقف کی گئی ہیں تاکہ بوقت ضرورت دستاویز مذکور لازماً اور قطعاً قائم رہے۔ غلاما نے مزید تحریر کیا ہے کہ اگر واقفہ یہ تحریر کرتی کہ اس کی موت کے بعد یہ وقف نافذ ہو گا یا دوران مرض الموت وہ یہ وقف کرتی ہے تب تو یہ تحریر وصیت نامہ قرار پاتی۔ یہ

بھی واضح ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ایک عورت بھی فرائض متولی انجام دے سکتی ہے۔ جس کی تائید میں اسناد کے حوالہ کی قطعاً ضرورت نہیں۔

مسز مک نائن کی کتاب کے صفحہ ۳۳۳ کے حاشیہ پر سجادہ نشین اور متولی کا فرق بتایا گیا ہے۔ اس میں درج ہے کہ عہدہ متولی پر عورت مامور ہو سکتی ہے اور اس کا مختار فرائض انجام دے سکتا ہے۔ بمقدمہ مسماۃ فیاضی خانم بنام کلثوم خانم بھی یہی طے کیا گیا ہے کہ تمام فقہاء کے نزدیک کسی بھی عورت کا متولی ہونا جائز ہے۔

بقیہ دو امور جن سے ہمارے سامنے بحث کی گئی۔ اولاً یہ کہ واقف اور متولی ایک شخص ہے دوم یہ کہ واقف نے جزو جائیداد موقوفہ کو حین حیات اپنے استعمال کے لیے محفوظ کیا ہے۔ اس سے مزید شبہ اور مشکل پیدا ہوتی ہے۔ ہدایہ کے ملاحظہ سے ظاہر ہوگا کہ ان دونوں امور پر مستند فقہاء کی رائے میں اختلاف ہے۔ وہ کتاب جس کا میں حوالہ دے رہا ہوں میرے خیال میں اس سے بھی کہیں زیادہ معتبر ہے جتنا کہ اسے ایڈوکیٹ جنرل خیال کرتے ہیں۔ مسٹر ہملٹن نے اس کتاب کی تمہید میں اسے شرع اسلام کی رہنما قرار دیا ہے۔ یہ بارہویں صدی کے ختم پر مرتب ہوئی۔ اس کتاب کا عام رجحان امام اعظم یا ان کے شاگردوں کے اصولوں سے عبارت ہے۔ ان کے شاگردوں میں ممتاز ترین شاگرد ابو یوسف اور ابو محمد تھے۔ ہدایہ میں انہی کے اختلاف آرا (جس کا پہلے سے حوالہ دے رہا ہوں) کے بارہ میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ حسب شرع آیا یہ دستاویز وقف جائز ہے۔ ابو محمد کے نزدیک ایسا وقف جائیداد جس کے جز کو واقف نے حین حیات خود محفوظ کیا ہونا جائز ہے۔ نیز ان کے نزدیک وقف کے جواز کے لیے یہ ضروری ہے کہ نگران یا متولی کو قبضہ تفویض کر دیا جائے۔ مگر ابو یوسف کا ان دونوں امور پر ابو محمد سے اختلاف ہے۔ ہماری رائے میں علماء کے حوالہ اسناد پر غور کرنے کے بعد ہر دو امور پر ابو یوسف کا قول اب بطور مروجہ قانون کے ہے۔ اور مزید حالیہ اسناد میں اب مسلمہ ہے ہدایہ کا مترجم بھی (جس کی رائے اس بارہ میں کسی قدر مستند ہے) صفحہ ۳۱ کے حاشیہ پر ابو یوسف کی رائے کی طرف مائل ہے۔ اور متن کتاب میں بھی اس امر پر کہ آیا جواز ہبہ کے لیے کسی متولی کو قبضہ دینا لازمی ہے یہ بتایا گیا ہے کہ ابو یوسف کا قول عموماً اصول مسلمہ بتایا گیا ہے۔ ہم نے ہمارے علماء کو ان دونوں امور پر اظہار رائے کے لیے توجہ دلائی اور یہ کہا کہ وہ اپنی

رائے میں اسناد کا بھی حوالہ دیں۔ اور ان اسناد کے بارہ میں خواہ مطبوعہ ہوں یا قلمی ہمارے مترجم کو ترجمہ کی ہدایت کی گئی ہے۔ جن اسناد کا حوالہ دیا گیا اگرچہ وہ امام اعظم کے دو فاضل شاکر دوں کے اختلاف رائے سے شروع ہوتی ہے مگر ہمارے خیال میں یہ بالکل واضح ہے کہ موجودہ اصول کے مطابق اور مسلمانوں کے قبیلوں اور فقہاء کے اصول کے مطابق اس مسئلہ میں ابو یوسف کا قول انسب اور مطابق قانون ہے بعض اسناد میں دئے گئے حوالے مطبوعہ ہیں اور ان میں سے خاص طور پر ایک ابو یوسف کے قول کے مطابق ہے۔ اس بارہ میں مجھے یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ اسلامی قانون میں بہت مستند سے میری مراد فتاویٰ عالمگیری سے ہے جو کہ مسلم قانون کے بارہ میں فتاویٰ اور نظائر کا مجموعہ ہے۔ جس کو شیخ تونیان اور دوسرے فاضل علمائے مغل شہنشاہ اورنگ زیب کے حکم سے مرتب کیا تھا۔ میں قیاس کرتا ہوں کہ یہ تالیف سترہویں صدی کے اخیر میں ہوئی تھی۔ اور بصورت موجودہ قانونا مستند ہے۔ عدالت نے علما کو درج ذیل سوالات کے جوابات دینے کے لیے لکھا تھا۔

(۱) آیا حسب شرع امور خیر کے لیے ایسا وقف جائز ہے جس سے حاصل شدہ کرایہ اور منافع واقف نے عین حیات برائے خود مختص کر لیا ہو۔

(۲) آیا جواز وقف کے لیے جائیداد پر قبضہ دہانی اسی اصول کے مطابق جو بیہ پر نافذ ہوتا ہے لازمی ہے۔

(۳) آیا واقف خود کو متولی یا امین مقرر کر سکتا ہے۔

(۴) آیا ایک عورت قانوناً متولی ہو سکتی ہے۔

(۵) آیا دستاویز متازعہ کی نوعیت وصیت کی ہے یا وقف نامہ کی۔

ان سوالات کے درج ذیل جوابات علما کی جانب سے عدالت کو موصول ہوئے۔ سوال اکا جواب اس طرح ہے۔ آراضیات وقف کے سلسلہ میں واقف کا ان کی آمدنی یا منافع کا جزو مخصوص کرنے کی بابت امام ابو یوسف اور امام محمد میں اختلاف ہے۔ ابو یوسف کے نزدیک جائز ہے اور امام محمد اسے ناجائز قرار دیتے ہیں۔ مگر علما کی اکثریت کی رائے ابو یوسف کے حق میں ہے۔ جس کی توضیح شرح وقایہ، فتاویٰ عالمگیری، فتاویٰ قاضی خان اور کافی میں ملتی ہے۔

سوال ۲ کا جواب اس طرح ہے۔ ابو یوسف کی رائے میں جواز وقف کے لیے جائیداد موقوفہ کا متولی کے قبضہ میں دینا ضروری نہیں ہے۔ اس سے گو امام محمد کو اختلاف ہے مگر عام رواج ابو یوسف کی رائے کے مطابق ہے۔ جس کی فتح القدیر، سراج الوباج، ہدایہ اور مدیہ نیز وقایہ الروح سے تائید ہوتی ہے۔ سوال ۳ کا جواب اس طرح ہے۔ واقف کا خود متولی یا نگران ہونا اور آراضی موقوفہ کے مفاد کا ایک جزو اپنے لئے اور اپنی اولاد کی ضروریات کے لیے مختص کرنا جائز ہے۔ ہدایہ قاضی خان اور عالمگیری سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

سوال ۴ کا جواب اس طرح ہے۔ عورت کا متولی ہونا جائز ہے جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری اور دیگر بنیادی کتب سے معلوم ہوتا ہے۔

سوال ۵ کا کہ آیا دستاویز وقف نامہ ہے یا کیا؟ جواب اس طرح ہے۔

اس کے سیاق و سباق سے ہماری رائے میں یہ وقف نامہ ہے نہ کہ وصیت نامہ۔ اس لئے کہ واقعہ لکھتی ہے کہ اس نے چند آراضیات اپنی زندگی میں وقف کی ہیں۔ اور دستاویز کے آخر میں لکھتی ہے۔ ”پس یہ چند سطور بہ طور وقف نامہ میں نے تحریر کی ہیں“ اگر یہ دستاویز وصیت نامہ ہوتی تو یہ تحریر کرتی کہ یہ وقف میرے مرنے کے بعد نافذ ہوگا۔ یا اگر وہ مرض الموت میں ایسا کرتی تو ان دونوں صورتوں میں مذکورہ دستاویز وصیت نامہ ہوتی۔

نامانے اس سلسلہ کی تائید میں درج ذیل اسناد کا حوالہ دیا ہے۔

سوال ۱ کی تائید میں۔ فتاویٰ عالمگیری صفحہ ۱۵۹ سطر ۱۰ تا ۱۲ جب کوئی زمین یا جائیداد وقف کی جائے اور اس کے تمام منافع یا جزو کو واقف تاحین حیات خود مختص کر لے اور خود کے بعد غرباء کے لیے تو بقول ابو یوسف وقف جائز ہے۔ اور بلخ (طبران کا ایک شہر) کے نامانے بھی ابو یوسف کی رائے کو تسلیم کیا ہے۔ اور اسی کے مطابق فتوے صادر کئے ہیں تاکہ لوگوں کو وقف کرنے پر رغبت ہو۔ اسی کے مثل صفحہ لباب اور ملل میں ماما ہے فقط چلپی وقایہ مطبوعہ جو کہ شرح وقایہ کی توضیح ہے صفحہ ۲۴۰ سطر ۲۷-۳۸ ابو یوسف کی رائے میں واقف کی آمدنی وقف کو خود کے لیے مختص کرنا اور خود کو متولی مقرر کرنا جائز ہے مگر ابو محمد کی رائے میں ناجائز ہے۔ فقط

مفتیین کے مفتی اور صدر الشہید کا قول ہے کہ فتویٰ اور ڈگریاں ابو یوسف کے قول کے مطابق ہیں فقط کافی قلمی فرد ۵۶۸ سطر ۶۳۵ کسی واقف کا وقف سے حاصل شدہ منافع نواپنے لئے مخصوص کر لینا ابو یوسف اور مشائخ بلخ کی رائے کے مطابق جائز ہے اور فتویٰ اسی کے مطابق ہی ہے فقط فتاویٰ قاضی خان مطبوعہ صفحہ ۲۰۱ سطر ۵۳۲ بلال کی رائے میں واقف کے لئے یہ جائز نہیں کہ وقف کی آمدنی خود کے لئے مختص کرے مگر ابو یوسف کے نزدیک جائز ہے۔ مشائخ بلخ ابو یوسف کی رائے کو صحیح بتاتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ایسا وقف اور ایسی شرط دونوں جائز ہیں اور بقول صدر الشہید ابو یوسف کی رائے کے مطابق ہی فتوے ہیں۔ فقط۔

سوال ۲ کی تائید میں۔ فتاویٰ قاضی خان مطبوعہ صفحہ ۲۱۲ سطر ۳ تا ۱۳ ابو یوسف کی رائے میں جائیداد موقوفہ کا متولی کو قبضہ دینا ضروری نہیں ہے اس لئے کہ واقف بھی متولی ہو سکتا ہے اگرچہ ضرر نکالنا اس نے اس کا اظہار نہ کیا ہو۔ اور بلخ کے مشائخ نے اس سے اتفاق کیا ہے۔ فقط۔

فتاویٰ عالمگیری صفحہ ۴۰۰ سطر ۱۳ تا ۱۴ جائیداد واقف محض اس کے ان الفاظ سے کہ میں نے اس کو وقف کر دیا ہے واقف کی ملکیت سے خارج ہو جاتی ہے۔ ابو یوسف اور بہرہ۔ امام مالک۔ شافعی۔ احمد بن حنبل اور بیشتر علما اس رائے سے متفق ہیں۔ منیہ میں درج ہے کہ بلخ کے مشائخ کے فتوے بھی اسی کے مطابق ہیں۔ فتح القدیر میں بھی ایسا ہی درج ہے کہ اس رائے کے مطابق فتوے دئے گئے ہیں۔ اور یہی عبارات الوہاب میں لکھا ہے۔ فقط۔

وقایہ البروج قلمی صفحہ ۱۹۷ سطر ۷ تا ۸۔ ابو یوسف کی رائے میں محض اعلان سے ہی حق ساقط ہو جاتا ہے۔ فقط۔

سوال ۳ کے جواب کی مندرجہ بالا اسناد سے تائید ہوتی ہے۔

سوال ۴ کے جواب کی تائید میں درج ذیل اسناد ہیں۔

فتاویٰ عالمگیری مطبوعہ صفحہ ۴۰۵ سطر ۱۱۰ اس سلسلہ میں مرد عورت دونوں مساوی ہیں۔

سوال ۵ کے جواب میں تائید اسناد یہ ہیں۔

فتاویٰ عالمگیری صفحہ ۳۰۰ سطر ۶ تا ۷ امر واقف کی موت پر وقف ان الفاظ سے
نفاذ پذیر ہو میرے انتقال کی صورت میں میرے مکان کو میں فلاں فلاں کی حق میں وقف
کرتا ہوں اور بعد ازاں اس کا انتقال ہو جائے تو جائیداد کا محض ایک ثلث وقف رہے گا۔
اس کتاب کے اسی صفحہ پر سطر ۹ تا ۱۰۔ اس طرح ہے۔

اگر واقف نے دورانِ علالت اس شرط پر وقف کیا ہے کہ وہ اس کی موت کے
بعد نافذ ہوگا اور پھر وہ اسی بیماری میں مر جائے تو اس بارہ میں مندرجہ بالا اصول کے
مطابق عمل ہوگا۔ فقط۔

شے موقوفہ یقینی ہونا چاہئے

شے موقوفہ کا یقینی ہونا وقف کے لیے ایک شرط ہے، مقصد وقف کی غیر یقینی
نوعیت کا کوئی اثر نہیں ہوتا بلکہ غیر یقینی نوعیت وقف کو ناجائز قرار دینے کے بجائے شے
موقوفہ کو وقف کے اصلی مقصد کے قریب تر کر دیتی ہے۔ یعنی غربا کی فلاح جو ہمیشہ
رہنے والے ہیں۔ مگر شے موقوفہ کبھی غیر یقینی نہیں ہونا چاہئے۔ پس اگر کوئی شخص اپنی
آراضی کے کسی جزو کو مختص کئے بغیر وقف کرے تو وہ وقف نافذ ہوگا۔ تا وقتیکہ ملحقہ
واقعات سے یہ یقین نہ ہو کہ وہ کس چیز کو وقف کرنا چاہتا تھا۔ اور تب بر بنائے استحسان
وقف جائز ہوگا۔

اصول

اصول تجبیز۔ اس اصول کے مطابق وقف کا نفاذ کسی افعال و قوعہ پر مشروط نہ
ہونا چاہئے جو کہ واقع ہو یا نہ ہو۔

کسی احتمالی و قوعہ پر منحصر نہ ہونا چاہئے

بہر حال ایسی شرط سے جو فوراً پوری ہو سکتی ہو وقف باطل نہیں ہوتا۔ فقہ کی
کتابوں میں ان دونوں (قانون کے شرطیہ) فقرہوں کی مثالیں کافی تفصیل سے ملتی ہیں اور
ان کے منہبوم کی وضاحت درج ذیل جملوں سے ہوتی ہے۔

مشروط وقف کی مثالیں

فتاویٰ عالمگیری میں فتح القدر کے حوالہ سے ملتا ہے کہ اگر کوئی یہ کہے کہ میرا لڑکا آجائے گا تو میرا یہ مکان وقف ہے اور لڑکا آ بھی جائے تو بھی مکان وقف نہ ہوگا۔ اور اگر کوئی یہ کہے کہ میری یہ زمین صدقہ ہے بشرطیکہ فلاں فلاں شخص آباد ہو اور وہ شخص مولا اپنی آبادی بھی ظاہر کر دے تب بھی وقف باطل رہے گا۔

لیکن اگر شرط ایسی ہو کہ فوراً ہی نافذ ہو سکتی ہو تو وقف جائز ہے۔

مثلاً اگر کوئی یہ کہے کہ اگر یہ مکان میری جائیداد ہو تو میں کارِ ثواب کے لیے وقف کرتا ہوں۔ لہذا اگر وہ مکان اس وقت اسلا اسی کی جائیداد ہو تو وقف جائز ہے۔ کیونکہ شرط حقیقتاً پوری ہو چکی ہے اور توقف محض بولنے کی حد تک ہے۔

دوسری مثال اس طرح ہے کہ ایک ایسا شخص جس کی کوئی چیز گم ہو جائے اور وہ یہ کہے کہ اگر مجھے میری چیز مل گئی تو خدا کی قسم اپنی زمین میں وقف کر دوں گا۔ اور وہ چیز مل جائے تو ایسی صورت میں اس پر لازم ہے کہ وہ زمین کو ان لوگوں کے لیے وقف کر دے جن کو زکوٰۃ دینا اس کے لیے جائز ہے۔ اور ان لوگوں کے لیے وقف نہ کرے جن کو اس زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔ ایسی صورت میں نہ وقف ہی جائز ہوگا اور نہ اپنی قسم سے بری ہوگا۔ دیکر اگر کوئی یہ کہے کہ اس مرض سے میری موت واقع ہو جائے تو میں آراضی وقف کرتا ہوں اس صورت میں یہ وقف جائز نہیں ہے۔ خواہ وہ تندرست ہو جائے خواہ مر جائے لیکن اگر کوئی یہ کہے کہ اگر اس مرض سے میری موت واقع ہو جائے تو میری یہ زمین وقف ہوگی تو یہ جائز ہے کیونکہ یہ بمنزلہ مشروط نفاذ حکم کے ہے۔

شمس الائمہ سرخسی نے باب الوقف کے آخر میں لکھا ہے کہ ایسا وقف جو موت پر مبنی ہو جائز ہے اور مختصر القدری میں درج ہے کہ اگر کوئی وقف واقف کی موت پر مشروط ہو یعنی اگر وہ یہ کہے کہ اگر میں مر جاؤں تو یہ مکان فلاں غرض کے لیے وقف ہوگا تو یہ جائز ہے۔

لیکن اگر کوئی شخص اپنے ہی حق میں وقف کرے تو شے موقوفہ کی بیع اور اس کے منافع کے استعمال کا اختیار خود اپنی ذات تک محدود نہیں رکھ سکتا۔ نہ کوئی وقف معینہ

مدت کے لیے کیا جاسکتا ہے۔

اصول۔ وقف منسوخ نہیں ہو سکتا

جب کوئی وقف کسی جائز مقصد کے لیے کیا جائے اور واقف منسوخی وقف کا اختیار اپنی ذات کے لیے محفوظ رکھے تو وقف جائز ہے اور متفقہ طور پر اختیار باطل ہوگا۔ ابو یوسف کے نزدیک کوئی مختصر مدت اختیار (جیسے تین دن کے لئے) وقف کو ناجائز نہیں کرتی۔ اگر اس غرض میں اختیار استعمال نہ کیا گیا تو وقف قطعی ہو جاتا ہے۔

باب ۹۔ موضوع وقف

فصل اول۔ اصول

ہر وہ شے جس پر قبضہ ہو سکتا ہے یا جس سے مستقل منافع ہو سکتا ہے وقف ہو سکتی ہے شرع میں کسی بھی قسم کی جائیداد کے وقف کرنے کے بارہ میں کوئی پابندی نہیں ہے جب تک کہ خود اسی سے یا وقتاً فوقتاً اس کی تجدید سے یا کسی اور چیز سے تبدیل کر کے مستقل منافع کا امکان ہو پس ہر قسم کی جائیداد خواہ منقولہ ہو خواہ غیر منقولہ یا ہر حقیقی شے جس پر واقعی یا تعبیری طور پر قبضہ ہو سکتا ہو یا قبضہ میں لی جاسکتی ہو یا جس سے تجارت میں منافع یا کاروبار اور سرمایہ کاری ہو سکتی ہو ان سب چیزوں کا وقف جائز اور مناسب ہے۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جواز وقف شے موقوفہ کی نوعیت پر منحصر نہیں ہے بلکہ کسی بھی صورت میں اس سے مستقل مفاد کے امکان پر منحصر ہے یہ مفاد اس چیز کے ساتھ کسی بھی طرح کا معاملہ کر کے ہو خواہ اسے بغرض مفاد کسی اور صورت میں تبدیل کر کے ہو۔ وقف محض ایسی صورت میں غیر موثر ہوتا ہے جب کہ شے موقوفہ کسی طرح بھی فائدہ رساں مقصد میں منتقل ہونے کے قطعاً ناممکن ہو۔ مثلاً کوئی قطعہ آراضی جو بالکل خشک اور بخر ہو جس میں نہ کاشت ہو سکتی ہو اور جو نہ چراہ گاہ یا کسی اور مفید کام میں آسکتا ہو جس کی پیداوار سے وقف قائم رہ سکے تو ایسی آراضی وقف کے لیے ناموزوں ہوگی۔ لیکن ایک ایسی شے جو بذاتہ دوام حیثیت نہیں رکھتی ہو اور استعمال سے ختم ہو سکتی ہو تو وہ فروخت کی جائے گی اور اس کی قیمت حسب رواج کسی بھی مفید مقصد میں اس غرض سے صرف ہوگی کہ اس سے مستقل مفاد حاصل ہو سکے۔ بلا لحاظ اس امر کے کہ اس کی وقتاً فوقتاً تجدید ہو مثلاً اشیائے خوردنی بھی وقف کے لیے مناسب ہیں۔ اس لئے کہ ان کو فروخت کرنے کے بعد ان سے اصولاً قیمت کو کاروبار میں لگایا جاسکتا ہے۔

جب فی الواقع سکوں (درہم و دینار) کو وقف کیا جائے تو ان کو بھی ایسے ہی مقصد میں کام میں لیا جائے گا۔

ہندوستان کی انگریزی عدالتوں میں دو معاملوں میں اس اصول کی رو سے بنیادی تصور کو نظر انداز کر دیا گیا۔ اسی لئے وہ فقہاء کے اس مفہوم کا ادراک نہ کر سکیں جس میں انہوں نے بعض قسم کی منقولہ اشیاء کی دوسری قسم کی اشیاء کے مقابلہ میں وقف کئے جانے کی تاکید کی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ عدالت عالیہ کلکتہ نے ایک مقدمہ میں ابو یوسف کے قول کو مذہبی اہمیت دیدی۔ اگرچہ مسلم فقہاء بالاتفاق رائے ان کے اصول کو سنا اختیار نہیں کرتے۔ بہر حال اس فتویٰ کا تجزیہ محض تمثیلاً ہے نہ کہ محدود کرنے کے لیے۔ ہمیں یہ بھی فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ جب ابو یوسف کسی شے کے لیے ناجوازی وقف کا فتویٰ دیتے ہیں تو ان کا مفہوم یہ نہیں ہوتا کہ شے موقوفہ باعتبار اپنی نوعیت کے وقف کے لیے ناجائز ہے۔ بلکہ اس قیاس کی بنا پر ناجائز بتاتے ہیں کہ شے متعلقہ ایسی دائمی نوعیت کی نہیں ہے جو مستعمل ہونے پر مستقل منافع دے سکے۔ ایسی اشیاء جنہیں مسلمان شرعاً نہ تو خرید سکتے ہیں نہ جمع کر سکتے ہیں جیسے لحم خنزیر یا منشیات ان کو شرعاً وقف نہیں کیا جاسکتا۔ حالانکہ وہ غیر مسلموں کو فروخت کی جاسکتی ہیں۔ ابتدائی دور میں شے موقوفہ کا بنیادی تصور کے مطابق ہونے کا معیار یہ تھا کہ وہ کسی بستی میں وقف کرنے کے سلسلہ میں مروج رہی ہو۔ خواہ وہ رواج کسی بھی حد تک ہو۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ چیز اس بستی کے باشندوں کے آپسی معاملات کا روبرو میں استعمال ہوتی تھی۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو اسکی خرید و فروخت نہیں کر سکتے تھے اور نہ اس کی تجدید سے مستقل منافع حاصل کر سکتے تھے اور نہ اس کی فروخت سے حاصل شدہ قیمت کسی مصرف میں لگائی جاسکتی تھی۔

اسناد کی وضاحت کے لیے یہ ابتدائی حوالے مفید ہوں گے۔

مشاع کے موضوع پر درالمنہار میں منقولہ اشیاء کے وقف کے بارہ میں درج ذیل عبارت ہے ”اس طرح تمام منقولہ اشیاء کا وقف جائز ہے جو کہ قصد اوقف کی گئی ہوں مثلاً بھالے کلباڑیاں حتیٰ کہ درہم و دینار بھی بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ اس بارہ میں بادشاہ کا قاضی کے نام فرمان بھی ہے کہ درہم و دینار کے وقف کو جائز قرار دیا جائے۔ جیسا کہ منشی ابو سعود کے احکام میں درج ہے ایسے ہی ہر وہ چیز جو کہ ناپی یا تولی جاسکے نیز

تمام چیزیں فروخت کی جائیں گی اور حاصل شدہ قیمت مضاربت یا بغضاعت میں صرف ہوگی۔ اس طرح اگر کوئی شخص بڑی مقدار میں گندم یا جو اس شرط پر وقف کرے کہ متولی انہیں کبھی کا شکار کو ہونے کے لیے قرض دیدے اور فصل تیار ہونے پر واپس لے لے اور پھر اسی طرح دیتا رہے تو خلاصہ کے مطابق یہ جائز ہے۔ دیگ۔ کڑھو۔ تابوت۔ کنس کا کپڑا کلام پاک کے نسخے اور دوسری نام کتابوں کا وقف جائز ہے اس لئے کہ ان کا نام رواج ہے اور حدیث کے مطابق بھی ہے کہ جس شے کو مسلمان پسند کرتا ہے وہ اللہ کے نزدیک بھی پسندیدہ ہے۔ بحر الرائق میں کشتی و جہازوں کے وقف کو اثاثہ کے وقف کی طرح ایک ہی زمرہ میں رکھا ہے اگرچہ اس کا نام رواج نہیں ہے۔

کشتیوں اور جہازوں کا وقف جائز ہے

امام حنبل کے حوالے سے بحر الرائق میں درج ہے منصف ملتقى الابحار لکھتے ہیں کہ ہمارے زمانے میں جہازوں کے وقف کا رواج ہے۔ طحاوی نے اپنی شرح میں بتایا ہے کہ مساجد میں صورتوں اور اسلحات جنگ کے جواز کے بارہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے اس لئے کہ اس کی تائید میں بہت سے ثبوت اور احادیث ہیں بقول ابو محمد تمام منقولہ اشیاء کا وقف جائز ہے بشرطیکہ ان کا رواج ہو مگر ابو یوسف کی رائے اس کے برعکس ہے۔ مجتہبی میں آیا ہے کہ امام محمد کے نزدیک تمام منقولہ اشیاء کا وقف جائز ہے لیکن ابو یوسف کے نزدیک صرف اس صورت میں جائز ہے جب کہ ان کا رواج ہو۔ اگرچہ نہر القائق کی عبارت سے یہ اخذ ہوتا ہے کہ محض ان اشیاء منقولہ کا وقف جائز ہے جن کا ان مقامات پر رواج ہو مگر مفتی ابو سعید کی رائے میں ایسی کوئی پابندی نہیں ہے۔

اسی منصف نے وقف کی دوسری شرائط پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ دوسری شرط یہ ہے کہ شے موقوفہ وقف کے مناسب ہونا چاہئے۔ صحیح اصول کے مطابق منقولہ وغیر منقولہ ہر دو قسم کی اشیاء وقف ہو سکتی ہیں۔ اول الذکر میں ہر وہ شے شامل ہے جو رسم و رواج کے مطابق وقف ہوتی ہو۔ مثلاً کلام پاک کے نسخوں اور کتب احادیث کا وقف جائز ہے اس سے ظاہر ہے کہ اگرچہ مصر کے قرب و جوار میں رائج الوقت سکوں کے وقف کا رواج نہ ہوتے ہوئے بھی ممالک روم (ترکی سلطنت) میں

درہم و دینار کا وقف مروج ہے اور جائز ہے زر نقد یعنی درہم و دینار کا وقف یا زر نقد کے مساوی کا وقف کیا جائے تو وہ مضاربت (کاروبار) میں لگایا جائے گا اور اس کی آمدنی اغراض وقف پر صرف ہوگی ارتقائی قانون کا تصور اس امر سے ظاہر ہوگا کہ اگرچہ طحاوی کے زمانہ میں مصر میں زر نقد کا رواج نہ تھا لیکن اب وہاں بھی یہ بقیہ تمام مسلم دنیا کی طرح رائج ہے اب مصر میں نہ صرف زر نقد کا ہی وقف ہوتا ہے بلکہ کمپنیوں کے حصص تمسکات اور بونڈ بھی عام طور پر وقف کئے جاتے ہیں۔

ہدایہ اور درالمختار کی تالیف کی درمیانی مدت میں جو قریب تین سو سال کے ہے قانون کے نظریات میں ترقی ہوئی ہے۔ ہدایہ کے مطابق کسی غلام کا وقف ناجائز ہے اس لئے کہ اس میں دوام نہیں ہے۔ لیکن درالمختار کے مطابق یہ جائز ہے اس لئے کہ اگر کوئی شخص اس غلام کو عداً قتل کر دے تو قاتل کا قصاص نہیں ہونا چاہئے بلکہ دیت یعنی غلام کی قیمت اس سے لے لینا چاہئے۔ تاکہ اس کے بجائے دوسرا خریدا جاسکے اس سے ظاہر ہے کہ پندرہویں صدی عیسوی میں خزینۃ المفتین میں اشیائے منقولہ کے وقف کے بارہ میں یہ اصول وضع کیا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص زر نقد یا اشیاء خوردنی یا کوئی بھی وہ چیز جو کہ وزن یا پیمائش کی جاسکے وقف کرے تو بقول امام زفریہ جائز ہے۔ جب ان سے دریافت کیا گیا کہ ایسی چیزیں کیسے وقف ہو سکتی ہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ بذریعہ مضاربت تجارت میں لگایا جاسکتا ہے اور اس سے جو کچھ منافع ہو وہ اغراض وقف میں جمع کیا جائے۔ اور وزن یا پیمائش ہونے والی اشیاء فروخت کر دی جائیں۔ اور زر نقد تجارت میں لگادیا جائے فقہاء کی بھی یہی رائے ہے۔ اس کی تمثیل اس طرح ہے۔

اگر کوئی واقف یہ کہے کہ اتنی مقدار میں گیہوں کاشت کے لیے غربا کو ادھار دیا جائے اور فصل تیار ہونے کے بعد اسی مقدار کے برابر ان سے واپس لیا جائے اور یونہی ہمیشہ غربا کو ادھار دیا جاتا رہے گا تو یہ جائز ہے اسی کے مطابق بہت سے اوقاف ساوند اور خوشحالی فارس کے کوہستانی خطوں میں پائے جاتے ہیں۔

اس سلسلے میں یہ ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ حنفی دنیا میں امام زفر کو مجتہد مانا جاتا ہے جو اصول و وضع شرع وضع کر سکتے ہیں۔ ابو یوسف اور امام محمد کے بعد انہی کا نام آتا ہے۔ یہ میں بعد میں تفصیل سے بتاؤں گا کہ امام زفر یا کسی بھی دوسرے امام کے وضع کردہ

اصول کی پیروی کرنا مسلمان بیع کی صواب دید پر ہے کہ جہاں تک بھی اس کی منکرانہ رائے میں ضرورت زمانہ یا اغراض انصاف کے ہم آہنگ معلوم ہوتے ہوں۔

قاضی خاں نے شمس الائمہ سرخسی جیسے فقیہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ اشیاء منقولہ کا وقف جائز ہے البتہ رسم و رواج سے یہ متیقن ہو سکتا ہے کہ کون کون سی اشیاء کا وقف ہو سکتا ہے۔ کنن کے کپڑے اور کتابوں کا وقف تمام فقہاء کے نزدیک جائز ہے۔ کائے کے دودھ کا بھی وقف بر بنائے رواج جائز ہے اور زر نقد کا بھی وقف جائز ہے اور یہ تمام چیزیں کاروبار میں لگائی جائیں گی اور ان سے حاصل شدہ منافع اغراض وقف پر صرف ہوگا۔ ٹھیک اسی طرح گیبوں کی مقدار بھی وقف ہو سکتی ہے۔

در المختار کے محول پیرے پر تنقید کرتے ہوئے رد المختار نے بتایا کہ جائیداد غیر منقولہ کی ذیلی اشیاء کا وقف بلا اختلاف رائے ابو یوسف و ابو محمد جائز ہے۔ اسی طرح اسلحات جنگ اور گھوڑوں کے جواز وقف کے بارہ میں بھی کوئی اختلاف نہیں ہے کہ یہ عام متعارف ثبوت کی رو سے جائز ہیں۔ ان دونوں ہی منقولہ اشیاء کے سلسلہ میں متذکرہ بالا چیزوں کو چھوڑ کر اختلاف ہے۔ بقول ابو یوسف ہر منقولہ شے کا وقف جائز نہیں ہے مگر بقول امام محمد جائز ہے جب کہ رواج ہو اور یہی اصول تمام ملکوں کے فقہاء کی اکثریت نے اختیار کیا ہے۔ ایسا ہی ہدایہ میں ہے۔ اسعاف میں بھی یہی بتایا گیا ہے۔

اشیاء منقولہ کا وقف بغیر کسی پابندی کے جائز ہے

مجتہبی میں بھی سیر کے حوالہ سے درج ہے کہ امام محمد کے نزدیک منقولہ اشیاء کا وقف بلا کسی پابندی کے جائز ہے اور ابو یوسف کے نزدیک صرف ان اشیاء کا وقف جائز ہے جن کا رواج ہو۔ بحر الرائق میں بھی اس کا حوالہ ہے اور یہ کہ اول الذکر صورت تو عام طور پر متعارف ہے۔ خلاصہ میں زر نقد کے جواز وقف کا اصول انصاری کے حوالے سے بتایا گیا ہے۔ یہ زفر کے شاگرد تھے خایہ میں زفر کا حوالہ بتایا گیا ہے کہ شتر یا مالہ کی سند پر زفر کا حوالہ ہے۔

درہم و دینار کا وقف۔ امام محمد کے مطابق فتویٰ

مصنف نے نسخ الغفار کے حوالے سے لکھا ہے کہ ممالک روم اور دوسرے

ملکوں میں اس کا رواج ہے پس زر نقد کا وقف امام محمد کے قول کے مطابق جس پر کہ سوئی بھی ہے یہ کہ ہر وہ شے جس کے وقف کا رواج ہو اس کا وقف جائز ہے اور صحیح ہے پس یہ ضروری نہیں ہے کہ اس کے جواز کے لیے امام زفر کے قول کو انصاری کے حوالے سے ہی درج کیا جائے۔ پس مولانا صاحب البحر (مصنف بحر) کا بھی یہی فتویٰ ہے کہ درہم و دینار کا وقف جائز ہے۔ اور اسکے برعکس کسی اصول کا حوالہ نہیں دیا ہے نسخ الغفار میں آیا ہے کہ بقول رثی درہم و دینار کو ان اشیاء میں شامل کرنا جن کے وقف کا رواج ہے مشتبہ ہے اس لئے کہ وہ اشیاء نہیں کہ جن سے ملکیت واقف میں رہتے ہوئے بھی منافع حاصل کیا جاسکے۔ مصنف بحر کے فتوے میں بلا کسی اختلاف رائے کے حوالے کے یہ ثابت نہیں ہے کہ درہم و دینار کا وقف امام محمد کی اس رائے میں آجاتا ہے جس پر کہ فتویٰ ہے کہ تمام اشیاء مروجہ کا وقف جائز ہے اس لئے یہ ممکن ہے کہ صاحب الخیر نے زفر کی رائے سے اتفاق کر لیا ہو اور اس کے مطابق فتویٰ دیدیا ہو وہ لکھتے ہیں کہ میں مصنف ردالمحتار کو بتانا چاہتا ہوں کہ درہم و دینار زر نقد محض اس لئے مختص نہیں ہیں کہ ان کا خاص طور پر حوالہ دیا گیا ہے۔ لیکن چونکہ ان کو ان کی خصوصی نوعیت میں برقرار رکھتے ہوئے ان سے کوئی منافع نہیں ہو سکتا اس لئے ان کو اس خصوصی نوعیت میں نہیں رکھا جاسکتا۔ لہذا ان کا عوض جو ان کا بدل ہو ان کے بجائے ہوگا۔ پس ان کو ہمیشہ کے لیے دوا می سمجھنا چاہئے۔ اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ جائیداد منقولہ میں سے ہیں۔ پس وہ اشیاء جن میں کہ لین دین ہوتا ہے بقول ابو محمد ان کا وقف جائز سمجھا جائے گا۔ اور یہی وجہ ہے کہ امام محمد نے ان اشیاء کا حوالہ دیا ہے جن کا خود ان کے زمانے میں لین دین ہوتا تھا۔

فتح القدر میں ہے کہ امام محمد کے اس نظریہ کی بنا پر فقہانے اس اصول کا ان دیگر اشیاء پر بھی اطلاق کیا ہے جس کا انہوں نے لین دین دیکھا۔ خلاصہ میں آیا ہے کہ گائے کا وقف بھی اگرچہ نہیں کا دودھ مسافروں کو دینے کا رواج ہو تو جائز ہے۔

انصاری سے جو امام زفر کے شاگرد ہیں دریافت کیا گیا کہ آیا درہم یا ایسی چیزوں کا وقف جو وزن کی جاتی ہوں جائز ہے۔ تو انہوں نے اثبات میں جواب دیا اور اس سوال کے جواب میں کہ یہ کیسے کیا جائے؟ جواب دیا کہ روپیہ مضاربت میں لگایا جائے یا بضاعت میں خرچ کیا جائے۔ بقول مصنف یہ اس تمثیل پر جائز ہوگا مثلاً گیہوں کی کچھ مقدار اس

شرط پر وقف کی جائے کہ وہ ایسے غریب خاشاکاروں کو جو بیخ نہ خرید سکتے ہوں ادھار دیدیا جائے اور درود فصل کے بعد دو گیسوں واپس کر دیں اس طرح یہ نفلہ ہمیشہ دوسروں کو دیا جاتا رہے۔ دماوند اور رے کے قریب میں ایسے کئی مواضع ہیں۔ اس سے مصنف تنویر کا قول صحیح ثابت ہوتا ہے کہ درہم و دینار کا وقف امام محمد کے اصول میں شامل ہیں جس پر کہ یہ فتویٰ ہے کہ منقولہ اشیاء کا حسب رواج وقف کرنا جائز ہے۔ زرفند کے جواز کی خاص طور پر امام زفر سے منسوب کرنے کی وجہ یہ تھی کہ ان کے زمانہ میں اس کا رواج نہ تھا۔ انہوں نے ہی ابتداء اس اصول کو نافذ کیا۔ فی الحال دیار روم میں زرفند کے وقف کا نام رواج ہے۔

تمام فقہاء کے نزدیک یہ مطابق فتح القدیر ہر قسم کی اشیاء منقولہ کا وقف جو نوع انسانی کے عام استعمال میں آتی ہوں جائز ہے۔ بقول شافعی ہر وہ چیز جس کی بیع جائز ہو اور وہ چیز جسکی وقتاً فوقتاً بذریعہ تجدید یا کسی اور طرح اس سے منافع حاصل ہوتا ہو وہ جائز طور پر وقف کی جاسکتی ہے۔ اور یہی امام مالک نیز احمد بن حنبل کی رائے ہے۔ زیورات بھی وقف کئے جاسکتے ہیں کیونکہ حضرت عمر کی صاحبزادی حضرت حفصہ نے کئے ہیں۔ امام زفر کے شاگرد انصاری سے جب پوچھا گیا کہ آیا زرفند یا ہر وہ چیز جو تولی یا ناپی جاسکے ان کا وقف جائز ہے تو انہوں نے اثبات میں جواب دیا اور کہا یہ وقف کئے جاسکتے ہیں۔ اس سوال کے جواب میں کہ ایسی اشیاء کیسے وقف کی جاسکتی ہیں انہوں نے جواب دیا کہ ان سے حاصل شدہ رقم کاروبار میں لگائی جائے۔ اور اگر یہ کوئی شے ہو تو فروخت کر دی جائے۔ اور اسی طرح اس کا زر قیمت وقف میں استعمال کیا جائے گا۔ دوسری کتب فقہ میں بھی یہی اصول وضع کیا گیا ہے۔ مثلاً علامہ عینی کی تصنیف زمر الحقائق میں وضاحت کے ساتھ آیا ہے کہ اشیاء منقولہ کا وقف جیسے گھوڑے، اسلحہ جنگ، کڑھاؤ، کنن کلام پاک کے نسخے اور کتب فقہ وغیرہ کا وقف جائز ہے اس لئے کہ ان اشیاء کی ضرورت سماجی حالات کی بناء پر مسلمہ ہے۔ واجزا لکیط میں ہے کہ ہر وہ شے منقولہ جس کے وقف کا رواج ہو قانوناً اس کا وقف جائز ہے پس درہم و دینار کا وقف اگر وہ مروج ہو تو جائز ہے مزید برآں امام شافعی کے مطابق ہر وہ شے جس کا قانوناً لین دین ہو اور فروخت ہو سکتی ہو اس کا وقف جائز ہے۔ اس بارہ میں صرف سنی امام ہی متفق رائے نہیں ہیں بلکہ شیعہ مجتہدین بھی متفق ہیں جو

کہ منقولہ وغیر منقولہ ہر دو قسم کی اشیاء کے وقف کو جائز قرار دیتے ہیں۔

بمقدمہ فاطمہ بی بی بنام عارف اسماعیل جی بھام بظاہر مندرجہ بالا اسناد عدالت

عالیہ کلکتہ کے سامنے پیش نہیں ہوئے۔

عدالت عالیہ الہ آباد نے اس فاضلانہ فیصلہ کے ماخذ کا بہت غور سے جائزہ

لینے کے بعد اس فیصلہ سے اختلاف کرتے ہوئے طے کیا کہ حسب شرع شے منقولہ کا

جس میں کہ زر نقد بھی شامل ہے وقف جائز ہے۔ نیز عدالت عالیہ کلکتہ نے بھی مقدمہ

سیکنہ خانم بنام لڈن صاحبہ اسی رائے سے اتفاق کیا ہے۔

بمقدمہ بانو بنام نرسنگ راء عدالت عالیہ بمبئی کے فاضل ججان نے اس امر پر

اظہار رائے کرتے ہوئے کہ اشیاء منقولہ اور زر نقد کا وقف حسب شرع جائز ہے لکھا ہے

کہ یہ امر کہ آیا اس قسم کی اشیاء کا وقف جائز ہے ہماری رائے میں اشیاء منقولہ کے وقف کو

دور حاضرہ میں جمع شدہ سرمایہ کی فہرست سے علیحدہ کرنے کی کوئی باوزن دلیل نہیں ہے۔

سرکاری تمسکات وغیرہ کا وقف جائز ہے

اشیاء منقولہ مع زر نقد کے جواز وقف کی بابت سنی اصول کا اعادہ تسہیل جوہرہ

النیرہ غایت البیان اور دیگر تصانیف میں کیا گیا ہے۔ ان اصولوں کے مطالعہ سے ظاہر ہوگا

کہ حنفی قانون کے مطابق سرکاری، تمسکات کمپنیوں کے حصص اور دیگر دستاویزات زر

نقد کا وقف قطعاً صحیح اور جائز ہے۔

ایک یادو قدیم حنفی فقہائے بعض قسم کی اشیاء منقولہ کے جواز وقف کے بارہ

میں کچھ اشیاء کی تفریق کے بارہ میں جو شک ظاہر کیا تھا وہ دراصل معاشرہ کے ابتدائی

قدیم حالات کا نتیجہ تھا اور عام طور پر یہ نظریہ اس امر پر مبنی تھا کہ دوامیت جواز وقف

کے لیے لازمی ہے جو عام طور پر اشیاء منقولہ کے وقف میں ممکن نہیں ہے۔ لیکن جوں

جوں مسلمانوں کے طبقات نے تہذیب میں ترقی کی اور تجارت کو فروغ دیا بالا اتفاق یہ تسلیم

کیا جانے لگا کہ ہر اس شے کا وقف جو نوع انسانی کے لین دین میں آتی ہے یا جس کا کسی خاص

علاقہ میں رواج ہو جائز ہے۔ صاحب نظر نقاد یہ محسوس کئے بغیر نہ رہے گا کہ رسم و رواج

شرع میں ایک لازمی جزو ہے۔ مثل استحان (وسیع توضیح) کہ اس سے فراخی کا اظہار ہوتا ہے

اور مختلف طبقات کو باوجود قانونی بندش کے ترقی اور نشوونما کا موقع ملتا ہے۔

اصول

بب ایسی اشیاء کا وقف کیا جائے جو کہ وزن یا پیمانہ کی جاسکتی ہوں مثلاً غلہ یا کپڑے تو ان کو فروخت کر دیا جائے گا اور ان کی حاصل شدہ قیمت تجارت اور کاروبار شراعت میں صرف ہوگی ایسی اشیاء امانت برائے وقف کا وقف بھی غرباء کو قرض دینے کے لیے موثر ہوگا۔ گزبہ کا جس میں کہ غرباء کے لیے لشکر تیار ہوتا ہے اور اسی طرح کے دوسرے یرتنوں کا وقف جائز ہے۔

بب عام رواج ہو تو حسب شرع اہم پر قیاس نافذ نہیں ہوتا۔ یہ قول کہ رواج قیاس کو رد کرتا ہے اس سے فقہاء کا یہ منشا ہے کہ حسب قیاس دوامیت وقف کی لازمی شرط ہے اور شے منقولہ دائما قائم نہیں رہ سکتی۔ پس شے منقولہ کا وقف بادی النظر میں جائز نہیں۔ مگر حالیہ رواج کے مطابق بقول ردالمحتار جہاں بھی اس قسم کی شے منقولہ کے وقف کا رواج ہو وہ جائز ہوگا۔ خواہ صحابہ کے زمانہ میں ایسا رواج نہ رہا ہو۔ پس اس سے ظاہر ہے کہ اشیاء منقولہ کا وقف حالات زمانہ و معاشرہ کی ضرورتوں اور لوگوں کے رسم و رواج پر منحصر ہے۔ اس اصول کے مطابق آرائسی سے منافع اور ان سے حصول آسائش کے حق کا وقف بھی جائز ہے۔

کتابوں کا وقف

اسی طرح کتابوں کا وقف بھی جائز ہے۔ جب کلام پاک کے نسخوں کا وقف کسی خاص مسجد کے طلباء کے لیے کیا جائے تو ان کی صرف اسی مسجد میں تلاوت ہوگی۔ وہ کسی دوسری جگہ منتقل نہیں ہو سکتے اسی طرح جب کتابوں کا وقف کسی خاص علاقہ کے لوگوں کے لیے مختص طور پر کیا جائے تو وہ کتابیں دوسری جگہ منتقل نہیں ہو سکتیں۔

کپڑوں کا وقف

غرباء کے لیے گرم کپڑوں کا وقف کرنا بھی کہ وہ سردی میں انہیں پہن کر واپس لوٹادیں جائز ہے۔ یہاں یہ بتانا ضروری ہے کہ الفاظ رسم و رواج جب کسی شے منقولہ کے

وقف کے سلسلہ میں استعمال ہوں تو ان سے انگلش لا کی اصطلاح کشم کا مفہوم نہیں ہوتا۔ اور نہ حسب شرع رسم و رواج کو ثابت کرنے کے لیے اس قسم کی شہادت کی ضرورت ہے جیسی کہ انگلش لا کے مطابق کشم کے لیے ضروری ہوتی ہے۔ قاضی کو یہ دیکھنے کی ضرورت نہیں ہے کہ ایسی اشیاء کے وقف کا رواج کب سے چلا آ رہا ہے۔ بلکہ اس امر کو طے کرتا ہے کہ آیا شے موقوفہ سے نوع انسانی کو لین دین کے ذریعہ سے فائدہ دائمی پہنچ سکتا ہے۔ دوم یہ کہ آیا اس شے کا وقف تسلیم کر لیا گیا ہے۔ یا جس مقام پر کہ وقف کیا جا رہا ہے وہاں کے لوگوں میں ایسی اشیاء کے وقف کا عام رواج ہے اگر ایسا وقف شاذ و نادر بھی ہوا ہو تو بھی قاضی اس کو ملحوظ رکھے گا کہ وقف کا استعمال بلا واسطہ غایت خیر کے لیے ہو اور مزید یہ کہ شے موقوفہ اس لائق ہو کہ اس کے استعمال سے انسانوں کی مروجہ اغراض پوری ہو کر مستقل مفاد حاصل ہو سکتا ہو۔

فصل دوم :- زر نقد اور اشیائے منقولہ کا وقف عام ہے

زر نقد کا وقف

بمقدمہ کلثوم بی بنام غلام حسین قاسم عارف عدالت عالیہ کلکتہ نے سماعت ابتدائی میں طے کیا کہ شرعاً تجارتی کمپنیوں کے حصص کا وقف جائز نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں ادباً یہ بتانا ہے کہ یہ فیصلہ اصول کی ایک غیر صحیح اور بے جا تعبیر کا نتیجہ ہے جس کی اسناد سے تائید نہیں ہوتی بلکہ شرع کے ایک مسلمہ اور طے شدہ مسئلہ کو مختلف فیہ کرنے کے مترادف ہے۔ گو اس طرح ابو یوسف کے فتوے پر انحصار کیا گیا ہے لیکن احناف میں جو اصول مروج ہے اس کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ ہدایہ میں ہے کہ تمام ممالک کے فقہاء ابو محمد کے فتوے کی پیروی کرتے ہیں۔

اس بارہ میں کوئی شبہ نہیں کہ جمع شدہ زر نقد اور تجارتی کمپنیوں کے حصص حسب شرع مال کی تعریف میں آتے ہیں چونکہ وہ لائق تجدید ہیں اس لئے مال متقوم ہیں یعنی ایسی چیز جس پر کہ حقوق ملکیت عائد ہو سکیں۔ نیز چونکہ ان کے ذریعہ عام طور پر لین دین ہو سکتا ہے اس لئے خارج از تجارت نہیں ہیں مزید برآں یہ کہ بطور حصص یا کسی

دوسرے طریقہ سے روپیہ لگانے سے مستقل فائدہ ہوتا ہے یا ہو سکتا ہے اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تجارتی کمپنیوں کے حصص کا وقف کس طرح ناجائز ہے۔ عدالت عالیہ کلکتہ نے مقدمہ مذکورہ میں جو وجہ بتائی ہے وہ غور طلب ہے۔

اول تو بظاہر یہی قیاس ہوتا ہے کہ حسب شرع زر نقد یا وہ روپیہ جو کاروبار میں لگا ہوا ہے اس کا وقف جائز ہے۔ حالیہ مسنف نے ایک نیا اصول وضع کر کے اجتہاد کے فرائض انجام دئے ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ لفظ اجتہاد کے مفہوم میں کچھ غلط فہمی پیدا ہو گئی ہے۔ اسی لفظ سے اصول کی ارتقائی تشکیل کے مفہوم کی نشاندہی ہوتی ہے۔ اگرچہ حنفی فقہاء کے مطابق تیسری چوتھی اور پانچویں صدی سے نئے اصول کی توضیح ممنوع ہو گئی لیکن قدیم اصول و قواعد کے بابت ایسی کوئی پابندی عائد نہیں کی گئی کہ زمانہ کی ضروریات اور سماجی ترقیوں کے مطابق ان کی ترمیم نہ کی جائے۔ بلکہ اس کے برعکس قاضی مجاز ہے کہ ان قانونی اصولوں کی وسیع تعبیر کرے اور ان کو انصاف و مصالح وقت کے مطابق زیادہ سے زیادہ ہم آہنگ کرتے ہوئے استعمال کرے۔ دوسرا قابل توجہ امر یہ کہ یہ قیاس کر لینا غلط ہے کہ حنفی مذہب میں ابو یوسف کی آرا تمام مسائل میں امام محمد کی آراء کے مقابلہ میں زیادہ مستند ہیں۔

خاص خاص شمار حسین قانون کی آرا میں بصورت اختلاف فیصلہ کا طریقہ

حنفی اصول کے مطابق ہمیشہ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اگر کسی مسئلہ کی بابت امام ابو یوسف اور امام محمد میں اختلاف رائے ہو تو مسلمان حج کو اختیار ہے کہ ان میں سے کسی کی بھی رائے کو جو انصاف اور حالات زمانہ سے قریب تر ہو اختیار کرے۔ اور یہی کلیہ تمام فقہاء کی آرا میں اختلافی صورت میں قابل عمل ہے۔

درالمنہار میں ہے کہ حنفی حج ابو یوسف یا ابو محمد کی رائے کے مطابق ڈگری صادر کرنے کا مجاز ہے۔ مزید برآں اگر کسی خاص مسئلہ کے متعلق دو مساوی صحیح فتوے ہوں تو ان میں سے کسی ایک کے مطابق ڈگری صادر کرنا جائز ہے۔ اس سلسلہ میں ردالمنہار کی تشریح مفید اور اہم ہے اس امر کی وضاحت کے بعد حنفی حج کو اس امر کی اجازت ہے کہ وہ ابو یوسف، ابو محمد یا کسی بھی دوسرے حنفی امام کی رائے اختیار کر سکتا ہے اس لئے کہ یہ

سب امام ابو حنیفہ بانی مذہب کے پیرو ہیں۔ یوں لکھتے ہیں کہ اس حوالہ کے بعد کہ جب دو قول صحیح ہوں یعنی جب ہر دو امام مساوی طور پر صحیح ہوں تو حج کسی کے بھی قول کے مطابق ڈگری صادر کر سکتا ہے لیکن اگر ایسا نہ ہو تو افضل یہ ہے کہ اصح قول کو اختیار کیا جائے۔ مثلاً کوئی صحیح قول ہو لیکن دوسرے قول کی تائید میں فتویٰ بھی ہو تو ان دونوں میں موخر الذکر صحیح تر (اصح) ہے۔ اور اگر کتب فقہ یا متفقہ احادیث میں کوئی قول ہو یا اکثریت کا اس پر اتفاق ہو یا وہ عوام کی ضروریات سے زیادہ ہم آہنگ ہو تو اس قول کو اس کے برعکس کے بجائے قبول کرنا سب سے بہتر ہے۔ خواہ وہ برعکس قول بھی صحیح ہو۔ جیسا کہ میں کتاب کے ابتدا ہی میں بتا چکا ہوں۔

حج انصاف و ضروریات زمانہ کے مطابق فیصلہ کرے

اگرچہ حج اس امر کا مجاز ہے کہ دونوں میں سے کسی ایک قول کے مطابق فیصلہ صادر کرے لیکن اگر کسی مسئلہ کو اس نے کسی ایک قول کے مطابق طے کر دیا ہو تو وہ اس امر کا مجاز نہیں ہے کہ اسی نوعیت کے مسئلہ کو پھر کسی دوسرے قول کے مطابق طے کرے خواہ کسی دیگر معاملہ میں وہ ایسا کر سکتا ہو۔ اور یہی قواعد مفتیوں پر بھی جو کہ عدالت کی رہنمائی اور عمل کے لیے قانون کی توضیح کرتے ہیں عائد ہوتے ہیں۔ ایک حج کو کافی غور کے بعد یہ طے کرنا چاہئے کہ زبانہ کے حالات اور لوگوں کی ضروریات کے مطابق کونسی رائے سب سے مناسب و اصح ہے۔ اور یہی ان کا (یعنی علماء کا کہ مفتی جن کو موزوں ترین سمجھے) مقصد ہے اس کے مطابق فتویٰ صادر کرے۔ موزوں سے منشا محض دنیوی مصلحت ہی نہیں بلکہ جو دینی اعتبار سے بھی موزوں ہو۔

وقف سے متعلق بنیادی اصول

قانون وقف کے سلسلہ میں کچھ بنیادی اصول ہیں جن پر خواص ائمہ کا اتفاق ہے مگر ضمنی اصولوں کے بارہ میں کافی اختلاف ہے۔ اساسی اصول یہ ہیں۔

(الف) شے موقوفہ دو امانا وقف کی جائے۔

(ب) تمام حقوق انسانی سے الگ کر دی جائے۔

(ج) یہ ناقابل ارث اور ناقابل انتقال ہوں۔

مندرجہ بالا اصولوں پر اتفاق رائے ہے۔ لیکن پیب ہم ذیلی اصولوں پر آتے ہیں کہ کسی طرف اور کسی کے لیے وقف کیا جائے اور اس کی تشکیل میں کون سے جملے استعمال کئے جائیں اور اشیا میں کون سی اشیا کا وقف مناسب ہے تو ہم ابو یوسف اور ابو محمد میں اختلاف رائے پاتے ہیں۔ بعض صورتوں میں ابو یوسف کی رائے کے مطابق فتوے ہیں اور ان کی رائے کے مطابق ڈگریاں صادر ہوئی ہیں اور بعض مسائل ابو محمد کی رائے کے مطابق طے ہوئے ہیں۔ امام ابو یوسف کے خیال میں یہ ضروری نہیں ہے۔ بخارا کے فقہاء نے ابو محمد کی اور بلخ کے فقہاء نے ابو یوسف کی رائے کو اختیار کیا ہے۔ ہندوستان میں ابو یوسف کا قول مسلمہ بتایا جاتا تھا۔ مگر انگریزوں کے دور حکومت میں ہندوستانی عدالتوں نے ابو محمد کی رائے اختیار کی ہے۔

ابو محمد کی رائے میں شے موقوفہ کا کسی متولی کو تفویض کرنا ضروری ہے۔ مگر ابو یوسف کی رائے میں ایسا نہیں ہے۔ اور ان کی رائے کو بلخ کے فقہاء نے اختیار کیا ہے۔ ابو یوسف کی رائے ہے کہ سوائے بعض اقسام کی منقولہ اشیا کے جن کے وقف کا عام رواج ہے دوسری اشیا کا وقف جائز نہیں ہے اس لئے کہ یہ اصل غایت وقف یعنی دوام کے متناقض ہیں۔ اور یہ دوران استعمال صرف ہو جانے والی ہیں۔ لیکن ابو محمد کی رائے میں ہر قسم کی اشیا منقولہ جو کہ انسانوں کے باہم لین دین میں کام آتی ہوں یا کسی خاص علاقہ میں ان کے وقف کا رواج ہو تو ان کا وقف جائز ہے۔ امام محمد کا یہ اصول عام طور پر بالاتفاق تسلیم کیا جاتا ہے اور اس بارہ میں ہر تصنیف میں یہ درج ہوتا ہے کہ ابو محمد کی رائے کے مطابق ہی فتوے صادر کئے جاتے ہیں۔ امام زفر جو امام ابو حنیفہ کے ہم عصر اور ان کے شاگرد ہیں اور امام محمد اور امام ابو یوسف جیسے اول درجہ کے مجتہدین کے ہم رتبہ مانے جاتے ہیں اور استاد کے مرتبہ پر ہیں (یعنی اصول وضع کر سکتے ہیں) امام محمد سے اس امر میں متفق ہیں کہ اشیا کا وقف بہ شمول زر نقد قطعاً جائز ہے زفر کے مطابق جب کوئی شخص زر نقد (درہم و دینار) یا اشیا خوردنی یا دیگر اشیا جو لائق وزن و پیمائش ہوں وقف کرے تو جائز ہے۔ اس سوال پر کہ یہ کس طرح جائز ہے انہوں نے

جواب دیا کہ زر نقد مضاربت میں لگایا جاسکتا ہے اور اس کا منافع اغراض وقف میں کام آسکتا ہے۔ اسی طرح لائق وزن و پیمائش اشیاء فروخت کی جاسکتی ہیں اور ان سے حاصل شدہ قیمت مثل زر نقد مضاربت یا مضاربت میں کام آسکتی ہے۔ اور یہی رائے ایک دوسرے مجتہد امام زہری کی ہے۔

امام محمد کا اصول قانون مسلمہ

مصنف ردالمختار نے اس پر زور دیا ہے کہ امام محمد کا اصول (جس کے مطابق فتاویٰ ہیں) تمام قسم کی اشیاء منقولہ پر حاوی ہے اس لئے امام زفر سے رجوع کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ پس یہ قیاس کرنا بنیادی غلطی ہے کہ اس مسئلہ پر ابو یوسف کی رائے فیصلہ کن اصول ہے بلکہ ایسا قیاس ہی اصول شرع کے خلاف ہے۔

جیسا کہ بتایا جا چکا ہے کہ فقہاء کے نزدیک یہ ضروری ہے کہ اشیاء منقولہ انسانوں کے باہمی لین دین میں کام آتی ہوں اگر ایسا نہیں ہے تو ان کی تجدید کرنا یا ان سے دوائی فائدہ حاصل کرنا ناممکن ہوگا۔ مثلاً اگر کوئی گائے غریبوں کو دودھ تقسیم کرنے کے لیے وقف کی گئی ہو (جس کا وقف جائز ہے) لیکن اس گائے کو دودھ سے بند ہونے کے بعد اگر اسے فروخت نہ کیا جائے تو یہ کار خیر بند ہو جائے گا۔

ردالمختار کے پیرے کے ترجمہ پر اس طرح اعتراض کیا گیا ہے کہ لفظ ”تعامل“ کے معنی رواج کے ہیں اور معاملہ کرنے کے ہیں۔ جیسی کی معترض مصنف کی تشریح ہے اس رائے سے تعامل اور تعارف دونوں اصطلاحات میں اس قیاس کی بنا پر ایہام پیدا ہوتا ہے کہ دونوں مترادف ہیں۔ اور یہ دونوں الفاظ اسی پیرے میں آگئے ہیں جس کا ترجمہ تصنیف ہذا میں کیا گیا ہے۔

لفظ تعامل کی تعریف جینگو کی عربی لغت اور جانسن کی عربی فارسی لغت میں کی گئی ہے۔ اس کے معنی و جاملہ کرنا یا مل کر کوئی کام کرنا ہیں۔ جیسا کہ جانسن کے مطابق تعامل سے مراد راجح یا طریقہ کے ہیں۔ پس تعامل قطعاً عرف کے مترادف نہیں ہے یہی تعریف عربی کی لغت تاج العروس اور لٹن کی عربی فرہنگ میں کی گئی ہے جس میں ہے کہ لفظ تعامل اور معاملہ دونوں کا مادہ ایک ہی ہے جن سے مراد باہمی معاملہ کرنا یا

خرید و فروخت کرنا ہیں۔ مثلاً اگر کوئی یہ کہے (تعامل الناس بالوراہم) لوگوں کا آپس میں درہم سے خرید و فروخت کا (تعامل ہے)۔ تعامل کے معنی روزی کے مطابق بھی اس مفہوم میں ہیں (تعامل الدراہم) درہم سے لین دین کی (تعامل فی الدراہم) سے معاملہ ہوتا ہے۔ اور اس (فلس) سے خرید و فروخت کتاب کشاف الاصطلاحات العدم میں بھی اسی کے مماثل معنی لئے گئے ہیں۔ لفظ تعامل کبھی بھی عرف کے مترادف کے طور پر استعمال نہیں ہوا اور نہ تعامل و معاملہ سے وہی معنی مراد ہوتے ہیں جو لفظ عرف (رسم و رواج) سے ہوتے ہیں۔

غایت البیان میں درج ذیل پیرے میں یہ دونوں لفظ ایک جملے میں استعمال ہوتے ہیں لیکن دونوں ہم معنی نہیں ہیں۔

صح ابضا وقف منقول كالکراخ والسلاح والقیاس والقدر والقدوم
والسوار والحباز والباہنا والمصاحب و کہف نفسه الحدیث، الادیہ وغیرہ؛ ذالک
ماہیہ تعامل و تعارف الوقفہ۔

اشیاء منقولہ کا وقف

یعنیہ اشیاء منقولہ مثل آلات کٹاوری و درزی و جنگ کلباڑے۔ آرے۔ تابوت،
کنن، کام پاک کے نئے فقہ حدیث اور ادب کی کتابیں اور دیگر اشیاء جن کا کاروبار ہوتا
ہے اور ان کے وقف کا رواج ہے۔

اگر یہ قیاس بھی کر لیا جائے کہ لفظ تعامل سے مراد باہمی لین دین نہیں ہے۔
حالانکہ یورپ اور عرب کے تمام بڑے بڑے علمائے لغت تعامل سے مراد باہمی لین دین
ہی بتاتے ہیں۔ مگر چونکہ وقف کا عام رواج ہے اس لئے اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ ادباً یہ
بتانا ہے کہ جواز وقف کے بارہ میں یہ طے شدہ اصول ہے کہ تمام قسم کی اشیاء منقولہ بہ
شمول زرنفقہ کا وقف جائز ہے۔ بس اس سے یہی مراد ہے کہ ہر اس شے کا وقف جسے وقف
کرنے کا لوگوں میں رواج ہو جائز ہے نیز زرنفقہ کے وقف کرنے کا رواج یا ہر وہ شے جو
کاروبار میں لگائی جاتی ہے اس کے وقف کا رواج متفقہ طور پر جائز ہو گیا ہے چونکہ اس سلسلے
میں شاہی فرمان کا حوالہ دیا جا چکا ہے اس لئے اس کے جواز میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا۔

یہ ظاہر ہے کہ مفتی ابو سعود کی توضیح جس کا پہلے ذکر آچکا ہے مقدمہ کلثوم بی بی بنام غلام حسین قاسم عارف نہ تو فاضل حج کے علم میں لائی گئی اور نہ افسران کے علم میں تھی جس کا کہ درالمختار میں حوالہ ہے کہ سلطان وقت نے قاضی کو (نظریاتی بحثوں کو ختم کرنے کے لیے جو کہ آج کی طرح عام تھیں) زر نقد کے وقف کو جائز قرار دینے کا حکم دیا تھا۔ اس حکم سے احکام شرع کی ارتقائی کیفیت ظاہر ہوتی ہے نیز مفتی ابو سعود کی توضیح سے جو کہ ممتاز ترین حنفی فقہاء میں سے ایک ہیں اس اصول کی صحت میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا۔ ابو یوسف کے زمانہ سے ہی ان اشیاء کے جواز وقف کے سلسلہ میں نظریہ قانون میں ارتقاء ہوتا رہا ہے۔ امام مذکور نے عمارتوں اور درختوں کے وقف کے جواز کو زمین سے علیحدہ کر کے تسلیم نہیں کیا۔ اور اسی کو حنفی فقہاء اب بالاتفاق تسلیم کرتے ہیں۔ زر نقد (درہم و دینار) کے وقف کو اس قیاس کی بنا پر کہ استعمال سے یہ ختم ہو جاتے ہیں انہوں نے ممنوع قرار دیا ہے لیکن اب جہاں کہیں اس کا رواج ہے وہاں اس کو جائز تسلیم کر لیا گیا ہے اور یہ اصول بتایا گیا ہے کہ جب زر نقد وقف کیا جائے تو اسے مضاربت یا بضاعت میں لگایا جائے اگر کوئی شے استعمال سے تلف ہونے والی ہو اور وہ وقف کر دی جائے تو فتویٰ یہ ہے کہ اس کو فروخت کر دیا جائے اور اس سے حاصل شدہ قیمت اسی طرح کاروبار میں لگائی جائے۔ (لیکن اس کا کلثوم بی بی بنام غلام حسین قاسم عارف کے قضیہ میں حوالہ تک نہیں دیا گیا) حتیٰ کہ اگر کوئی ایسی شے وقف کی جائے جس کے وقف کا عام رواج نہیں ہے تب بھی قاضی اگر اسے وقف کے لیے موزوں سمجھتا ہو تو اس کے جواز کا حکم صادر کرنے کا مجاز ہے۔

کسی خاص نوعیت کی جائیداد کے وقف کو کسی دوسری قسم کی جائیداد کے مقابلہ میں کوئی مذہبی حیثیت یا اہمیت حاصل نہیں ہے۔ حج کو تو محض یہ دیکھنا ہے کہ آیا شے موقوفہ اور اس کی وقتاً فوقتاً تجدید سے یا اس کو بیچ کر اس سے حاصل شدہ قیمت کاروبار میں لگانے سے ابدی فائدہ ہو سکتا ہے۔ بدایہ میں جن اقوال و استدلال کا حوالہ ہے ان کو مذہبی حیثیت دینا غلط ہے کیونکہ اس میں مندرج اصول یا تو اکثر خارج ہو چکے ہیں یا ان میں بہت کچھ ترمیم ہو گئی ہے۔

شافعی و شیعہ اصول یکساں ہیں

اشیاء منقولہ بہ شمول زر نقد کے وقف کا جواز شافعی۔ مانگی۔ حنبلی۔ اور اہل تشیع میں بلاشبہ مسلم ہے۔ ہدایہ میں ہے کہ بقول امام شافعی ہر اس شے کا وقف جائز ہے۔ جس کی عین اصل کو قائم رکھتے ہوئے منافع حاصل ہو سکے۔ اور ہر وہ شے جو جائز طور پر بیع کی جاسکتی ہے جائز طور پر وقف بھی کی جاسکتی ہے یا جس شے سے منافع حاصل ہو تا رہا ہے۔ (خواہ تبدیل ہینت سے) جیسے گھوڑے۔ آرائشیات اور اسلحہ۔

مسلمانوں میں ہر جگہ الجیریا سے لے کر ہندوستان اور برما تک زر نقد کا وقف عام ہے۔ منٹہ مظفر۔ اور کربلا کے مقامات مقدسہ۔ اجمیر شریف۔ حسین آباد (لکھنؤ) کے اوقاف اور تمام ملک میں بہت سی مسجدوں اور اداروں کی اس زر نقد کی آمدنی سے جو نہ کافی تمکلات میں لگا ہوا ہے کفالت ہو رہی ہے کیونکہ لوگ اسے زمین سے بھی زیادہ تنخواہ اور رانی بنیال کرتے ہیں۔ مسر میں بہت سے اوقاف ہیں جو کہ مال کی صورت میں کئے گئے ہیں۔ ان کی آمدنی زیادہ تر تجارتی کمپنیوں سے حاصل ہوتی ہے۔ وہ روپیہ جو سرکاری یا میونسپلٹی کے ترقیاتی منصوبوں میں حکومت یا مقامی حکومت کے اداروں میں جو کسی طرح بھی پیدا ہو اور کاموں میں صرف کرتے ہیں اور ان سے حاصل شدہ منافع کا ایک حصہ پیسہ لگانے والا نفع یا سود کے نام سے پاتا ہے نیز وہ منافع جو کہ تجارتی کمپنیوں میں رقم لگانے سے حاصل ہوتا ہے یہ تمام اسی ذیل میں شامل ہیں۔ اور اس روپیہ کا وقف جو تجارت بالبعامت میں لگایا گیا ہو صدیوں سے جائز تسلیم کیا گیا ہے۔

فصل سوم :- عمارتوں اور جائیداد مشاع کا وقف

در المختار میں ایسی عمارتوں کے وقف کا قاعدہ جن کی زمین جس پر کہ وہ استادہ ہو اور وہ زمین وقف میں شامل نہ ہو اس طرح واضح کیا گیا ہے۔

اگر کوئی شخص کسی زمین پر مکان تعمیر کرے اور اس کو بلا زمین کے وقف کر دے تو یہ وقف (بعض کے نزدیک) جائز نہیں ہے حالانکہ بعض کے نزدیک جائز ہے اور اسی کے مطابق فتویٰ بھی ہے۔ فاری الہدایہ سے جب ایسی عمارتوں اور درختوں کے جواز وقف کے بارہ میں جن میں کہ زمین شامل نہ ہو دریافت کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا

کہ ایسے اوقاف کے جواز کی تائید میں فتوے ہیں۔ مصنف شرح رہبانیہ نے بھی اسی رائے کو ترجیح دی ہے۔ اور مصنف تنویر الابصار نے اس اصول کو اس بنا پر نافذ کیا ہے کہ عمارتیں اور درخت جائیداد منقولہ ہیں اور ان کے وقف کا عام رواج ہے۔ لہذا ایسے اوقاف کے جواز میں فتویٰ دینا چاہئے۔

ایسی عمارت کا وقف جس میں زمین شامل نہ ہو

ایسی عمارت کے وقف کے بارہ میں جس میں کہ وہ زمین جس پر کہ وہ عمارت تعمیر ہوئی ہو شامل نہ ہو اگرچہ قدیم فقہاء کی رائے میں اختلاف ہے لیکن اب ایسے اوقاف کا جواز صریحاً تسلیم کر لیا گیا ہے۔ علامہ القاسم کا خیال تھا کہ ایسا وقف جائز نہیں ہے اور اس مسئلہ میں امام محمد نیز ہلال بن یحییٰ بصری کی رائے کو اختیار کیا گیا تھا۔ مگر حسب ردا المختار بحر الرائق میں ذخیرہ کے حوالہ سے یہ درج ہے کہ جہاں کہیں عمارت کا بلا زمین شامل کئے وقف کرنے کا رواج ہو تو وہاں بلا زمین شامل کئے اس کا وقف جائز ہے لیکن اگر ایسا رواج نہ ہو تو وقف ناجائز ہے۔

اس سلسلہ میں ردا المختار میں ایک یادگار مباحثہ کا حوالہ ہے جو کہ سلطان ملک الظہیر کے سامنے علامہ اور ان کے نامور شاگرد ابو براہین ضما کے درمیان ایک اجتماع اس غرض سے طلب کیا گیا تھا۔ موخر الذکر کی رائے اپنے استاد کے برعکس تھی۔ شاگرد کی رائے میں کسی عمارت کا وقف بلا زمین جائز تھا۔ اور یہ اصول دو سو سال سے مسلمہ چلا آ رہا تھا اور اس کے مطابق فاضل قاضیوں کے متواتر فیصلے تھے ابن ضما کی رائے کی علامہ محمد ابن ظہیر نے مخالفت کی تھی۔ مگر اب دور حاضرہ میں ابن ضما کی رائے کو متفقہ طور پر تسلیم کر لیا گیا ہے۔ چنانچہ مصنف ردا المختار نے یہ قاعدہ واضح طور پر اس طرح منضبط کیا ہے۔

ایسی شے منقولہ کا وقف جس کے وقف کا رواج ہو جائز ہے۔ اسی طرح ایسی عمارت کا بھی وقف جس میں زمین شامل نہ ہو جائز ہے۔ اور یہ اصول ان لوگوں کی رائے سے جو ایسا وقف جائز قرار نہیں دیتے متصادم نہیں ہے۔ کیونکہ جواز کا معیار اس مقام کے مسلمہ رواج پر مبنی ہے جہاں پر وہ وقف کیا جائے۔ اگر اس جگہ کے رہنے والے ایسا وقف کرنے کے عادی ہیں تو ایسا وقف قانوناً جائز ہے۔

تائید الوقت اصول یہ ہے کہ ایسی عمارت کا وقف جس میں کہ وہ زمین جس پر کہ وہ عمارت استوار ہو شامل نہ ہو جائز ہے اور اسی کے مطابق فتویٰ ہے۔

جدید اصول — مرہونہ زمین کا وقف

اوپر بتایا جا چکا ہے کہ ایسی زمین کا وقف جو اجارہ پر ہو یا مرہونہ ہو جائز ہے اور اگر زمین بھی اس غرض کے لیے وقف کی گئی ہو جس پر کہ عمارت وقف ہو تو وہ عمارت زمین کے وقف کے تابع جائز ہے۔ لیکن اگر زمین کسی دوسری غرض کے لیے وقف کی گئی ہو تو اس بارہ میں اختلاف رائے ہے۔ لیکن صحیح اصول یہی ہے کہ وہ جائز ہے۔ یعنی عمارت کا وقف جائز ہے یہی منظور المجہد میں بھی ہے۔

ابن نجیم سے اس درخت کے وقف کے بارہ میں دریافت کیا گیا جو زمین میں شامل نہ ہو تو انہوں نے ایسا وقف جائز بتایا۔ خواہ دونوں کے واقف بھی مختلف ہوں۔ جب ان سے ان عمارتوں اور درختوں کے وقف کی بابت دریافت کیا گیا جو کہ اسی زمین پر ہوں جو کہ اجارہ پر کسی دوسرے شخص کے پاس ماہانہ یا سالانہ کرایہ پر ہو تو انہوں نے جواب دیا کہ وقف جائز ہے۔

لیکن کسی دوسرے شخص کی مملوکہ زمین پر بنی ہوئی عمارت کا وقف جس پر کہ واقف بحیثیت ذیلی یا پٹنہ دار کے قابض ہو جائز نہیں ہے۔ درالختار میں اسی اصول کے قانون کا حوالہ اسی طرح ہے۔ ایسی زمین کی عمارت کا وقف جو عاریتاً اجارہ پر ہو جائز نہیں ہے۔

ردالمختار میں مندرجہ بالا پیرے پر اسی طرح تنقید کی گئی ہے۔ اس لئے وہ معاملات خارج اور غلیحہ ہیں جن کا ہصاف نے حوالہ دیا ہے۔ یعنی وہ زمین جس پر واقف کا محدود اور دائمی مفاد ہو ان کا وقف جائز ہے۔ بحر الرائق سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

اسعاف نیز ہصاف کی کتاب وقف میں یہ درج ہے کہ اگر کوئی شخص ایسی دکانوں کو جو بازار میں ہوں وقف کرے تو یہ جائز ہوگا۔ اگر دکان بنانے والوں کے پاس وہ زمین اجارہ پر ہو اور ان کو اس سے بے دخل نہیں کیا گیا ہو اور بلا کسی عذر کے وہ انہیں ورثہ میں ملی ہوں اور تقسیم ہو گئی ہوں بالفاظ دیگر جس کا اجارہ دائمی نوعیت کا ہو اور اجارہ دار بلا قانونی کارروائی کے زمین سے بے دخل نہیں کیا جاسکتا ہو تو اجارہ دار ایسی زمین پر

تعمیر شدہ عمارت کو وقف کرنے کا مجاز ہے اور جب زمین اور عمارت ایک ہی شخص کی مملوکہ ہوں تو وہ مجاز ہے کہ ان کو مختلف مقاصد کے لیے علیحدہ علیحدہ وقف کر دے۔ لیکن عمارت کے وقف سے اس زمین پر بھی حق مرور پیدا ہو جائے گا خواہ وہ دونوں ایک ساتھ وقف کئے گئے ہو یا ایک ساتھ نہ کئے گئے ہوں۔

مکان کے وقف میں کیا شامل ہے

جب وقف کیا جاتا ہے تو ہر وہ چیز جو بیع میں شامل ہوتی ہے وقف میں بھی شامل ہوتی ہے، خواہ اس کا حوالہ ہو یا نہ ہو۔ صرف اتنا لکھنا ہی کافی ہے کہ یہ مکان وقف کیا گیا معہ تمام حقوق کے جس میں کہ ہر چھوٹی بڑی شے شامل ہے جو اس سے وابستہ ہو یا اس کے ساتھ ہو۔ پس اسی طرح دکانوں کے وقف میں بھی ہر وہ چیز شامل ہے جو ان کی بیع میں شامل ہوتی ہے۔

زمینوں کے وقف کی صورت میں ان پر ایستادہ عمارتیں اور درخت شامل ہیں لیکن اس وقت درختوں میں لگے ہوئے پھل یا پہلے سے بوئی ہوئی فصل اس میں شامل نہیں ہے۔ بید یا دوسرے ایسے پودے جو سالانہ کاٹ لئے جاتے ہیں ان میں شامل نہیں ہیں۔ لیکن جو پودے دو سال میں ایک بار کاٹے جاتے ہیں وہ وقف زمین میں شامل ہیں۔ خصاص نے اپنی کتاب وقف میں بتایا ہے کہ جب کسی زمین کو مختص اغراض کے لیے وقف کیا جائے اور وہ بالآخر غربا کے حق میں عود کرنے والی ہو تو زمین پر بنی ہوئی عمارتیں اور کھجور کے پیڑ یا دوسرے درخت وقف میں شامل ہیں۔ اور ہمارے بہت سے شیوخ کی بھی یہی رائے ہے جو صحیح ہے۔

جب وقف ان الفاظ میں کیا جائے کہ ”میں اپنی زمین کو صدقہ کرتا ہوں مع تمام حقوق کے جو اس میں یا اس سے وابستہ ہیں۔“ اور اس درختوں پر پھل بھی ہوں تو اس کو چاہئے کہ پھلوں کو بھی غربا کو خیرات کرے۔ یہ بطور وقف کے نہیں بلکہ بطور استحسان اپنے عہد کی پائیداری میں ہوگا اور جو کچھ بعد میں پیدا ہوں گے وہ اغراض وقف کے لیے مختص کر دئے جائیں گے۔ جب کوئی وقف ان الفاظ میں کیا جائے کہ میں اپنی زمین اپنی موت کے بعد صدقہ کرتا ہوں اور اس میں جو کچھ خدا کے حکم سے پیدا ہوگا وہ

خدا کے بندوں کے کام آئے گا۔ تو واقف کے انتقال پر درختوں پر آئے ہوئے پھل محض وقف کی وجہ سے اس وصیت میں شامل نہیں ہوں گے۔

کرایہ جو پینٹ سے واجب ہو چکا ہو وقف میں شامل نہیں ہے

ان اصولوں سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جب کوئی جائیداد یا زمین جو کرایہ دار کے قبضہ میں ہو وقف کی جائے اور اس کا پھینکا کرایہ بھی واجب ہو تو وہ کرایہ وقف میں شامل نہ ہوگا۔ سرینجا کر اس کے وقف کی بھی وضاحت نہ ہو تو متولی اس کرایہ کی وصولی کا مجاز نہ ہوگا تا وقتیکہ اسے خاص طور پر اس بارہ میں اختیار نہ دیا گیا ہو۔

کسی وقف کے جواز کے لیے یہ ضروری نہیں کہ آراضی موقوفہ کے حدود اربعہ بھی درج کئے جائیں صرف اتنا ضروری ہے کہ وقف کا تعین ہو سکے ایسی صورت میں کوئی مشہور و معروف زمین یا مکان بلا حوالہ حدود اربعہ کے وقف ہو سکتا ہے۔ خواہ گواہان کے بیان سے اس آراضی یا مکان کی حد بندی نہ ہوتی یا ان کا وقف نہ ہوتا ظاہر ہو۔ تاہم وہ وقف جائز ہوگا۔ اور محض اس وجہ سے وہ وقف ناجائز نہیں ہوگا۔ کسی کھیت کی چٹیاں خواہ وہ پانی سے کام کرتی ہوں یا ہاتھ سے یا ایرانی چرخ یا پانی نکالنے کے برتن سب زمین کے وقف میں شامل ہیں۔

جب کوئی شخص کسی زمین کا وقف بلا حوالہ پیداوار پانی یا راستہ کے کرے تو پسندیدہ تعبیر کے مطابق یہ دونوں حقوق اس میں شامل ہیں۔ کیونکہ زمین پیداوار کے سوائے وقف ہی نہیں ہوتی اور اس مقصد کے لیے پانی اور راستہ دونوں کے حقوق اس میں شامل ہیں۔

وقف مشاع

وقف مشاع جائز ہے بالفاظ دیگر کسی جائیداد غیر منقسمہ کے قابل تقسیم حصہ کا وقف جائز ہے یہ امام ابو یوسف کی رائے ہے۔ لیکن امام محمد کو اس سے اختلاف ہے جس کی وجہ وہ دشواری ہے جو اس حصہ پر قبضہ دہانی میں بقیہ جائیداد سے علیحدہ نہ ہونے کی صورت میں پیش آسکتی ہے اور ابو یوسف کے نزدیک قبضہ دہانی قطعاً غیر ضروری ہے قاضی خان کا کہنا ہے کہ ابو یوسف کی رائے کو فقہائے بلخ نے اختیار کیا ہے۔ حالانکہ بخارا

کے شیخ، ابو محمد کے اصول کو اپناتے ہیں۔

فتاویٰ عالمگیری میں آیا ہے کہ دور جدید کے فقہانے مشاع کے سلسلہ میں ابو یوسف کی رائے کو اختیار کیا ہے۔ وہ اسے جائز قرار دیتے ہیں۔ اور یہی مسلمہ ہے سراج الوہاب کے مطابق وقف مشاع بالاتفاق جائز ہے۔

مشترکہ مالکان کا وقف

جائیداد ناقابل تقسیم ہونے کی صورت میں امام محمد، ابو یوسف سے متفق ہیں۔ انکی رائے میں بھی ایسے حصہ جائیداد کا وقف جائز ہے مثلاً ابو یوسف اور ابو محمد دونوں ہی کے مطابق عوامی غسل خانہ یا حمام کے نصف حصہ کا وقف جائز ہے کیونکہ حمام ناقابل تقسیم ہے۔ بہر حال ابو یوسف اور ابو محمد اس بارہ میں متفق ہیں کہ جب کوئی قطعہ آراضی برائے تعمیر مسجد یا مقبرہ وقف کیا جائے تو وہ قطعہ آراضی علیحدہ کر دینا چاہئے۔ وجہ ظاہر ہی ہے۔ البتہ ابو یوسف کے نزدیک اس کی علیحدگی اس شرط پر ضروری نہیں ہے کہ وہ کسی مقبرہ یا مسجد کو قائم رکھنے کے لیے وقف کیا گیا ہو۔

قابل تقسیم مشاع کے جواز وقف کے بارہ میں ابو یوسف کا وضع کردہ اصول حنفی فقہاء کی اکثریت نے اختیار کیا ہے۔ اس کی رو سے اگر کوئی شخص اپنی تمام جائیداد کو وقف کرے لیکن وہ وقف تمام جائیداد کے لیے موثر نہ ہو سکے تو غیر تقسیم شدہ حصہ کا وقف جائز ہوگا۔ یعنی اگر کوئی شخص مرض الموت میں اپنے بچوں کے حق میں اور ان کے بعد غربا کے حق میں وقف کرے اور سوائے اس مکان کے کوئی جائیداد نہ ہو نیز ان بچوں کے علاوہ اور کوئی ورثاء نہ ہوں تو ابو یوسف کے نزدیک تا وقتیکہ بچے راضی نہ ہوں صرف ایک ثلث پر ہی وقف کا نفاذ ہوگا۔

جائیداد مشترکہ کے وقف پر اعتراض کے سلسلہ میں قاضی تقسیم جائیداد کا حکم جاری کر سکتا ہے۔ تمام فقہاء کے نزدیک مشترکہ جائیداد کا وقف دو یا زیادہ افراد کر سکتے ہیں۔ جب کسی قطعہ آراضی پر دو اشخاص مشترکہ قابض ہوں اور ان میں سے ایک اپنے حصہ کو اپنے بچوں اور ان کی آل اولاد کے حق میں دواماً وقف کر دے تو جب تک ان بچوں وغیرہ میں سے کوئی بھی زندہ رہے مستفید ہوتا رہے گا اور اگر دوسرا بھی اپنا حصہ اپنے بھائیوں اور

اپنے اہل بیت کے حق میں وقف کردے اور ان لوگوں کے نہ رہنے کی صورت میں بغرض مصارف حج وقف کرے اور وہ دونوں شریک ایک ہی متولی کے سپرد کر دیں تو یہ وقف جائز ہے۔ اسی طرح اگر شرکاء میں سے کوئی اپنا نصف حصہ غریبوں کو وقف کردے اور دوسرا نصف حصہ کسی دوسرے مقصد کے لیے وقف کرے تو یہ ابو محمد اور ابو یوسف دونوں ہی کے مطابق جائز ہوگا۔ موخر الذکر کی رائے میں متولی کو تفویض کرنا لازمی شرط نہیں ہے۔ کیوں کہ تفویض یا قبضہ دہانی جواز وقف کے لیے لازمی نہیں ہے۔ اس لئے ان (ابو یوسف) کے مطابق تقاسمہ بھی ضروری نہیں ہے۔ اور یہی اصول مسلمہ ہے۔

یہ ضروری نہیں ہے کہ بوقت وقف جائیداد حصہ موقوفہ کا تعیین کیا جائے۔ اگر کوئی شخص کسی جائیداد میں اپنے حصہ کو اس نیت سے وقف کرے کہ تمام حصے پر وقف نافذ ہو اور اس کے بعد اس کا حصہ اس کے خیال سے زیادہ پایا جائے تو وہ تمام ہی وقف ہوگا۔ یعنی اگر وہ یہ کہے کہ میں اس مکان میں اپنے حصہ کو وقف کرتا ہوں جو ایک ثلث ہے اور بعد ازاں اس کا حصہ دو ثلث ظاہر ہو تو تمام حصہ کا وقف صحیح ہوگا۔ بعینہ اگر کوئی شخص اپنی وصیت میں درج کرے کہ میں فلاں فلاں کے لیے اس جائیداد کا ایک ثلث حصہ جو ایک ہزار درہم کا ہے دیتا ہوں اور بعد ازاں یہ معلوم ہو کہ اس کے حصہ کی قیمت چار ہزار درہم ہے تو موصی لہ موخر الذکر رقم ہی پائے گا۔ یہ بیع سے مختلف ہے جس میں کہ بائع صرف مقررہ رقم ہی پاسکتا ہے۔

جب دو شخص مشترکاً کئی مکانوں کے مالک ہوں یا کوئی زمین مشترکاً دو شرکاء کے قبضہ میں ہو اور ان میں سے ایک شریک اپنے حصہ کے مکانوں یا زمین کو وقف کردے اور اس کے بعد وہ قاضی سے اپنے حصہ کے تعیین کی درخواست کرے اور قاضی ان سب مکانوں یا زمین سے کوئی خاص مکان یا کوئی خاص قطعہ آراضی اس کے حصہ میں نامزد کرے تو اس نامزد مکان یا قطعہ آراضی پر ہی وقف نافذ ہوگا۔ جب دو شخص مشترکاً ایک قطعہ آراضی کے مالک ہوں تو ان میں سے کوئی بھی اپنے حصہ کو وقف کر سکتا ہے۔

جب کسی ایسی آراضی کا وقف کیا جائے جو دوسرے شخص کے پاس اجارہ پر ہو تو اس سے اجارہ منسوخ نہیں ہوتا بلکہ اس مدت معینہ تک وہ اجارہ قائم رہے گا اور رقم

اجارہ (جو اجارہ دار ادا کرتا ہے) اغراض وقف میں کام آئے گی اور مدت اجارہ منقضی ہونے پر اس آراضی کی تمام آمدنی اغراض وقف پر صرف ہوگی۔

یعنی جائیداد مرہونہ یا جو جائیداد کرایہ دار کے قبضہ میں ہو اسکا وقف جائز ہے۔ جب جائیداد مرہونہ وقف کی جائے تو اس سے حاصل شدہ آمدنی بیباقی قرضہ پر صرف ہوگی اور قرضہ ادا ہو جانے پر اغراض وقف میں کام آئے گی۔ کوئی واقف اس شرط پر بھی جائز وقف کر سکتا ہے کہ جائیداد سے موصولہ آمدنی اس کے گزارہ کے کام میں آئے گی یا صرف ہوگی یا قرضوں کی ادائیگی میں صرف ہوگی اور اس کے بعد غربا پر یا کسی دائمی مقصد پر صرف ہوگی۔

جاگیرات کا وقف

عطیات یا جاگیر جو بادشاہوں یا امرا کی طرف سے دی جائیں۔ جاگیرات دو قسم کی ہیں۔ ایک وہ جب کوئی زمین حق الخدمت کی بناء پر دی جائے یعنی سلطان نے پہلے تو یہ بیت المال سے وہ آراضی حاصل کی ہو پھر کسی کو عطا کر دی ہو۔ یا وہ شاہی علاقہ کا حصہ ہو۔ دوسرے وہ جب کہ صرف فائدہ بطور عطیہ دیا گیا ہو اور آراضی سلطان کے حق میں تفویض ہو۔ پہلی صورت میں تو جاگیر دار وقف کر سکتا ہے لیکن موخر الذکر میں نہیں۔ اس موضوع پر فتاویٰ عالمگیری میں درج ذیل حوالہ ملتا ہے۔

شاہی جاگیرات و عطیات کے بارہ میں یہ شرط بھی ہوتی ہے کہ ان کا وقف جائز نہیں ہے سوائے بنجر آراضیات یا شاہی ذاتی آراضیات کے جو واقف کو عطا کی گئی ہوں اور نہ حوض کی زمین کا وقف جو بقبضہ امار ہو جائز ہے۔

حوض کا مفہوم

حوض سے مراد وہ زمین ہے جسے مالک نہ کاشت کر سکتا ہے اور نہ محصول زمین ادا کرتا ہو اور اس سے فرماں روائے وقت کے حق میں دست بردار ہو گیا ہو تاکہ اس سے حاصل شدہ منافع آراضی کے خراج پر صرف کیا جاسکے۔

اگر زمین بیت المال سے جائز طور پر خریدی گئی ہو تو اس کا وقف جائز ہے۔ خواہ اس کا خریدار بادشاہ ہو یا کوئی اور شخص اور یہ کہ وقف پر صرف وہی شرائط عائد ہو سکتی ہیں جو

کہ وقف جائز طور پر نامہ کرنے۔ اگر سلطان نے بلا خرید کے کسی عمومی زمین کو (یعنی ایسی زمین کو جس کا حاصل خزانہ عامہ میں جاتا ہو) بطور وقف دائمی و ناقابل انتقال کسی امر خیر کے لیے علیحدہ کر دیا ہو تو ایسا وقف جائز ہے۔ جب علامہ قاسم سے سلطان فاروق کے اس وقف کے متعلق دریافت کیا گیا جس میں کہ اس نے ایک عمومی قطعہ آراضی کو مسجد کے واسطے علیحدہ کر دیا تھا تو انہوں نے اسی اصول کے مطابق فتویٰ دیا اور انہوں نے یہ بھی طے کیا کہ آئندہ کوئی سلطان اس وقف کو منسوخ نہ کرے۔

سلطان کا کیا ہو اور وقف جائز ہے

پس یہ اصول ہے کہ اگر کوئی سلطان بیت المال میں سے مفاد عامہ کی غرض سے جیسے مسجد سرائے یا مدرسہ کے لیے وقف کرے تو یہ جائز ہے اس لئے کہ رعایا سے حاصل شدہ مال گزارنی کا ایک حصہ ایسے مقصد کے لیے علیحدہ کرنا جائز ہے۔ اور بادشاہ اس امر کا مجاز ہے کہ خزانہ عامہ سے مدت مقررہ تک بجائے مصارف حاصل کرنے کے ان امور کے لیے باقی زمین وقف کر دے مگر بادشاہ اپنے بچوں کے حق میں آراضیات عامہ وقف نہیں کر سکتا خواہ وہ انجام کار غرباء پر ہی عود کرتی ہوں۔ لیکن وہ کسی بھی ایسے مقصد کے لیے جس سے عام مسلمانوں کو فائدہ پہنچتا ہو وقف کر سکتا ہے کیونکہ بیت المال جمہور مسلمانوں کے مفاد کے لیے ہے۔

باب ۱۰۔ موقوف علیہم یا مقاصد وقف

فصل اول:۔ عام اصول

اس باب کا موضوع قانون وقف کی اہم شاخوں میں سے ایک ہے۔ شرع میں قانون و مذہب قریب قریب مترادف اصطلاحات ہیں اور اتنی متصل کہ ایک کو دوسری سے الگ کرنا مشکل ہے۔ بالفاظ دیگر عام فہم انداز میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ مذہبی امور کی بنیاد قانون پر ہے اور قانونی امور تابع مذہب ہیں۔

کسی بھی نیک یا امر خیر کے لیے وقف کیا جاسکتا ہے

فقہ اسلام کے تمام مذاہب کے مطابق کسی بھی شخص طبقہ یا افراد کے مفاد کے لیے یا کسی بھی غایت ثواب یا صدقے کے لیے وقف کیا جاسکتا ہے بلکہ وقف ان بچوں کے حق میں بھی ہو سکتا ہے جو ہنوز پیدا نہیں ہوئے اگر وہ شخص یا مقصد جس کی خاطر وقف کیا جائے بوقت تشکیل وقف قائم بالذات نہیں ہے تو یہ غربا کے کام آئے گا جو تمام اوقاف کے (بشرطیکہ غرض نامزد نہ کی گئی ہو) اصلاً گیرندہ ہیں۔

امر خیر کی تعریف

الفاظ ثواب یا حیر کی شرع اور مذہب اسلام میں کسی اور طریقہ مذہب کے مقابلے میں کہیں زیادہ اہمیت ہے۔ الفاظ خیر 'بر' احسان وغیرہ میں ہر وہ مقصد شامل ہے جو مذہب اسلام کے قانون شرع میں امر احسن اور ثواب تسلیم کیا گیا ہے۔ اور کون سا امر احسن یا ثواب یا خیر ہے اس کا معیار خوشنودی خداوندی ہے۔ ہر امر خیر جو باری تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ ہے یا جس کی بدولت قرب خداوندی حاصل ہوتی ہے وہ ایک جائز صحیح موزوں اور مناسب مقصد وقف ہے خود یا اپنے بچوں یا اپنے عزیزوں کی گزر معاش کا انتظام اتنا ہی احسن اور امر خیر ہے جیسا کہ عام غربا کی پرورش کے لیے وقف۔ یہ بنیادی

اصول مذہب اسلام اور آنحضرت صلعم کے ارشادات پر مبنی ہے اس لئے اس اصول میں کسی بھی قسم کی تبدیلی سرینامہ اخلت فی الاسلام ہے۔

کسی بھی مقصد کے لیے وقف نوع انسان کے مفاد میں ہوتا ہے

قانون اسلام میں دوسرا قابل توجہ مسئلہ یہ ہے کہ ہر وقف خواہ وہ کسی مقصد کے لیے کیا گیا ہو اصلاً اور واقعاً نوع انسانی کے مفاد کے لیے ہوتا ہے۔ مذہب اور شرع اسلام کی بنیاد لازماً نوع انسانی کی فلاح اور خدمت پر منحصر ہے۔ ایک مسجد کے لیے وقف بھی نوع انسانی کے لیے ہے اس لئے کہ مقصد عبادت ہے۔ اسی طرح مدرسہ کے لیے وقف بچوں کی تعلیم کی غرض سے ہے۔

خانقاہ کے لیے وقف ایک مخصوص مذہبی طبقہ کے استعمال کے لیے ہے جو اذکار و اشغال میں مشغول رہتا ہے اور علی ہذا القیاس ہر ایک مقصد کی غایت نوع انسانی کی روحانی مذہبی اخلاقی و مادی فلاح ہے۔ اور یہی فی الاصل آنحضرت صلعم کے جامع اور بلیغ ارشاد گرامی کا منشاء ہے۔ (یعنی جائیداد محفوظ کر کے نوع انسان کے مفاد کے لیے مختص کر دی جائے) ایک بار وقف ہو جانے پر خواہ وہ کسی مقصد کے لیے ہو اس کی غایت شے موقوفہ کو بارگاہ الہی میں تفویض کرنا ہے اور اس سے حاصل شدہ آمدنی محض نوع انسانی کی فلاح پر صرف کرنا ہوتی ہے اور اس کی یہی تصریح فاضل جہان نے بمقدمہ محمد صادق بنام محمد علی وغیرہ اس طرح کی ہے وقف کا منشا کسی بھی جائیداد مثل زمین یا دیگر مقبوضہ اشیاء وغیرہ سے اپنے حقوق مالکانہ کی دست برداری کر لی جائے اور اس کو وقف کر کے اس طرح نذر باری تعالیٰ کر دیا جائے کہ عام انسان فلاح پائیں (وقف کی یہ تعریف فاضل جہان کی وضع کی ہوئی نہیں ہے بلکہ کتب فقہ سے اخذ کی گئی ہے) اس تعریف کا اس تشریح کے ساتھ جو کتب فقہ میں دی گئی ہے مطالعہ کرنا چاہئے۔ شرع اسلام میں ایسا کوئی وقف نہیں ہے جو محض عبادت خداوندی کے لیے وقف ہو۔ یہ اسلام میں بے معنی جملہ ہے۔ اصلاً خدمت انسانی اور فلاح نوع انسانی کو عبادت خداوندی میں فضیلت ہے اور ہر وہ شے جو انسانوں کی فلاح کے لیے خواہ انفراداً یا اجتماعاً وقف کی جاتی ہے۔ وہی خدمت خداوندی ہے پس امر خیر عبادت یا خدمت خداوندی ہے کسی بھی شخص کا والدین کی بسر

اوقات یا بچوں کی معاش یا غریب رشتہ داروں کی گذر اوقات کا انتظام کرنا یہ سب عبادت میں شامل ہے۔ دراصل ہر وقف کی روح قرب یعنی نزدیکی خداوند تعالیٰ ہے۔ اسی طرح نماز بھی ایک عبادت یا قرب خداوندی ہے۔

میں نے اس موضوع پر تفصیل سے بحث کی ہے اس لئے کہ مقدمہ عبدالغنی قاسم بنام حسین میاں رحمت اللہ میں ایک غلط نظریہ قائم ہو گیا تھا اور اس کا فاضل ججان نے ایک تعجب خیز فیصلہ دیا کہ ایک وقف اس وقت جائز ہو سکتا ہے جب کہ وہ محض خدمت خداوندی کے لئے ہو۔ اس جامع رائے کے معنی متعین کرنا مشکل ہے۔ اگر اس رائے کو صحیح سمجھ لیا جائے تو امام باڑے خانقاہ اور درگاہ وغیرہ کے لیے جو اوقاف کئے گئے ہیں وہ سب ناجائز ہو جائیں گے۔ محض فیصلہ مطبوعہ کے مطالعہ سے یہ اخذ کرنا ممکن ہے کہ کس بنا پر یہ رائے قائم کی گئی کیونکہ اس میں کسی ایک بھی اصل ماخذ کا حوالہ نہیں دیا گیا ہے اور جیسا کہ بعد میں بتایا جائیگا کہ یہ مسلم قانون کے قطعاً خلاف ہے۔

فصل دوم:۔ ترتیب اوقاف

وقف تین درجوں میں قابل تقسیم ہے

فقہاء اسلام نے وقف کو تین درجوں میں تقسیم کیا ہے۔

۱۔ اوقاف اغنیا کے لیے اور اس کے بعد ناداروں کے لیے۔

۲۔ اغنیا اور ناداروں کے لئے یکساں اوقاف بالفاظ دیگر ایسے اوقاف جن سے اغنیا

اور نادار یکساں استفادہ کے مستحق ہیں۔

۳۔ اوقاف جو محض ناداروں کے لیے ہوں۔

کفایۃ المہنہاج کفایۃ المحیط میں ہے کہ کتاب وقف مصنفہ ہلال میں ہے کہ وقف

کئی قسم کے ہوتے ہیں ایسے اوقاف جو خالصتاً ناداروں کے لیے ہوں دوسری قسم کے

اوقاف جو اغنیا اور ناداروں دونوں کے لیے ہوں تیسرے وہ اوقاف جو اغنیا اور ناداروں

کے لیے بقدر مساوی ہوں جیسے رباط، سرائے، قبرستان و مساجد، پل وغیرہ اس لئے کہ اغنیا

اور غریب دونوں کی ضرورتیں ان سے وابستہ ہوتی ہیں۔

درالختار میں بھی بعینہ یہی ترتیب بتائی گئی ہے۔

اوقاف تین قسم کے ہوتے ہیں (الف) ناداروں کے لیے (ب) اغنیا کے لیے اور ان کے بعد ناداروں کے لیے (ج) اغنیا اور ناداروں دونوں کے لیے مساوی طور پر مثلاً مسافروں کے لیے یا راکیزوں کے لیے قیام گاہیں مسافروں کے پینے کے لیے پانی کے ذخیرے قبرستان بل اور اس کے مثل دوسری چیزیں مثلاً مساجد پن چکیاں اور خاص خاص برتن جو ہر ایک کے لیے ضروری ہیں۔

ایسے تمام اوقاف جائز اور صحیح ہیں۔ پہلے درجہ میں وہ تمام اوقاف شامل ہیں جو افراد یا اولاد یا عزیز یا دوستوں کے لیے کئے جائیں اور جن کے اصل گیر ندے غربا ہوں خواہ بوقت تشکیل وقف ان کے بارے میں صریحاً وضاحت کر دی گئی ہو یا وہ خود قانوناً مستحق ہوں اور بوقت تخلیق وقف ان کے حق میں عود وقف کی صراحت ہے تو بلا اختلاف رائے یہ وقف جائز ہے لیکن اگر بوقت تشکیل وقف غربا کا حوالہ نہیں آیا تب بھی مسلم قانون کے مطابق یہ وقف جائز و قابل پابندی ہے۔ اور حسب منشا قانون نامزد موقوفات انہم کے معدوم ہونے پر ایسا وقف غربا پر ہی عود کرے گا۔

ضممن دوم (۲) میں وہ اوقاف شامل ہیں جن سے اغنیا اور غربا دونوں مستفید ہوتے ہیں یعنی مساجد کارواں سرائی قیام گاہیں پانی کے ذخیرے۔ درگاہیں۔ ہسپتال۔ کالج اور قبرستان وغیرہ۔

ضممن سوم (۳) میں وہ اوقاف شامل ہیں جو محض غربا کے استفادہ کے لیے ہیں۔ یعنی لنگر خانے جہاں صرف غریبوں کو کھانا دیا جاتا ہے یا ایسے دارالخیرات جہاں اشیاء خوردنی تقسیم ہوتی ہیں یا پہننے کے لیے کپڑے یا مردوں کے لیے کفن یا غربا کی رہائش کے لیے مکانات یا ناداروں کے لیے ہسپتال وغیرہ۔

کسی بھی شخص یا جماعت کے حق میں وقف جائز ہے

درجہ اوقاف ضمن (۱) کے سلسلہ میں مختصراً یہ بتانا ہے کہ ایسا وقف کسی شخص یا اشخاص کے طبقے کے لیے خاص طور پر درج ذیل استثناء کے ساتھ کیا جاسکتا ہے۔

(الف) ایک مسلمان یا ذمی کے حق میں مگر کسی غریب ذمی (یعنی دارالحرب کا

باشندہ) کے حق میں نہیں ہو سکتا ہے۔

(ب) اپنے بچوں آل اولاد ذکور و اناث پیدا شدہ یا غیر پیدا شدہ کے حق میں۔

(ج) بعینہ بچوں کی آل اولاد کے حق میں بھی ہو سکتا ہے۔

(د) ورثاء اور غیر ورثاء۔

(و) ایک شخص کے قرابت دار پڑوسی وغیرہ۔

(و) غیر لوگ۔

(ز) کسی کے متوسلین اور ملازم وغیرہ۔

(ح) فقہ حنفی کے مطابق وقف خود واقف کے لیے اس کے بعد دوسرے اغراض

کے لیے ہو سکتا ہے بالفاظ دیگر ایک واقف خود کو ہی وقف کا سب سے پہلا استفادہ کنندہ مقرر کر سکتا ہے۔

حیثیت عمومی

وقف میں غایت مختص صریحاً محفوظ کی جاسکتی ہے مثل عام خیرات، کار خیر، اجر

جو دائمی نوعیت کا ہو۔ جیسے مسجد۔ مدرسہ۔ یا امام کاروضہ۔ امام باڑے وغیرہ یا جو غربا کے

لیے ہو ایسی صورت میں جب کہ مقصد واضح نہ ہو تو قانوناً اس کو تاہی کی تلافی اس طرح

ہوگی کہ بنیادی مقصد وقف معدوم ہونے کی صورت میں وہ اصل گیر ندان یعنی غربا کے

منافع میں دانمار ہے گا۔ حاصل کلام یہ کہ ایک وقف کسی حالت میں بھی ساقط نہیں ہوتا۔

اصول حنفی قانون

فتح القدر میں وقف اور مشارکت میں مماثلت کے بعد وقف کی بنیادی

منفعت بتاتے ہوئے کہ وہ انسانوں کو امور خیر کے قابل لکھا ہے کہ اس کے لغوی مفہوم

واصلی معنی میں لوازمات اور قواعد کی وضاحت ضروری ہے۔

لغوی معنی حسب قول صاحبین روکنے کے ہیں یعنی شے کے اصل کو اس طرح

روک دیا جائے کہ سوائے باری تعالیٰ کے وہ کسی کی ملکیت نہ رہے۔

اوقاف بالوصیت

واقف حسب مرضی کسی کو بھی منافع دے سکتا ہے اس لئے کہ اگرچہ تمام

ادقاف کی غایت حصول قربت خداوندی ہے تاہم فی الوقت اس غایت کے اظہار کے لیے جائیداد انبیاء کے حق میں اگر وقف بھی کر دے تو یہ وقف اس طرح جائز ہوگا جیسے کہ وہ ناداروں کے یا اغراض مسجد کے لیے وقف کیا گیا اس لئے کہ انبیاء کے حق میں وقف کرنے سے بھی اتنی ہی قربت خداوندی حاصل ہوتی ہے جیسی کہ غربا یا مسجد کے لیے وقف کرنے سے حالانکہ انبیاء کے معدوم ہو جانے پر بھی غربا کو بالسرراحت کوئی فائدہ نہ ہوتا تاہم یہ وقف ہوتا ہے اور ان کے معدوم ہو جانے سے قبل بھی وقف سمجھا جائے گا۔ اس اصول کے بنیادی وجہ یہ ہے کہ تمام ادقاف کی غایت اس دنیا کے زندہ لوگوں کی فلاح اور آخرت میں قربت خداوندی کا حصول ہے۔

وقف مبنی بر وقوف

تمام وہ شرائط جو امور خیر یا بخشش کے لیے ضروری ہیں وہی ایک جائز وقف کی تشکیل کے لیے لازمی ہیں۔ یعنی حریت، بلوغ اور اداک۔ نفاذ وقف فی الفور ہونا چاہئے نہ کہ کسی وقوف پر مشروط ہو مثلاً اگر کوئی یہ کہے کہ اگر میرا لڑکا واپس آجائے تو میرا مکان غربا کے لیے وقف ہوگا اور لڑکا واپس بھی آجائے تب بھی یہ مکان وقف نہیں ہوگا۔

غیر مسلم کا وقف

وقف کے لیے اسلام شرط نہیں ہے پس اگر ایک غیر مسلم کوئی زمین اپنے بچوں اور اس کی نسل کے لیے اور انجام کار غربا کے لیے وقف کرے تو یہ وقف اسی طرح جائز ہوگا جیسے کہ کوئی مسلمان وقف کرتا ہے اور ایسی صورت میں اس کا فائدہ جو نادار مسلمان اور ذمی غربا کو دینا جائز ہے۔ وقف کا منافع محض ذمی ناداروں کے لیے مخصوص ہو سکتا ہے جس میں یہودی اور عیسائی شامل ہیں۔ اور اگر یہ شرط ہو کہ ان میں سے ایک خاص جماعت ہی اس نفع سے بہراندوز ہو تو اس صورت میں محض وہی جماعت مستحق ہوگی۔ الغرض واقف کوئی بھی شرط عائد کرے وہ جائز ہے اور واقف کسی کو بھی دے سکتا ہے جب تک کہ وہ گنہگار نہ ہو۔ اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ ذمی کو بھی خیرات دینا قربت خداوندی کا سبب ہے لیکن ذمیوں کے حق میں وقف میں ضروری نہیں ہے کہ ان کے نزدیک بھی اس طرح قربت کی رعایت ہو جس طرح مسلمانوں کے

نزدیک پس کسی ذمی کا مکہ معظمہ میں حج یا عمرہ کی خاطر وقف کرنا جائز نہیں ہے۔ اس لئے کہ ذمیوں کے نزدیک حج جائز نہیں ہے۔ لیکن مسجد یروشلم کا وقف جائز ہے اس لئے کہ اسے مسلمان اور عیسائی دونوں ہی مقدس مانتے ہیں۔

وقف، وقف ہونے پر ملکیت خداوند میں تبدیل ہو جاتا ہے

مندرجہ شرائط کی تکمیل پر جن کی وضاحت کی جا چکی ہے تشکیل وقف ہوگی۔ اگر کوئی کہے کہ میری یہ جائیداد خدا کے لیے ہے تو یہ اس قول کے مساوی ہے کہ یہ صدقہ موقوفہ ہے۔ شاگردوں (صاحبین) کے نزدیک وقف سے مراد جائیداد کو اس طرح روک لینا ہے کہ ملکیت خداوندی کے اصول اس پر اس طرح نافذ ہو سکیں کہ جائیداد میں واقف کے حقوق ساقط ہو کر وہ ملکیت خداوندی میں منتقل ہو جائیں اور ان سے مخلوق خدا مستفید ہوتی رہے۔

یہ واضح ہے کہ جائیداد میں حقوق ملکیت تب ہی ساقط ہوتے ہیں جب کہ اسے مخلوق خدا کی فلاح کے لیے مخصوص کر دیا جائے کیونکہ ہر جائیداد ملک خداوندی ہے۔ قاضی خان نے وضاحت سے لکھا ہے کہ بالفاظ دیگر کسی جائیداد کے وقف کا منشاء محض تحویل خداوندی میں اس کی حفاظت ہے جو ناقابل ارث اور ناقابل انتقال ہو جاتی ہے۔ جب کوئی شے ایک بار وقف ہو جائے تو وہ نہ ورثہ میں دی جاسکتی ہے اور نہ بیع ہو سکتی ہے جیسا کہ آنحضرت صلعم کی (محیط) حدیث سے واضح ہے۔

دستاویزی وقف

پس آنحضرت صلعم کی احادیث کے حوالے اور دور ابتدائی کے صحابہ اور فقہاء کے اوقاف کی مثالوں کے بعد مصنف نے لکھا ہے کہ یہ قطعیت کے ساتھ ثابت ہے کہ جب کوئی شے ایک بار وقف ہو جائے تو یہ قطعاً ناقابل انتقال اور ناقابل ارث ہو جاتی ہے اور واقف و دیگر ورثاء کی کوئی ملکیت نہیں رہتی سوائے اس گنجائش کے جو خاص طور پر ان کے لیے بطور منافع رکھی گئی ہو اور دستاویزی انتقالات یعنی ایسا وقف جو واقف کے انتقال کے بعد نافذ ہو تو واقف بوقت صحت اسے منسوخ کر سکتا ہے۔ لیکن اگر منسوخ نہ کرے تو وقف ایک ثلث کے لیے (الزور ثناء رضامند نہ ہوں) وقف نافذ ہوگا۔

تفویض شدہ نمونہ قوف ضروری نہیں

ابو یوسف و ابو محمد ہر دو کے مطابق جب ایک بار کوئی جائیداد وقف کر دی جائے تو واقف کا حق ملکیت ساقط ہو جاتا ہے۔ ابو یوسف کے مطابق محض اس اعلان سے کہ جائیداد محض طور پر وقف کر دی گئی ہے حق ملکیت ساقط ہو جاتا ہے۔ یہی ہر سہ امامین شافعی، مالکی، حنبلی اور دیگر فقہاء کی بالاتفاق رائے ہے امام محمد کے نزدیک متولی کو جائیداد تفویض کرنے سے ہی ملکیت واقف ساقط ہو جاتی ہے مگر ابو یوسف کی رائے جس سے تمام فقہاء متفق ہیں مسلمہ ہے اور کفایہ میں بتایا گیا ہے کہ انہی کے قول کے مطابق فتاویٰ صادر کئے جاتے ہیں۔ اور مشائخ بلخ بھی اس سے متفق ہیں۔ مبسوط میں امام محمد کے ائمہ انصاف اس امر سے متفق ہیں۔

تفویض کا منشاء محض اس امر کی شہادت ہے کہ واقف اپنی جائیداد کے تمام حقوق سے سببہ ہو گیا اگرچہ اس کا منشاء تشکیل وقف نہیں۔ دست برداری کی وجہ سے واقف کی حفاظت ہو جاتی ہے جب متولی مقرر ہو تو اس کا منشاء یہ ہے کہ اس کا کوئی مزید منہ نہیں ہے۔

ابو یوسف کے مطابق وقف مشائخ جائز ہے۔ تفویض کے مسئلہ پر اختلاف رائے کی وجہ سے امام محمد کے نزدیک جائیداد کا ایسا حصہ جو قابل تقسیم ہے علیحدہ کر دینا چاہئے۔ ابو یوسف کے نزدیک تفویض ضروری نہیں ہے وقف مشائخ بعد اعلان واقف نامش ہو جاتا ہے ابو یوسف کی رائے کے پیرو عام فقہاء بلخ ہیں اور ان میں بعض نے امام محمد کی رائے کو اختیار کیا ہے۔

ابو یوسف کی رائے کو جیسا کہ بتایا گیا ہے حنفی فقہانے اختیار کیا ہے اس کے بعد سنیوں نے اپنی رائے لکھتا ہے (وقف میں کوئی تملیک یا انتقال حق) کسی دوسرے کے لیے نہیں ہے کہ اس پر قبضہ وہابی کی ضرورت ہو اور اسی لئے بلا تفویض قبضہ محض اعلان سے واقف کا حق ساقط ہو جاتا ہے۔ جب کوئی جائیداد ناقابل تقسیم ہو تو ابو یوسف اور ابو محمد ہر دو کا تقاسم ہی وقف کو جائز قرار دینے میں متفق ہیں جب کوئی قطعہ آراضی قبرستان یا مسجد کے لیے وقف کیا جائے تو اس کو جائیداد واقف سے الگ کر دینا چاہئے۔

اگر کوئی مکان کسی جماعت یا بچوں کی رہائش کے لیے اس شرط سے وقف کیا جائے کہ ان کے معدوم ہونے پر اس سے حاصل شدہ منافع غربا کو دیا جائیگا تو وقف جائز ہوگا اور نسل واقف ساقط ہونے پر مکان کرایہ پر دیا جائے گا جس کا کرایہ غربا پر صرف ہو۔ گا موقوف الیہم (مستفید) میں سے کوئی بھی کرایہ لینے کا مستحق نہ ہوگا۔

اگر اسکی آل اولاد میں اتنے کثیر آدمی ہوں کہ سب کے لیے رہائش کی گنجائش نہ ہو تو وہ باری باری سے رہ سکتے ہیں۔

دوام کا حوالہ ضروری نہیں ہے

ابو یوسف کے قول کے مطابق دوام یا کسی دائمی نوعیت کی غایت کا وقف میں حوالہ جواز وقف کے لیے ضروری نہیں ہے اس لئے کہ الفاظ وقف و صدقہ سے دوام کا ہی مفہوم ہوتا ہے۔

ابو یوسف کے مطابق جب کوئی وقف محض افراد کے حق میں کیا جائے تو ان کے معدوم ہونے پر وقف کی آمدنی غربا کے کام آئے گی۔

صحابہ کے کئے ہوئے اوقاف

آنحضرت صلعم کے صحابہ کی بڑی تعداد نے وقف کئے ہیں اور ان اوقاف کا مستند ذکر جو صحابہ اور صحابیات نے کئے ہیں پہلے کرچکا ہوں۔ ان کا حوالہ قساف میں بھی ہے۔ یہ وہ اوقاف ہیں جن کو ہم اصولاً سند مانتے ہیں۔ خلیفہ حضرت عمرؓ کا ان کا اراضی کا وقف واقع خیبر ہے۔ زبیر بن عوام کا وقف جو انہوں نے اپنی صاحبزادی کی گزاراوقات کے لیے کیا تھا جن کو ان کے شوہر نے طلاق دیدی تھی۔

حضرت عثمان بن اکرم مخزومی کا وقف اپنے بچوں اور ورثاء کے لیے اپنے مکان دارالسلام واقع صفا متصل مکہ معظمہ (اس مقام سے آنحضرت صلعم خطبہ ارشاد فرماتے تھے۔ بیہتی نے اپنی کتاب خلافت میں ابو بکر عبید اللہ بن زبیر حمیدی کی سند پر بتایا ہے کہ خلیفہ ابو بکرؓ کے پاس ایک مکان تھا اس کو انہوں نے اپنے بچوں کے حق میں وقف کر دیا تھا جو اب تک قائم ہے اور سعد بن ابی وقاص نے اپنے مکانات کو جو مدینہ منورہ اور منسر میں واقع تھے اور اب تک موجود ہیں اور خلیفہ حضرت عثمانؓ نے اپنی اراضیات کو

اولاد کے حق میں وقف کر دیا تھا اور وہ اب تک قائم ہیں۔

یہ بتانے کے بعد کہ وہ تمام اشیاء جو انسانوں میں عام لین دین کے کام آتی ہیں اصول مقبول کے مطابق جائز طور پر وقف ہو سکتی ہیں اسی پر تمام امام متفق ہیں اشیاء ابو یوسف کے نزدیک ایک واقف شے موقوفہ کا انتظام اپنے پاس رکھ سکتا ہے اور اس سے حاصل شدہ منافع تا حدیث حیات خود اپنے لئے مخصوص کر سکتا ہے ان ہر دو موضوع پر قدوری نے سیر حاصل بحث کی ہے اور احمد ابن ابی لیلیٰ ابن شاہ برنا ظہوری اور دوسرے امام یوسف متفق ہیں مگر امام محمد کی رائے اس کے برعکس ہے۔

واقف اپنے لیے حسب قانون حنفی مفاد مخصوص کر سکتا ہے

ابو یوسف کا یہ اصول آنحضرت صلعم کے عمل اور منضبط احادیث کی بنا پر ہے کہ وہ آرائیات جو آپ نے وقف کی ہیں ان کی جائیداد سے آپ استفادہ فرماتے تھے۔ ابو یوسف کی تائید میں دوسرا ثبوت یہ ہے کہ وقف کا منشاء ایک شخص کا جائیداد خود میں حق ملکیت ساقط کرنا اور تحویل خداوندی میں تفویض کرنا ہے پس جب کوئی شخص جزو آیا تمام مفاد کا منافع اپنے لئے مختص کر لیتا ہے تو اس سے وقف کی تقدیس میں کمی نہیں آتی اس لئے کہ یہ امر خداوند تعالیٰ کے نزدیک مستحسن اور جائز ہے۔

اسی طرح اپنے لئے بسراوقات کی شرط بھی وقف کے خلاف نہیں ہے مثلاً اگر کوئی شخص ایک کارواں سرائے اس شرط کے ساتھ وقف کرے کہ وہ بھی اس میں آرام کرے گا یا کوئی پانی کا حوض اس شرط سے وقف کرے کہ وہ بھی اس میں سے پانی لے گا یا قبرستان کے لیے زمین وقف کرے کہ وہ بھی دفن کیا جائے گا یہ تمام اوقاف جائز ہیں مزید برآں ہمارے آنحضرت صلعم کا ارشاد ہے کہ اگر کوئی شخص آئندہ کے لیے اپنی بسراوقات کا انتظام کرتا ہے تو وہ ایک امر خیر اور کار ثواب انجام دے رہا ہے۔ اس قوی حدیث کے بہت سے صحابہ کرام راوی ہیں اور یہ مستند ہیں۔ ابن ماجہ نے حضرت عائشہ کے حوالہ سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ آنحضرت صلعم نے ارشاد فرمایا کہ انسان کا کوئی نفع اتنا مستحسن نہیں جتنا کہ وہ اپنی قوت بازو سے پیدا کرے اور اس کا اپنی ذات اپنے متوسلین اور اہل خاندان کے آئندہ گزارہ کا انتظام کرنا صدقہ ہے۔ امام نسائی نے بقیہ سے

اور بقیہ نے اس حدیث کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے جو کچھ تم اپنے گزارے کا انتظام کرو وہ صدقہ ہے۔" ابن حبان نے صحیح میں ابو سعید کے حوالے سے بتایا ہے کہ آنحضرت صلعم کا ارشاد ہے جو کوئی جائز طریقہ سے جائیداد حاصل کرتا ہے اور اپنے یا دوسری مخلوق کیلئے بسر اوقات کا کام کرتا ہے یا خود لباس پہنتا ہے اور ان کو پہناتا ہے وہ راہ خدا میں صدقہ کرتا ہے اور دار کثنی کی جابر کی حوالے سے روایت ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ جو شخص اپنے لئے اپنے بچوں اور متعلقین کے لیے بسر اوقات کا انتظام کرتا ہے یا اپنے اور ان کے لیے روزی کا انتظام کرتا ہے تو وہ راہ خدا میں صدقہ ہے۔ طبرانی نے امامہ کے حوالے سے بتایا کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ اپنے یا اپنی اہلیہ یا کنبہ یا بچوں کے لیے بسر اوقات کا انتظام کرنا مثل صدقہ کے ہے۔ صحیح مسلم میں جابر سے روایت ہے کہ آنحضرت صلعم نے کسی صحابی سے فرمایا کہ اول خود لے امداد اور بقیہ اپنے کنبہ کو دے۔ ان تمام احادیث سے ابو یوسف کے اصول کی تائید ہوتی ہے۔

صدر الشہید نے لکھا ہے کہ ہم سب ہی اسی کے مطابق فتویٰ دیتے ہیں اور مشائخ بلخ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے اور ہدایہ نے بھی اسی اصول کو تسلیم کیا ہے۔ بالآخر اس سے ابو یوسف کی رائے کی تصدیق ہوتی ہے اگرچہ اس نے تفصیل نہیں دی ہے۔

اصول فتاویٰ قاضی خان

اس طرح فتاویٰ قاضی خان کے ”باب بہ عنوان ”کسی شخص کا وقف واقف کی ذات اس کے بچوں اس کے اقربا اور پڑوسیوں کے لیے“ (یہ اصول جس کی سند کے بارے میں شک نہیں ہے) اس طرح بتایا گیا ہے فقیہ ابو جعفر کے مطابق اگر کوئی شخص اپنی ذات کے لیے صدقہ (وقف) اس شرط پر کرے کہ وہ حین حیات خود کل آمدنی یا اس کا جزو اپنی ذات کے لیے صرف کرے گا تو ابو یوسف کے نزدیک یہ جائز ہے اور مشائخ بلخ نے بھی اس کو اختیار کیا ہے اور بقول ان کے ایسا وقف اور یہ شرط دونوں جائز ہیں اور صدر الشہید کی بھی یہی رائے ہے کہ فتاویٰ ابو یوسف کے قول کے مطابق ہی جاری ہونے چاہئیں۔

تکبر یہ کہ اگر کوئی شخص غربا کے لیے اس شرط کے ساتھ وقف کرتا ہے کہ تمام آمدنی اس کو ملے گی اور یہ کہتا ہے کہ اس آمدنی میں سے وہ خود پر بھی صرف کرے گا تو بقول ابو بکر یہ جائز ہے۔ مزید یہ کہ اگر کوئی کہتا ہے کہ یہ وقف میں نے اپنے لئے کیا ہے تو بقول ابو یوسف جائز ہے اور اس کے انتقال کے بعد غربا کے کام آئے گا۔ اگر کوئی شخص اپنے بچوں کی دینی حق میں وقف کرتا ہے تو اس طرح جائز ہوگا جیسے اس نے اپنے لئے وقف کیا ہو۔

تکبر یہ کہ انصاری نے اپنی کتاب وقف میں لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص درج ذیل عبارت کے ساتھ تشکیل وقف کرتا ہے ”میری زمین راہ خدا میں دائماً وقف ہے اور اس کا نفع میری حسین حیات میری ضرورتوں پر صرف ہوگا“ اور اس سے مزید کچھ نہیں لکھتا تو یہ وقف جائز ہے اس کے مرنے کے بعد منافع غربا کو ملے گا۔

یہی اصول درالختار میں بعینہ اس عبارت میں ہے۔ اگر کوئی شخص وقف کرتا ہے اور اس کا نفع یا اس کا انتظام اپنے لئے مخصوص کر لیتا ہے تو بقول ابو یوسف یہ وقف جائز ہے اور اس اصول کے مطابق فتوے دئے جاتے ہیں۔ یہی صدر الشہید کی رائے ہے اور اسی کو فقہ کی کتابوں میں مستند گردانا گیا ہے۔ فتح القدیر کے مصنف اور بلخ کے فقہاء نے بھی اس کو اختیار کیا ہے اور بحر الرائق میں بھی حاوی کے حوالہ سے یہی درج ہے۔ اور اسی اصول کو اختیار کیا گیا ہے اور اسی کے مطابق فتوے ہیں۔

واقف کے قرض کی ادائیگی یا دوسرے اغراض کے لیے وقف

فتاویٰ عالمگیری میں ذخیرہ کے حوالے سے ہے کہ جب کوئی شخص زمین یا کسی اور شے کا وقف کرتا ہے تو کل یا اس کا جزو یا تا حین حیات اپنے لئے مختص کر سکتا ہے جو اس کے بعد غربا کے لیے ہوگا ابو یوسف کے مطابق ایسا وقف جائز ہے اور فقہائے بلخ نے بھی اس رائے پر عمل کیا ہے۔ اور انہوں نے اسی کے مطابق فتوے صادر کئے ہیں تاکہ لوگوں میں وقف کرنے کے لیے رغبت پیدا ہو پس وقف کرنے کے اس طرح کئی طریقے ہیں مثلاً اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اس شرط پر کہ آمدنی سے وہ شخص میرا قرضہ ادا کرے گا یا دوسرا جملہ کہ میری موت کے بعد میرے اگر کوئی قرضہ ہو تو وہ قرضہ ادا

کرے گا یا جب فلاں شخص یا واقف کی موت واقع ہو تو پیداوار میں سے 1/10 حصہ اس کی طرف سے حج یا مکہ معظمہ کی زیارت پر خرچ کرے گا یا اس کے قسموں کے کھانے کے کفارہ طور پر فلاں فلاں طریقے میں خرچ کرے گا یا ہر سال صدقے میں سے اتنے اتنے درہم فلاں فلاں طریقے پر اور بقیہ رقم فلاں طریقے پر خرچ کرے گا۔ ان تمام طریقوں سے وقف جائز ہے۔ اگر واقف یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے صدقہ موقوفہ ہے اور متولی کو اس کی آمدنی سین حیات بلا کسی اضافہ کے مجھے دینا ہو گا یا دیتا رہے گا اور اس کی موت پر منافع غربا کو ملے گا تو یہ جائز ہے اسی طرح اگر یہ کہے کہ میری زمین صدقہ موقوفہ ہے اور تاحین حیات اس کا منافع مجھے ملتا رہے گا اور میرے بعد میرے بچوں کے بچوں کی اولاد یا ان کے بعد اگر کوئی زندہ رہے اسے ملتا رہے گا اور یہ سب ہی ختم ہو جائیں تو ناداروں کو ملے گا یا اگر وہ یہ شرط مقرر کرے۔ وہ اپنی واپس بچوں کی پرورش کرے گا اور آمدنی سے اپنے قرضے ادا کرے گا اور بعد انتقال آمدنی فلاں شخص کو اور فلاں شخص کے بچے اور اس کے بچے اور نسل کو ملے گی تو یہ جائز ہے۔ بقول نھصاف خود کو پہلے یا بعد میں رکھنے سے کوئی فرق نہیں ہوتا اگر کوئی شخص غربا کے لیے اس شرط کے ساتھ وقف کرتا ہے کہ جب تک وہ زندہ ہے دوسروں کو اس کی آمدنی میں سے کھلائے گا اور اس کی موت پر آمدنی اسکے بچوں کے لیے رہے گی اور اس طرح بچوں اور بچوں کے بچوں کے لیے اس کے بعد اس کی اولاد کے لیے اگر ان میں کوئی ہو تو اس شرط کے ساتھ بھی وقف جائز ہے۔

علامہ عینی کی رمز دفتر الحقائق میں بھی اسی طرح آتا ہے اگر واقف آمدنی وقف کو خود کے لیے مختص کرتا ہے اور وقف نامے میں شرط ہے کہ اس کی حین حیات آمدنی اس کے کام آئے گی اور اس کے بعد انتقال فلاں فلاں کے لیے یا کسی خاص مقصد کے لئے رہے گی تو ابو یوسف کے نزدیک ایسا وقف جائز ہے اور بلخ کے مشائخ نے بھی اس اصول کے مطابق فتویٰ جاری کئے ہیں۔

عام اتفاق رائے

اس موضوع پر فتاویٰ عالمگیری میں متعلقہ تفصیل بھی حسب بالا طریقے پر اس

طرح ہے۔

اگر کوئی یہ کہے کہ یہ زمین میرے لئے صدقہ موقوفہ ہے تو بالاتفاق رائے جائز ہے اور نذرانہ التعمین میں یہی ہے۔ اگر کوئی کہے کہ یہ زمین میرے لئے وقف ہے اور میرے بعد فلاں فلاں کو اور اس کے بعد غربا کے لیے ہے تو ابو یوسف کے نزدیک یہ وقف جائز ہے اور حاوی کی بھی یہی رائے ہے۔ اگر کوئی کہتا ہے کہ فلاں فلاں کے لیے یہ وقف ہے اور اس کے بعد میرے لئے اور میرے بعد فلاں فلاں کے لیے یا میرے غلاموں اور ان کے بعد فلاں فلاں کے لیے تو مستند ترین اسناد کے مطابق یہ جائز ہے اور غیاثیہ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

غیاثیہ البیان میں بعینہ اس طرح ہے۔

اگر کوئی شخص وقف کی آمدنی یا اس کا انتظام اپنے لئے مختص کرے تو ابو یوسف کے مطابق یہ جائز ہے۔ اور الواحی نے اپنے فتوؤں میں بھی یہی درج کیا ہے اور فقہائے بلخ نے بھی ابو یوسف کے قول کو تسلیم کیا ہے اور صدر الشہید نے بھی اسی کے مطابق فتوے دئے ہیں۔ پس اگر کوئی شخص تا صحن حیات تمام وقف خود کے لیے مختص کرتا ہے اور اپنے بعد غربا کے لیے تو یہ جائز ہوگا۔ تسہیل میں بھی انہی شرائط کے مطابق اس اصول کو تسلیم کیا گیا ہے۔

ابو یوسف نے واقف کے لیے یہ جائز قرار دیا ہے کہ تا صحن حیات کل منافع یا اس کا جزو خود کے لیے مختص کرے اور اس پر عامل ہو تو یہ آنحضرت صلعم کے عمل کے بنا پر ہے کہ آپ آمدنی وقف کو اپنی مصرف میں لاتے تھے۔ لیکن اگر واقف یہی شرط رکھے تو جزو کو کام میں نہیں لاسکتا۔

دجزا الحیط میں ہے کہ ابو یوسف کے مطابق اس طرح کے شرائط امام ابو حنیفہ و امام محمد کے نزدیک ضروری نہیں ہیں اس لئے کہ اگر کوئی شخص اپنے لئے یا اپنے بچوں کی ماؤں کے لیے یعنی وہ باندیاں جن سے وہ بچے پیدا ہوئے ہوں۔ یا اپنی بچیوں کے لیے کسی متاع کا وقف کرے تو جائز ہے۔

ابو یوسف کا یہ اصول بمقدمہ دودن جان بی بی بنام عبداللہ بار براحناف میں قانوناً نافذ العمل قرار دیا گیا ہے۔

شیعہ و شافعی قوانین

اہل شیعہ و شافعی ایک امر میں احناف سے مختلف ہیں۔ خفیوں کے مسلمہ اور مقبولہ اصول کے مطابق کوئی واقف تا حین حیات جائیداد وقف کی تمام آمدنی اپنے مقصد کیلئے مختص کر سکتا ہے حتیٰ کہ محض خود کو ایسے وقف سے استفادہ کنندہ مقرر کر سکتا ہے مگر اہل تشیع و شافعیوں کے مطابق اگر وہ متولی بھی ہے تو متولی کے لیے جو اولاد انس مقرر ہے وہی لے سکتا ہے۔ امام محمد اہل تشیع و شافعیوں سے اس بارے میں متفق ہیں کہ وہ حین حیات خود وقف کی تمام آمدنی کو اپنے لئے مختص نہیں کر سکتا۔ کسی بھی شخص کا اپنی اولاد کے لیے وقف میں قطعاً کوئی اختلاف نہیں ہے۔ تمام مذاہب ایسے وقف کے جواز کو تسلیم کرتے ہیں۔

اصول

کسی کا اپنی آل کے لیے وقف کرنا جائز ہے اس بارہ میں تمام مذاہب میں کوئی اختلاف نہیں درالمختار میں مواہب کے حوالہ سے ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے بچوں، اپنے لئے اور اولاد و نسل کے لئے وقف کرتا ہے اور تا حین حیات آمدنی وقف خود کے لیے مختص کرتا ہے بعد ازاں دوسروں کے لیے تو ابو یوسف کی رائے کے مطابق یہ وقف جائز ہے اور اس کے مطابق فتاویٰ بھی ہیں۔

درالمختار اس بارے میں سب سے زیادہ واضح ہے۔ جیسا کہ ابو یوسف کے مطابق وقف کی آمدنی خود کے لیے مختص کرنا جائز ہے۔ اس کے بعد الفاظ ”مابعد“ جو واقف عام طور پر تحریر کرتا ہے ان کا اس مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ مثلاً اگر کوئی بچوں کے لیے وقف کرتا ہے اور ان کے بعد بچوں کے بچوں کے لیے اور ان بچوں کے بچوں کے لیے تو جواز وقف پر کوئی اثر نہیں ہوتا جو کچھ بھی فرق ہے وہ صرف واقف کا تا حین حیات خود اپنے لئے منافع مختص کرنے کے بارہ میں ہے۔ مگر واقف کے بچوں کے لیے جواز وقف پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔

عام اتفاق رائے

سترہویں صدی کے وسط کی تصنیف مجمع النہار کے مصنف نے واضح الفاظ میں لکھا ہے کہ یہ اصول تمام مذاہب اور فرقوں میں مسلمہ ہے اور پرزور طریقہ پر تحریر

کیا ہے کہ اس بارہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے اگر کوئی شخص وقف کے منافع میں اپنے بچوں کو شریک قرار دے تو بچوں میں ذکور و اثاث سب ہی ساتھ ساتھ مستفید ہونگے۔ بدقتیکہ ذکور کے لیے یہ مختص نہ کیا گیا ہو۔

مسئلہ اصول

بنی اسلام حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے عہد سے آج تک مسلمانوں کا یہی مسئلہ قانون رہا ہے۔

در مختار میں ہے کہ کسی بھی شخص کے اپنے بچوں کے لیے وقف کے جواز کے بارہ میں اور کوئی شبہ نہیں ہے۔ مختلف مذاہب اور امام ابو یوسف و امام محمد میں بھی جو اختلاف ہے وہ آمدنی وقف تا حین حیات واقف مختص کرنے کے بارہ میں ہے۔

میں نے کتابوں کے اقتباسات پہلے ہی یہ بتانے کے لیے دیئے ہیں کہ واقف کی اولاد کے حق میں وقف جائز تسلیم کیا گیا ہے۔ اسی اصول کو مشہور اسناد کے حوالہ سے میں لکھتا ہوں۔ ہر کتاب فقہ میں ایسے اوقاف کے لیے ایک خاص باب ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں اس کا عنوان اسی طرح ہے جیسا کہ نسل دوم میں یعنی اپنے بچوں اور نسل کے متعلق اوقاف اور در مختار میں بھی عنوان اسی طرح سے ہے بچوں کے حق میں اوقاف سے متعلق تمام امور اور اس طرح ہر کتاب فقہ میں ایسا ہی عنوان ہے۔

ذیل

ذیل کے قول کے مطابق جو عظیم فقہا حنفی میں سے ہیں اور تمام سنی دنیا میں ان کی سند مسلمہ ہے اگر کوئی ان الفاظ میں وقف کرے ”میری یہ زمین میرے لئے اور میری اولاد کے لیے صدقہ موقوفہ ہے“ تو یہ جائز ہے اس لئے کہ امام محمد کے مطابق لفظ صدقہ سے ظاہر ہے کہ وقف دائمی ہے اور اس کے بچوں کے معدوم ہونے پر بھی غریبا جو ہمیشہ رہتے ہیں مستفید ہوتے رہیں گے۔ لیکن اگر وہ یہ کہے کہ میری یہ زمین میرے بچوں اور ان کی نسل کے لیے موقوفہ ہے تب بھی ابو یوسف کے مطابق اس کا وہی اثر ہوگا اور یہی صحیح ہے۔

اس موضوع کے بارہ میں فتح القدر کی عبارت کا پہلے ہی حوالہ دیا جا چکا ہے مگر مکرر حوالہ فائدہ سے خالی نہیں ہے۔ مصنف کے مطابق اسلام تکمیل وقف کے لیے شرائط میں سے نہیں ہے بالفاظ دیگر یہ ضروری نہیں کہ جس غایت کے لیے وقف کیا جائے وہ اسلام کے مطابق ہو نہ واقف کا مسلمان ہونا ضروری ہے۔ مصنف نے مزید بتایا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے بچوں، اپنی نسل اور ان کے بعد غربا کے لیے مختص کرتا ہے تو یہ جائز ہے۔

جب وقف سے استفادہ کرنے والوں میں سے کسی ایک کا انتقال ہو جائے اور اس امر کے بارہ میں کہ اس کے حصہ کا کیا ہو کوئی وضاحت نہ کی ہو ایسی صورت میں متوفی کا حصہ (منافع) ہر سال اس کے پس ماندہ بچوں میں تقسیم ہوگا جو اغنیا اور ناداروں کو ہی ملے گا بشرطیکہ واقف نے یہ وضاحت نہ کی ہو کہ وقف محض ان کے نادار بچوں کے لیے ہے۔ یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ واقف جب وقف میں اپنے بچوں اور اقربا کا حوالہ دیتا ہے یا یہ لکھتا ہے کہ وقف ان کے لیے ہے تو ایسی صورت میں اغنیا اور ناداروں دونوں کے لیے ہوگا تاوقتیکہ ناداروں کے لیے مختص نہ ہو۔ لیکن اگر یہ دوسروں یعنی غیروں کے لیے وقف کیا جائے تو ایسی صورت میں شمس الائمہ سرحسی کا قول ہے کہ اگر واقف نے غیروں کے لیے اسے مختص کر دیا ہے تو یہ جائز ہے خواہ وہ لوگ جن کے حق میں وقف کیا گیا ہے ان کی تعداد محدود ہو خواہ غیر محدود اس لئے کہ غایت وقف خوشنودی خداوند تعالیٰ حاصل کرنا ہے۔ اور جب وقف سے استفادہ اغنیا نادار دونوں کے لیے ہے تو اس میں دونوں مساوی ہیں۔ اگر کوئی غایت مختص نہیں کی گئی ہے اور وقف اولاد کی ایک محدود جماعت کے لیے ہے تو انہی کے لیے جائز ہے نہ کہ غیر محدود کے لیے تاوقتیکہ واقف نے بعض ایسے جملے استعمال نہ کئے ہوں جن سے عموماً یار و اجایاً اصلاً حاجت مند مراد ہوں یعنی اگر وقف عام طور پر یتیموں کے لیے ہے تو یہ جائز ہے اور اس کا منافع ناداروں کو ملے گا نہ کہ اغنیا کو۔ بقول شمس الائمہ سب کا منشا یہ ہے کہ وقف غیروں کے لیے ہے نہ کہ اپنی بچوں اور اقربا کے لیے۔

مزاہمقاتق میں درج ذیل اسی اصول کے مطابق ہے۔

اگر کوئی واقف وقف کی آمدنی اپنی ضرورت کے لیے مخصوص کرتا ہے یعنی اگر وقف نامہ میں اس طرح تحریر ہو کہ آمدنی وقف تا حین حیات اسکے استعمال کے لیے ہے اسکے بعد فلاں فلاں یا کسی مختص غرض کے لیے ہو تو ابو یوسف کے مطابق ایسا وقف جائز ہے اور فقہائے بلخ نے بھی اس کے مطابق طے کیا ہے۔ ابو یوسف کے اصول کی بنیاد آنحضرت مسلم کے اس اسوہ حسنہ کے مطابق ہے کہ آپ اپنے وقف کا منافع خود استعمال فرماتے تھے۔ اگرچہ یہاں بچوں کا حوالہ نہیں ہے لیکن ان کے لیے کسی قسم کی رکاوٹ بھی نہیں ہے اور لفظ (جہت) میں نسل کے حق میں بھی قیاس شامل ہے۔

فتاویٰ عالمگیری

فتاویٰ عالمگیری میں بعینہ یہ اصول دیا گیا ہے اولاً ہر وہ شرط جو اپنے بچوں کے بارہ میں ہے وہ دوسروں کے بچوں پر بھی منطبق ہوتی ہے۔ پس اپنے بچوں کے حق میں اور غیر کے بچوں کے حق میں جواز وقف میں کوئی فرق نہیں ہے۔

جب کوئی کسی آراضی کو اپنے بچوں کے حق میں وقف کرتا ہے اور ان کے بعد غربا کے لیے تو وہ بچے (بچے) اس سے استفادہ کر لیں گے خواہ بوقت وقف ہوں خواہ نہ ہوں یا بعد میں پیدا ہوئے ہوں۔ پس اسی طرح اگر کوئی یہ کہے کہ وقف میرے بچوں کے لیے ہے یا اب جو بچے پیدا ہوں ان کے لیے ہے اور ان کے نہ ہونے پر غربا کے لیے ہے تو ایسی صورت میں یہ وقف جائز ہو گا یا اگر کوئی یہ کہے کہ یہ وقف میں نے بچوں کے لیے کیا ہے اس سے استفادہ میں ذکور اور اثنا بچے شامل ہونگے۔

اگر کوئی یہ کہے کہ میری یہ زمین میرے بچے کے لیے وقف ہے اور میرے بچے کے بچے کے لیے اور اس بچے کے بچے کے لیے اس طرح تین نسلوں کا حوالہ دے تو یہ آمدنی ہمیشہ جب تک کہ آل اولاد میں سے کوئی بھی زندہ ہو اس کے لیے ہے اور غربا پر تقسیم نہ ہوگی۔ اسی طرح جب تک کہ اس کی آل میں کوئی بھی خواہ کتنا ہی بعید تر ہے اس کے لیے وقف رہے گی اس میں قریب تر اور بعید تر حصص منافع آمدنی میں برابر ہیں تا

وقتیکہ واقف نے بوقت وقف یہ طے نہ کیا ہو کہ اس سے قریب تر کا حق مرنج ہوگا۔ یا یہ کہا ہو کہ میرے بچے کے لیے اور اس کے بعد بچے کے بچے کے لیے یا یہ کہا ہو کہ نسل بعد نسل یعنی ان سے ابتداء کی جائے جیسے کہ واقف نے ابتداء کی تھی۔

اگر کوئی یہ کہے کہ میری یہ زمین میرے بچے اور نسل کے لیے وقف ہے تو یہ جائز ہے۔

علامہ طحطاوی کی شرح میں یہی اصول انہی شرائط کے مطابق ہے۔ ابو یوسف کے مطابق یہ واقف کے لیے جائز ہے کہ وقف کی آمدنی اپنے لئے مخصوص کر لے یا خود اس کا انتظام کرے اور اسی کے مطابق فتویٰ ہے۔

اگر کوئی شخص آراضی بچوں یا بچوں کے بچوں کے حق میں تا قیام نسل وقف کرے تو وقف کی آمدنی اس کی آل میں بقدر مساوی تقسیم ہوگی اور ذکور کو اثاث پر ترجیح نہیں ہوگی اس لئے کہ واقف نے حقوق مساوی طور پر معین کئے ہیں۔

ظہیر الروایت (مجموعہ احادیث) میں ہے کہ ایسے وقف آل میں اثاث (بیٹیاں) شامل نہ ہوں گی، اس کے مطابق فتویٰ ہے۔

بندیہ (فتاویٰ عالمگیری) میں ہے کہ جب کوئی اپنی نسل کے لیے وقف کرے تو اس نسل میں اس کی آل میں ذکور اور اثاث خواہ قریب ہو یا بعید دونوں شامل ہونگے۔ جب کوئی یہ کہے کہ میری یہ زمین میرے ولد (بچہ واحد) کے لیے وقف ہے تو اس صورت میں بچہ یا بچے ذکور و اثاث شامل ہونگے ان اقوال کے حوالے سے ظاہر ہے کہ کسی کا خود کے لیے اور اپنی اولاد کے لیے وقف کرنا بدیہی ہے۔

خزینہ المفتیین میں یہ اصول اس طرح دیا گیا ہے کہ اگر کوئی کہے کہ زمین میرے لئے صدقہ یا صدقہ موقوفہ ہے گویا کہ اس کا منشا یہ تھا کہ وہ تا حین حیات اس سے استفادہ کرے گا اور دوسروں کو بھی فائدہ پہنچائے گا تو یہ وقف سنداً جائز ہے۔

مکرر یہ کہ اگر ایک شخص غربا کے لیے اس شرط سے وقف کرتا ہے کہ وہ بھی اس سے استفادہ کرے گا تو یہ جائز ہوگا اگر کوئی یہ کہے کہ میری یہ زمین باری تعالیٰ کے لیے صدقہ موقوفہ دائماً موقوفہ ہے اور تا حین حیات خود اس سے استفادہ کرتا رہوں گا۔ مزید کچھ نہ کہے تو یہ جائز ہوگا۔ اور اس کے انتقال کے بعد غربا مستفید ہوں گے۔

مگر کوئی یہ کہے کہ جب تک میں زندہ ہوں اس کی آمدنی میرے لئے اور میرے بعد میرے بیٹے کے لئے اور میرے بیٹے کے بعد اس کے بیٹے کے لئے ہے جب تک کہ نسل قائم ہے لیکن اگر وہ معدوم ہو جاوے تو غربا کے لئے تو یہ جائز ہے۔ اگر وہ واقف اپنی بسر اوقات کے علاوہ یہ بھی شرط رکھے کہ اس آمدنی سے اس کے قرضوں کی ادائیگی ہوگی تو یہ بھی جائز ہے۔

ذرا الحسام اور مواہب میں بھی یہی اصول ہے کہ اگر کوئی تاحین حیات خود آمدنی مختص کرتا ہے اور ما بعد اپنے بچوں کے لئے مختص کرتا ہے تو امام ابو یوسف کے نزدیک جائز ہے اور اسی کے مطابق فتویٰ ہے۔
بجز طریق کا یہ پیر اس معاملے میں مفصل ہونے کے ساتھ اہم بھی ہے۔

جمع الانبار

جمع الانبار جو اٹھارویں صدی کے قریب لکھی گئی اس میں اسناد کے حوالوں کے مطابق فتویٰ ہے بالفاظ دیگر یہی قانون ہے۔ ایک شخص کا اپنے حق میں اور اپنے بچوں کے لئے ان کی نسل کے حق میں وقف اور نسل کے معدوم ہونے کی صورت میں غربا کے لئے وقف بالاتفاق جائز ہے۔ اور اگر غربا کا حوالہ نہ بھی ہو اور وقف کے ساتھ صدقہ کا حوالہ دیا گیا ہو تو یہ ابو محمد و ابو یوسف کے نزدیک جائز ہے۔ اولاد کے معدوم ہونے پر یہ وقف غربا کے لئے ہوگا۔ اگر غربا کا حوالہ نہ بھی دیا گیا ہے اور نہ لفظ صدقہ مستعمل ہو تب بھی ابو یوسف کے نزدیک جائز ہے اور ان کا منافع غربا پر صرف ہوگا اور یہی فتویٰ ہے۔

سراج الوباح

سراج الوباح میں یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ ایک شخص کے بچوں کے حق میں اور ان کے بعد غربا کے حق میں وقف جائز ہے۔ ہدایہ میں ہے کہ اگر کوئی شخص زمین کا وقف اپنے بچوں کے لئے اور بعد میں غربا کے لئے کرتا ہے اور بچوں میں بعض کے انتقال کے بعد بچوں کے پس ماندگان پر صرف ہوگا اور جب وہ معدوم ہو جائیں گے تو یہ غربا پر صرف ہوگا تو یہ جائز ہے۔

واجب المحیط

واجب المحیط میں یہ اصول بعینہ درج ہے۔ (باب کسی کے بچوں کے لئے وقف بعد ازاں اس کی نسل اور اس کے بعد غربا کے لیے) جب کوئی اپنی اولاد کے لیے وقف کرتا ہے تو اس میں اس کے بچے اور اس کے بیٹوں کے بچے شامل ہیں۔ اس میں بیٹیوں کے بچوں کے شمول کے بارہ میں دورائے ہیں۔ جب کوئی اپنی زمین اپنی اولاد اور ان کے بعد غربا پر وقف کرتا ہے تو بچوں میں سے کسی ایک کے انتقال پر بقیہ پس ماندگان پر اس کا مفاد منتقل ہو جاتا ہے۔ اور اگر بچوں میں سے کوئی بھی نہ رہے تو غربا پر صرف ہوگا۔ یہ اس سے مختلف ہے جب کہ وقف نامزد یعنی واقف کے بچوں میں سے چند کا نام مختص طور پر درج ہو اور ان کے معدوم ہونے پر غربا کے لیے۔ اس صورت میں ان نامزد مختص افراد میں سے کسی ایک کے انتقال پر متوفی کا حصہ غربا پر تقسیم ہوگا۔ یہاں یہ قیاس کیا گیا ہے کہ ایسا وقف جو بچوں کے حق میں کیا گیا ہو بالآخر غربا پر عود کرے گا اور یہ جائز ہے۔ فتاویٰ قاضی خان اس مسئلہ پر حرفِ قطعی ہے۔

فتاویٰ قاضی خان

خصاف میں ہے کہ جب کوئی شخص ان الفاظ کے ساتھ وقف کرے کہ میری زمین صدقہ یا صدقہ موقوفہ ہے اور اس کی آمدنی جب تک میں حیات ہوں مجھے ملتی رہے گی اور میرے بعد بچوں اور بچوں کے بچوں اور ان کی آل اولاد کو جب تک کہ نسل قائم رہے اور ان کے بعد غربا کو ملے گی تو یہ وقف جائز ہے۔

حاوی

حاوی میں جو ایک اہم تصنیف ہے جس کا حوالہ اکثر فتاویٰ قاضی خان و عالمگیری میں ملتا ہے اس اصول کو اس طرح بتایا گیا ہے اگر کوئی شخص قطعہ آراضی یا باغ اس شرط کے ساتھ وقف کرے کہ اگر اس کو کچھ منافع ہوگا تو یہ اس کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے استعمال ہوگا تو اس شرط کے ساتھ بھی وقف جائز ہوگا۔ یا وہ تمام منافع اور اس کا انتظام بھی اپنے لئے مخصوص کرے تب بھی وقف جائز ہے اسی طرح اگر اس شرط کے ساتھ وقف کرے کہ جب تک وہ زندہ ہے اس میں سے کھائے گا اور دوسروں کو کھلانے

کا تو اس شرط کے ساتھ بھی وقف جائز ہے اور یہی ابو یوسف کا مستند قول ہے اسی کے مطابق فتویٰ بھی ہے۔

اگر کوئی کہے کہ میری یہ زمین میرے لئے وقف ہے تو بقول ہلال جائز نہیں ہے لیکن دیگر تمام فقہاء کی رائے میں ایسا وقف ابو یوسف کی رائے کے مطابق جائز ہے۔ اور مشائخ بلخ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ اور ان کے نزدیک ایسا وقف اور شرط دونوں ہی جائز ہیں اور حسب صدر الشہید فتویٰ ابو یوسف کے قول کے مطابق جائز ہے۔ اگر واقف یہ کہتا ہے کہ میری یہ زمین موقوف ہے اور میں جب تک زندہ رہوں اس کی آمدنی میرے لئے اور میری موت پر بچوں کے لئے اور بچوں کے بچوں کے لئے آئندہ نسل کے لئے جب تک کہ وہ قائم رہیں اور ان کے مر جانے کے بعد غربا کے لئے ہے تو ایسا وقف جائز ہے۔ فتاویٰ انٹرویو میں یہ اصول اس طرح ہے

سوال۔ ایسی صورت میں کیا اصول ہے کہ اگر کوئی شخص اسی طرح وقف کرے (میری زمین میرے بچے اور میرے بچوں کے بچوں اور ان کے بچوں کے لئے صدقہ موقوف ہے)۔

جواب۔ یہ جائز ہے اور اس کا ان سب پر اطلاق ہوگا۔

سوال۔ کیا اس کی آمدنی ان کو دی جائے گی جو رشتہ میں بعید تر ہوں۔

جواب۔ ہاں اس لئے کہ ایسا وقف تمام آل اولاد کے وقف کے مساوی ہے جب تک کہ اس کی نسل قائم ہے۔ یہاں تین نسلوں کا حوالہ ہے اور جہاں کہیں بھی تین نسلوں کا حوالہ آتا ہے اس کی صحیح تاویل یہی ہے کہ وقف واقف کی پوری نسل کے لئے ہے جب تک کہ وہ قائم ہے۔

یہاں قابل توجہ ہے کہ لفظ صدقہ لفظ وقف کے ساتھ استعمال ہوا ہے اس لئے کہ وقف بالاتفاق جائز ہے۔ اگرچہ یہاں واقف کی نسل کے معدوم ہو جانے کی صورت میں آمدنی میں غربا کے استفادہ کا حوالہ نہیں ہے تاہم جیسا کہ بتایا جا چکا ہے امام محمد کے مطابق لفظ ”صدقہ“ سے فشا غربا کے حق کا ہے اور اس بارے میں کوئی اختلاف رائے نہیں ہے خواہ لفظ صدقہ استعمال نہ کیا جائے جب کہ غربا کا صریحاً حوالہ ہے۔ ابو یوسف کے مطابق لفظ صدقہ کا استعمال قطعاً غیر اہم ہے اور مندرجہ بالا صورت میں اگر

لفظ صدقہ کا استعمال نہ ہو تا تب بھی وقف قطعاً جائز ہوگا۔

جوہرۃ النیرۃ

جوہرۃ النیرۃ میں بھی اس طرح ہے کہ اگر کوئی ان شرائط کے ساتھ وقف کرتا ہے میری یہ زمین ہمیشہ کے لیے راہ خدا میں میرے بچوں کے لیے صدقہ وقف ہے اور ان کے معدوم ہونے کی صورت میں غربا استفادہ کے مستحق ہونگے تو جائز ہے۔ یہ امر قابل غور ہے کہ یہاں وقت کا تعین نہیں ہے کہ بچے کب معدوم ہوں تاہم وقف جائز قرار دیا گیا ہے۔

رام سوامی چودھری بنام محمد اسحاق

بمقدمہ رام سوامی چودھری بنام ابوالفتح محمد اسحاق عدالت عالیہ کلکتہ نے ایک نظریہ وضع کیا جس کے بارے میں ادباً عرض ہے کہ شرع میں اس کی کوئی سند نہیں ہے۔ شرعاً وقف کا انحصار کسی غیر معین اور غیر مشروط واقعہ پر ہونا چاہئے خاندان کا متوقع ستوط جیسے اصول جیسا کہ حال میں مدراس ہائی کورٹ نے یا تھوکنی بنام آپتھل کیس میں طے کیا درست نہیں۔ ادباً یہ بتانا ہے کہ شرع کے بارہ میں یہ رائے غلط فہمی کی بنا پر ہے۔ ایسے وقف کا تقاضہ جو کسی شرط کے وقوع پر منحصر ہے بلاشبہ ناجائز قرار دیا گیا ہے اور ایسے مشروط اوقاف کی مثالیں کتب ہائے فقہ میں ہیں ان میں سے کسی ایک کے مطالعہ سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اس اصول کا کیا مفہوم ہے۔

مثلاً اگر کوئی یہ کہے کہ اگر میرا لڑکا کل آجانے پر یا میرا جہاز آئندہ جمعہ تک بصرہ سے آجائے تو میرا یہ مکان وقف ہوگا پس ایسا وقف ایک شرط کے واقع ہونے پر منحصر ہے جو واقع ہو یا نہ ہو لڑکا کل آئے یا نہ آئے جہاز جمعہ کو پہنچے یا نہ پہنچے وقف اس وقت تک نافذ نہ ہوگا جب تک کہ وہ واقعہ جس پر کہ یہ مشروط ہے اصلاً واقع نہ ہو جائے مگر چونکہ اس کا وقوع قطعاً غیر یقینی اور مشروط ہے اس لیے وقف کو ناجائز قرار دیا گیا ہے اس لئے کہ مابین زندہ اشخاص جواز وقف کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ یہ جس بات کے لیے جو کہ شرعاً گناہ نہ ہو وقف کیا گیا ہے فوراً نافذ ہو اور اگر یہ متعلق بہ وصیت ہے تو یہ وقف کی موت پر نافذ ہونا چاہئے۔

ایسے اوقاف جن کا انحصار غیر یقینی حالات سے مشروط ہو ان کا اصول کسی کی آل اولاد کے حق میں وقف سے کوئی تعلق نہیں ہے مگر قانون وقف سے قطعاً غلط نہیں کی بنا پر فیصلہ میں اس کا ذکر کیا گیا ہے۔ کسی شخص کا حنفی اصول کے مطابق اپنے بچوں یا آل اولاد کے لیے یا اپنے لئے وقف کرنا ایک مقدس طریقہ ہے جس سے قربت خداوندی حاصل ہوتی ہے۔ وقف غربا میں حوالہ بقول ابو محمد (نہ کہ ابو یوسف) جن کا فتویٰ ہے وقف کے جواز کے لیے حق ہے بلکہ اس کے دوام کے یقین کے لیے ہے۔ چونکہ بنی نوع انسانی کو معدوم ہونا ہے اور وقف کے لیے دوام ضروری ہے اس لئے ابو محمد کی رائے میں غربا کا حوالہ سریحاً لفظ صدقہ کے استعمال سے کنایاً ہونا چاہئے اس کے برعکس یوسف کے مطابق خواہ غربا کا حوالہ ہو یا نہ ہو اور خواہ لفظ صدقہ استعمال کیا گیا ہو یا نہیں لفظ وقف سے مفہوم ہے دوائی اس لئے جب تک کہ کوئی دوسرا مقصد نہ واضح کیا جائے وقف کی نسل سے معدوم ہونے پر آمدنی غربا پر ہی صرف ہوگی۔

جواز وقف کے بارہ میں کوئی شک نہیں ہے محض غربا کے حوالہ سے وقف فی نفسہ پیش وکم جائز نہیں ہوتا یہ تو صرف قانوناً شرط دوام کو مستحکم کرنے کیلئے ہے۔ مندرجہ بالا مقدمہ میں عدالت عالیہ کی محولہ تجویز اولاً بظاہر مشروط اوقاف کے متعلق قانونی غلطی نہیں کی بنا پر ہے۔ ثانیاً اس نظریہ پر مبنی ہے کہ بالآخر غربا کے حق میں وقف جب ہی ہو سکتا ہے کہ وقف نامہ میں اس کا حوالہ ہو۔ فیصلہ متذکرہ میں کسی سند کا حوالہ نہیں ہے جس پر یہ نظریہ قائم کیا گیا ہے۔

اس فیصلے اور شرع کے اصول کے نفاذ کی نوعیت سمجھنے کے لیے واقعات جو مصدقہ رپورٹ میں درج ہیں ان کا بتانا ضروری ہے۔

بذریعہ دستاویز مورخہ ۲۱ دسمبر ۱۸۶۸ء بطور وقف نامہ (رجسٹرڈ) ہر دو بھائی علی الترتیب الموسوم ابو الحسین عبدالرحمان اور ابو محمد عبدالقادر نے اپنی تمام غیر منقولہ جائیداد کو درج ذیل شرائط کے ساتھ بطور وقف نامہ حسب ضابطہ رجسٹری کرادیا۔

جو کہ ہم مقرران ہمارے والد اور اجداد کے نام کی بقا اور جائیداد کے تحفظ کے لیے ہی خدا کے فضل و کرم پر بھروسہ کرتے ہوئے اس کی عنایات و بخشش کے سہارے بدرستی صحت جسمانی و ہوش و حواس بہ پابندی جملہ فرائض اصول مذہبی بخوشی رضا

ور غبت بلا جبر و اکراہ ہماری غیر منقولہ جائیداد میں ہمارے حقوق ملکیت و حصص کو داغنا وقف کرتے ہیں۔ یعنی ہمارے تمام پر گئے، زمینداریاں، تعلقے، صیغے اور آراضیات معانی اور تمام موروثی خود اکتسابی جائیدادیں جو کہ نجی یا سرکاری نیلام میں خریدی گئی ہیں اور وہ تمام جائیدادیں جو ہمارے نام یا دوسرے کے نام درج ہیں ان کے بارے میں ہمارے تمام حقوق و مفادات جو ہمارے قبضے یا تصرف میں ہیں ان سب کو ہم ہمارے لڑکوں بچوں اور ہمارے خاندان کے افراد کے حق میں نسلاً بعد نسل وقف کرتے ہیں اور ان کے ساقط ہونے کی صورت میں غربا فقرا۔ بیوگان اور یتیموں کے حق میں وقف کرتے ہیں۔ دونوں بحیثیت متولیان ان سب کے انتظام و نگرانی کی ذمہ داری جب تک کہ ہم زندہ ہیں خود کرتے رہیں گے اور بحیثیت متولیان مقرران کو جائیداد موقوفہ تمام حقوق اور مفاد حاصل رہیں گے اور جو بھی نفع جائیداد مذکورہ سے حاصل ہوگا اس کو اس طرح سے کام میں لائیں گے کہ اگر ہمیں دعویٰ کی ضرورت پیش آئی یا ان جائیداد ہائے اوقاف یا ان کے منافع کے لیے کوئی دعویٰ یا عذر داری کسی عدالت دیوانی میں ہوئی تو ہم متولیان نافذ الوقت قانون و قواعد کی سنت کے مطابق پیروی کریں گے اور جائیداد موقوفہ کے منافع سے تمام مصارف ادا کریں گے۔ ہم متولیان ہمارے خاندان کے نام اور قار کو قائم رکھنے کے لیے ہماری زندگی میں جائز اور مناسب اخراجات ہمارے لئے ذرائع اور حیثیت کے مطابق کریں گے اور ہماری مرضی کے مطابق ان افراد کی پرورش و گزارے کے لیے جواب حیات ہیں یا بعد میں پیدا ہونگے و وظائف مقرر کریں گے اور مستفیدین کو ماہ بہ ماہ وظیفہ ادا کرتے رہیں گے۔ ان کی شادی یا غمی کے مراسم بھی حسب ضرورت انجام دیں گے۔ مقرران متولیان یا ہمارے جانشین متولیان اس امر کے مجاز ہوں گے جن کے حق میں وقف کیا گیا ہے خواہ زندہ ہوں یا بعد میں پیدا ہوں ان کے وظائف میں کمی بیشی ان کے مرتبے حالات نیز جائیداد ہائے موقوفہ کی آمدنی کے پیش نظر کریں گے مقرران اس کے بھی مجاز ہونگے کہ جائیداد ہائے وقف بطور کفالت یا تپنی یا دوپتی عطیہ مستقل یا عارضی اجارہ پر دیں اور دیگر جائیداد اس روپیہ سے جو بطور سلائی آئے خرید لیں۔ آراضیات وقف کا دیگر آراضیات سے باہمی مبادلہ کریں یا ان آراضیات کو وقف میں شامل کریں جو خرید یا مبادلہ سے آئی ہوں یا ان میں سے بعض کا منافع مصارف وقف پر

سرف کریں اور فاضل منافعہ تحویل خود میں رکھیں اور جائیداد ہائے اوقاف میں اضافے اور منافعہ میں گوشاں رہیں اور مقرران متولیان کی بعد تحریر دستاویز ہذا جو بھی جائیدادیں ہیں وہ سب وقف ہذا میں شامل رہیں گی۔ وہ اشخاص جن کے استفادہ کے لیے وقف کیا گیا ہے ان میں سے کوئی بھی جائیداد وقف میں سے کسی کو بیع یا رہن یا بیہ نہ کر سکے گا اور نہ ان کا وظیفہ ان کے خلاف کسی ڈگری میں قرق یا بیع ہو سکے گا۔ اس لئے کہ جائیداد ہائے موقوفہ ہمارے لڑکوں پوتوں وغیرہ کے لیے نسلاناً بعد نسلاناً کی گئی ہیں۔ وہ اشخاص (موقوفہ علیہم) جن کے حق میں وقف ہے اس امر کے مجاز نہ ہونگے کہ متولی یا متولیان سے موقوفہ جائیداد کا حساب طلب کریں یا ان کے خلاف عدالت میں تالش بابت اضافہ وظیفہ یا جائیداد ہائے وقف پر حصول قبضہ یا ان سے متعلق حساب منہی کا دعویٰ کریں اس سلسلہ میں کوئی بھی دعویٰ قابل پیش رفت نہ ہوگا اور ایسے دعویٰ کو عدالت خارج کرے گی۔ موقوفہ علیہم میں سے کوئی اس امر کا مجاز نہ ہوگا کہ اضافہ وظیفہ یا ہنگامی اخراجات کے لیے درخواست پیش کرے اگر متولیان واقعی ضرورت اضافہ سے مطمئن ہوں تو وظیفے میں اضافہ کرنے اور ضرورت پورا کرنے کے مجاز ہونگے۔ وقف ہذا کا اصل منشاء یہ ہے کہ جائیداد ہائے موقوفہ میں کوئی نقصان نہ ہو اور ان کا منافعہ خاندان کے نام کو برقرار رکھنے اور ان لوگوں کی پرورش اور جن کے لیے وقف ہے ان کے کام آئے۔ اس موقع پر مقرران یہ بھی بتانا چاہتے ہیں کہ بوقت تحریر دستاویز ہذا مقرران کسی کے مقروض نہیں ہیں اور جائیداد ہائے موقوفہ اب تک ہمارے قبضے میں ہے تعین اصل میں سے ہم نے افضل ترین حصہ قبضہ خود میں رکھا ہے تمام جائیداد پر قبضہ تحویل خود سے نکال کر وقف کر دیا ہے اور جائیداد ہائے اوقاف کی تفصیل اور حالات کا علم دستاویزات متذکرہ سے ہوگا اس لئے ان کے بارے میں کوئی فہرست بطور ضمیرہ شامل نہیں ہے۔

دستاویز ہذا کی رو سے یہ وقف بلاشبہ قطعاً واقفان اور انکی آل اولاد کے لیے نافذ اور ان کے معدوم ہونے کی صورت میں غربا پر عود کرے گا۔ پس فقہ حنفی کی رو سے جس کے واقفان پیرد ہیں لازمی شرائط کی تکمیل ہو جاتی ہے اور ان کے متولیان کی تقرری بھی خلاف شرع نہیں ہے۔ البتہ وہ اختیار جو مقرران دستاویز نے وظائف کے کم کرنے کے بارہ میں مخصوص کر لیا تھا اور یہ کہ مستفیدین اسی سلسلہ میں کوئی عذر بھی نہیں

کر سکتے اور یہ شرط کہ مقرران حساب دہی کی ذمہ داری سے بھی بری ہوں گے مثل دیگر شرائط کے ناقص اور منشاء قانون کے خلاف ہے۔

لیکن اگر وقف فوراً ہی قطعی ہو جائے تو وقف نامہ کی حد تک نافذ رہتا ہے۔ جیسا کہ مسئلہ کا منشا ہے اس لئے کہ شرائط خلاف شرع سے وقف باطل نہیں ہوتا بلکہ شرائط زائل ہو جاتی ہیں۔ شرائط وقف مطابق شرع کے نفاذ کو نہ واقف کم کر سکتا ہے اور نہ اپنے مابعد طرز عمل سے ان کی نوعیت کو متاثر کر سکتا ہے پس یہی اصول شرع ہے۔

رام سوامی چودہری بنام فتح محمد اسحق کا جائزہ

شرائط وقف نامہ سے ظاہر ہے کہ جائیداد ہائے موقوفہ کا وقف قطعی کیا گیا تھا اور اس میں متولیان کے لیے کہ وہ واقفان اور ان کی اولاد ذکور سے ہونگے شرط رکھی تھی۔ بعد تحریر دستاویز وقف نامہ عبدالرحمان عبدالقادر اس جائیداد کو بطور وقف جائیداد برتتے رہے انہوں نے خود کو متولیان سمجھا اور چند سال تک وصولی اور انتظام جائیداد کے متعلق خود کو کاغذات میں ایسا ہی بتاتے رہے۔ ۱۸۷۴ء میں عبدالرحمن مالی مشکلات میں مبتلا ہو گیا اور ۷ نومبر ۱۸۷۴ء کو ایک اجارہ پٹہ جائیداد مالیتی مبلغ دو ہزار چار سو روپیہ سالانہ اپنے بھائی عبدالقادر کے حق میں کر دیا اور عبدالقادر نے یکم جون ۱۸۷۵ء کو اپنے بھائی عبدالرحمن کے حق میں دستاویز قبولیت تحریر کر دی ان ہر دو دستاویزات کی باضابطہ رجسٹری ہوئی ہر دو بھائیوں نے یہ تحریر کر دیا کہ انہوں نے ۱۸۷۴ء کے وقف کو بوجہ ضرورت ذاتی فسخ کر دیا ہے جس کا شرعاً انہیں کوئی اختیار نہیں تھا۔

۱۸۸۱ء میں عبدالرحمن و عبدالقادر نے اپنی جائیداد کا باضابطہ تقاسمہ کر لیا اور دستاویز تقاسمہ مورخہ ۱۱ نومبر ۱۸۸۱ء میں تحریر کیا کہ وقف نامہ مورخہ ۲۸ دسمبر ۱۸۸۴ء ناجائز تھا اس لئے کہ دستاویز مذکور میں الفاظ صدقہ یا امر خیر درج ہونے سے یہ اصول شرع کے مطابق نہ تھا۔ تقاسمہ نامہ کی تحریر کے بعد عبدالقادر و عبدالرحمن نے اپنے اپنے حصہ کو بلا شرکت غیرے ملکیت ذاتی کے طور پر استعمال کیا اور عبدالرحمن جو کہ قرضہ سے گراں بار ہو چکا تھا اس نے اپنی جائیداد کو بہت سے حصوں اور ٹکڑوں میں منقسم کر کے علاحدہ علاحدہ رہن کر دیا۔ اگر آغاز ہی میں وقف جائز تھا تو متولیان کے مابعد

افعال بجا جواز وقف یا وقف متذکرہ پر اثر انداز نہ ہو سکتے تھے۔

۱۶ مارچ ۱۸۸۷ء عبدالحق محمد اسحق نے اپنی اور اپنے نابالغ بھائیوں دپیران عبدالرحمن کی جانب سے بطور استفادہ کنندگان وقف یہ دعویٰ دائر کیا اور منجملہ دیگر امور کے جائیداد ہائے موقوفہ کے استقرار وقف کے لیے مع اس دادرسی کے استدعا کی کہ جائیداد ہائے موقوفہ جو ان کے باپ عبدالرحمن نے منتقل الیہم کو منتقل کر دی تھی وہ واپس دلائی جائیں اور اسے تولیت سے مسترد کیا جائے۔ مقدمہ ہذا میں خاص خاص تنقیحات درج ذیل قائم ہوئیں۔

۱۔ آیا وقف نامہ جو مدعیان نے تحریر کیا جائز تھا۔ بصورت اثبات مدعیان کس دادرسی کے مستحق ہیں۔

۲۔ آیا وقف نامہ متازہ قانوناً ناجائز یعنی سازشی اور فریب کارانہ تھا اور کیا اس پر کبھی عمل ہوا۔

۳۔ آیا وقف نامہ متازہ مدعا علیہم ۱۔ ۲۔ کے طرز عمل اور طریقہ ہائے کار مابعد سے منسوخ ہو گیا۔

فاضل سب بیچ نے یہ طے کیا کہ عبدالرحمن و عبدالقادر ہر دو نے یہ وقف نامہ تحریر کیا تھا اور یہ کہ ہر دو بوقت تحریر جائیداد ہائے مشترکہ مالک و قابض تھے یہ کہ ان پر کوئی قرضہ کا بار نہ تھا اور دماغی و جسمانی اعتبار سے صحت مند تھے اور انہوں نے بخوشی و رضا و رغبت جائیداد کو راہ خدا میں برنبائے نیک نیتی وقف کیا تھا۔ یہ کہ بعد تحریر دستاویز ہر دو نے بطور متولیان اپنا فرض انجام دیا اور استفادہ کنندگان کی پرورش کرتے رہے۔ قرآن پاک اور مسلمانوں کی دیگر مذہبی کتب تعلیم کے لیے مدرسہ جاری رکھا اور جمع بندی کاغذات چھٹنا تیرج تولی اور توثیح اور دیگر دستاویزات سے متعلق انتظام جائیداد ہائے وقف میں خود کو متولی بخوبی ظاہر کیا۔ پانچ چھ سال بعد تحریر وقف نامہ عبدالرحمن بہت مقروض ہو گیا اور اس نے اپنے بھائی عبدالقادر سے ۱۶ نومبر ۱۸۸۰ء کو وقف کا تقاسمہ کر لیا۔ یہ کہ عبدالرحمن نے بلا علم و اجازت عبدالقادر بعض جائیداد ہائے اوقاف کو منتقل کر کے رہن اور پٹے پر دے دیا اور یہ کہ وہ اطلاق و بد نظمی جائیداد کا ذمہ دار ہے۔ سب بیچ نے یہ فیصلہ دیا کہ دستاویز وقف نامہ شرعاً جائز اور جائیداد ناقابل تقسیم تھی یہ کہ متولی کو الگ کیا

جائے اور مدعا علیہ ۲ کو متولی مقرر کیا جائے اور یہ کہ مدعا علیہ عبدالرحمن کے جائیداد ہائے موقوفہ کے انتحالات رہن نامے و پٹے ناجائز تھے ان کو منسوخ کیا جائے اور ڈگری بحق مدعیان صادر کی جائے۔

مدعا علیہ نے ہائی کورٹ میں یہ اپیل دائر کی۔ فاضل جج نے متذکرہ واقعات کو درج کرتے ہوئے تجویز کی کہ فاضل ایڈووکیٹ جنرل نے بحث کی ہے کہ مقدمہ ہذا میں مقدمہ قاسم علی بنام حسین میاں، رحمت اللہ و محمد عبداللہ خان بنام لطف الحق اور مقدمہ دو جان بی بی بنام عبداللہ بابر کی سند غلط تھی موقوفہ الذکر مقدمہ میں سپریم کورٹ کلکتہ کے چیف جسٹس اور دیگر جج جج نے فیصلہ دیا تھا اس مقدمہ میں فاضل ایڈووکیٹ جنرل نے دوران بحث مقدمہ فاطمہ بی بی بنام ایڈووکیٹ جنرل بمبئی اور امرت لال کالید اس بنام شیخ حسین اور ان اسناد پر جن کا امیر علی نے اپنے ٹیگور لایکچر میں مختصراً جزو اذکر کیا اور جس میں مسٹر بیلی کا حوالہ دیا گیا انحصار کیا ہے۔

فاضل چیف جسٹس رین کا فیصلہ ان علماء کی رائے پر منحصر ہے جن سے اصول شرع کے بارے میں استصواب کیا گیا تھا۔ یہ فیصلہ بہت اہم ہے مگر جواز وقف کے بارہ میں جو فیصلہ کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ ایسا وقف بھی جو اغراض خیر کے لیے کیا گیا ہے جائز ہے خواہ واقف نے حین حیات خود کرایوں اور منافعوں کو اپنے لئے مختص کر لیا ہو اور خواہ واقف نے خود کو متولی بھی مقرر کر لیا ہو اور دوسرے کو قبضہ بھی نہ دیا ہو۔ اگرچہ فیصلے میں یہ درج نہیں ہے کہ آیا ایسا وقف جو بادی النظر میں مذہبی و امور خیر کے لیے وقف نہ ہو جائز ہے؟ اور یہی مسئلہ ہمارے سامنے زیر غور ہے۔

فیصلہ مذکور میں البتہ یہ ضرور بتایا ہے کہ فیصلہ ہائے مقدمہ عبدالغنی قاسم بنام رحمت اللہ اور محمد حمید اللہ خان بنام لطف الحق اس حد سے آگے چلے گئے ہیں کہ ایک وقف جائز اپنی تخلیق سے ہی خالصتاً و محض مذہبی اور اغراض خیر کے لیے ہونا چاہئے مگر یہ نہیں بتایا گیا کہ وہ ان کا اصلاً اور حقیقتاً مذہبی و امر خیر پر مبنی ہونے کا نظریہ غلط تھا۔ اور مقدمہ دو جان بی بی بنام عبداللہ بابر میں مذہبی اغراض کے لیے جس منافعہ کا وقف نامہ میں حوالہ ہے نہ قطعاً اور نہ غیر یقینی طور پر واقف یا اس کی اولاد کے حصوں کے لئے جب تک کہ موقوفہ الذکر قائم ہیں ملتوی کیا گیا ہے بلکہ وہ اسی سے مفاد حاصل کرتے رہیں۔ البتہ

اس سے جو کچھ بچے وہ واقف اور بعض دوسرے اشخاص کے لیے جو موجود ہوں ان کے استعمال کے لیے تھا۔

فائصل اینڈ وکٹ جنرل نے موجودہ دیگر مقدمات فاطمہ بی بی بنام اینڈ وکٹ جنرل بمبئی وکالی واس بنام شیخ حسین پر انحصار کیا ہے ان میں یہی طے کیا گیا ہے کہ ایک واقف کا اس کی اولاد کی حق میں دائما وقف کرنا جائز ہے بشرطیکہ بالآخر وہ وقف کسی مذہبی یا امر خیر کے لیے ہو خواہ کتنا ہی بعید الامکان ہو۔ ہم اس نظیر کو ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں تا وقتیکہ اس کی مکمل تائید مسلمہ اسناد سے نہ ہو۔ بلاشبہ بیلی اور میگور لایکچرر کے فائصل مقرر نے قانون کی اس توسیع کی تائید کی ہے لیکن ہدایہ (ترجمہ ہملٹن اور دیگر نظائر سے جو ہمارے سامنے پیش ہوئے ہیں یہ ظاہر ہے کہ وقف اغراض مذہبی یا امر خیر کے لیے ہونا چاہئے خواہ غارنسی یا تھوڑی مدت کے لیے کھلایا جزو امفاد خاندان واقف کے لیے ہو تمام نظائر جن میں کہ موثر الذکر اصول کو جائز قرار دیا گیا ہے وہی ہیں جن میں کہ وقف کا ماخذ اصلی اور سرینما مقصد کسی حد تک مذہبی یا خیراتی تھا اور یہ کہ وقف کسی غیر معین وقوعہ مثلاً خاندان کے امکانی ستوطہ پر قطعاً منحصر نہ ہو۔ یہی معاملہ حال میں مدارس ہائی کورٹ نے حتمی متوکئی بنام اور آپٹل کئی بالوضاحت طے کیا گیا ہے

ہمارے سامنے مسز انولس کی محولہ نظیر پر یوی کو نسل بمقدمہ محمد احسان اللہ چودھری بنام امر چند کندو ہے جس میں مسز انولس نے ایسے وقف نامہ کو جائز تسلیم نہیں کیا جس میں کہ خاص قسم کے الفاظ کے استعمال سے خاندان کا جائیداد موقوفہ پر اقتدار با اختیار کا اضافہ اور اسے ناقابل انتقال بنانے کے لیے پردہ پوشی کی گئی ہو۔

یعنی ہماری نظر میں مسئلہ متنازعہ کا وقف نامہ ہے اور اس امر کے باوجود کہ بعد تحریر دستاویز مالکان جائیداد نے چند سال تک خود کو برائے نام متولی ظاہر کیا مگر ان کا اپنے حقوق مالکانہ سے کبھی دست برداری کا ارادہ نہیں تھا۔ اور بہت پہلے سے ہی انہوں نے اپنی تولیت کا شائبہ تک بھی ترک کر دیا تھا۔ ہم یہ یقین نہیں کر سکتے کہ فقہائے شرع کی کبھی یہ نیت رہی ہو کہ بارگاہ خداوندی کے نام پر وقف کے فرضی پردے میں اس جائیداد موقوفہ کو اپنے استعمال کے لیے محفوظ کر لیں یا اس طرح اپنے یا اپنے ذمگی قرضوں سے حفاظت میں متعین کر لیں اور ایسے انتقالات کو جن کا پورا بدل مل چکا تھا منسوخ کر دیں۔

بد قسمتی سے عدالت کے سامنے نہ اصل ماخذ پر بحث ہوئی اور نہ قطعاً فیصلے میں ہی اس کا کوئی حوالہ ہے حتیٰ کہ مسٹر بیلی کے مجموعہ قوانین کا بھی محض سرسری حوالہ ہے۔ ان نظریات سے جن کا فیصلہ میں ذکر کیا گیا ہے نہ اصول محولہ کی وضاحت ہوتی ہے اور نہ مطابقت ہملٹن کی ہدایہ کا حوالہ اس نظریہ کی تائید میں دیا گیا ہے کہ ایک وقف کا مذہبی و اغراض خیر کے لیے ہونا ضروری ہے خواہ وہ کل وقف یا اس کا جز عارضی و درمیانی مدت کے لیے واقف کے خاندان اور متعلقین کے استفادہ کے لیے کیا گیا ہو۔ مسلمہ اسناد کے حوالہ سے یہ بتایا گیا ہے کہ یہ نظریہ اصول شرع کے قطعاً متضاد ہے اور اوقاف کو مجوزہ طریقہ پر محدود کر دینے کے لیے کوئی وجہ معقول نہیں ہے۔ ہدایہ میں آیا اس نظریہ کی تائید میں کوئی سند ہے یا نہیں اس پر بعد میں اظہار خیال کیا جائے گا مگر یہ ظاہر کئے بغیر نہیں رہا جاسکتا کہ سابقہ زمانوں میں عدالت ہائے عدالت اولاً خود ان ماخذ قانون پر غور و فکر کرتی ہیں جن کے متعلق انہیں فیصلہ کرنا نہیں تھا جس طرح مثلاً بمقدمہ دو دوم جان بی بی بنام عبداللہ باربر میں فریقین میں سے کسی نے بھی اسناد کا حوالہ نہیں دیا ہے۔ بلکہ سپریم کورٹ نے بھی بطور خود ہی ممکنہ حصول اسناد کا بہت ہی کاوش سے ترجمہ کرایا۔ زمانہ مابعد میں اصل ماخذ کا حوالہ کسی حد تک کم ہو گیا۔

یہاں یہ بتایا جاتا ہے کہ اصل اصول جس پر زیر بحث فیصلے کی اساس ہے وہ الفاظ کی غلط تعبیر پر مبنی ہے۔ فاضل ججان نے مقدمہ دو جان بی بی بنام عبداللہ باربر میں فاضل چیف جسٹس کے فیصلے کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ قطعی ظاہر ہے کہ مقدمہ غنی قاسم بنام حسین میاں رحمت اللہ اور محمد حمید اللہ خان بنام لطف الحق کے فیصلے میں حد سے تجاوز کیا گیا تھا کہ ایک جائز وقف اپنی تخلیق سے ہی اصلاً اور مختص طور پر مذہبی یا اغراض خیر کے لیے ہونا چاہئے مگر اس سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ وہ اس تعبیر میں غلط تھے کہ اصلاً اور مختص طور پر اغراض بھی اسی نوعیت کے ہونا چاہئے اور مزید یہ کہ وہ تمام مقدمات جن میں کہ مؤخر الذکر کے طریقے (وقف کی کل آمدنی یا جزو واقف کے لیے ترجیح ہو) کو صریحاً منظور کیا گیا ان میں کہ وقف کا صریح اور اصل مقصد مذہبی یا خیراتی تھا۔ ہر دو عبارتوں کے ملاحظہ سے ظاہر ہے کہ اصطلاحات اور الفاظ کا غلط طور پر استعمال کیا گیا ہے بلکہ الفاظ بلاشبہ انگریزوں کے نہ کہ مسلمانوں کے مفہوم کے مطابق استعمال

کئے گئے ہیں۔ یہ اصطلاحات مسٹر ہملٹن نے پدایہ کے ترجمہ میں ایک نوٹ میں استعمال کی ہیں مگر شرع میں کہیں نہیں ہیں بلکہ شرعاً ہر امر خیر کے لیے وقف ہو سکتا ہے۔ فقہ حنفی کے مطابق جو مسکنہ کہ فاضل جہان کے زیر غور تھا یہ صریحاً بتایا گیا ہے کہ خود کے لیے بسر اوقات کا انتظام کرنا ایک کار ثواب ہے اور اپنے بچوں یا اقربا کے گزارے کے بارہ میں تمام مذاہب میں قطعی کوئی اختلاف نہیں ہے۔ مذہب اور قانون اسلام کے مطابق ایسا وقف اتنا ہی مذہبی اور امر خیر ہے جیسا کہ غربا کے لیے وقف کرنا۔ لفظ وقف کو محض ان اغراض تک محدود کرنا جو کہ انگریزوں کے طریقہ قانون کے مطابق ہو لفظ ہے مقدمہ میرٹھ اسرائیل خان بنام ششی چرن گھوس میں فاضل جج نے اس رائے کا بہت ہی برکت منگلی اظہار کیا ہے کہ ایک وقف نامے کی توضیح کرتے وقت ہمیں قدرتا اس پر غور کرنا چاہئے کہ مسلمانوں میں ان الفاظ کا کیا مفہوم ہے۔ بعض الفاظ کے ہم جانتے ہیں اسکاٹ لینڈ میں بالکل اس کے مختلف معنی ہیں جو انٹیکنڈ میں مستعمل ہیں۔

پس ہندوستان میں الفاظ کا کسی مسلمان کے نزدیک کیا منشا ہے ہمیں مسلمانوں کے قانون (شرع) میں ان کی تعریف دیکھنا چاہئے نہ کہ وہ تعریف جو انگلش ڈکشنری میں دی گئی ہو۔

اوپر بتایا جا چکا ہے کہ وقف کی تعریف ملکیت خداوندی میں عین جائیداد کو اس طرح روک دینا ہے کہ اس کا منافع بندگان خدا کے کام آسکے۔ یہ کہیں درج نہیں ہے کہ وہ غریب اور نادار ہی ہوں۔ مقدمہ دو جان بی بی بنام عبداللہ باربر میں یہ نظریہ ہے کہ محفوظ حصہ۔ خود واقف اور محض بعض ان اشخاص کے لیے مختص تھا جو پہلے سے موجود تھے۔ اس سے جواز وقف زائل ہوتا ہے۔ یہ فاضل جہان کی قطعاً غلط فہمی پر مبنی ہے۔ مسلم قانون کے بغور مطالعہ سے ظاہر ہو گا کہ وقف خواہ اشخاص موجودہ یا غیر موجود کے حق میں کیا گیا ہو جواز وقف پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ فیصلے میں دوسرا پیرا قابل توجہ ہے وہ یہ کہ ہم یقین نہیں کر سکتے کہ فقہاء اسلام کا کبھی یہ منشا ہو سکتا تھا کہ راہ خدا میں ایک فرضی وقف علی اللہ کی آڑ میں مالکان جائیداد اس کو اپنے مفاد میں استعمال کا موقع دیا جائے اور وہ اسے ہمیشہ اپنے اور اپنی اولاد کے قرض خواہوں سے بچائے رکھیں اور ان انتقالات کو منسوخ کر دیں جن کا کہ وہ پورا بدل حاصل کر چکے ہیں۔ یہ ادباً تحریر ہے کہ

اس جملے کے واقعی معنی سمجھنا مشکل ہیں اسلئے کہ شرعاً وقف کی نوعیت اور اس کے قانونی اثر کے سمجھنے میں کچھ غلط فہمی ہوئی ہے۔ لفظ وقف کے فریب آمیز استعمال سے یہی زیر نزاع مسئلہ بمنزلہ ثبوت طے ہو جاتا ہے۔

مسلم لا کے تحت کسی کا اپنے یا اپنی نسل یا اقربا کی بسراوقات کے لیے وقف کرنا ایک امر خیر ہے جو وقف کے لیے ایک مناسب مقصد ہے۔ لفظ وقف جو سلسلہ بسلسلہ انتقال خواہ بذریعہ بیع یا وقف ہو اس کا مفہوم بظاہر انتقال ہے مگر اصلاً منتقل کنندہ اپنے حقوق مالکانہ سے علیحدگی اختیار نہیں کرتا۔ اس کا فرضی ہیہہ سے یہ منشا ہے کہ اگرچہ واقف کا مقصد دوسرے کو جائیداد دینا ہوتا ہے لیکن وہ اسے اپنی ہی جانتے ہوئے قبضہ خود میں رکھتا ہے ایسی صورت میں اگر انتقال قبضہ ہو جاتا ہے تب بھی یہ خفیہ طور پر واقف کی ہی ملک رہتی ہے اسی طرح بذریعہ بیع یا وقف بائع یا واقف اپنا حق ملکیت جائیداد سے علیحدہ نہیں کرتا اور بلکہ ملکیت تمام عرصہ قائم رہتی ہے۔ جب ایک بار وقف ہو جاتا ہے تو جائیداد میں واقف کا حق ملکیت قطعاً ختم ہو جاتا ہے بالفاظ دیگر بروئے قانون حق ملکیت ساقط ہو جاتا ہے اور اس وقت سے ہی جائیداد ملکیت خداوندی میں تفویض ہو جاتی ہے اور اگر واقف بوقت وقف مقروض ہے تو شرعاً ان حالات میں کس طرح عمل کیا جائے اس امر کی وضاحت کی گئی ہے لیکن اگر واقف اس وقت مقروض نہیں ہے یا اس کے پاس دوسری جائیداد ہے جس سے قرضہ بیباق ہو سکتا ہے تو قرض وصول خواہ کریں۔ اگر آمدنی وقف میں اس کا کوئی حصہ ہے تو اس کے حین حیات یہ آمدنی اس کے قرضوں کے ادائیگی میں کام آئے گی۔

استفادہ کنندگان اس کی اولاد میں ہیں اور ان میں سے کوئی قرضہ لیتا ہے تو اسی کے حصہ سے تا حین حیات قرضے کی ادائیگی کی جا سکتی ہے لیکن نہ واقف نہ ورثاء جائیداد کو کسی صورت میں بھی خواہ بدل یا بے بدل نہ مکفول کر سکتے ہیں اور نہ منتقل۔ وقف نامہ کی شرائط کے خلاف کوئی بھی معاملہ خلاف ورزی معاہدہ ہے پس یہی اصول شرع ہے اور کسی اور لفظ کے استعمال سے ایسے شخص کے فعل سے نتائج قانونی پر کوئی اثر نہیں ہوتا جو ایسی جائیداد لازمی وقف کرنے کا مجاز ہو جو قانوناً فوراً قابل نفاذ اور نا قابل تنسیخ ہو۔

محمد احسن اللہ چودہری بنام امر چند کندو

بمقدمہ محمد احسن اللہ چودہری بنام امر چند کندو جس کا فاضل ججان نے حوالہ دیا ہے بلاشبہ ان کے ظاہر نظریہ سے کسی حد تک مطابقت رکھتا ہے۔ اس میں بھی پریوی کو نسل کے فاضل ججان نے کسی کلیہ کے وضع کرنے سے انکار کر دیا اور انہوں نے بہت غور و احتیاط سے امر خیر کی نوعیت کو برقرار رکھتے ہوئے بتایا ہے کہ جائز وقف کیسا ہو سکتا ہے یا اس کی ٹھیک ٹھیک تعریف کیا ہو سکتی ہے یا واقف کے اہل خاندان کے گزارہ کے لیے اس میں کس حد تک گنجائش رکھی جاسکتی ہے۔ اصلاً جہاں تک اس مقدمہ کا تعلق ہے ظاہر نہیں ہوتا کہ جوڈیشل کمیٹی کا ارادہ واقعات پیش کردہ کے ماسوا ان اسباب پر بھی غور کرنے کا تھا جو کسی حد تک انگریز قانون دانوں کے ذہن میں شبہات اور بدظنی کی وجہ ہو سکتے تھے۔ وقف نامے کا پیرا ۸۱ جس کی رو سے متولیان اپنی صواب دید سے اپنی تنخواہوں میں اضافہ کرنے کے مجاز تھے قابل اعتراض تھا اور شاید ناجائز بھی مگر جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے حسب شرع کسی وقف نامے میں ناجائز شرط وقف کو باطل نہیں کرتی بلکہ وہ خود باطل ہو جاتی ہے۔ بہر حال ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فاضل ججان کے علم میں یہ امر نہیں لایا گیا۔ اس کے برعکس ان کے سامنے نہ کسی سند کا حوالہ دیا گیا نہ ایسی کوئی مستند نظیر ان کے سامنے تھی۔ شرعاً ایک بہہ بھی مثل وقف ہی موثر ہے تا وقتیکہ جائیداد اصلاً اور خیر مقررہ یا غیر مقررہ کے لیے وقف نہ کی جائے۔ مگر ایسے اوقاف کے جواز کی تائید میں کوئی سند پیش نہیں کی گئی ہے اگرچہ اس امر پر اتفاق رائے ہے۔ نہ عربی زبان میں کسی کتاب فقہ کا حوالہ دیا گیا ہے۔ مقدمہ مذکور میں عدالت عالیہ اور جوڈیشل کمیٹی ہردو کے سامنے ایسے غلط نظریہ پر بحث کی گئی کہ ایک وقف جواز کے لیے اس طرح فی الاصل وقف ہونا چاہئے جو انگریزی قانون کے مطابق ہو جیسا کہ شرعاً مفہوم ہے نہ اس کی وضاحت کی گئی ہے اور نہ بتایا گیا ہے کہ مسلم قانون میں کسی شخص کا خاندان کے کسی شخص یا خاندان کے گزارہ کے لیے وقف کرنا اعلیٰ ترین امر خیر ہے اور کسی کا اپنی آل کی پرورش کے لیے جائیداد کو بطور وقف محفوظ کر دینا اغراض خیر کے لیے ایسا ہی وقف ہو گا جیسا کہ درمختار کی زبان میں غربا کے لیے وقف کرنا۔ نہ مشہور اسناد کے حوالے سے یہ بتایا گیا کہ

الفاظ صریح میں وقف کر دیا جاتا ہے تو اصل وقف کی غرض یا اغراض کے ناکام ہونے پر اصل گیرندگان وقف کا ذکر نہ ہونے سے جواز وقف پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اس لئے کہ حسب منشاء قانونی وقف کی ایک شرط یہ ہے کہ وہ بالانجام غربا پر عود کرے گا۔ جیسا کہ غیث البیان میں صریحاً آیا ہے کہ تمام اوقاف کے اصلی گیرندگان وہی (غربا) ہیں خواہ ان کا نام آیا ہو یا نہ اور یہ بھی نہیں بتایا گیا کہ غیر پیدا شدہ بچوں کے حق میں وقف جائز ہے اور یہ بھی نہیں بتایا گیا کہ جب تک وقف کی اصل غایت ہی کسی وجہ سے ناکام یا باطل نہ ہو جائے تو جائیداد نہ واقف پر عود کرتی ہے اور نہ اس کے ورثاء کو پہنچتی ہے بلکہ غرض مابعد پر صرف ہوتی ہے اگر اس کا بھی کوئی حوالہ نہ ہو تو غربا کو پہنچتی ہے مثلاً اگر کوئی وقف بچوں کے حق میں ہے اور کوئی بچہ نہ ہوں تو جب تک A لے بچے نہ ہوں وہ آمدنی غربا کے کام آئے گی اور اگر بچے بعد میں پیدا ہوئے ہوں تو ان کے کام آئے گی اور اگر A کے حق میں وقف اسکے نہ ہونے یا اس کے استفادہ نہ کرنے کی وجہ سے ایک دشمن دین کے حق میں جاتی ہے تو ایک مسلمان کا اس طرح کا وقف کرنا ناجائز ہے ورنہ وقف فی نفسہ ناجائز نہیں ہے۔ اولاً B کے حق میں اور مابعد غربا کے حق میں نافذ ہوگا۔

اس مقدمے کے سلسلہ میں ایک اور مسئلہ بھی ہے جو کہ ذہن میں نہیں آیا اور اس کی وجہ غالباً یہی ہے کہ اس کا اسلام اور مسلمانوں کے معاشرے سے تعلق ہے۔ وقف ناموں میں جب کہ جائیداد زیادہ تر واقف کے خاندانوں اور فقرا اور وارد صادر کے لیے وقف ہوتی ہے مگر مؤخر الذکر اغراض کے لیے کوئی رقم معین نہیں ہوتی۔ بہر صورت یہ اس منشا کا اظہار ہے کہ اہل خاندان کو زیادہ رقم ملے۔ اس کے برعکس رقم مختص ہونے کے صورت میں اس سے زیادہ صرف کرنے کی اجازت نہیں ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ محدود سے چند کی پرورش ہو اور اکثر محروم رہ جائیں جو عام کلیہ کے مطابق امداد کے خواہاں ہوں ان کی ضرور مدد ہونی چاہئے۔ اگر ان کی مدد نہ ہو تو ان کے لیے قاضی کے دروازے کھلے ہوئے ہیں اور متولی کی علیحدگی یا اس کی نگرانی سے ان کی دادرسی ہو سکتی ہے۔

نفاذ شرع

۹۸ء سے ہی عدالت ہائے انصاف نے مسلم اصول شرع ان مقدمات کے

تفسیر میں ایسے طریقہ پر ہاتھ کئے ہیں جن کا ان جائیداد ہائے موقوفہ کے انتظامات کے جواز سے تعلق تھا جو مسلمانوں کے لیے ہیں۔ مقدمہ جیون داس ساہو بیٹام شاہ کبیر الدین میں اپیل کنندہ ایک بندو تھا۔ امر تفسیر طلب یہ تھا کہ آیا جائیداد متدعو یہ وقف تھی یا نہیں۔ فاضل جج ان پر یونی کونسل نے برائے شرع اس کا فیصلہ صادر کیا اور اسی اصول کے مطابق مقدمات قبل و ما بعد فیصلہ ہوئے۔ اس سوال سے قطع نظر کہ آیا کسی واقف کا منشاء وقف مذہبی کرنا تھا یا نہیں اس سلسلے میں بڑے ادب سے یہ گزارش ہے کہ یہ نظریہ نہ صرف اصول ہائے عدالت و مساوات اور نیک نیتی کے برعکس ہوگا جنہیں برطانوی ہند کی عدالتوں کو نافذ کرنا ہے بلکہ قدیم الایام کے مسلمہ ضابطے کے بھی اس طرح خلاف ہوگا کہ اصول شرع کے ماسوا دیگر قانون کو بھی نافذ کیا جائے۔ جوڈیشل کمیٹی کے فاضل ججوں نے اس نظریہ کی واضح الفاظ میں مذمت کی ہے کہ مسلمانوں کے انتظامات جائیداد ہائے موقوفہ کے جواز کو ان کے شخصی قانون و رواج کے علاوہ کسی دیگر طریقہ قانون کی رو سے طے کیا جائے۔ پس شرع سے متعلق مسائل کا حل مسلمانوں کی مسلمہ اسناد میں ہی تلاش کرنا چاہئے اس لئے کہ یہ بڑی ناانسانی ہوگی کہ شرع کے مطابق تو ان کے مقدمات کے فیصلوں کو بتایا جائے اور ان کے تمام قوانین کتب ہائے فقہ کو جن میں کہ اصلا وہ قانون ملتا ہے قطعاً نظر انداز کر دیا جائے۔ مجموعہ قوانین میں ان ماخذ کو بتایا ہے کہ جن سے مسلم قانون مرتب ہوا ہے انہوں نے مجموعہ قانون میں بتایا ہے کہ جن پر شرع کی بنیاد ہے وہ (الف) کلام پاک (ب) احادیث پیغمبر (ج) مشہور فقہاء کے فتاویٰ ہیں۔

آنحضرت مسلم کے بالراست اقوال و اسوۂ حسنہ اسلام کے محکومہ قوانین ہیں جو کہ کلام پاک میں احکام الہی کے ضمیمہ کے طور پر ہیں۔ مسٹر مرلے نے متواتر یہ بھی بتایا ہے کہ مسلمانوں میں ان کے مذہب کا قانون سے کس قدر قریبی تعلق ہے اور ایک دوسرے سے علیحدہ کرنا کتنا ممکن ہے۔ اس سلسلہ میں ان کی رائے قابل غور ہے۔

بندو یا مسلم قوانین میں تبدیلی یا ترمیم کی ضرورت پر غور کر کے وقف میں امریزی یا مقامی اصول قانون کے بالتقابل تصورات کو قانونی حیثیت دینا چاہئے اور اس پر بحث ہے کہ آیا یہ قوانین فی نفسہ اچھے یا برے ہیں اس لئے کہ یہ ہرگز نہیں بھولنا چاہئے کہ عوام (بندو مسلمان) کے مذاہب کا یہ اہم حصہ ہیں اگرچہ ہم کسی قطعی صلح نامہ کی رو

سے ان پر عمل پیرا ہونے کے لیے پابند نہیں ہیں مگر ہم اصلاً خود اس عہد کے پابند ہیں کہ ہم ان کی مسلسل فرامین و آئین کی رو سے حفاظت کریں گے۔

واقف کے خاندان کے لئے وقف

ایسے اوقاف جن سے بلا واسطہ استفادہ کرنے والے خود واقف، واقف کی آل اولاد اور اہل خاندان ہوں ان کی ابتداء ہی آنحضرت صلعم کے صریح ارشادات سے ہوتی ہے۔ آپ نے محض یہی ارشاد نہیں فرمایا کہ کسی کا اپنے کنبے کے لیے وقف بہترین امر خیر ہے بلکہ اپنے اہل بیت اور اصحاب کو ترغیب دی کہ وہ ایسے اوقاف کریں۔ خیر میں آپ نے بعض آراضیات کو وقف کر کے ایک مثال قائم فرمائی جیسا کہ پہلے بتا چکا ہوں۔ شرعاً مسلمانوں کا جو منشا اس سے ہے وہ بد نصیبی سے نظر انداز کر دیا گیا۔

بلا لحاظ واقف اور اس کی آل اولاد کوئی فیصلہ درست نہیں۔ اور تقویٰ اور خدا پرستی سے مراد ایسے افعال ہیں جن کا یورپ میں مفہوم الگ ہو سکتا ہے یا پرہیزگاری یا مذہبی خیال کیا جاتا ہے۔ یہ شرعاً منشا نہیں ہے بلکہ ان عبارتوں میں بہتر انداز میں واضح کیا گیا ہے کہ آنحضرت صلعم کا پہلے کیا منشا تھا۔

پیغمبر خدا صلعم نے فرمایا۔ جب کوئی مسلمان اپنے کنبے یا اقربا کے حق میں اجر آخرت کے لیے وقف کرتا ہے خواہ یہ غربا کے حق میں نہ ہو بلکہ اس کے پیچھے بچوں اور اہل خاندان کے لیے ہو تب بھی یہ امر خیر ہے۔

پیغمبر خدا صلعم نے فرمایا ایک دینار تو وہ ہے جو تم راہ خدا میں صرف کرتے ہو اور ایک وہ ہے جو تم غلام آزاد کرانے پر صرف کرتے ہو۔ ایک وہ ہے جو تم نے غربا کو بطور خیرات دیا ایک وہ ہے جو تم نے افراد خاندان اور اپنے بچوں کو دیا مگر اجر کے اعتبار سے سب سے بڑا دینار وہ ہے جو تم نے اہل خاندان پر صرف کیا۔

پیغمبر خدا صلعم نے فرمایا کہ اعلیٰ ترین دینار جو کوئی شخص صرف کرتا ہے وہ ہے جو اپنے کنبے پر خرچ کرتا ہے اور اس کے بعد وہ ہے جو راہ خدا میں چوپایوں پر صرف ہو اور اس کے بعد وہ جو دوستوں پر خرچ ہو۔ ام سلمہ فرماتی ہیں کہ میں نے آنحضرت صلعم سے عرض کیا میرے لئے ابو سلمہ کے بیٹیوں کے لیے کسی انعام (عطیہ) دینے کی کوئی خوشخبری

ہے کہ اس کے وہ لڑکے میرے ہی لڑکے ہیں۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا پس ان کو دیدو اور جو بچہ تم ان کو دو گی اس کا تمہارے لئے اجر ہے۔

پیغمبر خدا صلعم نے فرمایا (غریبا کو خیرات دینے سے ایک خیرات کا اجر ملتا ہے مگر اقربا کو خیرات دینے سے دو کا، ایک خیرات دینے کا اجر دوسرا اقربا کو دینے کا اجر۔

یہ احادیث قاضی خان نے اپنے فتووں الموسوم بہ فتاویٰ قاضی خان میں درج کی ہیں جو بعینہ ایسے وہی جیسی کہ فتح القدیر میں درج کی گئی ہیں جو قابل پابندی ہیں۔

مسلم اور بخاری شریف میں آنحضرت صلعم کی احادیث سے صرف دو کا حوالہ دوں گا۔

پیغمبر خدا صلعم نے فرمایا کہ کسی کا اپنے اقربا کو کوئی عطیہ (ان کی ضرورتوں کا انتظام کرنا) زیادہ کارِ ثواب ہے اس کے بہ نسبت کہ فقرا کو دیا جائے۔ اعلیٰ ترین صدقہ وہ ہے جو اپنے کنبے کی بسر اوقات کے لیے دیا جائے۔ غلام کو آزاد کرنے کے لیے روپیہ دینا غریبا کو خیرات دینا یا اپنے بچوں اور اقربا کو دینا یہ سب صدقہ ہیں۔

مسلم قانون کا مفہوم

ان اقوال میں اضافہ کرنا اس لیے غیر ضروری ہے کہ کسی بھی مسلم قانون یا کتاب فقہ کے مطالعہ سے ظاہر ہو گا کہ امر خیر شرع میں اس مفہوم میں استعمال نہیں ہوتا جیسا کہ برٹش عدالت ہائے میں استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ بتایا جا چکا ہے کہ مسلمانوں میں پیغمبر اسلام کے ارشادات کے مطابق ان کے اور ان کی اولاد کے لیے اوقاف کا انتظام ایک مذہبی فریضہ ہے اور تمام دنیا کے حصوں میں بسر اوقات کے انتظام کے زمرے میں آجاتا ہے۔ دوسرے طریقہ ہائے قانون یا دیگر مذاہب کے نظریات مذہب اسلام کو سمجھنے کے لیے دلیل راہ نہیں ہو سکتے۔ الفاظ امر خیر کی دوسرے مذہب کے مقابلہ میں شرع میں زیادہ اہمیت ہے۔ ہر کفایہ کی زبان میں وجہ اخیر جو خدا کو پسندیدہ ہو یا اس سے قربت حاصل ہو سکتی ہو وہ جائز ہے اس کا وقف صحیح طور پر جائز ہے۔ اپنے بچوں اپنے رشتہ داروں اور حنفی قانون کے مطابق اپنے بچوں کا انتظام کرنا اتنا ہی امر خیر اور کارِ ثواب ہے جیسا کہ عام جماعت غریبا کی مدد کے لیے وقف کرنا یہ مذہب اسلام کا بنیادی اصول ہے اور آنحضرت صلعم کی تعلیمات پر مبنی ہے۔

آنحضرت صلعم کی حیات مبارک میں ان کے احکام مقدس کی بنا پر جو وقف ہوئے فتح القدر میں ان کا تفصیل سے ذکر ہے۔ اور امام ذہبی نے جو شرع کے عظیم ترین شارحین میں سے ہیں انہوں نے عثمان بن ارقم (آنحضرت صلعم کے مقرب صحابی) کے وقف نامہ کی ایک نقل محفوظ کی ہے جس کی رو سے انہوں نے اپنا مکان اپنے بچوں کے حق میں وقف کیا جس میں غربا کا کوئی حوالہ نہیں ہے۔

فتاویٰ برمکیہ

فتاویٰ کا اولین مجموعہ جو فتاویٰ برمکیہ کے نام سے مشہور ہے جو امام ابو یوسف نے بزمانہ خلیفہ ہارون رشید بغداد کے چیف جسٹس کے حیثیت سے صادر کئے تھے مرتب ہے۔ ان میں یہ طے کیا گیا ہے کہ کسی بھی مقصد کے لیے وقف جائز ہے اور اس مقصد کے معدوم ہونے پر وہ بحق غربا ہوگا اس لئے کہ بالآخر وہی تمام خیرات کے مستفیدین ہیں۔

فتاویٰ حاوی

دوسرا بالترتیب تاریخ دار فیصلوں کا مجموعہ (جو اب تک محفوظ ہے جن کا فتاویٰ عالمگیری میں حوالہ ہے) مقدس حاوی کے نام سے ہے۔ اس کے مصنف قاضی جمال الدین مشہور زمانہ فقیہ تھے جن کا ۶۰۰ھ میں انتقال ہوا وہ غزنی (افغانستان) کے قاضی تھے اس میں اصول درج ذیل ہے۔

اپنے واپنی نسل کے حق میں وقف

اگر کوئی قطعہ آراضی یا باغیچہ کو اس شرط پر وقف کرتا ہے کہ جب آمدنی کی ضرورت ہوگی تو اسے ملے گی اس شرط کے مطابق بھی وقف جائز ہوگا۔ اگر وہ جائیداد وقف کی تمام آمدنی خود کے لیے مختص کر لے یا خود کو متولی بنالے بطور استحان یہ جائز ہوگا۔ اور اس صورت میں بھی یہی ہوگا، جب کوئی اس شرط پر وقف کرتا ہے کہ تاحین حیات اس میں سے خود بھی کھائے گا اور دوسروں کو بھی کھلائے گا اور اس کی موت پر اس کے بچے کو بھی حق حاصل ہوگا یہی استحقاق اس کے بچوں کو اور بچے کے بچوں کو جب تک

کہ ان کی نسل قائم ہے حاصل رہے گا کہ وہ خود کھائیں اور دوسروں کو بھی کھلائیں ان شرائط سے بغی وقف جائز ہوگا۔ یہ ابو یوسف کی رائے ہے اور اس کے مطابق فتوے ہیں۔

کفایت المویذ

ذخیرۃ الفتاویٰ ان فیصلوں کا مجموعہ ہے جو قریباً تیرہویں صدی کے اختتام پر مرتب ہوئے ہیں اور عدالت ہائے صدر کے حکام نے ان کا حوالہ دیا ہے ان میں یہ آیا ہے۔ کتاب اجناس - مسنفہ شاطبی میں ہے کہ اگر کوئی شخص وقف میں یہ شرط رکھتا ہے کہ تا عین حیات خود کھائے گا اور دوسرے کو جنہیں وہ پسند کرے کھائے گا اور اس کے بعد اس کے بچے کا حق ہوگا پھر اس کے بعد بچوں کے بچوں کو جب تک اس کی نسل قائم ہے متاثر ہے گا۔ اور اس کے معدوم ہونے پر غربا کو ملے گا۔ ابو یوسف (جن پر اللہ کی رحمت ہو) کے نزدیک یہ جائز ہے اور بچوں کے حق میں انتقال مثل وصیت نہیں ہے اس لئے کہ بچہ وہ جائیداد جو ملک خداوندی میں ہے اس سے استفادہ کرتا ہے۔ مسنف نے لکھا ہے کہ آپ یہ نہیں دیکھتے کہ جب کوئی شخص اپنے بچوں کے حق میں اور بچوں کے بچوں کے حق میں جب تک اس کی نسل رہے اور مابعد غریبوں کے لیے وقف کرتا ہے تو یہ جائز ہے اور مسئلہ بھی اسی طرح ہے۔

خزینۃ المنتیان

خزینۃ المنتیان میں جو ۳۳۹ء کے فیصلوں کا اہم مجموعہ ہے اور جس کے مطابق ہندوستان کی عدالتوں کے حکام فیصلے صادر کرتے ہیں فتویٰ اس طرح ہے۔

اگر کوئی یہ کہے کہ اپنی زمین کا وقف میرے بچوں اور بچوں کے بچوں اور ان کے بعد غربا کے لیے وقف کرتا ہوں تو اس ترتیب سے اس کی آمدنی اس کے بچوں کے بچوں کو ملتی رہے گی۔ مگر جب ان میں سے کوئی بھی نہ رہے تو اس کی آمدنی غربا کو دی جائے گی۔ لیکن اگر وہ یہ کہے کہ آمدنی میرے بچے اور میرے بچے کے بچے اور اس طرح تین نسلوں کے حوالے پر یہ آمدنی دائماً اس کی آل کو جب تک کہ اس کی نسل قائم ہے نسل کو ملے گی خواہ وہ کتنی ہی بعید ہو۔ اس صورت میں جب تک کہ آل میں سے کوئی بھی زندہ ہے غربا کو نہیں ملے گی۔

فتح القدر اور بحر الرائق

فتح القدر کا حوالہ پہلے آچکا ہے مصنف کمال الدین سواسی جن کا ۱۳۰۶ء میں انتقال ہو گیا اور بحر الرائق ۱۰۶۱ء جو ہندوستان میں بڑی مستند کتاب سمجھی جاتی ہے اسکے مطابق کسی کا اپنی اولاد کے حق میں وقف کرنے کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

در المختار

در المختار مصنفہ ۱۶۶۰ء میں اس اصول کو ان الفاظ میں بتایا گیا ہے۔

اگر کوئی جائیداد موقوفہ کی آمدنی کے بارے میں طے کرے کہ تاحین حیات خود لیتا رہے گا اور اس کے بعد اس کے بچے اور بچوں کے بچے لیتے رہیں گے تو امام دوم ابو یوسف کے نزدیک جائز ہے اور اس کے مطابق فتویٰ ہے۔ اگر تیسری نسل کا بھی اضافہ کر دے تو تمام نسل شامل ہوگی۔

رد المختار

رد المختار میں کہ جو سترہویں صدی کے ختم پر تصنیف ہوئی مندرجہ بالا عبارت کی تشریح اس طرح ہے کہ اگر کوئی آمدنی جائیداد تاحین حیات اپنے لئے اور اس کے بعد اپنی اولاد کے لیے وقف کرے تو یہ ابو یوسف کے مطابق جائز ہے اور اسی پر فتویٰ ہے اور اس میں یہ بھی آیا ہے کہ اپنے لئے وقف کی آمدنی مختص کرنا جائز ہے۔ ابو یوسف کے مطابق الفاظ بعد ازاں و بعد ازاں جو کہ واقف استعمال کرتا ہے ان کا زیر بحث مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

مثلاً، اگر کوئی شخص اپنی ذات کے لیے وقف کرتا ہے اور بعد ازاں بچوں کے لیے اور ان کے بعد بچوں کے بچوں کے لیے تو موخر الذکر کے لیے بھی وقف جائز ہے صرف فرق یہ ہے کہ واقف تمام آمدنی تاحین حیات اپنے لئے وقف کرتا ہے اس سے واقف کے بچوں کے حق میں جواز وقف پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

مجمع الانہار

مجمع الانہار کی عبارت سے جو گذشتہ صدی کے اختتام پر مدون ہوئی ظاہر ہے کہ

کسی شخص کا اپنی اولاد یا اولاد کی اولاد کے حق میں جواز وقف کی بابت کوئی اختلاف نہیں ہے جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے اور یہی اصول فتاویٰ القادیانیہ مفوضہ شیخ الاسلام محمد ابن الحسین بن کثیرؒ کا ۱۳۹۸ھ مطابق ۱۹۸۱ء میں انتقال ہوا میں جو احناف میں بہت مستند مانی جاتی ہے ملتا ہے۔ مسلم قانون (شرح) کی دو تمام کتابیں جن کے مطالعہ میں ہندوستان میں انصاف نافذ کرنے والوں کی دلچسپی ہے ان کے لیے مسلم قانون کی تمام کتابوں میں سب سے اہم دو عظیم مجموعہ ہے جو برٹش حکومت کے قیام سے بمشکل سو سال قبل ہندوستان کے قاضیوں اور مفتیوں نے شہنشاہ اورنگ زیب کے دور حکومت میں اس ملک میں تالیف کیا۔

فتاویٰ عالمگیری

فتاویٰ عالمگیری کو نہ صرف قدیم عدالت ہائے صدر سپریم کورٹ میں مستند سمجھا جاتا ہے بلکہ عدالت عالیہ کلکتہ میں بھی اس کے مطابق عمل ہوتا ہے۔ بمقدمہ خواجہ حسین علی بنام شہزادہ بیگم میں فاضل بیج نے اس کے وضع کردہ اصول کے مطابق فیصلہ دیا اور مقدمہ ملک عبدالغفور بنام مسماۃ ملکیہ میں فاضل چیف جسٹس نے بھی اس کا متواتر حوالہ دیا ہے۔ اس میں اپنے اور اپنے بچوں اور اپنی نسل کے حق میں اوقاف کے موضوع پر دو پہلوؤں سے بحث کی گئی ہے۔ ایک حصے میں اپنے اور اپنے بچوں اور انکی اولاد کے حق میں جواز وقف کے مسلمہ اصول پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے اور دوسرے حصے میں شرائط اوقاف کے بارہ میں مختص صورتوں سے بحث کی گئی ہے۔ اول الذکر میں بتایا ہے کہ کوئی شخص اپنے یا اپنی آل کے حق میں خود وقف کر لے تو بالراست منافع پاسکتا ہے جو انجام کار غربا پائیں گے۔ دوسرے وہ عام لوگوں کے مفاد کے لیے یا صریحاً غربا کے لیے وقف کرے اس کا منافع اپنے اور اپنے خاندان کے لیے مختص کر سکتا ہے۔ اور دونوں صورتوں میں وقف جائز ہے۔ بیلی کے مجموعہ کے سرسری مطالعہ سے حسب فتاویٰ عالمگیری یہی ظاہر ہوگا۔ یعنی اس بارہ میں جواز وقف میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ اس کی آل منافع حاصل کنندہ ہو۔ اور امام ابو حنیفہ کے دوسرے شاگرد امام محمد کی اس رائے کو کہ واقف اپنی ذات کے لیے وقف نہ کرے احناف میں کبھی تسلیم نہیں کیا گیا بلکہ اس سلسلہ میں ابو یوسف کے اصول پر ہمیشہ عمل ہوا ہے۔

فتاویٰ عالمگیری ہندوستان میں اصلاً مسلمانوں سے متعلق مجموعہ قوانین ہے اور

اس سے ظاہر ہے کہ اس کے وضع کردہ محولہ اسناد سے اخذ کئے ہوئے اصولوں کو عدالت ہائے انصاف نے اس انگریزی حکومت کے قیام ہی سے اس ملک میں تسلیم اور نافذ کیا ہے۔

قطعی اتفاق رائے

اشاعت اسلام سے آج تک کسی شخص کے اپنے بچوں اعزہ اور پڑوسیوں کے حق میں وقف کرنے کے بارہ میں مکمل اتفاق رائے ہے اس امر پر وکلاء تجربہ کار، حجان اور مسلمان حکمرانوں کے تحت ہر نقطہ خیال کے عقیدہ پر تجربہ کار، حجان اور ذمہ دار افسران متفق ہیں۔ سوائے جزوی اختلاف کے جیسے کہ اگر کوئی وقف اپنے لئے کیا جائے تو کیا مقصد دائمی واضح کرنا ضروری ہے، آیا جائیداد کا تقاسم کیا جائے یا نہیں۔ آیا متولی کو تفویض جائیداد ضروری ہے یا نہیں لیکن جہاں تک اپنے خاندان یا اولاد یا آل کے حق میں کلنیا یا جزواً منافع حاصل کرنے کا اصول ہے اس بارہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

اصول

وقف مخلوق خدا کی فلاح کے لیے ایک دائمی امر خیر ہے اور واقف اس کے نفع نہ کہ اصل کو جس طرح اور جس طریقہ سے چاہے وقف کر سکتا ہے لیکن یہ دائمی ہونا چاہئے۔ اگر اس کی آمدنی فلاں لوگوں کے گزارہ کے لیے جن کی پرورش کی اس پر ذمہ داری ہے، اپنی آل کے لیے تاکہ ان کو محتاجی کا سامنا نہ ہو وقف کرتا ہے تو یہ کارِ ثواب ہے بلکہ آنحضرت صلعم کے ارشاد کے مطابق عام جماعت غربا کو وقف کرنے کے مقابلے میں یہ زیادہ باعث خیر ہے۔ آنحضرت صلعم کا یہ بھی ارشاد گرامی ہے کہ کسی شخص کے اہل خاندان اور آل امر خیر کے لیے زیادہ موزوں اغراض ہیں اس لئے اس کے حق میں وقف کرنا اور مستحقین کے گزارہ کا انتظام کرنا زیادہ کارِ ثواب اور ناداروں سے زیادہ اس میں ثواب ملتا ہے۔ اس کو اتنی اہمیت دی گئی ہے کہ اگر کوئی وقف عام طور پر نادار اور غربا کے حق میں بھی کیا جاتا ہے تو اولاً اس کے بچوں اس کی آل اور رشتے داروں کی حاجت براری پر استعمال ہوتا ہے اور جب تک گیرندگان قائم رہتے ہیں تو غربا کا صریحاً یا کنایتاً حوالہ وقف کی اغراض خیر کو محض دائمی حیثیت دینے کے لیے ہوتا ہے اس لئے کہ جب واقف کی کوئی آل معدوم ہو جاتی ہے تو یہ غریبوں کو ہی ملتا ہے پس یہ ایک دائمی امر

خیر ہے اور جو اہل الکلام (فقہ شیعہ) کی عبارت میں یہ فعل ایسا فعل عبادت ہے جس سے کہ بحوالہ اہل حق (سنی) کے مطابق قربت خداوندی حاصل ہوتی ہے۔

دو جان بی بی بنام عبداللہ باربر

عدالت ہائے ہند کے منسلک مقدمات میں اس موضوع پر سب سے پہلے منطبق نظیر دو جان بی بی بنام عبداللہ باربر کی ہے۔ اس وقف میں آخری استفادہ کنندگان میں بالتصریح غربا کا حوالہ نہیں تھا واقعہ نے اپنی جائیداد کو مسلمانوں کے رواج کے مطابق عام انداز تحریر سے یہ وقف کر دیا تھا۔ پہلے پیرے میں اس لئے یہ شرط رکھی تھی کہ مال نزاری اور ٹیکس کی ادائیگی کے بعد آمدنی حسب ضرورت اپنے تصرف میں لائے گی اور بقیہ ورثہ پانے والوں اور اغراض خیر کے لیے یہ بھی شرط رکھی تھی کہ سب رشتہ دار مثل سابق اپنی رقم گزار دہ پاتے رہیں گے اور وہ اس کی بھی مجاز ہوگی کہ استفادہ کنندگان کی تعداد کم یا زیادہ کر دے اور دیگر مصارف متعلق رمضان شریف اور عیدین کی تقریبات بھی اس آمدنی سے انجام پائیں گے۔

پیر ۶۱ میں تاحین حیات خود اپنے کو متولی مقرر اور اپنے بعد متولی اپنے نواسہ کو مقرر کیا اس کے بعد جو سب سے زیادہ اہل ہو نیز یہ بھی شرط رکھی کہ جائیداد ہمیشہ ناقابل انتقال ہوگی۔ ظاہر ہے کہ بعد لوائے مال گذاری آمدنی واقف کے استعمال ذاتی اور افراد کنبہ کے گزارہ پر صرف ہونا تھی۔ مگر وہ رقم جو مسجد کی مرمت اور مذہبی تقریبات پر صرف ہونا تھی کنبے کے گزارے پر مرنج ہونے کی وجہ سے روک دے گی۔

مگر عدالت کا خیال اس طرف مبذول نہ ہوا کہ نہ حسب شرع نہ ججوں کے فیصلوں کے مطابق اور بحالت موجودہ کنبے کی پرورش کے حوالہ سے وقف ناجائز ہو گیا۔ پہلے پیرے میں الفاظ قابل اثر استفادہ کنندگان کی تعداد میں اضافہ کا اختیار، اغراض وقف کی تکمیل کے لیے یکے بعد دیگرے متولیوں کے تقرر بشمول تیسرے سوال و افسران قانون کا جواب ان سب سے ظاہر ہے کہ بسراوقات کے حوالہ سے مراد حاضر الوقت مختص افراد ہی نہ تھے بلکہ واقف کی تمام آل اولاد بھی شامل تھی اس مقدمے میں کبھی یہ بحث نہیں کی گئی کہ وقف اس لئے غلط تھا کہ وہ کلیتاً یا اصلاً واقف کے کنبے کی پرورش کے لیے تھا

اور کلیتاً یا اصلاً اور واقعتاً مصارف مسجد پر اور غربا کے لیے نہیں تھا۔ اس پر صرف قانون کے تحت اس بنا پر اعتراض کیا گیا کہ واقف نے اس کی آمدنی اپنے لئے مختص کر لی تھی مقدمہ حاملان قانون کے اس فتویٰ پر طے کیا جو ابو یوسف کے مقررہ اصول اتباع میں مشہور اسناد پر مبنی ہے اور ان کا یہ اصول ایک مسئلہ متنازعہ میں ہمیشہ ایک قول فیصل تسلیم کیا گیا ہے۔

بی بی کنیر فاطمہ بنام بی بی صاحب جان

بمقدمہ کنیر فاطمہ بنام صاحب جان مسئلہ یہ تھا کہ بعض جائیدادیں جو مدعا علیہم میں سے ایک نے دوسرے کو منتقل کی تھی آیا وقف تھیں یا نہیں اور اس لئے ناقابل انتقال تھیں۔ اس مقدمے کو طے کرتے ہوئے (فاضل ججان نے دو امور پر غور کیا (الف) مدعی کو ارجاع نالاش کا حق اور (ب) مقدمے میں عطیات کا مفہوم۔ مدعی نے مقدمے میں جو اسناد پیش کی ہیں اس میں لفظ وقف کا کوئی حوالہ نہیں تھا وہ سب دراصل مدد معاش کے لیے عطیات تھے۔ فاضل جج نے اس مسئلہ پر اظہار رائے کرتے ہوئے لکھا ہے کہ آراضیات متنازعہ (عطیات) میں وقف کنندہ کا حوالہ ہے نہ اس کے خاندان کے کسی فرد کا حوالہ ہے۔ نہ ایسا کوئی ذکر ہے کہ اگر ان کا حوالہ ہوتا تو وقف ناجائز ہوتا یا اس غرض کے لیے کوئی وقف ہی نہ ہوتا۔ یہ بتانے کے بعد کہ وقف متذکرہ ایکٹ ۲۰، ۱۸۶۳ء کے تحت نہیں آتا جسٹس نے مزید لکھا ہے کہ مدعیہ کو دعویٰ دائر کا کوئی استحقاق نہیں تھا۔

انہوں نے اس سلسلہ میں شروع میں دستاویزات میں سے ایک کا خلاصہ بھی دیا ہے۔ یہ کہ سید محمد میر عطیہ دار کو ایک بڑے کنبے کی پرورش کرنا تھی اور اس کو اہل خاندان، مسافران شب گرفتہ دار، نادار طلبا بیماروں کے مصارف بھی پورے کرنا ہوتے تھے۔ اور یہ کہ متذکرہ عطیہ داروں کو ان فرائض کی ادائیگی میں معینہ رقم خرچ کرنا ہوتی تھی۔ اس صرفہ کے پیش نظر دیہات جن کی تفصیل دستاویز عطیہ میں درج ہے وہ ان کو مقررہ سالانہ جمع مبلغ ۸۹۶ روپیہ کے بدل کے طور پر دیدئے گئے اور اس سلسلہ میں عطیہ دار کو دوسرے جو محصولات ادا کرنا ہوں گے معاف کردئے جائیں گے۔ مذکورہ جمع جواب تک ادا ہوتی رہی ہے وہی طے کی گئی یہ بھی مزید درج ہے کہ عطیہ دار بعد ادائیگی جمع اس امر کا مجاز ہوگا کہ جائیداد کی آمدنی سے خود کی پرورش کرے اور عطیہ

دہندگان کے حق میں دعائے خیر کرے۔

فاضل حج نے مزید لکھا ہے کہ یہ بالکل واضح ہے کہ یہ ایسا عطیہ ہے جو کہ وقف نہیں ہے۔ جائیدادیں نہ راہ خدا میں وقف ہیں اور نہ مذہبی اغراض خیر کے لیے مختص کی گئی ہیں۔ سند عطیہ میں درج ہے کہ عطیہ دار اور اس کے پیش رو کے پاس یہ زمین مبلغ ۸۹۶ روپیہ سالانہ مقررہ جمع پر اسی وقت سے ہیں اور چونکہ عطیہ دار کا میاں طبع مختیرانہ رہا ہے اور ہر تادار طلباء و مساکین پر خیرات اور مسافروں کے قیام پر عطیہ دار بد نساء و رنبت خرچ کرتا رہا ہے۔ عطیہ کنندگان ابواب اور دیگر محاصل کی ادائیگی سے اسے مستثنیٰ کرتا ہے جو نواب قائم کے دور میں اضافی بوجھ ہے اور حکامان تحصیل کو یہ ہدایت کرتا ہے کہ عطیہ دار سے یہ وصول کرنے میں باز رہیں۔ اس رعایت کے سلسلہ میں عطیہ دار سے یہ درخواست کی جاتی ہے کہ وہ عطیہ کنندہ کو اپنی دعاؤں سے مستفید کرے۔ عطیہ دار بعد ادائے جمع آمدنی مقررہ مبلغ ۸۹۶ روپیہ سے استفادہ کی مستحق تھی۔ مختصر یہ عطیات ایک فرد کو مختص طور پر اس کے حق کلی بنا پر اس لئے دئے گئے تھے کہ اس سے عطیہ دار کا گزارہ ہو سکے نہ کہ کسی اور غرض سے۔ یہ قطعاً طور پر ظاہر ہے کہ متذکرہ عبارت میں درج اصطلاحات کو فاضل حج نے منشاء قانون سمجھنے کے لیے استعمال کیا ہے۔ یعنی اس سے وہ مفہوم مراد لیا ہے کہ جن معنی میں متعلقہ عوام لیتے ہیں انہوں نے اس امر کی پہلے ہی تصریح کر دی تھی کہ ان میں عطیہ دار کے کنبے کی پرورش کی کوئی شرط نہیں تھی۔ اس کے بعد یہ بھی درج تھا کہ اس میں خانقاہ مسافروں یا طلباء کے گزارے کے لیے بلکہ اس کے برعکس عطیہ دار کے مختیرانہ رجحان کی بناء پر جو کہ امور خیر کی ادائیگی میں بخوشی مصارف برداشت کرتا تھا یہ عطیہ ذاتی مصارف کے لیے دیا گیا تھا۔ تاکہ اس کے بدل میں عطیہ کنندہ کو اپنی دعا میں یاد رکھے۔ اس بناء پر فاضل حج نے طے کیا کہ اس عطیہ کو مسلم قانون کے مطابق وقف نہیں سمجھا جاسکتا۔ یہ خیال کہ اس طرح کے استعمال سے ان کا منشاء محض غربا کے لیے محدود تھا فیصلے کے تمام مفہوم کے برعکس ہوگا۔

خواجہ حسین علی بنام شہزادی ہاجرہ بیگم

بمقدمہ خواجہ حسین علی بنام شہزادی ہاجرہ بیگم محض یہ مسئلہ تصفیہ طلب تھا

جیسا کہ فاضل حج نے بتایا کہ بوقت وقف جائیداد رہن ہونے کی وجہ سے وقف نامہ حسب شرع ناجائز تھا یا نہیں۔ فاضل حج جنہوں نے اپنے ساتھی حج سے اختلاف کیا مقدمے سے متعلق اپنے خیال کی تائید میں مختلف حوالے دئے۔ جسٹس اور عدالت اپیل جس نے ان کے فیصلے کی توثیق کی انہوں نے متنازعہ مسئلہ پر فتاویٰ عالمگیری کے مندرجہ اصول سے استفادہ کیا۔ جسٹس نے فتاویٰ کا حوالہ دیتے ہوئے بتایا ہے کہ فتاویٰ بمنزلہ فیصلہ قانونی ہیں جو اصلاً ابو یوسف اور امام محمد کے مطابق ہیں۔

مقدمہ ہذا میں فاضل حج کے فیصلہ میں درج ذیل وقف نامہ کا حوالہ ہے۔ فاضل حج نے لکھا ہے کہ دستاویز ہذا وہ ذمہ دار جس کی ادائیگی بسلسلہ مدد مسافران اور مرحوم کے لڑکے کے ورثاء کی پرورش کے لیے وہ لازمی سمجھتا تھا واقف اس طرح لکھتا ہے۔ حاصل کلام خواجہ حسین علی کے گزارہ کے لیے میں ذریعہ ہذا اس کو (جو میرا پوتا ہے) مندرجہ بالا آستانے کا متولی مندرجہ ذیل شرائط پر مقررہ کرتا ہوں۔ یہ کہ حسین علی مندرجہ بالا جائیداد وقف کو بیع۔ ہبہ۔ یارہن یا کسی اور بنا پر منتقل نہیں کر سکے گا اس کو ذریعہ ہذا اس امر کا بھی مجاز کیا جاتا ہے کہ وہ مسافران غربا کی دیکھ بھال کا انتظام کرے اور وہ شب برأت۔ محرم شریف۔ وعیدین مبارک کی فاتحہ کا بھی انتظام کرے اور اس امر کا بھی مجاز ہے کہ ان مراسم کی تکمیل کے مصارف ادا کرے اور بعد ادائیگی مراسم مندرجہ اور آمدنی متعلق یوسٹ بکس نیز آمدنی باغات سے جو کچھ بچے اپنے ذاتی مصارف اور اپنے خاندان کی یعنی دادی و ماں کے اخراجات پر صرف کرے۔

پس اس سے ظاہر ہوگا کہ یہ وقف واقف کے پوتے کے گزارے کے لیے تھا اور آمدنی مذکورہ مصارف کی ادائیگی کے بعد اس کی اور اس کے خاندان کی پرورش کے لیے ہیں۔ مسافر۔ غربا۔ اور تہواروں پر صرفہ کا حوالہ محض اشارتاً تھا وہ صرف اس امر کا مجاز تھا کہ مسافروں اور غربا کی دیکھ بھال و امداد کرے۔ شب برأت۔ محرم وعیدین کا فاتحہ جو مسلمانوں کے مردوجہ تہوار ہیں ان کا خیال رکھے اور ان تہواروں کی ادائیگی میں جو بھی مصارف ہوں ان کی ادائیگی کا وہ مجاز تھا۔ مگر ان اغراض پر صرفہ کے لئے کوئی محض وقف نہیں تھا۔

فاضل حج نے مقدمہ ہذا میں عدالت ماتحت کے وقف کے بارہ میں اعتراضات

میں سے ایک کے بارہ میں کہا کہ یہ امر کہ وقف غیر یقینی اور مشروط تھا درست ہے مگر میں تولیت نامہ کے ملاحظہ کے بعد ایسا نہیں سمجھتا مسلمانوں کے بڑے تہواروں کے مراسم کی ادائیگی کی گنجائش رکھی گئی ہے اور انہوں نے تہواروں کو واضح طور پر بتا دیا ہے اس طرح غربا جو ہمیشہ سے رہتے ہیں ان کی امداد اور مسافروں کی بھی دیکھ بھال کی بھی گنجائش رکھی گئی ہے۔ سرکاری مال گزاری اور بصورت موجودہ محاصل ادا کرنے کے بعد بقیہ رقم واقف کے اقربا (جو کہ مختص کئے گئے ہیں) یعنی ماں اور دادی کی پرورش پر صرف ہوگی۔ واقف کی ہمشیرہ کے گزارے اور شادی پر صرف کا حوالہ بھی ہے اس میں غربا کی پرورش کا بھی حوالہ ہے جو کہ ہر وقف کی اصلاً غایت ہوتے ہیں۔

اعزاء جن کے گزارے کا ذکر ہے وہ مختص طور پر بتائے گئے ہیں پس شرعاً ایسا وقف ہر طرح صحیح ہے۔

فاضل بیج نے پیش شدہ دستاویزات کی تفصیلات کا حوالہ دیا ہے جن سے ثابت ہے کہ وقف غیر یقینی تھا اور شرط میں غربا کا بھی حوالہ ہے۔ انہوں نے یہ بھی بتایا کہ وقف ایک معنی میں بلاشبہ صحیح تھا مگر دوسرے میں نہیں یعنی ہر وقف کا اصل منشاء غربا کا استفادہ ہے مگر بلاشبہ ایسے بہت سے وقف ہیں جن سے غربا کا دور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا۔ جیسے مساجد کے لیے وقف جیسا کہ میں نے پہلے بتایا ان کی رائے ایک طرح صحیح ہے اس لئے کہ ہر وقف سے استفادہ کسی فرد یا اس کی آل کے لیے ہوتا ہے۔ ان کے معدوم ہونے پر استفادہ صریحاً تعبیراً غربا کے لیے ہوتا ہے۔ اس طرح ایک مسلمان واقف کے ذہن میں غربا ہر وقت موجود ہوتے ہیں۔

فاضل بیج کا ان کے فیصلے میں یہ منشاء تھا کہ صرف وہی واقف جائز ہیں جو غیروں یا غربا کے لیے ہوں۔ اس امر سے ظاہر ہے کہ وقف نامہ میں جس کو انہوں نے جائز قرار دیا اس میں غربا کو قانونی حیثیت دی گئی ہے اور ثانیاً فتاویٰ کے حوالہ سے ہی ظاہر ہے جس میں کہ اولاد کے حق میں ہر وقف کے متعلق بحث کی گئی ہے۔

جسٹس کے ان الفاظ کی خواہ کچھ بھی تعبیر کی جائے لیکن یہ حقیقت ہے کہ اس مقدمے میں اولاً اصل استفادہ کنندگان خواجہ حسین علی اور ان کے اہل خاندان تھے۔ اگر چہ وقف نامہ کی رو سے غربا کی امداد اور خاندان کی مروجہ تقاریب کی ادائیگی کے سلسلہ

میں ان کی صواب دید پر خرچ مجاز کیا گیا تھا۔ پس مقدمہ متذکرہ کے واقف کے اہل خاندان کے استفادہ کنندگان کے نہ ہونے کے بجائے ان کی تائید میں ایک اہم سند ہے۔

مظہر الحق بنام یوراج و ماری

مقدمہ مظہر الحق بنام یوراج و ماری میں چند آراضیات پر قبضہ پانے کے لیے دعویٰ کیا تھا حالانکہ اس نے ماوجود نوٹس کے کہ وہ وقف ہیں خرید لیا تھا۔ مرافعہ گزار کی جو ابد ہی یہ تھی کہ وہ وقف تھا اور حسب شرائط وقف نامہ وہ اس کا متولی تھا۔ عدالت ما تحت نے دعویٰ اس بنا پر ڈگری کیا کہ

(الف) مدعی بائع نے ان آراضیات کو وقف نہیں کیا تھا۔

(ب) چونکہ وقف نامہ رجسٹرڈ نہیں ہوا تھا اس لئے قابل ادخال شہادت نہیں ہو سکتا تھا اس لئے اپیلانٹ کو کوئی حق سماعت حاصل نہیں ہوتا۔ حج نے پہلے عذر پر شرائط وقف نامہ پر غور کرنے کے بجائے یہ لکھا ہے کہ یہ شرائط سب وقف جائز کی تکمیل کے لیے تھیں۔ وقف نامہ کی شرائط پر غور کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ شرائط سب وقف جائز کی تکمیل کے لیے تھیں اور وقف شرع کی بہت سی خصوصیات کا حامل ہے۔ اصلاً اغراض جن کی بنا پر آراضیات وقف کی گئی ہیں وہی ہیں جو تمام مسلمان بصورت وقف آراضیات پیش نظر رکھتے ہیں۔ مسجد کا قیام اور اس میں عبادت کے مصارف کی ادائیگی جو جدا طور پر آراضی موقوفہ پر عرصہ سے قائم تھی۔

پہلی شرط یہ کہ موقوفہ آراضیات کے منافع سے مسجد کی مرمت و روشنی اور بعض تقاریب پر چرانے ہونگے۔ یہ کہ مسافروں کو بھوکا جانے نہیں دیا جائے گا اور مسجد کے عملہ میں موذن بھی شامل ہے۔ نیز دیگر ضروری ملازمین رکھے جائیں گے، مساکین کو خیرات ملتی رہے گی اور غریب طلباء کی مقررہ تعداد کی عربی تعلیم کے لیے ایک استاد رکھا جائے گا۔ اور بالا انجام اس سے بھی جو رقم فاضل رہے گی متولی مظہر الحق کے افراد خاندان کی شادی تجہیز و تکفین اور ختنہ پر صرف ہوگی۔ موخر الذکر مصارف پر اس وقت رقم صرف ہوگی جب کہ اصل اغراض جن کی تفصیل آچکی ہے پوری ہو جائیں۔

مقدمہ ہذا کے فیصلہ سے ظاہر ہوگا کہ فاضل حج نے وقف کا اصل مقصد مسجد

سے متعلق خیال کیا تھا۔ سابق مقدمہ میں اصل مقصد وقف غربا کو قرار دیا تھا۔ اس سے ظاہر ہے کہ فاضل حج کا ان فیصلوں میں یہ منشاء نہ تھا کہ ان کے الفاظ ہر دو فیصلوں میں جامع سمجھے جائیں۔ اس لئے انہوں نے پہلے واضح کر دیا کہ وقف مذہبی یا امر خیر کے لیے ہوتا ہے اور وہ اس سے بھی پوری طرح باخبر تھے کہ شرعاً کسی کے کنبے کی پرورش کی غایت غربا اور تاداروں کی پرورش سے کہیں افضل ہے اور اس لئے افراد خاندان بھی شرعاً اس طرح غربا کے زمرہ میں آتے ہیں جیسا کہ وہ سمجھے جاتے ہیں۔ فاضل حج نے اس کے بعد لکھا ہے۔

ہماری رائے ہے کہ جائیداد کے منافع سے جنس مدت پر خرچ کے بعد جو معمول کے مطابق لازماً ختم ہو گا وہ صرف ایک ہی خاندان کی مخصوص اغراض کے لئے محدود تھا اس کے ساقط ہونے پر تمام مفادات بعینہً محض اصل غرض پر صرف ہونے تھے جس کے لیے وقف کیا گیا تھا۔

وقف مسلم شرعاً ناجائز نہیں ہوتا۔ ایک شخص آراضیات کو وقف کر کے تاحین حیات اس سے استفادہ کرے اور اپنے بعد وہ مفادات غربا کی پرورش کے لیے مختص کر سکتا ہے جو کہ شرع کا اصل مقصد ہے۔ آراضیات سے استفادہ دائمی اغراض کے لیے وقف ہونا چاہئے چونکہ غربا ہمیشہ رہتے ہیں۔ پس جب کوئی شخص وقف سے تاحین حیات مفاد حاصل کر سکتا ہے تو اس کے بعد غربا مستفید ہوتے ہیں۔ پس ایسا وقف غیر یقینی اور معدوم غایت پر محدود نہیں ہے۔

فیصلہ کی عبارت پر غور

فاضل حج نے یہاں بطور تمثیل اس مسئلہ پر اظہار رائے کیا تھا اس خیال کے لیے ذرہ بھر بھی شبہ نہیں ہے کہ تمثیل جامع یا مختص طور پر تھی بلکہ اس کے برعکس محض اس امر سے کہ انہوں نے اس وقف کو ایک خاندان کے افراد کی مخصوص اغراض کے لیے خیال کیا تھا یہ ظاہر ہے کہ کبھی ان کے ذہن میں بھی یہ نہ تھا کہ ایسا وقف جس کی آمدنی افراد کی پرورش کے لیے ہو وہ ناجائز ہے۔ فاضل حج کے نظریہ کو جس کی پچھلی عبارت میں حوالہ ہے پر یوی کونسل کے فاضل ججان نے بھی مقدمات محمد احسن اللہ

چودھری اور ابو الفتح محمد اسحاق تسلیم کیا ہے۔ مگر میرے خیال میں وہ عبارت مذکور کے پیش نظر اس مسئلہ کے دو پہلوؤں پر غور کر رہے تھے جس کا کہ انہوں نے پہلے حوالہ دیا ہے اور فتاویٰ عالمگیری میں اس کا ذکر ہے فاضل حج نے بطور ایک سند اس پر انحصار کیا ہے اول الذکر کے مطابق کہ جب کسی زمین کو کوئی اس طرح وقف کرتا ہے کہ کل یا جزا تا حین حیات اپنے لئے اور بعد ازاں غربا کے لیے ہوگا تو ابو یوسف کے نزدیک یہ جائز ہے اور مشائخ بلخ نے بھی اس رائے سے اتفاق کیا ہے اور فتویٰ بھی اس کے مطابق ہے اور وہ حالات جب کہ ایسا وقف کیا جاتا ہے ذیلی ہیں۔

اسی طرح اگر وہ یہ کہے کہ میری زمین موقوفہ ہے اور اس کی آمدنی متولی تا حین حیات مجھے دیتا رہے گا اور میرے آمدنی میرے بچوں اور بچوں کے بچوں اور ان کی نسل میں جو بھی موجود ہو کو ملے گی۔ بعد ازاں ناداروں کو ملے گی تو یہ جائز ہے اگر وہ یہ شرط رکھے کہ اس سے اپنی پرورش اور اپنی بچوں کی پرورش کرے گا اور اپنے قرضہ بھی ادا کرے گا اور اس کی موت پر اس وقف کی آمدنی فلاں بن فلاں کو اور اس کے بچوں اور بچوں کے بچوں اور نسل کو ملے گی تو یہ جائز ہے۔

اگر کوئی شخص اس شرط پر غربا کے لیے وقف کرتا ہے کہ خود کھائے گا اور آمدنی میں سے دوسروں کو بھی کھلائے گا اور اسی طرح اپنے بچوں کو اور بچوں کے بچوں اور ان کی نسل کی شکم پری کرے گا تو یہ بھی جائز ہے۔ ایسا وقف یا تو عام شرائط کے مطابق ہوتا ہے یا صریحاً غربا کے لیے ان شرائط کے ساتھ ہوتا ہے۔ منافع کو کلیتاً یا جزواً واقف یا اس کا خاندان جب تک کہ وہ قائم ہے استفادہ کرے گا اور امر خیر وقف کا ایک جزو غربا کو صرف واقف کی اولاد ساقط ہونے پر ہی آمدنی ملے گی۔

دوسرے پیرے میں واقف اور اس کے کنبہ کے حق کے متعلق بتایا گیا ہے۔
اگر کوئی یہ کہے کہ میرے لئے میری زمین صدقہ موقوفہ ہے تو مسلمہ جدائی کے مطابق وقف جائز ہے اس طرح اگر کوئی کہے کہ میں نے میرے اور میرے بعد غربا کے لیے اور فلاں فلاں کے لیے وقف کیا ہے تو ابو یوسف کے نزدیک جائز ہے۔ اگر وہ یہ کہے کہ میری یہ زمین فلاں کے لیے موقوفہ ہے تو اصول کے مطابق جائز ہے۔

وقف اسلانا خاندان اور آل کے لیے غربا کی تخصیص کے ساتھ

اگر کوئی کہے کہ میری زمین میرے بچے کے اور بچے کے بچے کے اور اس کے سب سے بچوں کے لیے اور اس کے بچوں کے بچوں کے لیے صدقہ موقوفہ ہے تو خواہ بروز وقف موجود ہوں یا بعد میں پیدا ہوں سب نسلیں اس میں شامل ہیں اور نہ حسب ظاہر الروایت لڑکیوں کے بچے اس میں شامل ہیں اور اس کے مطابق فتاویٰ ہیں۔ اگر وہ یہ سب کہ میرے بچوں اور بچوں کے بچوں اور ان کے بچوں کے بچے اس طرح تین نسلوں کا حوالہ دے تو یہ آمدنی دانا اس کی آل اولاد جب تک کہ ان میں سے کوئی بھی باقی ہے قائم رہے گی اور غربا کے کام نہ آئے گی۔ جب آل میں قریب اور بعید سب مساوی ہیں تو قتیقہ وقف بوقت وصیت یہ وضاحت نہ کرے کہ قریب دراصل قریب ہے یا یہ کہ میرے بچے کے لیے اور اس کے بعد میرے بچوں کے بچوں کے لیے یا یہ کہ نسلًا بعد نسلًا یا ابتداءً ان سے کرے جن سے کہ وقف شروع کیا ہے۔

ان تمام صورتوں میں وقف واقف کے بعد اس کے بچوں کے لیے اور ان کے بعد غربا کے لیے ہے یہاں یہ بتانا ہے کہ فاضل حج نے ہر دو اصولوں کی توضیح کی ہے جو کہ پہلے حصہ نمونہ میں انہوں نے مسلم قانون کے مندرجہ مجموعہ قوانین ہندی سنہ ۱۸۹۶ء کو تسلیم کیا ہے یہ الفاظ وصیت سے بعض مدت کے تحت حاصل شدہ منافع جو حسب معمول وقت آنے پر ختم ہونا ضروری ہیں وہ صرف ایک خاندان اور مخصوص اغراض کے لیے ہیں (خواہ ان سے واقف کے قرضوں کے ادائیگی یا اس کے کنبہ کی پرورش یا منصرف شادی کی ادائیگی ہو۔

اور جب وہ قائم نہ رہیں تو مفادات بعینہ اصل اغراض پر جن کے لیے وقف کیا گیا تھا صرف ہونگے، اس سے ظاہر ہے کہ فاضل حج نے ان شرائط کو جو واقف جائیداد موقوفہ کے استعمال یا تصرف کے بارے میں عائد کرے جائز سمجھا تھا اور فتاویٰ عالمگیری میں مندرجہ دوسرے حصے میں اس نے بتایا ہے کہ اگر کوئی شخص اراضیات یا ان کا منافع جن کو حیات خود کے لیے وقف کرتا ہے اور اپنے بعد غربا کی پرورش کے لیے وقف کرتا ہے تو یہ الفاظ قابل غور ہیں۔ مسلم لاء کا اصل مقصد یہ ہے کہ موقوفہ زمینوں سے منافع

ایسی اغراض کے لیے وقف ہونا چاہئے جو دائمی ہوں۔ یہاں منافعوں کی مدات کا جو مختص غرض کے لیے وقف کئے گئے کوئی حوالہ نہیں ہے یہ اصول واضح ترین الفاظ میں بتایا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص ایسی آراضیات اپنے لئے وقف کرتا ہے جو غربا پر عود کرنے والی ہوں جو ہمیشہ رہتے ہیں بالفاظ دیگر یہ غایت دائمی امر خیر ہے یہاں ایک واقف کے وقف کا حوالہ بھی ہے۔ اس مسئلہ پر ابو یوسف و محمد میں اختلاف تھا فاضل حج نے اول الذکر کے وضع کردہ اصول کو تسلیم کیا ہے اور یہاں اس قیاس کی کوئی وجہ نہیں ہے کہ فاضل حج کا مسلم قانون میں تبدیلی یا ترمیم کا ارادہ تھا اگر ان کے الفاظ کا بغور مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ انہوں نے مسلم قانون کا مسلمہ اصول تسلیم کیا ہے۔ یعنی واقف اس شرط کے ساتھ وقف کر سکتا ہے کہ وہ اور اس کے خاندان اور بچے منافع سے جب تک کہ وہ باقی ہیں استفادہ کریں گے۔ اس کے معدوم ہونے کی صورت میں منافع عام غربا کو ملے گا۔ یا یہ کہ وہ آراضیات کو بالراست اپنے بچوں یا اپنے یا آل کے لیے وقف کر سکتا ہے مگر انجام کار غربا ہی استفادہ کریں گے۔ بالفاظ دیگر اولاً وہ خود، اس کے بچے اور ان کے معدوم ہونے پر غربان کی جگہ لے لیں گے۔

محمد حمید اللہ خان بنام لطف الحق

بمقدمہ حمید اللہ خان بنام لطف الحق میں نے پہلے ہی یہ بتانے کی جسارت کی ہے کہ یہ مسلم شرع کے قطعاً متضاد ہے اور اس سے خیالات کا الجھاؤ ظاہر ہوتا ہے۔ وقف نامہ کے اصل متن کی عبارت یہ ہے:

”میں نے وقف میں چار آنے جمیلہ خاتون الموسومہ دو جان بی بی میری بیٹی کی بیٹی اور اس کی آل اولاد کے حق میں جب تک وہ قائم رہے مختص کئے ہیں۔ ان کے معدوم ہونے پر غربا کے حق میں وقف کیا ہے۔“ اس سے ظاہر ہے کہ وقف ہذا سے تمام ضروری شرائط قانون کی تکمیل ہو جاتی ہے۔ فاضل حجان نے بہر حال لکھا ہے کہ ہمارے سامنے اصطلاح وقف کی اصل مقرر کے سلسلہ میں کافی بحث کی گئی ہے اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ مسلم قانون کے مصنفین بی بی اور متھ اور ہملٹن کا اس موضوع پر اختلاف ہے۔ مگر اس بارے میں جو امام ابو حنیفہ (جو بلاشبہ سنی المشرب ہیں اور غلام

شریف کا خاندان ان کے مسلک کا پیرو ہے) کی نصب ہدایہ کے مطالعہ اور امام اعظم کے شاکر ہونے کے وضع کردہ اصولوں پر غور کرنے کے بعد ہماری رائے وہی ہے جو فیصلہ عدالت عالیہ بمبئی نے مقدمہ عبدالغنی قاسم بنام حسین مرزار تحت اللہ میں کیا ہے ہماری رائے کا غالب وزن یہی ہے۔ جائیداد کا وقف جائز راہِ خدا یا مذہبی اور خیراتی اغراض کے لیے ہونا چاہئے۔

ابو حنیفہ نے بلاشبہ ۲ ہدایہ صفحہ ۳۳۳ میں بتایا ہے کہ وقف اغراض خیر کے لیے ہونا چاہئے۔

مقدمہ محمد حمید اللہ بنام لطف الحق سے ظاہر ہے کہ یہ وقف بدر النساء کے حق میں خیراتی نوعیت کا نہیں تھا اور نہ اپنی لڑکی کے حق میں تملیکی نوعیت کا تھا۔ یعنی ایسی جائیداد تملیک جو کہ قابل ارث ہے اور جس سے بدر النساء کی اولاد کو کچھ حصہ بطور ورثہ ملتا تھا۔ الفاظ واضح ہیں کہ ہر لڑکے کو حسب شرائط اقرار نامہ چار آنے ملیں گے۔ پس وقف ہی اخیر کے اصول کے مطابق جائیداد موقوفہ بالآخران اغراض کے لیے ہوگی جو کبھی ختم نہیں ہوتے۔ یہ تمام اغراض مذہبی یا امور خیر کی نوعیت کے ہیں مگر اس مختص وقف سے ان کی غرض پوری نہیں ہوتی پس ۴ حصہ کا وقف جو بنائے اپیل ہے ناجائز ہے اور اس کو وقف نہیں کہا جاسکتا۔

پس ہمارے سامنے جو بحث کی گئی ہے اس میں کچھ جائیداد تملیکی کا وقف جو اپنی اولاد کے حق میں کیا جائے اسے قانون کے مختلف شمار حسین نے جائز طور پر وقف سے موسوم کیا ہے لیکن مسلم قانون کے تحت یہ سب تملیکی اوقاف صدقہ ہیں۔ اور بظاہر نیلی کی رائے میں کوئی تملیکی جائیداد آل کے حق میں وقف کرے تو لفظ صدقہ کا استعمال کرنا چاہئے۔

ہم نہیں سمجھتے کہ وقف نامہ مورخہ یکم بمہادوں ۱۳۳۸ء میں یہ اصطلاح ان معنوں میں استعمال کی گئی تھی مزید براں اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ مسلم لاء کے تحت اس قسم کی تملیکیات کا وقف ہو سکتا ہے تو موجودہ وقف تملیک وقف کے اصولوں سے خارج ہے۔

مقدمہ ہذا میں پہلے بتایا گیا کہ اصول تملیک کلیئاً اس قول پر مبنی ہے جو آنحضرت مسلم سے منسوب ہے کہ ایک شخص جو اپنی پرورش کا انتظام کرتا ہے وہ امر خیر کرتا ہے مگر بقول ہملنن یہ اصول اس وقت نافذ ہوتا ہے جب کوئی شخص اپنی تمام جائیداد

کو وقف کر دے اور خود اتنا بے سرو سامان ہو جائے کہ اس پر امر خیر لاگو ہو سکے جس طرح کہ کسی مفلس کے حق میں۔ پس جواز وقف کی غرض سے کوئی شخص آنحضرت صلعم کے فرمان کے مطابق جائیداد اپنے اور اپنی اولاد کے لیے وقف کرے تو اس کو خود اس طرح نادار بن جانا چاہئے۔

مقدمہ ہذا میں جیسا کہ فریقین کو بھی تسلیم ہے واقف کی تحویل میں جائیداد بائے مندرجہ کے علاوہ اور بھی جائیدادیں ہیں پس یہ نہیں کہا جاسکتا کہ بدرالنساء کو یہ جائیداد ایک نادار کی حیثیت سے ملی تھی۔

ادباً یہ عرض کرنا ہے کہ اس فیصلے میں بھی محض غلط قیاسات سے ہی کام نہیں لیا گیا ہے بلکہ اس میں غیر معمولی طور پر خیالات کا انتشار ہے یہ کسی فیصلہ سے معلوم نہیں ہوتا کہ جواز وقف کے لیے واقف یا مستفیدین میں مفلس کون ہے۔

یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مسلم قانون کے مصنفین میک نائٹن اور ہیملی کی رائے میں تضاد ہے میک نائٹن نے مسلم قانون پر کسی تصنیف کا دعویٰ نہیں کیا بلکہ محض چند عام ابتدائی اصولوں کو مرتب کیا ہے ان میں سے بہت سے نامکمل ہیں۔

مندرجہ اصول ۴ سے ظاہر ہے ایک شخص اپنے بچوں کے حق میں اور ان کے معدوم ہونے کی صورت میں غربا کے لیے وقف کر سکتا ہے۔ ایسے اوقاف کی بھی واضح مثالیں دی گئی ہیں جو مخصوص خاندان کی پرورش کیلئے کئے گئے ہوں۔ اس سلسلہ میں خزینۃ المنتسبین کا حوالہ زیادہ موثر ہے۔

اصول مندرجہ ہدایہ

ہدایہ میں ایسا کوئی اصول نہیں ہے جس سے فاضل ججان کی تائید ہوتی ہو۔ یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ ہدایہ کا انگریزی ترجمہ ہدایہ کے فارسی ترجمہ سے کیا گیا ہے جس میں اصل ہدایہ بزبان عربی کے مقابلے میں بہت اضافے اور فرد گزاشتیں ہو گئی ہیں۔

مسٹر ہملٹن نے فارسی ہدایہ کا انگریزی میں ترجمہ کرتے ہوئے لفظ وقف کا انگریزی ترجمہ تصرف کیا ہے لیکن ۱۸۹۴ء میں یہ سمجھتے ہوئے کہ ہر تصرف کو وقف نہیں کہہ سکتے انہوں نے حاشیہ میں احتیاطاً یہ اضافہ کیا کہ ایسا تصرف جو امر خیر کی نوعیت کا

حاصل ہو۔ اس لئے فاضل تہجان نے مقدمہ زیر تجویز کا فیصلہ اس حاشیہ کے نوٹ کی بنا پر دیا ہے اور اس کے معنی انگریزی مفہوم کے مطابق مستنبط کئے ہیں۔

متذکرہ بالا نظریہ کی تائید میں خود ہدایہ میں کوئی جواز نہیں ہے۔ ہدایہ میں وقف کی تعریف اس طرح کی گئی ہے (امام ابو حنیفہ کے مطابق شرعاً اس کا مفہوم یہ ہے موقوفہ شے کے عین کو محفوظ کر دیا جائے اور اس کی آمد امور خیر میں کام میں لائی جائے جو بمنزلہ "عاریت" ہو امام اعظم کے دو شاگردوں (مساحین) کے مطابق اصل شے کو عینت خداوندی کے اصول کے مطابق اس طرح محفوظ کر دیا جائے کہ شے مذکورہ میں وقف کے حقوق مانگا نہ ساقط ہو جائیں تاکہ حاصل شدہ منافع خدائے تعالیٰ کی مخلوق پر صرف ہو سکے۔

مساحین کی تعریف کو فتویٰ کے لیے اختیار کیا گیا ہے اور اسے متواتر تمام شریعوں، قانون کی کتابوں، فیصلوں اور فونوں میں واضح کیا گیا ہے اور اس میں مستحسن نوعیت کا بہ مقصد شامل ہے جس سے کہ خوشنودی خداوندی یا اجر حاصل ہو سکے۔ حتیٰ کہ کسی کا اپنے بچوں کے حق میں وقف کرنا مسجد کے وقف کے مساوی سمجھا گیا ہے۔ یہ قول کہ جواز وقف کے لیے وقف شخص عبادت خداوندی یا اغراض کے لیے ہونا چاہئے اس کی کسی سند سے تائید نہیں ہوتی۔ ہدایہ میں بچوں کے حق میں وقف کا حوالہ نہیں ہے اس لئے کہ امام ابو یوسف و امام محمد میں اس بارہ میں کوئی اختلاف رائے نہیں ہے۔

یہ مسئلہ کہ آیا ایک وقف خود اپنی ذات کے لیے جائز ہے یا نہیں اس پر امام ابو یوسف و امام محمد میں اختلاف ہے اور اسی لئے مصنف نے اس پر کافی تحقیق کی ہے اور آنحضرت صلعم کے فرمان کے حوالہ سے ثابت کیا ہے کہ ایک وقف اصلاً اپنے مفاد کے لیے جائز طور پر وقف کر سکتا ہے۔ مترجم نے اس اصول کی زمرے میں حاشیہ نوٹ کی بنا پر غلط تاویل کی ہے اور یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ کوئی شخص بھی جواز وقف کے لیے خود کو قطعاً تادار بنا لے۔ ہملٹن نے متن ہدایہ اور آنحضرت صلعم کے ارشاد گرامی کی شرح کی ہے اس کو فقہائے اسلام نے تسلیم نہیں کیا ہے۔ آنحضرت صلعم کے ارشاد کے مطابق اپنی ذات کے لیے بسر اوقات کا انتظام کرنا بمنزلہ امر خیر ہے خواہ وہ شخص اپنی جائیداد یا اس کے جزو کو بھی وقف کرے۔ آمدنی وقف کے کل یا جزو کو محفوظ کرنا امر ثواب و کار

ثواب ہے۔ لفظ صدقے کا ترجمہ خیرات دینا ہے یہی اصل وجہ تھی کہ فاضل ججان عدالت سے غلطی ہوئی۔ کسی کا اپنے حق میں وقف کرنا جس بنا پر جائز ہے وہ یہ ہے کہ وہ امر خیر اور امر ثواب ہو۔ یعنی اپنے بسراوقات کے ذرائع مہیا ہوں اس امر کے پیش نظر کہ مشرق میں ہمیشہ ہی مذہبوں اور دولت کی ہیرا پھیری ہوتی رہتی ہے حنفی فقہانے اس اصول کو واضح کیا ہے کہ جب کوئی شخص اپنی جائیداد نوع انسانی کے مناد کے لیے ملکیت خداوندی میں تقویٰ کرے وہ خود بھی اس وقف سے جس کا امین اللہ تعالیٰ ہے استفادہ کر سکتا ہے۔

فاضل ججان نے مزید طے کیا کہ بچوں کے حق میں محض صدقہ کے استعمال سے وقف ہو سکتا ہے اسناد محولہ سے ظاہر ہے کہ یہ خیال قانون کے مسلمہ اصولوں کے قطعاً خلاف ہے۔

فاطمہ بی بی بنام عارف اسماعیل

بمقدمہ فاطمہ بی بی بنام عارف اسماعیل میں اس امر پر قطعاً بحث نہیں ہوئی اور فاضل حج نے مقدمہ ابوالقاسم بنام محمد حمید اللہ خان و فاضل ججان میں سے ایک حج نے محمد حمید اللہ خان کے مقدمے میں فیصلہ دیا تھا اور اس کے بعد اس قسم کے مسئلہ پر بمقدمہ کچھی پت سنگھ بنام امیر عالم میں غور کیا جس میں انہوں نے اپنی رائے میں کسی حد تک ترمیم کی ہے۔ کچھی پت سنگھ کے مقدمے میں وقف نامہ میں واقف کے قرضوں کی ادائیگی اور مسجد کی دیکھ بھال کے مصارف اور اس کے بزرگوں کے تجہیز و تکفین مراسم کی ادائیگی اور اس کی آل کی پرورش شامل تھی۔ اس طرح کلیتاً ایسا وقف نہیں تھا جو خوشنودی خداوندی کے لیے مختص ہو۔ فاضل حج نے اس وقف کے مسئلہ کو طے کرتے ہوئے اس طرح اپنا اظہار خیال کیا۔ دوسرا قضیہ یہ ہے کہ آیا مسلم قانون کے مطابق یہ وقف جائز ہے۔ عدالتوں میں ہمیشہ اس بارہ میں کافی اختلاف رائے رہا ہے کہ جواز وقف کے کیا ضروری امور ہیں اور کن کن سے وقف ناجائز ہو جاتا ہے۔ ایک طرف یہ بحث کی گئی ہے کہ کوئی وقف تا وقتیکہ یہ کلیتاً اغراض ثواب اور امور خیر کے لیے نہ ہو اور دائمانہ ہو برگز جائز نہیں ہے۔ دوسری طرف یہ مذکور کیا گیا ہے کہ واقف کے کنبے کی پرورش

کے لیے اگر واقعی دائمی بسر اوقات کا انتظام ہو سکتا ہے تو وقف جائز ہے۔

یہ امر کہ سب بیچ جنہوں نے کہ اس مقدمہ کی سماعت کی وہ خود علوم غریبہ میں بلند استعداد والے مسلمان تھے اور اس لئے ان کی رائے ایسے مقدمات میں خاص توجہ کی مستحق ہے۔

فیصلہ مذکور سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کو اس وقف کے مکمل جواز نوعیت اور اغراض کے متعلق کوئی شبہ نہیں تھا اور محض عدالت ماتحت کے فیصلے کے اس امر سے متاثر ہوئے جس سے اغراض وقف کے بارے میں کوئی شبہ نہیں رہتا اسی طرح متذکرہ وقف کی نوعیت بھی فیصلہ عدالت سے مشتبه بن جاتی ہے۔ وقف نامے میں ماسوا امور مذہبی و امور خیر واقف کی اولاد ذکور کے گزارہ کی بھی صریح گنجائش رکھی گئی ہے لیکن عدالت عالیہ بمبئی نے فل بیچ کے فیصلے کی بنا پر یہ طے کیا کہ ایک جائز وقف کی تشکیل کے لیے جائیداد محض عبادت خداوندی یا مذہبی و خیراتی اغراض کے لیے وقف ہونا چاہئے۔

ملاحظہ ہو بمقدمہ عبدالغنی قاسم بنام حسین میاں رحمت اللہ۔ اس رائے کی عدالت عالیہ کی ڈویژن بیچ نے خود محمد حمید اللہ خان بنام بدر النساء خاتون میں تائید کی ہے اس تعریف کی رو سے وقف کی قانونی نوعیت میں خاندان واقف کے پرورش کی شامل نہیں ہے۔ تاہم عدالت ماتحت نے اس مسئلہ کو اس طرح یہ لکھ کر طے کر دیا کہ یہ بالکل ظاہر ہے کہ اس موضوع پر کسی سند کی حوالے کی ضرورت نہیں ہے اور یہ وقف جائز ہے۔ عدالت عالیہ بمبئی کے مقدمہ میں فاضل ججان نے مسئلہ متعلقہ پر تمام ممکن الحصول نظائر پر غور کرنے کے بعد یہ طے کیا کہ جس قول کی بنا پر یہ فیصلہ ہے کثرت رائے اس کی تائید میں ہے اور یہی رائے ڈویژن بیچ کی تھی جس نے مقدمہ حمید اللہ خان بنام بدر النساء خاتون کا فیصلہ صادر کیا جس کا کہ ہم میں سے ایک ممبر تھا۔ متذکرہ مقدمے میں محولہ وقف جس کو ہم نے تسلیم کرنے سے انکار کیا تھا اس کے اغراض میں عبادت خداوندی و فرانس مذہبی کی ادائیگی شامل نہیں ہے۔ بلکہ غربا کی پرورش کے لیے دور از کار شرط تھی کہ وہ محض واقف کی لڑکی اور اسکی اولاد کے گزارہ کے لیے جب تک وہ رہے ایک دائمی صورت تھی۔

کچھی پرت سنگھ بنام امیر عالم

ہمارے سامنے وقف نامہ مختلف نوعیت کا ہے اور اس کی عبارت پیش نظر ہے اسکی نوعیت کے متعلق بلا اظہار رائے متذکرہ نظیر کو اس پر منطبق کر لیں اور وقف ہذا کو متذکرہ شرائط کی مطابق تکمیل پذیر وقف سمجھ لیں اس لئے کہ وقف نے ہر قسم کی جائیداد کی آمدنی کا حوالہ دیتے ہوئے اس نے سب کو مسجد اور خاندان کے اہم شخصیتوں کے مقبروں کے مصارف و آستانہ کے ملازمین اور مقبروں پر عرس اور فاتحہ کے لیے وقف کر دیا ہے یہ سب اغراض وقف ہیں اور تمام مذہبی ہیں اور کسی حد تک غربا کے لیے خیرات بھی شامل ہے۔ پس ہم نظائر محولہ بالا کے مطابق اس کو وقف جائز قرار دیتے ہیں۔

مقدمہ زیر غور اور مقدمہ محمد حمید اللہ خان میں جو امتیاز کیا گیا ہے وہ اصل کی نسبت زیادہ واضح تھا اصل میں واقف کی اولاد کے لیے وقف تھا جس میں مسجد وغیرہ کے بعض مصارف کی ادائیگی بھی شامل تھی۔ تاہم وقف جائز قرار دیا گیا اسی لئے قیاس کیا گیا کہ موخر الذکر کے مصارف کی گنجائش ہے اول الذکر کے مصارف بھی پورے ہوتے ہیں۔

امرت لال کالی داس بنام محمد حسین

سب حج نے جو ایک مسلمان اور مسلم قانون کے ماہر تھے انہوں نے یہ فیصلہ دیا کہ دراصل وہی شرط جو عدالت عالیہ کو مشکوک نظر آتی تھی یہ وہی تھی جس کے بارہ میں غالباً کوئی نزاع ہی نہ تھا۔ ان تینوں مقدمات کے نظائر پر فاضل حج نے بمقدمہ کالی داس امرت لال بنام شیخ حسین محمد میں بڑی قابلیت اور وضاحت سے بحث کی ہے۔ فاضل حج نے بہت صحیح لکھا ہے کہ نظائر مقدمات محمد حمید اللہ خان بنام لطف الحق اور عارف اسماعیل جی بمبئی کی معنویت اس لئے بہت کم ہو گئی ہے کہ ان مقدمات کو طے کرنے والے حجان نے نظیر بمقدمہ عبدالغنی قاسم بنام حسین میاں رحمت اللہ میں محض اپنے رجحان کا اظہار کیا تھا مگر ان ججوں نے اسکو فیصلہ سمجھ لیا اور عدالتی بیخ نے مقدمہ کچھی پرت بنام امیر عالم میں شبہ کا اظہار کیا تھا کہ ان ججوں میں سے ایک وہ فاضل حج بھی جو کہ اول الذکر ہر دو مقدمات کے فیصلہ کرنے والوں میں تھے۔ مقدمہ فاطمہ بی بی بنام ایڈوکیٹ جنرل کانہ ان ہر دو مقدمات میں نہ موخر الذکر مقدمہ میں حوالہ دیا گیا تھا۔

عبدالغنی قاسم بنام حسین میاں رحمت اللہ

اب میں مقدمہ عبدالغنی بنام حسین میاں رحمت اللہ کو لیتا ہوں۔ عدالت عالیہ
ہمات کے اس مقدمے میں نہ عدالت عالیہ کے مابعد کے فیصلوں میں دو جان بی بی بنام رحمت اللہ
کا حوالہ ہے۔ یہ چیف جسٹس رائن کا فیصلہ ہے جو انہوں نے دو جان بی بی بنام رحمت اللہ
میں طے کیا تھا۔ عبدالغنی قاسم بنام حسین میاں رحمت اللہ میں کسی مستند نظیر کا حوالہ
نہیں الٹا دیکر اصول ہائے قانون پر جو مختلف مسائل و نظریات سے متعلق ہیں بحث کی
گئی ہے مگر مسلم قانون کے وہ اصول جو مستند کتب ہائے فقہ سے مستنبط ہو سکے تھے ان کا
خاص طور پر کوئی حوالہ نہیں ہے۔

فائل ججان نے پریوی کو نسل کے فیصلے مقدمہ جیون داس ساہو بنام شاہ کبیر
الدین احمد سے استنباط متنازعہ کو جس کا عدالت عالیہ بمبئی کے روبرو مقدمہ سے کوئی تعلق
نہ تھا اس طرح طے کیا۔

مقدمہ متذکرہ میں یہ ہے کہ شرعاً وقف کی تشکیل جو اغراض مذہبی یا امور خیر
کے لیے ہے اصطلاحاً وقف ایسی آمدنی کے بارہ میں استعمال کی جائے کہ عطیہ کی نوعیت
سے ہی حق فیصلہ آرائی متصور ہو سکے مگر میرے خیال میں اس مسئلہ کے برعکس قابل
عمل ہے۔ یعنی کسی وقف کی تشکیل کے لیے اس کا مذہبی و خیراتی اغراض کے لیے وقف
ہونا ضرور ہے اور یہ کافی نہیں ہے کہ محض اصطلاح ”وقف“ ہی کا اس عطیہ میں حوالہ دیا
جائے ورنہ ہر شخص محض باللسان دوام کا ادا کرے گا۔ اس سلسلہ میں بتانا ہے کہ ایسی
دلیل محض مغالطہ آمیز ہے اور مسلم قانون کی صریح دفعات کی خلاف ورزی ہے۔

غلام نظام الدین بنام عبدالغفور وغیرہ

مقدمہ نظام الدین غفور وغیرہ میں عدالت عالیہ بمبئی نے اصلاً اس اصول کو
تسلیم کر لیا ہے کہ کوئی بھی مسلمان اولاد کے حق میں جائیداد کو جائز طور پر وقف کر سکتا
ہے مگر اس کے ساتھ یہ بھی طے کیا ہے کہ انجام کار جب جائیداد کسی خیراتی مصرف کے
لیے وقف نہ ہو تو بھی ایسا وقف جائز ہے۔ یہاں بھی اس کی تائید میں کسی نظیر کا حوالہ
نہیں ہے بلکہ اصل مسئلہ کو ہی نظر انداز کر کے مسلم قانون کے اصول کو غلط سمجھا گیا۔

اور یہ فیصلہ انہی دلائل پر مبنی ہے جن کی بنا پر ما قبل فیصلے ہو چکے ہیں اور ان سے ججوں کے نظریہ کی تائید نہیں ہوتی

عائشہ بی بی بنام غلام حیدر خان پتھو کٹی بنام اپتھل کٹی

اور مقدمہ عائشہ بی بی بنام ایڈوکیٹ جنرل کی نظیر کی عدالت عالیہ کلکتہ نے مقدمات عائشہ بی بی بنام غلام حیدر خان اور فوجیہ بی بی بنام حاجی محمد قاضی اسحاق میں بیرونی کی ہے۔ مقدمہ پتھو کٹی بنام اپتھل کٹی وقف کا نفاذ اس پر مشروط تھا کہ واقعہ کے کوئی اولاد نہ ہونے کی صورت میں جائیداد وقف ہوئی۔ اور اگر وقف نہ ہوتی اور اولاد ہو تو پوری جائیداد اسے ملے گی۔ شرعاً ایسا وقف ناجائز تھا۔

مرتضائی بی بی بنام حمنابی بی

مقدمہ مرتضائی بی بی بنام حمنابی بی میں فریقین مقدمہ اور واقف سب ہی شیعہ تھے اور شیعہ فقہ کے مطابق جب مختص طبقے افراد کے لیے وقف کیا جائے جیسے کہ واقف کے افراد خاندان یا اس کی اولاد تو انجام کار مقصد دوامی کی تصریح ضروری ہے اور یہ اصول حنفی شیعہ فقہ کے اختلافی اصولوں میں سے ایک ہے۔ مرتضائی بی بی کے وقف نامے میں غربا کا حوالہ نہ تھا اور اس نقص پر مقدمہ طے ہو جاتا مگر فیصلہ کنندہ فاضل جج غالباً اس اختلاف سے واقف نہ تھے اس لئے انہوں نے حنفی اصول فقہ کی بنا پر فیصلہ صادر کیا۔

ہدایہ

وقف کے موضوع پر فی الوقت تمام الجھن ہدایہ کی وجہ سے ہے مگر یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ ہملٹن نے ہدایہ کا موجودہ ترجمہ اصل عربی سے نہیں کیا ہے بلکہ ان کی تحریک پر کلکتہ کے بعض مولویوں نے اولاً عربی سے فارسی میں ہدایہ کا ترجمہ کیا اور فارسی ترجمے میں انہوں نے کئی اضافے کئے اور وہ غالباً اس لئے کہ اس موضوع کی مزید وضاحت ہو سکے مگر اسکے برعکس مزید الجھن پیدا ہو گئی۔

اکثر اہم جملے حذف ہو گئے ہیں جس سے ترجمے کی قدر بالکل ہی زائل ہو گئی اور اسی نام نہاد ترجمہ پر فیصلوں کی بنیاد ہے۔ مسٹر نیل بیللی جو فتاویٰ عالمگیری کے مترجم ہیں

انہوں نے ہملٹن کی شرح مکے بارے میں لکھا ہے کہ مسٹر ہملٹن نے لفظ "وقف" کی قانونی تشریح میں مذہبی اور امور خیر کی نوعیت کو غیر ضروری طور پر محدود کر دیا ہے۔ کوئی بھی شخص جس نے مسلم قانون کا مطالعہ کیا مسٹر ہیل کی تنقید کی صحت پر ایک لمحے کے لیے بھی شبہ نہیں کریگا اس تنقیدی جائزہ سے ظاہر ہے کہ ہدایہ اور مسلم قانون کی دوسری کتابوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ ہدایہ میں جیسا کہ بتایا جا چکا ہے قانون وقف کے سلسلہ میں بہت ہی کم حوالے ہیں۔ حتیٰ کہ اسمیں کسی شخص کا اپنے بچوں یا نسل کے وقف کے جواز کے بارہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ مگر اپنی ذات یا خود پر جواز وقف کے بارہ میں انہیں اختلاف ہے اور اس پر تفصیل سے بحث نہیں کی گئی ہے مگر تمام شروح مثلاً فتح القدیر، حیات البیان وغیرہ میں اس موضوع پر تفصیل سے بحث ملتی ہے۔

متعلقہ مقنن اس طرح ہیں۔ ابو حنیفہ رحمت اللہ علیہ نے بتایا ہے کہ جائیداد موقوفہ میں واقف کا وقف میں اس وقت تک حق ساقط نہیں ہوتا جب تک کہ حج ڈگری صادر نہ کر دے یا واقف کی موت پر اس وقف کا انحصار ہو پس ان کے بقول واقف کو یہ بتانا چاہئے کہ جب میں مرجاؤں تو میرا یہ مکان وقف ہوگا۔ ابو یوسف کے مطابق واقف کا حق شخص وقف کے حوالہ سے ہی ساقط ہو جاتا ہے۔ ابو محمد کے مطابق واقف کا حق اس وقت تک ساقط نہیں ہوتا جب تک کہ متولی کا تقرر نہ ہو اور جائیداد تفویض نہ کی جائے۔

مسئلہ اصول

مصنف کے مطابق لفظ "وقف" کے لغوی معنی جیسا کہ وہ بتاتے ہیں روکنے یا جانور کو باندھ دینے کے ہیں۔ گویا یہ کہ میں نے باندھ دیا ہے۔ اس عبارت کا منشا بھی یہی ہے۔ قانون ابو حنیفہ کے مطابق اس کا منشا یہ ہے کہ اصل جائیداد کو واقف کی ملکیت میں باندھ دیا جائے یا روک دیا جائے اس کی آمدنی کو جو بمنزلہ عاریت ہے وقف کر دیا جائے تب ہی یہ وقف جاسکتا ہے۔ جب کسی شے کی آمدنی غیر موجود ہو اس لئے کہ غیر موجود شے کا امر خیر میں وقف کرنا امام ابو حنیفہ کے نزدیک جائز نہیں ہے اور اس میں اس کا حوالہ ہے کہ۔

ابو حنیفہ کے مطابق یہ بالکل صحیح ہے کہ ایسا وقف اگرچہ قطعاً جائز نہیں ہے

مگر بطور "عاریت" جائز ہے۔ صاحبین کے مطابق اصل شے "جائیداد" کو ملکیت خداوندی کے اصول کے مطابق "روک" دینا ہے تاکہ واقف کا حق مالکانہ ساقط ہو جائے اور یہ کسی بھی مقصد کے لیے خداوند تعالیٰ کی جانب سے منتقل ہو سکے تاکہ اس کے منافعوں سے مخلوق خدا کو فائدہ ہو۔ پس ایک وقف جو ہمیشہ مطابقتاً ہوتا ہے کہ نہ بیع و فروخت ہو سکتا ہے اور نہ ورثہ میں دیا جاسکتا ہے۔

پس لفظ "وقف" میں وہ دونوں ہی مفہوم جو صاحبین نے بتائے شامل ہیں۔ اور اسی لئے اس مفہوم کو برنبائے ثبوت ترجیح ہے۔ صاحبین کی رائے آنحضرت صلعم کے اس ارشاد پر مبنی ہے جو آپ نے حضرت عمرؓ کے دریافت کرنے پر ان کی آراضی الموسوم سماغ پر فرمایا تھا۔ اصل زمین عین اس طرح محفوظ کر دو کہ نہ بیع ہو سکے نہ کسی کو دی جاسکے نہ اس پر ورثہ خاند ہو۔ ثانیاً اس ارشاد گرامی کے پیش نظر وقف قطعی ہونا چاہئے تاکہ اسکا اجر دائماً واقف کو مل سکے۔ اور یہ محض اس صورت میں ہو سکتا ہے کہ جائیداد میں واقف کا حق ساقط ہو جائے اور وہ ملکیت خداوندی میں دائماً تفویض کر دی جائے۔ شرعاً اس کی مثال مسجد ہے پس اسی طرح وقف ہونا چاہئے۔

ظاہر ہے کہ تمام عبارت میں ایک لفظ بھی ایسا نہیں ہے جس سے کہ وقف کا مفہوم محض عبادت خداوندی لیا جائے۔ ہملٹن نے "جعلہ اللہ تعالیٰ" کا جس طرح ترجمہ کیا ہے اس سے وہ جائیداد کو واقعی ملکیت خداوندی بنا دیتا ہے۔ اس کے خیال میں وقف محض خداوند تعالیٰ کے لیے وقف ہوتا ہے۔ دراصل عربی عبارت کا فارسی میں آزاد ترجمہ کیا گیا ہے اور اس سے انگریزی ترجمہ ہوا۔ فاضل حجان بمقدمہ عبدالغنی بنام قاسم جان اس نتیجہ پر پہنچے کہ وقف سے مراد محض عبادت خداوندی کے لیے وقف کرنا ہے۔

کفایہ کی تنقید

صفحہ ۹۱۱ کے خاتمہ پر شرح مصنف کفایہ نے واضح طور پر لکھا ہے کہ ایسے تمام معاملات میں صاحبین کی رائے کے مطابق معروف اور رسماً فتویٰ ہے اور اس پر اجماع امت ہے۔ اس مسئلہ کی تائید میں اسناد کا حوالہ غیر ضروری ہے کہ امام اعظم کے نظریات احناف میں بطور اصول کبھی نہیں مانے گئے اس کی تائید بعض کتب ہائے فقہ مثلاً فتاویٰ

عائقہ فی فتاویٰ قاضی خان - حمید یہ - فتح القدر - غایت البیان - شرح طحاوی سے ہوتی ہے۔ ہدایہ کی عبارت پر جہاں مملکتوں نے تنقیدی الفاظ استعمال کئے ہیں ان پر کفایہ میں تنقید کرتے ہوئے مفسر نے لکھا ہے کہ صاحبین کے مطابق قطعیت وقف کی مثال شرعاً مسجد ہے اس لئے کہ ان کے مطابق مسجد کی تشکیل بالا جماع وقف قطعی ہے اور اسی طرح جائیداد سے کسی مفید مقصد کی خاطر واقف کا اپنے حق ملکیت کو واپس لینا ہے اور خوشنودی خداوندی کی خاطر خواہ کوئی بھی غرض ہو جائیداد "باندہ" دی جاتی ہے اور تمام واقف کی یہی صورت ہے۔

مگر صاحبین کے قول کے مطابق وقف کا مفہوم جائیداد میں خود کے حق ملکیت کو خداوند تعالیٰ کے لیے ساقط کرنا ہے پس شے موقوفہ ملکیت خداوندی میں اس شرط پر روک دی جائے گی کہ اس کی پیداوار مخلوق خدا کے کام آئے۔ پس خداوند تعالیٰ کے لیے جائیداد وقف سے مراد نوع انسانی کے مفاد کے لیے اس کا استعمال ہے۔

ابو حنیفہ کے مطابق وقف کا منشا جیسا کہ انگریزی قانون کا مفہوم ہے یہ نہیں ہے کہ جائیداد کو عبادت خداوندی یا محض خیرات کے لیے وقف کیا جائے کہ کفایہ کے مطابق بقول امام ابو حنیفہ اصل شے کو واقف کی ملکیت میں باندہ دیا جائے۔ میں یہاں ہدایہ کے ایک دوسرے پیرے کا حوالہ دوں گا جس کی غلط تاویل کی گئی ہے۔

ابو حنیفہ اور امام محمد کے مطابق ایک وقف اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا جب تک کہ واقف اس سے حاصل شدہ مفاد کو انجام کار ایسی غرض کے لیے مخصوص نہ کر دے جو دائمی ہو مگر ابو یوسف کے مطابق اگر واقف محض ایسی غایت کے لیے وقف کرتا ہے جو معدوم ہونے والی ہے تب بھی وقف جائز ہوگا اور اس مقصد کے معدوم ہونے پر غربا کے کام آنے کا خواہ اس کا حوالہ نہ ہو۔ امام ابو حنیفہ و امام محمد کی دلیل ہے کہ وقف کا منشا جائیداد پر حق ملکیت بلا کسی شخص کو دوانا منتقل کرنا مثل غلام آزاد کرنے کے ہے اگر کوئی ایسا مقصد بتایا گیا ہے جو معدوم ہونے والا ہے تو اس سے مقصد متذکرہ کی تکمیل نہیں ہوتی مثلاً بیع عارضی یا وقف عارضی ناجائز ہے۔

ابو یوسف کی دلیل یہ ہے کہ غایت وقف خوشنودی خداوندی حاصل کرنا ہے۔ جس کی کئی صورتیں ہیں بعض وقف کسی ایسے مقصد کے لیے ہوتے ہیں جو کہ معدوم

ہونے والا ہے اور بعض وقف کسی ایسی غایت کے لیے وقف ہوتے ہیں جو دائمی ہو ایسی دونوں صورتوں میں وقف جائز ہوتا ہے۔ ابو یوسف کے مطابق دوام کا حوالہ ضروری نہیں ہے۔ ان کے نزدیک الفاظ ”وقف“ و ”صدقہ“ سے ہی دوام کا مفہوم واضح ہے۔ جیسا کہ میں پہلے ہی بتا چکا ہوں جائیداد وقف میں مثل غلام آزاد کرنے کے بلا انتقال حق ملکیت ساقط ہو جاتا ہے اور کتاب مختصر القدری میں ہے کہ اگر کسی وقف میں غربا کا حوالہ نہ ہو تو اصل غایت کے معدوم ہونے پر غربا ہی اس سے استفادہ کریں گے اور یہی صحیح مسئلہ ہے۔

ہملٹن کے ہدایہ کا ترجمہ یک طرفہ اور غلط ہے

ہملٹن کے ترجمہ میں پچھلی چند سطریں غائب ہیں۔

ابو یوسف کا وضع کردہ اصول مسلمہ ہے جیسا کہ درج ذیل کتب شرع کے

مستند اقتباسات سے ظاہر ہے مثلاً

فتاویٰ عالمگیری، فتاویٰ قاضی خان، فتح القدری، درالمختار، غیاث البیان، اور تسہیل

بصورت موجودہ یہ غیر ضروری ہے کہ اسی تفصیل کا مزید اعادہ کیا جائے تاہم اس کے متعلق مسلمہ اصول و نکات کا مختصر اعادہ مناسب ہوگا۔

(۱) اجماع کے مطابق ایسا وقف جائز اور صحیح ہے۔

(۲) ابو یوسف کے مطابق جو نہیں واقف اعلان وقف کرے وقف قطعاً موثر ہو جاتا

ہے۔ بالفاظ دیگر اعلان کے فوراً بعد ہی وقف قائم ہو جاتا ہے۔

(۳) وقف کے لیے خاص الفاظ کا استعمال ضروری نہیں ہے جب کہ واقف کے طرز

عمل اور منشا سے ایک دائمی وقف کا منشا ظاہر ہو۔ یہ کافی ہے۔

(۴) وقف کوئی بھی مسلمان کسی مقصد کے لیے کر سکتا ہے خواہ وہ معدوم ہونے

والا ہے یا نہیں مگر شرعاً مکروہ ہے۔

(۵) اور خواہ وقف ان اغراض کے لیے کیا جائے جو ختم ہونے والے یا معدوم ہونے

والے ہوں لیکن انجام کار غربا اس سے مستفید ہوں گے خواہ وقف صریحاً ان کے لیے نہ

کیا گیا ہو۔

اور بعض وقف ناموں میں اس کی مستعملہ عبارت سے ظاہر ہوگا کہ کسی نسل کے حق میں لفظ وقف کے استعمال سے منشا وقف ایک امر خیر کی صورت میں ہے۔ اس کے مطابق تمام فیصلوں پر بنی غور کرنا ہوگا کہ ظاہر ہے یہ خیال مسلم قانون کے اصولوں کے متعلق لفظ نہیں پر مبنی ہے اس کے مطابق دوام خواہ صریح ہو یا تعبیری وقف کی لازمی شرط ہے۔ واقف کے لیے لازم ہے کہ جائیداد میں اپنا حق ترک کر کے اس کو دائماً اللہ تعالیٰ کو تنزیہ کر دے لیکن لفظ دوام کا استعمال ضروری نہیں ہے نہ صریح الفاظ میں یہ درج ہونا ضروری ہے کہ ہمیشہ کے لئے وقف کیا گیا اگر وقف دائمی غرض کے لیے ہے تو وقف جائز اور قابل پابندی ہے خواہ لفظ دوام کا استعمال نہ ہو۔ یا ایسے مقصد غرض یا اغراض کے لیے جو معمولاً معدوم ہونے والے ہوں تو مروجہ اور مسلم اصول کے مطابق قانوناً یہی قیاس ہوگا کہ یہ وقف بالآخر غربا کے لیے ہے جو ہمیشہ ہی ہوتے ہیں بشرطیکہ دائمی نوعیت کا حوالہ نہ ہو اگر امام محمد کے مطابق غرض معدوم ہونے والی ہو جیسے کہ لفظ نسل ایسی صورت میں لفظ صدقہ سے مراد غربا پر عود کرنا لازمی ہوگا۔ یا غربا کا صریحاً حوالہ دیا جائے۔ لفظ ”غریب“ کے حوالے سے یہ منشاء نہیں ہے کہ اولاد کے حق میں وقف سے غربا مستفید ہوں تو محمد و ابو یوسف کے نزدیک ایسا وقف جائز ہے حتیٰ کہ تمام مذاہب حنفی و شافعی و شیعہ کے نزدیک بھی جائز ہے اگر غربا کا حوالہ نہیں ہے تو قانوناً یہی قیاس ہوگا اور ایسی فرد گزاشت سے مسلمہ طور پر حنفی اصول کے مطابق غربا ہی کو قیاس کرنا ہوگا۔ مسلمہ حنفی قانون کے مطابق وقف جن کی اغراض معدوم ہونے والی ہوں ایسا ہی جائز اور درست ہے جیسا کہ مستقل اور دائمی اغراض کے لیے وقف۔ اول الذکر سے بھی اتنی ہی قربت خداوندی حاصل ہوتی ہے جیسی کہ مؤخر الذکر سے۔

کسی کا اپنے بچوں کے لیے وقف اتنا ہی کار ثواب ہے جیسا کہ غربا کے لیے۔ وقف کی ابتدا اولاد سے ہوتی ہے اس کے بعد رشتہ دار بعد ازاں پڑوسی سے اور مابعد اہل وطن ہوتے ہیں۔

اب میں ہدایہ کے دوسرے پیرے پر آتا ہوں اس میں بھی ایسی ہی غلط تعبیر کی گئی ہے جیسی کہ ابو یوسف اور ابو محمد میں وقف کے بارہ میں اختلاف پر بحث کی گئی ہے اگر واقف اپنے حق میں وقف کرتا ہے یا اس کی نگرانی خود پر مختص کرتا ہے تو ابو یوسف

کے نزدیک جائز ہے۔ میرے خیال میں یہ دو علیحدہ موضوع ہیں۔ یعنی اپنی اولاد کے لیے وقف کی آمدنی مخصوص کرنا دوسرے خود کو متولی مقرر کرنا۔

ابو یوسف کے مطابق اول الذکر جائز ہے اگرچہ ابو محمد کے نزدیک ایسا نہیں ہے اور یہی ہلال کی رائے ہے جسے شافعی نے اختیار کیا ہے۔ بعض کی رائے میں دونوں میں اختلاف حقیقت یا علیحدگی کی بناء پر ہے جبکہ دوسروں کے مطابق ان کے اختلاف کا موجودہ معاملہ سے بھی تعلق رکھتا ہے اور یہ اختلاف قائم ہے۔ خواہ وہ واقف تاحین حیات آمدنی کا حصہ مخصوص کرے اور اپنی موت کے بعد سب کا سب غربا کو دیدے۔

اگر کوئی شخص اپنی کل آمدنی یا اس کے جزو کو اپنے بچے کی ماں یعنی باندی کے لیے یا اپنے غلام کے لیے جس کو کہ اس نے آزاد کر دیا ہے ان کی حین حیات تک مختص کرتا ہے اور بعد میں غربا کے لیے تو بعض کے نزدیک حسب اجماع جائز ہے۔ مگر بعض کے نزدیک ابو یوسف و امام محمد کے درمیان اختلاف ہے اور صحیح ہے۔ اپنی آمدنی کو ان کے حین حیات مخصوص کرنا ایسا ہی ہے جیسے کہ اس نے اپنے لئے مخصوص کی۔

امام محمد کی دلیل یہ ہے کہ وقف ایک امر خیر ہے اور جائیداد کو خداوند تعالیٰ کے حق میں منتقل کرنا ہے۔ جیسا کہ میں نے بتایا اور نتیجتاً آمدنی کا کل یا جزو اپنے لئے مخصوص کرنے سے وقف مثل تملیک (انتقال جائیداد) بحق خود کرنے سے باطل ہو جاتا ہے جیسے کہ کوئی شخص مخصوص صدقہ کرے یا مسجد کا حصہ اپنے لئے مختص کرے۔

ابو یوسف کی رائے آنحضرت صلعم کے اس اسوہ حسنہ پر ہے کہ آپ اشیاء موقوفہ کو خود استعمال فرماتے تھے چونکہ واقف قانوناً اشیاء موقوفہ بلا شرط کھانے میں نہیں لے سکتا لیکن ایسی شرط کی صورت میں ان اشیاء کا استعمال جائز ہوگا۔

ثانیاً جیسا کہ پہلے بتایا گیا ہے کہ مفہوم وقف کے مطابق وقف میں حقوق مالکانہ ساقط ہو کر اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں منتقل ہو جاتے ہیں تاکہ اس کی قربت حاصل ہو سکے۔ پس اگر کوئی جانتا ہے کہ آمدنی کا کل یا جزو تاحین حیات اس کیلئے مختص ہو جائے تو اسکا منشاء یہ ہے کہ اس شے میں سے جو اللہ تعالیٰ کو تفویض ہو چکی ہے فائدہ حاصل کرے نہ کہ اس میں سے جو اس نے اپنے لئے مختص کی ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ جو اشیاء خوشنودی حق تعالیٰ کے لیے منتقل کر دی ہوں ان میں اپنا حصہ مقرر کرے مثلاً کارواں

سرایا پانی کے بند کی تعمیر کرنا یا ایک قطعہ آراضی قبرستان کے لیے مخصوص کرنا اور یہ شرائط کہ دو اس خانقہ میں رہے گا یا بند سے پانی نہ پئے گا یا اسی قبرستان میں دفن ہوگا یہ سب جائز ہے۔ تیسرے اگر وقف کی غرض قرب خداوندی ہے اور وقف کی آمدنی کو وہ اپنی ذات پر صرف کرتا ہے تو یہ بھی کارِ ثواب ہے جس سے قربت خداوندی حاصل ہو سکتی ہے جیسا کہ آنحضرت مسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک آدمی کا اپنی بسر اوقات کے لیے وقف کرنا بھی امر خیر ہے۔

کفایہ

کفایہ میں اس عبارت کی شرح میں آیا ہے کہ اگر وقف کی جائیداد (پیداوار) یا اس کے انتظام کو اپنے لئے مختص کر لے تو یہ جائز ہے۔ اول الذکر یعنی وقف کا اپنے لئے مخصوص کرنا ابو یوسف کے نزدیک جائز ہے اور فقہائے بلخ اس پر متفق ہیں اور بقول صدر الشہید ابو یوسف کے نزدیک یہی فتویٰ ہے۔

اپنی اولاد کے حق میں جواز وقف سے کوئی فرق نہیں

ہر ایہ یاد دہری کتابوں میں کسی کا اپنی اولاد کے حق میں جواز وقف کے موضوع پر کوئی اختلاف نہیں ہے البتہ اپنے حق میں منافع وقف محفوظ کرنے میں اختلاف رائے ہے اسی طرح اس بارے میں بھی قدرے اختلاف ہے کہ آیا کوئی شخص اپنے غلاموں کے لیے وقف کر سکتا ہے اسی لیے کہ ایسا وقف بھی بمنزلہ اپنے حق میں وقف کرنا ہے مگر اپنے بچوں یا اولاد میں وقف کرنے میں کوئی اختلاف رائے نہیں ہے اور اس پر تمام مذاہب متفق ہیں۔

فاطمہ بی بی بنام ایڈوکیٹ جنرل

بمقدمہ فاطمہ بی بی بنام ایڈوکیٹ جنرل مسلم قانون کے اصول کا صحیح طور پر اور اک کیا گیا ہے۔ اس مقدمے میں جسٹس ویسٹ نے لکھا ہے کہ اگر کسی مقدس اور معدوم نہ ہونے والے وقف کی تکمیل ہو جاتی ہے تو درمیانی مدت کے لیے وقف میں جو وقف کے بیوں اور ان کی اولاد کے حق میں کیا جاتا ہے ناجائز نہیں ہوتا۔ یہاں یہ بتایا گیا

ہے کہ اس مسئلہ پر اتفاق رائے ہے اور ابو یوسف و محمد میں کوئی اختلاف رائے نہیں ہے بلکہ ابو یوسف کے مطابق لفظ وقف سے قانوناً یہی قیاس ہوگا کہ یہ وقف انجام کار ایک دائمی مقصد کے لیے کیا گیا ہے۔

فاضل حج نے مزید لکھا ہے کہ وہ مفادات جو اولاد کے بعد دیگرے حاصل کرتی ہے وہ انگلش لا میں دائمی سمجھے جاتے ہیں مگر مسلم قانون کے مطابق اس سے وقف باطل نہیں ہوتا بشرطیکہ انجام کار مقصد وقف صریحاً معدوم ہونے والا ہے۔

اور یہ ابو محمد نہ کہ ابو یوسف کے قول کے مطابق ہے بظاہر فاضل حج نے ہردو کے اختلاف رائے کو نظر انداز کیا اور ابو یوسف کے ہی وضع کردہ اصول کو جو مسلمہ قانون ہے ترجیح دی ہے۔ تاہم اس نظریہ کی بھی کچھ حقیقت ہے جس کا انہوں نے مندرجہ بالا آخری عبارت میں حوالہ دیا ہے اگرچہ دیگر مقدمات میں فیصلے تمام مسلم فقہاء کی جماعت اور مسلم قوانین کی کتابوں کے برعکس ہیں۔

دوامیت کا انگریزی قانون

انگریزی قانون (انگلش لا) میں دئے گئے ٹرسٹ یا سیٹلمنٹ کی کسی مطابقت سے مسلم قانون کے ادراک میں کوئی مدد نہیں ملتی۔ اس لئے کہ مسلم قانون آنحضرت صلعم کے احکام اور ان پر آپ کے صحابہ متقدمین کے عمل سے واضح ہوتا ہے۔ انگریزی قانون میں کسی بھی سیٹلمنٹ کے دوام کو ناقص سمجھا جاتا ہے اور اس کے برعکس مسلم قانون میں بلا کسی شائبہ اختلاف کے تشکیل وقف کے لیے دوام ایک ضروری عنصر ہے۔ کسی کا اپنے کنبے کے حق میں دائماً وقف کرنا مسلم مذہب کے مطابق اصطلاح وقف کے صحیح ترین مفہوم میں ایک امر خیر اور غرض ثواب ہے۔ لیکن چونکہ کسی کی بھی آل کبھی نہ کبھی ضرور معدوم ہوتی ہے قانون کا تقاضہ ہے کہ دوام کے تحفظ کے لیے وقف ایک ہمیشہ قائم رہنے والے مقصد کی طرف عود کرے خواہ مسلمہ حنفی قانون کے مطابق ایسے عود کا عبارت میں صریحاً ذکر نہ ہو۔ تاہم وہ مقصد جن کا وقف میں ذکر نہ ہو تب بھی نسل واقف معدوم ہونے پر قانوناً اس فرد گزاشت کی تلافی ہو جائیگی اور وقف بالآخر غربا پر عود کرے گا۔

دوامیت کا انگریزی قانون مسلم قانون پر لاگو نہیں ہوتا

انکس اور مسلم اصول قانون کے نظریات میں اختلاف کے پیش نظر یہ تعجب انگیز نہیں ہے کہ اول الذکر انکس قانون دوام کے خلاف ہے اس لئے مسلم قانون کے مطابق کنبے کے حق میں جو وقف ہو اور جس اصول پر وہ جہتی ہے اسے سمجھنا مشکل ہے۔ اصول معدلت سسٹری کے عمل سے متذکرہ قول کی تصدیق ہوتی ہے اس لئے کہ خود کور نمٹ منادات نامہ کے پیش نظر خاندانی اوقاف کی حفاظت اور استحکام چاہتی ہے مگر عدالت ہائے انصاف نے اس سے یکسر برعکس طریقہ اختیار کیا ہے۔ عدالت عالیہ کلکتہ کے فیصلہ بمقدمہ ابو فتح محمد اسحاق بنام روضہ میاں چودھری کی پریوی کونسل کی جوڈیشل کمیٹی نے توثیق کر دی ہے۔

اوقاف بحق خاندان کے سلسلہ میں تائیدی نظائر فاضل جہان جوڈیشل کمیٹی کے سامنے پیش کی گئی ان کے بارہ میں انہوں نے لکھا ہے۔ جیسا کہ فاضل جہان (لاگن مسلمان قانون داں بحوالہ فیصلہ اختتامی بمقدمہ بیکا) کی رائے خیالی نوعیت کی ہے اور ان نظائر پر مبنی ہے جو بہت ہی غیر مکمل پیش کی گئی ہیں۔

تمثیلاً اس نے (اختلاف کنندہ جج نے) خود آنحضرت مسلم کے ایک ارشاد کا حوالہ دیا ہے اور وہ یہ کہ کسی کا اپنے کنبے کے حق میں بس اوقات کے لیے وقف کرنا فقرا کو خیرات دینے سے زیادہ امر ثواب ہے اور اعلیٰ ترین صدقہ وہ ہے جو اپنے کنبے پر صرف کیا جائے اور بطور نظیر انہوں نے ایک موہوبہ مکان کا حوالہ دیا ہے جو وقف یا صدقہ تھا اور اس سے منافع ان کی اولاد کو ملتا تھا۔ دیگر قدیم نظائر بھی اس قسم کی ہیں۔ نظائر کے بارہ میں فاضل جہان کو اس سے قبل کہ آیا وہ منطبق کی جائیں زیادہ تفصیل سے معلوم ہونا چاہئے ان کو صرف بہ اور اسکی دیکھ بھال کا علم ہوتا ہے مگر جائیداد کے حالات کا علم نہیں ہوتا۔ سوائے اس کے کہ متذکرہ نظیر میں اس مکان کو یا اس کنبہ کو یا اس واقف کو خاص احترام سے دیکھا جاتا ہو۔

جوڈیشل کمیٹی کے فیصلہ بمقدمہ ابو فتح محمد اسحاق بنام رام سوامی دھر چودھری کا جائزہ یہ قابل توجہ ہے کہ وہی نظائر جو فاضل جہان کو غیر متعلق اور ناکافی معلوم

ہوتی ہیں وہی مسلم قانون کے بارہ میں وقف کی بنیاد ہیں یہی وقف ہذا میں بتایا ہے اور انہی نظائر پر وہ مبنی ہے اس کے مطابق دنیائے اسلام کے مسلمانوں نے صدیوں سے اپنے رواج اور مذہبی و سماجی زندگی کو اسی قالب میں ڈھال لیا ہے۔

فاضل ججان نے لکھا ہے کہ جہاں تک آنحضرت صلعم کے ارشادات گرامی کا تعلق ہے وہ مسلم قانون کے اصول اساسی ہیں۔ فاضل ججان نے اس امر کو نظر انداز نہیں کیا کہ مسلمانوں میں قانون اور مذہب ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں مگر دوران بحث انہوں نے یہ معلوم کرنا چاہا کہ اسلام کے عام قانون کے مطابق (جیسا کہ ہندوستان میں نافذ ہے) یہ کس طرح ممکن ہے کہ کسی شخص کا ہبہ سادہ ایک بعید غیر پیدا شدہ اولاد کی نسل کے لیے تاحین حیات (یعنی قابل انتقال مفادات) ممنوع ہوں اور آیا وہی انتقالات بسلسلہ ہبہ عام جو مروجہ الفاظ سے ہو جائز ہو جائیں۔

کیا یہ سمجھا جائے کہ وہی انتقالات جو عام الفاظ جن سے عام ہبہ ناجائز ہوتے ہیں لیکن اگر واقف وہی الفاظ ہبہ وقف کے لیے استعمال کرے اور یہ کہے کہ وہ خوشنودی خداوندی کی خاطر غریبوں کے لیے وقف کیا گیا ہے۔ ان سوالات کا کوئی جواب نہ دیا گیا اور نہ اس کی کوشش کی گئی اور نہ ججان کے علم میں لایا گیا۔

یہ صحیح ہے کہ واقف کا جائیداد میں حق ملکیت قطعاً محدود ہو جاتا ہے اور مفاد صرف حین حیات ہوتا ہے یعنی وقف نامہ کی رو سے تاحیات وہ متولی پابہ زنجیر رہتا ہے اور آمدنی اپنی مرضی کے مطابق صرف کرتا ہے اور کوئی بھی اس سے حساب طلب نہیں کر سکتا۔ اس کے منصب ملکیت میں تبدیلی خاندان میں دوام کے ارادہ کے مطابق ہوتی ہے اور ارادہ کی فوری تکمیل کے لیے وقف ضروری ہے۔

ہبہ اور وقف میں فرق

فاضل ججان کے فیصلے میں بنیادی اور مرکزی نقطہ اس بات پر مبنی ہے کہ وہ ہبہ سادہ اور ان کے الفاظ میں ”وقف“ میں کوئی فرق محسوس نہیں کر سکے اور نہ ہی لائق و کلاء نے ان کے روبرو اس فرق کی وضاحت کی۔ یہاں دونوں میں ایک اہم فرق کی نشاندہی کی جاتی ہے۔ حنفی قانون کے مطابق جب کوئی ہبہ کیا جاتا ہے تو موہوب الیہ شے موہوبہ پر

کیونکہ اختیار و تصرف حاصل کرتا ہے۔ اس کے انتقال کا وہ مکمل مجاز ہوتا ہے اور جس طرح پابندی استعمال اور تصرف میں لاسکتا ہے، اس کے حق ملکیت پر کسی قسم کی پابندی یا اس میں کسی بوجہ حق زمین میانی ناجائز ہے۔ ہر بیہ میں موہوب الیہ بطور انسان ہوتا ہے۔ وقف خواہ کسی مقصد سے کیا جائے جب تک کہ وہ غیر اخلاقی نہ ہو موہوب الیہ خداوند تعالیٰ ہوتا ہے۔ بیہ کا مقصد جائیداد کو ایک انسان سے دوسرے انسان میں منتقل کرنا ہے۔ وقف جائیداد حق خداوند تعالیٰ نوع انسان کے مفاد کے لیے تفویض ہوتی ہے پس اگر اصل منشا وقف واضح نہ ہو تب بھی اس کے دیگر اغراض میں موثر ہو سکتا ہے۔

اگر وقف بہت سے اشخاص کے لیے مختص ہو تو ایسی صورت میں یہ غریب اور محتاجت مندوں کی پرورش کے کام آنے کا کمر یہ کہ بیہ کی صورت میں شے موہوبہ پر تصرف ایک شخص سے دوسرے پر منتقل ہو جاتا ہے اور بصورت وقف حق ملکیت قطعی ساقط ہو جاتا ہے اور وقف کا قبضہ بطور امین ہوتا ہے اور وہ شرائط وقف کی خلاف ورزی پر کسی بھی وقت ملحد و کفار کیا جاسکتا ہے۔ استفادہ کنندگان کا جائیداد پر کوئی حق ملکیت نہیں ہوتا وہ وقف سے صرف حسب صراحت وقف تمامہ فائدہ حاصل کر سکتے ہیں۔

فاضل بجان فیصلہ میں رقم طراز ہیں کہ ہم نے اپنے امکان بھر کوشش کی ہے کہ ہندوستان میں مروجہ مسلم قانون کا تعین اور استعمال کریں لیکن اس نوعیت کے ساتھ نہیں کر پائے بلکہ جیسا کہ وہ محسوس کرتے ہیں کہ آنحضرت صلعم کے ارشاد گرامی انتہا پسندانہ ذہنی اطلاق ہے۔ اگرچہ آپ کے ارشادات مناسب موقع پر استعمال کے لیے اعلیٰ ترین ہیں مگر ایسا قیاس آپ کے شایان شان مناسب نہیں ہے کہ آپ نے ایسے بیہ جات کو پسند فرمایا ہے جن کو واجب خود ترک کر چکا ہو یعنی جنہیں ایک ہاتھ سے لیکر دوسرے ہاتھ سے واپس کر دے تاکہ اضافہ آمدنی کے لیے مرکز تشکیل ہو اور کنبے کی جائیداد خاندان کو مزید رعایتیں حاصل ہو سکتی ہوں تاکہ حساب کے ذمہ دار پیجر ان کی حفاظت ہو سکے اور اس طرح داہبان اور ان کا کنبہ قرض خواہوں کے بارے سے محفوظ ہو۔ جائیداد پر حق استعمال حاصل ہو سکے اور دوسروں کے مفاد کا حوالہ محض خالی الفاظ کے استعمال ہونے کے سوا کچھ نہ ہو۔

اصول متذکرہ کے سمجھنے میں غلطی

ادبانیہ عرض ہے کہ فاضل ججان نے بوقت صدور فیصلہ اس اصول شرع کو ذہن میں نہیں رکھا کہ کسی کا اپنے اور اپنے کنبہ کے بسر اوقات کا انتظام کرنا کار خیر ہے اور یہ فیروں کو دینے سے زیادہ قابل ثواب ہے۔ اسی لئے فقہاء کا آنحضرت صلعم کے ارشاد کرامی پر وضع کردہ اصول فاضل ججان کو ایک انتہا پسندانہ اطلاق معلوم ہوتا ہے۔

مخولہ بالا عبارتوں سے جوڈیشل کمیٹی کے فیصلوں پر مبنی جو اصول ہے وہ بلا کسی اعتراض کے پیش کئے جاتے ہیں۔

آیا عدالت ہائے انصاف کسی قوم کے ان مروجہ مسلمہ قوانین کے بارے میں تحقیق کی مجاز نہیں جس کے استعمال کی اجازت برٹش گورنمنٹ نے حسب فرمان شاہی دیدی ہو۔

کیا وہ اپنے مروجہ قانون کے مطابق جسے تسلیم کرتی ہے عمل کرنے کی مجاز نہیں ہے۔ کیا عدالتوں کا یہ فرض نہیں ہے کہ عمومی طور پر اس قوم کے قانون نافذ الوقت کا تعین کریں اور اگر عدالتیں قانون سازوں کے مافی الضمیر پر غور کرنے کی مجاز ہیں تو کیا وہ آنحضرت صلعم کی ہدایت اور اسوہ حسنہ کو (جس پر آپ کے پیرو دنیا میں عمل کرتے ہیں) صرف نظر کر کے اپنی ذاتی رائے اور نظریات پر انحصار کریں۔

عدالت کو یہ بھی معلوم کرنا ضروری ہے کہ مسلم قانون وقف کی ترقی پذیر شکل کیا تھی جس کو مسلم قانون دانوں اور فقہانے عام طور پر تسلیم کیا اور اس کو کس طرح نافذ کیا گیا اگرچہ ان کو ایسا محسوس ہوتا ہو کہ بعض صورتوں میں قانون بہہ سے یہ متضاد تھا۔ اس سلسلہ میں یہ بتانا ہے کہ عدالت ہائے متعلقہ اس امر کی مجاز نہیں ہیں کہ وہ قانون پر اس وقف کے نفاذ سے انکار کر دیں جب تک اس امر کا انہیں یقین نہ ہو جائے وہ قانون ریاست کے مسلمہ و مجربہ آئین کے صریحاً خلاف ہے۔

اگر قانون کے نفاذ کا یہی منشاء ہے کہ جو وقف محض کسی کی اولاد کے حق میں ہو جائز نہیں ہے تو یہ ادب سے کہنا پڑیگا کہ فاضل ججان نے جن خیالات کا اظہار کیا ہے وہ شرع اور مسلم اقوام کے اجماع عام متضاد ہے۔

ہم شہد معظم کی رعایا فاضل جہان کے شکر گزار ہیں کہ انہوں نے بہت صریح الفاظ میں اس نظر یہ کی مذمت کی ہے کہ وقف کے متعلق مسلم قانون کا اطلاق نہ ہونا چاہئے۔

فاضل جہان لکھتے ہیں کہ منسل استدلال اور فیصلوں کے پیش نظر جو بیگانی میاں نے مقدمے میں پیش کئے کئے اس امر کے متعلق شکوک ظاہر کئے گئے ہیں کہ آیا اس قسم کے مقدمات پر مسلم قانون کا اطلاق ہوتا ہے۔ یہ بھی ظاہر کیا گیا ہے کہ احسان اللہ چودھری کے فیصلے میں مسلم اصول قانون کے بجائے انگلش قانون نافذ کیا گیا ہے مگر واضح طور پر مسلمانوں سے متعلق انتقال جائیداد کا فیصلہ بھی مسلم قانون کے مطابق ہونا چاہئے۔

بقدمہ ابو فتح محمد الحق بنام راما سوامی دھر چودھری کے فیصلے میں اگرچہ بہت سے نظریات متنازعہ فیہ نوعیت کے اور مسلم قانون سے متصادم ہیں اور ان سے مسلمانوں میں ایک ہمہ گیر جذباتی اندیشہ پیدا ہو گیا ہے کہ اس طرح ان کے مذہبی امور میں صریحاً مداخلت ہو رہی ہے اور باہماتا ہے کہ ایسے نظریات بہت محدود ہیں اور ان کا منشا صرف یہ تھا کہ ایسے مقدمات خاص واقعات تک ہی محدود رہیں۔ چونکہ وقف نامہ کی بعض شرائط اوقاف یا اس سے بچانے کے لیے نہ تھیں بلکہ اصلاً اپنی آمدنی اور توقیر کے اضافہ کا مرکز بنانا تھا اور بائیان کے تشکیل وقف سے امر خیر کی نیت نہ تھی۔

انتقال سے مستخرج اصول

فاضل جہان کے محولہ فیصلے کے پیش نظر دو اصول مستخرج ہوتے ہیں۔ پہلا یہ کہ ایک جائز وقف کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ جائیداد کلیتاً مقدس مصارف کے لیے وقف کی جائے اس ضمن میں فاضل جہان نے لکھا ہے کہ بعض نظائر میں اس حد تک آیا ہے کہ کسی جائز وقف کے لیے ضروری ہے کہ جائیداد کلیتاً مقدس اغراض کے لیے وقف کی جائے اس مسئلہ پر بورڈ نے احسان اللہ چودھری کے مقدمے میں دی ہوئی کی رائے کو اختیار کیا ہے اس طرح کہ واقف کی جائیداد سے خاندان کے گزارے کی صورت اصلاً بجائے وقف ایک حصہ کی شکل ہے جب اس قسم کا کوئی وقف کیا جاتا ہے تو واقعی ہر

اوقات کا انتظام ہونا چاہئے نہ کہ محض چند مقدس اغراض کے لیے ایک تصوری وقف مگر وہ مقدس اغراض قیاسی طور پر اس قسم کی ہونا چاہئیں جنہیں غیر مسلم بھی مذہبی سمجھیں۔ جوڈیشل کمیٹی کے فیصلوں کے مطابق جب یہ ثابت ہو کہ آمدنی کا ایک معتد بہ حصہ ان اغراض پر جو مسلمانوں کے قانون و مروجہ طریقوں کے مطابق مقدس اور مستحسن ہیں یا وہ ان رسومات کی ادائیگی اور امور خیرات پر صرف ہوتی ہے جو کہ مقدس سمجھے جاتے ہیں تو ایسا وقف جائز ہے۔

مندرجہ بالا سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ آمدنی کو عام مذہبی یا مقدس اغراض کے لیے مختص کر لیا جائے تاکہ وقف نہ محض خیالی معلوم ہونہ اس کا منشا واقف کے خاندان کے اقتدار میں اضافے کا ہو تو ایسا وقف جائز ہو گا خواہ بقیہ آمدنی واقف کی اولاد کے بسر اوقات میں کام میں لائی جائے۔ ایک دوسرا مقدمہ جس میں کہ وقف نامے کی رو سے اولاد واقف کی اولاد اور اعزہ کے گزارے کے لیے گنجائش رکھی گئی تھی اور ان کو سہارے کی ضرورت تھی وقف نامہ میں یہ اندراج کہ جائیداد کی موقوفہ آمدنی سے رقم فاضل خالصاً مذہبی مقاصد پر صرف ہوگی ایسا وقف جائز قرار دیا گیا۔ اس اصول کے اطلاق کا انحصار منفرد ججوں کی افتاد طبع پر منحصر ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ اس کا کسی طرح عملاً نفاذ ہوگا۔

بمقدمہ محمد اسحاق بنام روضہ رام سوامی چودھری میں جن آرا کا اظہار کیا گیا ہے وہی کم و بیش مابعد کے فیصلوں میں ظاہر کی گئی ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ مسلم قانون وقف کا نفاذ ایک مشکل مسئلہ ہو گیا ہے اس لئے کہ اس کا مسلمہ قانون پر انحصار نہیں رہا ہے بلکہ انفرادی آراء پر جو قیاسی توجیہات پر مبنی ہیں۔

مثلاً بمقدمہ دیو کی پر ساد بنام عنایت اللہ میں عدالت عالیہ الہ آباد نے طے کیا کہ اگر کسی واقف نے وقف نامہ میں اپنے رشتہ دار اور اولاد کے گزارے کا انتظام کیا ہے تو یہ وقف ناجائز نہیں ہے مگر ایک دوسرے مقدمے میں اسی عدالت نے یہ طے کیا کہ اگر کسی جائیداد کے منافع جو اغراض خیر کے لیے ہوں اور واقف کے خاندان کے گزارے کے لیے دائماً ہوں اور جو اصلاً اغراض خیر کے لیے وقف نہ ہوں تو یہ ایک جائز اور صحیح وقف کے لیے کافی نہیں ہے۔ میں نے اوپر بتایا ہے کہ یہ نظریہ محض اس قیاس پر مبنی ہے کہ ایک واقف کے اہل خاندان کے حق میں کوئی وقف جائز نہیں ہے اور یہ نظریہ

مسلم قانون کے سزا میں خلاف ہے۔

ایک دوسرے مقدمہ میں جس کا پہلا اسی موقع کے دوسرے ضمن میں حوالہ دیا گیا ہے کہ آبدہانی کورٹ نے طے کیا۔ اگر میں جسدِ ثانیہ کیوں کہ کسی مسلمان کے انتقال پر میراث کی بابت کہ وقف جائز ہے یا ناجائز واقف کی نیت کی توضیح بوقت وقف مردہ شریعتہ وقف کے مطابق ہونا چاہئے اور جوڈیشل کمیٹی کے منسلک مقدمات کے پیش نظر امر جائیداد فی الاصل امور خیر کے لیے وقف کی جائے تو ایسا وقف جائز ہے۔

یہ مقدمہ محمد عزیز الدین احمد خان بنام منگل پریم ایک حنفی العقیدہ مسلمان نے (اگرچہ نظیر میں اسے سنی کہا گیا ہے) ایک دستاویز جس کی وقف نامہ کی نوعیت تھی تحریر اور رجسٹری کرادی گئی اس پر عمل نہیں کیا اور جائیداد مندرجہ وقف نامہ پر یوم وفات تک اس کا قبضہ رہا اور اس کے بعد اس کے دونوں لڑکوں کو وراثتاً منتقل ہو گئی۔ فاضل ججوں نے یہ طے کیا کہ ان حالات میں جائیداد متذکرہ دستاویز کا وقف جائز نہیں ہے۔

انہوں نے یہ بھی بتایا کہ سنی مسلمانوں کے قانون کے مطابق کسی وقف کے جواز کے لیے ضروری ہے کہ جائیداد موقوفہ کے تصرف سے خود کو علیحدہ کر دے۔ مؤخر الذکر شرط مسلمہ حنفی اصول کے خلاف ہے اس لئے واقف کی نیت کا تمام حالات گرد و پیش سے جائزہ لینا چاہئے لکن یہ امر کہ واقف نے جائیداد موقوفہ کا قبضہ اپنے پاس رکھا جواز وقف پر اثر انداز نہ ہوگا۔

مقبورہ کی حفاظت کے لیے وقف

انگریزی قانون کے مطابق مقبرے کی حفاظت کے لیے وقف ناجائز ہے کیونکہ یہ دوائی اصول کے خلاف ہے۔ یہ اصول دراصل عدالت عالیہ مدراس نے طے کیا ہے جس نے کہ مسلم قانون کے تحت فیصل شدہ مقدمات میں واضح طور پر مقبروں۔ تربتوں۔ اور مزارات کی حفاظت کے لیے وقف کو ناجائز قرار دیا ہے۔ مقدمہ محولہ میں ایک مسلم خاتون نے تحریری دستاویز کے ذریعہ اپنی منقولہ وغیر منقولہ جائیداد اپنے خاندان کے مقبرے کے لیے وقف کی اور یومیہ۔ ماہانہ۔ سالانہ مصارف مثل روشنی۔ بخورات۔ پھول وغیرہ اور حفاظ اور دعا خوانوں کی تنخواہیں وغیرہ مقرر کیں۔ مزید برآں متوفی کی

سالانہ مراسم فاتحہ نیز خود کے انتقال پر سالانہ فاتحہ کے لیے مصارف مقرر کئے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ واقعہ نے مسلمانوں کے لیے سرائے بھی مقبرے کے لوازمات کے طور پر تعمیر کی تھی اور مراسم کی ادائیگی میں تفصیل خیرات اور مقبرہ پر روشنی راہ گیروں کے مفاد کے لیے ایزما شامل تھی۔ مسلم قانون کے مطابق اس میں ذرا بھی شبہ نہیں ہو سکتا کہ یہ ایک قطعاً جائز وقف تھا لیکن عدالت عالیہ مدراس نے طے کیا کہ دستاویز وقف نامہ سے کوئی جائز وقف قائم نہیں ہوتا، یہ اصول دوام کے خلاف ہے اس لئے باطل ہے۔ بمقدمہ بی بی جان بنام کلب حسین سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک سنی العقیدہ مسلم عورت نے کافی جائیداد بانی خود کو امور مذہبی و خیر کے لیے راہ خدا میں وقف کر دیا اور اس کی آمدنی امور بابت مراسم پیدائش حضرت علی کرم اللہ وجہہ اسلام کے خلیفہ چہارم مراسم محرم واقف کے خاندان کے افراد کی سالانہ مراسم فاتحہ تعزیہ داری اور امام باڑے کی مرمت کے لئے وقف کر دی۔ خاتون کے ورثا کا اس وقف کو ناجائز قرار دینے کے مقدمہ میں عدالت عالیہ الہ آباد نے طے کیا کہ وقف قیاسی نہ تھا بلکہ جن اغراض کے لیے وقف کیا گیا جائز تھا۔ فاضل ججان نے یہ بھی طے کیا کہ تعزیہ داری ایک مقدس و مذہبی رسم ہے جو کہ محض اہل شیعہ تک محدود نہیں ہے۔

باب الہ مقاصد وقف (جاری)

فصل اول :- کسی کا اپنے بچوں اور آل کے حق میں وقف

اسوں تہیہ

تمام فقہاء کے نزدیک جب کوئی واقف اپنی اولاد کے حق میں اور مروجہ عام شرائط (۳) تین نسلوں کے حوالہ سے وقف کرے تو وقف رہتا ہے مثلاً کوئی شخص کہے کہ میری یہ زمین میرے بچوں کے لیے وقف ہے اور اصطلاحات ولد یا فرزند ان استعمال کرے تو عام طور پر ان سے ہی مراد ہوگی۔ اور اس کی اولاد کے حق میں جب تک وہ قائم ہے وقف برقرار رہے گا۔ اور جب تک واقف کی اولاد میں سے ایک فرد بھی باقی ہے آمدنی کا وہی جزو بھی غریبوں کو نہیں دیا جائے گا۔

اس طرح اگر وہ یہ کہے کہ یہ وقف میرے بچے کے لیے ہے اور میرے بچے کے بچے کے لیے اور اس کے بچے کے بچے کے بچے کے لیے (لفظ واحد) کا استعمال کرے اور اس سے مراد نسل ہو اس طرح تین نسلوں کا حوالہ دے ایسی صورت میں آمدنی دینا جب تک کہ اولاد میں سے کوئی بھی زندہ ہے وقف اسکے ہی حق میں ہوگا۔ اور ان میں سے سب سے غریب، قریب اور زیادہ بعید سب برابر ہیں۔ تا وقتیکہ یہ ضمانت نہ کرے کہ قریب قریب ہے یا یہ کہے کہ میرے بچے کے حق میں اور اس کے بعد میرے بچے کے بچے کے حق میں یا یہ کہے بطناً بعد بطناً جب کہ ایک بار ان سے ابتداء کی جائے جن سے کہ واقف نے آغاز کیا تھا۔

اگر یہ کہے کہ میری یہ زمین وقف یا صدقہ میں موقوفہ میرے بچوں (اولاد) کے حق میں ہے اس میں بچوں کی عمومیت کے اعتبار سے تمام مابعد کی نسلیں شامل ہیں مگر یہ سب پہلی نسل سے متعلق ہے بشرطیکہ ان میں سے کوئی بچہ رہے اور جب یہ بھی ختم ہو جائے تو دوسری نسل اور اسی طرح تیسری نسل اور چوتھی نسل و پانچویں نسل تک منتقل ہوتا رہے اور اس میں قریب تر اور بعید تر سب یکساں ہیں۔

یعنی یہی کلیہ ان ہی شرائط کے ساتھ فتح القدر میں ہے۔

اگر وہ یہ کہے کہ یہ میرے ولد کے لیے وقف ہے تو یہ اس کے برعکس ہوگا اور یہاں پر واحد استعمال کرے اور اگر یہ بھی کہے کہ میرے بچے کے لیے بشرطیکہ وہ اپنا منہبوم دوسرے جملوں سے اس طرح واضح نہ کرے کہ خواہ یہ اصطلاح واحد کے لیے استعمال کی گئی ہے یا محض دو نسلوں کا حوالہ ہو تو یہ ٹھیک ہے۔ اس کا منشاء اپنی اولاد کو اپنی آمدنی دینے کا تھا جب تک وہ قائم رہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں مزید ہے کہ اگر کوئی یہ کہے کہ میری یہ زمین میرے ولد کے لیے موقوفہ ہے تو اس کی آمدنی اس کے صلب کے بچوں کے لیے ہوگی اور اس میں مذکر اور مؤنث یکساں طور پر شریک ہوں گے اور جب تک کہ اس کے صلب سے ایک بھی بچہ رہے گا اس کو منافع ملے گا اور جب پہلی نسل سے کوئی بھی نہ رہے تو وہ آمدنی محض غربا پر صرف ہوگی اور بچوں کے بچوں کو نہ ملے گی لیکن اگر بوقت وقف اس کے صلب سے کوئی بھی بچہ نہ ہو اور اس وقت ایک ہی لڑکا تھا تو آمدنی اس بچہ کے بچہ کو ملے گی اور بعد میں آنے والی نسل کو ملے گی۔ لڑکے کے بچے ایسی صورت میں جب صلب سے کوئی بچہ ہو اس کی جگہ لے گا۔ مسلمہ احادیث کے مطابق لڑکی کا بچہ اسکے صلب سے کوئی بچہ ہو تو ذخیرہ کے مطابق آمدنی اس بچہ پر صرف ہونا چاہئے اور اگر پہلی اور دوسری نسلوں سے پھر بچے نہ ہوں بلکہ تیسری چوتھی اور اس سے بعد والی نسل میں ہوں تو محیط کے مطابق تیسری نسل بلکہ اس سے بعد والی بھی نسلیں خواہ کتنی ہی ہوں آمدنی سے حصہ پائیں گی۔

اس کے بعد وہ اہم عبارت ہے جس میں تمام اصول جو اس کے بچہ (مراد واقف کا بچہ) کے حق میں وقف کے سلسلہ میں بتائے گئے ہیں وہی اصول اس کے (مراد دیگر شخص) بچہ کے بچوں پر منطبق ہوتے ہیں۔

درالختار میں بھی یہی ہے کہ اگر کوئی شخص محض یہی کہے کہ اس کے ولد کے حق میں وقف ہے ایسی صورت میں لڑکی کے بچے شامل نہ ہونگے اس لئے کہ ولد سے مراد خود اس کے بچے ہیں۔ اگرچہ مرد و اسلوب کے مطابق لڑکے کے بچے بھی اس میں شامل ہیں کہ وہ بھی واقف کی اولاد میں ہیں۔

لیکن لڑکی کے بچوں کے خارج ہونے کے سلسلے میں جب وہ دو نسلوں کا حوالہ

ہو و منع اختلاف رائے ہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں بحوالہ محیط السرخسی ہے کہ اگر کوئی کہے کہ میری یہ زمین میرے بچوں اور بچوں کے بچوں کے لیے موقوف ہے یا تو اس کے صلب سے بچے اور ان بچوں کے بچے جو یوم وقف موجود ہوں یا جو بعد میں پیدا ہوں شامل ہیں اور آمدنی سے دونوں ہی نسبتیں استفادہ کر سکتی ہیں مگر نہ اس کے بعد پیدا ہونے والے بچے۔ غرض روایت کے مطابق لڑکیوں کے بچے شامل ہیں اور اس کے مطابق فتویٰ ہے۔

امام محمد کے مطابق اصطلاح ولد الاولد یا بچہ کا بچہ یا بچوں کے بچوں میں لڑکی کے بچے بھی شامل ہیں۔ اور درالمختار میں اس موضوع پر تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔ اس کے مصنف نے لکھا ہے کہ فاضل فقہاء مثل خشاف اور ابن ہمام کا خیال اس کے برعکس ہے یعنی ایسے وقف میں لڑکیوں کے بچے شامل نہ ہونے چاہئیں۔

در اصل خشاف کی رائے ان کی تالیف کی کے اصول کے بارہ میں ہے۔ ابو حنیفہ نے اس قول سے حلاوت جو وصیتوں کے متعلق ہے اور کوئی سند نہیں ہے۔ قاضی خان کا یہی قول ہے کہ خشاف نے بھی امام محمد کی رائے کے مطابق یہ طے کیا ہے کہ لڑکی کے بچے بھی وقف سے استفادہ میں شامل ہیں دوسرے موقع پر یہ اصول ہے کہ اگر کوئی یہ کہے کہ یہ (وقف) میری اولاد کے لیے اور ان کی اولاد کے لیے ہے ان تمام صورتوں میں لڑکے اور لڑکی دونوں کے بچے شامل ہوں گے اور یہی صحیح ہے۔

شیخ علی المقدس مصنف "حاوی" نے جن کا ۱۰۰ھ میں انتقال ہوانے یہ کلیہ مقرر کیا کہ اگر کوئی اپنے ولد اور ولد کے ولد کے حق میں وقف کرے تو ایسی صورت میں ان کے بچے اور لڑکیوں کے بچے شامل ہوں گے۔

خشاف اور قاضی خان نے اس رائے کو اختیار کیا ہے۔

فتح القدر کے مطابق اگر کوئی یہ کہے کہ میرے ولد کے لیے اور ولد کے ولد کے لیے اور ان کے بعد غربا کے لیے تو اس میں اس کے صلب کے تمام بچے شامل ہیں اور اس میں لڑکے اور لڑکیوں کے بچے سب مساوی ہیں۔ ہلال اور خشاف کے نزدیک یہ اصول مسلم ہے اور قاضی خان نے بھی اسی اصول کو تسلیم کیا ہے۔

پس اس سے یہی مراد ہے کہ فتاویٰ عالمگیری میں بیان کردہ رائے محض ایک

ہی طبقہ کی نمائندہ رائے ہے۔ مگر خصاف کا اصول زیادہ مقتدر اور اہم حلقوں میں مسلمہ ہے۔ ان اصولوں کو قاضی خان نے مختصر اس طرح بتایا ہے۔

اگر کوئی اپنی زمین اپنے ولد (صلب) کے مفاد کے لیے اور ما بعد غربا کے لیے وقف کرے اور وفات خود کا کوئی حوالہ نہ ہو تو فقیہ ابوالقاسم کے نزدیک اس کے تمام بچے مستفید ہوں گے اور ان کے بعد منافع غربا کو ملے گا اگر یہ کہے کہ یہ میرے ولد کے لیے اور ولد کے ولد کے لیے ہے اور ان کے بعد غربا کے لیے تو ابوالقاسم کے نزدیک یہ آمدنی واقف کے بچوں اور بچوں کے بچوں اور واقف کے بچوں میں سے سب سے بعد والے بچے کے انتقال پر غربا کو ملے گی نہ کہ تیسری نسل کی اولاد کو اسکے بعد غربا پائیں گے لیکن تیسری نسل کی اولاد نہیں پاسکے گی۔ اگر وہ یہ کہے کہ میرے ولد کے لیے اور میرے ولد کے ولد کے لیے اور میرے ولد کے ولد کے لیے اور اس طرح صریحاً تعبیراً تیسری نسل بھی شامل کر دے تو وہ آمدنی دائماً اسکی اولاد کو جب تک کہ اس میں سے ایک بھی باقی ہے ملتی رہے گی اور غربا اس وقت تک آمدنی نہ پاسکیں گے جب تک کہ اولاد میں خواہ کتنی ہی بعید ہو کوئی بھی باقی ہے۔

جب واقف سلسلہ ہائے اولاد کا حوالہ دے ایسی صورت میں جب تک اولاد میں سے کوئی بھی باقی ہے مستفید ہوتی ہے اور اس کے منافع سے قریب و بعید یکساں مستفید ہونگے اگر واقف نے ترجیحاً قریب تر کے مستحق ہونے کی شرط نہیں رکھی ہے یا الفاظ سلسلہ بہ سلسلہ اگر واقف نے استعمال کئے بھی یا میرے بچوں اور ان کے بچوں کا حوالہ دیا ہے تو نسل کا آغاز واقف کی منشا کے مطابق سمجھا جائے گا۔

بالفاظ دیگر جب کوئی اپنے بچے یا ولد کے حق میں وقف کرتا ہے مگر اس کا حوالہ نہیں ہوتا تو ایسی صورت میں بچے کی موت پر یہ آمدنی نسلوں کے مفاد میں کام آئے گی اور پہلی نسل کے ساقط ہونے پر یہ آمدنی غربا کے لیے ہوگی لیکن اگر اولاد فرزند ان یا نسل اعتاب و اخلاف کا حوالہ ہو تو یہ اولاد ذکور اور اناث کیلئے وقف دائمی رہنے گا اور جب بسبب عام مسلسل نسلوں کے مستفید ہونے کا حوالہ ہو تو مزید کسی اور حوالہ کی ضرورت نہیں ہے۔

اگر واقف سے مسلسل تین نسلوں کے مستفید ہونے کا ذکر ہے تو گویا اس کی

اولاد کے حق میں دائمی وقف کے مساوی ہے۔ ان میں سے جب تک کوئی زندہ ہے اسے
مذکورہ متاثر ہے کیا۔

بچوں کے حق میں وقف جو خاص طور پر نامزد ہوں

ایک وقف جو بچوں کے حق میں کیا جائے اور وہ نامزد ہوں۔

(A) نے حق میں کوئی وقف اور اس کے بعد بچوں کے حق اس میں ذکور اور

انٹہ سب بچے شامل ہونگے اسی طرح اولاد کے حق میں وقف میں بھی ذکور اور انٹہ
آجوتے ہیں۔

اگر کوئی یہ کہے کہ یہ وقف میرے بچوں اور ان کے بچوں کے بچوں کے لیے
ہے تو بوقت وقف جو بھی زندہ ہوں یا ما بعد پیدا ہوں اور ان کے بچے اس سے سب
مستفاد ہوں گے۔ ان بچوں کے بچے جو قبل از وقف انتقال کر گئے نہیں کر سکیں گے۔
اگر کوئی یہ کہے کہ وقف میرے بچے یا بچوں کے لیے ہے اور میرے بچے کے
بچے یا بچوں کے بچوں اور ان کے بچوں کے بچوں کے لئے اور ان کے بعد بچوں کے
بچوں کے لیے ہے تو تشلیل وقف سے قبل جو انتقال کر گئے وہ اس میں شریک ہونگے اس
لئے کہ الفاظ میرے بچوں کے بچوں سے مراد تمام بچوں کی اولاد ہے نہ کہ محض ان بچوں
کے بچے جو تشلیل وقف پر اس میں منافع کے مستحق تھے۔

اپنی اولاد کے حق میں جواز وقف

یہ ذہن نشین رکھنا چاہئے کہ یہ اصول اپنے کنبے یا اولاد کے جواز حق کے بارے
میں ہے اور اس سلسلہ میں ہندوستان کی عدالتوں کے فیصلوں کا کوئی وزن نہیں ہے۔ اصلاً
اصولوں کا اطلاق واقف کی نیت پر مبنی ہے جو اس کی مستعملہ عبارت سے مستنبط کیا جاسکے گا۔
جب ان الفاظ کے ساتھ کہ آئندہ پیدا ہونے والوں بچوں اور میری نسل کے
لیے وقف ہے اور ان کی نسل میں جو بچہ پیدا ہوگا وہ اس میں شامل رہے گا۔ لیکن الفاظ ان کی
نسل استعمال کئے گئے ہیں تو خود واقف کے ما بعد پیدا شدہ بچے اس میں شامل نہیں ہوں گے
اگر واقف یہ کہے کہ میرے ولد کے لیے جو پیدا ہوں اور ان کی نسل کے لیے اور اس کے بعد
میرے اولاد کے لیے جو پیدا ہوں تو اس کے ما بعد پیدا شدہ بچے بھی استفادہ کریں گے خواہ

ان کے والدین مستنید نہ ہو سکیں اگر بچوں کے حق میں بلا حفاظت حق پس ماندگان وقف کی گئی ہے تو جو بچہ بھی مرنا جائے گا تو اس کا نفع غربا کو ملتا رہے گا۔

بچوں اور غربا کے حق میں وقف

اگر کوئی شخص اپنے بچوں یا غربا کے حق میں وقف کرتا ہے تو یہ ظاہر ہے کہ واقف کی نیت یہ تھی کہ واقف کے بچوں کے حق میں جب تک کہ ان میں کوئی بھی زندہ ہو منافع جاری ہے اور محض ان کے معدوم ہونے کی صورت میں وقف غربا پر منتقل ہوگا لیکن جب ایک بچہ کا بھی انتقال ہو جائے تو اس کا حصہ اس کے پس ماندگان کو یا اس کے بچہ کو جیسی بھی صورت ہو منتقل ہو جائے گا۔ اور اگر اپنی بیوی یا بچوں کے حق میں وقف کرتا ہے تو اس بیوی کی موت پر اس کا حق سب پر منتقل ہوگا تا وقتیکہ اس کے برعکس کوئی صریحاً شرط نہ ہو جس کی رو سے انتقال حق محض بیوی کے بچوں تک ہی محدود ہو۔

اگر لڑکوں یا دوسرے بھائیوں کے نام سے وقف کیا گیا ہے تو اس میں اثاث بھی شامل ہوں گی۔ اگر کوئی کہے کہ یہ وقف میری لڑکیوں کے لیے ہے اور اس کے صرف لڑکے ہی ہوں تو یہ وقف تا وقتیکہ اسکے لڑکی پیدا نہ ہو غربا کے کام آئے گا یا یہ نہ بتایا جائے کہ محض لڑکیوں کا حوالہ غلطی سے تھا۔ بلکہ خواہ اس میں لڑکیوں کا ہی ذکر اور حوالہ ہے مگر لڑکے اور لڑکیاں دونوں برابر ہیں۔

اگر وقف عام طور پر اس طرح کیا جائے جس میں ذکور اور اثاث ہر ایک کی بابت تخصیص نہ ہو تو مرد و جہ تناسب حصص دو لڑکے کے لیے اور ایک لڑکی کے لیے قائم رہے گا۔ لفظ نسل میں لڑکے لڑکی کے تمام اولاد شامل ہے۔

اعتقاب اور اخلاف

لفظ اعتقاب اور اخلاف میں واقف کی تمام آل اور اہل بیت معہ ان اشخاص کے شامل ہیں جو واقف سے باپ یا دادا یا کسی دوسرے مرد مورث سے رشتہ رکھتے ہیں۔ واقف کے قرابت دار اور ارحام اور انصار میں وہ سب شامل ہیں جو کہ متوفی سے بذریعہ مرد یا عورت مورث کے مطابق ہوں۔ اعلیٰ ترین مورث وہ شخص ہوگا جس نے اسلام قبول کیا ہو۔

اگر کوئی کہے یہ وقف میرے ولد یا میری نسل کے لیے دانا ہے اور ان کے

انتقال و صورت میں اولاد۔ یعنی نسل کو ملے گا اور ایسی صورت میں تمام آمدنی واقف کے بچوں اور نسل میں تقسیم ہوگی اور جو ان میں سے مر گئے ہوں ان کے بچے حصہ پائیں گے۔ اگر کوئی اپنے بچوں کے حق میں وقف کرے اور ان کے گزارہ کا انتظام نہ کرتے ہوئے یہ قرار دے کہ ان میں سے کسی کی موت بھی ہونے پر اس کے بچوں کو حصہ سے کا ایسا حصہ عام آمدنی میں شامل کر دیا جائے گا اور اس منافعہ وقف کو سب استفادہ کنندگان میں تقسیم کر دیا جائے گا۔

اگر واقف کی یہ شرط ہو کہ اولاد میں سے کسی کے انتقال پر حصہ اس کی نسل میں کسی کو ملے تو متوفی کی اولاد کے تمام بچوں میں منتقل ہوگا بچوں میں سے کسی کے مر جانے پر اس کا بچہ یہ حصہ پائے گا۔ اگر متوفی اولاد پر حصہ منتقل ہونے کے سلسلہ میں کچھ نہ ہو یہ کہ اولاد کے انتقال پر اس کا حصہ کسی مورث اعلیٰ کو ملے گا اور ہر دو صنف سے کوئی باقی نہ ہو تو تمام آمدنی فی الوقت باقی ماندہ استفادہ کنندگان میں جو واقف کی اولاد میں تقسیم ہوئی جائے گی۔ اور جب تک ان میں سے کوئی زندہ ہے غربا کو تقسیم نہیں ہوگی۔

اگر واقف یہ شرط کرے کہ اس کی اولاد میں سے کسی کے انتقال پر اس کا حصہ اس کی نسل کو ملے گا ایسی صورت میں متوفی اولاد کے تمام بچوں پر حصہ منتقل ہوگا اور بچوں میں سے کسی کے انتقال پر اس کے بچوں کو حصہ ملے گا۔ اگر متوفی اولاد کے حصہ کے بارہ میں پتہ نہ کہے تو اولاد متوفی کا حصہ اس کے مورث اعلیٰ کو ملے گا اگر ان میں سے کوئی ایک زندہ ہو تو باقی ماندہ استفادہ کنندگان میں مرد دست واقف کی اولاد میں تقسیم کر دی جائے گی۔ واقف کی نسل سے جب تک کہ کوئی زندہ ہے غربا کو نہیں ملی گی۔

اگر کوئی کہے کہ جب اس کی آل میں سے کوئی مر جائے تو اس کا حصہ آل میں سے دوسروں کو جو اس زمرہ میں ہوں ملے گا اور قریب تر کو بعید تر پر ترجیح ہوگی۔ اگر اس زمرہ میں کوئی نہ ہو تو حصہ عام آمدنی میں شامل کر دیا جائے گا۔

تمثیلیا اور کوئی شخص مر جائے اور پس ماندگان میں بہن اور چچا کے بچے چھوڑ جائے تو مورث الذکر کو اول الذکر پر ترجیح ہوگی خواہ ایک ہی زمرہ میں ہوں مگر رشتہ میں دور بھی اپنے بچوں کے حق میں حسب حصص قانونی اس شرط سے وقف کر کے کہ اثاثہ کے بچے تا وقتیکہ بیوہ نہ ہوں حصہ نہ پائیں گے اور بچوں کے بعد ان کے بچوں اور بچوں

کے بچوں کے لیے وقف ہوگا۔ اگر ان میں کوئی بھی بچوں کو چھوڑ کر مر جائے تو اسی شرط کے مطابق ان کے بچوں کو حصہ ملے گا اور مندرجہ بالا شرط سبھی پر لاگو ہوگی۔

فرزند میں لڑکیاں بھی شامل ہیں

اگر کوئی ہے کہ یہ وقف میرے بچوں کے لیے ہے اور اس کی لڑکیاں اس وقت حیات ہوں تو وہ بھی حصہ پائیں گی اس لئے کہ کسی کے لڑکے اور لڑکیاں ہوں تو مصنف مذکور ہی استعمال ہوتی ہے خواہ تمام بچے لڑکیاں ہی ہوں۔

جب عملی طور پر تذکیر کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے تو اس میں تانیث بھی شامل ہوتی ہے اگر کوئی اپنے بچوں کے حق میں اور بچوں کے بعد بچوں کے لیے وقف کرنے۔ اسی طرح اگر کوئی شرط کرے نسل بعد نسل اور ان میں سے کوئی بھی بچے چھوڑ کر مر جائے تو اس کا حصہ اس کے بچوں کو ملے گا اگر مختص آمدنی (کرائے میں حصہ کے مقرر ہونے) سے پہلے مر جائے اور اپنے بعد ایک بچہ چھوڑ جائے تو موخر الذکر کو حصہ ملے گا وہ اپنے اور اپنے والدین کے منافعوں میں حصہ کا مستحق ہوگا۔

اگر واقف اپنے پس ماندگان میں کئی بچے چھوڑ کر مر جائے تو A کا حصہ واقف کی مقررہ شرائط کے مطابق A کے بچوں کو ملے گا اگر بالفرض B کا انتقال ہو جائے اور وہ کئی بچے اور پہلے کے انتقال ہونے والے بچوں کے بچے چھوڑ جائے تو کیا اس کے بچوں کے ساتھ اس کے پوتے بھی حصہ پانے کے مستحق ہوں گے؟ مصنف و سبکی نے اس کا جواب نفی میں دیا ہے اسکی رائے میں B کا حصہ کلیتاً اسکے بچوں کو ملنا چاہئے نہ کہ پوتوں کو۔

احناف میں یہ مسئلہ مختلف ہے ان کی رائے میں پہلے سلسلہ کے آخری پس ماندہ افراد یعنی واقف کے بچوں کے بچوں کے انتقال پر یہ اصول عائد نہ ہوگا۔ یعنی واقف کا آخری پس ماندہ بچہ مر جائے تو اس کا حصہ یہ بچے نہیں پائیں گے بلکہ اس کی کل آمدنی واقف کے پوتے و پوتی یعنی دوسرے طبقہ کے افراد میں تقسیم کر دی جائے گی اور ان پر بھی پہلے والوں کا یہی اصول لاگو ہوگا یعنی ایک (گروپ) نسل کے بچوں کا حصہ اس کے بچوں کو ملے گا تا وقتیکہ اس کی نسل ختم نہ ہو جائے۔ ایسی صورت میں تیسرے گروپ کے افراد کی تعداد کے مطابق حصہ تقسیم ہوگا۔ حنفی کے مطابق اس لئے ہر طبقے کے ممبران حصہ پائیں

گے۔ اس کی رائے میں جیسے جیسے ہر طبقے کے ممبران انتقال کرتے جائیں گے ان کے حصص بھی بچے پر ہی اتر تیب منتقل ہوتے رہیں گے۔

جمال الدین سیوطی کی رائے نصاب کی رائے سے مختلف ہے۔ اس کی رائے میں جب تک ایک طبقے کے فرد کا انتقال ہو جائے اور متوفی بچے کے بچے ہوں تو بچوں کے حصے ان کے دادا کے حصے میں یعنی پوتے اپنے والدین کا حصہ بانسل پائیں گے۔

مصنف انباء و سبکی سے متفق ہے تمام مجددین نے ان کی پیروی کی ہے نتیجہ یہ ہے۔ جب لامتناہی (دادا) دو سطروں کے درمیان استعمال ہوتا ہے تو ہر سطر کے معدوم ہونے پر نمبر تقسیم شروع ہوتی ہے اور اسی نظر یہ کو شافعی فقہاء کی اکثریت اور بعض حنفی فقہاء نے اپنایا ہے۔ اس طرح بالا اتفاق رائے جب کوئی اپنے باپ کے حین حیات انتقال کر جائے اور ایک بچہ چھوڑ جائے تو وہ بچہ اپنے باپ کا حصہ اپنے دادا سے پائے گا لیکن چچا کے حصے میں سے پتہ حاصل نہیں ہوگا۔

اولاد ذکور کے حق میں وقف

اگر ہونے والی ذکور کے حق میں وقف کرتا ہے تو اس میں لڑکیاں نہ ہونے سے اس وقت تک شامل نہ ہوں گے جب تک کہ وہ بچے ان خاندانوں کی اولاد میں نہ ہوں جو کہ وقف کی اولاد ذکور سے ہیں۔ اگر کوئی عورت اپنے اہل بیت یا اپنی جنس کے حق میں وقف کرتی ہے تو اس کے بچے اس وقت تک شامل نہ ہونگے جب تک اس کا خاندان اسی گروپ میں سے ہے۔

اصول

اگر کوئی اپنے یا کسی دوسرے شخص کی اولاد کے لیے وقف کرتا ہے اور اس ترتیب کا جس سے وہ وقف سے منافع اندوز ہوں ذکر نہیں لرتا تو اس سے قریب و بعید بقدر مساوی مستفید ہوں گے۔

بالفاظ دیگر تقسیم بالراست ہوگی مثلاً اگر کوئی کہے کہ میں یہ وقف زید کی اولاد کے حق میں دواماً کرتا ہوں اس صورت میں جب تک زید کی نسل میں سے کوئی بھی باقی رہے گا تو زید کے بچے اور بچوں کے بچے اسکے بقدر مساوی مستحق ہونگے اور لڑکے لڑکی کے بچوں میں کوئی امتیاز نہ ہوگا اور وہ برابر برابر حصہ پائیں گے۔

یہ اصول اس وقت لاگو ہوتا ہے جب کہ جائیداد کی ترتیب بحوالہ بطن نہ دی گئی ہو اور نہ سلسلہ نسل دیا گیا ہو تو بطناً بعد بطناً کے حوالہ سے کرایہ اور منافع تمام اولاد میں خواہ وہ ذکور ہو یا اناث اور بوقت تقسیم زندہ ہوں دیدیا جائے گا۔

اسی طرح قریب و بعید وقف میں شامل ہوتا جائے گا اور اس کا استفادہ تقسیم کنندگان میں جو اس وقت زندہ ہوں تقسیم کر دیا جائے گا اور اگر ترتیب نسل کا حوالہ ہے یعنی وقف نسلاً بعد نسل یا بطناً بعد بطن اولاد کے حق میں ہے ایسی صورت میں اول قریب ترین نسل پھر مابعد نسل مستفید ہوگی۔

شمولیت اناث

اگر کوئی اپنے اقربا یا اپنے کے بھائیوں کے حق میں وقف کرے تو اس میں اناث بھی شامل ہوں گی اگر کسی کے ولد کے حق میں وقف ہے اور مابعد غربا کے حق میں تو وہ بچہ جو بوقت حصول آمدنی موجود ہو تو وہ بھی آمدنی کے منافع میں شامل ہوں گے خواہ وہ بوقت تشکیل وقف پیدا ہوا ہو یا اس کے بعد۔

اسی طرح اگر الفاظ اس طرح ہوں کہ میرے بچے کے لیے یا میرے دوسرے بچے کے لیے وقف ہے اگر دونوں نہ رہیں تو غربا کے لیے ہے۔ فتاویٰ عالمگیری کے مطابق ان الفاظ سے وقف جائز ہے اور آمدنی غربا میں تقسیم کر دینا چاہئے اور اگر بعد تقسیم واقف کے بچہ ہو تو مابعد آمدنی جب تک وہ بچہ زندہ رہے اس پر صرف ہوگی۔ لیکن اگر کوئی بچہ نہ ہو تو غربا پر تقسیم ہوگی۔

بچے جن کی ولدیت معلوم وقف میں شامل ہیں

جب وقف ایک شخص کی اولاد کے حق میں کیا جائے تو صرف ان بچوں کا حق ہوتا ہے جن کا نسب اور ولدیت معلوم ہو اور اگر کوئی ایسا بچہ ہے کہ جس کا نسب صرف واقف کو ہی معلوم ہو تو ایسا بچہ حصہ نہیں پائے گا۔

اوپر بتایا گیا ہے کہ اگر وہ یہ کہے کہ میں نے اپنے بچوں کے حق میں وقف کیا ہے اور بوقت آمدنی ایک ہی بچہ ہو تو نصف بچہ کو دی جائے گی اور نصف غربا کو لیکن اگر الفاظ یہ ہوں ”میرے بچے کو“ تو تمام وقف بچے کے لیے ہوگا خواہ اس کے کئی بچے ہوں

نہیں ان میں ایک بچہ (لڑکا) ہو۔
باقی ماندہ کے لیے حق مخصوص

شیخ امام ابو بکر محمد ابن فضل کا قول ہے کہ جب کوئی دو بچوں کے حق میں وقف کرے اور ان دونوں کے انتقال کی صورت میں ان کے بچوں کے حق میں وقف ہو تو ان میں سے ایک کے انتقال پر جو بچہ تہجوز جائے تو اس کے حصے کا منافع اس وقت تک غربا کو دیا جائے گا جب تک کہ واقف کا دوسرا بچہ بھی نہ مر جائے۔ ایسی صورت میں تمام منافع چاقوں کوٹ کا بشرطیکہ واقف نے یہ شرط نہ کی ہو کہ قریب ترین استفادہ کرنے والوں میں سے ایک کی موت پر آمدنی متوفی کے باقی ماندہ بچوں کے ملے گی اور ایسا ہی فتاویٰ عالمگیری میں آیا ہے۔

اصول

جب کوئی شخص زمین اولاد کے حق میں وقف کرے اور انجام کار یہ استفادہ غربا کے لیے ہو تو ہر استفادہ کنندگان کی موت پر بقیہ کو ملے گا اور ان سب کے معدوم ہونے پر ہی استفادہ غربا کو ملے گا جب تک کہ اولاد میں سے ایک بھی باقی ہے غربا کو نہیں ملے گا۔

جب کسی شخص نے وقف اپنے لڑکے اور اس کے بچے اور بچوں کے بچوں کے لیے دو لاکھ کیا ہو جب تک اس کی اولاد زندہ ہے تو بقول ابو القاسم واقف کے بچوں میں آمدنی بالمراسم تقسیم ہوگی اور ذکور اور اثنا مساویانہ حصہ لیں گے اور جب ان سے لڑکیوں کے بچوں کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ وہ بھی مستحق ہوں گے اس لیے کہ وہ اولاد کی اولاد ہیں۔

اگر کوئی یہ کہے کہ میری زمین اولاد کے لیے وقف ہے اس میں لفظ اولاد کی عام اصطلاح سے تمام آنے والی نسل شامل ہوگی مگر تمام سے مراد پہلی نسل ہے جب وہ بھی ختم ہو جائے تو دوسری نسل سے مراد ہے اور اس کے ختم ہونے پر دوسری تیسری چوتھی پانچویں نسل مراد ہے جب تمام نسلیں تقسیم میں شریک ہوں تو اس میں قریب اور بعید تر سب ہی حصہ لینے والی ہیں۔ اگر وہ کہے آمدنی وقف نصف بچہ کے لیے اور نصف غربا کے

لیے ہے اور اس کے ایک بچہ ہو تو یہ وقف اس کے لیے ہی ہوگا اور اگر اسکے کئی بچے ہوں اور سب اولاد انتقال کر جائیں سوائے ایک کے بچے کے۔

اگر ان الفاظ کے ساتھ کوئی وقف کرتا ہے کہ یہ وقف میرے دو بچوں کے لیے کرتا ہوں اور جب یہ نہ رہیں تو بچوں کے لیے ہے جب تک انکی کوئی اولاد قائم رہے اور اگر ان میں سے ایک کا بچہ ایک بچہ چھوڑ کر مر جائے تو نصف آمدنی پس ماندہ بچے پر اور نصف غریب پر صرف ہوگی۔

لیکن جب واقف کے دوسرے بچے کے بچے بھی مر جائیں تو تمام آمدنی دونوں لیں گے اور ان کے بچوں کے بچوں پر صرف ہوگی اور یہ جائیداد میرے حاجت مندوں کے لئے صدقہ موقوفہ ہوگی اور ان میں سے صرف ضرورت مند ایک ہی بچہ ہو تو آمدنی کا نصف حصہ اس پر اور بقیہ نصف حصہ غریب پر تقسیم ہوگا۔

ان تمام تمثیلوں میں اصل امر واقف کی نیت ہے اگر اس کی نیت کئی بچوں کو فائدہ پہنچانے کی ہے اور اس کے صرف ایک بچہ ہے تو اسے صرف نصف آمدنی ملے گی اگر اس کی یہ مشاہدہ اس کے بچے اصلاً استفادہ کنندگان ہوں تو تمام منافع ایک ہی بچے کو ملے گا۔

اس موضوع کے متعلق یہ ذہن نشین رہے کہ غایت وقف رواج پر منحصر ہے اگر کوئی اپنے بچے اور بچوں کے بچوں کے لیے وقف کرتا ہے اور مابعد ان میں سے جو بھی زندہ رہے تمام منافع حاصل کرتا رہے تو اس کی اولاد مستفید ہوگی خواہ وہ ایک ہی ہو۔

اگر کوئی اپنی نسل یا ذریعات کے لیے وقف کرے تو اس کے لڑکوں اور لڑکیوں کے سب بچے بھی مستفید ہونگے خواہ وہ قریب ہو یا بعید۔

بمقدمہ شیخ فہیم الدین بنام نواب میر عالم عدالت عالیہ بمبئی نے یہ طے کیا کہ اصطلاح احفاد وسیع ترین و عام ترین مفہوم کی حامل ہے اور اس میں اولاد ذکور اور اناث دونوں شامل ہیں۔

جب ایسا شخص جو مرض مہلک میں مبتلا نہ ہو وقف تو آمدنی تمام استفادہ کنندگان میں بلا امتیاز صنف تقسیم کردی جائے گی اور یک جدی اور ہم خون برادران بھی حصہ لیں گے۔

وقف کی آمدنی کے تقاسم کے متعلق اصول

جب بچوں کے لیے وقف کیا جائے تو ان میں حسب قول ابو یوسف مساویانہ تقسیم ہونا چاہئے اور اسی پر فتویٰ ہے۔ وقف نامہ میں کوئی ایسی شرط کہ ایک بچے کو دوسرے بچے سے زیادہ یا لڑکی کو لڑکے کی نسبت زیادہ دیا جائے مکروہ ہے ایسا ہی قبل میں آیا ہے اور یہی مشہور فقہاء کی رائے ہے۔

شیخ نور الدین مقدسی مفتی قاہرہ اور شیخ الاسلام طحاوی شافعی مفتی مصر نے اسی کے مطابق فتوے دیے ہیں۔ بالفاظ دیگر ایک واقف کسی طبقے کے لیے وقف کرے تو اس طبقے کے افراد مساویانہ حصہ پائیں گے خواہ وہ کسی صنف سے تعلق رکھتے ہوں۔ مثلاً اگر کوئی وقف بھائیوں کے لیے ہو تو ہم خون ہم جدی بھائی شرعاً قانون توریث کے مطابق ان کو حصہ سے کا۔ بعینہ اگر کوئی کہے کہ وقف سے منافع ان رشتہ داروں کو ملے گا جو کہ رشتے میں اس سے قریب ترین ہوں اگر اس کا چچا ایک لڑکا اور دو لڑکیاں چھوڑ کر مر جاتا ہے تو آمدنی سے ذکور اور اثناث کو مساوی حصہ ملے گا۔ اصطلاح فامر اللہ کے معنی یہ نہیں ہیں کہ قانون وراثت کے مطابق ان کے حصے کے تقسیم ہوں بلکہ آنحضرت صلعم کے ارشاد کے مطابق کسی کو ترجیح نہ ہونا چاہئے پس تمام موہوب الیہم کو مساوی حصہ ملے گا۔

جب کوئی A کے حق میں وقف کرتا ہے اس توقع پر کہ لڑکے باہر رہتے ہیں اور اس کے بعد شہر یا ملک کی رہائش ترک دیتے ہیں تو اپنے حق سے محروم ہوتے تو اس ملک میں واپس آنے پر ان کو حق نہیں ملتا پس اسی طرح A کے بچوں کے حق میں وقف کیا جاتا ہے جو کہ علم کے حصول میں مصروف ہیں اور اس کے بعد تعلیم ترک کر دیتے ہیں تو اس وقف میں ان کا تمام مفاد ختم ہو جاتا ہے تا وقتیکہ واقف نے ہی ایسی صورتوں میں پہلے سے ہی یہ طے نہ کیا ہو کہ واپس ہونے پر استفادہ کر سکیں گے۔

استفادہ کنندگان تقاسم کے مستحق نہیں ہیں

جب کوئی دو یا زیادہ کے لیے وقف کرے تو وہ اپنی جائیداد موقوفہ کا حصہ رسد کی تقاسم نہیں کر سکتے۔ البتہ متولی مجاز ہے کہ شرائط وقف کے مطابق یہ ایسی سبیل کر دے جس میں آرائشی وقف کی کاشت اور حدود وقف کی نگرانی شامل ہو۔

جب کوئی وقف کسی کے بچوں کے لیے اور ان کے معدوم ہونے پر غربا کے لیے کیا جائے تو یہ جائز ہے۔ ہلال کی رائے میں بچوں کے بچے خواہ بوقت وقف نہ ہوں مگر اس سے استثناء کر سکیں گے بشرطیکہ اس سے منافع حاصل ہو۔ یہ اصول مسلمہ فقہاء بلخ ہے۔ پس اگر کوئی بچوں اور پوتوں کے لیے وقف کرتا ہے تو وہ قابل وصول آمدنی میں شریک ہوں گے۔

واقف کی نسل کے حق میں وقف جائز ہے

جب واقف کے بچے اور بچے کی نسل کے لیے وقف ہو تو حسب فتاویٰ عالمگیری وہ جائز ہے۔

اس میں بچے اور بچوں کے ذکور و اناث بچے شامل ہیں اور اس میں لڑکوں اور لڑکیوں کے قریب و بعید و آزاد و غلام مساوی ہیں۔

اگر کوئی کہے کہ میں نے اپنے بچے اور بچے کی نسل کے لیے وقف کیا ہے تو اس کا نواسہ اور بعد وقف اس کے صلب سے پیدا شدہ بچے دونوں وقف میں شامل ہونگے اگر کوئی اپنے حاضر الوقت بچوں اور نسل کے لیے صدقہ موقوفہ بتائے تو حسب فتاویٰ قاضی خان نسل اس میں شامل ہوگی۔ اگر وہ آراضی کو اپنے بچوں اور ان سے پیدا ہونے والے بچوں پر برابر صدقہ موقوفہ بنائے تو موہوبہ بچے اور نسل موجودہ ہے پس اسی طرح اپنے حاضر الوقت بچوں کے بچوں کے لیے جو موجود ہوں اور اس کے صلب سے جو بعد میں پیدا ہوں کے لیے وقف کرے تو اس میں موخرالذکر شامل ہوں گے اور اگر کوئی اپنی حاضر الوقت بچوں کے لیے اور بچوں کے بچوں اور ان کی نسل سے جو بچے ہوں اور ان بچوں کے بچوں کے لیے وقف کرتا ہے تو ایسی صورت میں ان بچوں کی اولاد میں کوئی بھی ہو وہ شامل ہوں گے۔

اصول مکرر یہ کہ اگر مرض الموت میں مبتلا یہ کہے کہ یہ میری زمین میں نے دائماً خوشنودی خداوندی کے لیے وقف کی ہے میرے بچوں اور بچوں کے لئے اور دائماً نسل کے لیے تو قیام نسل تک جو بچہ بوقت وقف تھا اور وہ بچے جو مابعد وقف قبل از آمدنی پیدا ہوئے مگر انہی بچوں کا بچہ دائماً مفاد وقف میں شریک ہوگا۔ اگر ان میں سے

کوئی قبل وصولی پیدا اور انتقال کر جائے تو متوفی کا حصہ ساقط ہوگا۔ اگر وصولی پیدا اور تک اس کی موت واقع نہ ہو تو متوفی کا بھی حق ہوگا۔ جو اس کے ورثاء پر منتقل ہو جائے گا اور قریب بعید نسل والے مساویانہ شریک ہونگے تا وقتیکہ بوقت وقف یہ تو ضیح نہ ہو کہ ابتداء نسل قریب سے ہوگی بعد میں نسل بعید کا نمبر آئے گا اس صورت میں اگر نسل قریب کے تمام افراد سوائے ایک کے انتقال بھی کر جائیں تب بھی یہ ایک نسل بعید کے تمام افراد کو محروم کرے گا۔

اگر کوئی الفاظ ”بطنا بعد بطن“ نہ کہہ کر صرف میرے اور بچے کے بچے کے لیے جب تک کہ نسل باقی ہے کہے لیکن یہ اضافہ کرے اس صورت میں جب بھی کوئی مر جائے تو اس کا حصہ آمدنی اس کے بچے پائیں گے اور آمدنی ان میں سے کسی ایک کے انتقال سے پہلے تمام بچوں اور بچوں کے بچوں اور نسل پر مساویانہ تقسیم ہوگی اور اگر ان میں سے کوئی بچہ چھوڑ کر انتقال کر جائے تو متوفی کا حصہ اس کا بچہ پائے گا اس طرح وہ اپنے باپ کا حصہ بھی پاسکے گا جو واقف نے اپنے لئے مقرر کر لیا تھا۔

بچے یہ ظاہر ہے کہ جب ولد اور نسل کے حق میں وقف ہو تو صرف ایک ہی بچے کا بچہ ہوتا ہے مگر ما بعد واقف کے ایک اور بچہ ہونے پر دونوں ہی اس میں شریک ہو جائیں گے اسی طرح اگر کوئی اپنی موجود الوقت اولاد اور نسل کے لیے وقف کرے تو ما بعد پیدا ہونے والے بچے بھی استفادہ کر سکیں گے۔

اصول

جب کوئی بچوں کے لیے وقف کرے ایسی صورت میں محض وہی بچے جو بوقت وقف عمر سن تھے مستحق ہونگے۔ بچپن ایک ایسی صفت ہے جو ختم ہو کر کبھی واپس نہیں آئے گی اور اس لئے بچوں کو نامزد کرنا ان کے حق میں مختص کرنے کے مساوی ہے۔ اگر وقف بچے کے لیے کیا جائے اور واقف کا دوسرا بچہ آمدنی وقف موصول ہونے کے چھ ماہ بعد پیدا ہو تو مؤخر الذکر بھی اولاد اول الذکر کے ساتھ آمدنی میں شریک ہوگا۔

(۱) اگر بچہ چھ مہینے بعد پیدا ہو تو وہ اول الذکر کے ساتھ آمدنی میں شریک نہ ہوگا اس لئے کہ حسب قیاس بوقت حصول آمدنی وہ پیدا نہیں ہوا تھا۔ اگر کوئی اپنے بچے کے

لیے جبکہ وہ پیدا نہ ہو وقف کرے تو یہ آمدنی غربا ہی پائیں گے مابعد آمدنی بچوں کو ملے گی۔

غربا کے حق میں وقف کو کس طرح استعمال کیا جائے

جب وقف غربا کے لیے ہو تو یہ آمدنی کس طرح صرف کی جائے بقول
ناقتی پہلے غریب اولاد اور پھر ایسے اس کے اعزہ پر اور پھر آزاد غلاموں پر اس کے بعد
پڑوسیوں پھر اس شہر کے اس حصے کے باشندوں کو جہاں واقف کے اقربا رہتے تھے بوقت
تقسیم پڑوسیوں میں غربا اور بچے بھی شامل ہوں گے۔

اگر کوئی فلاں فلاں کو نامزد کرتے ہوئے اور اس کے بچوں کے لیے وقف
کرے مگر نامزدگان قبول نہ کریں تو اس سے بچوں کے حق پر خواہ وہ بالغ ہوں یا نابالغ
کوئی اثر نہ ہوگا۔

فصل دوم:- واقف کے اقربا کے حق میں وقف

واقف کے الحجبین اور اہل البیت میں وہ اشخاص شامل ہیں جو کہ باپ دادا یا کسی
مورث ذکور کی وجہ سے واقف کے رشتہ دار ہوں اور قرابت دار ذو قرابت ارحام
وانساب میں وہ لوگ شامل ہیں جن کا متوفی سے کسی مورث مرد یا عورت کے ذریعہ رشتہ
ہو۔ سلسلہ کا اصل ترین مورث وہی ہوگا جو سب سے قبل مشرف بہ اسلام ہوا ہو۔

ابو یوسف و ابو محمد کی رائے میں قرابت سے ہر وہ شخص مراد ہے جن کا مشترک
مورث کے ذریعہ تعلق ہو اور جو اسلام میں سب سے پہلے باپ کی طرف سے یا ماں کی
طرف سے داخل ہوا ہو۔ خواہ وہ رشتہ ازدواج میں ہو یا نہ ہو اور اس سلسلہ میں قریب و
بعید یکساں ہیں اور خواہ لفظ واحد استعمال ہوا ہو یا جمع۔

ابو حنیفہ کے مطابق جب وقف واحد کے لیے کیا جائے۔ مثلاً الفاظ میرا قریب یا
میرا قرابت دار۔ اس سے مراد رشتے مانع ازدواج میں قریب ترین رشتے دار ہے جو مفاد وقف
میں شامل ہے لیکن اگر وقف جمع میں ہے مثلاً میرے قریب رشتہ دار یا میرے اقربا اس میں
دو یا دو سے زیادہ شامل ہوں گے۔ بقول بعض بعید ترین مورث کا مفہوم یہ ہے کہ جس نے
سب سے اول اسلام قبول کیا مگر بعض کے نزدیک بعید ترین سے وہ شخص مراد ہے جس نے

میرے ہونے پر یہ تمام قبول کیا ہو اور اس وقت وہ موجود تھا۔ اس موضوع پر صاحبین
کی رائے مسمومہ بتاؤں ہے۔

اگر کوئی یہ کہے کہ میرے اقربا یا میرے اہل بیت کے لیے وقف ہے تو صاحبین
کے نزدیک اگر ان میں سے ایک بھی موجود ہو تو وقف موثر ہوگا۔

نداری وہ ہے جو تقسیم کے وقت ہو

جب کوئی اپنے غریب نادر رشتہ داروں کے لیے وقف کرے تو بوقت تقسیم
آمدنی ندراری دیکھی جائے گی مگر گیرندہ اس آمدنی کا وہ ہوگا جو قانوناً ایسے رشتہ میں منسلک نہ
ہو کہ اس پر پرورش کی ذمہ داری عائد ہوگی ہو مثلاً خاوند یا باپ یا دوسرا شخص جس پر کہ ایسا
فرض عائد ہوتا ہو۔

اصول

جب وقف بچوں یا رشتہ داروں کے لیے کیا جائے تو اگر وہ سب آمدنی وصول
ہونے کے وقت موجود ہیں تو حصہ کے مستحق ہونگے خواہ بعد وقف ہی پیدا ہوئے ہوں۔

اصول جو اس کے اقربا یا ذوالقرباء کے بارے میں ہے وہی ارحام ذوی الارحام
انساب اور ذول الانساب پر لاگو ہوں گے۔ ان سب اصطلاحات کا ایک ہی مفہوم ہے۔

جب کوئی جائیداد کو اپنے اقربا غریبوں اور اپنے بچوں کے بعد غریبوں اور ان
کے بعد ناداروں کے لیے وقف کرتا ہے تو یہ جائز ہے۔ مستحق اشخاص وہ ہیں جو آمدنی
موصول ہونے کے وقت غریب تھے۔ بلال کے مطابق ہم بھی اس سے مستحق ہیں اور یہی
فتویٰ ہے۔ اسی طرح وقف میں بجائے لفظ قریب اگر میرے رشتہ داروں میں نادار اور
حاجت مند کے الفاظ اور اس کے بعد غربا کے الفاظ استعمال ہوں بشرطیکہ وہ ایک غریب
لڑکا چھوڑ کر مر جائیں تو ابو یوسف کی رائے میں وہ لڑکا اقربا میں شامل ہوگا اور یہی صحیح
ہے جب کسی دوسرے شہر میں جہاں وہ واقف رہتا ہو اس کے اقربا ہوں اس کو وہ آمدنی
نہیں دی جائے گی بلکہ اس کے ان کے شہر والوں پر ہی تقسیم ہوگی۔ لیکن اگر منتظم
دوسرے شہر والوں کو بھی کچھ رقم دیدے تو وہ بددیانتی کا مرتکب نہیں ہوگا۔

(۱) صالح اشخاص میں وہ شامل ہیں جو کہ پاکباز ہوں اور جن کی پاکبازی شبہ سے بالاتر ہو، ان کے خلاف نہ کوئی تہمت ہے اور وہ ایمانداری پر قائم ہیں اور نہ بدزبانی کرتے ہیں اور نہ شراب پیتے ہیں نہ عورتوں کے لیے فحش الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ دیانت دار اور راست باز ہیں۔ یہی راست باز اور صالح ہیں۔

نوع انسانی میں قریب ترین کے حق میں وقف

اگر کوئی ان لوگوں کے لیے وقف کرے جو کہ نوع انسانی میں اس سے قریب ترین ہوں اور ان کے بعد غربا کے لیے تو اگر اس کے ایک بچہ و ماں یا ایک باپ و ماں ہے تو آمدنی اولاً غریب بچے کو ملے گی خواہ وہ اناٹ میں ہو اس لئے کہ بچہ واقف سے قریب ترین ہے اور بچے کے بعد غربا پائیں گے مگر والدین نہیں پائیں گے۔ اس لئے کہ واقف نے قریب ترین کو اور اس کے بعد قریب ترین کو درج نہیں کیا تھا۔ اگر واقف کے کوئی بچہ نہیں ہے اور محض والدین ہیں تو آمدنی ان کو مساویانہ ملے گی۔ اگر واقف کے پس ماندگان میں اور ہیں تو کل آمدنی ماں کو ملے گی اگر پس ماندگان میں اس کے چچا ماموں اور بھائی ہیں تو تمام آمدنی اس کے بھائیوں کو ملے گی۔

اگر واقف کے کوئی نواسی یا پرپوتہ ہے تو نواسی قریب ترین ہونے کی وجہ سے وہ تمام مفاد کی مستحق ہوگی۔

اگر کوئی اپنے قرابت داروں میں قریب ترین کے لیے وقف کرے تو اس کے والدین اور بچے حصہ نہیں پائیں گے اس لئے کہ وہ قرابت کی اصطلاح میں نہیں آتے۔ اگر کوئی اپنے اقارب کے حق میں اس شرط پر وقف کرے کہ تقسیم نساب یا قرابت سے شروع ہوگی اور اس کے بعد جو بھی قریب ترین ہوں اگر واقف کے دو بھائی بہن ہوں تو تقسیم بھائی اور بہنوں سے شروع ہوگی اور اس کے بعد قرابت داروں سے اگر ان میں کوئی ایک تو حسب ابو حنیفہ مؤخر الذکر پہلے حصہ لیں گے مگر صاحبین کے نزدیک مساویانہ حصہ لیں گے اس طرح ایک حقیقی چچا ماں اور بہن پر قابل ترجیح ہے، ایک حقیقی چچا اور چچی ماموں یا مومانی پر قابل ترجیح ہیں یہ ابو حنیفہ کی رائے ہے اور صاحبین کے نزدیک برابر کے

حصہ دار ہیں بکران دونوں مسورتوں میں صاحبین کے اقوال قانون سمجھے جاتے ہیں۔
یہی اصول اصل کی اولاد پر لاگو ہوتا ہے اس عمل کو ذہن میں رکھتے ہوئے
بقول صاحبین اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ تعلق ذکور یا اثناث کی طرف سے ہو یا باپ و
میں کی طرف سے۔

لفظ قریب محض قرابت تک ہی محدود نہیں ہے پس کوئی بھی شخص میرے
قرابت داروں کے قریب ترین کے لیے وقف کہنے کے بجائے کہے کہ وقف تمام
آدمیوں میں سب سے زیادہ قریب ترین کے لیے ہے اور اس میں قرابت دار اور غیر
قرابت دار بلکہ والدین اور بچے بھی شامل ہونگے۔

اگر کوئی اپنے بچوں کے لیے وقف کرے اور ان میں سے کسی کے مرنے پر اس
کا ما بعد قریب تر کو بعید تر پر ترجیح دے اور اگر واقف کے بچے اور چچا کی بھی اولاد ہو تو
متوفی استفادہ کنندہ کا حصہ واقف کی چچا کی اولاد پائے گی نہ کہ واقف کی بہن کے بچے مگر یہ
اس جزیہ کے فتویٰ کے برعکس ہے جہاں واقف کی بہن کے بچوں کو ترجیح دی گئی ہے۔
اگر کوئی اپنے قرابت دار یا ذوی القربا کے لیے جائز وقف کرے تو اثناث کو ذکور
پر ترجیح نہیں ہوتی۔ ریادت میں آیا ہے کہ دادی اور پوتہ پوتے مفاد وقف میں شریک
ہوں گے لیکن بیوی قرابت دار یا اقربا میں شامل نہیں ہے۔

اگر کوئی شخص اپنی جائیداد کو قریب ترین اعزہ کے لیے وقف کرے اور بہن اور
اس کی نواسی کی لڑکی موجود ہو تو وقف اس لڑکی کے لیے ہو گا کیوں کہ وہ واقف سے اس
کی اولاد میں قریب ترین ہیں خواہ ویسے کتنے ہی بعید ہیں و قفمؤخر الذکر کے لیے رہے گا۔
جب وقف غریب رشتہ دار کے لیے ہو اور وہ بہت نادر حالات میں ہو تو وہی
تمام حصہ پائے گا اور یہ مسئلہ کہ کون نادر ہے اور کون نہیں ہے فتویٰ عالمگیری میں اس
اصول کو واضح کیا ہے۔

ناداری کے متعلق عالمگیری کا معیار

مسئلہ اصول یہ ہے کہ تمام وہ اشخاص جو زکوٰۃ کے جائز مستحق ہوں یا نادر ہوں
ان کو اغراض وقف کے لیے بھی نادر سمجھنا چاہئے۔ ایک غریب شخص جس کے پاس

مخمس سکونتی مکان ہو اور ایک ملازم (غلام) بھی ہو اسے نادار ہی کہا جائے گا اور وہ زکوٰۃ پانے کا مستحق بھی ہوگا۔ اسی طرح وہ وقف کا منافع پانے کے لیے بھی نادار سمجھا جائے گا۔ مزید یہ کہ اسکے پاس کافی کپڑے ہوں مگر کوئی فاضل شے نہ ہو مثلاً گھر کے فرنیچر جو کہ ٹیخہ نہ کیا جاسکتا ہو۔

اگر اس کے پاس کپڑے اور فرنیچر اتنے زیادہ ہیں جن کی مجموعی حالت دوسو درہم کے برابر ہے تو اسے مالدار (نہ کہ مفلس) قرار دیا جائے گا اور زکوٰۃ اور وقف کے منافع کا مستحق نہیں سمجھا جائے گا۔

اگر کسی کے پاس دو سکونتی مکان یا دو غلام ہوں اور فاضل مکان یا غلام کی مالیت دوسو درہم کی ہو تو اس اعتبار سے اس کو بھی مالدار سمجھا جائے گا اور اس کا زکوٰۃ یا وقف سے استفادہ کرنا قانوناً ناجائز ہوگا لیکن زکوٰۃ اس پر واجب نہیں ہوگی اگرچہ فاضل مکان فاضل کپڑے فاضل غلام یا فرنیچر میں سے ہر ایک دوسو درہم کی مالیت کے ہوں۔ اگر مجموعی طور پر ان سب کی مالیت دوسو درہم ہو تب بھی مالدار سمجھا جائے گا اور قانوناً وقف سے منافع حاصل نہیں کر سکے گا۔ مگر اس کے پاس دوسو درہم کی مالیت کی زمین ہو جس کی آمدنی خواہ اس کے گزارے کے لیے ناکافی ہو مگر وہ مسلمہ طور پر دولت مند ہی سمجھا جائے گا۔

اگر اس کے پاس کثیر جائیداد ہو لیکن فوراً ہی ملنے والی نہ ہو یا اس کا دوسرے کے ذمہ قرض ہو تو اسے وقف و زکوٰۃ سے استفادہ کی اجازت ہوگی۔ اس لئے کہ وہ ابن سبیل کی اجازت میں آجاتا ہے۔ اگر وہ قبضہ لے سکتا ہے تو خیرات لینے کے مقابلہ میں نہ لینا بہتر ہے۔

ناداری کا معیار

ہر ایسا شخص جو دوسرے سے گزارہ حاصل کرنے کا مستحق ہو اور اسے بلا اس کی رضامندی یا حکم قاضی کے حاصل کر سکتا ہو یا اگر قاضی اسے غیر حاضر شخص کی جائیداد سے استفادہ کا مجاز کرے یا وہ شخص کہ جس کی جائیداد دوسرے شخص کی جائیداد میں اس قدر شامل ہے کہ کوئی بھی ان میں شاید نہیں ہو سکتا تو وقف سے متعلق مالدار سمجھا جائے گا۔ وہ شخص جو کہ اس کا نگران ہے اور جس سے اس کے تعلقات ہیں اور اس کی مثال اس کے والدین بچے اور بچوں کے بچے ہیں لیکن ایسے اشخاص جو کہ دوسرے سے گزارہ

حاصل کرنے کے مستحق ہیں بلا اس شخص کی اجازت اور قاضی کے حکم کے حاصل نہیں کر سکتے اور قاضی دوسرے شخص کی غیر موجودگی میں ایسے اشخاص جن کی جائیداد کے منافع دوسروں کے منافعوں سے اتنے غلیحہ و ہوں ایک دوسرے کی گواہی قبول کی جاسکتی ہو ان کو بس اوقات مہیا کرنے والی دولت کی بنا پر مالدار نہیں سمجھا جائے گا۔

اور اس کی مثالیں بھائی یا بہنیں یا دوسرے رشتہ دار رشتہ مانع ازدواج کی ہیں۔ اگر عورت کا خاندان ممتول ہے تو وہ عورت غربا کے لئے مختص وقف سے استفادہ نہیں کر سکتی لیکن ایک غریب آدمی خواہ اس کی عورت مالدار ہو وقف سے استفادہ کر سکتا ہے۔

قاضی خان

قاضی خان نے اس سلسلہ میں درج ذیل اصول مرتب کیا ہے جو زمانہ کے بدلتے ہوئے حالات کے تحت ہے۔ ان کے بقول جس کے پاس سوائے رہائشی مکان کے کچھ نہ ہو وہ فقیر کہلانے کا اور وہ زکوٰۃ صدقہ وقف سے جو غربا کے لیے ہو استفادہ کر سکتا ہے اس طرح ایسا شخص جس کے پاس سکونتی مکان ہو مگر گزارہ کے لیے روپیہ نہ ہو خواہ اس کے پاس ملازم بھی ہو فقیر ہے۔ ایسا شخص جس کے پاس کپڑے ہوں لیکن اور کچھ نہ ہو فقیر ہے۔

درالمنار

ابویوسف کے نزدیک آراضی کا مالک جس کی مالیت دو سو درہم ہے خواہ اس کی آمدنی بس اوقات کے لیے کافی نہ ہو مگر نادار نہیں ہے لیکن محمد ابن شاہانہ اور محمد ابن مقاتل اس کو فقیر ہی کہتے ہیں۔ ابویوسف کے الفاظ متنبہ کرنے والے ہیں مگر ابن شاہانہ کے قول میں کافی پک (مغناش) ہے مصنف کے مطابق وہ شخص جس کے پاس بظاہر گزارہ کے لیے وسائل ہوں مگر منسبت میں مبتلا ہونے کی وجہ سے جائیداد سے فائدہ حاصل نہ کر سکے نادار ہی سمجھا جائے گا۔ ان کے بقول وہ شخص جس کے پاس سوائے ایک آدمی کے ذہنی قرضہ کے کوئی جائیداد نہ ہو وہ بھی نادار قرار پائے گا۔

نتیجہ

اقوال متذکرہ سے ظاہر ہے کہ مسئلہ کا انحصار کہ کوئی نادار ہے یا نہیں اس پر

مقامی خاص حالات، سوسائٹی کی ضروریات اور ہر منحصر معتبر پر غور کئے بغیر مسئلہ طے نہیں ہوتا اور بعد غور یہ مسئلہ طے ہوتا ہے۔

جب واقف کے نادار رشتہ داروں کے لیے کوئی وقف ہو اور اس کا رشتہ دار عورت کو آمدنی وقف موصول ہونے سے چھ ماہ میں کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے تو ایسا بچہ کسی حصے کا مستحق نہ ہوگا اس لئے کہ کوئی بچہ نادار رشتہ دار کے زمرہ میں خیال نہیں کیا جاسکتا۔ ایسا بچہ جس کو آمدنی موصول ہو اور بعد میں نادار ہو جائے مثل غنی رشتہ دار کے سمجھا جائے گا جب کہ خواہ سر دست وہ آمدنی میں حصہ کا مستحق ہو۔ مگر مستقبل میں موصول آمدنی میں شریک ہوگا۔ جب واضح طور پر کوئی وقف ایک سے زیادہ اشخاص کے لیے جو مثل ایک جماعت کے ہوں کیا جائے اور اس جماعت سے محض ایک ہی فرد ہو تو وہ نصف آمدنی پائے گا اور بقیہ غربا میں تقسیم ہوگی اگر بادی النظر میں یہ معلوم ہو کہ منافع اسی جماعت کے افراد کے لیے بلا لحاظ تعداد مقرر ہے تو ایسے شخص کو تمام منافع ملے گا مثلاً اگر وقف ایک ہی نسل کے ناداروں کے مفاد کے لیے ہو اور صرف ایک ہی شخص باقی ہے تو وقف سے حاصل شدہ کل آمدنی اسی ایک کو دیدی جائے گی لیکن اگر وقف ایک ہی نسل کے مفلسوں کے لیے ہو اور ان میں ایک ہی شخص ہو تو وہ نصف آمدنی پائے گا اور بقیہ غربا میں لیں گے۔

اصطلاح یتیم کا مفہوم

یتیم اعزہ کے لیے وقف چند اصولوں کے تحت ہوتا ہے۔ ایک یتیم سے مفہوم ایک ایسے صغیر سن بچے سے ہے جس کا باپ زندہ نہ ہو خواہ اسکی ماں یا دادا زندہ ہوں۔ حالت یتیمی اس کے سن بلوغ پر پہنچنے پر ختم ہو جاتی ہے بلوغ کے آثار ظاہر نہ ہونے پر بھی بقول امام ابو یوسف عمر کے پندرہ سال پورے ہونے پر وہ سن بلوغ پر پہنچ جاتا ہے۔ ابو حنیفہ کی رائے میں مردوں کے لیے سن بلوغ پندرہ سال اور عورتوں کے لیے سترہ سال زفر کی رائے میں دونوں کے لیے سن بلوغ ایک ہونا چاہئے اور وہ اٹھارہ سال ختم ہونے پر ہے۔

مگر کوئی اپنے غریب رشتہ داروں کے لیے جائیداد وقف کرے تو کیا اس کے انتقال کے بعد متولی اس کا مجاز ہے کہ آمدنی سے اس کے ہمدار پوتے کو بھی حصہ دے سکے؟
زیادہ تر فقہاء اس کے حق میں ہیں۔ اور بقول فقیہ ابو الیث کہ امام محمد نے زیادت میں یہی رائے اختیار کی ہے حالانکہ بظاہر ابو یوسف و ابو حنیفہ کی رائے اس کے برعکس ہے۔

ایسے رشتہ دار کے لیے وقف جو کہ خاص ہستی میں رہتا ہو

جب واقف ان رشتہ داروں کے لیے وقف کرے جو کسی خاص ہستی میں رہتے ہیں اور ان کے بعد غربا کے لیے تو سوال یہ ہے کہ اگر وہ وہاں سے اپنی سکونت ترک کر دیں تو کیا منافع سے محروم ہونگے۔ ابو بکر فقیہؒ نے اس کی رائے میں اگر واقف کے رشتہ دار جو وقف سے مستفاد ہو سکتے ہوں اور اولاد ان کی تعداد محدود ہے تو وہ مختص ہو سکتے ہیں ایسی صورت میں منافع وقف میں ان کا منافع جاری رہے گا اور جہاں بھی وہ جائیں ان کو ملتا رہے گا اگر وہ نہ مختص نہ جانتے ہوں اور نہ ان کی تعداد محدود ہو تو رشتہ داروں میں سے ہستی کی سکونت ترک کرنے والے کا حق ساقط ہو جائے گا اور مقام پر رہنے والوں میں سے ترک سکونت والوں کے بجائے غریبوں کو ملے گا۔ فقیہ ابو الیث کا قول ہے کہ اگر رشتہ داروں میں سے کوئی بھی ایک جو سکونت ترک کر چکا ہو ہستی میں واپس آجائے تو اس کا حق بحال ہوگا۔

اگر وقف کسی کے اقربا کے لیے وقف ہو مگر لفظ "آل" کا اضافہ نہ کیا جائے تب بھی وہ ان میں شامل ہوں گے اس لئے آل کے اقربا بھی اقربا ہی ہوتے ہیں۔
اگر کوئی اقربا کے لیے اور ان کے بعد اپنی اولاد کے لیے وقف کرے تو بعد والے اس وقت تک شریک نہ ہونگے جب تک کہ سب اقربا ختم نہ ہو جائیں۔

ایسا وقف جو متولی کے صواب دید پر ہو

ایسا شخص جو بذریعہ وصیت کئی انتقالات کرے اگر اپنی زمین غربا کے لیے وقف کرتا ہے۔ تو وصی وقف مجاز ہے کہ حسب مرضی جس کو چاہے اور جو چاہے دے اس صورت میں وصی کا اپنی بیوی والدین اور بیوی کے رشتہ دار جو غریب اور حاجت مند ہوں کو دینا اصلاً غربا کو ہی مثل وقف سمجھا جائے گا۔

پڑوسیوں کے حق میں وقف کا کس طرح استعمال ہو

اگر کوئی اپنے پڑوسیوں کے لیے وقف کرے تو آمدنی ان سب پر تقسیم ہوگی مگر وسیع مفہوم کے مطابق وہ بھی شامل ہوں گے جو اس سے ملتے ہوں اور وہ جو کہ محلہ کی مسجد میں عبادت کے لیے جمع ہوتے ہوں اور یہی مسلمہ ہے۔

ابو حنیفہ کے واضح اصول کے مطابق سکونت شرط ہے خواہ جائے سکونت ساکن کی ملکیت ہو یا نہیں اور یہی صحیح ہے جب ساکن مالک نہ ہو تو منافع وقف ساکن کو ملے گا نہ کہ مالک کو۔ پڑوسی خواہ مسلمان ہوں یا کافر مرد ہوں یا عورت آزاد ہوں یا مکاتب نابالغ ہوں یا بالغ اس آمدنی کے مستحق ہوں گے اور وہ باعتبار تعداد ان میں تقسیم ہوگی اور اگر منتظم ایک کے مقابلے میں دوسرے کو زیادہ دے تو اس کا وہ ذمہ دار ہوگا۔

اگر واقف کے پڑوسیوں میں سے بعض دوسرے محلہ میں چلے جائیں اور اپنے مکانات فروخت کر جائیں مگر وہ لوگ ان مکانات میں فصل تیار ہونے کے بعد آئیں اس سے قبل کہ وہ وہاں جمع ہوں تو وہ بھی تقسیم آمدنی کے وقت پڑوسی ہی سمجھے جائیں گے۔

اگر کوئی شخص مکان میں رہتے ہوئے پڑوسیوں کو وقف کرے اور اس کے بعد خود وہ کرایہ کے مکان میں منتقل ہو جاتا ہے اور اپنی موت تک اسی میں رہتا ہے تو اس کی آمدنی بعد والے پڑوسیوں کو ملے گی اگر کوئی پڑوسیوں کو وقف کرنے کے بعد مکہ معظمہ چلا جائے اور وہیں انتقال کر جائے اور وہاں اس کے کوئی نہ ہو وہ صرف حج کی غرض کے لیے گیا ہو اور کوئی مکان خریدے تو وہ مکان اس کے وطن کے پڑوسیوں کا سمجھا جائے گا اگر کسی کے پاس دو بڑی عمارتیں ہوں اس سے ایک میں وہ رہائش رکھتا ہو اور دوسری میں اسباب تجارت تو جس رہائشی مکان میں وہ رہتا ہے پڑوسی اس کی آمدنی سے استفادہ کریں گے اگر کسی کے پاس دو مکان ہوں اور ہر ایک میں اس کی ایک ایک بیوی رہتی ہو تو ہر دو مکانوں کے پڑوسی آمدنی کے مستحق ہوں گے خواہ اس کا کسی میں انتقال ہوا ہو اور اسی طرح اگرچہ اس کے مکانات میں سے ایک بصرہ میں دوسرا کوفہ میں ہو اور ہر ایک میں ایک بیوی رہتی ہو۔

اگر کوئی اپنے غریب پڑوسیوں کے لیے وقف کرے اور خود کا ذکر نہ کرے

تب بھی اس کا نشانہ پڑوسی سے ہوگا۔

اگر کوئی بیمار ہو جائے اور اس کا لڑکا اسے کسی دوسرے محلے یا گاؤں میں لے جائے اور وہاں جا کر وہ مر جائے تو اس کے پہلے والے پڑوسی ہی مستحق ہونگے اور اس کے منتقل ہونے سے کوئی اثر نہیں ہوگا۔

اگر کوئی عورت کسی عمارت میں رہائش رکھتی ہو جس کو وہ کسی پڑوسی کو وقف کرے اور بعد میں شادی کرے اور اپنے خاندان کے مکان میں منتقل ہو کر مر جائے۔ اس کے پڑوسی وہی ہونگے جو اس کے خاندان کے پڑوسی ہیں۔ اسی طرح جب کوئی شخص کسی عورت سے شادی کر کے اس کے مکان میں منتقل ہو جائے اس کے پڑوسی بھی عورت کے حق میں بدل جاتے ہیں تا وقتیکہ اس نے اپنا فرنیچر پہلے والے مکان میں نہ چھوڑا ہو تو اس وقت اس کے پڑوسی وہی ہونگے جو اس مکان میں منتقل ہونے سے پہلے تھے۔ جب یہ معلوم نہ ہو کہ آدمی کے پڑوسی کون ہیں تو تا وقتیکہ گواہان اس مکان کی تصدیق نہ کر دیں جہاں اس کا انتقال ہوا ہو اس وقت تک آمدنی تقسیم نہیں ہونا چاہئے۔ بعد ازاں مکان کے پڑوسیوں میں آمدنی تقسیم ہونا چاہئے۔

اگر کوئی پڑوسی خود کو غریب ہونا ظاہر کرے اور اس کی غربت کا علم نہ ہو تو اسے غریبی کی تائید میں گواہان پیش کرنا چاہئے۔

فصل سوم:- تعبیر کے عام اصول

جب کوئی بعد وقف تاحین حیات خود کو متولی نامزد کرے اور اپنے بعد لڑکے کو متولی مقرر کرے اس کے بچوں میں موزوں اور اہل متولی ہوگا تو یہاں A سے مراد متولی ہے نہ کہ واقف اگر وقف زید اور عمر کو اس کے بچوں کے لیے ہے تو اس سے مفہوم عمر کا ہے۔

اصول تعبیر

اگر کوئی اپنے بچوں کے لیے اور ان بچوں کے لیے جو صنف ذکور سے ہیں وقف کرے تو یہ شرط پوتوں پر عائد ہوگی نہ کہ اس کے بچوں پر۔

سوال۔ ایک شخص اپنے لڑکے مسکی حامد اور اسکے بیٹے اور اولاد کے لیے جو ما بعد پیدا ہوں وقف کرے اول ان کے لیے پھر اس کے بچوں کے لیے اور بچوں کے بچوں

کے لیے اولاد ذکور سے ہوں اور مابعد ان بچوں کے لیے بو اولاد اناث سے ہوں اور پھر ان بچوں کے بچوں کے لیے اس طرح تشکیل وقف کے بعد ابک لڑکا اور پیدا ہو جس کا نام محمد ہے اور بعد میں حسین اور پھر حسین کا انتقال ہو جائے تو کیا پہلے سے مراد حسین ہے یا واقف تاکہ محمد بھی اس میں شامل ہوگا۔

جواب۔ منسہر کے حنفی مفتی مولانا شیخ حس شربلانے اس سوال کا جواب اس طرح دیا ہے کہ واقف اپنی منشا سے واقف ہے اور خیر یہ کے مطابق نیت سے زیادہ قریب ہے جب کوئی لفظ مفہوم میں مبہم اور ذو معنی ہو تو وہی معنی لئے جائیں جو نیت واقف سے قریب تر ہوں بصورت موجودہ ضمیر سے منشا حسین کا ہوگا اور خود واقف کا بچہ محروم ہو جائے گا۔

جملہ (انشاء اللہ) اگر ایک شرط استثناء ہے مگر الا تا وقتیکہ نہیں نفی کے مساوی نہ ہو شافعیہ کے نزدیک تمام دستاویز پر وہی حاوی ہوتی ہے نہ کہ محض قریب تر مفہوم پر۔ احناف کے مطابق یہ آخری شرط سے متعلق ہے بشرطیکہ دوسری شرطوں کے تحت نہ ہو اور عینحدہ پڑھی جاسکے ورنہ یہ سب پر ہی حاوی ہوگی مثلاً اگر کوئی کہے کہ اپنا مکان اپنے بچوں کے لیے وقف کرتا ہوں اور اپنا باغ میرے بھائیوں کے لیے لیکن اگر وہ کسی کو دیں گے تو یہ وقف ختم ہو جائے گا تو جملہ شرط بھائیوں سے متعلق ہے۔

لیکن اگر وہ یہ کہتا ہے کہ میرا یہ مکان میرے بچوں کے لیے اور بچوں کے بچوں کے لیے وقف کرتا ہوں لیکن اگر وہ اس کو چھوڑ دیں تو یہ شرط سب پر ہی حاوی ہوگی۔ حنفیہ کے نزدیک اگر کوئی مفاد وقف سے استفادہ کے لیے قبضہ کو ضروری شرط قرار دے تو ایسی شرط محولہ قریب کے اشخاص کے بارے میں ہوگی۔

لیکن اگر اس شرط میں سب ہی شامل ہوں تو عموماً جو قریب ہوں ان پر نافذ ہوگی مثلاً اگر کوئی اپنے نادار بچوں کے بچوں کے لیے وقف کرے تو شرط ”نادر“ محض بچوں تک محدود ہوگی اگر وہ یہ کہے کہ وقف اس کے بچوں کے لیے ہے تو سب ہی پر لاگو ہوگی۔

شافعیہ کے نزدیک بہر صورت سب ہی پر لاگو ہوگی۔
اگر کوئی اپنی جائیداد کا حصہ بطور صدقہ عبداللہ اور زید کے لیے وقف کرے

اس کی آمدنی سے دونوں بطور قابض مشترک استفادہ کریں گے جب ان میں سے ایک مر جائے تو ایک حصہ غربا پائیں گے اور ہر ذرہ کی موت پر تمام کرایہ و منافع خیرات ہوگا۔ اسی طرح جب کسی قوم کے لیے وقف ہو تو کرایہ اور منافع ان میں سے حسب تعداد قبضان مشترک تقسیم ہوگا اور ان میں سے کسی ایک کے انتقال پر اس کا حصہ غربا کو خیرات ہوگا اور جب عبد اللہ کے بچوں کے لیے بلا حصص حوالہ تعیین تعداد کے وقف ہوگا تو عبد اللہ کے سب بچے شرعاً قابض ہوں گے اور ان میں سے جب تک کوئی بھی زندہ رہے غربا کو کچھ نہ دیا جائے گا۔

جب زید و عمرو دونوں ہوں زید کو نصف حصہ اور عمرو کو ۲/۳ حصہ ملے گا اس طرح تو حسب ورثہ سات حصوں میں تقسیم ہوگا۔ اور اس طرح تین حصے زید کو اور چار عمرو کو ملیں گے۔ اگر وقف اس طرح ہو کہ حسب اندراج بالا کہ زید کو نصف اور عمرو کو تین حصے تو بقیہ مساویانہ تقسیم کر دئے جائیں گے۔ جب واقف ان الفاظ میں وقف کرتا ہے کہ میری زمین زید کیلئے وقف ہے زید کو اس میں سے ۱/۳ یا ۱۰۰ اور ہم ملیں گے اگر دوسرے کے بارہ میں کوئی خاص حوالہ نہیں ہے تو جو بھی زید کے لیے درج ہے بقیہ وہ پانے کا جس کے لیے کوئی حوالہ نہیں ہے۔ یہ عام طریقہ ہے کہ جب کسی ایک کا حوالہ ہو تو دوسرے کا ذکر نہیں ہوتا۔ جب واقف استفادہ کنندگان میں سے ہر ایک لئے مختص رقم ملے کرے لیکن خسارہ کی وجہ سے آمدنی کی مختص رقم نہ وصول ہو تو واقعی آمدنی علی الترتیب ان کی مختص رقم کی مناسبت سے تقسیم کر دی جائے گی اگر آمدنی مقررہ الاؤنس سے زیادہ ہو تو زائد رقم ان میں مساویانہ تقسیم ہوگی۔

اعمول

جب وقف کسی قوم کے لیے ہو اور وہ اسے نہ ملے تو آمدنی غربا کے لیے ہوگی لیکن اگر ان میں سے صرف چند ہی نہ لیں تو مساوی آمدنی لینے والوں میں تقسیم ہوگی اگر وہ منصب جس کے نام سے عام طور پر وقف کیا گیا ہے تو وہ اصطلاح سب ہی پر لاگو ہوتی ہے لیکن وہ اصطلاح سب پر ناقابل اطلاق ہے ان لوگوں کا حصہ جو نہیں لیتے غربا پر منتقل ہو جائے گا اگر واقف یہ کہے کہ عبد اللہ کے بچوں کے لیے ہے تو یہ سب کا سب جو لیتے

ہیں انہیں ملے گا اگر وہ کہے کہ زید و عمر کے لئے ہے مگر زید نہیں لیتا تو وہ غربا پر تقسیم ہو جائے گا۔

ایسا وقف جو واقف نے اپنے رشتہ داروں کے لیے کیا ہو اس سے استفادہ کرنے والے غریب رشتہ دار کا فرض ہے وہ اس کے قرابت دار ہونے، دوسرے غریب ہونے کی بابت ثبوت پیش کرے تب وہ متولی سے اپنا حق حاصل کر سکتا ہے۔
اصول جس کی بنا پر اپنے بستی کو چھوڑ کر جانے والے افراد منافع وقف سے محروم رہتے ہیں درج ذیل صورت میں لاگو نہیں ہوتا۔

(۱) ایک شخص اپنے غریب رشتہ داروں کے لیے جو بغداد میں رہتے ہیں وقف کرتا ہے اور ان میں سے کچھ کوفہ میں رہتے ہیں اور اس کے بعد وہ بھی بغداد میں آجاتے ہیں واپسی پر وہ وقف کے مفاد سے اپنے حصہ کے مستحق ہوتے ہیں وجہ یہ ہے کہ بوقت تقسیم غربت اصل معیار استحقاق ہے اور واقف کی غایت رشتہ دار غربا کی امداد کرنا ہے۔

اصول بابت متولی کی ذمہ داری

جب کوئی اپنی اولاد کے لیے وقف کرے اور جب متولی اس کی اولاد میں سے بعض کو آمدنی میں سے حصہ تقسیم کرے اس کے بعد ایک دوسرا شخص بطور اولاد واقف حصہ طلب کرے تو وہ سابقہ حصص آمدنی بھی پانے کا مستحق ہے بشرطیکہ متولی نے بلا اجازت قاضی کے حصص تقسیم کر دئے ہوں ایسی صورت میں متولی کی حیثیت ایک وصی تعمیل کنندہ کے ہے جو کہ قرض خواہوں کا مطالبہ ادا کرنے کے بعد وصی کی جائیداد کو غربا میں تقسیم کر دیتا ہے اور ما بعد اپنا حق ثابت کرنے والا دوسرا اس امر کا مجاز ہے کہ ادائیگی قرضہ کی متولی پر دعویٰ کرے۔

اصول متعلق اہل خانہ

جب کوئی اپنے اہل بیت یا اہل خانہ کے لیے وقف کرے اور ہر وہ شخص جو یک جدی ہونے کی وجہ سے متعلق شخص خواہ کتنا ہی بعید ہو بلا امتیاز عقیدہ صنف یا قرابت کے مطالبہ کر سکتا ہے اور اس صورت میں مسلم یا غیر مسلم مرد یا عورت رشتہ مانع ازدواج یا عدم ازدواج قریب یا بعید سب مساوی ہیں لیکن بعید ترین بچے اس میں شامل

نہیں ہیں اس میں واقف کے بچے اور والدین شامل ہیں۔ مگر اس کی لڑکیوں یا بہنوں کے بچے ان دوسری عورتوں کے بچے سوائے ان کے جو کہ واقف کے چچا زاد بھائیوں کو بیاتی ہوں شامل نہیں ہیں۔ سرخسی سیر کبیر کی شرح میں اس طرح لکھا ہے کہ لفظ "اہل خانہ" سب کی واقف نامے یا وصیت نامہ میں ہوں تو ان کی تعبیر منشا و صی کے مطابق ہونا چاہئے اور مکان سے اس کا منشا رہائشی مکان ہے تو اس کے کنبے والے بھی جو اس کے ساتھ مکان میں رہتے ہیں اور جن کی وہ پرورش کرتا ہے خواہ ان میں قربت اور رشتہ داری نہ ہو شامل ہیں۔ اور اگر مکان سے منشا نصاب کا ہے تو اس کے سب گھر والے اس کے باپ کے مسلمہ بچے ہیں۔

اہم علی اسوخ کی رائے میں اگر کسی شخص کا مکان نصاب مثل اہل عرب کے ہے تو الفاظ گھر کے لوگ کا منشا اس کے مورخان اعلیٰ کی اولاد سے ہے (لغوی طور پر) باپ دادا کے بچوں سے ہوگا خواہ وہ اس کے ساتھ کنبے میں نہ رہتے ہوں لیکن اگر اس کے پاس نصاب کا کوئی مکان نہیں ہے یا وہ جو اس کے ساتھ کنبے میں رہتے ہوں وہ ان کی پرورش کرتا ہو اور دوسرا نہیں کرتا اگرچہ اس کے قربت دار ہوں اور یہی مسلمہ ہے جب وقف گھر کے لوگوں کے لئے کیا جائے جو موجود ہوں وہ اور جوان کے بعد آئیں اور ان کے بچے اور بچوں کے بچے شامل ہیں۔

جب کوئی اصطلاح آل یا جنس استعمال کرے تو اصلاً وہی جیسا کہ میرے گھر کے لوگ اور اس میں غربا کے حق میں کوئی تخصیص نہیں ہے جب تک وقف ان کے لیے نہ کیا گیا ہو۔ ہملہ ان میں سے غربا کے لیے اس کے مثل ہیں جب وہ غریب ہو جائیں اور نتیجتاً یہ آمدنی اس کے لیے ہے جو اس وقت غریب ہو اگرچہ بوقت وقف غریب ہی ہو گیا ہو ان تک محدود نہیں ہے جو کہ ایک وقت امیر تھے بعد میں غریب ہو جائیں۔ اگر کوئی عورت اپنے گھر والوں کے لیے یا اہل جنس کے لیے وقف کرتی ہو تو اس میں اس کی ماں اور بچے شامل نہ ہوں گے۔

اہل کے مفہوم کا مسلمہ اصول

اگر کوئی کہے کہ عبد اللہ کی اہل پر تو ابو حنیفہ کے نزدیک خاص طور پر اصلی

بیوی ہوگی لیکن بلال کا کہنا ہے کہ یہ بہتر ہے کہ میں ایک ساتھ رہتے ہیں اس میں شامل کر لیں اور یہی مسلمہ ہے مگر اس میں غلام شامل نہیں ہے اور نہ عبداللہ اور اس کے کنبے کے لوگ جو دوسرے مکان میں رہتے ہیں شامل ہیں۔

میال ”آمال“ میں ہر وہ شخص شامل ہے جس کی کہ وہ شخص پرورش کرتا ہے خواہ اس کے ساتھ رہتا ہو یا نہ رہتا ہو اور احسام عیال کے مرادف اور احتساب میں وہ سب شامل ہیں جو کسی شخص سے اس کے باپ کی وجہ سے قرابت رکھتے ہیں مگر لڑکیوں کے بچے اس میں (سوائے ان عورتوں کے جن کے خاندان میں سے ہوں) شامل نہیں ہیں۔ اگر کوئی زید یا اس کے احتساب کے حق میں وقف کرے اور زید زندہ ہو اور اسکے بچے بھی ہوں مگر وہ کچھ نہیں پائیں گے۔ اس لئے کہ کسی آدمی کا بچہ احتساب میں شامل نہیں کیا جاسکتا (سوائے اس کی موت کے بعد)

فتاویٰ عالمگیری میں وقف کی آمدنی نادار رشتہ داروں میں تقسیم کرنے کے لیے درج ذیل اصول ہیں۔

- (۱) اولاً غریب بچوں رشتے داروں کو اور فاضل غیروں کو
 - (۲) جس روز آمدنی آئے وہ روز غربت کا معیار ہونا چاہئے بلکہ جس روز آمدنی تقسیم کی جائے وہ غربت کا معیار ہونا چاہئے۔
 - (۳) رشتے داروں میں سب سے پہلے قریب تر کو بعد ازاں بعید تر کو یعنی اپنے صلب کے بچوں کو اولین ہونا چاہئے اور اس کے بعد بچوں کے بچوں اور اس کے بعد تیسری نسل بعد میں چوتھی نسل اور بعد والی نسلوں کو لیکن اگر ان میں سے کوئی بھی نہ رہے یا ان کو دینے کے بعد کچھ بچ رہے تو غریب رشتے داروں کو دینا چاہئے مگر ان میں بھی قریب ترین کو ترجیح ہونا چاہئے۔
 - (۴) وہ شخص جس کو حصہ دیا جائے اس کی حیثیت دو سو درہم سے کم ہونا چاہئے بشرطیکہ وقف عام غربا کے لیے ہو ان میں بعض رشتے دار حاجت مند ہوں لیکن اگر وقف کسی شخص کے غریب رشتہ داروں کے لیے ہو تو تمام آمدنی ان میں تقسیم کر دینا چاہئے خواہ ان میں سے ایک کا حصہ دو سو درہم سے زیادہ ہو جائے۔
- جب کوئی واقف آمدنی کو مقروضوں یا مسافروں کے لیے یا راہ خدا میں مشلاج

کے لیے مختص کرنے لیکن اگر اس کے بچے یا رشتہ دار حاجت مند ہوں (تو وقتیکہ وہ بچے یا رشتہ دار بیخ پر جانے والے نہ ہوں) تو ایسی صورت میں ان کو دینا چاہئے۔

اگر کوئی شخص اپنے بچوں کے حق میں اس شرط سے وقف کرے کہ وقف اس کے مرنے کے بعد نافذ ہوگا تو الفاظ اس کے مرنے کے بعد صحیح ترین سند کے مطابق اس کے حق میں بطور میراث ہیں اور وہ دانا ہیں۔

اگر وقف زید یا اس کے بچوں کے حق میں کیا جائے اور ان کے بعد غربا کے حق میں اور زید یہ کہے کہ وقف عمرو اور غربا کے حق میں تھا مگر اس کا یہ کہنا بچوں اور غربا کے مفاد پر اثر انداز نہ ہوگا۔ بلکہ کرایہ اور منافع زید اور ان بچوں میں جو موجود ہوں مساویانہ تقسیم کر دیا جائے گا اور زید کا حصہ عمرو کو ملے گا۔

اگر عمر زید سے پہلے مر جائے اس کا حصہ زید کی زندگی میں غربا کو دیا جائے گا اور اگر زید عمرو سے پہلے مر جائے تو اس کے مفاد میں اس کا حصہ ختم ہو جائے گا۔

اگر وقف زید اور غربا کے لئے ہو اور زید بجائے اپنے اس کو عمرو کے حق میں کر دے تو ایسی صورت میں کرائے اور منافع ہر دو میں مساوی تقسیم ہوں گے اور اگر زید کا انتقال ہو جائے تو اسی کا حصہ غربا کو ملے گا۔

اگر عمرو زید کی حیات میں انتقال کر جائے تو زید کا حصہ غربا کو تقسیم ہوگا اس لئے کہ جب زید خود کو نصف حصہ کا اور نصف حصہ عمرو کو دے چکا تو عمرو کا نصف حصہ غربا پائیں گے۔ جب کوئی وقف A کے حق میں یا اس کی آل کے حق میں کیا جائے تو ایک ہی نسل کے معدوم ہونے پر وقف غربا کے لئے ہوگا جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے خواہ ان کا حوالہ صریحاً ہو یا نہ ہو۔ اگر وقف کا منافع لینے سے انکار کر دے تو آمدنی اس کی آل اولاد اور ان بچوں کو دیدی جائے گی جو موجود ہوں اور اگر بچے نہ ہوں تو وہ آمدنی حاجت مندوں کی مدد پر صرف ہوگی۔ اگر A کے اس کے بعد کوئی بچے پیدا ہوں تو بچے فائدہ میں شریک ہوں گے۔

اگر A اور اس کے بچے جو موجود ہوں مگر وقف کے تحت منافع لینے سے انکار کر دیں تو یہ غربا پر تقسیم ہوگا مگر اس انکار کی آنے والی نسلیں پابند نہ ہوں گی۔

اگر کوئی وقف A کے حق میں ہے اور اس کے بعد B کے حق میں اور وہ دونوں

بی انکار کر دیں تو وہ غربا کو ملے گا۔

اصول

عام اصول کے مطابق یہ مختصر اہتانا ضروری ہے کہ قانون کی ضروری توجیح کے مطابق انجام کار غربا ہی وقف سے استفادہ کرنے والے ہوتے ہیں خواہ یہ وقف افراد یا افراد کے طبقات کے حق میں کیا جائے وقف کی اصل غرض یا اغراض کے معدوم ہونے پر وقف منسوخ نہیں ہوتا بلکہ انجام کار غربا پر ہی اسکا اطلاق زودتر ہوتا ہے۔

مدراس ہائی کورٹ کی ایک نظیر کہ اولاد کے حق میں وقف ایک بے معنی سی بات ہے اس لئے موثر نہیں ہے کہ پریوی کونسل نے طے کیا ہے کہ ایک وقف جو کہ جزوا اغراض خیر کے لیے اور جزوا واقف کے ورثا کے لیے ہو کالعدم نہ ہوگا اس لئے کہ موخر الذکر وقف کا منشا قانون نہیں ہے بلکہ وقف جائز ہوگا اور تمام آمدنی جائز اغراض پر صرف ہوگی۔

لفظ فقیر کے معنی

میں نے لفظ ”درویش“ کے معنی مختلف اسناد کے حوالے سے پہلے ہی واضح کر دئے ہیں۔ فتاویٰ میں جو تعریف ہے وہ کسی سند سے ماخوذ نہیں ہے بلکہ بالمقابل معنی سے اخذ کی گئی ہے نتیجہ یہ ہے کہ جیسا کہ نفع الوسائل میں بتایا گیا ہے کہ ہر وہ شخص سماج کے ضروریات کے مقابل جن میں وہ رہتا ہے غربت اور حاجت کے حالات سے گزرتا ہے یا اس کے پاس اپنی اور اپنے بچوں کے لیے چند ایام کے گزارہ کے لیے روپیہ نہیں ہوتا وہ غریب ہے قاضی خان نے بڑی وضاحت سے لکھا ہے کہ جو شخص زکوٰۃ کا مستحق ہے وہی غربا کے حق میں وقف کے پہلے مفاد کا مستحق ہے ایسا وقف جو اولاد واقف کی ضرورتوں میں امداد کیا گیا ہو ان کی ناداری کی صورت میں جائز ہے۔

(۳) ایسا وقف جو عام طور پر غریبوں اور ناداروں کے لیے ہو یا واقف کے ضرورت مند اقربا یا اولاد کے لیے ہو وہ ان کو خوراک کپڑے اور گھر مہیا کرنے کے کام میں آسکے گا۔

اور وقف نامہ میں وقف کے انراٹس کی تکمیل کے لیے کوئی شرط ہو تو قاضی یا جج کو اس کے متعلق اسکیم تیار کرنے کا پورا اختیار ہے۔

(۱۲) جب کوئی وقف غیر معین تعداد کے لوگوں کے لیے کیا جائے جیسے کہ نام شور پر غربا کے لیے ہوتا ہے تو ایسی صورت میں بقول امام محمد دس آدمیوں کو کھانا کھلانا اور ان کی پرورش کرنا چاہئے ابو یوسف کے نزدیک سو آدمیوں کی تعداد ہے اور دیگر اقوال کے مطابق چالیس یا اتس ہونا چاہئے دوسروں کے قول کے مطابق لیکن فتویٰ یہ ہے کہ تعین تعداد قاضی جج کی صواب دید پر ہے۔

فصل چہارم:- مرض الموت میں کیا ہوا وقف

مریض کا کیا ہوا وقف

جب کوئی مرض الموت میں مبتلا مریض اپنی جائیداد اپنے ورثا کے لیے جب تک کہ اس کی نسل رہے وقف کرتا ہے تو تمام فقہاء کے نزدیک وصی کے انتقال پر یہ وقف ورثا کے حق میں جائز ہوگا مگر ابو حنیفہ ابو یوسف اور زفر کے مطابق غیر ورثا کے یعنی پوتوں کے حق میں جائیداد کے بقدر ۳ حصہ جائز ہوگا اس لئے کہ مریض کا کیا ہوا وقف مثل ایک وصیت کے ہے اور جائیداد کا بقدر ۳ حصہ غیر ورثا کے حق میں جائز ہے۔

جب مرض میں مبتلا کوئی شخص اپنی زمین اپنے بچے اور بچہ کے بچہ کے حق میں وقف کرتا ہے اور اس جائیداد کے علاوہ کوئی اور جائیداد نہیں چھوڑتا تو ایسی صورت میں ایک ثلث آراضی اس کے بچہ کے بچہ کے حق میں وقف ہوگی خواہ دوسرے ورثا اس پر رضامند ہوں یا نہ ہوں بقیہ ۲ حصہ جائیداد دوسرے ورثا پر تقسیم ہوگی لیکن اگر وہ ورثا اس وقف پر بھی رضامند ہو جائیں تو ۳ حصہ بھی بچہ کے بچہ میں مساویانہ تقسیم ہوگی۔

مرض الموت میں ورثا کے حق میں وقف

مثلاً مرض الموت میں مبتلا ایک عورت اپنی دو لڑکیوں کے حق میں وقف کرتی ہے اور ان کے انتقال کے بعد اپنی لڑکیوں کے حق میں اور ان کے بعد لڑکیوں کی لڑکیوں

کی حق میں اور سلسلہ منقطع ہونے کے بعد اغراض مسجد کے لیے وقف کرتی ہے اور یہ عورت اپنے پس ماندگان میں دو لڑکیوں اور ایک بہن کو چھوڑ کر انتقال کرتی ہے اور ورثا اس وقف پر رضامند نہیں ہیں تو ایسی صورت میں اس جائیداد کے ۳/۴ کی حد تک ہی وقف جائز ہوگا اور بقیہ ۱/۴ اور ۱/۴ حصص شرعی کے تناسب کے مطابق تقسیم کر دیا جائے گا اور وہ ۳/۴ حصہ جو کہ وقف کیا گیا ہے اس کی آمدنی بھی ورثا میں ان کے حصص کے تناسب سے جب تک کہ ان دونوں لڑکیوں کا انتقال نہ ہو تقسیم کر دی جائے گی اور پھر اس کی آمدنی ان کے بچوں کو ملے گی۔

اس طرح اگر واقف نے یہ کہا ہوتا کہ میں اس زمین کی پیداوار کو پچاس سال کے بعد میرے بچوں کے حق میں وقف کرتا ہوں تو یہ جائز ہوتا۔ وجہ یہ کہ اگرچہ کسی کی وارث کے حق میں وصیت بطور وقف جائز نہیں ہے مگر اپنے بچوں کے حق میں جائز ہے۔ پس اس لئے جب کہ دوسرے ورثا رضامند نہ ہوں تب بھی ۳/۴ حصہ کے لیے وقف جائز ہوتا ہے اگر ورثا کو نہ بھی دیا جائے تو وہ علیحدہ رکھ دیا جائے گا اور اس کی آمدنی تمام ورثا میں تقسیم کر دی جائے گی ان میں قریب تر استفادہ کرنے والے بھی شامل ہوں گے اور اس کی موت پر ۳/۴ حصہ کی آمدنی اس کے بچوں پر تقسیم کر دی جائے گی۔

مرض الموت میں وقف

اوپر بتایا جا چکا ہے کہ کسی شخص کا مرض الموت میں وقف کرنا جائیداد کے ۳/۴ کی حد تک جائز ہے تا وقتیکہ اس کے ورثا رضی نہ ہوں اگر وقف ۳/۴ حصہ سے تجاوز کر جائے اور اس کے ورثا اس پر آمادہ نہ ہوں تو اس حصہ کا وقف باطل ہے اگر بعض ورثا آمادہ ہو جائیں تو ۳/۴ حصہ سے زیادہ ان کی رضامندی کی حد تک جائز ہے اس طرح اگر کوئی شخص راہ خدا میں اپنی زمین کو وقف کر دے جو دائماً اس کے بچے اور نسل کے لیے ہو جب تک اس میں سے کوئی بھی زندہ رہے اور ان کے بعد حاجت مندوں کے لیے ہو ایسی صورت میں یہ آراضی اس ۳/۴ حصہ جائیداد میں آتی ہے تو اس کی آمدنی تمام ورثا میں ان کے حصص کے مطابق تقسیم ہوگی۔ اگر واقف کے پس ماندگان میں بیوی اور بچہ ہیں تو آنھواں حصہ اس کے بیوی کو دیا جائے گا۔ اگر وہ ماں باپ اور بچہ چھوڑتا ہے تو چھٹا

حصہ اس کے ماں باپ کو دیا جائے گا بقیہ ہر صورت میں اس کے بچوں میں بہ تناسب ۲ حصہ مرد کے اور ایک حصہ عورت کے حساب سے تقسیم ہوگا یہ وہ صورت ہے جب کہ واقف اپنے بچے چھوڑے۔ اگر کوئی بچوں کے بچے بھی چھوڑے لیکن جب دو بچے اور بچوں کے بچے چھوڑ جاتا ہے اور دوسرے حالات یکساں ہوں تو وہ آمدنی بچوں اور پوتوں میں بانٹا ہے تقسیم ہوگی اور اس تقسیم میں وراثت کے اصول کے مطابق بچوں کے حصے دئے جائیں گے اور پوتوں کے حصے مساویانہ طور پر ان میں تقسیم ہوں گے جب سب سے بڑے والے بچے نہ رہیں تو آمدنی پوتوں میں اور ان کے بعد ان کی نسل میں تقسیم ہوگی اور بیوہ اور والدین کو کچھ بھی نہیں ملے گا اگر آراضی متازعہ واقف کی جائیداد کے حصہ سے زائد نہ ہو مگر اس کے وقف پر تمام ورثا راضی ہو گئے ہوں تو کل جائیداد کا وقف جائز ہے اور اس کی آمدنی تمام بچوں میں بلا لحاظ صنف مساویانہ تقسیم ہوگی مگر اس میں بیوی اور والدین کچھ نہ پاسکیں گے۔

لیکن اگر ورثا وقف پر راضی نہ ہوں تو یہ واقف کی جائیداد کے محض ۳ حصہ پر نافذ ہوگا اور اسکی آمدنی تمام ورثا میں اصول وراثت کے مطابق تقسیم ہوگی اور واقف کی آل کے ختم ہونے پر اس حصہ کی آمدنی غربا پر تقسیم ہوگی۔

مرض الموت میں ترکہ کا وقف

اگر مرض الموت میں وقف کیا جائے اور اس میں میراث بھی شامل ہو تو کے ۳ حصہ تک وقف نافذ ہوگا۔

اگر کوئی یہ کہے کہ میری اس زمین کی آمدنی میرے انتقال کے بعد عبد اللہ اور اس کے بچوں کے دی جائے تو یہ آمدنی کا ترکہ ہوا اور اسی طرح اگر کوئی یہ کہے کہ میری موت کے بعد اس کو عبد اللہ کے بچوں کے لیے روک دیا جائے تو یہ آمدنی کا ہی ترکہ ہے۔

اولاد کے حق میں مرض الموت میں وقف

البتہ جب کوئی وقف مرض الموت میں اپنے بچے اور بچے کے بچوں کے حق میں اور نسل کے لیے کیا جائے تو اپنے بچے کے حق میں وقف جائز نہیں ہے اس لئے کہ وہ ورثا میں سے ہیں لیکن بچوں کے بچوں کے لیے جائز ہے جب تک واقف کا کوئی بچہ زندہ

ہے تو آمدنی بالراست اس کے بچوں کے بچوں کو تقسیم کی جائے گی اور وہ حصے جو بچوں کو ملیں گے وہ واقف کے ورثا کو دئے جائیں گے تاکہ بچوں کے علاوہ اگر واقف کا کوئی وارث ہے تو وہ بھی بچوں کے حصے میں بالراست شریک ہو جائے مثلاً اگر واقف چار بڑے ۲ پوتے ایک بیوی چھوڑتا ہے اور وقف کی آمدنی چھ سو درہم ہے تو وہ ان کی تعداد کی مناسبت سے تقسیم کی جائے گی اگر بچوں کا حصہ چار سو درہم ہے تو یہ روپیہ واقف کے ورثا میں جن میں بیوائیں بھی شامل ہیں تقسیم ہوگا یہ بھی یاد رکھنا ضروری ہے کہ پوتا پوتی ورثا میں شامل نہیں ہیں اگر واقف کے کچھ بچے مر جائیں تو آمدنی پس ماندہ بچوں اور ان کے بچوں کے بچوں پر بالراست تقسیم ہوگی اور پس ماندہ بچوں کے حصص واقف کے تمام ورثا پر جو اس کی موت کے وقت زندہ ہوں تقسیم کردئے جائیں گے۔

پس اگر کوئی شخص اس طرح وقف کرے کہ اس کی موت کے بعد اس کے بچوں اور بچوں کے بچوں اور اس کی نسل پر وقف نافذ ہو تو بچوں کے حق میں وقف جائز ہوگا اس لئے کہ وہ ورثا میں آتے ہیں لیکن دوسروں کے حق میں جائز نہ ہوگا اور تقسیم اس طرح ہوگی جیسا کہ مرض الموت میں وقف کے بارہ میں ہوتی ہے۔

ان حالات میں بچوں کے حق میں وقف اسلئے نافذ نہیں ہوتا کہ وہ مرض الموت میں ہوا ہے یا وصیت نامہ کی صورت میں اگر وقف بحالت صحت جیسا کہ ابھی بتایا گیا کہ مابین زندہ اشخاص کے ہوا ہے تو یہ بچوں کے حق میں بھی نافذ ہوگا۔

باب ۱۲۔ عمومی اور مشکل عمومی اوقاف

فصل اول:- عام اصول

پبلک اور مماثل پبلک اوقاف جو باعتبار استفادہ انجیا اور فقرا کے لیے یکساں ہیں

- (۱) مساجد و خانقاہ
- (۲) امام باڑے
- (۳) روضہ اور درگاہیں
- (۴) خانقاہیں
- (۵) کاروان سرائے و مسافر خانے
- (۶) مدرسے و مکاتب
- (۷) ہسپتال و شفا خانے
- (۸) پانی کی بند ٹنکیاں۔ حوض۔ محرابی ٹالے۔ سڑکیں و پل
- (۹) رباط، قیام گاہیں اور آرام گھر
- (۱۰) قبرستان

اوقاف بالا میں امیر و غریب انجیا اور فقرا مساویانہ استفادہ کے مستحق ہیں یہ ادارے اور مقامات غریبوں کے لیے مختص ہونے کی حالت میں وہی اس سے استفادہ کر سکیں گے۔ مثلاً

کوئی اسکول غربا کے بچوں کی تعلیم کے لیے وقف کر دیا جائے یا کوئی شفا خانہ یا ایسا کوئی ادارہ غربا کے علاج اور آرام کے لیے وقف کر دیا جائے۔
 لنگر خانے کی صورت میں اسی نوع کے دیگر ادارے غریبوں کے لیے ہوتے ہیں اور انجیا اس سے استفادہ کر سکتے ہیں تاہم واقف شرط بھی رکھ سکتا ہے۔
 مساجد اتنی عام ہیں کہ اس کے لیے علیحدہ تفصیل کی ضرورت نہیں لفظ مسجد

سجدہ سے ماخوذ ہے اور اس کا منشا عبادت کی جگہ ایسی جگہ جہاں خداوند تعالیٰ کی عبادت کی جاتی ہو۔ ہرک نے اپنی کتاب قانون اسلام میں ایک عام مسجد کا بہت ہی واضح ذکر کیا ہے۔ مصلیٰ عبادت کی جگہ ہے یہ لفظ صلوٰۃ یا عبادت سے اخذ کیا گیا ہے ہندوستان میں عام طور پر عید گاہ یا نماز گاہ سے موسوم ہے اور اس میں وہ قطعہ آراضی شامل ہیں جو عیدین اور روزانہ کی نماز کے لیے مخصوص ہیں۔

لفظ امام باڑے کے لغوی معنی ہیں امام کا گھر یہ ایسی عمارت ہوتی ہے جو حضرت امام حسین کی یاد میں وقف کی جاتی ہے اور عام طور پر یہ ایک شیعہ ادارہ ہے حالانکہ سنی مسلمان بھی امام باڑے بناتے ہیں اور اسے قائم رکھتے ہیں اور ایران میں ایک امام باڑہ کو عام طور پر امام زادے یا مشہد کہتے ہیں۔

ہندوستان میں اہل اللہ یا مقدس شخصیتوں کے مقبرے نام طور پر درگاہوں سے موسوم ہوتے ہیں۔ ایران اور مغربی ایشیا میں وہ روضہ کہلاتے ہیں جیسے کہ خلیفہ حضرت علیؑ کا روضہ یا بمقام مشہد حضرت امام علیؑ قدسی کا روضہ وغیرہ وغیرہ۔

خانقاہ

ایک خانقاہ جو کبھی ”خانگاہ“ سے بھی موسوم ہوتی ہے رچرڈسن نے اسکی تعریف اس طرح کی ہے۔ ایسی تعمیر یا مذہبی عمارت جو کہ مشرق کے صوفیہ یا درویشوں کیلئے کی جائے اور بینسکی نے بھی اس کی تعریف اسی طرح کی ہے۔

برہان قاطع اور مجالس العارفین میں خانقاہ کی تعریف اس طرح کی گئی ہے کہ جہاں درویش یا دوسرے طالبان حق تعلیم دین اور ذکر الہی کے لیے جمع ہوں یہ عام طور پر عبادت گزاروں مسافروں اور فقرا کی رہائش کا ادارہ ہوتی ہے۔ مغربی ایشیا میں یہ رباط سے موسوم ہے اور عام طور پر زائرین اور درویشوں کے قیام کے لیے ہوتی ہیں۔

ہندوستان میں خانقاہیں بتدریج اس طرح وجود میں آئی ہیں کہ ایک درویش یا ایسا شخص جس کی پاکبازانہ (مقدس) زندگی پڑوسیوں میں احترام اور تقدس کا سبب ہو یا کوئی صوفی تقدس کے ساتھ کسی بستی میں بس گیا ہو اس وقت تک اس کی رہائش گاہ تکیہ کہلاتی ہے جب تک اسے کافی اہمیت حاصل نہ ہو جائے مگر اس کے تقدس کی کافی شہرت

ہونے پر دو آہستان کہلاتی ہے اور وہ اپنی پاکبازانہ زندگی اور مذہبی خدمات کی بنا پر مرجع
عوام ہوتا ہے، عقیدت مند اس کے گرد جمع ہوتے ہیں اور ان کی رہائش کے لیے عمارت
وجود میں آتی ہے اور معمولی تکیہ خانقاہ اور بزرگ کے انتقال کے بعد ان کا مدفن ہوتا ہے
وہ مقبرہ کے نام سے موسوم ہوتے ہیں یہ نہ صرف ایک زیارت گاہ ہوتی ہے بلکہ دور
و دراز کے لوگوں میں جو ہندو اور مسلمان ہیں وہ درگاویا آستانہ یاروضہ کے نام سے موسوم
ہوتی ہے اور ایسی ہی خانقاہیں شاہ کبیر درویش کی ہیں جن کا ذکر بعد میں آئے گا۔
بادشاہوں اور دوسرے نیک فرماؤں نے ان مقدس ہستیوں اور ان کی اولاد کے گزارہ
کے لیے دائمی عطیات مختص کئے ہیں تاکہ امور خیر کی ادائیگی ہوتی رہے۔

ہندوستان میں بہت سی درگاہیں ہیں اور جنوبی ہند میں جو سب سے زیادہ مشہور
ہیں۔ برہمنوں نے ان کا ذکر کیا ہے ان کے علاوہ دیگر بہت اہم درگاہیں اجمیر شریف
اور آگرہ کے قریب فتح پور سیکری میں ہیں ایک مشہور درگاہ نواح کلکتہ میں مولائی کی
درگاہ کہلاتی ہے جہاں ہر قسم کی منت کے لیے نذرانے پیش کئے جاتے ہیں۔ مشہور شاعر شیخ
علی حزیں کی قبر کو بھی نہ صرف مسلمان بلکہ ہندو بھی مقبرہ سمجھتے ہیں۔

غازی یاسپاہیوں کی آرام گاہوں کو جو کہ غزوہ یا جہاد میں مسروف رہے ہوں وہ
بھی ربط کہلاتے ہیں۔

فصل دوم:- مساجد اور مصلیٰ

مصلیٰ

ایک واقف کا ایسی عمارت یا زمین سے حق ملکیت ساقط ہو جاتا ہے بشرطیکہ وہ
اسے عبادت کے لیے مسجد یا مصلیٰ قرار دے یا اس میں عبادت کی جائے۔ ہر وہ زمین جو
عبادت کے لیے مختص کی جائے مصلیٰ ہوتی ہے اور مسجد سے متعلق قواعد اس پر لاگو ہوتے
ہیں۔ مصلیٰ وہ جگہ ہے جہاں نماز جنازہ یا عیدین کی نماز ادا ہوتی ہے اور اسی غرض سے وہاں
لوگ جمع ہوتے ہیں اور عبادت کرتے ہیں اس پر مسجد کے قواعد لاگو ہوتے ہیں۔ ایک
قطعہ آراضی ادا مصلیٰ نماز کی غرض سے مختص کیا جاسکتا ہے یہ وقف ہوتا ہے اور اس پر
مسجد کے ہی قواعد لاگو ہوتے ہیں۔

مسجد کا وقف

مذہب کے مطابق اس پر ادائیگی نماز وقف کے مساوی ہے مگر ذخیرہ میں ہے کہ ایسی نماز صلوٰۃ بالجماعت ہونا چاہئے کہ یہ تفویض قبضے کے مساوی ہے اگر ایک شخص مسجد کے لیے وقف کی غرض سے کوئی عمارت تعمیر کرے اور لوگوں کو نماز کی اجازت دیدے تو بلا اس اعلان کے کہ یہ مسجد وقف کی گئی ہے اگر اس میں نماز بالجماعت ہوتی ہے تو یہ ناقابل تمسیح وقف ہے۔ اگر کوئی مسجد نئی تعمیر یا رہائشی مکان میں (مسجد) بنا کر اس میں عبادت کی اجازت دی جائے اور نمازیوں کی آمد و رفت کے لیے علیحدہ راستہ معین کر دیا جائے تو بالاتفاق رائے یہ بھی ایک مسجد ہے اگر کسی راستے کی نشاندہی نہ ہو تو بقول امام ابو حنیفہ وقف جائز نہیں ہے۔ مگر ابو یوسف اور محمد کے مطابق یہ کافی ہے کہ راستہ کا مفہوم بھی نماز کی اجازت میں شامل ہے اور یہی صحیح ہے۔

اگر ایک شخص مکان یا مسجد بناتا ہے تو یہ عام مسجد نہیں ہے اور نہ اس پر عام مذہبی ادارے کے اصول منطبق ہوں گے تا وقتیکہ بیرونی اشخاص کو اس میں داخل ہونے اور نماز پڑھنے کی اجازت نہ دی جائے۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ یہ اجازت صریح الفاظ میں ہو۔ لیکن کوئی مسجد جو رہائشی مکان میں تعمیر ہو اور بلا اصلاد تعبیراً اجازت عام مسجد نہ ہوگی جس کو عام مسلمان بطور مسجد استعمال کرنے کے مستحق ہوں۔ عوام کو بھی کسی خانگی مسجد کو وقف بنانے یا ورثا وقف کو ان کے حقوق سے محروم کرنے کا حق ہے۔ اگر ایک بار مسجد میں نماز ادا کر لی جائے تو ضروری نہیں کہ صریحاً وقف بنایا جائے محض ادائیگی نماز کا واقعہ ہی اس کے جائز وقف ہونے کے لیے کافی ہے۔

ابو یوسف کے مطابق واقف کا یہ قول کہ اس نے یہ زمین یا حدود زمین وقف کر دئے ہیں کافی ہے مثلاً۔

اگر وہ یہ کہے کہ ایک خاص عمارت مسجد میں تبدیل کر دی گئی ہے (خواہ اس میں نماز نہ پڑھی گئی ہو) تو یہ ایک جائز وقف ہے یہ مسلمہ مسئلہ ہے اس کا درالمختار کے مصنف کا قول درالمختار۔ وقایہ۔ اور دوسری مستند کتابوں میں حوالہ ہے اور ہم بھی اس کے مطابق فیصلے کرتے ہیں۔

اگر عمارت کی شکل مسجد سے مشابہ نہ ہو یا اس امر کی کوئی شہادت نہ ہو کہ وقف نے اس عمارت کو مسجد قرار دیا تھا اور شہادت وقف مسجد ادا یعنی عبادت پر منحصر ہے تو بعض فقہانے ایسی عبادت کے لیے اذان اور اقامت کی شرط مقرر کی ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ وقف کی صورت میں قبضہ دہانی لازمی ہے اگرچہ ابو یوسف کی رائے مختلف ہے۔ نوعیت قبضہ بہر صورت شے کی نوعیت پر منحصر ہے مثلاً قبرستان پر قبضہ ایک شخص کے دفن ہونے پر پانی کے حوض پر اس میں سے ایک کے پانی لینے پر۔ مسافر خانے کا ایک شخص کے وہاں قیام کرنے پر اس طرح مسجد کی غرض بھی یہ ہے کہ لوگ نماز باجماعت ادا کریں اس لئے ضرورت ہے کہ جب سرینا عمارت وقف نہ کی گئی ہو تو ادائیگی نماز کی شہادت درکار ہوگی۔ نماز اذان و اقامت کے ساتھ ہونا چاہئے۔

مسجد میں ایک مرتبہ نماز سے دو وقف جائز ہو جاتی ہے

نیلین اگر ایک شخص خود موزن اور امام دونوں ہی فرائض انجام دے تو تنہا اس کی نماز مسجد کو وقف قرار دینے کے لیے کافی ہے۔

اگر کسی مسجد میں صرف ایک بار نماز پڑھی گئی ہے تو وقف ہونے کے لیے کافی ہے نیلین اگر صرف وقف ہی اس میں عبادت کرے تو یہ کافی نہیں ہے تا وقتیکہ وقف کا احاطہ نہ کرے۔

مسئلہ اصول

فتاویٰ قاضی خان میں یہ ہے مسجد پر قبضہ دہانی اسی وقت مکمل ہو جاتی ہے جب کوئی شخص اذان اور اقامت سے نماز پڑھے۔ کسی مسجد میں ایک شخص کے نماز پڑھنے سے وہ عبادت خداوندی کے لیے عام مسجد ہو جاتی ہے اس لئے کہ مسجد خانہ خداوندی ہے اور اس میں ہر عام مسلمان کو عبادت کا حق ہے اور یہ حق قائم رکھنے کے لیے خالق اور خالق کائنات کی جانب سے ہر شخص مختار ہے۔ ابو یوسف کے مطابق کسی وقف کے جواز کے لیے خواہ مسجد ہو یا کوئی اور وقف تفویض ضروری نہیں ہے۔ پس اگر کوئی شخص مسجد بناتا ہے اور لوگوں کو عبادت کی اجازت دیتا ہے تو یہ مکمل وقف ہے۔

تفویض بلا نماز کے بھی کافی ہے۔ قبرستان وغیرہ کا وقف

اگر کوئی مسجد کسی متولی کو تفویض کی جائے اور اس میں نماز نہ ہو تب بھی یہ وقف جائز ہے اگر ایک شخص عام حوض یا چشمہ یا قبرستان تعمیر کرے تو ابو یوسف کے مطابق لغوی معنی کے ہم پیرو ہیں یہ وقف منسوخ نہیں ہو سکتا۔ قبرستان میں محض ایک آدمی کا دفن ہونا وقف ہونے کے لیے کافی ہے اسی طرح ایک مسافر خانے میں قیام وقف کو ناقابل تنسیخ کر دیتا ہے۔

ان اصولوں کا عام اثر یا نتیجہ

مندرجہ بالا اصولوں سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے اگر کسی وقف کو اس کی خاص جہت اور نوعیت کے مطابق ایک بار نافذ کر دیا جائے تو وقف مکمل اور ناقابل تنسیخ ہوتا ہے مثلاً مسجد کی خاص غایت یہ ہے کہ لوگ اس میں نماز پڑھیں، قبرستان کی غایت یہ ہے کہ لوگ اس میں دفن ہوں، پانی کے بند کی یہ ہے کہ لوگ اس پانی کو استعمال کریں وغیرہ وغیرہ۔ ابو یوسف کے مسلمہ اصول کے مطابق اگر وقف صریح کی کوئی لسانی شہادت نہ ہو اور یہ معلوم ہو کہ علاوہ وقف کے ایک فرد واحد نے بھی اس مقام پر نماز پڑھی ہے یا قبرستان میں ایک ہی شخص دفن ہو یا ایک شخص نے پانی پیا تو اس مختص مقصد کے لیے وقف مکمل سمجھا جائے گا اس طرح وقف کے مقصد کی تکمیل اس وقف کی مخصوص غرض کے استعمال سے فیصلہ کن سمجھا جائے گا مثلاً۔

مسجد کی خاص غرض یہ ہے کہ لوگ وہاں نماز پڑھیں اور قبرستان میں دفن ہوں اور پانی کے حوض سے پانی کام میں لیں وغیرہ وغیرہ۔ پس غرض مختص کے لیے وقف مکمل سمجھنا چاہئے وقف کی غرض کے مطابق اس کا استعمال مسلمہ طور پر قطعاً وقف ہے۔

اگر کسی کے پاس کوئی قطعہ آراضی ہو اور وہ عوام کو بلا پابندی پارکاوٹ نماز کی اجازت دے تو اس کے مرنے پر وہ قطعہ آراضی ورثہ میں شامل نہ ہوگا۔ لیکن اگر وہ اجازت کسی خاص موقع یا خاص وقت تک محدود ہو تو قطعہ آراضی اس کی موروثی جائیداد ہوگی اس لئے کہ یہ موقع اور وقت کی پابندی سے وقف قطعی کے قیاس کی تردید ہوتی ہے۔

مذکورہ بالا اصولوں کا عام اثر یا نتیجہ

ایسی جگہ جہاں نماز عید یا نماز جنازہ نام طور پر پڑھی جاتی ہو تو قاضی خان اور مسنف آسام کے نزدیک اس پر بھی مسجد کے قانون لاگو ہوں گے۔

اگر کوئی کہے اس کمرہ کو میں نے اس لئے بہہ کر دیا ہے کہ اس کی آمدنی سے فلاں مسجد کے چراغوں کے لیے تیل مہیا ہوتا ہے اور مزید کچھ نہ کہے تو فقہ ابو جعفر کے مطابق وہ کمرہ بشرطیکہ متولی کے سپرد کر دیا جائے مسجد کے لیے وقف ہو جائے گا فتویٰ بھی اسی کے مطابق ہے۔

اگر کوئی قطعہ آراضی مسجد کے لیے وقف کر کے متولی مسجد کے سپرد کر دے تو یہ جائز ہے اور منسوخ نہ ہوگا۔

اگر کوئی شخص مسجد کی تعمیر کے معاملات یا مسجد کی خدمت کے لیے روپیہ دے تو یہ بعد اونیگی متولی جائز ہوگا۔

اگر کوئی شخص اپنا مکان مسلمانوں کے مفاد کی خاطر مسجد کے لیے وقف کرے تو یہ جائز ہے اور فتویٰ بھی اس کے مطابق ہے۔

مساجد وغیرہ کی مرمت کے لیے وقف

مساجد اور قبروں کی مرمت کے لیے وقف جائز ہے کہ اس سے دواہی مفہوم ظاہر ہوتا ہے۔ ایک فرماں روئے وقت ایسا قطعہ آراضی جو اسے صلح یا گفت و شنید سے حاصل ہوا ہو بلا اجازت اصل مالکان مسجد کے لیے نہیں دے سکتا۔ مگر وہ کسی بھی قطعہ آراضی کو جو جنگ میں حاصل ہوا ہو وقف کر سکتا ہے بشرطیکہ اس سے کسی فرد کے راستہ کی آمد رفت کے حق میں مداخلت نہ ہو۔ اگر کوئی شخص بعد تعمیر مسجد کسی کو مقرر نہیں کرتا تو تولیت اور انتظام اسی کی تفویض میں رہتا ہے اور یہی ہلال اور تینہی کے مطابق مسلمہ اصول ہے۔

اہل محلہ کے حقوق

اہل محلہ یعنی اس علاقہ کے لوگ مسجد کی توسیع یا مگر تعمیر اپنے بہتر سامان سے اپنے صرفہ سے کر سکتے ہیں مگر تا وقتیکہ قاضی کی اجازت نہ ہو اس میں مسجد کی رقم صرف نہ

ہوگی۔ اگر اہل محلہ قاضی کی اجازت یا بلا اجازت مسجد کو ترقی دینا چاہیں تو اس پر ورثا واقف اعتراض کے مجاز نہیں ہیں تا وقتیکہ ایسی ترقی واقف کی خواہشات کے صریحاً خلاف نہ ہو۔

اگر خانگی رہائش گاہوں میں اہل خاندان کی عبادت یا مراسم محرم کی ادائیگی کے لیے کمرے مخصوص کر دئے جائیں تو ایسے کمرے مختص طور پر وقف نہیں ہوتے کہ ورثا اپنے حقوق سے محروم ہو جائیں۔ بہت سی صورتوں میں علیحدہ حصے مذہبی مراسم کی ادائیگی کے لیے مخصوص کئے جاتے ہیں جیسے کلکتہ میں کربلایا محمد کا امام باڑہ۔ اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ داخلہ کا دروازہ خانگی رہائش گاہ سے علیحدہ ہوتا ہے اور اس طرح مقررہ شرائط کی تکمیل ہو جاتی ہے جیسا کہ بقول ان کے جب مسجد واقف کی خانگی جائیداد یا رہائش گاہ سے ایسی ٹلی ہوئی ہو کہ جس میں امتیاز ضروری ہو تو حدود وقف کی تصریح کرنا چاہئے ان حالات میں ان حصوں کا جو کہ جائز طور پر وقف ہیں کوئی بدل ہی نہیں ہوتا بلکہ اصولاً قانون کسی کی خانگی رہائش گاہ کے حصے کو وقف کے لیے ناپسند قرار دیتا ہے خاص طور پر جبکہ دوسرا حصہ واقف کے قبضے میں ہو مثلاً کسی عمارت کی بالائی یا زیریں منزل کو بطور مسجد وقف کرنا جائز نہیں ہے تا وقتیکہ اس علاقے میں ہجوم آبادی کی بنا پر اس قسم کی مسجدوں کی تعمیر کا رواج نہ ہو گیا ہو۔

ابو یوسف اور ابو محمد اس صدی میں شہروں کی گھنی آبادی کی بنا پر ایسے وقف جائز بتاتے ہیں۔

کسی شخص کو اپنی خانگی رہائش کے حصہ کو خاندانی عبادت گاہ یا اپنی عبادت کے لیے عارضی طور پر مسجد میں منتقل کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔

اصول یہ ہے کہ جب تک بعض شرائط کی تکمیل نہ ہو ان حصوں پر قانون وقف لاگو نہیں ہوتا۔ وہ واقف کی خانگی جائیداد ہی رہیں گے بلکہ اس سلسلے میں ایک اہم شرط مزید قابل توجہ یہ ہے کہ حصہ وقف بقیہ تمام رہائش گاہ سے ماہ الامتیاز ہو اور ایسی صورت میں ہی وقف جائز ہے۔

اگر تمام عمارت مسجد یا مدرسے کے لیے وقف ہو اور عمارت کا ایک حصہ غایت مختص کے لیے وقف ہو اس سے اس ادارے کے کارکنوں کی رہائش یا آمدنی وقف کے لیے لوگوں کو کرایہ دیا جائے تو یہ وقف جائز ہے واقف کا کچھ حصہ عمارت بطور متولی

یہ رہائش اپنے کام میں لینے سے جواز وقف پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔

ہدایہ میں ہے کہ ابو یوسف اور ابو محمد نے ایک مکان کے مرکزی ہال کو مسجد کی غرض سے وقف قرار دینا جائز بتایا ہے مگر درالختار میں یہ اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ اس میں آمدورفت کا شعبہ درستہ ہونا چاہئے۔

غیر مذہبی عمارتوں کا مسجد سے ملحق ہونا مذہبی نوعیت پر اثر انداز نہیں ہوتا

بہت سی جگہ یہ نام رواج ہے کہ مسجدوں یا مقبروں کو اس طرح تعمیر کیا جاتا ہے کہ ان کی منزل زمیریں اور بیرونی حصے میں دکانیں تعمیر ہو سکیں تاکہ ان کا کرایہ اس کی اولاد کے کام آسکے۔ یہ غیر مذہبی عمارتیں جواز وقف یا ان کی مذہبی نوعیت پر کسی طرح اثر انداز نہیں ہوتیں۔

کارکنوں کا حق

جب کسی عمارت کا کوئی حصہ کارکنوں کی رہائش کے لیے مخصوص کر دیا جائے تو کارکنوں کو حق نہیں ہے کہ دوسروں کو کرائے پر دیں۔ وہ اس وقت تک اس میں رہائش رکھ سکتے ہیں جب تک کہ وہ مسجد کی ملازمت میں ہیں لیکن بلا اجازت متولی نہ وہ دوسروں کو کرایہ پر رکھ سکتے ہیں اور نہ کسی اور طرح استعمال کرنے کی اجازت دے سکتے ہیں اگر سلسلہ ملازمت موروثی ہے تو ان کے جانشینوں کو بھی اسی قدر وہی حق حاصل ہے اس سے زیادہ نہیں۔

بقول درالختار چونکہ مسجد یا مدرسے کے کارکن اپنے وظیفے دوسروں کو تفویض نہیں کر سکتے پس وہ اپنے کمرے بھی دوسروں کو نہیں دے سکتے۔

مسجد مسلمانوں کے تمام طبقات کے لیے کھلی ہوتی ہے

ایک مسجد کسی خاص طبقے کی نہیں ہوتی اس کے دروازے تمام مسلمانوں کے لیے کھلے ہوتے ہیں کہ وہ اس میں جائیں اور خداوند تعالیٰ کی عبادت کریں۔ فرض کرو اگر ایک حنفی مسجد تعمیر کرتا ہے تو اس میں شافعی۔ مالکی۔ حنبلی۔ احناف کے ساتھ مساویانہ نماز پڑھ سکتے ہیں نہ کسی شیعہ پر اس کے مذہبی رسوم کے مطابق امور عبادت سے اعتراض ہو سکتا ہے۔ ایک حنفی متولی کسی ایسے شخص کو نہیں روک سکتا جو خداوند تعالیٰ کی

عبادت کرے اور دوسروں کے مسجد میں داخلہ اور عبادت خداوندی کی ادائیگی میں مغل اور مانع ہو۔

بمقدمہ عطاء اللہ بنام عظیم اللہ۔ عدالت العالیہ الہ آباد نے اس رائے سے اتفاق کیا کہ مسجد عبادت خداوندی کے لیے تمام مسلمانوں کی ہوتی ہے اور قانوناً کسی مخصوص طبقے کے لیے مختص نہیں ہو سکتی۔

ایک سنی مسلمان جو چاروں مذاہب میں سے کسی ایک کا بھی پیرو ہو جائز طور پر کسی دوسرے امام مذہب کی اقتدا میں نماز ادا کر سکتا ہے۔

نماز میں کسی بھی امام کی قیادت جائز ہے

فداوی عالمگیری کے مطابق دوسرے اماموں کے پیرو کی امامت جو آزاد منشاں اور ملحد نہ ہو جائز ہے اور یہی اصول درالختار میں ہے۔

لیکن عالمگیری میں آیا ہے کہ کسی (متشبیہ کی) جو کہ خدا کو مثل ایک انسان کے یقین کرے) کی امامت میں نماز جائز نہیں ہے۔

مختصراً آزاد خیالی سے امامت کا نااہل نہیں ہوتا اور ایک آزاد خیال کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے اور یہی صحیح ہے اور یہی ہدایہ میں ہے کہ ایک سنی کا شیعہ کے پیچھے یا ایک شیعہ کا سنی کے پیچھے نماز پڑھنے میں کوئی امر مانع نہیں ہے۔ مگر جائز نہیں ہے بلکہ بعض شیعہ فقہاء نے تو سنی کے پیچھے نماز پڑھنا ناجائز بتایا ہے۔ یہ علیحدگی صرف شیعہ فقہاء تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ سنیوں کے مختلف مذاہب بھی شیعہ امام کے پیچھے نماز پڑھنے کے بارہ میں یہی رائے رکھتے ہیں۔ دونوں فرقوں میں برنبائے تعصب رکاوٹوں کے باوجود یہ اکثر دیکھنے میں آتا ہے کہ شیعہ سنی کی موقوفہ مسجد میں جاتے ہیں اور سنی اس مسجد میں جہاں شیعہ عام طور پر نماز پڑھتے ہیں اور اپنے اپنے مذہبی طریقے کے مطابق نماز ادا کرتے ہیں۔ سنی اور شیعہ ایک ہی وقت میں اپنی اپنی نماز میں مصروف ہو جاتے ہیں اس طرح کوئی چیز خلاف قانون نہیں ہے۔ نہ کسی مسجد کا متولی دوسرے کو مسجد سے باہر کر سکتا ہے تا آنکہ وہ شخص دوسروں کی نماز میں مداخلت اور رکاوٹ پیدا نہ کرے۔

احناف اور شیعوں کے مطابق نماز بالجماعت اس وقت تک مستحسن نہیں ہے

جب تک امام اہل نہ ہو اور پاکباز زندگی نہ بسر کرتا ہو مگر شافعی۔ مالکی۔ حنبلی کے مطابق مسلوٰۃ باجماعت پر امام کے طریقہ زندگی کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔

دو اذانیں یا دو نمازیں نہیں ہو سکتیں اور ادائیگی نماز کا طریقہ

اگرچہ ایک مذہب کے پیرو دوسری مسجد میں جاسکتے ہیں جب کہ دوسرے مذہب کے پیرو اپنی نماز میں مسرور ہوں اور نماز ادا کر سکتے ہیں لیکن نہ دو اذانیں ہو سکتی ہیں اور نہ ایک ہی وقت میں دو جماعتیں۔

سنی اپنی نماز میں سامنے کی طرف ہاتھ باندھتے ہیں لیکن شیعہ دونوں طرف اپنے ہاتھ چھوڑ دیتے ہیں ہر دو طریقے جہن پر روایات ہیں۔ ایک طبقے نے تسلیم کیں اور دوسرے نے نہیں کیا۔ شافعی، مالکی، اور حنبلی تکبیر کے وقت اور نماز کے کچھ حصوں میں اپنے ہاتھ اٹھاتے ہیں اور اس فعل کو ”رفع یدین“ کہا جاتا ہے اور سورہ فاتحہ کو جب امام ختم کرتا ہے وہ زور سے آمین کہتے ہیں جن کو حنفی صحیح نہیں مانتے یہ طریقہ آمین بالجہر کہا جاتا ہے۔

حنفی ان دونوں طریقوں کو خلاف قاعدہ سمجھتے ہیں وہ آمین آہستہ کہتے ہیں اور بوقت تکبیر اپنے ہاتھوں کو کانوں تک نہیں اٹھاتے۔

ہندوستان میں رسوم عبادت میں معمولی اختلاف سے کافی جھگڑے ہوئے ہیں ہندوستان میں سنیوں کا کثیر طبقہ ہے وہ کسی خاص امام کی تقلید کی ہم نوائی نہیں کرتے بلکہ چاروں کی پیروی کرتے ہیں ان لوگوں کا مذہب شافعی کی طرف میلان ہے جو خود کو عامل بالحدیث کہتے ہیں انہوں نے رفع یدین اور آمین بالجہر کو اختیار کیا ہے۔ ناواقف حنفی ان بدعتوں پر معترض ہوتے ہیں اور ان پر جھگڑتے ہیں۔ وہ عامل بالحدیث کی امامت میں نماز نہیں پڑھتے اور ایسی مسجدوں میں جہاں اہل سنت نماز پڑھتے ہیں اہل حدیث کو نہیں آنے دیتے اور عامل بالحدیث کے اصول کے مطابق طے ہونے میں بمقدمہ فضل کریم بنام حاجی مولانا بخش پر پوی کو نسل کے فاضل ججوں نے طے کیا ہے ایک امام جو عامل بالحدیث کے اصولوں پر عامل ہے وہ امامت کا نااہل نہیں ہوتا۔

عامل بالحدیث اپنے طرز عمل کی تائید میں صحیح بخاری و صحیح مسلم کا حوالہ دیتے

ہیں کالج۔ اسکول۔ شناخانے۔ دواخانے وغیرہ بھی اسی طرح پر سمجھے جاتے ہیں جیسے کہ مساجد یا دوسرے ادارے۔ قانون انگریزی کے نقطہ نظر سے وہ غیر مذہبی وقف سمجھے جائیں گے مگر مسلم قانون میں خالص مذہبی اداروں اور دوسرے اداروں میں کوئی امتیاز نہیں ہے یہ سب ایک ہی سطح پر رکھے جاتے ہیں۔

ایسی مسجد کا استعمال جو کہ ترک کردی گئی ہو

خلاصے کے باب وقف فصل سوم میں آیا ہے کہ صاحب مدیہ سے ایک اسی

طرح کے وقف کے بارہ میں سوال کیا گیا۔

س:- ایک مسجد جو اجڑ گئی اور اس کا ایک حصہ شکستہ ہو گیا اور اہل محلہ کو اس کی

ضرورت بھی نہ ہو اور اس کے متصل ایک اور مسجد ہو تو کیا اجڑی ہوئی مسجد کا بقیہ حصہ فروخت کر دیا جائے اور اس کا منافع دوسری مسجد کے کام میں لیا جائے۔

ج:- اس معاملہ میں قاضی سے دریافت کیا جائے۔

کفایہ میں آیا ہے جب کسی مسجد کا حوض ضائع ہو جائے اور لوگ اسے چھوڑ دیں

تو قاضی اس کے فروخت کی آمدنی دوسرے حوض یا مسجد میں استعمال کرنے کا مجاز ہے اور یہ بھی ہے کہ جب دو شکستہ مسجدیں ہوں اور کوئی نہیں جانتا کہ ان دونوں کے واقف کون تھے قاضی مجاز ہے کہ ایک کے سامان کو دوسری مسجد کی تعمیر مکرر کی غرض سے صرف کرے۔ اگر واقفان کے بارہ میں معلوم ہو تو ان کے ورثا ہوں تو انہیں خود ہی اجازت دینا چاہئے۔

کفایہ (فتاویٰ قاضی خان) میں ہے جب مسجد ترک ہو جائے اور اس بستی کے

لوگوں کو ضرورت نہ ہو تو اس مسئلہ کو قاضی کے سامنے پیش کیا جائے تاکہ وہ ملبہ کی فروخت اور اس کی آمدنی کو دوسری مسجد میں استعمال کی اجازت دے اگر عمارت وقف ضائع ہو جائے اور اس کی عمارت کی مرمت یا مکرر تعمیر کی اجازت نہ ہو تو بعض کے نزدیک واقف (اور اس کے انتقال کی صورت میں) اس کے ورثا سے واپس لے سکتے ہیں مگر

صدر الشہید نے اپنے فتوے میں کہا ہے کہ یہ رائے قابل اعتراض اور خلاف اصول ہے۔

بقول درالمختار جب مسجد خستہ ہو جائے اور اس کے تعمیر کرانے والے کا علم نہ

ہو تو اول محلہ مجاز ہیں کہ قاضی کی اجازت سے اس ملبہ کو فروخت کر کے آمدنی کو دوسری مسجد پر صرف کریں۔ مسجد میں ایک کنواں اگر وہ منہدم ہو تو تیار کیا جاسکتا ہے۔

ایک واقف حدود مسجد میں سے کسی حصے کو اپنی اغراض کے لیے کرایہ پر نہیں دے سکتا جب کسی عمارت میں مسجد نہ رہے تو واقف اسے کسی اور مقصد کے لیے استعمال نہیں کر سکتا ایک مسجد سے نہ کوئی منافع حاصل کرنا چاہئے نہ اسے کسی خانگی رہائش یا کرایہ پر لینا چاہئے۔

ابو حنیفہ اور ابو یوسف کے مطابق جب زمین ایک بار مسجد کے لیے وقف کر دی جائے وہ وقف ہی رہتی ہے خواہ ضائع ہو کر اسکی عمارت برباد ہی ہو جائے اور اسی کے مطابق فتویٰ ہے ابو یوسف نے مزید بتایا ہے کہ قاضی کی اجازت سے برباد یا ضائع شدہ حصہ فروخت کیا جاسکتا ہے اور اسکی آمدنی دوسری مسجد کے قیام یا تعمیر میں جو غیر مستعملہ مسجد کے قریب ہو کام میں لی جاسکتی ہے یہی اصول دوسرے مذہبوں یا خیراتی ادارہ پر منطبق ہوتا ہے اور یہ سب فتویٰ ابو یوسف مطابق ہے۔

شرع ملکہ کے مطابق جب کسی وقف کی غرض معدوم ہو جائے تو جائیداد وقف کی آمدنی ایسے دوسرے مقصد پر جو ابتدائی مقصد سے قریب تر ہو صرف کرنا جائز ہے مثلاً وقف اگر پانی کا تالاب ہو تو آمدنی کسی حوض یا نہر پر صرف ہو سکتی ہے اگر غایت مسجد ہو تو آمدنی دوسری مسجد روضوں یا عبادت گاہوں پر صرف ہو سکتی ہے۔

شمس العلماء الحکوانی کے مطابق جب کوئی حوض یا مسجد اس طرح ضائع ہو کہ خارج از استعمال ہو جائے تو قاضی اس کے ملبہ کو کسی دوسرے حوض مسجد میں استعمال میں اجازت دے سکتا ہے۔ اس عنصر کے مصنف امام الحکوانی کی نظریات قابل لحاظ ہیں ان کے مطابق قاضی مجاز ہے کہ ضائع شدہ مسجد کے ملبہ کو دوسری آباد مسجد میں استعمال کی اجازت دیدے۔

جب دو "وقف" ہوں جن کے واقف اور ان کی غرض ایک ہی ہو مگر چند حادثات کی بنا پر ایک کی آمدنی قلیل ہو جائے اور دوسرے کی آمدنی میں صرفہ کے بعد بھی بچت ہو جائے تو حج (قاضی) اس امر کا مجاز ہے کہ وہ اول الذکر کے ملازمین کی تنخواہیں دوسرے کی فاضل آمدنی میں سے ادا کرے لیکن اس صورت میں قاضی کو

اجازت نہیں ہے کہ جب اوقاف کی غایت ہی مختلف ہو مثلاً اگر ایک شخص کسی مسجد کے لیے دو وقف کرتا ہے ایک کی آمدنی عمارت کے لیے اور دوسرے کی آمدنی امام اور موزن کے لیے مگر دوسرے وقف کی آمدنی اتنی کم ہو جائے کہ امام اور موزن نہ رکھے جاسکیں تو حاکم مجاز ہے کہ محلہ کے اہل الرائے کے مشورہ سے یہ ہر دو کے مشاہرے کو عمارت وقف کی آمدنی سے ادا کرنے کی اجازت دیدے بشرطیکہ ہر دو کا ایک ہی واقف ہو اگر ہر دو اوقاف کا متولی (امین) ایک ہی ہو تو تب بھی وہ باختیار خود ایک وقف کی فاضل آمدنی دوسرے وقف کے متعلقین کی پرورش پر صرف نہیں کر سکے گا اسے بذریعہ درخواست حج سے اجازت حاصل کرنا چاہئے۔

”جامع الفصولین“ کی تیرہویں فصل میں ہے کہ جب ایک شخص کہے کہ اس کے مکان یا کمرہ کی آمدنی وسعتی پر صرف ہوگی تو اس کمرہ یا مکان کی آمدنی مسجد پر صرف ہوگی۔ ”وقضیۃ الحالی“ میں ہے کہ اگر مسجد کی روشنی کے لیے روپیہ ہو اور یہ مناسب سمجھا جائے کہ مکان یا کمرے کی آمدنی کا روپیہ اذان کے لیے ایک منارہ کی تعمیر پر صرف کیا جائے تاکہ اذان کو اچھی طرح سنا جاسکے تاہم اگر خاص ضرورت نہ ہو تو صرف نہ کیا جائے۔

جب کئی اوقاف کسی ایک مسجد سے ہی وابستہ ہوں تو متولی یا نیجر ان سب کی آمدنی ایک جگہ رکھ سکتا ہے بلکہ مشترکہ حساب بھی رکھ سکتا ہے اگر مسجد سے متعلق ایک دکان خستہ ہو جائے تو مسجد کی دوسری دکان کی آمدنی سے اس کی مرمت کرانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اگر ایک شخص قطعہ آراضی تعمیر مسجد کے لیے وقف کرے تو نہ یہ بیع ہو سکتا ہے اور نہ ورثہ میں دیا جاسکتا ہے اس لئے کہ قطعہ آراضی سے انفرادی حق ملکیت منتقل ہو کر خداوند تعالیٰ میں تفویض ہو گیا۔

اصولاً ہر شے کا اصل مالک اللہ تعالیٰ ہے جب ایک فرد حق زمین ترک کرتا ہے تو حق اصل کی طرف عود کرتا ہے اور قبضہ بر بناء ملکیت ختم ہو جاتا ہے یہ اسی طرح سے ہے کہ ایک غلام کو آزاد کرنے پر قبضہ ختم ہو کر دوبارہ بحال نہیں ہو سکتا۔

فصل سوم :- پلوں اور ہرائے کے لیے وقف

حوض اور سرائے اور قبرستانوں کے لیے وقف

ابو یوسف کے مطابق واقف کے قول سے کسی بھی امر فلاح کے لیے وقف مثل مسجد موثر ہو جاتا ہے مثلاً کوئی شخص مسلمانوں کے لیے کوئی پل تعمیر کرائے یا مسافروں کے قیام کے لیے سرائے بنائے۔ یا اپنی زمین کو قبرستان کیلئے دے تو شخص اس کے قول سے ہی وقف عمل ہو جائے گا اور آرائسی پر تمام حقوق مالکانہ ساقط ہو جائیں گے۔

امام محمد کے مطابق جب عوام پل کا استعمال کریں کارواں سرائے میں قیام کریں یا قبرستان میں دفن ہوں تو شخص ایک شخص کے ہی عمل سے واقف کا حق مالکانہ ختم ہو جائے گا۔

کنواں اور تالابوں کے لیے بھی یہی اصول ہے ان کے منتظم کے مستقل ہونے کی صورت میں بھی وقف جائز ہو گا بقول سیوطی اس پر عام اتفاق رائے ہے اور فتویٰ بھی مساجدین کے مطابق ہے بالفاظ دیگر ایک وقف کسی بھی طریقے سے موثر ہو سکتا ہے واقف کے اصل قول سے یا شے کو تفویض کرنے سے بالفاظ دیگر ایک فرد واحد کے استعمال سے بھی جائز ہو سکتا ہے۔

کوئی شخص بھی کنواں اور تالابوں سے پانی پی سکتا ہے اور مویشی اور اونٹوں کو پانی پلا سکتا ہے وضو کے موقعوں پر کام میں لے سکتا ہے پانی کے مندرجہ بالا اغراض خیر کیلئے استعمال میں امیر و غریب میں کوئی امتیاز نہیں ہے۔ سب کے لیے۔

یکساں طور پر جائز ہے کہ سرائے میں مقیم ہوں حوض سے پانی پییں اور قبرستان میں دفن ہوں اگر کسی عمارت کی آمدنی غازیوں یا مذہبی جنگ آزماؤں کے لیے مختص ہے تو اسے صرف وہی استعمال کر سکتے ہیں جو حاجت مند ہوں۔ جب کوئی عمارت حاجیوں کے لیے مختص ہو تو راہ گیروں کو حق نہیں ہے کہ اس میں قیام کریں اور موسم حج ختم ہونے پر اسے گرایہ پر دینا چاہئے اور اس آمدنی سے مرمت کرانا چاہئے بصورت رقم فاضل ہونے پر با تقسیم ہونا چاہئے۔

راستہ یا سڑک کا وقف

گواہان کے سامنے مالک آراضی کا یہ اعلان کہ اس نے کوئی سڑک یا راستہ وقف کر دیا ہے تو وقف جائز ہے مگر ان فقہاء کے نزدیک جو تکمیل وقف کیلئے تفویض ضروری سمجھتے ہیں خواہ ایک ہی شخص راستہ سے گذر جائے اس طرح استعمال کی شہادت فراہم ہو، ہلال کے مطابق اسی کلیہ کا پل پر بھی اطلاق ہوتا ہے۔

ابو یوسف کے نزدیک جائیداد کے بارہ میں محض قول یا ایک فرد کا استعمال ملکیت ذاتی ساقط کر دیتا ہے اور اسی کے مطابق فتویٰ ہے۔

قبرستان

اگر زمین میں کوئی نعش زیادہ یا کم مدت پہلے دفن کر دی ہو تو بلا کسی وجہ کے یہ نہیں نکالی جاسکتی لیکن اگر زمین غصب کر لی گئی تھی یا حق شفعہ کے مطابق دوسرا اس آراضی کا مستحق ہو تو قانوناً برآمد کی جاسکتی ہے۔

جب اوز جندی سے ایسی مسجد کے لیے دریافت کیا گیا کہ جس میں نماز باجماعت نہیں ہوتی ہے اور تمام ضائع ہو چکی ہو تو کیا اس کو قبرستان میں تبدیل کر دیا جائے تو انہوں نے نفی میں جواب دیا۔ جب ان سے ایک گاؤں کے قبرستان کے بارہ میں دریافت کیا گیا جو اگرچہ تباہ ہو چکا تھا مردے کا نشان اور ہڈیاں تک نہ تھیں ایسی صورت میں کیا اس قبرستان کی آراضی پر کاشت کرنا اور اس کی آمدنی جائز ہے اس کا جواب نفی میں آیا اس لئے کہ شرعی حیثیت سے وہ قبرستان ہی ہے۔

قبرستان

ایک شخص اپنی آراضی پر قبرستان باسرائے بناتا ہے تو اگر وہ آراضی خراجی (مالگزار) تھی تو اس کی حیثیت ختم ہو جاتی ہے اور یہی صحیح ہے۔

اگر کوئی عورت اپنی آراضی کے کسی حصہ پر قبرستان بناتی ہے اور اس سے اپنا حق ملکیت علاحدہ کر لیتی ہے اور اس نے اپنے لڑکے کو بھی اس میں دفن کیا ہے مگر وہ آراضی پانی کے شدید بہاؤ کی وجہ سے قبرستان کے لیے ناموزوں ہے اس لئے اس کو فروخت کرنا چاہتی ہے پس اگر وہ آراضی اس حالت میں ہو کہ لوگ مردے دفن

کر سکیں تو وہ اس کو فروخت نہیں کر سکتی اگر لوگوں کو اس کی خواہش نہ ہو تو وہ اسے فروخت کر سکتی ہے۔

قبرستان کی آراضی وقف ہے جو نہ فروخت ہو سکتی ہے نہ اس کا تقاسم ہو سکتا ہے۔ حتیٰ کہ ایسی آراضیات بھی جو سرِ یخا وقف نہ کی گئی ہوں مگر ان پر قبریں بنی ہوئی ہوں تو ان کو بھی وقف ہی سمجھا جاتا ہے اس لئے کہ وہ کسی دوسرے استعمال کے ناقابلِ اثر ہیں لیکن اگر کسی جگہ مقبرہ نہ ہو اور وہاں صرف ایک یادِ ہی نعشیں دفن ہوں تو صرف اتنی آراضی وقف سمجھی جائے گی۔

آیا کسی جگہ مقبرہ ہے یا نہیں ان لوگوں کی تعداد پر جو دفن ہیں یا ان گواہوں کی توثیق پر جو وقف کی شہادت دیں یا عام شہرت پر منحصر ہے۔

اگر کسی مسجد کی تعمیر کے لیے کوئی رقم یا وسائل نہ ہوں تو زمین کا کوئی جزویا حصہ چھو مدت کے لیے کرایہ پر دیا جاسکتا ہے تاکہ مرمت کے لیے روپیہ حاصل ہو سکے۔ مسجد کے روپیہ کا کوئی جزو مسجد کی زینت پر اس وقت تک خرچ نہ کرنا چاہئے جب تک واقف نے اس سلسلہ میں کوئی مداخلت نہ رکھی ہو مگر جہاں مسجد واقع ہے وہاں کے اہل محلہ اپنے پاس سے صرف کر سکتے ہیں۔

غلاف کعبہ پر وقف

یہاں تک کہ غلاف کعبہ کے حصے بھی جو ٹکڑے ٹکڑے ہوں اس کا کوئی جزو منتقل نہیں ہو سکتا تا وقتیکہ متولیان مقبروں کے لیے جائز طور پر منتقل کریں یہی اصول تمام مساجد پر لاگو ہوتا ہے۔

آراضیات یا جائیداد کا عام طور پر مساجد یا رباط یا دوسرے مذہبی خیراتی اداروں کے قیام کے لیے وقف جائز ہے۔

ابو یوسف کے مطابق مسجد کے لیے وقف قطعاً جائز ہے اس لئے کہ تاریخ قیامت قائم رہے گی خواہ وہ کتنی ہی خستہ اور قطعاً خارج از استعمال ہو جائے اس میں ملکیت ذاتی عود نہیں کرتی البتہ اس کا ملبہ کسی اور مسجد میں کام آسکتا ہے اور یہی فتویٰ ہے ذمی (غیر مسلموں کے لیے) اس امر کی اجازت ہے کہ یروشلم (مقدس) اور تمام مساجد میں

کسی کام یا دوسرے مناسب اغراض کے لیے داخل ہوں مگر مسجد کی محراب یا منبر تک جانا قابل اعتراض ہے۔

حدود مسجد میں تمام نازیبا افعال ممنوع ہیں نہ کوئی وہاں کچھ دھو سکتا ہے نہ تھوک سکتا ہے اور نہ ہی ناشائستہ گفتگو کر سکتا ہے نہ جنگ کے لیے اسلحہ اندر لے جا سکتا ہے مگر ایک سپاہی اندر جا کر نماز پڑھ کر اسی طرح لوٹ سکتا ہے۔

ایک شخص کے لیے یہ نامناسب ہے کہ جب تک وہ پاک و صاف نہ ہو مسجد میں داخل ہو مسجد کا دروازہ کسی وقت بھی بند نہ ہونا چاہئے چوری کا اندیشہ ہو اور چوکیداری نہ ہونے کی صورت میں علاوہ اوقات نماز مسجد کا دروازہ بند رہنے میں کوئی اعتراض نہیں ہے۔

مسجد کی توسیع کے لیے آراضی حاصل کرنا

اگر کسی مسجد کی توسیع کی ضرورت ہے اور اس کے متصل ایسا قطعہ آراضی ہو جس کا مالک بیع سے انکار کرے تو یہ جائز ہے کہ اس کی مناسب قیمت پر اس سے لی جائے خواہ وہ آمادہ ہو یا نہ ہو۔

مسجد کی کوئی بھی مملوکہ شے کسی کو نہ دینا چاہئے حتیٰ کہ گھانس پرانی اشیاء یا پرانا سامان مثلاً چٹائی وغیرہ تا وقتیکہ اس کی قیمت نہ لی جائے۔ ان کو قیمت پر ہی فروخت کرنا چاہئے تاکہ آمدنی ضروریات مسجد پر صرف ہو سکے۔

اہل محلہ یا اس حصے کے لوگ

اہل محلہ مجاز ہیں کہ مسجد قدیم منہدم کر کے جدید وضع کی تعمیر کریں یا دوسرے طریقہ سے جس طرح بہتر سمجھیں ترقی دیں یہ محض اپنے روپیہ سے کر سکتے ہیں وقف کاروبار یا تا وقتیکہ قاضی کی پہلے سے اجازت حاصل نہ کر لیں استعمال نہیں کر سکتے۔

خلاصہ میں آیا ہے کہ اہل محلہ پانی پینے اور وضو کرنے کے لیے حوض بنا سکتے ہیں بشرطیکہ وقف کا علم نہ ہو ورنہ اس کی پیشگی اجازت حاصل کرنا ضروری ہے تاہم اس کے بعد مسجد کی ترقی پر جو کہ اہل محلہ مسجد میں کرنا چاہیں معترض نہیں ہو سکتے۔

اہل محلہ قاضی کی اجازت سے کسی منہدم اور غیر آباد مسجد کا ملبہ استعمال میں

لے کر اس کی آمدنی سے دوسری مسجد بنا سکتے ہیں۔

نہجاریہ میں ہے کہ واقف عمارت مسجد کے کسی حصے کے کرایہ سے کوئی فائدہ حاصل نہیں کر سکتا ایک مسجد خواہ منہدم ہو کر کبھی استعمال میں نہ آئے تب بھی یہ مسجد ہے اور عبادت خداوندی کے لیے ہمیشہ یوم قیامت تک وقف ہے اور بقول امام ابو حنیفہ اور ابو یوسف قیامت تک وقف ہے اور اسی کے مطابق جیسا کہ حواہل قدسی میں ہے فتویٰ ہے۔

اگر کوئی مسجد اس حد تک منہدم ہو جائے کہ نہ وہ استعمال میں آسکے یا لوگوں نے اس میں نماز پڑھنا ترک کر دیا ہو تو بقول ابو حنیفہ حسب اجازت قاضی مسجد اور اس کا سامان دوسری مسجد میں کام آئے گا۔

غیر مستعملہ وقف کے حصہ کا استعمال

یہی اصول ایسے ہی دوسرے اداروں پر منطبق ہوتا ہے بالفاظ دیگر غیر مستعمل لنگر خانے یا حوض وغیرہ سے کوئی فائدہ حاصل نہ ہوتا ہو تو اس کا لمبہ یا دیگر متعلقہ سامان قریب ترین مسجد یا لنگر خانے میں استعمال ہوگا۔ اور اجتماعی طور پر مسلمہ اصول ہے جیسا کہ درر میں آیا ہے۔

غیر آباد مسجد کے فنڈ کا استعمال

لیکن کوئی مسجد خواہ خستہ حالت میں ہو یا شکستہ ہو چکی ہو یا اس سے متصل دوسری مسجد ہونے کی وجہ سے اس کی ضرورت نہ ہو تاہم نہ یہ واقف کی ملکیت میں عود کرے گی نہ اس کی متعلقہ جائیداد کا دوسرے کام میں لینا جائز ہے اور حاوی القدری میں یہی فتویٰ ہے اور یہی فتاویٰ مختار۔ بہار۔ فتح القدری۔ نصاب میں ہے اور وہ ابو حنیفہ اور ابو یوسف کے قول پر متفق ہیں۔

اصول پر بحث

مصنف درالختار نے حلوانی کے وضع شدہ اصولوں پر زیادہ تفصیل سے بحث کی ہے یعنی یہ کہ ابو یوسف کے مطابق ضائع شدہ مسجد یا اس کا متعلقہ سامان یا جائیداد جو اسی کے لیے وقف ہو کسی اور مسجد میں کام نہیں آسکتا۔ بحر الرائق۔ مختصر۔ اور آساف میں

صریحاً درج ہے کہ جب کوئی عمارت۔ چشمہ۔ یا حوض شکستہ ہو جائے یا ترک کر دیا جائے تو اس کا سامان حسب اجازت قاضی اسی کے قریب ترین مقصد پر استعمال ہونا چاہئے۔ یعنی مسجد کا سامان مسجد پر اور چاہ کا چاہ پر۔ اگرچہ یہ ابو یوسف کی رائے کے مطابق نہیں ہے مگر آساف و فتاویٰ قاضی خان کے مطابق یہ قابل اجازت ہے۔

سید امام ابو شجاع سے دریافت کرنے پر کہ آیا ایسے لنگر خانے کی آمدنی جو غیر مستعمل ہو چکا ہو دوسرے متصل لنگر خانے میں کام آسکتی ہے انہوں نے اثبات میں جواب دیا کہ یہ ایسی ہی صورت ہے کہ گاؤں کی مسجد ضائع ہو جائے اور گاؤں والے وہاں نماز پڑھنا چھوڑ دیں۔

اس مسئلہ پر بعد استصواب قاضی سے اجازت حاصل کرنا چاہئے تاکہ یہ جائز ہو سکے۔ شمس العلماء الحلوانی نے ”ذخیرے“ میں ذکر کیا ہے کہ ان سے ایک ترک شدہ مسجد کے لیے سوال کیا گیا تو انہوں نے اثبات میں جواب دیا۔

شیخ الاسلام امین الدولہ ابن عبد العلاء اور امام احمد ابن یونس اور شبلی اور شیخ زین ابن مزاحم اور شیخ محمد الوقائی اور دوسروں کے فتاویٰ اسی کے مطابق ہیں۔

امام ابو شجاع اور امام الحلوانی کے فتوؤں پر انحصار کافی ہے خاص طور پر اس زمانے میں جبکہ نگران غاصب اور دوسرے بدنیت لوگ غیر آباد مسجد کی جائیداد کو اکثر چراتے اور غصب کرتے ہیں۔

حلوانی میں تمثیلاً ہے کہ جب ایک پانی کا حوض خراب ہو جائے اور اس کی ضرورت نہ ہو تو اس سے متعلقہ اوقاف کی آمدنی دوسرے اوقاف کے کام آئے گی۔

غیر آباد مسجد وغیرہ کے وقف کا استعمال

خلاصہ میں ہے کہ جب کوئی مسجد یا تالاب خارج الاستعمال ہو اور ان کی مزید ضرورت نہ ہو اور وہاں کے ساکنان نے سکونت ترک کر دی ہو تو متذکرہ آمدنی دوسری مساجد اور تالابوں کے کام آئے گی۔

اس بناء پر اگر بادشاہ یا اس کا نمائندہ قطعہ آراضی بیت المال سے لیکر کسی فرد کو مفاد عام کے لیے ایک نہر کی تعمیر کی غرض سے عطا کرے مگر بعد اس ملک کے غیر آباد

ہونے پر اس نہر کی ضرورت نہ رہے تو عطیہ دار اس آراضی کو بطور جائیداد ذاتی نہ رکھ سکتے گا۔ بلکہ اس میں گد اور مویشیوں کے استعمال کے لیے پانی کا ذخیرہ رہے گا۔

شائعہوں کے نزدیک اس کو کلیتاً لے لیا جائے گا۔ نہر کے مطابق یہ مندرجہ بالا اصول کا نتیجہ ہے ہمارے طریقے کے مطابق جب کسی خاص وقف کے استفادہ کنندگان ختم ہو جائیں تو وہ آمدنی اسی جہت کے وقف پر استعمال ہونا چاہئے۔ پس ایک مسجد کا وقف دوسری مسجد اور ایک حوض کا دوسرے حوض پر کام آسکتا ہے۔

بیت المال سے زمین کا وقف قائم کرنے کے مثل ہے اسی طرح زمین حاصل کرنے کے بعد کسی بھی شخص کو لوگوں کے استعمال کے لیے تعمیر نہر کی غرض سے دی جاسکتی ہے اور نہر کے ختم ہونے پر گد اور مویشیوں کے پانی پینے یا ایسے مقاصد کے کام میں آئے گی۔

مگر وقف کے مویشی ناکارہ ہو جائیں تو متولی ان کو فروخت کرنے کا مجاز ہے۔ مسجد کی وہ اشیاء جو ناکارہ ہو گئی ہوں تو بیع (یا قاضی) اگر کوئی ہو تو اس کی اجازت سے فروخت ہو سکتی ہیں۔

اگر کوئی گاؤں یا موضع یا ایمنوں سے تعمیر شدہ چاہ یا حوض کلیتاً غیر آباد اور بے کار ہو جائیں تو وقف یا اس کی عدم موجودگی میں قاضی کی اجازت سے وہ ملکہ کسی متصل گاؤں کے کنویں یا چاہ کی تعمیر میں استعمال ہو سکتا ہے۔

اگر کوئی چیز مسجد کے لیے وقف کی ہو اور مابعد ضائع ہو جائے تو شے موقوفہ وقف یا اسے ورثہ پر عود نہیں کرے گی بلکہ قریب ترین مسجد میں استعمال ہوگی۔

جب کوئی شے موقوفہ وقف کی اصل غرض کے لائق نہ رہے تو وقف منسوخ ہو جائے گا مثلاً اگر کوئی قطعہ آراضی قبرستان کے لیے وقف کیا جائے اس میں نعشیں بھی دفن ہوں بعد میں معلوم ہو کہ وہ قبرستان کیلئے ناموزوں ہے اور لوگ اس کے استعمال کے لیے تیار نہیں ہیں تو اسے وقف فروخت کر دے گا اس لئے کہ وہ غرض وقف کے لیے ناموزوں ہے اس صورت میں وقف منسوخ ہو جائے گا۔

اگر کوئی قطعہ آراضی کسی اچھے مقصد کے لیے وقف ہو مگر وہ ناقابل کاشت ہو جائے اور گاؤں سے بوجہ فاصلہ اسے نہ کوئی اجارہ پر لینے کے لیے تیار ہو اور نہ کوئی

منافع حاصل ہو سکتا ہو نہ کوئی تعمیر ہو سکتی ہو تو حسب قاضی خان اسے قاضی کی اجازت سے بیع کیا جائے اور اس کی آمدنی اغراض خیر پر صرف ہو سکتی ہے۔
 مسجد کو جانے والی سڑک اور راستہ کے شکستہ ہونے پر مسجد کے روپیہ سے اس کی مرمت جائز ہے بشرطیکہ نمازیوں کے مسجد تک جانے کا صرف یہی ایک راستہ ہو۔ کسی دریا کے کنارے سے تعمیر شدہ لنگر خانہ تک پہنچنے کے لیے ایک ہی پل ہو اور پل بھی شکستہ ہو جائے تو لنگر خانہ کے فنڈ سے اس کی تعمیر ہو سکتی ہے۔

فصل چہارم:۔ ان معاملات میں اصولوں کا اطلاق جب کہ

وقف کے اصل یا مابعد اغراض باقی نہ رہیں

مذکورہ صدر موضوع کے سلسلہ میں یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ فقہ حنفی کے مطابق کسی وقف کے اصل مقصد کے ناکام یا معدوم ہو جانے سے وقف کی تسمیح کی ناجوازی پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ وقف کی انجام کار اغراض کی ناکامی یا سقوط پر اصل منشا پر غور کرنا ہو گا مگر وقف منسوخ یا باطل نہیں ہوتا۔

مسلم شرع میں اصول کار خیر ہم قسم

مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی وقف غیر پیداشدہ یا کسی غیر موجود شے کے لئے کیا جائے تو کیا یہ جائز ہے؟ اگر کوئی وقف زید کے بچوں کے لیے جو اس وقت تک پیدا نہ ہوئے ہوں یا مسجد کے لیے جو اس وقت تک تعمیر نہ ہوئی ہو کیا جائے۔ تو یہ جائز ہے اس کا کرایہ یا منافع غربا کی پرورش پر جب تک کہ زید کے بچے نہ ہوں یا مسجد تعمیر نہ ہو کیا جائے تو یہ علماء کے مطابق جائز ہے۔

نہر النائق میں یہ مزید ہے کہ جب کوئی وقف جس غرض کے لیے کیا جائے اگر وہ نہ رہے مگر وہ غرض عملاً حاصل ہو سکتی ہو تو حتی الامکان وہ کرایہ یا منافع اس مقصد پر صرف کیا جائے۔

مثلاً اگر کوئی شخص ایسے مدرسے کے طلباء کو جو تعمیر نہیں ہوا عطیہ دیتا ہے مگر

یہ کسی دوسری مہارت میں تعلیم پاتے ہیں تو طلباء وقف سے استفادہ کے مستحق ہیں۔
 ردالمحتار کے مطابق غایت وقف دو صورتوں میں نہیں ہوگی۔ اولاً جب وقف کیا جائے تو
 استفادہ کنندگان موجود نہ ہوں اس کو مقاطع الاول (شروع میں کٹا ہوا) کہتے ہیں اور ثانیاً
 وہ اشخاص جن کے لیے وقف ہو بعد وقف ختم ہو جائیں تو یہ وقف قاطع الوسيط (درمیان
 میں کٹا ہوا) کہلاتا ہے قاضی خان نے دونوں حالات میں وقف کی مثالیں دی ہیں۔ ایک
 شخص اپنے بچوں کے لیے جو اس کے صلب سے ہوں وقف کرے مگر اس وقف تک بچے
 پیدا نہ ہوں تو یہ وقف مقاطع الاول ہے۔ کرائے و منافع غربا کے کام آئیں گے لیکن اگر
 بچے بعد میں پیدا ہوئے ہیں تو کرائے و منافع بعد میں دئے جائیں گے۔

آساف میں بعینہ درج ہے کہ وقف کسی ولد یعنی بچے کے حق میں بھی ہو سکتا
 ہے اگر اس وقت ولد نہ ہو اور پوتہ ہو تو جب تک بچہ نہ ہو آمدنی واقف پوتے کو دیدی
 جائے گی۔

وقف مقاطع الوسيط کی دوسری مثال دو طرح ہے۔ ایک شخص دو لڑکوں اور ان
 کے بعد ان کے بچوں اور بچوں کے بچوں کے حق میں وقف کرتا ہے بعد ازاں لڑکوں
 میں سے ایک دوسرے لڑکے کو چھوڑ کر انتقال کر جاتا ہے تو اس صورت میں کرائے اور
 منافع پس ماندہ لڑکے کو ملیں گے اور دیگر آمدنی غربا اور ناداروں کو مگر جب پس ماندہ لڑکا
 بھی مر جائے تو تمام کرائے اور منافع اس کے بچے پائیں گے۔

(۱) چونکہ واقف نے ہر دو لڑکوں کے بعد انتقال پوتوں کو مفاد وقف کا مستحق
 قرار دیا ہے جب یہ معلوم ہو کہ واقف کی نیت یہ تھی کہ پس ماندہ لڑکا متوفی لڑکے کا تمام
 مفاد یا منافع حاصل کرے تو یہ اس کے بچے کو منتقل ہونا چاہئے اور اس کی خواہش کا نفاذ
 ہونا چاہئے۔ یہ قانون "چریہ" میں کسی قدر مختلف جہت سے ہے مقصد وقف نہ ہونے یا
 ختم ہو جانے پر کرائے یا منافع ان اغراض سے قریب ترین مقاصد پر جن کے لیے واقف
 نے وقف کیا تھا کام میں لائے جائیں گے۔ یہ نظریہ ہمارے (حنفی فقہاء) کے بھی مطابق
 نہیں ہے۔ بلکہ شافعی اصول کی پھر وضاحت فرمائی ہے۔ شافعیوں کے مطابق موروثی اولاد
 کے حق میں وقف کیا جائے اور وہ نہ رہے تو یہ وقف ان لوگوں کے جو واقف سے قریب
 ترین ہوں کام آئے گا۔ حنفیوں کے نزدیک اس کی آمدنی غربا کو دیدی جائے گی۔

اگر کوئی شخص اپنی جائیداد کا نصف غریب اقربا کے لیے اور بقیہ نصف عام ناداروں کے لیے وقف کرتا ہے تو طے شدہ مسئلہ کے مطابق رشتے دار بوجہ غربت دوسرے نصف حصہ میں بھی مستحق ہوں گے۔

ابراہیم ابن یوسف علی ابن احمد العری اور ابو جعفر ہندوانی اس پر متفق رائے ہیں۔ یہی نمبر میں درج ہے اور یہی قاضی القضاة مولانا علی الحللی کی رائے ہے۔ انہوں نے بھی رسالہ اکبر اس زمانے کے بارہ میں لکھی ہے جبکہ مولانا محمد شاہ قزوینی کا دور حکومت ختم ہوا۔ فتاویٰ قاضی خان کے نزدیک مسلمہ اصول یہ ہے کہ جب کسی فرد اور غربا کے لیے وقف کیا جائے اور شخص مذکورہ بعد میں غنی ہو جائے تو وہ غربا کے وقف میں شریک ہو سکے گا۔

وقف کی تقسیم بیوی اور بیٹے کو حنفی قانون کے مطابق

قاضی خان کے نزدیک اگر کوئی اپنی آراضی نصف بیوی کے اور نصف لڑکے زید کے حق میں اس شرط پر وقف کرے کہ زوجہ کے انتقال پر نصف واقف کے بچوں کو ملے گا اور زید بھی اس نصف میں مثل دیگر بچوں کے حصہ پائے گا ایسی صورت میں بیوی کا نصف زید اور بقیہ دوسرے بچوں کو اور زید کا نصف محض اس کے بچوں کو ملے گا اس بارہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

مسلم قانون میں اصول کار خیر ہم قسم

محض ابہام یا غیر یقینی صورت سے وقف معدوم نہ ہوگا۔ قانون میں اس نقص کی تلافی اس طرح ملتی ہے کہ واقف کی نیت کے مطابق اس کی منشا کی قریب ترین نوعیت کے لیے وقف ہونا چاہئے۔ واقف کی صریح ہدایات نہ ہونے پر حج مجاز ہے کہ استفادہ کنندگان کے مشورہ سے انتظام وقف کی اسکیم مرتب کرے۔ یہی اصول جو کہ وقفا و قفا و قاف پر منطبق کیا جاتا ہے مگر وہ مسلم قانون کے مطابق اوقاف پر لاگو نہیں ہوتا اس لئے کہ شرعاً اصول کار خیر ہمہ قسم کو انتہائی صورت میں ہی برتنا چاہئے پس اصل مقصد کے ختم ہو جانے سے وقف ختم نہیں ہوتا۔

بر وقت میں فرمایا انجام کار استفادہ کنندگان ہوتے ہیں

قانون کے منشا کے مطابق ہر وقت جو افراد یا واقف کی اولاد کے لیے اور انجام کار فرمایا کے استفادہ کیلئے ہوتا ہے اور اصل مقصد معدوم ہونے پر کالعدم ہونے کے بجائے انجام کار میں الاطلاق انجام پذیر ہوتا ہے۔

اگر کسی مذہب یا خیراتی ادارے کے لیے وقف ہو اور وہ معدوم ہو جائے تو ایسی صورت میں جائیداد موقوفہ واقف یا اس کے ورثا پر خود کرنے کے بجائے کسی دوسرے مذہب یا خیراتی ادارے کے (جو معدوم ادارہ کی ہی نوعیت کا ہو) ایسے مقصد کے لیے جو نوع انسانی کے لیے مفید ہو استعمال ہوگی۔

باب ۱۳۔ وقف کی آمدنی کا استعمال

فتاویٰ عالمگیری میں ”حاوی القدسی“ کے حوالہ سے ہے کہ جائیداد وقف سے آمدنی اولاً ضروری مرمت پر صرف ہونا چاہئے خواہ واقف نے یہ شرط رکھی ہو یا نہیں بعد ازاں اگر کوئی مقصد بدل مختص نہیں ہے تو ان مقاصد پر جو اصل مقصد کے قریب تر ہیں۔ بالفاظ دیگر ان اغراض پر جو وقف کے مقصد عام یا منشا کی تکمیل کے لیے مثلاً امام مسجد اور پروفیسر کالج یا چراغ روشن کرنے والے یا جانماز پہنچانے والے ملازموں کی بہ نسبت ہوں۔ لیکن مقصد مختص ہونے کی صورت میں آمدنی اس مقصد پر فوراً خرچ کر دی جائے۔

آمدنی وقف کا استعمال

درالختار میں یہ اصول بعینہ اس طرح بتایا ہے۔

ہدایہ کے مطابق بھی اولاً آمدنی مرمت پر صرف کی جائے خواہ اس کے لیے واقف نے کوئی شرط رکھی ہو یا نہیں چونکہ مقصد وقف یہی ہوتا ہے کہ آمدنی ایک دائمی صورت میں قائم رہے اور جائیداد وقف سے اسی وقت دائمی آمدنی حاصل ہو سکتی ہے کہ وہ مناسب حالت میں رہے پس یہ لازمی شرط ہے۔

ردالختار کے مطابق وقف سے حاصل شدہ کرایہ یا منافعہ جائیداد کی حفاظت قیام نگران اور چوکیدار کی حق الخدمت پر صرف ہونا چاہئے۔ آمدنی وقف اولاً جائیداد کو مناسب حالت میں رکھنے پر صرف ہونی چاہئے تاکہ مستقل آمدنی ہو سکے۔ جائیداد وقف میں پھل دار درخت بھی شامل ہیں اور ایک جزو آمدنی نئے پودے خریدنے میں صرف کرنا چاہئے۔ اور اگر ایسی زمین ہے جس میں بلا آب پاشی فصل پیدا نہیں ہو سکتی تو اولاً آمدنی اس ضروری مدد پر صرف کرنا چاہئے۔ ایسا ہی محیط اور فتاویٰ قاضی خان میں آیا ہے۔

غیر منقولہ جائیداد کی آمدنی سے اولاً اس کو مناسب حالت میں قائم رکھنے کے لیے ضروری صرف ہونا چاہئے بعد ازاں جائیداد کے نگران اور محافظوں کے معاوضوں کی

اولیٰ ہے۔ باقی رقم اخراجات وقف پر صرف ہونا چاہئے اگر وقف افراد کے لیے ہے جیسے واقف کے بچے تو حسب شرائط وقف نامہ ان کے مفاد پر صرف کی جائے یا انہیں دیدی جائے بصورت عدم سرامت وقف کی عام منشا کے مطابق یہ رقم صرف کی جائے۔ اگر وقف کی آمدنی وقف ہست بچوں کی پرورش مقصود تھی تو اس کے مطابق عمل ہوگا۔ یہی صورت اس وقف کی ہے جو دوسرے کے لیے ہو کہ مقصد کی تفصیلات اگر واضح نہ ہوں تب بھی عام مقصد وقف پیش نظر ہونا چاہئے۔

جائیداد وقف سے اولیٰ

اگر کسی رسم کے لیے وقف کیا ہو اور مزید تفصیل کا علم نہ ہو تو کرایوں اور منافعوں کی حاصل شدہ رقم اولاً عمارت کے قیام و استحکام عمارت پر صرف کرنے کے بعد باقی رقم عملہ اساتذہ پر صرف ہوگی۔ وقف مسجد کی صورت میں اولاً رقم عملہ کی تنخواہوں پر مابعد مروجہ اشیاء فرنیچر وغیرہ جو اولیٰ نماز کے لیے ضروری ہوں صرف ہوگی خواہ واقف نے حوالہ نہ دیا ہو۔

وقف کا لازمی اصول اس منشا یا مقصد کا قیام ہے جس کے لیے وقف ہو مسجد کے لیے وقف کی صورت میں اگر پیش امام کا مقررہ مشاہرہ ناکافی ہے تو واقف کے لیے مقررہ مشاہرہ کے بجائے معمولی وظیفہ مقرر ہونا چاہئے۔

ایک بار مسجد وقف ہونے کی صورت میں معطل نہ ہونا چاہئے۔ الجاصل آمدنی اولاً مقصد وقف پر صرف ہونا چاہئے بعد ازاں آمدنی مقاصد وقف کی اہمیت کے تناسب کے مطابق بر بنا کتب صرف کرنا چاہئے۔ اگر واقف نے مصارف مختص کردئے ہیں تو اصل مقصد قیام وقف کے ساتھ اس کی خواہشات کی تکمیل کا بھی پورا الحاظ رکھنا چاہئے۔

وقف کا برقرار رکھنا

آمدنی وقف کے استعمال میں اولاً جس امر پر توجہ دی جائے وہ جائیداد وقف کا قائم رکھنا ہے اگر وقف کی تمام آمدنی اس کی عمارتوں یا جائیداد کی مرمت پر صرف کرنا ضروری ہو تو اس پر خرچ کر دینا چاہئے اور مسجد کی صورت میں کسی بھی شخص حتیٰ کہ امام اور موذن کو بھی جب تک کہ مرمت مکمل نہ ہو تنخواہ نہ دینا چاہئے۔ اس سے وقف کی

حفاظت اور قیام کی اہمیت ظاہر ہے اصل غایت وقف جائیداد کا مستحسن امور خیر کے لیے دواماً برقرار رہنا ہے۔ قانوناً یہ لازم ہے کہ عمارت کے گرنے کے اندیشہ کی صورت میں آمدنی اولاً تعمیر اور مرمت پر صرف ہونا چاہئے اگر مصارف تعمیر سے کوئی رقم بچ جائے تو ارکان عملہ کو معاوضہ پر صرف کرنا چاہئے جن کی علیحدگی سے مقصد وقف کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔ اس کے بعد مدات متعلق وقف پر ان کی اہمیت کے مطابق صرف ہونا چاہئے۔ ایسے ارکان عملہ جن کی علیحدگی سے وقف کو کوئی نقصان نہ ہوتا ہو وہ اس وقت تک وظیفہ کا کوئی جزو نہ پائیں گے جب تک مرمت کی تکمیل نہ ہو جائے۔ وقف کے ارکان کو تنخواہ رقم مندرجہ وقف نامہ نہ ملے گی تاہم مناسب معاوضہ دیا جائے گا۔ یہ اس صورت میں ہے کہ جب آمدنی وقف ضروری مرمت کے مصارف کے لیے ناکافی ہو اور ملازمان وقف اور دیگر استفادہ کنندگان کو پورا معاوضہ نہ مل سکے۔

واقف کی اس شرط کے باوجود کہ وقف کے مقام اور اس کی مرمت پر خرچ کے بعد فاضل رقم غربایا استفادہ کنندگان پر صرف ہوگی۔ متولی کے لیے ضروری ہے کہ آمدنی سے ہر سال کچھ رقم مرمت کے لیے وضع کرے خواہ اس کی فوری ضرورت نہ ہو، تاکہ اس طرح ایک رقم جمع ہوتی جائے اس لئے کہ بعض ہنگامی حادثوں کی بناء پر یہ ممکن ہے کہ وقف کی کبھی کوئی آمدنی ہی نہ ہو۔

طریقہ جس طرح وقف کی عمارت کو استعمال کرنا چاہئے
اگر ایک مکان کسی دوسرے شخص کے لیے وقف کیا جائے تو وہ حاصل شدہ آمدنی کا مستحق ہوگا نہ کہ رہائش کا۔ اسی طرح جس شخص کی رہائش کے لیے مکان وقف کیا جائے وہ اس کی آمدنی کا مستحق نہیں ہے۔

قاضی کی صواب دید

اس اصول کی صحت مشتبہ ہے اور یہ قاضی کی صواب دید پر منحصر ہے اور وہ کسی بھی فعل کا جو مفید ہو مجاز ہے مندرجہ بالا اصول سے قابل استخراج کلیہ یہ ہے کہ استفادہ کنندگان خود کسی بھی صورت میں نوعیت وقف کو تبدیل نہیں کر سکتے۔

شرح دہبانیہ "میں لکھا ہے کہ وہ اشخاص جو وقف کے مقصد کے لیے ضروری خیال کئے جائیں ان میں پیش امام ہے۔ (جو نماز پڑھاتا ہے) خطیب جو خطبہ پڑھتا ہے) اور

موزن شامل ہیں خواہ واقف نے مصارفِ مرمت میں ان کا ذکر کیا ہو یا نہیں۔
بحر الرائق کے مطابق مسجد کے محافظ یا دروازہ کے نگہبان جن کا فرض مسجد کو
صاف رکھنا ہے وہ مسجد کے ناگزیر لوازمات میں سے ہیں۔

اگر جائیداد کے ذمہ کوئی قرضہ ہے تو متولی کا فرض ہے کہ جائیداد کو کرایہ پر
دیکر اور یا کسی اور طریقہ سے اولاً ادائیگی قرضہ کرے۔

اگر واقف کی کوئی آمدنی اور جائیداد موقوفہ ضائع ہو رہی ہو تو قاضی، متولی کو
اس امر کا مجاز کر سکتا ہے کہ تمام یا کچھ جائیداد کو کرایہ پر دے یا اس کی آمدنی سے مرمت
کرائے جب جائیداد وقف سے آمدنی مصارفِ قیام کے لیے ناکافی ہو یا مسجد ایسی شکستہ
حالت میں ہو کہ اس کے ضائع ہونے کا امکان قوی ہو اور مصارفِ مرمت کے لیے
آمدنی ناکافی ہو تو قاضی مجاز ہے کہ وہ مسجد کی فروخت اور اس کی آمدنی سے دوسری
جائیداد شرائط وقف کی تکمیل کی غرض سے خرید کی ہدایت کرے۔

یہ اصول ابو یوسف نے وضع کیا ہے اور حتی الامکان اس پر عمل ہونا چاہئے اور
اگر جائیداد وقف کی بیع ناممکن ہو یا زرِ شمن استفادہ کنندگان یا غربا کے مفاد پر صرف کرنا
ناممکن ہو تو امام محمد کے اصول کا نفاذ ہوگا یعنی مقصد کی قطعاً ناکامی کی صورت میں جائیداد
ورثہ واقف پر عود کرے گی۔

اگر طلباء کے لیے وقف ہو مگر قلیل ہو تو اس سے محض غریب طلباء کی ہی امداد
ہوگی مگر عام طور پر لفظ طالب علم سے مفہوم حاجت مند کا ہے۔ وقف جب عام طور پر
غربا کے لیے ہو تو یہ محض نادار طلباء تک محدود رہتا ہے۔ اس لئے کہ طلباء ہی عام طور پر
مشکلات میں مبتلا رہتے ہیں۔

طلباء کے لیے وقف

اس طرح مسجد میں کلام پاک یا کتابوں کا وقف عام طور پر اس وقت تک غربا کے
لیے ہوتا ہے جب تک کہ کتابوں کے دستیاب ہونے کے بارہ میں ظاہر نہ کیا جائے۔

خاصۃً الوقینا کے مطابق کتابوں کے وقف یا طلباء کے لیے وقف کی صورت میں
غربا اور صاحب حیثیت ایک ہی سطح پر ہوتے ہیں مزید برآں اس کے مطابق ایسے اوقاف
پر دو نقطہ نظر سے غور کرنا چاہئے۔ اولاً غریب اور امیر مسافر خانوں قبرستان تالاب وغیرہ
کے معاملہ میں یکساں ہیں اور دوسرے ان سے سب ہی یکساں استفادہ کرتے ہیں۔ کتابوں

کے وقف کی صورت میں مالدار طلباء بھی کتابوں کے حصول کی صورت میں اس سطح پر ہیں جیسے کہ غریب طلباء۔ یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ اصل مقصد عام فائدہ رسانی ہے اور یہی مسلمہ اصول ہے۔ اگر کتابوں کا وقف کسی شخص مقام کے لیے ہے تو ان کا استعمال اس کے لیے مخصوص ہو گا وہاں سے کتابیں لے جانے کی اجازت نہ ہوگی اگر محض طلباء کے لیے ہے تو نو بر طالب علم ان کے استعمال کا مستحق ہے مگر باہر نہیں لے جاسکتا۔

اگر واقف نے استعمال وقف کے لیے کچھ شرائط مطابق قانون رکھی ہوں تو ان پر عمل کرنا چاہئے۔ فقہاء واقف کی عائد کردہ شرائط کو قانون کے عائد کردہ شرائط کے مثل سمجھتے ہیں اگر کسی خاص شخص پر کوئی پابندی ہو تو ثابت ہونا چاہئے کہ واقف نے واقعی وہ شرط عائد کی تھی۔

جب وقف مقررہ افراد کے لیے ہو تو بلا اجازت واقف تعداد میں توسیع نہ ہونا چاہئے۔ وقف سے استفادہ کنندگان کو بھی حق ہے کہ وقف میں ایسی تبدیلی کی صورت میں جس سے صرف کثیر ہو ان سے مشورہ کیا جائے۔

دوسرے کی رہائش کے لیے مکان کا وقف

اگر کوئی مکان دوسرے کو رہائش کے لیے وقف کیا جائے تو مرمت کی ذمہ داری اس پر آتی ہے۔ اگر اس کے وسائل ایسے نہ ہوں تو کچھ عرصہ کے لیے قاضی کرایہ پر دیکر اس کے کرایہ سے مکان کی مرمت کرائے اگر وہ شخص جس کی رہائش کے لیے مکان وقف ہوا ہے وہ دوران مدت مرمت ادائیگی کرایہ کا اقرار کرے تو قاضی کو مکان اسکے قبضہ میں چھوڑ دینا چاہئے اگر وہ خود متولی ہے تو مکان موقوفہ میں مجاز سکونت ہے۔ مرمت نہ کرانے کی صورت میں قاضی اسے مرمت کے لیے مجبور کر سکتا ہے۔ یا کسی دیگر شخص کو بطور نگران مرمت مقرر کر سکتا ہے بعد تکمیل مرمت یہ مکان اسی شخص کو جس کی سکونت کے لیے وقف تھا واپس ہوگا۔

کسی عمارت وقف کے برباد ہونے کی صورت میں متولی بطور خود مجاز نہیں ہے کہ اس میں استادہ درختوں کو مرمت مکان کے لیے وقف کر دے لیکن وہ مکان کرایہ پر دے کر اس کی آمدنی سے مرمت کرا سکتا ہے۔

باب ۱۴۔ عام اصول

فصل اول:- اختیارات واقف

واقف کو جائز ہے کہ تاحین حیات خود جائیداد موقوفہ اپنے لئے مخصوص کرے اور اس پر عام اتفاق ہے یہ بھی ابو یوسف کے مطابق جائز ہے کہ تاحین حیات آمدنی وقف خود استعمال کرے اور فتویٰ بھی اسی کے مطابق ہے۔

واقف کو ایسی شرط رکھنا جائز ہے کہ جائیداد وقف کا دوسری جائیداد سے مبادلہ ہو سکے گا یا وہ بیع ہو سکے یا بیع ہو کر وہ آمدنی اغراض وقف کے لیے دوسری زمینوں پر صرف ہو سکے گی یا ایسے کاروبار میں روپیہ لگایا جاسکے گا جس کی آمدنی سے مقاصد وقف پورے ہو سکیں مگر نئی جائیداد پر پہلی والی ہی جائیداد کی شرائط خواہ اس بارہ میں کوئی شرط ہو یا نہیں عائد ہوں گی۔

کاروبار میں روپیہ لگانے یا جائیداد کی تبدیلی کا اختیار

جائیداد وقف کے کسی دوسری جائیداد سے مبادلہ کا اختیار بالفاظ دیگر تبادلہ کاروبار کے اصول ہر سہ عنوانات ذیل پر مشتمل ہیں۔

(۱) اگر واقف نے اپنے یا متولی کے لیے یہ اختیار نام طور پر محفوظ رکھا ہو کہ وہ جائیداد کا تبادلہ کرے گا ایسی صورت میں مبادلہ بلا اعتراض جائز ہے۔

(۲) اگر ایسا اختیار نہ ہو تو بصورت آمدنی جائیداد قاضی کی اجازت سے مبادلہ ہو سکتا ہے۔

(۳) اگر جائیداد کا مبادلہ محض مفاد وقف میں ہو تب بھی مبادلہ اس وقت تک جائز نہیں ہے جب تک علاقے کے تبدیل شدہ حالات کی بنا پر مبادلہ یا تبدیلی کی ضرورت محسوس نہ ہو یا اس وقف کے صریح مفاد میں نہ ہو۔ پیش نظر اصل اصول وقف کو دائماً برقرار رکھنا ہے۔

آیا جائیداد موقوفہ سے کوئی منافع ہوتا ہے یا نہیں اسکی جانچ کا معیار یہ ہے کہ آیا جائیداد سے اتنی آمدنی ہو جاتی ہے کہ مرمت اور دیکھ بھال ہو سکے۔ فقہاء متقدمین آراضی یا جائیداد غیر منقولہ کو اغراض وقف کے لیے بہت اہم سمجھتے تھے۔ اس لئے کہ اس سے تین ”دوام“ ہوتا ہے اور ایسا تبادلہ زمین سے ہی ہوتا ہے مگر دور حاضرہ کے حالات میں ایسا کوئی قانون نہیں ہے جس سے جائیداد وقف کی آمدنی کو کسی دوسری قسم کے مقامی سرمایہ کی دستاویز میں تبدیل کیا جاسکے۔ واقف قانوناً سرمایہ کی تبدیلی کا حق اپنے لئے مخصوص کر سکتا ہے۔ فتاویٰ قاضی خان کے مطابق یہ صحیح ہے اور دوسری جگہ بالا جماع درست ہے۔

مبادلہ کی شرط جائز ہے

اگر واقف کی یہ شرط ہو کہ واقف اپنی مرضی کے مطابق آراضی وقف دوسری آراضی سے تبدیل کر سکتا ہے تو مبادلہ زمین پہلی زمین کے بجائے وقف ہوگی۔ ابو یوسف کے مطابق اس صورت میں وقف اور شرط دونوں جائز ہیں۔ اور اسی طرح اگر یہ شرط ہو کہ واقف آراضی کو قیماً بیع یا تبادلہ کر سکتا ہے تو فتویٰ اسی کے حق میں ہے۔

اگر کوئی واقف کاروبار (سرمایہ کاروبار) میں تبدیلی کا اختیار اپنے لئے مخصوص کر لیتا ہے تو اس غرض کے لیے وہ ایجنٹ مقرر کر سکتا ہے لیکن یہ اختیار کسی وصی (تعمیل وصیت کنندہ) کو بطور وصیت نہیں دے سکتا اور اس لئے وصی اس اختیار کو نافذ نہیں کر سکتا بشرطیکہ اختیار اپنے یا دوسرے کے لیے محفوظ ہے تو دوسرا تنہا اسکا مجاز نہیں ہے۔ مگر قانوناً خود واقف یہ تنہا کر سکتا ہے۔ اگر مبادلہ کا اختیار ایسے شخص کو ہو جو سربراہ وقف ہو تو صدر اور سربراہ قانون اس اختیار کو استعمال کر سکتا ہے۔ اگر واقف نے یہ شرط قرار دی ہو کہ فلاں شخص (نامزد) مبادلہ کا مجاز ہوگا تو وہ شخص مجاز واقف کی اجازت سے اس اختیار کو استعمال کر سکتا ہے جب تک کہ اس کے بارہ میں کوئی صریح شرط نہ ہو۔ قسیم یا سربراہ کو مبادلہ کا اختیار نہیں ہے تاوقتیکہ وہ مبادلہ کا مجاز نہ ہو۔ اگر یہ شرط ہو کہ وہ مبادلہ کر سکتا ہے تو واقف اس اختیار کو بلا ایسی کسی اور شرط کے اپنی مرضی کے مطابق کام میں لا سکتا ہے۔

عام طور پر جب ایک بار مبادلہ مختص شرائط کی بنا پر ہو جائے تو وہ دوبارہ نہیں

ہو سکتا جب تک کہ وقف نامہ میں ایسے علامتی الفاظ نہ ہوں کہ واقف یا دوسرا شخص سرمایہ لگانے کے بعد اپنی صواب دید کے مطابق (جیسا کہ مناسب سمجھے) تبدیلی کا مجاز ہے۔

اگر وقف نامے میں جائیداد موقوفہ کی تبدیلی یا استبدال کے متعلق کوئی شرط نہ ہو یا واقف نے بھی اس کے برعکس کوئی شرط رکھی ہو تو حجج اسے تبدیل کرنے کا مجاز ہے مگر یہ اس اصول کے مستثبات میں سے ہے اس لئے کہ واقف کی ہدایات قطعی ہوتی ہیں اور ان پر سختی سے عمل ہونا چاہئے۔

جب کوئی کہے کہ میری زمین راہ خدا میں اس شرط پر دائماً صدقہ موقوفہ ہے کہ اس سے حاصل شدہ آمدنی میرے کام آئے تو یہ جائز طور پر کر سکتا ہے مگر واقف ایک بار کسی نادر کو دینے یا حج کی غرض سے استعمال میں لینے یا فرد خاص کو بطور عطیہ دینے کی صورت میں واپس نہیں لے سکتا۔ اور اس طرح یہ کہنے کے بعد کہ میں نے فلاں شخص کو دی ہے واپس لینے کا مجاز نہیں ہے۔ وہ ایک کے بعد دوسرے کو دے سکتا ہے مگر آمدنی اپنے کام میں نہیں لے سکتا لیکن یہ صورت حال اس سے مختلف ہے جب وہ کہے کہ اس شرط پر میں وقف کرتا ہوں کہ اپنی مرضی سے جس کو چاہوں دیدوں۔

واقف کی مقررہ شرائط

واقف کی مقررہ شرائط کے موافق وقف ہونے پر وہ جس کو چاہے اپنی آمدنی دینے کا مجاز ہے اور وقف جائز ہوگا اور وہ تا حین حیات مجاز ہے کہ جس کو چاہے آمدنی دے مگر وہ اس سلسلہ میں نہ ایسا کوئی انتقال کر سکتا ہے جو بعد موت بھی قائم رہے اور نہ آمدنی اپنی ضروریات (خود کے کھانے پینے میں) پر استعمال کر سکتا ہے تاہم وقف منسوخ نہ ہوگا۔ مزید برآں ”ہدیہ“ کسی دوسرے شخص کو دے سکتا ہے۔

ایک شخص اگر اس شرط پر جائیداد وقف کرے کہ مگر اس طرح چاہے آمدنی کو کام میں لا سکتا ہے تو اس صورت میں غریب اور امیر دونوں کو دے سکتا ہے۔ اگر واقف بوقت وقف جائیداد پر یہ شرط عائد کرے کہ فلاں شخص (متولی) جس کو چاہے اس کی آمدنی دے تو جائز ہے۔ اور وہ واقف کی حین حیات و بعد موت اسکا مجاز ہے وہ اپنے بچے اور اولاد اور نیز واقف کے بچے اور اولاد کو آمدنی دے سکتا ہے مگر

اپنے نفس "ذات" پر استعمال نہیں کر سکتا۔

اگر شخص مجاز جائیداد وقف کا منافع خود لے تو ظاہر ہے کہ اس کا کیا نتیجہ ہوگا تاہم فتاویٰ عالمگیری میں آیا ہے کہ اس کے یہ کہنے سے (کہ یہ آمدنی میں نے اپنے کو دی ہے اختیار اسکے ہاتھ میں نہیں جاتا) محض ایک اعلان سے اختیار ضائع نہیں ہوتا لیکن کیا اس آمدنی کو غیر قانونی طریقہ پر اپنی ضرورت کے لیے کام میں لینا خیانت کے مساوی نہیں ہے۔

ردالمحتار میں ان فقہاء کے قول کا حوالہ ہے جن کی رائے میں کوئی شخص خود کے لیے وقف نہیں کر سکتا اگر متولی جائیداد کی آمدنی جو کہ واقف کے لیے ہو اور اس کو دے تو یہ جائز نہیں ہے مگر یہ اصول مسلمہ قانون نہیں ہے اس لئے کہ عام طور پر اس اصول کا اطلاق اس طرح ہوتا ہے کہ واقف خود کو جائز طور پر وقف سے استفادہ کنندہ مقرر کرتا ہے اور اس اصول کے مطابق جس کی تائید میں فتویٰ ہے ایسی صورت میں متولی آمدنی لے سکتا ہے۔

اگر کوئی یہ کہے کہ میری زمین فلاں شخص کے لڑکوں کے لیے اس شرط پر وقف ہے کہ میں جس کو چاہوں منتخب کر دوں تو وہ جس کو چاہے منتخب کر سکتا ہے۔ اگر یہ کہے کہ اس سال میں کسی کا انتخاب نہیں کرتا تو یہ جائز ہے اور آمدنی سب میں مساویانہ تقسیم ہوگی۔ اور اگر وہ کہے کہ میں ایک کے سوا جس کو چاہوں محروم کر دوں اور وہ ایک کے سوا سب کو محروم کر دے تو یہ بھی جائز ہے۔ اگر تمثیلاً سب کو محروم نہ کر سکے تو مناسب حال تقسیم کا مجاز ہے مگر جن کو وہ محروم کر چکا ہے انہیں نہیں دے سکتا۔ اس صورت میں وقف غربا کے لیے ہوگا۔ اور اگر اس سال کی آمدنی سے محروم کر چکا ہے تو اس سال کی آمدنی میں اسکا کوئی حق نہ ہوگا۔ اور آمدنی غربا میں تقسیم ہوگی۔

اگر کوئی اپنے بچوں کی ماں کے حق میں (ام الولد) اس شرط سے وقف کرے کہ اس کی موت کے بعد وہ شادی نہ کرے تو اسے وقف سے حصہ ملے گا۔ اگر وہ شادی کرے اور طلاق ہو جائے تب بھی تا وقتیکہ اس کے برعکس شرط نہ ہو طلاق کی صورت میں منافع بحال ہو جائے گا۔

اس طرح اگر کوئی وقف ایک شخص کے لڑکوں کے حق میں (سوائے ان کے جو شہر سے باہر چلے جائیں) اور ان میں سے کچھ ایسے ہوں جو واپس آجائیں۔ یا ایسے شخص کے ان لڑکوں کے مفاد میں جو تحصیل علم میں مصروف ہوں وقف ہو جو اپنی تعینم ترک کر دیں اور بعد میں شروع کر دیں تو وقف کے منافع سے تا وقتیکہ اس کے برعکس کوئی شرط نہ ہو مسلسل محروم رہیں گے حتیٰ کہ اگر کوئی دو امانا اپنے بچے اور نسل کے لیے وقف کرے بعد ازاں غربا کے لیے بدیں شرط کہ استفادہ کنندگان میں سے امام ابو حنیفہ کے اصول ترک کر کے شافعی اصول اختیار نہ کریں تو وہ اور دوسرے ترک کرنے والے وقف کے مفاد سے محروم ہو جائیں گے۔

واقف کے یہ کہنے پر کہ استفادہ کنندگان میں سے اگر کوئی سنی اصول ترک کر کے طہد ہو گا تو وہ اس منافع سے محروم ہو جائے گا خواہ ان میں سے ایک بھی ترک کرے۔ اس سلسلہ میں مرد اور عورت یکساں سطح پر ہیں کہ اگر کوئی بھی مسلمہ اصول کو ترک کرے تو مسلمہ اصول ترک کرنے کی صورت میں خلاف ورزی کرنے والا محروم ہو جائے گا۔ اصول پر مکرر عمل پیرا ہونے کی صورت میں بلا مزید صراحت منافعوں سے استفادہ کرے گا اس طرح کسی مقررہ اصول کی خلاف ورزی کی شرط پر منافع سے خروبی کی شرط کی پابندی لازمی ہوگی اسی طرح اگر اقربا میں سے کسی کے بغداد سے باہر جانے پر کچھ نہ پانے کی شرط پر پابندی لازمی ہوگی الا اس صورت کے کہ اس کے بغداد سے واپس آنے پر منافع میں شریک ہو جائے گا۔

شرائط مقررہ واقف

واقف کی مقررہ شرائط کے حوالہ سے کہ جن پر عمل ہونا ضروری ہے "خصاف" نے اس شرط کا ذکر کیا ہے کہ متولی ان آراضیات کو بلا اجازت قاضی کرایہ پر نہ دے گا اس کی خلاف ورزی پر اجارہ منسوخ ہو جائے گا۔

اگر واقف یہ شرط کرے کہ باغبانی یا کاشت کے لیے آمدنی کی تقسیم کی بنیاد پر کسی عابدے میں شریک نہ ہو گا یا ایسی شرط کرے کہ اگر متولی زمین کو کسی کو کرایہ پر دے گا تو وہ اپنے منعم سے علیحدہ کر دیا جائے گا ان صورتوں میں ان شرائط کے خلاف عمل

کرنے پر قاضی ایک دوسرا شخص جس پر کہ وہ شرائط کی بجا آوری کے لیے اعتماد کر سکے مقرر کرے گا۔

استفادہ کنندگان میں تبدیلی کا اختیار

واقف بوقت وقف استفادہ کنندگان وقف میں تبدیلی کا اختیار خود کے لیے مختص کر سکتا ہے اور اس میں استفادہ کنندگان کی تعداد میں اضافہ یا کمی یا منافع وقف میں کمی بیشی شامل ہے لیکن مابعد تحریر وقف نامہ ایسا نہیں کر سکتا۔

درالمختار کے مطابق واقف شرائط وقف میں کوئی تبدیلی یا ترمیم نہیں کر سکتا تاوقتیکہ یہ اختیار اس نے مختص نہ کر لیا ہو اگر اس سے استفادہ کنندگان میں اضافہ کمی و بیشی یا متولی کو منصب سے علیحدگی کا اختیار ہے تو وہ یہ کر سکتا ہے مگر وہ فی نفسہ وقف کی نوعیت کو تبدیل نہیں کر سکتا۔ اس طرح نہ متولی کے لیے جائز ہے کہ شرائط مندرجہ وقف نامہ سے تجاوز کرے۔

وقف نامہ میں متولی کو اس امر کے مجاز کرنیکی صورت میں کہ کسی بھی شخص کے الاؤنس میں کمی بیشی یا استفادہ کنندگان میں سے کسی کا اضافہ یا کمی کر دے تو ایسی صورت میں مصلحت وقف بھی پیش نظر رکھنا چاہئے۔

قاضی خان کے مطابق اگر ایک شخص بحالت صحت کوئی زمین ناداروں کے لیے وقف کر کے متولی کو تفویض کرتا ہے اور بصورت انتقال وصی (تعمیل کنندہ) کو مجاز کرتا ہے کہ آمدنی وقف میں سے اس قدر فلاں فلاں کو دیدے تو یہ جائز نہ ہوگا اس لئے کہ بوقت وقف اس کے اختیارات آمدنی وقف پر ختم ہو چکے تھے۔ لیکن بوقت وقف اگر اس نے آمدنی وقف متولی کو دینے کا اختیار اپنے لئے مختص کر لیا تھا تو وہ ایسا کر سکتا ہے۔

واقف کے اختیارات

ایک واقف جائیداد کو مستحسن یا اغراض خیر کے لیے وقف کرے اور اپنے حقوق ملکیت خداوندی میں تفویض کر دے تو وہ جائیداد اس متولی سے جس کو خداوند تعالیٰ کی جانب سے نگرہاں مقرر کیا ہے واپس نہیں لے سکتا۔ اور نہ کسی دوسرے کو دے سکتا ہے تاوقتیکہ صریحاً ایسا اختیار اپنے لئے نہ رکھا ہو۔

اگر کوئی شخص یہ شرط رکھے کہ بوقت ضرورت آمدنی آراہشی وقف کسی دوسری جائیداد پر صرف کردی جائے تو تمام شرائط وقف اس نئی جائیداد پر ناکند ہو گئی۔ اور اس جائیداد پر وہی شرائط ناکند ہوں گی جیسے کہ پہلے والی جائیداد پر ناکند تھیں۔

وقف کی مقررہ شرائط قانون کی شرائط کے مساوی ہیں

شرائط وقف کی تکمیل میں نیت واقف پر ہمدردانہ توجہ کی ضرورت ہے اس کا منشا واضح نہ ہو تو اس کے مفہوم اور مانی التعمیر کی روشنی میں جو بھی منشا واضح ہو اس پر عمل کرنا چاہئے۔ وقف نامہ کی عبارت بتناہر واضح اور غیر مبہم ہونے کی صورت میں واقف کی نیت میں تبدیلی یا ترمیم کے لیے کسی خاص شہادت کی ضرورت نہیں ہے اگر واقف نے واضح عبارت میں اپنے بچوں کے لیے وقف کیا ہے تو اس امر کی کوئی شہادت نہیں لی جائے گی کہ واقف کی خواہ اولاد ذکور کو بھی شامل کرنے کی نیت تھی۔ اگر وقف نامہ کی عبارت سے ذکور بچوں کو شامل کرنے کا بھی منشا ظاہر ہوتا ہے تو خواہ لفظ اثاث استعمال کیا ہو تب بھی اثاث کے ساتھ ذکور بھی شامل ہوں گے۔ منشا واقف کے صحیح ادراک کے لیے مستعمل لفظ کے سیاق و سباق اور مروجہ استعمال پر بھی غور کرنا چاہئے۔

اگر کسی لفظ سے دو مفہوم پیدا ہوں تو واقف کی نیت کے قریب ترین مفہوم کو

اختیار کرنا چاہئے۔

فصل دوم :- قاضی کے فرائض، نگرانی

واقف کی ہدایات میں قاضی کا اختیار مداخلت

کتاب المفتی الجواب المتقین کے کتاب ابواب وقف کے مطابق واقف کی مقررہ شرائط وقف کے مطابق پابندی لازمی ہے بعض فقہاء ان شرائط کو قانون بنانے والے کے مساوی قرار دیتے ہیں۔

شرائط جو کہ وقف کی نوعیت سے غیر مطابق ہوں

قاضی بعض صورتوں میں مجاز ہے کہ واقف کی مقررہ شرائط میں سے ایسی شرط

جو وقف کی نوعیت کے مطابق نہ ہو۔ مقصد وقف کی ضروریات کے ہم آہنگ نہ ہو مسترد

کردے مثلاً یہ شرط کہ قاضی واقف یا اس کے جانشین کے مقررہ کردہ متولی کو علیحدہ نہیں کر سکتا تاہم قاضی مجاز ہو گا کہ ایسے متولی کو جو نااہل ثابت ہو یا جس کا وقف کے سلسلہ میں غلط رویہ ہو یا فعل ناجائز کا مرتکب ہو اسے علیحدہ کردے یا اگر وقف نامہ کے مطابق قاضی کو جائیداد وقف ایک سال سے زیادہ اجارہ پر دینے کا اختیار نہ ہو یا کوئی شخص ایک سال سے کم اجارہ پر لینے کو تیار نہ ہو تو قاضی مجاز ہے کہ متولی کو ایک سال سے زیادہ اجارہ پر دینے کا مجاز کردے یا اگر وقف کی یہ شرط کہ ایسے نادار جو کسی دیگر مسجد کے وقف سے بھی گزارہ پاتے ہوں انہیں وقف مذکور سے کوئی مدد و معاش نہ دی جائے تاہم متولی مجاز ہے کہ ان ناداروں کی بھی اس وقف سے مدد معاش کی سبیل کردے یا اگر وقف نے موقوف الیہ کے لیے مقررہ راشن کی شرط رکھی ہو مگر متولی استفادہ کنندگان کی رضامندی سے راشن زرنقد کی ادائیگی میں تبدیل کر سکتا ہے۔ استفادہ کنندگان یک مشت ادائیگی کے لیے بھی درخواست کر سکتے ہیں۔

قاضی اس امر کا مجاز ہے کہ اگر امام کی تنخواہ ناکافی ہے اور اگر امام دین دار یعنی اہل ہو تو اس کی تنخواہ میں اضافہ کر دے۔

قاضی کی نگرانی

واقف کی ہدایات پر سختی سے پابندی کے اصول کئی مستثنیات اشباہ والنظائر میں تفصیل سے دئے گئے ہیں جن کا مفہوم پہلے ہی دیا جا چکا ہے لیکن یہاں ان کا خلاصہ مفید ہو گا۔ (۱) اگر واقف کی یہ شرط ہو کہ قاضی متولی کو علیحدہ کرنے کا مجاز نہ ہو گا تب بھی وہ ناقابل اعتماد اور نااہل متولی کو علیحدہ کر سکتا ہے اور بحر الرائق کے مطابق اگر واقف کی یہ بھی شرط ہو کہ بادشاہ و قاضی وقف کے انتظام میں مداخلت نہیں کر سکے گا تب بھی قاضی نگرانی کر سکے گا اس لئے کہ نگرانی وقف ہر امر سے بالاتر ہے۔

(۲) اگر واقف کی یہ شرط ہو کہ جائیداد وقف زائد از ایک سال اجارہ پر نہ دی جائے لیکن اگر یہ معلوم ہو کہ کوئی بھی صرف ایک سال کے لیے اجارہ پر لینے کو آمادہ نہیں ہے یا یہ استفادہ کنندگان کے مفاد میں ہے کہ جائیداد زیادہ مدت کے لیے اجارہ پر دی جائے تو قاضی مجاز ہے کہ زیادہ مدت کے لیے اجارہ پر دے مگر متولی باختیار خود اس کا مجاز نہیں ہے۔

(۳) اگر واقف نے یہ شرط رکھی ہو کہ مقررہ غلہ روز محض ان فقرا کو دیا جائے جو اس کی مسجد کے دروازہ پر سوائی ہوں اس شرط کو تبدیل کیا جاسکتا ہے اور ان فقرا کو بھی خیرات دی جاسکتی ہے جو وہاں سوائی نہ ہوں۔

(۴) اگر واقف نے یہ شرط رکھی ہے کہ پختہ غذا استفادہ کنندگان کو دی جائے تو متولی پختہ ہونے کھانے کے بجائے نقد دینے کا مجاز ہے اور گیرندگان بھی زر نقد کی ادائیگی کی درخواست کر سکتے ہیں۔

(۵) اگر امام عالم اور دیندار ہے اور واقف کا مقررہ الاونس اس کے لیے ناکافی ہے تو قاضی اضافہ کا مجاز ہے۔

امام کے اضافہ تنخواہ میں ان سب لوگوں کی تنخواہیں بھی شامل ہیں جن کی طہنہ کی تہ وقف کو نقصان ہو۔ مثلاً اگر متولی یا موزن یا پروفیسر یا چوکیدار وغیرہ اگر یہ عمل مقررہ تنخواہ لے کر کام نہیں کر سکتا تو ان کے معاوضے یا اجرت میں قاضی اضافہ کا مجاز ہے۔ اور بقول سند ردالمختار اس نظریہ کی تائید "براز یہ" کے اس قول سے ہوتی ہے کہ جب ایک امام یا موزن مقررہ تنخواہوں پر دستیاب نہیں ہوتا تو قاضی مجاز ہے کہ بعد مشورہ اہل الفلاح و اہل محلہ آمدنی وقف سے ان کا اضافہ کر دے مگر ان تمام مشاہروں کے مقرر کرنے میں اس کو مروجہ مشاہرہ (اجرا المثل) کو ذہن میں رکھنا چاہئے۔

قاضی کوئی نیا وظیفہ نہیں مقرر کر سکتا بالفاظ دیگر واقف کی منشا کی بغیر جائیداد موجودہ سے متعلق کوئی نیا عہدیدار مقرر نہیں کر سکتا۔

یہ اس اہم شرط کی تابع ہے کہ مصنف ردالمختار، ردالمختار کی عبارت کی شرح میں رقمطراز ہے کہ نئے عہدیدار کا تقرر فتاویٰ شیخ قاسم کے مطابق مقید بعدم ضرورت ہے اس لئے کہ جب بھی ضرورت پیش آتی ہے اور کسی نئے عہدیدار کی خدمات حاصل کرنا قرین مصلحت معلوم ہوتا ہے مثلاً جیسے کہ کرایہ جمع کرنا دیوان کے روبرو شہادت پیش کرنا تو یہ معاملہ قاضی کے سامنے رکھنا چاہئے اور ایسے تقرر کی ضرورت اس کے سامنے ثابت کرنا چاہئے اور پھر وہ اس مقصد کے لئے مناسب موزوں شخص کا تقرر کرے گا اور مروجہ تنخواہ پر اس کا تقرر کرے گا اور مقررہ متولی کو اس امر کی اجازت دے گا۔

اگرچہ متولی کو نئے ملازمان کے تقرر یا پہلے کے ملازمان کے مشاہروں میں

اضافہ کا اختیار نہیں ہے تاہم ایسی صورت میں کہ واقف نے تنخواہ یا الودنس مقرر نہ کیا ہو تب بھی یہ حج کے اختیار تمیزی پر (اس کی ہدایت اور نگرانی کے تابع) پر مبنی ہے اس سلسلے میں فتاویٰ قاضی خان کا قول اہم ہے۔ اس کے مطابق اگر کوئی شخص غریب مسافروں کے لئے قیام گاہوں کو وقف کر دے اور اگر ان کو صاف رکھنے اور دروازوں پر نگرانی کے لیے کسی نگران کی ضرورت ہو تو متولی اس صورت میں بھی کسی کا تقرر کر سکتا ہے اور چاہے تو خدمات کے عوض رہائش کے لیے اس کو ایک کمرہ بنا دے۔

(۶) اگر یہ بھی شرط ہو کہ جائیداد وقف کبھی تبدیل نہ کی جائیگی لیکن اگر قاضی قرین مصلحت سمجھتا ہے تو ایسا کرنے کے لیے مجاز ہے۔

ایک حج کا جائیداد وقف کے تبادلہ کے سلسلہ میں اختیار تمیزی اس نظریہ کے تابع ہے کہ نئی جائیداد خریدنے یا صرف اثاثہ یا سرمایہ لگانے سے وقف کی حفاظت اور اس کی مستقل بقا کا یقین ہوتا ہے اور یہ اس کے مفاد میں ہے۔ بعض وقت اس کے شدید نا جائز استعمال کی نوبت آجاتی ہے اور اسی لئے مفتی ابن سعید نے اپنی معروضات میں لکھا ہے کہ ۹۰ھ فرمان عالی (الاموال الشریف) صدر الشریعہ کی منظوری سے جاری ہوا تھا کہ بلا منظوری بادشاہ وقت جائیداد وقف کا تبادلہ نہ کیا جائے۔ اگرچہ یہ بطور تمثیل ہے مگر کسی طرح جامع نہیں ہے مصنف زواہر الجواہر (جو اشباہ والنظائر) کی شرح ہے نے واقف کی قطعیت شرائط میں ایک مزید استثناء کا اضافہ کیا ہے وہ کہتے ہیں۔

اگر واقف یہ قرار دے کہ اس کا مقرر کردہ نگران (یا مشرف) وقف کا کل انتظام سنبھالے لیکن اگر حج یہ مناسب سمجھے کہ کسی اور مختص کو بھی اس کا شریک بنائے تو یہ جائز ہوگا جیسا کہ وصی تعمیل کنندہ کی صورت میں ہوتا ہے۔

طحاوی نے سراج دسوتی کے حوالے سے لکھا ہے کہ ایک مزید استثناء ہے یعنی اگر واقف یہ شرط کرے کہ جائیداد موقوفہ مقررہ رقم سے زیادہ پر کرایہ نہ دی جائے گی اور مردوجہ کرایہ بھی رقم کرایہ سے زیادہ ہو تو اس شرط کی پابندی ضروری نہیں ہے۔

(۹) ابتدائی ادوار میں متوفیان کی قبروں پر تلاوت کلام پاک ابو حنیفہ کے اقوال کے مطابق جائز تھی مگر بعض کے نزدیک یہ قابل اعتراض تھی اسی لئے اشباہ والنظائر میں ہے کہ واقف کی یہ شرط کہ کلام پاک کی تلاوت اس کی یادگیر شخص کی قبر پر کی

بائے اس کی تعمیل نہیں ہونا چاہئے تاہم امام محمد نے مقابر پر تلاوت کا کام پاک کو جائز قرار دیا ہے اور اس کا جواز مسلمہ اصول کے طور پر عملی ثبوت ہے۔

ہندوستان میں عام رواج ہے کہ متوفی کی قبروں پر تلاوت کا کام پاک کے لیے قدرتی مقرر کے جاتے ہیں۔

ایک فقیہ نے سرمایہ کاری میں تبدیلی کے اختیار کو محدود کرنے کے لیے یہ شرط لگائی ہے کہ وہ شے جس سے کہ جائیداد وقف تبدیل کی جائے یا جس میں نیا سرمایہ لگایا جائے وہ پہلے جیسی جائیداد کی نوعیت کی ہونی چاہئے۔

ردالمحتار کے مصنف کے مطابق ایسی کوئی شرط نہ ہونا چاہئے بلکہ دیکھنا ضروری ہے کہ کونسا سرمایہ وقف کے لیے مفید ترین ہے مثلاً اگر کسی شخص نے دکانوں کو وقف کیا ہے اور کھراں کے نزدیک دکانوں کے بیع کی آمدنی کو زمین میں لگانا مفید تر ہے تاکہ اغراض وقف کے لیے زیادہ آمدنی آسکے۔ یا کسی نے کوئی قطعہ اراضی کاشت کیلئے وقف کیا ہو لیکن بطریق وقف حالات کی تبدیلی سے اس پر مکانات یا دکانیں بنانا زیادہ مفید ہو تو ان صورتوں میں متوفی مجاز ہے کہ طریقہ استعمال میں تبدیلی کر دے۔

پس جب کہ جائیداد موقوفہ کے بارہ میں متوفی یا واقف کو یہ اختیار ہو کہ وہ جائیداد موقوفہ کو فروخت کر دیں اور تابع شرائط وقف نامہ اس آمدنی کو دوسری جائیداد وقف میں لگادیں تو اس پر اصرار نہ ہونا چاہئے کہ وہ جائیداد کی ہی قسم اور نوعیت کی ہو۔

جائیداد وقف کی آمدنی کو درہم یا دینار میں بھی لگایا جاسکتا ہے تاہم یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ جب کوئی سرمایہ واقعی روپیہ کی شکل اختیار کرتا ہے تو اس کے ضائع ہونے کا احتمال رہتا ہے پس یہ مناسب ہے کہ آمدنی وقف کو اسی شکل میں رکھا جائے تاکہ عین (اصل) کا نقصان ہوئے بغیر فائدہ ہو اور یہ بصورت سرکاری لگان جائز ہے۔

واقف نہ صرف استفادہ کنندگان کو علیحدہ کرنے کا اختیار اپنے لئے مختص کر سکتا ہے بلکہ بوقت وقف ایسی شرائط بھی رکھ سکتا ہے کہ بعض ہنگامی حالات میں مخصوص استفادہ کنندگان یا ان کے خاص طبقے کو منافع وقف سے خارج کر دے یا ایسی شرط رکھ دے کہ بعض اشخاص یا طبقہ اشخاص متذکرہ وجوہ سے منافع میں شریک نہ ہو سکیں گے یا متوفی مقرر نہ ہو سکیں گے مثلاً اگر وہ یہ قرار دے کہ ترک اسلام کی صورت میں وقف کے

فائدے سے وہ محروم ہو جائے گا یا کوئی شخص خاص بوجہ بد چلتی اس سے استفادہ حاصل نہ کر سکے گا تو یہ جائز ہے اور اس کی ان خواہشات پر عمل کیا جائے گا۔ چونکہ اوقاف سے منافع حاصل کرنا وراثت کی بنا پر نہیں ہے پس ایکٹ ۲۱/۸۵۰ء مسلم قانون کی ان دفعات پر اثر انداز نہیں ہوتا۔

فصل سوم :- وقف میں شرائط

وقف بصواب دید

جب کوئی وقف تابع صواب دید واقف کیا جائے تو ابو یوسف کے مطابق وقف مع شرط جائز ہے بشرطیکہ صواب دید کے استعمال کے لیے کوئی وقت معین ہو۔

مثلاً

اگر کوئی یہ کہے کہ میں اپنے اس مکان کو وقف کرتا ہوں مگر مجھے بمیعاد تین یوم اسے منسوخ کرنے کا اختیار ہوگا۔ اگر یہ اختیار استعمال نہ کیا جائے تو تین دن بعد یہ وقف قطعی ہو جائے گا لیکن اگر یہ شرط غیر یقینی ہے اور اس کی صراحت نہیں ہوتی ہے تو یہ وقف ناجائز ہوگا۔

فقیر ابو جعفر کی رائے میں ایسی صورت میں وقف کو جائز سمجھنا چاہئے اور شرط کو باطل۔ بلال اور محمد کی رائے میں صواب دید کے استعمال کے اختیار کو محدود کر دینے سے خود وقف ہی ناجائز ہو جاتا ہے جب کہ ابن یوسف بن خالد کے مطابق وقف تمام صورتوں میں قائم رہتا ہے محض شرط باطل ہو جاتی ہے۔ عام طور پر یہی مسلمہ اصول ہے۔ اگر کوئی شخص مختص مدت کے لیے وقف کرے مثلاً ایک دن یا ایک مہینے کے لیے اور بلا دیگر الفاظ کے اضافہ کے تو ایک دائمی وقف کی صورت میں جائز قرار دیا جا کر نافذ ہوگا۔ لیکن اگر کوئی یہ کہے کہ خاص مہینے کے لیے وقف ہے اور اس مہینے کے انقضاء پر وقف باطل ہوگا تو ایسی صورت میں وقف ابتدا سے ہی باطل ہوگا۔

مشروط وقف باطل ہوتا ہے

اگر کوئی یہ کہے کہ جب کل ہوگا تو میری آراضی صدقہ موقوفہ ہوگی یا جب

میں آراضی کا مالک بن جائے گا تو یہ آراضی وقف ہوگی ایسا وقف ناجائز ہے اس لئے کہ وقف کا واقع ہونا کسی اتفاقی واقعہ کی شرط پر منحصر نہیں کیا جاسکتا۔

محدود مدت کے لیے وقف

وقف دائمی طور پر نافذ ہوتا ہے۔

اگر کوئی یہ کہے کہ میرے مرنے کے بعد میری زمین مقررہ سالوں کے لیے وقف رہے گی تو اس کی موت کے بعد یہ وقف دائماً نافذ ہوگا۔

اگر کوئی یہ کہے کہ میری آراضی اس شرط پر صدقہ موقوف رہے گی کہ جب میں چاہوں منسوخ کر دوں تو بالبال کے نزدیک ایسا وقف ناجائز ہے۔

مگر یوسف ابن خالد کی رائے میں وقف جائز ہے اور شرط باطل لیکن ابو یوسف کی رائے میں جب حق سواب دید کے استعمال کی مدت میں توسیع ہوگئی ہو اور وہ غیر معین ہو تو وقف فی نفسہ ناجائز ہے۔

اسی طرح اگر کوئی یہ کہے کہ میں اس زمین کو اس شرط پر وقف کرتا ہوں کہ یہ میری جائیداد رہے گی اور اپنی مرضی پر جب میں چاہوں مجھے جمع کرنے کا اختیار رہے گا اور آمدنی وقف رہے گی تو ایسا وقف ناجائز ہے۔

مشروط وقف

جب کوئی وقف مشروط ہو تو یہ جائز ہے یعنی اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اگر یہ زمین میری ہو تو وقف ہے ایسی صورت میں اگر اس وقت وہ زمین اس کی جائیداد ہو تو یہ جائز طور پر وقف ہوگی۔

بوقت وقف تبدیلی کا اختیار محدود کر دینا، حنفی و شافعی اصولوں میں اختلاف ہے حنفیہ کے مطابق جائیداد وقف جو دوسروں کے قبضہ میں ہو لیکن اگر اس کے قابض اس کے وقف کی توثیق کر دیں تو جائز ہے مگر شافعیوں کے نزدیک ایسا نہیں ہے۔ اگر کوئی کہے کہ میری یہ زمین اس شرط پر راہ خدا میں دائماً وقف ہے کہ میں اسے فروخت کر کے اس قیمت سے دوسرا قطعہ آراضی خریدوں گا جو پہلے کی شرائط کے مطابق ہے وہ وقف رہے گا تو بالبال اور ابو یوسف کے مطابق وقف اور شرط ہر دو جائز ہیں۔

قاضی بیع کی اجازت دے سکتا ہے بشرطیکہ وقف کے لیے مفید ہو

واقف سرمایہ کو صرف اس صورت میں تبدیل کر سکتا ہے جب کہ اختیار بیع صریحاً محدود ہو بصورت عدم اختیار حسب صواب دید خود جائیداد موقوفہ کا بیع مکرر وقف کو بوجہ مناسب قائم رکھنے کی اجازت دے سکتا ہے۔ (خواہ اسکی آمدنی تابع وقف کسی بھی صورت میں استعمال کرے)

مذیہ کے مصنف سے جب ایک مکان کے بارہ میں جو مسجد کے لیے وقف تھا دریافت کیا گیا کہ آیا قاضی کو مکان کے بیع کی اجازت اس صورت میں دینا جائز ہے جبکہ زمین کی قیمت سے دوسری زمین اضافہ نفع وقف کیلئے خریدی جاسکتی ہے تو مصنف مذکور کا جواب یہ تھا کہ ہر مسئلہ حسب قانون قاضی کو طے کرنا چاہئے۔ بعد غور کامل اس کے خیال میں اگر ایسے بیع میں سرمایہ لگانا مفاد وقف میں ہو تو جائز ہے اور یہی امام ابو یوسف کی رائے کے مطابق ہے۔

اجازت ہونے پر جائیداد موقوفہ کا بیع یا تبادلہ

فتاویٰ سراجیہ میں ہے کہ جب صریحاً جائیداد موقوفہ کا بیع یا مبادلہ مفاد وقف میں ہو تو قاضی اس کی اجازت دے سکتا ہے مثلاً وقف سے کوئی آمدنی نہ ہو اور دیگر شخص اس کے عوض ایسی زمین یا مکان جس سے کہ آمدنی ہو سکے دینے کو تیار ہو تو ابو یوسف اور محمد کے نزدیک ایسا مبادلہ جائز ہے۔

ایسی جائیداد موقوفہ جس سے آمدنی ہو اور کوئی شخص دیگر ایسی جائیداد سے اسکے مبادلہ کا خواہاں ہو جس کی زیادہ آمدنی ہو یعنی اگر جائیداد موقوفہ بازار کی کسی گلی میں واقع ہو اور وہ شخص جائیداد مذکور کو اس جائیداد سے تبادلہ کا خواہش مند ہو جو بازار میں بہتر جگہ واقع ہے تو محض اس صورت میں قاضی خان اور ابو یوسف وغیرہ کے مطابق تبادلہ جائز ہے ورنہ نہیں اور اسی کے مطابق عمل ہے۔

ناظم وہیانی کی شرح میں محیط اور قاضی خان کے حوالے سے ہے کہ امام محمد کے مطابق متولی آراضی موقوفہ کا دیگر آراضی سے مبادلہ کر سکتا ہے بشرطیکہ وہ اس سے بہتر اور زرخیز تر قطعہ آراضی ہو اور آراضی موقوفہ کی پیداوار میں کمی آگئی ہو۔

بشام اور ٹھہر کے حوالہ سے تیمیہ میں ہے کہ جب جائیداد وقف کی یہ حالت ہو کہ استفادہ کنندگان اس سے منافع حاصل نہ کر سکیں تو قاضی بیع کا مجاز ہے اور اس کی قیمت سے دوسری زمین خرید سکتا ہے۔ سوائے قاضی کے کوئی اور اس اختیار کو کام میں نہیں لے سکتا۔

سیر کبیر کے نزدیک اگرچہ بعض فقہاء کے مطابق جائیداد موقوفہ کی تبدیلی جائز نہیں ہے لیکن ابو یوسف کے مطابق یہ جائز ہے اور محیط میں ہے کہ شمس العلماء حلوانی سے درج ذیل سوال کیا گیا تھا۔

آیا ایسی جائیداد وقف متعلق مسجد کو جس سے کوئی آمدنی ہوتی ہو متولی فروخت کر کے دوسری جائیداد خرید سکتا ہے؟

انہوں نے اثبات میں جواب دیا کہ یہ جائز ہے ان سے اس سوال پر کہ جائیداد سے آمدنی کی صورت میں کیا اس سے ایک بہتر جائیداد خریدی جاسکتی ہے تو انہوں نے اسے بھی جائز قرار دیا۔

اگرچہ فقہاء میں سے بعض جائیداد موقوفہ کے بیع و مبادلہ کے خلاف ہیں مگر ہم امام ابو یوسف کے پیرو ہیں۔

فتاویٰ القدریہ کے مطابق اگر واقف کو جائیداد موقوفہ کے مبادلے کا اختیار ہو اور اس کے بجائے جائیداد مبادلہ بھی وقف ہی رہے تو ابو یوسف اور خشاف کے نزدیک جائز ہے اور قانون کی وسیع اور (منہنک تفسیر) کے مطابق یہ استحسان ہے۔

اگر اس نے یہ شرط رکھی ہے کہ اگر واقف نے حین حیات خود متولی کو دوسری جگہ سرمایہ کی تبدیلی کا مجاز کیا ہو تو واقف کی موت کے بعد متولی اس امر کا مجاز ہوگا۔

جائیداد موقوفہ میں تبدیلی

فتاویٰ قاضی خان کے مطابق ابو یوسف اور بلال کا اصول صحیح ہے اور انصاری نے بھی اس شرط کو جائز قرار دیا ہے مگر متولی بلا اجازت حج اسے فروخت نہیں کر سکتا۔ حج کے سامنے پیش ہونے پر اگر مفاد وقف میں (تبدیلی شرط) ضروری معلوم ہو تو اس کی اجازت دے دے گا۔ ابو یوسف کے مطابق تبدیلی سرمایہ کی جائز ہے اور یہ مسلمہ ہے۔

فتاویٰ قاضی خان کے مطابق بھی تبدیلی سرمایہ کی شرط جائز ہے اور یہ مسلمہ ہے۔
 فتاویٰ قاضی خان کے مطابق جماعت فقہاء میں اس پر اتفاق ہے کہ اگر واقف تبدیلی
 سرمایہ کا اختیار اپنے لئے مختص کرے کہ وہ سرمایہ میں تبدیل کر سکے گا تو شرط اور وقف دونوں
 جائز ہیں۔ اور بلا شرط نہیں ہے۔ تاوقتیکہ قاضی اجازت نہ دے تبدیلی کا مجاز نہیں ہے۔

بالفاظ دیگر اگر واقف نے بوقت وقف یہ اختیار اپنے لئے مختص کر لیا ہے تو
 بالاجماع اس اختیار کو وہ کسی بھی وقت استعمال کر سکتا ہے۔ لیکن اگر ایسا نہیں ہے تو
 ضروری اجازت کے لیے اسے قاضی سے اجازت لینا ہوگی۔

مختصر اقدوری میں نص ابو یوسف کے مقررہ اصول کے مطابق ہے تمام اسناد کا
 نتیجہ یہ ہے کہ واقف جائیداد موقوفہ کو جائز طور پر تبدیل کر سکتا ہے بالفاظ دیگر وہ سرمایہ
 کو تبدیل کر سکتا ہے بشرطیکہ بوقت وقف اس نے یہ اختیار اپنے لئے مختص کر لیا ہو ورنہ بلا
 اجازت قاضی یا حج کے (حسب صواب دید خود مفاد وقف میں تبدیل سرمایہ کا اختیار نہیں
 ہے) اور کوئی تبدیل نہیں کر سکتا۔

ایک واقف حسب فقہ حنفی جو جائز شرائط وقف کر سکتا ہے اس سے
 ایک شرط پہلے دی گئی ہے یعنی واقف جائیداد وقف سے اپنے قرضوں کی ادائیگی کی شرط
 رکھ سکتا ہے۔

وقف کے انتظام کے سلسلے میں واقف کے اختیارات

خزینۃ الفتاویٰ کے باب وقف میں ہے کہ صاحب المنہ (الغفار) سے ایک ایسے
 وقف نامہ کی بابت دریافت کیا گیا جس میں کہ یہ شرط ہو جس کے مطابق واقف کی
 صرف اولاد ذکور تک ہی وقف کی ولایت کی شرط تھی مگر ایک سابقہ تاریخ کے دستیاب
 شدہ وقف نامہ کے مطابق حق تولیت واقف کی اولاد ذکور اور اناث دونوں کو ہی تھا۔ سوال
 یہ ہے کہ تولیت کے باب میں کس وقف نامہ پر عمل کیا جائے۔

صاحب المنہ نے جواب دیا اگر واقف نے بوقت وقف پہلے وقف نامہ میں
 انتظام وقف کے سلسلہ میں تبدیل شرائط کا اختیار اپنے لئے مختص کر لیا ہے تو ایسی صورت
 میں دوسرے وقف نامہ پر عمل ہونا چاہئے۔ یعنی وہ وقف نامہ جس میں کہ حق تولیت

مخمس اولاد ذکور تک محدود کیا گیا ہے لیکن اگر اس نے اصل وقف نامہ میں ایسا اختیار منتقل نہیں کیا ہے تو ایسی صورت میں پہلے وقف نامہ پر جس میں ایسی پابندی نہیں ہے اس پر عمل کرنا چاہئے۔

نہصاف میں ہے کہ واقف وقف کی شرائط وقف سے تجاوز نہیں کر سکتا فوائد میں نہصاف کے حوالہ سے درج ہے کہ جب واقف نے متضاد شرائط عائد کی ہوں تو دوسرے وقف نامہ کی شرائط (تا وقتیکہ اس کے اختیارات سے تجاوز نہ ہوں) کی تکمیل ہوئی اس لئے کہ حنفیوں کے نزدیک شرط مابعد شرط اول کو مسترد کر دیتی ہے۔

اس اصول کے مطابق جب کسی وقف نامہ میں دو متضاد شرائط ہوں تو دوسری شرط کو اول پر ترجیح ہونا چاہئے۔ ایسا ف نے اس کی مثالیں دی ہیں۔

مثلاً اگر وقف نامے کے شروع میں واقف یہ طے کرتا ہے کہ شے موقوف نہ بیع ہوگی نہ بطور ہبہ دی جائے گی اور نہ کسی فرد کی ملکیت ہوگی اور مابعد متولی کو جائیداد کی فروخت اور اس کی آمدنی سے دوسری جائیداد (جو کہ اصل وقف کی قائم مقام ہوگی) کی خرید کا مجاز کرتا ہے تو ایسی صورت میں جائیداد موجودہ کی بیع جائز ہوگی اور دوسری شرط اول شرط کو مسترد کر دے گی۔ یا اگر یہ کہے کہ متولی جائیداد وقف کو فروخت کر کے اور دوسری جائیداد اسی کے بجائے خرید سکتا ہے اور بعد ازاں یہ قرار دے کہ نہ فروخت ہوگی اور نہ ہبہ کی جائے گی تو پھر یہ فروخت نہ ہوگی۔

اگر دونوں شرطیں متضاد نہ ہوں اور دونوں ہی نافذ العمل ہوں تو ہر دو کی تکمیل لازمی ہوگی اس لئے کہ شرائط وقف مثل نص ہیں جب وقف نامے میں عام شرائط ہوں بعد ازاں تفصیلات دی جائیں اور بشرطیکہ دستاویز وقف نامہ سے اس کے برعکس مراد نہ ہو تو ہمارے (احناف) کے مطابق شرط آخر نافذ ہوگی۔ شافعیوں کے مطابق یہ تفصیلات تمام شرائط سے متعلق ہیں اگر یہ لفظ دوسے جزی ہوئی ہوں لیکن اگر یہ لفظ (تین) سے جزی ہوئی ہیں تو صرف آخری شرط سے متعلق ہیں۔

اختیارات قاضی

پہلے بتایا جا چکا ہے کہ قاضی مجاز ہے کہ واقف کے مقرر کردہ متولی کے علاوہ

ایک اور متولی مقرر کر دے بشرطیکہ قاضی وقف کے لیے اسے مفید سمجھے خواہ واقف نے تقرر کے خلاف ہی شرط رکھی ہو۔

متفرق

کوئی شخص اگر وقف نامہ کی رو سے وقف کرے اور بعد میں اس کی عبارت سے لاعلمی ظاہر کرے یا کہے کہ اس کی نیت وقف نامہ کو ناقابل تفسیح کرنے کی نہیں تھی، ایسی صورت میں اگر شہادت گواہان یا کسی اور طرح ظاہر ہو کہ دستاویز (واقف) نے پڑھ لی اور اسے سمجھادی گئی تھی اور جس کا مفہوم وہ پوری طرح سمجھتا تھا تو اسکا انکار بے معنی ہوگا۔ اور یہ اصول محض وقف پر لاگو نہیں ہو سکتا بلکہ بیع و دیگر معاملات (لین دین) پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔

ایسا وقف جس کے نتائج سے آگاہی ہو وہ قطعاً قابل پابندی ہے
ایسا شخص جس کی خاص موضع میں اپنی آراضیات وقف کرنے کی نیت ہو اور بوقت اپنی موت دستاویز وقف تیار کرائے مگر کاتب دستاویز بعض قطعات آراضیات کا اندراج ترک کر دے اور جب اس کو دستاویز (وقف نامہ) سنایا جائے مگر اس وقت بھی سہو کی بابت اسے نہ بتایا جائے مگر وہ یہ کہے کہ اس موضع میں جو کچھ بھی ہے سب میں نے وقف کیا تو ابواللیث فقیہ کے مطابق تمام آراضیات کا وقف نافذ ہوگا اور یہی اصول اس وقف پر لاگو ہوتا ہے جو بحالت موت کیا گیا ہو۔

ضروری قابل غور یہ ہے کہ آیا واقف کی نیت تمام آراضیات کو وقف کرنے کی تھی یا نہیں۔

فضیلة المتقین میں ہے کہ اگر بعض مختص افراد کے حق میں کوئی وقف کرے مگر انجام کار وقف کی واپسی کی نوعیت ظاہر ہو اور نیز وقف نامہ پر قاضی سے مہر ثبت کرائے تو بوجہ غربت قاضی کو منسوخی وقف کی اجازت کے لیے درخواست دے سکتا ہے تاکہ اس کو غریبی میں سہارا مل سکے۔ قاضی کی مہر برٹش انڈیا میں رجسٹرڈ دستاویز کے مساوی ہے۔

وقف آراضی کی صورت میں تو زمین کے تمام ملحقات مثلاً مکانات سڑکیں گھاٹ درخت وغیرہ جو اس کے متصل یا اس پر واقع ہوں اسی کے ساتھ منتقل ہو جاتے

ہیں لیکن اس کی جداگانہ پیداوار منتقل نہیں ہوتی۔

سب کوئی زمین قبرستان کے لیے وقف کی جائے اور اس پر بڑے درخت اور
باد تیں ہوں تو وہ وقف میں شامل نہیں ہونگے خواہ وقف نامہ میں یہ درج ہو کہ اس
وقف میں تمام ملکحات و حقوق شامل ہیں۔

اگر کسی آرائشی پر بار آور درخت ہوں یا سکونتی مکانات سے متصل موقوفہ تمام
ہو اور وقف نامہ میں تمام ملکحات اور حقوق کا حوالہ ہو تو یہ سب وقف میں شامل ہوں گے۔

عربیوں نے لیے قبروں کے واسطے وقف

ایسا وقف جو غربا کے لیے قبریں اور کفن مہیا کرنے کے لیے ہو جائز ہے۔

امام علی السعدی فی رائے ہے کہ صوفیہ کے لیے وقف جائز نہیں ہے لیکن دیگر
فقہاء اس کی تردید کرتے ہیں۔

شمس الامنہ کے مطابق تمام حاجت مندوں اور ناداروں کے لیے وقف جائز
ہے۔ اگر آدمیوں کے گروہ کثیر کے لیے کوئی وقف کیا جائے تو اس سے مراد جو ان میں
غریب اور نادار ہیں اگر وقف عام ہے تو اس میں امیر و غریب مساویانہ شامل ہوں گے۔
اور اگر بعض لوگ یا ان کی جماعت کے فائدے کے لیے وقف ہو تو اس کی صریح
وضاحت ہونا چاہئے یا وقف کے الفاظ سے یہ (اگرچہ عبارت عام ہو) لیکن یہ منشا ہونا
چاہئے کہ غربا کے منافع کے مستحق ہیں مثلاً اگر کوئی وقف عام طور پر غربا کے لیے ہو تو
جائز ہے اور اس سے غربا مستفید ہوں گے پس وقف لنگڑے لولوں۔ مفلوج۔ نابیناؤں۔
قرآن خوانوں۔ قانون دان اور محدثین کے لیے جائز ہے اور اس کا منافع جو ان میں نادار
ہوں ان پر صرف ہونا چاہئے۔ اس لئے کہ ان الفاظ سے واضح طور پر عسرت منجھ ہوتی ہے
اس لئے کہ نابینا اور دوسرے ابلج و معذور اور وہ طالب علم یا ایسے ہی دیگر کاموں
میں مصروف ہوتے ہیں وہ روزی پیدا کرنے کیلئے وقت نہیں نکال سکتے اس لئے ان کی عام
حالت میں عسرت اور تنگی ظاہر ہے۔ پس صوفیہ کے لیے بھی وقف جائز ہے اس لئے کہ
وہ عام طور پر نادار ہوتے ہیں اور سختی کے ساتھ (متوکلانہ) سادہ زندگی بسر کرتے ہیں۔

باب ۱۵۔ انتظام وقف

فصل اول :- متولی

واقف انتظام وقف خود اپنے لئے مخصوص کر سکتا ہے

ایک واقف جائز طور پر تولیت یعنی انتظام وقف خود کے لیے مختص کر سکتا ہے یہ ابو یوسف کے مطابق ہے اور ہلال نے اس کی تائید کی ہے۔ صاحب ہدایہ بھی اس کو مسلمہ اصول بتاتے ہیں۔

فتاویٰ قاضی خان میں ہے کہ امام محمد نے اپنی تصنیف کبیر میں لکھا ہے کہ اس وقت تک ایک واقف متولی نہیں ہو سکتا جب تک کہ تولیت وقف اپنے لئے مختص نہ کرے مگر ابو یوسف کے مطابق واقف کو تفویض ضروری نہیں ہے۔ پس اگر تولیت اپنے لئے مختص نہ کی ہو تب بھی وہ متولی بن سکتا ہے ذخیرہ اور تتمہ میں ایسا ہی ہے اور صاحب ہدایہ نے یہ لکھا ہے کہ ہمارے مذہب کا یہ مسلمہ اصول ہے۔

ایک واقف انتظام وقف کے لیے کسی متولی کے تقرر کا مجاز ہے۔ اگر واقف ایماندار اور متدین ہے تو بمقابلہ قاضی متولی نامزد کرنے کا زیادہ مستحق ہے اگرچہ واقف کا جائیداد سے علیحدہ ہونے پر حق ساقط ہو جاتا ہے تاہم اس کو حق ہے کہ آمدنی وقف کی شرائط کے مطابق استعمال ہو۔

واقف نمازیوں کے مقابلہ میں موزن اور امام مقرر کرنے کا زیادہ مستحق ہے بشرطیکہ وہ نااہل اشخاص کو نامزد نہ کرے ایسا ہی نوازل میں آیا ہے اور بقول ابواللیث یہی فتویٰ ہے۔

اسی طرح ردالمحتار میں آیا ہے کہ اگر واقف نے کوئی وقف کیا ہے تو اس کی تولیت اپنے لئے مختص کر سکتا ہے اگر اپنے انتظام وقف کے لیے کسی متولی اور امین کا تقرر نہیں کیا ہے اور خود کیلئے صریحاً تولیت مختص کی ہو تو تب بھی بحیثیت واقف منصب تولیت اس سے ہی متعلق رہے گا۔

تقرر متولی کا اختیار اسلحا واقف ہی کو حاصل :

اگر واقف کا مقرر کردہ متولی واقف کی حین حیات ہی انتقال کر جائے تو واقف (نہ کہ قاضی) دوسرے متولی کا تقرر کر سکتا ہے یہی اصول المساویہ میں ہے۔ صغرئی میں ہے کہ واقف کی زندگی میں متولی کے انتقال پر واقف (نہ کہ قاضی) کو دوسرے متولی کے تقرر کا اختیار ہے۔ اگر واقف کا بھی انتقال ہو جائے تو بمقابلہ بیچ یہ اختیار وہی کو ہوگا۔ لیکن اگر واقف کوئی بھی دس مقرر نہ کرے تو قاضی متولی کے تقرر کا مجاز ہے۔ ایسا ہی فتاویٰ میں آیا ہے۔

عورت تولیت کی اہل ہے

کوئی بھی قابل اعتماد شخص جو منصب تولیت کے فرائض کی انجام دہی کا اہل ہو متولی مقرر کیا جاسکتا ہے اور اس میں مرد اور عورت یکساں ہیں۔ یعنی ایک عورت بھی اسی طرح متولی ہو سکتی ہے جیسے کہ ایک مرد۔ فرقہ اور مذہب کا اختلاف اس پر اثر انداز نہیں ہوتا۔ پس ایک شیعہ، سنی وقف کی تولیت کے نااہل نہیں ہے۔

پس اگر ایک شخص فرائض متعلق وقف کی انجام دہی اصالتا یا اپنے معاون (خواہ مرد ہو یا عورت) کی مدد سے کر سکتا ہے تو وہ منصب تولیت کا اہل ہے۔ منصب متولی ایک ذاتی امانت ہے اور ایسا شخص جو اصالتا امانت کی ذمہ داری سے عہدہ برا نہیں ہو سکتا ہے وہ ان کی انجام دہی کے لیے ذمہ دار نہیں پائے گا۔

جب متولی کو مذہبی فرائض انجام دینا ہوتے ہیں

جب متولی کو وقف سے متعلق کوئی مذہبی یا روحانی فرائض و مراسم کی انجام دہی مطلوب ہو اور وہ ذکور سے متعلق ہوں تو ذکور ہی انجام دیں گے۔ مثلاً ایک متولی جو مذہبی ادارہ کا سربراہ ہے اور مذہبی تقاریر کا فرض انجام دیتا ہو تو ایسی صورت میں ایک عورت باعتبار صنف منصب تولیت کے لیے ممنوع ہے۔ ہندوستان میں ایسے سربراہ سجادہ نشین کہلاتے ہیں (سجادہ) ایک فرش ہے جس پر نماز پڑھی جاتی ہے اور نشین سے وہ شخص مراد ہے جو اس پر بیٹھتا ہے۔ سجادہ نشین محض متولی نہیں ہے بلکہ روحانی پیشوا اور درگاہ کا نگراں بھی ہوتا ہے جہاں کہ بزرگ دفن ہوں اور رشتہ روحانیت کے تسلسل کا قیاس ہو۔

درگاہوں سے مراد مشہور درویشوں کے مقبرے ہیں جو حین حیات ولی سمجھے جاتے تھے ان میں سے بعض نے خانقاہیں قائم کر کے سکونت اختیار کر لی جہاں ان کے مرید جمع ہوتے تھے ان میں سے اکثر کی خانقاہ کو اہمیت حاصل ہے اور ان کے انتقال پر ان کا مقبرہ مزار یا درگاہ ہی رہا یہ ان درویشوں کے تزکیہ باطن کے اصول اور واضح طریقہ تصوف کی تبلیغ کرتے تھے کیونکہ یا تو یہ متولی تھے یا میاں روشن بایزید کے مرید تھے جو اکبر کے زمانے میں ہوئے اور جنہوں نے ایک آزاد باطنی برادرانہ نظام قائم کیا جس کا سربراہ خاص امتیاز کا حامل ہوتا تھا وہ خود کو اس مفروضہ کی بنا پر فقیر کہتے تھے کہ انہوں نے دینا ترک کر دی ہے اور خدا کے حقیر بندے ہیں ان کے پیرو شاہ یا بادشاہ کے لقب سے تمیز کرتے تھے۔

کتابوں میں تصوف کے مختلف سلسلوں کے اور ان کے مروجہ اصولوں کی تفصیل دی گئی ہے ان کا پیشوا پیر اور شاگرد مرید کہلاتا تھا۔ پیر کی وفات پر اس کا جانشین مریدوں کو درویشی یا تصوف کے مقامات سے واقف کرتا تھا پیر اور مریدوں کا باہمی تعلق میرے خیال میں فقیر کے نظریاتی عملی طریقے ہیں جو روحانی اور ذاتی ہیں۔

تقرر سجادہ نشین

ایک کسمن بچے کا منصب سجادگی پر تقرر اس منصب کے منافی سمجھا جائے گا تاہم ایسی بھی مثال ہے کہ ایک ۹ یا ۱۰ سالہ بچے کو پیر نے اپنا سجادہ نشین مقرر کر دیا اور اس کی نابالغی کے زمانے میں تصوف اور اس کے اذکار کی ذمہ داری ایک خلیفہ کو تفویض کر دی اس لئے کہ وہ خاندانی منصب تھا۔ اور کوئی دوسرا فرائض کی انجام دہی کا اہل نہ تھا۔ کسی درگاہ کے سجادہ نشین کا تقرر اور اس کے مراسم کی ادائیگی کے یا قریبی درگاہوں کے رواج کے مطابق ہونا چاہئے جنوبی ہند کی درگاہوں کے رسم و رواج کی تفصیل بتائی گئی ہے اور جہاں تک میرے علم میں ہے اور یہی رسم و رواج ہندوستان کے دوسرے حصوں میں رائج ہیں یعنی آخری سجادہ نشین کے انتقال پر سویم یا تیجہ کی رسم (انتقال کے تیسرے روز) درگاہ کے متعلق فقرا اور مریدین قریبی درگاہوں کے سجادہ نشینوں کے مشورہ سے

ایک افس شخص کو سجادہ نشین مقرر کرتے ہیں۔ اور منتخبہ شخص بالعموم متوفی کا لڑکا ہوتا ہے۔ منصب سجادہ کی پر نامزدگی سے اس امر کا قیاس ہوتا ہے کہ نامزد شخص ان تمام مسائل تصوف سے بخوبی واقف ہے۔ جن کی مریدوں کو تعلیم دینا ہے۔ بعض صورتوں میں نامزد کی بانسابطہ مسند نشینی کی شکل اختیار کرتی ہے جو کہ انتخاب کنندہ جماعت کرتی ہے اور سجادہ نشین کی معین حیات کردی جاتی ہے بہر صورت مسند نشین وہی ہوتا ہے جو مریدوں کو طریقت کے راز اور تصوف کے مسائل بتائے۔

اسی طرح امر واقف کا کسی ایسے ادارے سے تعلق ہے جہاں ایک ہی مذہب یا فرقہ مختلف سلسلے کے روحانی اذکار اور اشغال ہوں تو بالعموم دوسرے طبقہ یا فرقہ کا پیرو اس سلسلہ میں تولیت پر مقرر نہ کیا جائے گا۔

تقرر متولی

طحاوی میں ہے کہ ایک متولی بستر مرگ پر دوسرے کو مثل وحی تفویض کر سکتا ہے۔ وقف نامہ شننے موقوفہ میں تقرری متولی کے بارہ میں جانشین کے تقرر کا حوالہ کسی روان کی شہادت نہ ہونے پر بستر مرگ پر اپنا جانشین نامزد کر سکتا ہے اور ایسی نامزدگی بلا کسی عدالت کی تصدیق کے جائز ہوگی مگر اس نامزدگی کے مؤثر ہونے کے لیے نامزد شخص کا بالغ اور عاقل ہونا ضروری ہے اس پر تمام فقہاء متفق ہیں کہ ایک قانوناً نابالغ متولی نہیں ہو سکتا۔

متولی کا قابل، بالغ، اور عاقل ہونا ضروری ہے

فتاویٰ عالمگیری میں یہ اصول اس طرح ہے کہ تقرر کے لیے شرط جواز یہ ہے کہ وہ بالغ اور عاقل ہو اور ایسا ہی بحر الرائق میں ہے۔ ردالمحتار میں بھی تقرر کے جواز کی ضروری شرائط میں بلوغ اور عاقل ہونا چاہئے۔

وقف نامہ کی شرائط کے مطابق انتقال تولیت

اگر منصب تولیت حسب شرط وقف نامہ کسی نابالغ پر منتقل ہو مثلاً اگر وقف نامہ میں یہ شرط ہو کہ تولیت واقف کی آل ذکور یا کسی خاص خاندان کے افراد میں محدود

رہے کی اور شخص مذکور جس پر حسب شرائط وقف نامہ تولیت منتقل ہونی ہے اگر وہ نابالغ ہو تو تا وقتیکہ وہ بالغ نہ ہو جائے تقرر ملتوی رہے گا اور بالغ ہونے پر ہی تولیت منتقل ہوگی۔ اسی طرح اگر کسی خاندان میں تولیت موروثی ہے اور آخری متولی بستر مرگ پر نابالغ بچے کو متولی مقرر کرتا ہے تو قاضی اسے قبول نہ کرے گا بلکہ دوران نابالغی کسی دیگر شخص کو ان فرائض کی ادائیگی کے لیے مقرر کرے گا۔

تقرر نابالغ

انشاء الوسائل میں ہلال کے وقف کے حوالے سے ہے کہ اگر واقف یہ کہے کہ ولایت میرے بچوں کے لیے ہے اور وہ اپنے بالغ اور نابالغ بچے چھوڑے تو قاضی کو بجائے نابالغ کے کسی اور کو مقرر کرنا چاہئے۔ یا نابالغ کے نمائندہ کے طور پر مقرر کرنا چاہئے مگر ایک نابالغ کا تقرر قاضی کی منظوری سے نہیں ہو سکتا خواہ اسے قاضی خود یا کوئی اور شخص مقرر کرے اس لئے کہ بوجہ ناقابلیت وہ نہ معاملات وقف کے انتظام کا اہل ہے اور اس کے بجائے قاضی کوئی اور نائب مقرر کر سکتا ہے۔ اگر واقف کسی نابالغ کو متولی مقرر کرتا ہے اور اس کے ساتھ کوئی بالغ معاون نہ ہو تو قاضی کسی شخص کو بھی نابالغ کے حصول بلوغ تک کام کے لیے مقرر کرے گا اور اگر کوئی بالغ نابالغ کی مدد کے لیے مقرر ہے تو قاضی کسی بھی شخص کو نابالغ کی نمائندگی کے لیے مقرر کرے گا اور وہ شخص دوسرے بالغ (متولی) کے ساتھ مشترکہ کام کریگا۔ یا بالغ کو نابالغ متولی کے بجائے کام کا مجاز کرے گا۔

کسی غلام یا مشرک کا تقرر

تقرری کے لیے حریت اور اسلام ضروری شرائط نہیں ہیں۔ ردالمختار میں یہ جانے کے بعد کہ متولی کی جائز طریقے پر تقرری کے سلسلہ میں بلوغ اور عاقل ہونا ضروری شرائط ہیں مزید یہ کہ حریت اور اسلام ضروری نہیں ہیں پس اگر کسی نابالغ کو وصی مقرر کیا جائے تو از روئے قیاس یہ قطعی باطل ہوگا اور استحسان کے مطابق یہ اس وقت تک غیر موثر ہوگا جب تک کہ وہ نابالغ رہے اور جب بالغ ہو جائے تو ولایت اس پر عود کرے گی۔ اگر شخص مقررہ غلام سے تو قیاس اور استحسان دونوں کی رو سے یہ تقرر جائز

ہوگا اسلئے کہ اس میں وہ ذاتی قابلیت ہے جو نابالغ میں نہیں ہے۔ یہی صورت ذی (غیر مسلم رعایا) کے ساتھ ہے اگر قاضی غلام (عبد) کو ولایت سے علیحدہ کر دے تو وہ آزاد ہونے کے بعد بھی بحال نہ ہوگا اور نہ ایک ذمی بعد قبول اسلام کے اسلئے کہ یہ دونوں صورتیں نابالغ سے مختلف ہیں۔

پس اس سے ظاہر ہوگا کہ ایک غلام (ذمی رعایا کے فرد) کو متولی مقرر کر سکتے ہیں تاہم یہ قاضی کی مرضی پر ہے کہ وہ اس کو علیحدہ کر دے اگر اس کے خیال میں یہ مقرر مفادات وقف کے خلاف ہے یا استفادہ کنندگان کی خواہشات کے برعکس ہے یا دوسرے مذہب کے پیروکا بطور منتظم وقف ہونا خلاف مصلحت ہے۔

”فتویٰ الکنایہ“ میں اسی طرح ہے

جب تولیت کسی نابالغ میں منتقل ہو تو ایک بالغ کو تولیت کے فرائض کے انجام دہی کے لیے مقرر کرنا چاہئے

س:- اگر واقف نے اس شرط کے ساتھ وقف کیا ہے کہ اس کا انتظام اس کے بچوں سے متعلق رہے گا اور اس کے بچوں میں بالغ اور نابالغ دونوں ہوں تو کس کو تولیت سپرد کی جائے۔

ج:- قاضی صغیر بچوں کی جگہ کسی شخص کو مقرر کرے گا اور اگر وہ چاہے تو بالغ بچوں کو نابالغان کا بطور قائم مقام ولی مقرر کرے۔

اگر واقف نے تولیت کسی نابالغ لڑکے کو تفویض کی ہے تو پھر یہ تولیت جب تک کہ وہ بالغ نہ ہو غیر موثر رہے گی اس کے بعد وقف اسکے سپرد کر دیا جائے گا اگر واقف کسی ایسے شخص کو متولی مقرر کرے جو غیر حاضر ہے تو قاضی کو اختیار ہے کہ اس کی غیر حاضری کے دوران عارضی طور پر کسی دوسرے شخص کو نامزد کر دے اور جب واقف کا مقررہ متولی آجائے تو وقف اس کو عود کرے گا۔

اوپر بتایا گیا ہے کہ واقف بوقت وقف متولی کے جائیداد سپرد کرنے سے پہلے متولی کی علیحدگی یا جائیداد کی تبدیلی کے سلسلہ میں اپنا حق مختص کر سکتا ہے مگر اور کسی

صورت میں یہ ممکن نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص بعد وقف کسی دوسرے کو متولی اس شرط پر مقرر کرے کہ متولی کو اپنا جانشین کسی دستاویز کی رو سے کرے گا تو یہ شرط جائز ہوگی۔ جب کوئی شخص وقف کرے اور اپنی موت کے وقت کسی کو اپنا وصی مقرر کرے اور وقف کے بارہ میں کوئی ذکر نہ ہو تاہم یہ وصی اس وقف کا متولی ہوگا۔ اگر کوئی تندرست شخص اپنی آراضی کو غربا کے لیے وقف کر کے متولی کے سپرد کرے اور (مابعد) بوقت موت وصی سے یہ کہے کہ زمین کی پیداوار سے فلاں فلاں کو حصے دو اور باقی جس طرح چاہے کام میں لو اور وصی واقف کی ہدایت کے مطابق عمل کرے تو یہ جائز نہ ہوگا اس لئے کہ وقف تو شروع سے ہی ہو چکا تھا اور واقف اگر یہ اختیار اپنے لئے پہلے مختص کر لیتا تب ہی جائز ہو سکتا تھا۔

فصل دوم :- تقرر متولی

متولی کا تقرر

متولی کا تقرر جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے اصلاً واقف کی مرضی پر منحصر ہے ورنہ وصی کی مرضی پر ہے اس لئے کہ وہ واقف کا قائم مقام ہے۔ وصی کے نہ ہونے کی صورت میں تقرر متولی کا اختیار حج کو ہوتا ہے اور وصی سے متعلق بالفاظ دیگر وصی کے مقرر کردہ وصی کو وہی اختیارات حاصل ہوتے ہیں جو اصلاً وصی کو ہوتے ہیں۔

متولی شرائط کے مطابق مقرر ہوتا ہے یا واقف کی حین حیات تک ہی وقف سے متعلق اس کی قانونی حیثیت مثل وصی کے ہوتی ہے مثل وصی اور اس کے بوقت مرگ یا مرض الموت میں بوقت مرگ جانشین کے تقرر کا مجاز ہے۔

اگر واقف اپنی موت کے بعد دو شخصوں کو متولی مقرر کرے اور ان میں سے ایک دوسرے کو وصی بنا کر انتقال کر جائے تو پس ماندہ شخص فرائض تولیت کی انجام دہی کا مستحق ہے۔ ایسا وصی محض جائیداد ہائے اوقاف کے لیے ہی مقرر کیا جائے گا وہ وصی عام بھی ہوگا۔ ابو یوسف اور دوسرے فقہاء میں اختلاف ہے۔ احناف کے مطابق اگر واقف پہلے وقف کا متولی مقرر کرے اور مابعد اسی وقف کا ایک وصی تا وقتیکہ ان کے فرائض

مختص نہ کر دئے جائیں دونوں فرائض متولی انجام دیں گے اور ان کے فرائض اس طرح مختص ہوں گے۔

اگر واقف یہ کہے کہ میرا فلاں قطعہ آرائسی وقف اور فلاں اس کا متولی ہے اور باقی جائیداد کا فلاں وصی ہے۔ اس طرح ہر دو کے فرائض علیحدہ ہوں گے۔

ایڈ وکیٹ جنرل بنام فاطمہ سلطان بیگم

بمقدمہ ایڈ وکیٹ جنرل بنام فاطمہ بیگم یہ طے پایا ہے مسلم قانون کے مطابق ایک واقف کو یہ اختیار ہے کہ وقف کا انتظام اپنے لئے مختص کرے یا کسی دوسرے کو مقرر کرے اگر وہ اس طبقہ کو مختص کرتا ہے جس سے کہ متولی کا انتخاب کیا جائے تو وہ وقف نامہ کے خلاف نہیں کر سکتا اور ایسے شخص کو مقرر نہیں کر سکتا جو وقف نامہ کی مندرجہ شرائط پر پورا نہ اترتا ہو اور ان کے مرنے کے بعد اس کے جائشین کی نامزدگی کا اختیار بھی وقف نامہ کے مطابق مندرجہ طبقہ تک ہی محدود رہے۔

اگر واقف نے بوقت وقف طبقہ کی تبدیلی کا اختیار جس سے فیجبر کا انتخاب ہوتا ہے اپنے لئے مختص کر لیا ہے تو پھر ایسے شخص کے تقرر سے ہی جو وقف نامہ کی شرائط پر پورا نہ اترتا ہو وقف ناجائز ہوگا۔

اقربا کا مفہوم

اقربا کی اصطلاح اگرچہ زیادہ مناسب طور پر خون کے رشتہ داروں تک ہی محدود ہے لیکن جب کہ متن سے یہ معلوم ہو کہ وسیع مفہوم میں استعمال کرنے کا غنا تھا تو اس میں خاندانی رشتہ داروں کو بھی شامل کیا جاسکتا ہے مگر واقف کی اہلیہ یا بیوہ اقربا میں شامل نہیں ہیں۔

بقول ابو یوسف اگر کوئی واقف اپنی حین حیات بلا اس حوالہ کے کسی کو متولی مقرر کرتا ہے کہ یہ تقرر اس کی موت کے بعد بھی قائم رہے گا تو واقف کے انتقال پر چاہے تو وہ اپنا منصب ترک کر دے تاہم اصول قانون یہی ہے کہ جب کوئی تقرر بلا حوالہ مدت ہو تو وہ مقرر کرنے والے کی موت پر ختم نہیں ہوتا۔

اگر کوئی شخص حین حیات وقف کرے اور مرض الموت میں بھی متولی کے بجائے

ایک وصی مقرر کرے تو وہ وصی اور متولی دونوں ہوگا۔ یہ ابو یوسف کی رائے ہے اور ایسا ہی فتویٰ ہے اگر واقف نے حین حیات میں متولی مقرر کر دیا ہے تو وصی متولی وقف ہوگا۔

بمقدمہ شاہرحمت اللہ صاحب بنام محمد اکبر صاحب عدالت عالیہ مدراس نے مسلم قانون کے اس مسلمہ اصول کو اختیار کیا کہ جب کوئی جائیداد مذہبی یا خیراتی اغراض کے لیے وقف ہوتی ہے تو واقف عموماً تقرر اور جانشینی متولی کے قواعد وضع کرتا ہے۔ اور مسئلہ جانشینی کا انہی قواعد پر انحصار ہوتا ہے۔ خواہ یہ قواعد منضبط ہوں یا رسم و رواج کی بنا پر نافذ ہوں۔ قواعد نہ ہونے کی صورت میں واقف کو حین حیات خود اختیار تقرر ہوتا ہے۔ اس کی موت پر وصی کو اگر وصی نہ ہو تو مجسٹریٹ یا دوسرے مقتدر (یعنی عدالت) کو یہ اختیار ہوتا ہے۔

اگر واقف نے بچوں کے لیے تولیت کی شرط رکھی اور ان میں بعض نابالغ ہوں تو قاضی بالغان کو مجاز کر سکتا ہے کہ وہ نابالغان کی طرف سے تقرر کر دیں یا اپنے متعلقہ کام کرنے کیلئے معاون مقرر کر دیں جو کہ بچوں کی نمائندگی کر سکیں۔

ھاتف نے انفع الوساکن میں لکھا ہے کہ ایک شخص جب دو قطععات آراضی وقف کر کے دو متولیان کا تقرر کرے اور بوقت مرگ زید کو وصی مقرر کرے تو زید متولی ہوگا اور اگر زید عمر کو وصی مقرر کرے تو عمر کی بھی وہی حیثیت ہوگی جو زید کی ہے۔ اگر کوئی شخص یکے بعد دیگرے دو وصی مقرر کرے مگر پہلے وصی کو علیحدہ نہ کرے تو دونوں ہی وصی ہوں گے اس لئے کہ (احناف) میں منصب وصی آپ ہی تفویض نہیں ہوتا۔ چنانچہ قاضی کا دیگر متولی مقرر کرنا واقف کے دوسرے متولی کے تقرر سے مختلف ہے مؤخر الذکر صورت میں ہر دو تقرر جائز ہیں اگر قاضی دو تقرر کرے تو دوسرے تقرر سے پہلا تقرر ناجائز ہو جاتا ہے بشرطیکہ پہلا متولی دوسرے کے تقرر سے باخبر ہو۔

اگر قاضی نے متولی مقرر کیا ہے تو واقف کو قاضی کے مقرر کردہ شخص کو علیحدہ کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ اگر واقف نے متولی کا تقرر نہیں کیا۔ بلکہ قاضی نے کیا ہے تو واقف قاضی کے مقررہ متولی کو علیحدہ کرنے کا مجاز نہیں ہے۔

متولی کو مقرر کرنے میں قاضی کو اختیار

اگر بلا تقرر متولی واقف کا انتقال ہو جائے تو قاضی منتظم وقف کے تقرر کا مجاز ہے اس طرح آخری متولی کے بلا تقرر جانشین یا دوسری انتقال ہو جانے پر اس تقرر کا قاضی مجاز ہو گا۔ اسی اصول کے مطابق فتویٰ ہے۔ اور علامہ حصاف نے بھی یہی طے کیا ہے۔

آخری متولی کو نامزدگی جانشین کا اس وقت اختیار ہے جب کہ واقف نے اس منصب کے تقرر کے بارہ میں کوئی شرط نہ رکھی ہو۔ اگر واقف نے یہ عہدہ تولیت خاندان کے سلسلہ ذکر کیسے منتقل کیا ہو تو کسی بھی مابعد متولی کو سلسلہ تولیت میں تبدیلی کا اختیار نہ ہو گا۔

یا اگر واقف نے یہ طے لیا ہے کہ (A) کے بعد اس منصب پر (B) ہو گا تو (A) و (B) دونوں اختیار نہیں ہے۔

جب تک واقف کا کوئی بھی رشتہ دار جو منصب تولیت کا اہل ہو مل سکے تو کسی غیر شخص و متولی مقرر نہ لیا جائے اس لئے کہ واقف کے رشتہ دار کو زیادہ تعلق خاطر ہو گا اور واقف کی بھی عام طور پر یہی نیت ہوتی ہے کہ رشتہ دار ہی متولی ہو۔

واقف کے کنبے دار کا حق منصب تولیت پر

کافیہ میں حاکم کا یہ قول نفس قرار دیا گیا ہے کہ جب تک کہ واقف کی آل یا اس کے کنبے کے افراد (اہل) میں سے کوئی بھی اہل شخص منصب متولی کیلئے مل سکے کسی غیر کو متولی نہ بنایا جائے۔ اگر ان میں سے کوئی بھی اہل نہ ہو تو تولیت غیر کو تفویض ہوگی بعد میں اگر واقف کے خاندان سے اس منصب کا اہل مل جائے تو وہ متولی ہو گا۔

الخاصل منصب تولیت کے لیے اولاد واقف کو ترجیح ہوگی خواہ واقف ان کے لیے نہ ہو جس طرح کہ دوسروں کے لیے وقف ہوتا ہے۔

وقف کے افراد خاندان کا مرتب حق

واجز محیط میں ہے کہ جب تک واقف کی اولاد یا اس کے خاندان کا کوئی فرد (اہل بیت) زندہ اور تولیت کا اہل ہے قاضی کو منصب تولیت پر کسی غیر کو مقرر نہ کرنا چاہئے اگر آل کنبہ میں اس منصب کا کوئی اہل نہ ہو تو قاضی ایک بیرونی شخص کو مقرر

کر سکتا ہے۔ لیکن تقرر کے بعد اگر ان آل سے کوئی اہل شخص مل جائے تو اسی کو تفویض کر دینا چاہئے اس اصول کی فتاویٰ انٹرویوہ فصول عمادیہ اور فتاویٰ عالمگیری میں اس الفاظ میں تکرار ہے حتیٰ کہ ردالمحتار کے مصنف نے یہاں تک لکھا ہے۔

بند یہ میں تہذیب کے حوالے سے ہے کہ جب موقوف الیہ کے رشتہ دار یا آل میں کوئی شخص ہو تو اس کا ہی تقرر مرجح ہے لفظ ”موقوف الیہ“ سے واقف کی آل مفہوم ہے پس مندرجہ بالا قول ”معی“ متضاد نہیں ہے۔

مکرر یہ کہ الفاظ قابل ترجیح سے ظاہر ہے کہ اولاد واقف کے مقابلہ میں غیر کا تقرر ناجائز ہے جامع الفصولین کے نظریہ سے متضاد نہیں ہے اور وہ اسی طرح ہے۔ اگر واقف یہ شرط رکھے کہ اس کے بچے اور یکے بعد دیگرے بچوں کے بچے وقف کے متولی ہوں گے تو قاضی کسی بیرونی شخص کے تقرر کا اس وقت تک مجاز نہیں ہے جب تک کہ واقف کی آل اعتماد شکنی کا مرتکب نہ ہو۔ اگر قاضی واقف کی آل میں سے ناجائز طور پر کسی کو علیحدہ کر کے کسی دیگر شخص کو متولی مقرر کر دے تو وہ متولی نہ ہو سکے گا بشرطیکہ واقف نے صریحاً یہ شرط رکھی ہو۔ لیکن اگر ایسی کوئی شرط واقف نے نہ رکھی ہو تو جائز ہے۔

خیر یہ میں ”وقف“ کے آخر حصہ سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ایسا تقرر (تقرر شخص غیر) قطعاً ناجائز ہوگا۔ اور بلاشبہ یہی لااعجلو کا منشا ہے جو قابل غور ہے اور جزیہ کے فتویٰ کے مطابق اہل الاوقاف میں کسی کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ اشخاص (جن سے متولی کا انتخاب کیا جائے) ایسے ہوں کہ اگر مابعد انکی عدم اہلیت دور ہو سکے تو کافی ہے اسے منصب تولیت پر واضح طور پر مقرر ہونا چاہئے۔ مخفی نہ رہے یہ اصلاً اس صورت میں ہے جب کہ واقف کی آل یا اہل بیت میں کوئی اہل نہ ہو۔

فصول عمادیہ میں ہے کہ مصنف (فصول العمادیہ) کے والد سے دریافت کیا گیا کہ اگر واقف کی یہ شرط ہو کہ تولیت آل ہی میں محدود رہے گی تو کیا قاضی کسی غیر کو متولی مقرر کر سکتا ہے۔ اس کا انہوں نے نفی میں جواب دیا۔

ایک بیرونی شخص متولی کب ہو سکتا ہے

اگر واقف کی آل یا اعزہ میں کوئی اہل یا موزوں شخص نہ ہو تو بیرونی شخص کا

تقرر ہو سکتا ہے۔ اگر واقف کی آل اولاد یا رشتے داروں میں سے متولی ہونے کی صورت میں اگر وہ نااہل یا اعتماد شکن ہو تو وہ علیحدہ کیا جاسکتا ہے۔ واقف کے خاندان میں اگر دوسرا اہل شخص نہ ہو تو یہ وہی شخص کا تقرر ہو سکتا ہے۔ جب خود واقف اعتماد شکنی پر علیحدہ ہو سکتا ہے تو دوسرے نااہل شخص کی علیحدگی کے لیے تو اور بھی قوی جواز ہے۔

اگر واقف کی آل رشتے دار یا پڑوسی میں سے کوئی بھی اس منصب کے لیے تیار نہ ہو اور کوئی بیرونی شخص بلا مشاہرہ کام کرنے پر آمادہ نہ ہو تو قاضی کو غور کرنا چاہئے کہ مفاد واقف میں کس کا تقرر بہتر ہوگا اور اہل ترین کون ہے۔

تقرر متولی

قانون میں اس امر کی سرینما وضاحت ہے کہ واقف کے افراد خاندان میں جب تک کوئی بھی اہل اور موزوں شخص ہے کسی غیر کا تقرر نہ ہو۔ یہی کلیہ اس مقررہ متولی پر لاگو ہوگا۔

عدالت عالیہ کلکتہ نے اس کا نفی میں جواب دیا ہے اور بتایا ہے کہ اگر مرض الموت میں جتنا متولی اپنا جانشین مقرر کرے تو یہ ضروری نہیں ہے کہ نامزد شخص واقف کے خاندان تک ہی محدود ہو اگر جائز طور پر تقرر ہوا ہے تو جب تک پہلا متولی موجود ہے دوسرے کا تقرر نہیں ہو سکتا۔ متولی بطور خود منصب تولیت ترک نہیں کر سکتا۔ ترک منصب کے لیے اسے قاضی کی اجازت لینا ضروری ہے۔ بعض فقہانے بلاشبہ یہ رائے ظاہر کی ہے کہ ایک متولی دوسرے کے حق میں استعفیٰ دے سکتا ہے مگر انہوں نے بتایا ہے کہ ایسا شخص اس وقت تک متولی نہ ہوگا جب تک قاضی نے استعفیٰ کو منظور نہ کیا ہو بلکہ اس منصب پر تقرر کے لیے وہ پابند نہیں ہے۔

اگر کوئی متولی کسی مالی فائدہ کے لیے دوسرے شخص کے حق میں عہدہ تولیت سے دست بردار ہو جائے اور قاضی موخر الذکر کو مقرر نہ کرے تو وہ شخص متولی کے خلاف وصولیائی رقم کی کارروائی کر سکتا ہے اگرچہ ایسا معاہدہ خلاف قانون ہے مگر فقہانے متاخرین اس کو قانوناً جائز بتاتے ہیں۔ اصلاً یہ قانون کی صحیح تعبیر کے خلاف اور قطعاً غیر اخلاقی ہے۔

بزمانہ سابق اوقاف کے مگر ان فرانس خود کی ادائیگی ذریعہ نمائندگان کرتے تھے اور مقررہ وظیفہ اعزازی طور پر کچھ نمائندگان کو دیتے تھے اس طریقہ کار کے قانوناً جواز کے سلسلہ میں فقہاء متقدمین نے کافی غور کیا ہے۔ مگر متاخرین اس پر عموماً متفق ہیں کہ جب تک وہ جائز نہ ہو قائم مقام کا تقرر ناجائز ہے۔

ایک متوایہ (عورت) اگر بوجہ صنف منصب تولیت کے فرانس کی ادائیگی کے ناقابل ہو تو وہ نائب (معاون) مقرر کرنے کی مجاز ہے اسی طرح اگر ناقابلیت (مجبوری) ناراضی یا بسبب غیر حاضری یا علالت ہو یا بہ سبب جائز ہو تو منتظم یا قاضی کا نامزد یہ فرض انجام دے سکتا ہے۔ اس صورت میں نامزد شخص حصہ اور جزوالاونس اصل جو اس کے اور اصل عہدیدار کے درمیان طے ہوا ہے پاسکے گا۔

ابن شبلی کے فتویٰ میں ہے کہ جب بوجہ کمزوری متولی نگرانی کار کے ناقابل ہو تو اس سلسلہ میں کوئی قائم مقام یا نائب مدد کے لیے مقرر کر سکتا ہے مگر تمام معاملات میں ذمہ داری اس کی ہوگی اور متولی سے الاونس پاسکے گا۔

اختیار جانشینی متولی

ایک متولی حین حیات کسی کو نہ اپنا عہدہ تفویض نہ منتقل کر سکتا ہے جب تک کہ وہ اس کا مجاز نہ ہو۔ اور اگر وہ حین حیات بحالت صحت اپنے بجائے کسی دوسرے کو مقرر کرے تو ایسا تقرر خلاف قانون و ناجائز ہوگا تا وقتیکہ متولی اسکا مجاز نہ ہو۔ ایسی صورت میں اگر اپنے بجائے متولی کسی دوسرے کو مقرر کرے تو وہ موخر الذکر کو علیحدہ نہیں کر سکتا بجز اس صورت میں کہ واقف نے بوقت تشکیل وقف کسی دیگر شخص کے تقرر یا علیحدگی کا اختیار دیا ہو۔

مندرجہ شرط اصلاً غیر مستقل جانشین کے تقرر کے بارے میں ہے جسے متولی کے تمام اختیارات حاصل ہونگے۔ بلکہ وہی اس منصب پر فائز ہوگا کہ اس کا قائم مقام۔ متولی جانشین کا تقرر مرض الموت میں کر سکتا ہے مگر کسی نائب یا نمائندے کے تقرر کیلئے یہ شرط لاگو نہیں ہوتی۔

فتح القدر کے مطابق متولی جن لوگوں کو نمائندہ یا مددگار مقرر کر سکتا ہے وہ

متولی کے ذمے فرائض انجام دے سکتے ہیں متولی نماہندے یا نائب کو اور دوسرے کے تقرر کا مجاز ہے۔ متولی کے فاقہ عقل ہونے کی صورت میں اس کے نائب یا نماہندہ کا تقرر خود بخود مفسوخ ہو جاتا ہے اور قاضی متولی کا نماہندہ مقرر کرنے کا مجاز ہے۔ یہ اصول دونوں صورتوں میں جب کہ قاضی یا واقف نے متولی مقرر نہ کیا ہو لاگو ہوتا ہے۔ متولی کا تقرر اگر عام حالات میں ہوا ہے تو دوسرے شخص کو بھی تفویض کر سکتا ہے ورنہ نہیں۔ فتاویٰ عالمگیری کے مطابق یہی مسلمہ اصول ہے۔

متولی بوقت مرگ منصب تولیت اس طرح تفویض کر سکتا ہے جس طرح ایک دوسری دوسرے کو تفویض کرے۔ اگر واقف نے شخص جائیداد متولی کو تفویض کی ہے تو وہ اس کی مملو کہ نہ ہوگی۔ مگر بذریعہ وصیت یہ منصب منتقل ہوگا۔ یہ مسئلہ حج کے سامنے پیش کرنا چاہئے تاکہ وہ اس خدمت کے معاوضہ میں تنخواہ یا مشاہرہ مقرر کرے بشرطیکہ واقف نے کوئی وظیفہ مقرر نہ کیا ہو اور یہی فتح القدر میں ہے۔ اگر متولی بحالت صحت حین حیات خود کسی دوسرے شخص کو مقرر کرے تو یہ جائز نہ ہوگا۔ تاوقتیکہ یہ تفویض اس کو علی السبیل تسلیم کی گئی ہو۔ ایسا ہی محیط میں آیا ہے۔

اظہار عام کا مفہوم

اظہار "عام طریقے" پر یا علی السبیل القیم کے بارہ میں معنف ردالمحتار نے اس طرح وضاحت کی ہے۔ عام طریقہ سے مراد یہ ہے کہ اگر واقف یا قاضی بوقت تقرر متولی کو اسے کسی دوسرے کو وقف منتقل کرنے کا مجاز کریں اور دوسرے اپنے بجائے بذریعہ وقف یا وصیت کسی اور کو قائم مقام بنا سکے گا۔ اس شرط کے علاوہ متولی کو یہ بھی اختیار ہے کہ کسی دوسرے کو اپنی حین حیات یا مرض الموت میں متولی مقرر کر دے۔

اگر تقرر متولی یا تفویض وقف علی السبیل القیم نہیں ہے بالفاظ دیگر متولی کو اگر اختیارات عمومی حاصل نہ ہوں تو بحالت صحت جب وہ فرائض منصبی کی ادائیگی کا اہل ہو تو دوسرے کو وقف تفویض نہیں کر سکتا اگر وقف نامہ میں جانشینی کے طریقہ کار کے بارہ میں کوئی شرائط نہ ہوں تو مرض الموت میں اپنا جانشین مقرر کر سکتا ہے اسکی وجہ بقول قاضی خان یہ ہے کہ متولی اس وقت بطور وصی اور مثل وصی مرض الموت میں

اپنے بجائے دوسرا متولی مقرر کر سکتا ہے تاکہ اسکے فرائض متعلقہ انجام دے سکے۔ وصی جب ایک بار منصب قبول کرے تو منصب مذکور سے استعفیٰ کا مجاز نہیں ہے جس طرح ایک متولی وقف سے بلا اجازت علیحدہ نہیں ہو سکتا۔

متولی جس کو عمومی اختیارات ہوں بحالت صحت جانشین مقرر کر سکتا ہے

ایسا شخص جسے عمومی اختیار نہ ہو بلا اجازت قاضی کسی دوسرے کو متولی مقرر کر دے تو اس کی عہدہ تولیت سے علیحدگی کے مساوی ہے تاہم وہی ذمہ دار ہے جب تک کہ اس کے تقریر یا تبدیلی کی قاضی نے بعد تصدیق نہ کی ہو۔

متولی کے عمومی طریقہ پر تقرر کے سلسلہ میں کہ لفظ ”القیم“ کی ”انفع المسائل“ میں اس طرح توجیح ہے کہ واقف متولی کا اپنے بجائے تقرر کر سکتا ہے اور اپنا قائم مقام بنا کر اس امر کا مجاز کرتا ہے کہ وہ جس کو چاہے وقف تفویض کرے ایسی صورت میں متولی بحالت صحت یا مرض الموت وقف منتقل کر سکتا ہے۔

اگر ناظر (متولی) مرض الموت میں بلا شرط تولیت دوسرے کو منتقل کرے تو یہ جائز ہے اور اگر بحالت صحت منتقل کرے تو یہ ناجائز ہے جیسا کہ تتمہ میں ہے کہ وہ ایک وصی کی حیثیت میں ہوتا ہے اور بحیثیت وصی منصب وصی کو بذریعہ دستاویز منتقل کر سکتا ہے وہ ایک متولی بھی کر سکتا ہے۔ اس لئے یہ صحیح ہے کہ ایک قیم (نگراں) اور وصی کے اختیارات یکساں ہوتے ہیں مگر بحالت صحت جو بھی افعال صادر ہوں اس سے مختلف ہیں اس لئے بحالت صحت قیم ایک وکیل یا مددگار ہوتا ہے اور مددگار اپنے اختیارات تفویض کرنے کا مجاز نہیں ہے۔

اس موضوع کے سلسلے میں سیرت الفتویٰ بالکل واضح ہے اگر واقف کی یہ شرط ہے کہ متولی دوسرے شخص کو وقف تفویض کرنے کا مجاز ہوگا تو ایسی صورت میں بحالت صحت متولی کا تفویض تولیت جائز ہے ورنہ نہیں۔ لیکن بلا ان اختیارات کے اگر مرض الموت میں تفویض تولیت ہو تو جائز ہے۔ کفایہ اور تمیمہ میں ایسا ہی ہے۔

اگر متولی اس اختیار کی بنا پر جو واقف اس کے لیے مختص کرے کسی دوسرے کو اپنی جگہ مقرر کرے تو وہ اس شخص کو علیحدہ نہیں کر سکتا تا وقتیکہ واقف نے اس کو تقرر کا

اور متحد کی کا مجاز نہ کیا ہو۔ ترنوی نے اپنی کتاب انفع الوساکن میں اس اصول کی وضاحت کی ہے۔ یہ ہے۔ ایک ایسے متولی کے بارے میں جسے اس کے پیش رو نے برنباہ اختیار تقرر کی مقرر کیا تھا۔ اور جو اس وقف کو کسی تیسرے شخص کے اختیار میں چھوڑ کر انتقال کر گیا تھا۔ دریافت کیا گیا کہ آیا حاکم کسی اور کو تولیت دے سکتا ہے میں نے جواب دیا کہ اگر متولی نے بحالت صحت تولیت تفویض کی تھی تو مامور شدہ شخص تقرر کرنے والے کی حیات تک اس وقف کا عمر ادا رہے گا لیکن اسکے انتقال پر قاضی تقرر کا مجاز ہے۔

میرے خیال میں یہ ایسی صورت ہے جب کہ متولی جسے اس کے پیش رو (متولی) نے واقف کے مقبولہ اختیار کی بنا پر مقرر کیا تھا مگر خود اسے کوئی اختیار نہ تھا باالفاظ دیگر پہلے متولی کو اس کی ذاتی حیثیت کی بنا پر بستر مرگ سے مقرر کئے ہوئے جانشین کے تقرر کا اختیار ہے تو جائز ہوگا۔

بستر مرگ پر تقرر

جب واقف بستر مرگ پر دوسرے سے کہے (اس وقف کو تم میرے بجائے سنبھالو یا یہ کہے کہ اس وقف کے متعلق میرے بچوں کو وہی اختیار ہوگا جو مجھے ہے یہ اصلاً آل کو وہی اختیار تفویض کرنا ہے جو اس کو تھے اور جیسا کہ میں سمجھتا ہوں ایسے معاملات میں واقف کے بچوں کے دوسری کو اپنی حیات میں ہی متولی کے تقرر کا اختیار ہوگا۔ اس مسئلہ پر واحد علی بنام اشرف حسین پر مناسب طور پر غور نہیں کیا گیا۔

واقف یہ شرط کر سکتا ہے کہ فلاں اس وقف کا متولی ہے مگر بذریعہ وصیت دوسرے کو وقف کرنے کا اختیار نہ ہوگا اور یہ شرط جائز ہے۔

ایک واقف جائز طور پر یہ شرط کر سکتا ہے کہ فلاں شخص وقف کا متولی ہوگا مگر نہ وہ اور نہ کوئی دوسرا متولی بذریعہ وصیت کسی دوسرے کو وقف بذریعہ وصیت تفویض کرنے کا مجاز نہیں ہے۔

جب وقف نامہ میں ایسی کوئی شرط ہو کہ متولی کے جانشین کے تقرر کا اختیار بیج کی مرضی پر ہو تو ایسی صورت میں متولی بحالت صحت یا بحالت بیماری اپنا جانشین مقرر نہیں کر سکتا اور ہر متولی کے انتقال پر قاضی جانشین مقرر کرے گا۔

واقف کو متولی کے علیحدہ کرنے کا اختیار اس صورت میں ہے جب کہ اس بارے میں اس نے اختیار اپنے لئے مختص کر لیا ہو

ایسا متولی جسے واقف نے مقرر کیا ہو اسکے اختیار علیحدگی کے بارہ میں ابو یوسف و ابو محمد کی رائے میں اختلاف ہے ابو یوسف کی رائے میں خواہ یہ اختیار اس نے پہلے سے اپنے لئے مختص کیا ہو یا نہیں ابو محمد کا اس سے اختلاف ہے ان کی رائے میں یہ اختیار اس وقت استعمال ہو سکتا ہے جب واقف نے متولی کو بلا فعل ناجائز کے بھی اختیار علیحدگی اپنے لئے مختص کر لیا ہو اور فتویٰ ابو محمد کی رائے کے مطابق ہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں ابو یوسف اور امام محمد کے درمیان اختلافات کی تفصیل ملتی ہے ایک شخص نے جائیداد وقف کرنے کے بعد قیم یا نگران کو منتقل کر دی۔ بعد میں انہی سے واپس لینا چاہے تو ابو محمد کی رائے میں اگر بوقت وقف اسکے واپس کی یہ شرط رکھی ہے کہ وہ قیم کو علیحدہ کر کے جائیداد واپس لینے کا مجاز ہے تو یہ جائز ہے ورنہ نہیں۔

ابو یوسف کے مطابق وہ ہر حالت میں خواہ یہ اختیار اس نے اپنے لئے مختص کیا ہو یا نہیں ایسا کر سکتا ہے اور بلخ کے مشائخ فقہا ابو یوسف کے مطابق طے کرتے ہیں۔ فقیہ ابو الیث نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے مگر بخارا کے فقہا ابو محمد کے مطابق طے کرتے ہیں اور اسی کے مطابق فتویٰ ہے اور مضمرات میں بھی ایسا ہی ہے۔
ردالمختار میں اسی اختلاف کی وجہ کی وضاحت کی گئی ہے۔

ابو یوسف متولی کو واقف کا نائب یا وکیل قرار دیتے ہیں اس لئے کہ واقف ہر وقت اسے علیحدہ کرنے کا مجاز ہے۔ ابو محمد کے نزدیک متولی استفادہ کنندگان کا نمائندہ یا وکیل ہے اور واقف اسے علیحدہ کرنے کا مجاز محض اس صورت میں ہے اگر بوقت وقف یہ اختیار اس نے اپنے لئے مختص کر لیا ہو۔

علامہ قاسم کی کتاب تفسیر القدری کے مطابق یہی اصول صحیح ہے اور اسی کے مطابق فتوے دئے جاتے ہیں۔ ردالمختار میں اشیاء کی سند پر اصول اس طرح ہے کہ واقف کو متولی کے علیحدہ کرنے کا کلیتاً اختیار ہے اور فتویٰ اسی کے مطابق ہے مگر فتاویٰ عالمگیری کے مولفان کا یہ اصول ردالمختار کے مصنف کے نزدیک مسلمہ طور پر قابل

پہنڈی نہیں ہے۔ متولی عہدیداران وقف کو علیحدہ کرنے کا مجاز نہیں ہے۔ متولی واقف کے یا قاضی کے علم میں آکر اپنے منصب سے مستعفی ہو سکتا ہے بالفاظ دیگر ان کی اجازت سے عہدہ ہو سکتا ہے مگر شخص اپنی مرضی سے ایسا نہیں کر سکتا۔

واقف اس امر کے لیے متولی کو مجاز کر سکتا ہے کہ وہ دو وظیفہ داران (وظیفہ پانے والوں) کے الاونس میں بہ سواب دید خود جیشی یا کمی کرے یا وظیفہ داران کو علیحدہ یا ان میں اضافہ کرے۔

تولیت سے منتقل کرنے کے سلسلہ میں واقف کی ہدایات

اگر ایک شخص وقف کرے اور عبد اللہ کو اس کا متولی مقرر کرتے ہوئے یہ طے کرے کہ عبد اللہ کے انتقال پر زید متولی ہو گا ایسی صورت میں عبد اللہ مجاز نہیں ہے کہ کسی اور کو متولی مقرر کر دے خواہ عبد اللہ نے کسی اور کو متولی کر دیا ہو زید ہی متولی رہے گا۔

مامہ سیوٹی کے مطابق اگر کوئی یہ طے کرے کہ تولیت وقف اس کے آل میں سب سے ہوش مند کو تفویض کی جائے اور ان میں سے ایک جو اس وقت متولی ہو اپنے داماد کو متولی مقرر کر کے انتقال کر جائے تاہم تولیت واقف کی آل میں سے اسی کو ملے گی جو شرائط وقف نامہ کے مطابق ہو۔ کوئی بھی تقرر جو شرائط وقف کے خلاف یا واقف کی مقرر شرائط کے خلاف ہو ناجائز ہے۔

اوپر آچکا ہے کہ مسجد کے کارکن (نگراں) متولی کو علیحدہ نہیں کر سکتے مگر متولی ان کو نااہلیت یا بد اظہارگی یا دوسرے وجوہ کی بنا پر علیحدہ کر سکتا ہے۔

فقہانے عوامی اور خانگی اوقاف میں امتیاز کیا ہے۔ ایک مسجد کی صورت میں مسلمہ اصول کے مطابق ایک جماعت کو متولی کے تقرر کا اختیار نہیں ہے مگر ایک خانگی وقف جو محدود افراد کے لیے ہو استفادہ کنندگان متولی کی نامزدگی کے مجاز ہیں۔ یہ اصول فتاویٰ قاضی خان کے اور دیگر معتبر تصانیف سے اخذ کیا گیا ہے۔

فتاویٰ قاضی خان میں اولاً یہ عبارت ہے۔ ایک شخص کسی خاص مسجد میں وقف کے لیے قیم مقرر کرتا ہے اور اس کی وفات یا اہل المساجد جمع ہو کر بلا اجازت قاضی متولی مقرر کر دیں اور متولی سابق آمدنی وقف سے مسجد کی مرمت شروع کر دے تو مشائخ

فقہاء میں تولیت کے بارہ میں اختلاف ہے۔ مگر صحیح ترین اصول یہ ہے کہ یہ ناجائز ہے۔
 وجہ یہ کہ قیم کے تقرر کا اختیار قاضی سے متعلق ہے لیکن اگر متولی (مقرر) نے آمدنی وقف سے کوئی روپیہ مسجد کی مرمت میں صرف کیا ہے تو وہ اس کا جوابدہ نہ ہوگا اگر اس نے وقف کو کرایہ پر دے کر اور روپیہ اپنی ذات پر صرف کیا تو یہ جائز نہ ہوگا اور وہ مرتکب خیانت ہوگا۔

مختص افراد کے حق میں وقف

اگر مختص افراد (ارباب المعلوین جن کی تعداد محدود ہے) کے لیے وقف کیا ہے اور بلا اجازت قاضی وہ کسی مناسب دیانت دار شخص کا تقرر کر دیں تو یہ جائز ہے مگر بہتر ہوگا کہ یہ مسئلہ قیم کے تقرر کے لیے قاضی کے سامنے رکھیں۔ فقہاء اور ان میں سے بعض کے مطابق یہ بہتر ہے کہ اس زمانے میں یہ مسئلہ قاضی کے سامنے رکھا جائے۔ اس لئے کہ ہمارے دور کے قاضیوں نے (الجمع الفاسدہ) لالچ کا مظاہرہ کیا ہے تاہم اہل مساجد (نمازی) اس امر کے مجاز نہیں ہیں کہ وہ متولی یا قیم کا بلا قاضی کی اطلاع یا بلا اس کی اجازت تقرر کر دیں۔

ردالمحتار کے مصنف کے نزدیک تارخانیہ سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ اگر کسی مسجد کے نمازی یا اہل مساجد انتظام (بمصالح المسجد) پر کسی متولی کے تقرر پر متفق ہوں تو فقہاء قدیم کے مطابق جائز ہے تاہم قاضی کی اجازت ارفع تر ہے۔

فقہاء دور جدید کی متفقہ رائے ہے کہ اس زمانے میں یہی بہتر ہے کہ قاضی کو اطلاع ہی نہ دی جائے کہ وہ جائیداد او قاف کے کسی قدر لالچی ہیں۔ اس طرح اگر کوئی وقف محدود افراد کے لیے ہو تو جو دیانت دار ہوں ان میں سے کسی کو متولی مقرر کیا جاسکتا ہے۔ میرے خیال میں وہ اصول جس کی بنا پر اہل مساجد کو متولی کے تقرر سے باز رکھا گیا ہے وہ عوامی نوعیت کے او قاف جیسے مسجد اور ہججوں قسم کے ادارے ہیں جن میں کہ عوام مسلمانوں کو دلچسپی ہو۔ اگر وقف خاص اشخاص کے لیے ہو جن کی تعداد معین ہو تو فقہاء جدید نے مستفیدان کے تقرر کا جواز تسلیم کیا ہے۔ فتاویٰ عالمگیری نے ایسے تقررات کے بارہ میں دیگر فقہاء کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے شیخ الاسلام ابوالحسن کے نزدیک اگر تمام مشائخ فقہاء اس امر کے حق میں ہیں کہ استفادہ کنندگان کسی متولی کا تقرر کریں تو اس

تیسرا مشن فتویٰ اس امر کے حق میں ہیں کہ استفادہ کنندگان کسی متولی کا تقرر کریں تو اس کا تقرر اس طرح سمجھا جائے گا گویا کہ قاضی نے تقرر کیا ہے یہی اصول درالمختار اور واجز الفقہیہ میں ہے۔

اگر واقف نے متولی کی نگرانی کے لیے ناظرین کا تقرر کیا ہو اور ان کو بوجہ بے عنوانی یا بد اطواری علیحدگی کا اختیار تفویض ہو تو انہیں جانشین کے تقرر کرنے کا اختیار ہوگا خواہ واقف نامہ میں ان کو سرینا یہ اختیار نہ دیا ہو۔ اگر واقف کسی متولی کا تقرر کرے مگر اس امر کا حوالہ نہ ہو کہ واقف کے انتقال کے بعد بھی متولی کا تقرر عملاً قائم رہے گا تو واقف کے انتقال پر متولی علیحدہ کر دیا جائے گا۔

متولی

درالمختار میں یہ اصول اس طرح ہے کہ اگر واقف نے کسی متولی کو مقرر کیا ہے تو اس کے انتقال پر وہ علیحدہ ہوگا۔ یہ ابو یوسف کے اصول کے مطابق ہے اس کی تائید میں فتویٰ بھی ہے ایسا متولی واقف کا محض نمائندہ ہے۔ اگر واقف حین حیات بعد موت بھی متولی کا تقرر کرتا ہے تو واقف کی موت کے بعد متولی علیحدہ نہ ہوگا۔

اگر خود واقف متولی کے منصب پر فائز ہوتے ہوئے بد عنوانی اور خیانت کا مرتکب ہو تو اسے علیحدہ کر دیا جائے خواہ اس واقف نامہ میں ایسی شرط ہو یا نہیں۔ فرائض واقف کی انجام دہی میں نااہلیت منصب تولیت سے علیحدگی کا سبب ہوتی ہے۔

واقف واقف کے انتظام سے بد عنوانی کی بنا پر علیحدہ کیا جاسکتا ہے

اگر واقف خود ہی متولی ہو مگر بدیانت ثابت ہو تو شے موقوفہ کے مفاد میں قاضی اسے علیحدہ کرنے کا ٹھیک اسی طرح مجاز ہے جیسے کہ بدیانت وصی کو علیحدہ کرنے کا اختیار ہے۔ اسی طرح قاضی کو بوجہ قوی بدیانتی متولی کی علیحدگی کا اختیار ہے خواہ واقف نے شرط علیحدگی نہ رکھی ہو تاہم قاضی مجاز ہے۔

صرف بیجا یا بددیانتی کا ثبوت ضروری ہے محض عقیم ہونا جواز علیحدگی نہیں ہے۔ ایک متولی جس کے پاس وقف کا سرمایہ ہو مگر وقف کی غمارتوں کی مرمت میں بوجہ اپرواہی مرمت نہ ہو اور وہ برباد ہوں تو یہ بمنزلہ بددیانتی ہے اسی طرح اگر وہ دیدہ دانستہ وقف کو نقصان یا ضرر پہنچائے اور جائیداد وقف کا غلط استعمال کرے تو اسے منصب تولیت سے علیحدہ کر دینا چاہئے۔

فتح القدیر میں یہ مسئلہ بہت وضاحت سے ہے کہ قاضی علیحدگی کا مجاز ہے خواہ وقف کی یہ بھی شرط ہو کہ اس کی بددیانتی کی صورت میں نہ قاضی نہ فرمانروائے وقت اس کی علیحدگی کے مجاز ہوں گے۔

جامع الفصولین میں ہے کہ جب واقف یا حج کسی کو متولی مقرر کریں تو وہ سوائے ان وجوہ کے (جن کی بناء پر علیحدگی جائز ہو) وہ علیحدہ نہیں کیا جاسکتا۔ مثلاً واضح بددیانتی بیجا طور اور اسی طرح کے اسباب میں فرائض منصبی کی ادائیگی میں نااہلیت اور بداخلاقی بھی شامل ہیں۔

علیحدگی

قاضی متولی کو محض استفادہ کنندگان کی شکایت پر جسے خواہ واقف نے یا خود اس نے مقرر کیا ہو علیحدہ نہیں کر سکتا البتہ مگر بد اطواری یا بددیانتی کے ثابت ہونے پر علیحدہ کر سکتا ہے۔

قاضی کو محض استفادہ کنندگان کی شکایت پر متولی کی علیحدگی کا اختیار نہیں ہے تاہم ایسی شکایت کو جسے وہ صحیح اور جائز سمجھے تو متولی کے ساتھ کسی دوسرے قابل اعتماد شخص کو مشاہرہ پر مقرر کر سکتا ہے خواہ یہ متولی کے الادانس سے دیا جائے یا عام فنڈ سے اسی طرح محض کسی کی شکایت پر قاضی متولی کے مقرر کردہ وصی کے علیحدگی کا مجاز نہیں ہے۔

متولی کی ذمہ داری

متولی کی دانستہ غفلت سے وقف کو جو بھی نقصان ہو وہ متولی برداشت کرے گا یہ امر مشتبہ ہے کہ آیا ایک اعزازی متولی بھی نقصان کا خمیازہ برداشت کرے گا جو اس کی غفلت سے وقف کو پہنچے۔ فتح القدیر کے مطابق ایسا متولی بھی لائق علیحدگی ہے جو

نصاب کوئی یا اس قسم کی بہانوں کا عادی ہو۔

اگر متولی کی عمارت وقف میں رہائش ہے مگر وقف نامہ میں اس کی کوئی نسبت ہو تو اس کی اجازت حاصل کی ہو تو یہ فعل بمنزلہ بددیانتی و بد عنوانی ہے۔ متولی کا دستور پر وقف کے رشتہ داروں میں سے مقرر ہونا چاہئے متولی اگر وقف کے رشتہ داروں اور پڑوسیوں میں سے کوئی بھی شخص بلا معاوضہ خدمت تولیت کے لیے تیار نہ ہو اور اگر یہ کوئی شخص اس کے لیے آمادہ ہو تو اس کا تقرر قاضی کی صواب دید پر ہے۔ تقرر کا اہل ترین ہونا ہے یہ اس کو ہی ملے کرنا ہوگا۔

وقف سے وظیفہ یافتگان اسی وقت تک وظیفوں سے محروم نہ ہوں گے جب تک وہ کسی جرم کے مرتکب ہو کر سزا یاب نہ ہوں۔

عدالت عالیہ حکمت کے فیصلہ کے مطابق ایسے منصب کی فروختگی جس میں یہ سنی ذمہ داران شامل ہوں وہ شرعاً باطل ہے الاونس موروثی ہونے کی صورت میں وظیفہ خوار کے بیٹوں کو دیا جائے اور بین اسول ہر وظیفہ خوار کے الاونس کی حالت میں منطبق ہوگا۔

اگر ایک شخص کو ماہوار تنخواہ مسجد یا کمرہ یا کمرہ میں رہائش کی اجازت دی جائے اور وہ بلا اجازت متولی اسے کرایہ پر دے تو وہ برخاستگی کا مستوجب ہے۔

استفادہ کنندگان اپنے مفاد کو منتقل نہیں کر سکتے

جب ایک شخص بروئے وقف نامہ کسی شخص کا وظیفہ مقرر کرے اور الاونس کسی دوسرے کے لیے مقرر ہو تو اگر مؤخر الذکر کسی تیسرے شخص کو حق الاونس منتقل کر دے تو مؤخر الذکر (استفادہ کنندہ) کے انتقال پر وقف کا مقررہ شخص الاونس پائے گا۔ اصل استفادہ کنندگان کا منتقل ایہ یا کوئی استفادہ کنندہ اپنے بجائے کسی دوسرے کو قائم مقام کرنے کا مجاز نہیں ہے لیکن کسی دوسرے شخص کو الاونس حاصل کرنے کے لیے مقرر کر سکتا ہے۔

ایک ایسے طالب علم کو جو تین ماہ سے غیر حاضر ہے محض عدم حاضری کی بنا پر وظیفہ اور کمرہ رہائش سے محروم نہیں کیا جاسکتا۔

”اشباہ“ میں ہے کہ اگر خود فرمانروائے وقت کسی نااہل شخص کا بطور استاد تقرر

کرے تو استاد علیحدہ کر دیا جائے گا اس لیے کہ فرمانروائے وقت کا فعل غیر معقول یا غیر مناسب نہ ہونا چاہئے۔ ”بزازیہ“ کے مطابق ایک فرمان روا کے نااہل شخص کو مقرر کرنے سے برائیاں پیدا ہوتی ہیں اور اہل افراد کے ساتھ نا انصافی ہوتی ہے، دوسرے منصب کے نااہل شخص کے تقرر سے عوام کے ساتھ ظلم ہوتا ہے۔

فتح القدیر میں ہے کہ جب کوئی متولی قطعاً فتر العقل ہو جائے اور یہ حالت ایک سال تک رہے تو وہ خود ہی منصب سے علیحدہ سمجھا جائے گا اگر وہ تندرست ہو جائے تو پھر سے متولی ہوگا اس مسئلہ پر تاہر کی رائے میں چونکہ شرائط وقف نامہ کی بنا پر اس کا تقرر ہوا ہے اس لئے دوبارہ فائز ہو سکتا ہے۔ مگر قاضی کے مقررہ متولی پر یہ اصول عائد نہ ہوگا۔ بالفاظ دیگر فتر العقل ہونا اس کی علیحدگی کی وجہ ہوگی اور تندرست ہونے پر وہ منصب نہ ملے گا۔

ایک متولی جو قابل اعتماد ہو اور کسی جرم کا مرتکب نہ ہو فرمانروائے وقت اسے علیحدہ نہیں کر سکتا۔ اگر قاضی نے جائز طور پر کسی کو متولی مقرر کیا ہو اور اس کے مابعد فرمانروائے وقت کسی دوسرے کو متولی مقرر کر دے تو اول الذکر تقرر نافذ ہوگا نہ کہ مؤخر الذکر۔

اگر واقف نے متولی کو اپنے قائم مقام (متولی) کے تقرر کا مجاز کیا ہو تو جو بھی تقرر اس اختیار کی بنا پر کرے جائز ہے۔ قاضی اس میں مداخلت کا مجاز نہیں ہے اور اس کے مطابق فتویٰ ہے۔

نسیح کی ”کتاب وقف“ میں ہے کہ اگر لوگوں کی جماعت کے حق میں کوئی وقف کیا جائے اور متولی واقف کی شرائط بابتہ مفاد مامورہ پوری نہیں کرتا یا نہیں کر سکتا تو متولی کو علیحدہ کر کے اس کے بجائے دوسرے کو مقرر کرنا چاہئے۔

واقف کی اولاد کے اختیارات

متولی کی عدم حاضری میں کسی مسجد کے امام یا موزن کی تقرری کا اختیار دوسروں کے مقابلہ میں واقف کی اولاد اور اس کے افراد خاندان کو ترجیحاً ملنا چاہئے۔

”اشباہ“ میں یہی اصول مسجد کی مرمت یا تعمیر کے سلسلہ میں ہے۔ وہ شخص

بیس نے مسجد تعمیر کی ہو بیرونی اشخاص کے مقابلہ میں اس کی اولاد اور اہل مسجد میں قابل ترجیح ہیں اور یہ نفع الوسائل کے مطابق ہے۔

واقف کی اس شرط سے کہ انتظام کسی قابل ترین شخص پر منتقل ہونا چاہئے منجہدہم یہ ہے کہ اس کی اولاد میں جو قابل ترین ہو اور مولانا ابو سعید کے فتوے کے مطابق ایسے دو اشخاص جو یکساں ذہین ہوں تو دونوں سے ہی یہ کام لینا چاہئے۔ نہار میں ”احناف“ کے حوالے سے ہے کہ اگر واقف کا بچوں میں اہل ترین کو تولیت پر مقرر کرنے کا منشا ہو اور ہر دو یکساں قابل ہوں تو عمر میں جو سب سے بڑا ہوگا اسے تولیت تفویض ہوگی۔ مصنف کی اس میں کوئی قید نہ ہوگی۔ اور الزان دو میں ایک بہت پاکباز ہو اور دوسرا معاملات وقف اور اس کے انتظام میں ماہر ہو تو تولیت موخر الذکر کو تفویض ہوگی۔ ردالمحتار کے مصنف کے مطابق ماہر کے اس قول کی ابو سعید کی رائے سے تائید ہوتی ہے اس لئے اعلیٰ کارکردگی اور قابلیت دونوں ہی ضروری ہیں اور دونوں ہی یکساں ذہین اور پاکباز ہوں تو ایسی صورت میں عمر کا لحاظ رکھنا چاہئے۔ اور نہار کے مطابق اگر تمام اولاد دیانت، تقویٰ، علم و فضل راستبازی اور عمر رسیدہ ہوں تو وہ شخص جو معاملات وقف میں زیادہ واقف اور فرائض وقف کی انجام دہی میں زیادہ قابل ہو خواہ مرد ہو یا عورت لائق ترجیح ہے۔

مجمع الانہار کے مطابق ”رشتہ“ یا ذہانت سے مراد وہ صلاحیت ہے جس سے فرائض منصبی کی ادائیگی ایمانداری سے کرے آساف میں یہ بھی ہے کہ جب آل میں دو یکساں اہل ہوں تو دینی صلاحیتوں کے حامل کو جو عمر میں بڑا ہو تولیت تفویض ہوگی۔ رہا یہ امر کہ ایک مرد ہے دوسرا عورت بے معنی ہے صرف وہ شخص جو واقف کے معاملات میں زیادہ تجربہ کار ہو قابل ترجیح ہے اگرچہ فتاویٰ اسماعیلیہ میں ہے کہ جب دو اشخاص مساوی طور پر اہل ہوں تو مرد کو عورت پر ترجیح دینا چاہئے۔

جب واقف اولاد میں اہل ترین کو تفویض کی شرط رکھے اور ان میں کوئی اہل نہ ہو تو قاضی مجاز ہے کہ ایک غیر شخص کو اس وقت تک اس منصب پر رکھے جب تک واقف کی اولاد میں سے کوئی موزوں شخص نہ مل جائے۔ اگر اس کی اولاد میں کوئی موزوں اور اہل شخص ہو اور وہ غیر حاضر ہو اور اس کی واپسی تک اس کے بچوں میں دوسرا لائق

تقرر نہ ہو تو اس کی واپسی تک اس منصب پر کسی غیر شخص کو بطور قائم مقام مقرر کر دے اور اگر دو بیٹے ہوں اور ان میں سے ایک دوسرے سے زیادہ اہل ہو تو ان دو میں اولاً جو زیادہ اہل ہو اس کو مقرر کرنا چاہئے۔ اس کے بعد دوسرے کو مقرر کرنا چاہئے۔

ناظر کے اختیارات

الفاظ ناظر، قیم اور متولی گو علیحدہ علیحدہ مستعمل ہیں مگر ان کا مفہوم ایک ہی ہے یعنی منتظم وقت۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ واقف بوقت تقرر متولی پر ایک ناظر اور نگران مقرر کرتا ہے تاہم ناظر کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وقف کی رقم میں سے کچھ خرچ کرے اس لئے کہ یہ کام متولی کا ہے اس کی ذمہ داریاں تو محض دیکھ بھال یا نگرانی کی نوعیت کی ہیں اور متولی بلا علم و اجازت ناظر خرچ کر سکتا ہے۔ اس اصول کا اطلاق ناظر پر ہوتا ہے جو وصی پر مقرر ہوتا ہے۔ دراصل بصورت وقف جو فرائض متولی اور ناظر پر عائد ہوتے ہیں وہی فرائض وصی کے متعلق بھی اصول قانون سے اخذ کئے گئے ہیں۔ مسجد کے تعمیر کرانے والے کو امام مؤذن وغیرہ کے تقرر میں ترجیحی اختیار ہوتا ہے اور یہی مسلمہ اصول ہے اگر واقف کا مقرر کردہ شخص نااہل اور ناموزوں ہے تو اہل مسجد کو اختیار ہے کہ وہ اہل تر شخص کو منتخب کریں۔ کیا اس صورت میں یہ تقرر بلا اجازت قاضی نافذ ہوگا۔ میرے خیال میں اولاً نااہل نگران کی علیحدگی کے لیے قاضی کو درخواست پیش کی جائے تاکہ اہل مسجد کا منتخبہ شخص مقرر ہو۔

ایسے معاملے میں جب کی مدعی نے بحیثیت سجادہ نشین اس جائیداد کی بازیابی کا دعویٰ دائر کیا جس کے لیے اس کا عذر تھا کہ اس کے پیش رونے جائیداد مذکور ناجائز طور پر منتقل کر دی تھی۔ مدعا علیہ کی جانب سے جواب دہی تھی کہ مدعی ارجاع نالش کا مجاز نہیں ہے اس لئے اسے نہ آخری سجادہ نشین نے مقرر کیا تھا اور نہ قاضی نے۔ اس کا تقرر ناجائز تھا بلکہ اس منصب (سجادہ نشین) پر مسلمانوں کی اکثریت نے جس میں مریدین اور پڑوس کی درگاہوں کے سجادہ نشین شامل تھے مقرر کیا تھا۔ عدالت عالیہ کلکتہ نے طے کیا یہ تقرر مسلم قانون اور عام رواج کے مطابق جائز تھا۔

متولی سرمایہ وقف سے جو جائیداد خریدے وہ بلا صریح اعلان وقف ہوتی ہے اور

انہیں شرط لگانے سے مانع ہوتی ہے جیسی کہ اسلحا جائیداد وقف مگر بشرط ضرورت فروخت ہو کر دوسری جائیداد سے اس کا تبادلہ ہو سکتا ہے۔ اسی طرح دوسری جائیداد بھی وقف ہوگی۔

نکمران و متبا کے وظائف

امام خطیب و موزن کی واجب الادا تنخواہیں ان کے انتقال پر ورثاء پائیں گے اور بچوں کے لیے وقف کی صورت میں متوفی استفادہ کنندگان کے ورثاء وصول شدہ کرایوں اور منافعوں میں حصہ پانے کے مستحق ہوں گے۔

اگر کوئی طالب علم مدرسہ سے غیر حاضر ہو جائے تو اسے سابقہ واجب شدہ وظیفہ اور آئندہ کا وظیفہ ملے گا۔ اگر وہ تلاش علم میں (بہ اجازت استاد) مدرسہ سے بلا قطعہ تعلق قطع کے پندرہ روز غیر حاضر رہا ہو یا جائز وجوہ کی بنا پر غیر حاضر ہو جس میں تلاش معاش یا حج شامل ہیں مگر یہ مدت تین مہینہ سے زیادہ نہ ہو تو وظیفہ سے محروم نہ کیا جائے گا۔

نکمران و وقف کو جائز وجود کی بنا پر رخصت مل سکتی ہے دوران رخصت تا وقتیکہ اس کے بجائے کسی دوسرے مددگار کا تقرر نہ ہو وہ اپنی تنخواہوں سے محروم نہ ہوگا۔ رقم بچت سرمائے سے تنخواہوں میں اضافہ کیا جاسکتا ہے۔ قاضی کو یہ بھی اختیار ہے کہ آمدنی کی بچت کا واقف کے افراد خاندان یا استفادہ کنندگان کے مشورے سے استعمال کا انتظام کرے۔

اگر وہ شخص جو متولی مقرر کیا گیا ہے اپنے بجائے دوسرے کو مقرر کرے تو مؤخر الذکر وہ شخص (جس کو متولی نے مقرر کیا ہو) اپنی حیات اصل متولی کی آمدنی سے شخص ایک حصہ پانے کا مستحق ہوگا اور متولی کے انتقال پر یہ تبدیلی ختم ہو جائے گی۔ اور تولیت سے تمام ملحقات کے واقف کے نامزد شخص اصل متولی سے وابستہ رہے گی۔

متولی جائیداد موقوفہ پر کوئی بار پیدا نہیں کر سکتا

متولی کسی حالت میں بھی جائیداد موقوفہ پر کوئی بار (بصورت رہن) بلا اجازت قاضی عائد کرنے کا مجاز نہیں ہے۔ نہ استفادہ کنندگان جائیداد موقوفہ کو مکفول کر سکتے ہیں۔ پس اگر متولی جائیداد موقوفہ کو رہن رکھے اور مرتہنان اس پر قبضہ حاصل

کر لیں تو وہ مروجہ کرایہ ادا کرنے کے ذمہ دار ہوں گے۔ اسی طرح اگر کوئی متولی بعض اراضیات وقف کو فروخت کرے اور مابعد قاضی اس بیع کو منسوخ کر دے تو خریدار (اگر متذکرہ اراضیات پر قبضہ حاصل کرے) زمین سے موصولہ منافع جو کہ مروجہ شرح کے مطابق ہو ادا کرنے کا ذمہ دار ہوگا۔

اگر کوئی متولی جائیداد موقوفہ کو رہن رکھے تو اس کا یہ فعل بمنزلہ بددیانتی ہوگا۔ اسے علیحدہ کر دینا چاہئے اور مرہن کو بھی جائیداد مرہونہ پر قبضہ نہ لینا چاہئے۔ اگر وہ ایسا کرتا ہے تو ہرجہ کا مستوجب ہوگا۔ کنایہ میں ہے کہ متولی کے لئے یہ جائز نہیں ہے وہ اغراض وقف کے مفاد میں بشرط ضرورت بلا اجازت قاضی قبضہ حاصل کرے۔ اگر وہ قاضی سے دور ہو تو اپنے کھاتے میں اسے قبضہ لینا چاہئے اور ایسا ہی خزیئہ الممتنعین میں ہے۔

اشباہ اور نظائر میں ہے کہ صاحب الممتنعین (مصنف متا) سے ایک ناظر (متولی) کے بارہ میں سوال کیا گیا جس نے کہ جائیداد وقف پر قبضہ لے کر اسے استفادہ کنندگان پر خرچ کر دیا اور اس کے بعد وہ برخاست بھی کر دیا گیا۔ تو کیا دوسرا متولی واجب الادا قرضوں کی ادائیگی کے لیے جائیداد موقوفہ پر قبضہ لینے کا پابند تھا۔

صاحب الممتنعین نے جواب دیا کہ متولی کو استفادہ کنندگان پر خرچ کے لیے قرضہ لینے کا اختیار نہیں ہے گو خاص ضروری موقعوں پر جیسے کہ مرمت اور ایسی ہی دوسری صورتوں میں قاضی کی اجازت سے قرض لے سکتا ہے پس برخاست شدہ متولی ہی ذاتی طور پر ان قرضوں کی ادائیگی کا ذمہ دار ہوگا نہ کہ جائیداد موقوفہ سے ادائیگی کی جائیگی۔

اسی طرح ردالمختار میں ہے کہ متولی وقف پر قرضہ نہیں لے سکتا تا وقتیکہ یہ واقف کی ہدایات کے مطابق نہ ہو متولی جائیداد موقوفہ پر نہ کوئی بار پیدا کر سکتا ہے اور نہ ایسے قرضے لے سکتا ہے (جو جائیداد موقوفہ پر بار ہوں) تا وقتیکہ واقف نے صریح اختیارات اس قسم کے قرضے لینے یا بار پیدا کرنے کے نہ دئے ہوں۔ مگر وصی کے اختیارات پر یہ پابندی عائد نہیں ہے وجہ یہ کہ وہ نابالغان جو اس کی نگرانی میں ہوں ان کی ضروریات کے لیے قرضہ لینا جائز ہے پس نابالغ نیز اس کی جائیداد پر ان قرضوں کا بار عائد ہوگا جو وصی نے نیک نیتی سے نابالغ کی ضروریات کے لیے کئے ہوں۔ جائیداد

موقوفہ پر کسی حالت میں بھی اس قرضہ کا بار نہیں ہو سکتا جس کا وقف نامہ میں حوالہ نہ ہو اور جو متولی نے اپنی ذاتی ذمہ داری پر کئے ہوں۔

متولی کے لیے ہونے والے قرضے

ایسا قرضہ جو متولی نے لیا ہو وہ اس کا ذاتی قرضہ ہے۔ اگر وقف کے لیے قرضہ لینے یا جائیداد وقف پر کوئی بار عائد کرنے کی ضرورت ہو تو متولی قاضی کی منظوری سے (جو پہلے حاصل کی گئی ہو) ایسا کر سکتا ہے۔ یہ اصول ان قرضوں پر لاگو نہیں ہے جو سوسائٹی کے حالات کے پیش نظر ضروریات وقف کی تکمیل کے لیے جس کا آئے دن لینا ضروری ہو (مثلاً مسجد میں روشنی کے لیے تیل کا قرضہ یا مدرسہ کے طلباء کی روٹی کے لیے نانہائی کا قرضہ) یہ سب قرضے محض متعین وقفوں پر ہی ادا ہو سکتے ہیں۔ اور یہ ضروری قرضے وقف کی آمدنی سے ہی ادا ہونا چاہئے۔

فصل سوم: متولی کے اختیارات

اگر متولی نے مفاد وقف کے لیے جائیداد وقف کی خاطر اپنا روپیہ قرض دیا ہو تو جائیداد وقف کے موصولہ منافع سے اپنا روپیہ لے سکتا ہے۔ لیکن اگر متولی نے جائیداد موقوفہ کی خاطر پہلے کوئی رقم صرف کی ہے تو اس کی وصولیابی کے لیے اسکو مناسب شہادت سے ثابت کرنا چاہئے ورنہ اس کا مطالبہ قابل ادائیگی نہ ہو گا پس متولی اس امر کا پابند ہے کہ خرچ کے حسابات معہ رسیدات و دیگر ثبوت رکھے۔ اسی صورت میں وہ قرضہ جو متولی نے وقف کو دیا ہے قابل ادائیگی ثابت ہو سکے گا اور ایسی پیشگی رقومات کی جائیداد وقف کے موصولہ کرایوں اور منافعوں سے ادائیگی ہو سکے گی۔ لیکن جائیداد وقف پر کوئی بھی بار کسی بھی قرضے کا خواہ وہ متولی کا ہو یا کسی اور کا بلا قاضی کی پیشگی اجازت عائد نہ ہو گا۔

اگر وقف کے مقرر کردہ فرائض کا تعین نہ ہو سکے تو متولی کو اپنے پیشرو کے طریقہ پر عمل کرنا چاہئے متولی کے لیے جائز ہے کہ آمدنی وقف سے دکانات مکانات وغیرہ تعمیر کرائے جس سے کہ وقف کو فائدہ ہو اس لئے کہ یہ سب وقف کی آمدنی کے لیے ہیں اور تمام جائیدادیں جو وقف کی آمدنی سے خریدی گئی ہوں وہ وقف کا ہی حصہ ہیں۔ اور ان کے

ساتھ ہی وہی قانونی ملکات عائد ہوتے ہیں جس طرح کہ جائیداد وقف کو متولی بلا اجازت قاضی منتقل کرنے کا مستحق نہیں ہے۔ اگر واقف کی ہدایات یا وقف کے انتظام کے اصول متعین نہ ہوں تو متولی کو اپنے پیشرویاں کے طریقے کے تعین کے بعد اسی کے مطابق عمل کرنا چاہئے۔ متولی اس امر کا مجاز نہیں ہے کہ وقف کی اصل جہت کے قطعاً خلاف کوئی جواز پیدا کرے۔ مثلاً مسجد کا متولی مسجد کے سرمایہ سے کپڑا خرید کر غربا میں تقسیم نہیں کر سکتا اگر وہ ایسا کرے گا تو یہ رقم اسے اپنی جیب سے ادا کرنا ہوگی۔

اگر متولی مسجد کی ضروری اشیاء کی خرید کیلئے قرضہ لیتا ہے جب کہ مسجد میں روپیہ نہ ہو بالفاظ دیگر وقف کے لیے کوئی سامان اس منشا سے خریدے کہ اس کا کرایہ وصول ہونے پر ادا کرے گا یا اپنی جیب سے وہ روپیہ ادا کیا ہے تو وصول یابی کرایہ پر جیسی بھی صورت ہو قرضہ ادا کر سکتا ہے اور اپنا روپیہ واپس لے سکتا ہے۔ اگر کسی شخص کو جائیداد موقوفہ میں وظیفہ ملے تو متولی اس میں سے کچھ رقم ذوقہ پانے والے کو دے سکتا ہے۔

اگر عمارت وقف کا کچھ حصہ اس قدر خستہ حالت میں ہو جس سے کہ زندگی کو خطرہ لاحق ہو اور پڑوسی اس کی مرمت کے لیے متولی پر مصر ہوں لیکن اس کے پاس کوئی سرمایہ نہ ہو تو قاضی کی اجازت سے قرضہ لے سکتا ہے یہ اسی صورت میں ہونا چاہئے جب کہ متولی کے پاس ضروریات وقف پورا کرنے کے لیے کوئی سرمایہ نہ ہو۔ متولی آمدنی وقف سے وہ رقمات جو اس نے جائز طور پر اغراض وقف کے لیے اپنے پاس سے ادا کی ہوں وضع کر سکتا ہے۔

اگر کوئی اپنی آراضیات غریبوں کے لیے مرمت یا کاشت کے خرچ کو مختص کئے بغیر وقف کرتا ہے تو آمدنی سے اولاً خراج یا ٹیکس ادا کیا جائے گا اس کے بعد وصول یابی صرف نگرانی یا مرمت یا کاشت اور اسی طرح کے امور پر جو خرچ ہوا ہے ادا ہوگا۔ اور یہ تمام مصارف پورا کرنے کے بعد بقیہ رقم غربا پر صرف ہوگی۔ یعنی اگر اس وقف میں ایسی زمینیں شامل ہیں جن پر کھجور کے درخت ہوں تو اصولاً کھجوروں کے نئے درخت لگانے اور ان کو قائم رکھنے کے لیے جو صرف مزید دیواریں یا بند بنانے پر اس غرض سے ہوگا کہ پھل دار درخت ختم اور ضائع نہ ہو جائیں جائز ہوگا۔ اگر وقف شدہ آراضی کا کوئی حصہ قابل کاشت ہے تو متولی کو اس کی زر خیزی کے لیے آمدنی وقف سے صرف کرنا

چاہئے۔ اگر خلد کے لئے کوٹھ یا پانی کے لیے بغرض آبپاشی حوض ضروری ہوں تو متولی مجاز ہے کہ آمدنی کا ایک حصہ ان امور پر صرف کرے۔ اگر کوئی آراضی وقف جو شہر سے دور ہو اور بجائے کاشت کرایہ پر دینا زیادہ مفید ہو تو متولی کرایہ کے لیے عمارت تعمیر کر سکتا ہے یا بلا عمارت تعمیر کئے زمین کرایہ پر دے سکتا ہے۔

بقول امام محمد اگر آراضیات وقف ناقابل کاشت ہو کر ان سے آمدنی بند ہو جائے اور متولی کو ان کی قیمت سے زیادہ منافع رسماً زمین مل سکتی ہے تو ایسا کرنا مناسب ہوگا یعنی ضروری اجازت سے وہ زمین فروخت کر کے دوسرا قطعہ آراضی خریدے۔ لیکن اگر آراضی شہر سے اتنے فاصلے پر ہے کہ اس پر عمارتیں بنانے سے کوئی فائدہ متوقع نہ ہو تو وہ عمارتیں تعمیر نہ کرے۔

ابو جعفر کی رائے میں واقف کے آراضی موقوفہ کے طریقہ استعمال کے لیے وقف نامہ میں کوئی شرط نہ رکھی ہو تب بھی زمین کو مقاصد وقف مفید طریقہ پر استعمال کے لیے متولی مجاز ہے البتہ بلا منظوری قاضی طویل مدت پئے پر نہیں دے سکتا۔

اختیاری اوقاف

اگر کوئی شخص کسی جائیداد کو وقف کر کے یہ قرار دے کہ متولی اس کی آمدنی کسی بھی شخص کو دے سکتا ہے یا اپنی صواب دید کے مطابق کام میں لاسکتا ہے تو یہ جائز ہے اور متولی غریب و امیر دونوں کو دے سکتا ہے خواہ ان اختیاری اوقاف کی صورت میں وقف کا انتظام متولی کو تفویض ہو تاہم اس اختیار کے ساتھ ذمہ داری ہے جس پر عمل ضروری ہے۔ اور قاضی مجبور کر سکتا ہے کہ آمدنی مناسب طور پر صرف کی جائے۔

طریقہ خرچ جب رواج لی سند نہ ہو

منار میں زین ابن نجیم کے حوالہ سے ہے کہ جب کسی قدیم وقف کی دستاویز گم ہو گئی ہو اور متولی کو یہ معلوم نہ ہو سکے کہ استفادہ کنندگان پر آمدنی کس طرح صرف کی جائے تو اس کو اپنے پیش روں کے طریقہ کے مطابق جس پر وہ عمل کرتے تھے صرف کرنا چاہئے۔

اگر اس بارہ میں کوئی ثبوت دستیاب نہ ہو کہ استفادہ کا مستحق کون ہے یا پہلے

زمانہ میں متولیوں نے کس طرح صرف کیا تو وقف کی آمدنی غربا کے مفاد پر صرف ہوگی۔
 انفع الوسائل میں ذخیرہ کے حوالے سے ہے کہ جب کوئی قدیم وقف ہو اور
 واقف کا علم نہ ہو اور متولی کی حیثیت سے کوئی شخص اس پر قابض ہو کر مصر ہو کہ وقف
 متازہ کسی خاص مقصد کے لیے تھا اور گواہان کی شہادت سے کوئی ثبوت نہ ہو تو یہ قول
 تسلیم کر لیا جائے گا۔ اگر مقصد وقف کا علم ہو یا واقف کی مقررہ شرائط لائق تسلیم ہوں تو
 شہادت متذکرہ کو باور نہ کیا جائے گا۔

بقول درالمختار وقف کے بلا اعلان شہادت سے وقف ثابت ہو سکتا ہے یہ مسئلہ
 ابو یوسف کا طے شدہ ہے بلخ کے فقہانے اسی اصول کو تسلیم کیا ہے نہ صرف میں بھی یہی
 ہے جب کوئی قدیم وقف بطور وقف مشہور ہو اور واقف کے بارہ میں علم نہ ہو اور غلط
 شخص اس پر قابض ہو جائے تو متولی دو گواہوں کی شہادت سے اپنا قبضہ ثابت کر سکتا ہے
 یہی مسلمہ اصول ہے اور جامع الفصولین میں اسی تجزیہ کو تسلیم کیا ہے۔

شہرت کی بنا پر بھی وقف ثابت ہو سکتا ہے

فتاویٰ قاضی خان میں ہے کہ بلخ کے فقہاء کے مطابق ایک وقف شہرت کی
 شہادت سے جائز طور پر ثابت ہو سکتا ہے اگر وقف ایسا ہے جو عوام الناس کے علم میں ہے
 اور بہت معروف ہے مثلاً عمرو ابن العاص کا وقف (یورپین تاریخ میں عمرو کے نام سے
 مشہور ہے) تو یہ گواہان کی شہادت سے ثابت ہو سکتا ہے یا اغراض وقف کے طریقہ
 استعمال کی شہادت سے ثابت ہو سکتا ہے۔

یہ ضروری نہیں کہ وقف تحریری ہو یا جائیداد پر قبضہ ہو چکا ہو تشکیل وقف کی نیت
 محض زبانی اعلان اگر گواہان کے سامنے ہو تو کافی ہے۔ خواہ اس بارے میں گواہان کی حتمی طور
 پر شہادت نہ ہو تاہم ان کی شہادت کی اگر دیگر واقعات سے تائید ہوتی ہو تو یہ قانوناً کافی ہے۔

قاضی ایسے وظائف جو واقف نے مقرر نہ کئے ہوں دینے کا مجاز نہیں ہے نہ وہ
 واقف کے مقرر کردہ وظائف کی رقم کا تعین کر سکتا ہے اگر متولی کے رقم مقرر کرنے کی
 شرط ہے تو قاضی کو اختیار نہیں ہے

خیر الرئی کی بہار کی شرح میں درج ہے کہ قاضی کے اختیارات پر اس صورت

میں پابندی ہے جب کہ واقف وقف کو سرینا عوامی نوعیت کا نہ بتائے۔ ایسے اوقاف جو افراد نے اپنے ذاتی طور پر کئے ہوں ان پر قاضی کو کوئی اختیار نہیں ہے۔ نہ شاہی وقف سرینا قاضی کے مدد اختیار کے تابع ہیں۔

ایسی جائیداد کا وقف جس کی وقف نامہ میں غلط نشان دہی ہونا جائز ہے بشرطیکہ یہ واضح نہ ہو سکے کہ کس جائیداد کا وقف کیا گیا ہے اگر جائیداد کی تفصیل اس قدر غیر یقینی اور مبہم ہو کہ اصل جائیداد وقف کا معلوم کرنا ناممکن ہو تو وقف نافذ نہ ہوگا۔

صاحب المنار سے درج ذیل سوال نفاذ وقف کے حوالہ سے کیا گیا۔

اگر ایک شخص غریبا اور مفلسوں کے حق میں وقف کر کے ایک وقف نامہ تحریر کرنے جس پر حسب ضابطہ مہر و دستخط اور تصدیق ثبت ہو مگر اس کے انتقال کے بعد شہادت گواہان سے ظاہر ہو کہ واقف کی اصل منشا وقف ایک مختص شرط تھی جس سے غریب مراد نہ تھے تو کیا ایسی شرط قابل قبول اور لائق عمل ہے۔

صاحب المنار نے جواب دیا اگر وقف نامہ اس تاریخ سے پہلے کا ہے جس کی شرط کی گواہان کی شہادت ہے تو اس پر عمل نہ کرنا چاہئے۔ اگر واقف نے شرائط مندرجہ وقف نامہ میں اختیار تبدیلی و تنسیخ مختص کر لیا ہے تو شہادت گواہان کا لحاظ کرنا چاہئے۔

ایک شخص کا عمارت وقف میں ایک حصہ اپنی بیوی کی رہائش کے لیے وقف کرنے کے بعد انتقال ہو جائے بعد ازاں بیوہ کے نکاح ثانی کرنے پر اس کا حق سکونت زائل ہو جاتا ہے خواہ دوسرا خاوند بھی اسے طلاق دیدے تب بھی اس کا حق سکونت بحال نہ ہوگا۔

اگر بعض افراد کی سکونت کے لیے کوئی مکان وقف ہو تو وہ افراد اس عمارت کو ماتین خود تقسیم نہیں کر سکتے۔ اگر عمارت ایک خاص کنبہ کے افراد کی رہائش کے لیے وقف ہو تو ان میں سے صرف ایک دوسرے کے محرم ہی رہائش رکھ سکتے ہیں بشرطیکہ وہ عمارت ایسے علیحدہ حصوں اور کمروں میں تقسیم ہو جس کے علیحدہ دروازے ہوں اور عورت خاوند کے ساتھ بلا مداخلت غیر محرم رہ سکے۔

اگر کوئی مکان کسی کنبہ کی رہائش کے لیے ہو جو دو شادی شدہ لڑکوں اور لڑکیوں پر مشترکاً وقف ہو کہ شادی شدہ لڑکیوں کے شوہر اس مکان میں رہ سکیں تو اس

غرض کے لیے لڑکوں اور لڑکیوں کے غلی الترتیب علیحدہ کمرے مختص ہونا چاہئیں۔
 اشباہ و النظائر میں ہے کہ صاحب المنار نے فرمایا کہ ایک ناظر (متولی) کے لیے
 جس نے جائیداد وقف پر قرض لیا۔ اور استنادہ کنندگان نے وقف سے خرچ کیا اور بعد
 میں وہ برخاست کر دیا گیا لیکن قرضہ برابر باقی رہا تو متولی ثانی جائیداد وقف سے ادائیگی کا
 پابند ہے۔

بددیانتی سے وقف کی نوعیت تبدیل نہیں ہوگی

متولی کی بددیانتی سے نہ خاص نوعیت وقف میں تبدیلی ہوتی ہے اور نہ جائیداد
 موقوفہ منتظم کی ذاتی جائیداد ہو سکتی ہے۔ عطیہ (انعام) کی توضیح انعام دہندہ کی منشا کے
 مطابق نہ کہ لفظ انعام کے محدود معنی کے مطابق ہونا چاہئے۔ اس لئے کہ لفظ انعام ذاتی او
 ر مذہبی وقف کے لیے بلا امتیاز استعمال ہوتا ہے۔

مذہبی وقف

مسلم قانون کے مطابق مذہبی منصب تولیت کی بنا پر حاصل نہیں ہوتا اگر کسی
 مذہب کو قائم رکھنے کیلئے کوئی عطیہ دیا جاتا ہے تو عطیہ پانے والے کے انتقال پر اس کے
 افراد خاندان زمین سے حاصل شدہ آمدنی اپنے درمیان تقسیم نہیں کر سکتے۔ ایسی آراضی کا
 حق آمدنی اس منصب سے ناقابل علیحدگی ہے جس کے قائم رکھنے کے لیے انعام دیا گیا تھا یہ
 ہو سکتا ہے کہ انعام کی شرائط کے تحت اس آمدنی سے گزارہ پانے والے مستحق ہوں۔

انتظام وقف کے لیے جانشین

جب ایک مسلمان مذہبی یا امور خیر کے لیے کوئی جائیداد وقف کرے تو
 جانشین کے مسئلہ کا تصفیہ واقف کے مقررہ اصولوں (جو بوقت تشکیل وقف طے پائے
 ہیں) پر منحصر ہے یعنی آیا ایسے قواعد و ضوابط تحریر میں آتے ہیں یا بر بنائے رواج طے
 پاتے ہوں اگر آخری عہدہ دار کو اپنا جانشین مقرر کرنے کا رواج ہوتا کہ شے موقوفہ کے
 استعمال کے بارہ میں منشا واقف کی تکمیل ہو سکے۔ عدالت محض اس بنا پر کہ پہلے کے
 مقررہ اشخاص واقف کے بڑے لڑکے ہی ہوں گے اس کو ہمیشہ کے لیے ایک اصول نہ بنانا

چاہئے کہ جائیداد میں ہمیشہ بڑا لڑکا ہی ہوگا۔

عدالت عالیہ بمبئی نے اگرچہ شرع کے مطابق یہ طے کیا ہے کہ واقف کو یہ حق ہے کہ وہ انتظام وقف خود کرے یا کسی دیگر شخص کو مقرر کرے۔ اگر ایسا طبقہ شخص کر دیا جائے جس سے فیجبر کا انتخاب ہوتا ہے اس صورت میں ایسے شخص کو جو متذکرہ معیار پر پورا اترے فیجبر نامزد کیا جاسکتا ہے۔ واقف کی موت پر فیجبر کی نامزدگی اس کے وصی یا اس کے موجود اوقات پس ماندگان میں تفویض ہوتی ہے۔

فصل چہارم:- جائیداد موقوفہ کا اجارہ

جائیداد موقوفہ کا اجارہ

فقہاء متقدمین نے جائیداد وقف کے سلسلہ میں جو مدت اجارہ کی مقرر کی ہے اس سے بقول ردالمحتار متاخرین نے تجاوز کیا ہے اور اب یہ اصول جو پہلی بار وضع کیا گیا تھا اس کے مقابلہ میں زیادہ نرم ہے۔

متولی کے اختیارات

فتاویٰ قاضی خان کے مطابق جو کہ اولین مستند تصانیف میں سے ہے اگر واقف نے اصلاً وقف نامہ میں جائیداد موقوفہ کا اجارہ دینے کی کوئی شرط نہ رکھی ہو تو متولی مجاز ہے کہ غربا (بالفاظ دیگر استفادہ کنندگان) کے مفاد میں جو بھی مناسب ہو کرے مگر اس شرط پر کہ ایک سال سے زیادہ مدت کے لیے وہ مکان پٹے پر نہ دے اس لئے کہ طویل المدت اجارہ سے یہ خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ پٹے دار ہی مالک ہے۔ پس زیادہ مدت کے لیے ایسی زمین اجارہ پر نہ دے جس کی کاشت کے لیے ضرورت ہو۔ اگر واقف نے ایسی شرط عائد کی ہو کہ آراخی ایک سال سے زیادہ کے لیے اجارہ پر نہ دی جائے گی اور لوگ اتنی کم مدت کے لیے اجارہ پر لینے کو تیار نہ ہوں اور جائیداد کو زیادہ مدت کے لیے اجارہ پر دینا استفادہ کنندگان کے مفاد میں ہوتا ہے (متولی) وقف کی شرط کے خلاف زیادہ مدت کے لیے اجارہ نہیں دے سکتا الا یہ کہ معاملہ قاضی کے سامنے پیش کرے۔ اگر یہ وقف کے مفاد میں ہے تو طویل مدت کے لیے منظور کر سکتا ہے اس لیے کہ قاضی غربا غیر

حاضر اور متولی اشخاص کے مفاد کا ٹکراؤ ہے۔

اگر واقف نے وقف نامہ میں یہ شرط رکھی ہو کہ متولی ایک سال سے زیادہ مدت کا پٹہ نہ دے گا الا اس کے کہ یہ غربایا استفادہ کنندگان کے مفاد میں ہو ایسی صورت میں متولی بطور خود (بشرطیکہ وہ مناسب سمجھے) ایسا کر سکتا ہے۔ ایسی حالت میں قاضی کی عدالت میں جانے کی ضرورت نہیں ہے اسلئے کہ واقف نے پہلے سے اختیار دے دیا ہے۔ اگر متولی نے پانچ سال کے لیے اجارہ دیا ہے تو بقول شیخ ابو القاسم ساکن بلخ ایک سال سے زیادہ مدت کا اجارہ ناجائز ہے مگر فقیہ محمد بن فضل کی رائے میں ایسا اجارہ باطل نہیں ہے تاہم حاکم کو اس پر غور کرنا چاہئے اور اگر وقف کے نقصان میں ہو تو اس کو منسوخ کر دینا چاہئے۔

ابوالحسن علی اسعدی نے بھی اس رائے کا اظہار کیا ہے اور فقیہ ابو اللیث کے حوالہ سے لکھا ہے کہ کسی اجارہ کی ایک سال سے زیادہ منظوری کی کوئی پابندی نہ ہو تو تین سال تک کے لیے بلا لحاظ اس امر کے کہ آیا یہ جائیداد مکان تھا یا زمین اجارہ دیا جاسکتا ہے امام ابو جعفر بخاری کے حوالہ سے آیا ہے کہ انہوں نے آراضی کے اجارہ کی ۳ سال کی اجازت دی مگر تین سال سے زیادہ اجارہ دینے کے متعلق اختلاف رائے ہے۔ فقہاء بلخ کی اکثریت کی رائے میں ایسا اجارہ جائز نہیں ہے اس کے برعکس دوسروں کی رائے کے مطابق اسے قاضی کے سامنے پیش کرنا چاہئے تاکہ اگر وہ چاہے تو منسوخ کر دے۔ فقیہ ابو اللیث نے اس رائے کو اختیار کیا ہے۔

در المختار میں اس اصول کا لب لباب دیا گیا ہے۔ جائیداد کے پٹے کے متعلق اگر کوئی بھی شرط واقف نے عائد کی ہو تو اس پر عمل کرنا چاہئے اور قیام اور متولی اس کے خلاف نہیں کر سکتا مگر قاضی جس پر کہ غربا غیر حاضر اور متولی افراد کی نگرانی کا فرض ہے وہ کر سکتا ہے جبکہ واقف نے کسی وقف جائیداد کو اجارہ دئے جانے کی مدت کو غیر معین رکھا ہو تو بعض فقہاء کے نزدیک قیام کو مدت اجارہ کی بابت عام اختیار حاصل ہے مگر دوسروں کے نزدیک تمام صورتوں میں مدت ایک ہی سال ہونا چاہئے۔ مکانات کے اجارہ کے متعلق فتویٰ ایک سال اور زمین کے اجارہ کے متعلق تین سال کا ہے بشرطیکہ خلاف مصلحت نہ ہو جو مصلحت وقت اور جائے وقوع کے اعتبار سے بدلتی رہتی ہے۔

مہینف ردالمختار نے مندرجہ بالا عبارت کی تشریح کرتے ہوئے قاضی الہدایہ کے فتویٰ کی سند پر ایک اہم اصول کا حوالہ دیا ہے۔ اگر کسی عمارت وقف کی مرمت بلا اس کے چھوٹے کو کرائے پر دئے نہیں ہو سکتی ہو تو یہ مسئلہ قاضی کے سامنے رکھنا چاہئے جو اس مقصد کے پیش نظر طویل مدت کے لیے کرایہ کی اجازت دے سکتا ہے۔ اور اس کی ہدایات کے مطابق عمل کرنا چاہئے۔

اسی طرح اگر واقف کی یہ شرط ہو کہ متولی طویل عرصہ کے لیے پٹہ منظور نہیں کرے گا اور لوگ قلیل عرصہ کے لیے پٹہ لینے کو تیار نہ ہوں اور یہ مفاد وقف میں ہو کہ طویل مدت کے لیے پٹہ دیا جائے تو متولی کو یہ معاملہ قاضی کے سامنے رکھنا چاہئے اور اگر وہ مناسب سمجھے تو اس بارہ میں حکم صادر کر سکتا ہے اس لئے کہ قاضی غربا کا سرپرست ہے اور اگر واقف یہ شرط کرے کہ متولی زیادہ مدت کے لیے نہ دے گا تا وقتیکہ وہ شے موقوفہ کے مفاد میں ہو تو ایسی صورت میں بحالت ضرورت بلا قاضی سے دریافت کئے پٹہ پر دے سکتا ہے۔

قاضی کا اختیار

پس قاضی جو تمام صدقات کا نگران عام ہے بحیثیت نمائندہ فرماں روائے وقت مجاز ہے کہ واقف کی مقررہ مدت سے زیادہ مدت پٹہ کا اختیار دیدے۔ اگر واقف نے مدت پٹہ کے بارہ میں کوئی ہدایت نہ دی ہو تو وہ مدت پٹہ اپنے صواب دید سے جو مفاد وقف میں ہو مقرر کر سکتا ہے۔

حدود اختیارات عدالت ہائے دیوانی

ہندوستان میں انگریزی دور حکومت میں ابتدائی عدالت ہائے دیوانی کو وہی اختیارات تفویض کئے گئے تھے جو قاضی کو ہوتے ہیں۔ حالانکہ ایک حالیہ مقدمہ میں عدالت کلکتہ نے اس اختیار کی عدالت سب جج تک توسیع کر دی ہے پس منظوری کے لیے درخواست اگر جائیداد مفصلات میں واقع ہے تو ڈسٹریکٹ جج کو اور اگر پریسڈنسی ناؤن میں ہے تو عدالت عالیہ کی ابتدائی اختیار سماعت عدالت میں پیش کرنا چاہئے اور اس کی منظوری کے لیے دعویٰ دائر کرنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ متولی کی جانب سے مناسب

درخواست پتیس ہونے پر اجازت مل جاتی ہے۔ اگر وقف میں ناظر بھی عہدیدار ہو تو قبل درخواست اس کی اجازت بھی حاصل کر لی جائے۔ اور اگر وقف عوامی نوعیت کا ہے تو حسب ہدایت جج استنادہ کنندگان کے نام نوٹس جاری کئے جائیں خواہ مشتہری بذریعہ اخبارات ہو یا اس عمارت پر (جو ملک وقف ہے) بذریعہ چسپاندگی کی جائے۔

اگر کسی مسجد کے متولیان بلا اجازت جج آراضی (متازعہ) موقوفہ کو اس لئے فروخت کر دیں تاکہ مقدمے بازی اور مسجد کی مرمت کے لیے روپیہ حاصل کیا جاسکے ایسی صورت میں یہ طے کیا گیا کہ ایسی بیع نہ محض لائق فسخ تھی بلکہ قطعاً باطل تھی چونکہ انڈین ٹرسٹی ایکٹ ۱۸۶۶ء اور مارگننگ ایکٹ ۱۸۶۶ء کا مسلمانوں پر اطلاق نہیں ہوتا۔ درج ذیل اضافی قواعد قابل توجہ ہیں۔

اگر کوئی وصی یا سرپرست اپنے کسی زیر ولایت (نابالغ) کی جائیداد کو مناسب مروجہ کرایہ کے خلاف پٹہ پردے دیتا ہے یا کوئی متولی جائیداد موقوفہ کے خلاف ایسا طرز عمل اختیار کرتا ہے تو ان تمام حالات میں مشہور امام ابو بکر محمد بن فضل کے مطابق پٹہ دار غاصب خیال کیا جائے گا۔ مگر ہصاف کی رائے میں ایسا قیاس نہ ہوگا بلکہ مناسب اور مروجہ کرایہ عائد ہوگا۔ اس موخر الذکر رائے کے مطابق فتویٰ ہے اور اسی طرح صورت الفتاویٰ میں ہے۔

اگر کوئی متولی جائیداد موقوفہ اصل کرایہ سے کم پردے تو کرایہ دار مناسب کرایہ (اجر المثل) دینے کا ذمہ دار ہوگا اور اسی کے مطابق فتویٰ بھی ہے۔
متولی کا منظور شدہ اجارہ اس کی موت سے منسوخ نہیں ہوتا۔

جائیداد وقف کا کرایہ دار

جائیداد ہائے اوقاف کا اجارہ دار آراضی اجارہ میں پودے لگا سکتا ہے یا تعمیر کر سکتا ہے بشرطیکہ جائیداد کو اس فعل سے کوئی ضرر نہ پہنچے چنانچہ آراضی مذکورہ پر بند یا تالاب نہیں کھودا جاسکتا۔ اجارہ دار کے یہ اجازت وہی افعال جائز ہوں گے جو جائیداد وقف کے لیے فائدہ رساں ہوں۔

پٹہ دار صرف وہی تعمیرات جو اس کے روپیہ سے ہوں علیحدہ کر سکتا ہے

بشرطیکہ ان کے علیحدہ کرنے سے جائیداد وقف کو کوئی نقصان نہ ہو۔

آراضیات وقف پر تعمیرات کے سلسلے میں مندرجہ ذیل اصول لاگو ہوتے ہیں۔
 اگر متولی جائیداد وقف یا اس کی آمدنی سے کوئی عمارت تعمیر کرے تو یہ تعمیر جائیداد وقف
 ہوگی خواہ یہ تعمیر وقف کے لیے ہو یا اس کی ذات کے لیے اور خواہ بلا کسی مختص غرض کے
 لیے کی گئی ہو۔ اگر یہ تعمیر اس نے اپنی ذاتی روپیہ یا منسلک سے وقف کے لیے یا عام لوگوں
 کے لیے کی ہو تو یہ بھی جائیداد وقف شمار ہوگی بشرطیکہ خود واقف اس کا متولی نہ ہو اور یہ
 تعمیر با کسی مصلحت مقصد کے لیے کی گئی ہو۔ ذخیرہ کے مطابق اس صورت میں اس کی جائیداد
 ذاتی سمجھی جائے گی اگر متولی اپنے روپیہ سے خاص ضرورت کے لئے عمارت تعمیر کراتا ہے
 اور شہادت سے ثابت ہے کہ یہ تعمیر اس نے اپنے ہی روپیہ سے اپنی غرض کے لیے تعمیر کی
 ہے تو یہ اس کی ذاتی جائیداد قرار دی جائے گی اور ایسا ہی کفایہ اور مجتہدین میں ہے۔

جب عامہ متولی کوئی دیگر شخص جائیداد وقف پر استعمال وقف کے لیے کوئی تعمیر
 کرے تو خواہ یہ تعمیر عارضی اور واپس لینے کی نیت سے کی گئی ہو لیکن اگر با اجازت متولی
 تعمیر ہوئی ہے تو یہ وقف ہے۔ اگر بلا اجازت متولی استعمال وقف کے لیے تعمیر ہوئی ہے
 لیکن اگر بوقت تعمیر شخص تعمیر کنندہ کی غرض کے لیے تعمیر تھی یا عام طور پر بلا اظہار
 مصلحت مقصد کی گئی ہے تو اس تعمیر کی علیحدگی کا اختیار ہے بشرطیکہ اسکی علیحدگی سے
 جائیداد وقف کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔ فتاویٰ قاضی خان میں ہے کہ اگر احاطہ مسجد میں کوئی
 شخص درخت لگاتا ہے تو وہ مسجد کی جائیداد ہوگی۔ متولی کا آراضیات وقف اپنے باپ بیٹے
 کو دینا جائز ہے بشرطیکہ کرایہ مروجہ کرائے سے کم نہ ہو۔ جیسا کہ بصورت وصی نابالغ کی
 جائیداد تا وقتیکہ زیادہ قیمت پر نہ ہو وہ فروخت نہیں کر سکتا۔

منار کے باب وقف میں ہے کہ ایک مکان دائنہ ایک شخص اپنے بچوں کے حق
 میں (جب تک نسل قائم ہے) وقف کرتا ہے اور لڑکوں میں سے کوئی ایک کسی شخص کو
 طویل اجارہ پر دیتا ہے اور شخص مذکورہ اجارہ کی بنا پر مکان موقوفہ میں مزید تعمیر کرے تو
 سے اگر اجارہ دہندہ متولی نہیں ہے تو وہ اجارہ باطل ہے اور اجارہ دار اس روپیہ کی جو اس
 نے تعمیرات میں صرف کیا وصولیابی کا مستحق ہوگا۔ اگر اجارہ دہندہ متولی ہے تو اجارہ دار کو
 اس مدت کا مناسب کرایہ جو قاضی طے کرے دینا ہوگا۔

فصل پنجم :- جائیداد وقف پر بار

وقف ہو جانے پر جائیداد موقوفہ میں واقف کا حق ملکیت کلیتاً ساقط ہو جاتا ہے اور جائیداد موقوفہ مثل ملکیت خداوندی ہوتی ہے اور کسی بھی شخص کو جائیداد موقوفہ کے بارہ میں معاملہ کرنے کا حق نہیں ہے۔ حتیٰ کہ واقف اس کے ورثا اور وقف کے استفادہ کنندگان تمام کا حق ملکیت ختم ہو جاتا ہے اور جائیداد بیع و ہبہ کی صورت میں نہ منتقل ہو سکتی ہے اور نہ اس پر حق وراثت عائد ہوتا ہے۔

ایسا وقف جو دو زندہ اشخاص کے لیے ہو اور اس کا موثر ہونا وصی کی موت پر منحصر نہ ہو تو وہ منسوخ نہیں ہو سکتا نہ خود واقف نہ اسکے تابع دیگر اشخاص کی بد کرداری یا غلط رویہ سے اس طرح متاثر ہوتا ہے کہ جائیداد ہی منتقل کر دی جائے یا وقف کی ناقابل انتقال خصوصیت ضائع کر دی جائے۔

جہاں تک وقف کے لیے ایک ایسے قرضہ کا مسئلہ ہے جو عائد ہو سکے، مسلم قانون اس سلسلہ میں قطعاً واضح اور صریح ہے۔ ایک بار وقف ہو جانے کی صورت میں نہ واقف نہ متولی موقوفہ جائیداد پر اس وقت تک کوئی بار عائد نہیں کر سکتے جب تک کہ واقف نے متولی کو صریحاً اس امر کا مجاز نہ کیا ہو کہ وہ ہنگامی حالات میں وقف کے لیے قرضہ حاصل کرے۔ بصورت عدم اختیار حج کی اجازت سے وہ ایسا کر سکتا ہے۔

استعدادیت یا اختیار قرضہ

فتاویٰ قاضی خان میں اصول اس طرح ہے کہ جب قیمت پر مال گزاری یا خرارج یا دوسرے نیکیس (جبابیہ) کا مطالبہ ہو اور آمدنی وقف (فی الوقت) سے کچھ نہ ہو تو فقیہ ابو القاسم کے مطابق اگر واقف قرض لینے کا مجاز ہے تو وہ قرض لے سکے گا۔ مگر عدم مجاز کی صورت میں قرض لینے پر وہ اسے اپنی جائیداد سے ادا کرے گا نہ کہ آمدنی ہے۔

فقیر ابواللیث کے مطابق ہنگامی حالت میں جب کہ قرض لینا ضروری ہو تو حاکم کی اجازت سے قرضہ حاصل کیا جاسکتا ہے اور اسی صورت میں قرضہ آمدنی سے ادا ہو سکتا ہے اس لئے کہ صرف قاضی وقف کے لیے استعانت یا قرضہ حاصل کر سکتا ہے۔

ناظمی کے مطابق اگر متولی با اجازت قاضی قرض لے سکتا ہے تو تمام فقہاء کے مطابق قرض لینا جائز ہے۔ اس لئے کہ قاضی قرضہ حاصل کرنے کا مجاز ہے اس سلسلہ میں اس کا متولی کو مجاز کرنا جائز ہے متولی بطور خود قرضہ لینے کا مجاز نہیں ہے۔

اگر قیم جائیداد وقف کسی قرضے کے عوض رہن کرے تو یہ ناجائز ہے اس لئے کہ یہ وقف سے کمبیز کے مساوی ہے اور جس طرح یہ متولی کے لئے ناجائز ہے اسی طرح اہل علم بعد بالفاظ دیگر استغناء دکان وقف سے لئے بھی۔ اور اگر قیم مکان موقوفہ کو رہن کرے اور مرتبہ بان کی رہائش ہو تو فقہاء کی رائے میں وہ مروجہ کرایہ کا مستحق ہو گا خواہ مکان کرایہ کے قابل ہو یا نہیں۔ مگر یہ کہ اگر قیم کے پاس کوئی آمدنی وقف نہ ہو تو اسے یہ معاملہ قاضی کے روبرو پیش کرنا چاہئے تاکہ وہ مفاد وقف میں قیم کو قرض لینے کی اجازت دے سکے۔ قیم بلا اجازت قاضی قرض نہیں لے سکتا۔ حصول قرض کا مفہوم یہ ہے کہ متولی کے پاس وقف کی آمدنی کوئی نہ ہو اسلئے قرض لینا ضروری ہے۔

درالمختار میں بھی یہی اصول ہے وقف پر کوئی بار قرضہ (استدانت) یا قرضہ سوائے مفاد وقف کی ضرورت کے جائز نہیں ہے۔ مثلاً مرمت یا کاشت کے لیے بیج خریدنا ان ہر دو صورتوں میں جائز ہے اول با اجازت قاضی لیکن اگر اس کی رہائش قاضی سے بہت فاصلہ پر ہو تو با اختیار خود قرضہ لے سکتا ہے۔ دوسرے وہ اغراض ضروری پر کرایہ خرچ کر سکتا ہے۔

متولی بلا اجازت حج جائیداد پر قرضہ نہیں لے سکتا

درالمختار میں اس عبارت کی شرح کرتے ہوئے کہ وقف پر استدانت یا قرضہ لینا جائز نہیں ہے مصنف ردالمختار نے لکھا ہے کہ اگر واقف نے صریحاً شرط رکھی ہو کہ متولی اغراض وقف کے لیے جائیداد موقوفہ پر قرضہ لے سکتا ہے تو پھر یہ مسئلہ قابل بحث نہیں رہتا۔ ایسی کوئی شرط نہ ہونے پر اگر متولی کو مختص اختیار نہ ہو تو اس کی حیثیت وحی سے مختلف ہوگی اگر متولی قرضہ حاصل کرتا ہے تو ان کے لیے وہ ذمہ دار ہے اس صورت میں کہ یہ مختلف حالت میں حاصل کیا گیا ہو۔ ابو الیث کے قول کے مطابق یہ ایک مسلمہ اصول ہے اگر قرض لینا ناگزیر ہو (یعنی اگر سخت ضرورت ہو) تو متولی قاضی

کی اجازت سے ایسا کر سکتا ہے بشرطیکہ قاضی سے فاصلہ پر نہ رہتا ہو اس لیے کہ قاضی مسلمانوں کے معاملات کا عام طور پر نگران ہے بعض کے مطابق مرمت کے لیے متولی کو اختیار قطعی حاصل ہے لیکن اول الذکر اصول کو حنفی مسلک میں تسلیم کیا ہے۔

عبارت مندرجہ کی مزید شرح میں پہلی شرط قاضی کی منظوری ہے۔ مصنف دراختیار کے مطابق متولی کی درخواست بظاہر بلا ثبوت منظور ہونا چاہئے اگر جائیداد کو اجارہ پر دینا ممکن نہ ہو ”یہاں لفظ اجارہ“ عام مفہوم میں مستعمل ہے اس میں مختصر اور طویل المدت دونوں اجارے شامل ہیں یا جو متواتر مختصر المدت ہوں اگر اجارہ دینے کا امکان ہو تو وقف پر بار قرضہ نہ کرنا چاہئے۔ یہی اصول فتح القدیر بحر الرائق اور دوسری مستند کتابوں میں سے اور یہی مسلمہ ہے۔

مندرجہ بالا جواز قرضہ کے لیے دو اصول منضبط ہوتے ہیں اول یہ کہ وقف کے لیے واقعی ضرورت ہو جو نہ اس کی موجودہ آمدنی اور نہ جائیداد کو کرایہ پر دینے سے پوری ہو سکتی ہو۔ دوسرے یہ کہ قاضی ضرورت قرضے کی تائید میں شہادت پر بعد غور متولی کو خاص طور پر قرضہ حاصل کرنے کی اجازت دیدے۔

پس عام اصول یہ ہے کہ آراضیات وقف کا عارضی یا رہن قطعی یا کسی اور صورت میں انتقال خواہ وہ مرمت جائیداد وقف یا کسی دوسرے قرض کے لیے ہو حسب شرع ناجائز ہے۔

بعض وقف کی صورت میں جو ہندو کرتے ہیں یہ طے کیا گیا کہ محض برائے نام سے وقف تابع انتقال نہیں ہے اور یہی اصول ان مسلمانوں کے اوقاف پر منطبق کر نیکی کوشش کی گئی ہے۔

نوعیت وقف

مسلم قانون کے بارے میں ایسی کوشش غلط فہمی پر مبنی ہے۔ اوپر بتایا گیا ہے کہ لفظ برائے نام مثل لفظ دائم کا مفہوم ہے کہ اگرچہ وقف کرنے کا منشا ہے لیکن دراصل واقف نے جائیداد سے علیحدگی اختیار نہیں کی ہے۔ مسلم لا کے مطابق جب کوئی وقف لفظ ”وقف“ کے پورے معنی مفہوم اور نتیجہ کے پیش نظر کہا جاتا ہے تو اس صورت میں

جائیداد پر حق یا ملکیت نہیں رہتی اور قانوناً وقف کے حقوق مالکانہ جائیداد موقوفہ سے بالکل الگ ہو جاتے ہیں۔ سرینجا وقف کی صورت میں مطابق شرح وقف برائے نام نہیں لیا جاسکتا۔ اسی فرد کے گزارے کے لیے انعام کا تعین حق ذاتی کی صورت میں وقف نہیں ہے۔ یہ بتا دینا ضروری ہے کہ خاص صورت میں حالات کی بنا پر انعام کی نوعیت میں ترمیم ہو سکتی ہے اگر کوئی انعام شخص انعام پانے والے کے ہی لئے مخصوص نہ ہو بلکہ اس کی آل کی بس معاش کے لیے بھی ہو تو وقف جائز ہے۔ مگر یہ کہ اگر کسی شخص کو انعام بطور وقف دیا جائے جس میں مستقبل کے استفادہ کنندگان کا حوالہ نہ ہو تاہم انعام یا بندہ کی موت کے بعد یہ وقف غربا کے لیے مخصوص ہوگا اور اس کے ورثا کا اس پر کوئی حق نہ ہوگا۔ عدالت عالیہ لکھتے ہیں ایک مقدمہ میں جب کہ قابل ارث جائیداد جس پر کہ وقف کا بار تھا یعنی اس کے منشا میں ایک بزرگ کے مقبرہ کی دیکھ بھال شامل تھی یہ طے لیا کہ وقف اسی شرط کے تحت منتقل ہو سکتا ہے مگر خود یہ فیصلہ بہت ہی تشنہ ہے۔ اس نتیجے کی رپورٹ سے نہ تو واقعات مقدمہ نہ دستاویز کی نوعیت معلوم ہوتی ہے۔ ایسی صورت میں اس اصول کو بتانا مشکل ہے جس کی بنا پر قابل ججان نے فیصلہ صادر کیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فاضل ججان جنہوں نے یہ دور رس فیصلہ صادر کیا ان کے سامنے اس مسئلہ پر بحث ہی نہیں ہوئی۔ اس مقدمہ میں سب سے پہلا سوال یہ تھا کہ آیا جائیداد قابل ارث تھی۔ اگر جائیداد کی تشکیل سرینجا بطور وقف نہیں تھی بلکہ وہ صرف بزرگ کے مقبرہ کی دیکھ بھال کی غرض سے وقف کی گئی تھی تب بھی قانونی نتیجہ وہی ہے۔ اگر جائیداد کو اس تمام مدت میں قابل ارث ہی سمجھا گیا تو مقدمہ مذکور میں طے شدہ اصول یہاں بھی منطبق ہوگا اور وہ جائیداد تابع وقف منتقل ہو سکے گی۔

بشن چند بساوت بنام سید نادر حسین

انگریزی اصول ”دوام“ کے خلاف ہے جو مسلم قانون میں لائق تسلیم ہے اور اگر کوئی جائیداد وقف کی گئی ہو جو بظاہر دائمی نوعیت کی نہ ہو تو اس مقصد کے لیے جائز جائیداد جس متصور ہوگی۔ اور اس لئے ناقابل انتقال اور ناقابل ارث ہے اس سلسلے میں بمقدمہ بشن چند بساوت بنام سید نادر حسین فاضل ججان پر یوی کونسل کی رائے اہم

ہے۔ بمقدمہ دل رام پچل بنام عزیز الاسلام عدالت صدر نے طے کیا کہ اگر تمام جائیداد وقف ہے تو متولی عین حیات خود اسے مزید مدت کے لیے اجارہ پر نہیں دے سکتا۔ اگر منصب موروثی ہے اور وقف میں متولی کا مفاد بھی شامل ہے تو عدالت اسے جائیداد موروثی قرار دے گی۔ تاہم حق ملکیت متولی اور ورثا کو تفویض ہوگا اور وہ وہی حق استعمال کر سکتے ہیں جو کہ دوسرے مالکان دائمی پٹے پر دینے میں استعمال کرتے ہیں چونکہ دستاویز وقف نامہ عدالت کے سامنے نہیں تھی اور عہدہ متولی بظاہر موروثی تھا جس کی آمدنی میں اس کی افراد خاندان کا مفاد بھی شامل تھا اس لئے فاضل جج نے اسے ایک قابل اثر جائیداد تابع وقف قرار دیا۔ ان فقروں سے ان کا منشا یہی تھا کہ وقف مذکور کو عام اوقاف کے زمرہ سے خارج کر دیں بلکہ انہوں نے محض (غالباً کسی حد تک بے ربط عبارت میں) ان وجوہات کا جن کی بنا پر وہ اس کو جائز اجارہ سمجھنے پر مائل ہوئے کہ آیا ایسی جائیداد ایک موروثی جائیداد تابع وقت کہی جائے یا خالص وقف جس کی آمدنی واقف کے ورثا کو ملے۔ ان دونوں ہی صورتوں میں نتیجہ یکساں ہے۔

اگر کوئی جائیداد مختص مقاصد کے لیے وقف کی جائے اور بعض مدت مصارف ساقط ہو جائیں تو یہ وقف ناجائز ہوتا ہے اور نہ مذہبی رسوم کی ادائیگی سے وقف کے خلاف کوئی تمادی عارض ہوتی ہے۔

مقبروں میں آئی ہوئی زمین

مسلمانوں کی وہ زمینیں جن پر مقبرے ہوں اجرائے ڈگری میں نیلام نہیں ہو سکتیں نہ کوئی مقبرہ یا قبرستان جہت وقف کی نوعیت کی بنا پر منتقل ہو سکتا ہے۔ کسی زمین کا قبرستان کے لیے وقف عام خود ثبوت وقف ہے اور اولاد کو ورثہ میں منتقل ہونے سے مستثنیٰ ہے۔ یہ طے شدہ ہے کہ کوئی قطعہ آراضی محض مقبروں کی وجہ سے تقسیم آراضی کے تابع نہیں ہے تاقتیکہ اس میں مقبرے شامل نہ ہوں۔ سوائے اس باقی ماندہ آراضی کے جو مقبروں میں شامل نہیں ہے۔ ایسی آراضی جو بطور قبرستان استعمال کی جائے اور اس کی ملکیت ان افراد خاندان میں تفویض ہو چکی ہو جو مقبروں میں مراسم مذہبی انجام دیتے ہیں ان کو یہ حق ہے کہ ان مالکان آراضی کے خلاف جو فرائض کی انجام دہی میں

مزارعہ ہوں تنظیم امتناعی حاصل کر لیں۔ ایسی زمین جو دفن کے کام آتی ہے وہ دائماً مقدس ہے۔ اس میں اجازت دفن ان لوگوں کی اجازت کے تابع ہے جن کے مردے اس میں دفن ہیں۔ اس میں وہ حقوق بھی شامل ہیں جن کی بنا پر عام مروجہ مراسم ادا کئے جاتے ہیں۔ اگر مسجد سے متعلق انعام کی زمین کسی ایسی ڈگری کے بے باقی میں قرق ہوئی ہو جو مرتبہ جائیداد یا بندہ کی اولاد نے رہن کنندہ آرائشی کے خلاف حاصل کی تھی۔ ایسی صورت میں مسلم قانون کے مطابق یہ طے کیا گیا کہ چونکہ زمین مذہبی اغراض کے لیے وقف تھی اصل مالک کی اولاد میں سے کوئی بھی نہ اس کو فروخت اور نہ رہن کر سکتا تھا۔ عدالت نے یہی طے کیا کہ اس کو قرقی سے دائرہداشت کیا جائے۔

متولی و بااجازت بیع آرائشی وقف کو رہن کرنے کا اختیار نہیں ہے

ایک متولی جیسا کہ بتایا جا چکا ہے خاص حالات میں جائیداد کو کلیتاً یا جزواً بااجازت قاضی رہن کر سکتا ہے بلکہ جائیداد کے حصے کو منتقل بھی کر سکتا ہے۔ مگر کوئی بھی فعل بلا اجازت قاضی کلیتاً یا مثل اور غیر موثر ہے۔

مسلم قانون کے تحت بیع کی اجازت یا منظوری شرط مقدم ہے اور برٹش دور حکومت کی بندہ ستانی عدالتوں نے دور ابتدائی کے مقدمات میں اس اصول کا ہمیشہ نفاذ کیا ہے۔

مولوی عبداللہ بنام راجہ سری دوسہ وغیرہ

بمقدمہ مولوی عبداللہ بنام راجہ سری دوسہ میں (جو کہ اس مسئلہ سے متعلق ایک اہم فیصلہ ہے) مدعی نے (جو عدالت صدر میں مرافعہ گزار تھا) بعض آراضیات متعلقہ مسجد کے کرایہ کا دعویٰ کیا۔ مدعاغلیہ راجہ دوسہ نے جواب دہی کی کہ سابق سپرنٹنڈنٹ مسجد محمد افضل نے مبلغ ایک سو ایک روپیہ بہ غرض مرمت مسجد اس کے خاوند سے قرض لے کے اس کے عوض تین سال کے لیے آٹھ کوٹھوں کا کرایہ اور ایک پانی کی ٹنکی رہن کر دئے تھے۔ بروئے رہن نامہ مورخہ ۹ جیٹھ ۱۲۱۹ء یہ قرار پایا تھا کہ سود شرح ایک روپیہ فی ماہ مدت رہن کا واجب ہو گا اگر تین سال منقضی ہونے تک قرضہ ادا نہ ہو تو آٹھ کوٹھوں کا کرایہ پانچ روپیہ سکہ سالانہ کے حساب سے قرضہ کے عوض فروخت کیا جائے گا اور ٹنکی کا کرایہ ایک روپیہ سالانہ پریسڈنٹ مسجد کو مسجد کے

مصارف کیلئے دیا جائے گا۔ مدعا علیہ (خاتون) کی جانب سے یہ جواب دہی کی گئی چونکہ محمد افضل نے قرضہ جو مرمت مسجد کے لیے لیا تھا اور زر رہن ادا نہیں کیا اس لئے اسکا جائنٹین (موجودہ مدعی) اس کی ادائیگی کا پابند ہے عدالت اول نے دعویٰ مدعی اس بنا پر ڈگری کیا کہ سابق عہدیدار نے مفاد مسجد کے لیے رہن کیا تھا اس لئے جائز تھا مگر عدالت ماتحت اپیل نے اس کو خارج کر دیا۔ عدالت صدر نے مدعی کی اپیل پر افسران قانون کے مشورے کے مطابق یہ طے کیا کہ ایسی زمین جو مذہبی اغراض کے لیے ہو اس کا رہن اور اس سے پیدا شدہ آمدنی ناجائز تھی۔ اور زمین کا مسجد کی مرمت یا کسی دوسرے منافع کی ضرورت کی غرض سے رہن نوعیت معاملہ پر اثر انداز نہیں ہوتا۔

بمقدمہ نیمائی چند بنام غلام حسین میں بھی عدالت کلکتہ نے یہی رائے ظاہر کی۔ متولی نے جائیداد کو کلکٹر کے نوٹس نیلام سے بچانے کے لیے بلا اجازت قاضی رہن رکھ دیا تھا۔ چونکہ راہن کی ذاتی جائیداد میں بھی خطرہ میں تھیں اس لئے مرتہبان کی جانب سے نفاذ رہن کی کارروائی کے سلسلہ میں سب جج نے مسلم لا کے مطابق منظوری حاصل نہ کرنے کی وجہ سے یہ طے کیا کہ یہ قانون وقف کے خلاف ہے۔ اپیل میں عدالت عالیہ نے طے کیا کہ بعض نظائر کی بنا پر متولی کو یہ اختیار محض اس صورت میں ہے جب قاضی کسی دور و دراز مقام پر رہتا ہو اور ایسے انتقال سے وقف کو منافع پہنچتا ہو تو سابقہ منظوری موثر ہوتی ہے اس مسئلہ پر فاضل ججان نے اس طرح اظہار خیال کیا کہ وہ اسناد جن کا ہم نے حوالہ دیا ہے ان سے واضح طور پر ظاہر ہے کہ جب قاضی دستیاب ہو سکتا ہو تو اس کی اجازت ضروری ہے اسلئے کوئی وجہ نہیں جائیداد کے انتقال کے بعد ان کی منظوری اتنی ہی موثر قرار نہ دی جائے جتنی کہ انتقال سے پہلے ضروری تھی۔ یہ معقولیت پر مبنی ہے کہ قاضی کی اجازت کا حاصل کرنا ضروری خیال کیا گیا خاص کر جب کہ قرضہ لینا ضروری تھا اور اسی لئے اجازت ماقبل مسادیا نہ طور پر موثر ہونا چاہئے۔

یہاں اظہار کرنا ہے کہ اس سے متعلقہ مسلم قانون کے اصول کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ تمام اسناد کے مطابق ہر اس معاملہ کا جواز جس سے کہ وقف پر بار ہو قاضی کی ماقبل اجازت پر مبنی ہے اور ہر معاملے میں ضروری ہے اور ایسا نہیں جیسا کہ فیصلہ میں کہا گیا ہے۔ (محض جب کہ قاضی دستیاب ہو) ان الفاظ میں جو 'شرط' قانونی کا مفہوم ہے ادباً

یہ بتاتا ہے کہ ان اسناد کی بنا پر جائز نہیں ہے اس لئے کہ یہ جملہ کہ جب متولی قاضی سے فاسے پر ہو وہ بطور خود کار روای کر سکتا ہے۔ اس سے شرط اول میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی بلکہ خود متولی پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ مسئلہ بان فقہانے تو فعل مابعد کی منظوری کا تصور بھی نہیں کیا اس لئے کہ اس بارہ میں حج کی اجازت ایک شرط قطعی تھی کہ اس بارہ میں بھی غور کیا جائے کہ قرنہ کی محض قطعی ضرورت نہیں تھی بلکہ آیا یہ بھی ضروری تھا کہ شرائط بہت سخت نہ ہوں اور ضرورت کو پورا کرنے کے لیے کوئی اور طریقہ باقی نہ رہا ہو۔ مقدمہ کے واقعات کے پیش نظر عدالت نے شرائط رہن کے خلاف جو ہدایات دیں ان سے ظاہر ہے کہ یہ ایسا معاملہ نہ تھا جو اصلاً وقف کے مفاد میں ہو اور حج نے مفادِ رست کے پیش نظر بلا سنجیدگی سے غور کئے ہوئے منظوری دی ہو۔

پس یہاں یہ ظاہر نہیں ہے کہ حج اتنے فاصلے پر تھا کہ اس کے سامنے مسئلہ منظوری کے لیے پیش نہ ہو سکتا تھا حتیٰ کہ انگلینڈ کے قانون میں کسی بھی جائیداد پر جو بار کے لیے عدالت کی منظوری پہلے حاصل کرنا ضروری ہے۔

مسلم الا کے مطابق اگر کسی جائیداد وقف پر بار ہو تو محض اس کی آمدنی پر ہی ادا کی جا سکتی ہے یا بار خاندان ہونا چاہئے اور کسی حالت میں بھی جائیداد کو منتقل نہ کیا جائے نہ مبادلہ میں فروخت کیا جائے۔ بالفاظ دیگر محض آمدنی قرضہ میں مکشول کی جاسکتی ہے جب جائیداد وقف کی بیع اس بنا پر کہ یہ ناقابل انتقال تھی منسوخ ہو جائے اور یہ بھی ظاہر ہو کہ خریدار نے اس عرصہ میں تعمیرات کی ہیں تو وہ ان تعمیرات کو علیحدہ کرنے کا مجاز ہوگا بشرطیکہ جائیداد وقف بلا نقصان علیحدہ ہو سکتی ہو۔ اس طرح وہ تعمیرات جو وقف کو نقصان پہنچائیں یا وہ درخت جو کرایہ دار نے لگائے ہوں تو قاضی اپنی صواب دید پر ان کے جائز معاوضہ کا حکم دے سکتا ہے بشرطیکہ ان تعمیرات سے جائیداد وقف کی حیثیت میں سرینجا اضافہ ہوا ہو۔ اگر اصل عمارت وقف منہدم کر کے تعمیر کی گئی ہو یا جائیداد وقف پر استادہ درختوں کی قلموں سے ہی درخت لگائے گئے ہوں تو ان کا کوئی معاوضہ خریدار پانے کا مستحق نہیں ہے۔ خریدار محض اس رقم کی بازیابی کا مستحق ہے جو اس نے ادا کی ہو۔

اگر عمارت وقف میں خریدار یا کسی دیگر شخص نے کوئی بھی تبدیلی کی ہو تو وہ وقف کی نوعیت کو نہیں بدل سکتی۔ اگر جائیداد وقف میں کسی تبدیلی یا اضافہ سے کوئی بھی

نقصان عمارت موقوفہ کو ہوگا تو خریدار اس کو اصل حالت میں لانے کا ذمہ دار ہوگا۔ مگر اس کی حیثیت میں تبدیلی کی بنا پر معاوضہ کا اس صورت میں مستحق نہ ہوگا جب تعمیر واضح طور پر قابل علیحدگی ہوں تو خریدار ان تعمیرات کے علیحدہ کرنے کا مستحق نہ ہوگا بشرطیکہ ان تعمیرات سے وقف کو فائدہ پہنچتا ہو مثلاً ایک خریدار روٹی پکانے کے پرانے تندور کے بجائے اچھی قسم کا تندور لگائے اسے وہ نہ علیحدہ کر سکتا ہے نہ کسی معاوضہ کا مستحق ہوگا۔ لیکن اگر وہ ایک لیمپ نصب کرتا ہے اور اس کو علیحدہ بھی کر سکتا ہے لیکن اس کو وہیں رہنے دے تو معاوضہ کا مستحق ہوگا۔

خریدار بیچنے والے سے اس وقت عمارت کی قیمت پانے کا مستحق ہے جب بیع منسوخ ہو جائے نہ کہ جب اس نے قیمت ادا کی ہو مثلاً اگر کوئی شخص دس ہزار روپے میں مکان خرید کر اس میں رہائش رکھے اور اگر وہ شکستہ ہو جائے تو بوقت منسوخی نیلام وہ قیمت پانے کا مستحق نہیں ہے۔ اور اگر قیمت زیادہ ہے تو خریدار اضافہ شدہ قیمت پانے کا مستحق ہوگا۔

عام اصول حق نالاش

بمقدمہ قاضی حسین بنام سیام بال کشن قدیم ضابطہ دیوانی کا اطلاق ان جائیداد بائے وقف کی بازیابی کے مقدمات پر زیر بحث تھا جو غلط طریقے سے منتقل کی گئی ہوں۔ مدعیان نے بعض آراضیات پر بحالی قبضہ کا اس بنا پر دعویٰ کیا کہ وہ ان کے مورث اعلیٰ کو بطور وقف اس غرض سے انعام میں ملی تھیں کہ وہ مصارف جو خدمت مسجد سے متعلق ہوں پورے کر سکیں۔ نیز (مدعا علیہم ۳، ۴، ۵) کے والد نے جو اس عمارت کے نگران و متولی تھے کچھ جائیداد خلاف قانون منتقل کر دی تھی۔ مسجد کی خدمت بھی بند کر دی تھی یہ کہ مدعیان بطور متولی کام کر رہے تھے اس لئے انہوں نے آراضیات متنازعہ کی نگرانی اور حق استفادہ کا دعویٰ دائر کیا۔ مدعا علیہم کی جانب سے منجملہ دیگر عذرات یہ بھی عذر کیا گیا کہ وہ اپنے والد (مدعا علیہ ۳) کی حین حیات مجاز نالاش نہیں تھے اس لئے کہ اس نے اپنا حق ان پر منتقل نہیں کیا تھا۔

عدالت نے طے کیا کہ مدعیان یہ انتقال جو کہ ان کے باپ اور چچا نے کیا تھا منسوخ کرانے اور جائیداد وقف کو مسجد کے حق میں برنبا خدمت مسجد بحال کرانے کے

مستحق ہیں مہنٹس استخاد و کٹند کان نہیں ہیں بلکہ وہ نہ صرف متولی کے افراد خاندان ہیں بلکہ ان اشخاص میں ہیں جن پر کہ موجودہ متولی کے انکار پر منصب تولیت خاند ہو گا بشرطیکہ اصلاً منصب بیان دعویٰ و دان پر ترک کرنے یا اسٹینڈ سے منتقل نہ ہوا ہو۔

مسجد کا کوئی بھی نمازی شخص غیر کے خلاف منسوخی انتقال کا دعویٰ دائر کر سکتا ہے مگر یہ کہ دفعہ ۵۳۹ ضابطہ دیوانی کے تحت نہ ہو گا اسلئے کہ دفعہ مذکور صرف اس صورت میں لاگو ہوگی جب کسی عوامی یا خیراتی ادارہ کے متعلق بددیانتی کی گئی ہو اور انتظام وقف کے لئے عدالت کی بددیانتی ضرورت ہو۔ مگر غیر متعلق اشخاص کے سلسلہ میں دفعہ ۵۳۹ کے تحت کوئی کارروائی نہیں ہو سکتی۔

باب ۱۶۔ شیعہ قانون وقف

فصل اوّل

شیعہ اصول کے مطابق وقف ایک مذہبی فعل ہے جس کی رو سے اصل یا عین جائیداد جس ہو کر اس کی آمدنی صرف میں آتی ہے۔

جو اہر الکلام کے مطابق منشا وقف سے مراد خوشنوی خداوندی کے لیے دائمی قیام اور ایک فعل عبادت ہے وہ صریح لفظ جس سے کہ وقف کیا جاتا ہے ”وقف“ یعنی میں نے وقف کیا مگر جیسا کہ حنفی قانون کے سلسلے میں پہلے بتایا جا چکا ہے کہ ایک وقف کسی بھی عبارت سے جب کہ منشا وقف صاف اور صریح واضح ہو کیا جاسکتا ہے۔

جو اہر الکلام کے مطابق ”وقف“ کے علاوہ کسی دوسرے لفظ کے استعمال سے قانوناً تشکیل وقف ممنوع نہیں ہے مثلاً الفاظ ”حرمت“ (میں نے پاک کیا) یا ”تصدقت“ میں نے خیرات کیا سے بھی وقف ہوتا ہے لیکن ان الفاظ کا لازمی مفہوم چونکہ کلیتاً دائمی جہت وقف نہیں ہے اس لیے واقف کی نیت کا حوالہ بھی ضروری ہے۔ حاصل کلام جب کسی واقف کا منشا تشکیل وقف ہوگا خواہ اس نے کوئی بھی جملہ استعمال کیا ہو تو وقف نافذ ہوگا۔ اگر محض لفظ ”وقف“ ہی استعمال ہو تو بلاشبہ وقف نافذ ہو جاتا ہے۔ اگر ایک شخص ایسا کوئی لفظ استعمال کرے جس سے کسی حالت میں بھی وقف کا مفہوم ظاہر نہ ہوتا ہو لیکن اس سے منشا وقف ظاہر ہو تب بھی وقف نافذ ہوگا۔ اگر کوئی یہ کہے کہ میں نے یہ مکان غربا کے لیے وقف کیا اور دائم دے دیا تو یہ وقف ہوگا۔ اگر وہ یہ کہے کہ میں نے اس جائیداد کو جس کر دیا ہے اور اس کا منافع راہ خدا میں مختص کر دیا ہے تو بھی وقف ہوگا۔

نوضیہ بی بی وغیرہ بنام حاجی محمد قاسم اصنہانی وغیرہ

جب صریحاً کوئی وقف کیا جائے اور اس میں تمہیدی الفاظ میں کہیں لفظ وقف نہ آئے تب بھی نوعیت وقف تبدیل نہیں ہوتی۔

بہت سے فونیو بی بی بنام حاجی محمد قاسم وغیرہ فاضل بیج نے مورخہ ۳۱ مارچ ۱۹۱۶ء کو فیصلہ نواب سید نظیر علی خان کی وصیت کی تعبیر کی روشنی میں صادر کیا متذکرہ وصیت کی روش سے نواب نے اپنی تمام جائیداد بذریعہ وصیت نامہ وصی کو منتقل کر دی تھی اور مدعیان کا استدلال تھا کہ وہ وصیت میر محمد کا ظم وصی کے حق میں سرخا ایک بیہ تھی۔ مگر تبصرہ کی جانب سے یہ نذر کیا گیا کہ اگرچہ دستاویز میں جو بزبان انگریزی تھی لفظ وقف استعمال نہیں ہوا تاہم ایک جائز وقف تھا۔

فاضل بیج نے اصل نذر کے حوالہ سے فیصلہ میں لکھا ہے یہ بحث کی گئی ہے کہ نظیر علی نے اپنی جائیداد اس طرح وقف کی کہ جو بظاہر مثل وقف تھی مگر عملاً ایسا نہ تھا۔ یہ سوال کہ کیا یہ نذر جائز ہے اس سلسلہ میں اصل نظیر پر مسٹر فلپ نے اظہار خیال کیا۔ وہاں ہذا میں یہ محسوس کرتا ہوں اصل مسئلہ یہ نہیں ہے کہ آیا واقعی وقف کیا گیا تھا بلکہ مدعیہ دعویٰ میں کامیاب نہیں ہو سکتی جب تک وہ یہ ثابت نہ کرے کہ میر محمد کا ظم کو متولی بنانے کی نیت نہ تھی اگر ان کو متولی بنانے کی نیت ہوتی تو وہ خود ذاتی فائدہ حاصل نہ کرتا۔ وقف نامہ سے ظاہر ہے کہ میر محمد کا ظم کو متولی سمجھا گیا مگر یہ اب مدعیہ کو ثابت کرنا ہے کہ وہ (میر محمد کا ظم) ذاتی حیثیت سے کام کر رہا تھا۔ اس بارہ میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ مسجد وغیرہ کی عمارت میں ایک حصہ وقف تھا اور اس نے بطور متولی اپنا فرض انجام دیا۔ غیر خرچ شدہ آمدنی کے متعلق یہ استدلال کیا گیا ہے کہ میر محمد کا ظم نے اس کو کاپیٹا اپنی سمجھ کر حاصل کیا۔ مگر وصیت نامہ میں اس کو متولی بنایا ہے اگر اس میں یہ تحریر ہوتی کہ منصب متولی موروثی تھا تو متولی کے استدلال کو مزید تقویت ملتی لیکن یہاں ایسا نہیں ہے۔ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ میر محمد کا ظم کے ورثا کا مفاد اس سے وابستہ تھا اس لئے کہ ہر متولی کو دوسرے متولی کے تقرر کا اختیار تھا پس ایسی صورت میں میرے نزدیک وصیت نامے کے مختلف فقرے متولیوں کے تقرر اور ذمہ داریوں کے بارہ میں ہیں۔ اگر اس میں اس مسئلہ کو برہنہ اصول قانون طے نہ کرنا ہوتا تو غالباً اس طرح لکھتا۔ نظیر علی کا یہ منشا تھا کہ جائیداد اس کے دوستوں کی اولاد پر منتقل ہونا چاہئے اس لئے ان میں سے ہر ایک اختیار تقرر کو یکے بعد دیگرے اپنے ورثا یا ان میں سے بعض کے حق میں استعمال کرے گا لیکن وصیت کی واضح عبارت کی تعبیر کی غرض سے میں فیصلے میں اس

منفروضہ پر انحصار نہیں کرتا۔ یہ بھی بحث کی گئی ہے کہ محض غیر صرف شدہ آمدنی فائدہ کی فرض سے استعمال کرنے سے اس قوی نیت کا اظہار ہوتا ہے کہ فائدہ حاصل ہو اور اصلاً یہ فائدہ حاصل ہوا۔ نظائر مقدمات کا تفصیل سے جائزہ لئے بغیر یہ بتانا کافی ہے کہ وہ مقدمات جن کا مسز کنیڈی و امیر علی نے حوالہ دیا ہے خاص کر دیوجان بی بی بنام عبداللہ بار میر اور ایڈوکیٹ جنرل بنام فاطمہ بی بی سے ظاہر ہے کہ اس بنا پر یہ قیاس نہیں کیا جاسکتا کہ بی بی ہونی آمدنی سے متولیان استفادہ کرتے ہیں اس صورت حال کے پیش نظر خیال کرتا ہوں کہ مدعی کا عذر ناکام ہونا چاہئے۔ اور اس مسئلہ کا جواب کہ آیا نظیر علی کی جائیداد میر محمد کاظم کی جائیداد کا ایک حصہ تھی نفی میں ہونا چاہئے۔

اصطلاح وقف کی تعریف

وقف ایک فعل عقد ہے جس کا نتیجہ اصل شے کو جس کرنا اور اس کے فائدہ کو کام میں لانا ہے محض ایک لفظ صریح جس سے کہ اس کی تشکیل ہوتی ہے وہ ”وقف“ (میں نے وقف کیا) ہے اس لئے کہ الفاظ ”حرمت“ میں نے پاک کیا اور ”صدقت“ میں نے خیرات میں دیا ان سے ظاہر ہے کہ وہ تشکیل وقف کے لیے بلا متعلقہ حالات کافی نہیں ہے اس لئے کہ ناوہ وقف انکے دوسرے معنی بھی ہو سکتے ہیں اگر تشکیل وقف کے ارادے سے یہ الفاظ استعمال کئے جائیں تو ان الفاظ کے استعمال کرنے والے اشخاص پر بلا لحاظ ان حالات کے وہ (الفاظ) قابل پابندی ہیں اور اگر ان الفاظ کا استعمال کرنے والا شخص فی الاصل تسلیم کرے کہ ان کو اس مقصد کے لیے استعمال کیا تھا تو اس کے الفاظ اقرار کے خلاف فیصلہ صادر ہونا چاہئے۔ یہ بتایا گیا ہے اگر وہ یہ کہے کہ جامت۔ مہلت۔ بلا ان حالات کو بتائے ہوئے جن کے پیش نظر یہ معنی لئے گئے ہیں وقف ہو جاوے گا اس لئے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے کہ جس الاصل و سبیل اثرات یعنی اصل کو جس کرد اور بچاؤں کو دوسرے فقہاء کے مطابق ان حالات میں بلا تائیدی اسباب ان الفاظ کا عموماً یہ مفہوم نہیں ہوتا اور یہی قول مسلمہ ہے۔

متذکرہ رائے جو اہر تالیہ اور دوسری مستند تصانیف میں اصول کی روشنی میں ظاہر کی گئی ہے بالفاظ دیگر اگر کوئی انتقال ان الفاظ میں جو معنی میں مبہم ہو کیا جائے تو نیت

واقف معلوم کرنا ضروری ہے اگر وہ زندہ ہے تو خود اپنا مفہوم ظاہر کرے گا۔ اگر واقف کا انتقال ہو گیا ہے تو اس کی نیت اس کی منشاء کی نوعیت سے اخذ کی جائے گی جس غرض سے وقف کیا گیا ہے یا بر بناء حالات متعلقہ منشاء شیعہ کے مطابق ایک جس یا ایک محدود وقف کا قیام بنا ہے پس اگر کوئی وقف کسی فرد کے حق میں کیا ہے تو وہ انعام یا وقف ہوگا اگر اس نے ۸ کے حق میں جس کیا ہے اور اس کے بعد غربا کے حق میں تو یہ وقف ہوگا یا کسی مسجد یا مفاد عامہ کی نیت کے لیے ہے تو یہ وقف ہوگا۔ کسی مسجد یا مفاد عامہ کی خاطر وقف خواہ کسی عبارت میں کیا جائے چونکہ اس کی نوعیت دائمی اور ابدی ہوتی ہے اس کا منشاء وقف ہی ہوتا ہے مثل دوسرے لوازمات کے تشکیل وقف میں نیت ایک ضروری عنصر ہے اور ایسے شخص کا وقف جو غافل ہو یا مدہوش ہو یا سوراہا ہو جائز نہیں ہے۔

جب کوئی وقف مختص افراد کے لیے جو بالغ اور رضامندی کے اہل ہوں کیا جائے تو فقہاء کی رائے میں استفادہ کنندگان کو چاہئے کہ اس وقف کو تسلیم کر لیں۔ اس پر عام اتفاق رائے ضروری نہیں ہے۔ اگر کوئی وقف کسی نابالغ یا سفیر سن یا ایسے اشخاص کے لیے جو کسی وجہ سے اہل نہ ہوں یا ابھی پیدا نہ ہوئے ہوں یا لوگوں کی بڑی جماعت کے لیے کیا جائے یا ایسی غرض کے لیے جس میں عام لوگوں کی دلچسپی ہو تو اس میں عوام کی منظوری کی ضرورت نہیں ہے۔ ایسا وقف جو مختص بالغ افراد کے لیے ہو جبکہ خود واقف قبضہ کی نوعیت تبدیل کر دے منظوری کی ضرورت نہیں ہے۔

شیعہ قانون کے مطابق قبضہ تابع شرائط ضروری ہے

قبضہ (اقباض) جواز وقف کے لیے لازمی شرط ہے مگر یہ اصول ان شرائط کے تابع ہے جن کا حنفی قانون کے سلسلہ میں حوالہ آچکا ہے۔ یعنی واقعی تبدیل قبضہ ضروری نہیں ہے محض تعبیری انتقال کافی ہے۔ مثلاً واقف کے لیے جائز ہے کہ وہ خود کو متولی بنائے ایسی صورت میں ایک رسمی تبدیلی قبضہ ضروری ہے۔ پس اس اصول کا منشاء دوسرے کو قبضہ منتقل کرنے کا نہیں ہے بلکہ اس پر قبضہ بالاختیار خود کی نوعیت کو تبدیل کرتا ہے۔ اس مفہوم کے مطابق مناسبت میں ہے کہ اگر واقف جائیداد موقوفہ پر اپنا قبضہ برقرار رکھے اور قبضہ کی نوعیت میں کوئی تبدیلی نہ کرے تو وقف نافذ ہوگا۔ اگر کوئی وقف عوامی مقصد

کے لیے ہو تو کسی صریح قبضہ دہانی کی ضرورت نہیں ہے اس لئے کہ کسی ایک فرد کا بھی استعمال جواز وقف کے لیے کافی ہے۔

جو اہر کے مطابق قبضہ دہانی ضروری نہیں ہے۔ جبکہ نوعیت وقف اصلاً صدقہ یا امور خیر کے لیے عطیہ ہو۔ بعینہ مسجد یا کوئی عام قیام (بیت العامہ) کے وقف کی صورت میں محض قبضہ نہ دینے سے وقف منسوخ نہ ہوگا۔ اگر وقف نجی افراد کے حق میں جو بالغ ہوں کیا جائے تو متولی مقرر کر کے اس کو استفادہ کنندگان کے مفاد میں قبضہ دینا چاہئے یا اگر اس پر واقف کا قبضہ ہے تو واضح طور پر یہ قبضہ بطور ایک متولی ہونا چاہئے۔

اگر واقف کے نابالغ بچوں کے حق میں وقف کیا جائے تو انتقال قبضہ کی ضرورت نہیں ہے۔ قانون ایک باپ کے قبضہ کو نابالغان کی جانب سے متولی کا قبضہ قیاس کرتا ہے۔ یہی صورت غربا کے حق میں وقف کی ہے۔

اقباض یا قبضہ دہانی

میں نے اس سے پہلے باب میں اقباض کے موضوع پر اظہار خیال کیا ہے۔ میرے لئے یہ وضاحت کرنا بھی ضروری ہے کہ اقباض کی حالت میں واقعی قبضہ دہانی ضروری نہیں ہے محض اس امر کا اظہار ضروری ہے کہ واقف نے جائیداد موقوفہ سے اپنا حق مالکانہ علیحدہ کر دیا ہے۔ اگر جائیداد غیر منقولہ ہے تو دستاویزات ملکیت کی سپردگی سے ضروریات قانون کی تکمیل ہو جائے گی۔ اگر یہ کوئی مکان ہے تو اسکی کنجی سپرد کرنا یا اگر محفوظ سرکاری تمسکات ہیں تو ان کی بینک کی رسید سپرد کرنا یا اگر یہ کوئی کاروبار ہے تو کاروبار کے کھاتوں میں اندراج انتقال مثل ہبہ انتقال قبضہ کے لیے کافی ہے۔

انتقال قبضہ

تکمیل وقف کی تمام ضروری شرائط پوری ہو جانے پر وقف قطعی (بشرطیکہ) بحالت صحت کیا جائے) ہو جاتا ہے اور منسوخ نہیں ہو سکتا۔ اس مسئلہ پر بقول مصنف جو اہر الکلام ابو حنیفہ کا ہم سے اختلاف ہے۔ حالانکہ ان کے شاگرد ابو یوسف نے بغداد پہنچنے پر ان سے بھی اختلاف کیا۔ اگر شے موقوفہ پر قبضہ تبدیل ہو چکا ہے اور واقف کے قبضہ میں نہیں ہے یا استفادہ کنندگان یا ان کی جانب سے متولیان کے قبضے میں ہے تو

واقف نہ اس کو منسوخ کر سکتا ہے اور نہ وقف کی شرائط میں تبدیلی کر سکتا ہے اور نہ راہِ خدا میں وقف ہونے کے بعد اسے واپس لے سکتا ہے اور نہ وہ اغراض جن کے لیے وقف ہے ان میں تبدیلی کر سکتا ہے۔

اگر وقف نابالغ بچوں کے لیے ہے تو یہ قابلِ تسخیر ہے خواہ قبضہ میں کوئی تبدیلی نہ ہو یہ تمام اوقاف مابین زندہ اشخاص کے ہوتے ہیں۔ ایک وقف بالوصیت جو کہ موسیٰ کی موت کے بعد قابلِ نفاذ ہو وہ قابلِ تسخیر ہے۔

بمقدمہ آغا علی خان جسٹس محمود نے یہ فیصلہ صادر کیا کہ ایسا وقف جائز اور موثر نہیں ہے تا وقتیکہ واقف نے حینِ حیات خود قبضہ منتقل نہ کر دیا ہو۔

دستاویزی وقف کا نتیجہ

جائیداد موقوفہ کے دستاویزی وقف کے بارہ میں یہ بتانا ضروری ہے کہ جب تک موسیٰ کی حینِ حیات جائیداد موقوفہ پر قبضہ نہ دیا جائے اور ورثہ کی اجازت نہ ہو تو یہ کہیں تاخیر موثر ہوتا ہے۔ یہ بتانا ضروری ہے کہ اس نظر یہ کو قانون کی محدود تعبیر کی بنا پر بمقدمہ باقر علی خان بنام منظور آرا بیگم، جہان پریوی کونسل نے تسلیم نہیں کیا۔ مقدمہ مذکور میں یہ طے کیا گیا تھا کہ شیعہ قانون کے مطابق ایک جائز وقف بر بنائے وصیت نہیں ہو سکتا۔ مقدمہ محمد احسن بنام عمر دراز الہ آباد ہائی کورٹ نے طے کیا کہ ایسا وقف جو کسی شیعہ نے بذریعہ وصیت کیا ہو اس بنا پر ناجائز نہیں ہو سکتا کہ یہ نہ قطعی اور نہ غیر مشروط ہے حتیٰ کہ چند شرائط کی بنا پر جن کی رو سے موسیٰ کی حینِ حیات بچہ ہو جانے یا موسیٰ وصیت شرائط کو منسوخ یا ترمیم کرنے کا اختیار اپنے لئے مختص کر لے تو یہ ناجائز نہیں ہوتا۔ مقدمہ مذکور میں موسیٰ نے یہ قرار دیا تھا کہ جائیداد کی آمدنی اسکی بیوہ (جسے اس نے حقیقت حینِ حیات ہی دی تھی) کے انتقال کے بعد اغراض وقف پر صرف کی جائے۔ عدالت عالیہ نے طے کیا کہ وصیت کی شرائط سے صاف ظاہر ہے کہ اصل غرض وقف تھی۔ محض یہ امر کہ موسیٰ کے انتقال پر جائیداد فوراً ہی متولیان پر منتقل نہیں ہوتی اور یہ کہ بیوہ کی حقیقت حینِ حیات کی بنا پر بطور وقف اس کا استعمال ملتوی رہا۔ اس سے وقف ناجائز نہیں ہوتا۔

مرض الموت میں وقف ورثا کی رضامندی سے جائز ہے
 ایسی صورت میں جب واقف مرض الموت میں مبتلا ہو اگر وقف کیا جائے اور
 اس کی نیت سے صاف طور پر ظاہر ہے کہ وہ قبضہ منتقل کرنا چاہتا ہے تو یہ کل وقف نافذ
 ہوگا بشرطیکہ اس کے ورثاء واقف کے موت کے قبل یا بعد اس پر رضامند ہوں ورنہ یہ
 وقف موسیٰ کی جائیداد کے یک ٹلت پر موثر ہوگا۔ اس لئے کہ وقف بھی مثل دیگر
 انتقالات مثل ہبہ و بیع ہے جو فوراً نافذ ہو جاتے ہیں۔ اگر جائیداد موقوفہ محض ۳۰ حقیقت
 پر مشتمل ہے تو تمام وقف جائز ہے ورنہ ترجیحاً دیگر شرائط نافذ ہوں گی۔ اگر وقف یک
 ٹلت جائیداد کا نہ ہو۔

شرائع میں ہے کہ اگر کوئی شخص بحالت مرض الموت کوئی وقف، ہبہ، عطیہ،
 بیع یا غلام کو آزاد کرتا ہے اور ان انتقالات کی ورثا اجازت نہیں دیتے تو یہ اس کی ملکیت
 کے ایک ٹلت پر نافذ ہوں گے ورنہ تقدیم و تاخیر کے مطابق ان پر عمل ہوگا اور ان میں
 سے ہر ایک انتقال بالترتیب جائیداد کے ایک ٹلت ۱۳ پر نافذ ہوگا۔ اس سے زیادہ کا
 انتقال باطل ہوگا۔

آغا علی خان بنام سلطان علی خان

بمقدمہ آغا علی خان فاضل حج کی رائے میں مرض الموت میں کئے گئے وقف میں
 بھی قبضہ دہانی اسی طرح ضروری ہے جیسے کہ حالت صحت میں وقف کی صورت میں یہ نظر
 یہ محض استنباطی دلیل کی بنا پر تھا اس لیے کہ اسناد محولہ سے اس کی تائید نہیں ہوتی۔
 اگر کسی شخص نے ہبہ یا کوئی وقف یا عطیہ مرض الموت میں کیا ہے تو ہر دو آرا
 میں صحیح رائے کے مطابق ایک ٹلت تک ہی نافذ ہونا چاہئے۔ الا اس صورت میں کہ ورثا
 رضامند ہو گئے ہوں۔ یہی اصول وقف پر لاگو ہوتا ہے جب بحالت صحت وقف کیا جائے
 مگر قبضہ موت تک نہ ملا ہو۔

اس سے ظاہر نہیں ہوتا کہ مؤخر الذکر شرط پہلے حصے پر ہی لاگو ہوتی ہے بلکہ
 محض یہ معلوم ہوتا ہے کہ دونوں میں نتیجہ یکساں ہے۔ اہل تشیع کے اعظم المجتہد شیخ
 جعفر نے اہل سنت و اہل تشیع کے ایسے اوقاف کی تشکیل کے بارہ میں اس اختلاف کی

بابت جو مرض الموت میں کئے جائیں واضح کرتے ہوئے کہیں بھی اس امر کا حوالہ نہیں دیا ہے کہ قبضہ دہانی نہ صرف ایک لازمی شرط ہے بلکہ ضروری امر واقف کی واضح نیت تشکیلی وقف اور انتقال کی بابت ہے۔

وقف بالوصیت

کسی موسیٰ کی اپنے ورثا یا وصی کو یہ ہدایت کہ موت کے بعد جملہ جائیداد وقف کر دی جائے یہ وقف بالوصیت کہلاتی ہے اور فوری انتقالات جائیداد کے درمیان یہ فرق ہے یعنی انتقالات مابین زندہ یا ترکہ یعنی اول الذکر صورت میں جائیداد موجودہ میں ایک ثلث واجب ہو جاتا ہے اور ترکہ کی صورت میں موسیٰ کے انتقال کے بعد حالت اصلی پر غور کرنا ہے اگر کسی وقف میں بہت سے ترکے ہوں اور یہ طے کرنا مشکل ہو کہ کون سی شرط کو اولیت دی جائے یعنی جب تمام شرائط ایک ہی درجہ کی اہمیت کی ہوں تو ایسی صورت میں شرائط کے مطابق تمام ہی شرائط کو نافذ کیا جائے اور محض وہ ایک ثلث جس کے بارہ میں وقف موثر ہے تمام اغراض کے نافذ کرنے میں کام میں لایا جائے۔ کچھ جائیداد بطور ترکہ پیور ذمی ہو اور ان میں سے بعض فرائض موسیٰ کے لیے لازمی ہوں اور بعض اختیاری ان سب کو ہی نافذ کرنا چاہئے۔ بشرطیکہ اس مقصد کے لیے ایک ثلث کافی ہو۔ اگر ایک ثلث کافی نہ ہو اور ورثا بھی رضامند نہ ہوں تو موسیٰ کے ذمگی فرائض عام جائیداد سے ادا ہوں گے۔ اور دوسرے فرائض موسیٰ کی اس جائیداد سے جو ایک ثلث سے بچ رہے ادا ہوں گے۔ اگر اس ترتیب میں بعض فرائض لازمی نوعیت کے نہ ہوں بلکہ اختیاری ہوں تو یہ بھی وصیت کے ایک ثلث پر ہی نافذ ہوں گے۔ موسیٰ نے اگر اول حق فرائض کی ادائیگی طے کی ہو تو ابتداً ان سے ہی کرنا چاہئے حتیٰ کہ ایک ثلث پورا ہو جائے۔

فصل دوم:- شرائط متعلقہ شے موقوفہ

شیعہ قانون کے مطابق یہ لازمی ہے کہ

۱۔ شے موقوفہ معلوم ہو۔ مختص بالیقین ہو اور غیر یقینی نہ ہو۔

۲۔ اس کی نوعیت دائمی فائدہ پر مشتمل ہو۔ بقول شائع اس سے منافع حاصل

ہو سکیں یعنی اصل شے کے ضائع ہوئے بغیر منافع حاصل ہو سکیں۔
۳۔ ایک متولی سے دوسرے متولی کو منتقل ہو سکے۔ جو اہر الکلام میں یہ واضح طور پر
بتایا گیا ہے۔

۴۔ یہ بھی ضروری ہے کہ جائیداد وقف کی گئی ہو۔

قدیم نظریات

قدیم فقہاء کے نزدیک کسی بھی شے کا وقف جو بہ شکل جنس نہ ہو جائز نہ تھا یعنی
کسی شخص کو قابل ادائیگی قرضے کا وقف جائز نہ تھا اس لئے کہ ان کی رائے میں قرضہ کی
بصورت جنس کوئی حیثیت نہ تھی۔

شے موقوفہ

ان کا یہ بھی خیال تھا کہ ایسی شے کا وقف جس سے بلا صرف کئے کوئی فائدہ نہ
ہونا جائز تھا۔ فائدہ برائے فائدہ کے استدلال پر وقف کے ناقابل سمجھا گیا۔ لیکن جیسا بعد
میں آئے گا وہ نظریات جن پر قدیم آرا مبنی تھیں وہ بڑی حد تک صنعت و حرفت کی
کثرت اور ترقی تجارت کی بنا پر بدل گئے ہیں۔

مشاہدہ کرنے والا قاری یہ محسوس کئے بغیر نہ رہے گا کہ موضوع زیر بحث پر
حنفی و شیعہ فقہ میں قریبی مماثلت ہے۔ حنفی فقہاء متقدمین جائیداد ہائے منقولہ کے اوقاف
سوائے ان کے جو برنبائے رواج ہوں ناجائز قرار دیتے ہیں اس لیے کہ ان میں کوئی استحکام
نہیں ہوتا نیز اس لیے کہ دوران استعمال ہی ختم ہو جاتے ہیں۔ تاہم شیعہ فقہاء حنفی فقہاء
سے ایک اعتبار سے آگے ہیں۔ ان کے نظریہ کے مطابق کسی بھی شے کا وقف جس کے
استعمال سے جائز طور پر فائدہ ہو سکتا ہو اس شے کے ”عین“ کو قائم رکھتے ہوئے جائز
ہے۔ پس ایک تربیت یافتہ کتے اور بلی کا وقف بھی ان سے فائدہ کے امکان کی بنا پر جائز تھا
اس اصول کی وجہ سے یہ طے کیا گیا ہے کہ نہ محض زمین و مکانات کا وقف بلکہ
کپڑے۔ زیورات۔ فرنیچر اور قانونی دستاویزات کا وقف بھی جائز ہے۔ جو اہر میں تو اس
حد تک ہے کہ اگرچہ غذا اور مثل ایسی ہی دوسری چیزوں کا وقف جائز نہیں ہے اس لئے
کہ وہ دوران استعمال صرف ہو جاتی ہیں مگر نقشے یا عام طور پر دوسرے پھلوں۔

قندیل۔ فرش و غیرہ کا وقف بھی رواج زمانہ کے مطابق جائز ہے۔

قرضوں کا وقف

قرضوں کے جواز وقف کے متعلق انہوں نے اس طرح بحث کی ہے کہ غیر معین وقف اس لئے ناجائز ہے کہ اس کا تعین ہو سکتا ہے نہ نشان دہی۔ زر نقد کے سلسلے میں ان کے خیال میں ”دوام“ کا جزو مفقود ہے۔

جو اہر الکلام میں اس موضوع پر کسی حد تک تفصیل سے بحث کی گئی ہے کہ آیا دینار و درہم کا وقف جائز ہے یا نہیں۔ مگر بعض کی رائے میں یہ جائز نہیں ہے اور یہی متقدمین کی رائے کے مطابق ہے۔ مبسوط میں ہے کہ اس بارہ میں سوائے ان کے جو اسے جائز سمجھتے ہیں کئی طور پر اتفاق ہے۔ مگر ایسے بہت کم ہیں۔ اس لئے کہ دینار اور درہم ختم ہو جاتے ہیں اور ان سے مزید کوئی فائدہ نہیں ہوتا مگر یہ خلاف اصول ہے۔ اس لئے کہ ایک وقف ہمیشہ قائم رہ کر اسکا منافع غریبوں اور دوسرے فلاحی کاموں میں صرف ہونا چاہئے۔ مگر جب کسی شے کا منافع دائمی ہو جیسا کہ شہد کے چمٹے کا تو یہ جائز ہے۔

اصول جدید

کتب فقہ کے بغور مطالعہ سے ظاہر ہے کہ منافعوں اور روپیوں کا وقف جب وہ تجارت یا کاروبار میں دائم استعمال ہوں اور ان سے مستقلاً منافع حاصل کیا جاسکے جائز ہے اور یہ ان اقوال سے ظاہر ہو گا جو اصول فقہ حنفی کے بارہ میں پہلے ہی بتائے گئے ہیں۔ یہ نظریہ سوسائٹی کے تبدیل شدہ حالات کے مطابق ہے۔ وہ اصول جس کی بنا پر مذہب شیعہ کے بیشتر متقدمین نے زر نقد یا منافع کے وقف کو ناجائز قرار دیا ہے اس کا بنیادی سبب یہ ہے کہ یہ ایسی اشیا ہیں کہ ان میں کوئی استحکام اور دوام نہیں ہے یا جن مقاصد کے لیے کہ وقف کی گئی ہیں ان کے دوران استعمال ہی یہ سب ختم ہو جاتی ہیں۔ لیکن جب تجارت میں روپیہ لگایا جائے یا لگے ہوئے سرمائے سے منافع حاصل کیا جائے تو اس اعتراض کا وزن ختم ہو جاتا ہے اس لئے فقہاء دور جدید نے اس کو جائز قرار دیا ہے۔ اسی طرح ایک متعین اور مختص وقف کو جائز تسلیم کیا ہے۔

شے موقوفہ مختص یا قابل شناخت ہونا چاہئے

شے موقوفہ خاص طور پر متعین ہونا چاہئے اس لئے کہ کسی شخص کا محض یہ کہنا کہ اس نے مکان یا کوئی عمارت وقف کی ہے جائز نہ ہوگا تا وقتیکہ وہ یہ مختص نہ کرے کہ اس کا منشا کس مکان سے ہے۔ لیکن اگر شے موقوفہ صریحاً مختص نہ ہو مگر بعد جانچ متعین کی جاسکے تو یہ وقف جائز ہوگا۔

وقف کے لیے لازمی شرط ہے کہ شے موقوفہ واقف کی ملکیت ہو ورنہ وقف ناجائز ہوگا۔ اگر کسی دوسرے کی مملوکہ جائیداد وقف کی جائے تو اصل مالک کی توثیق پر جائز ہے۔

وقف شے جائز ہے

وقف شے یا کسی اور شے میں غیر منقسم حصہ کا وقف جائز ہے جس پر مثل بیع قبضہ دیا جاسکتا ہو۔

فصل سوم :- واقف سے متعلق شرائط

واقف سے متعلق شرائط

واقف کا بالغ ہونا بھی شرط ضروری ہے تاکہ اس کو پورا ادراک ہو کہ وہ اپنی جائیداد کا معاملہ کر سکے۔ یعنی کسی عدم اہلیت کی بنا پر وہ ممنوع نہ ہونا چاہئے۔ مصنف جو اہر کا یہ خیال صحیح ہے کہ شرط ثانی شرط اول پر منحصر ہے اور شرح اما میں جس کے لیے محض مکمل فہم ہی لازمی شرط ہے۔

تشکیل وقف بھی مثل ادائیگی عبادت کے ہے پس یک پاگل یا وہ بچہ جو بلوغ کو نہ پہنچا ہو ان پر عبادت کی ادائیگی لازم نہیں ہے۔ اس طرح اس کا وقف بھی ناجائز ہے وجہ یہ کہ وہ ضروری فہم جس سے وقف کی نوعیت اور اس کے نتیجہ کا ادراک ہو سکے اس میں مفقود ہے اس مسئلہ کے بارہ میں وہ لڑکا جس نے کہ بہت ہی جلد مثلاً دس سال میں ہی بلوغ حاصل کر لیا ہو قیاساً اس کا وقف ناجائز ہے اس لئے کہ قانون پندرہ سال کی عمر تک فہم کا قیاس نہیں کر سکتا۔

واقف نگرانی وقف اپنے ہاتھ میں رکھ سکتا ہے

ایک واقف انتظام وقف اپنے اختیار میں رکھ سکتا ہے یا کسی دوسرے کو مقرر کر سکتا ہے مگر ایسی شرط جس سے کہ واقف وقف کو منسوخ یا ناجائز قرار دے سکے صحیح اور جائز نہیں ہے اور نہ کوئی واقف ایک بار متولی مقرر کرنے کے بعد اس کی علیحدگی یا بحالی کا اختیار اپنے لئے مختص کر سکتا ہے۔

”وہ بتایا گیا ہے کہ ناظر یا پریسڈنٹ ایک دیانت دار شخص ہو تاکہ فرائض کی انجام دہی سے واقف ہو۔ اگر واقف نا اہل یا بد نیت ہے یا معاملات وقف میں غفلت برتا ہے یعنی وقف میں بد عنوانی کا مرتکب ہو تو اسے علیحدہ کر دینا چاہئے۔ یا کسی دیگر شخص کو اگر واقف نے وقف کی نگرانی کے لیے کسی کو مقرر نہ کیا ہو تو امین کے تقرر کا اختیار استفادہ کنندگان پر منتقل ہوتا ہے۔ اگر وقف مختص اشخاص کے لیے ہو تو وہ اپنی جانب سے متولی مقرر کر سکتے ہیں لیکن اگر وقف مفاد عام یا راہِ خدا یا مختلف النوع اشخاص کے لیے ہو تو حاکم شرع تقرر متولی کا مجاز ہے۔“

فصل چہارم :- موقوف الیہ اور مامور لہ کے متعلق شرائط

موقوف الیہ کے متعلق چار شرائط ہیں

موقوف الیہم یا استفادہ کنندگان

- ۱۔ موقوف الیہ موجود ہونا چاہئے
- ۲۔ موقوف الیہ ملکیت جائیداد کا اہل ہونا چاہئے
- ۳۔ موقوف الیہ مختص ہونا چاہئے
- ۴۔ موقوف الیہ ایسا شخص ہونا چاہئے جس کے حق میں وقف کرنا جائز ہو

شرائط متعلق موقوف الیہم یا استفادہ کنندگان

متذکرہ شرائط کے پیش نظر اگر ایسے شخص کے لیے وقف کیا جائے جس کا وجود ہی نہ ہو مثلاً ایک بچہ جو پیدا ہونے والا ہو یا ایسی زمین جو ماں کے رحم سے اس وقت تک علیحدہ نہ ہوئی ہو تو وقف جائز نہ ہوگا۔ لیکن اگر ایسے شخص کے حق میں جو جائین کے

طور پر ہو اور موجود ہو تو وقف جائز ہوگا۔

اس عبارت کے بارے میں شرح جواہر دلچسپ اور اس موضوع پر شیخ (مصنف مبسوط) کی رائے اہم ہیں۔ اگر کوئی ابتدا میں ہی ایک غیر موجود شخص کے حق میں وقف کرتا ہے تو شرائع کے مطابق جائز نہیں ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص اپنے بچے کے لیے جو عنقریب پیدا ہونے والا ہے یا اس جنین کے لیے جو کہ ماں کے پیٹ سے جدا نہ ہوا ہو تو یا وہ شخص جو موجود ہو اور اس کے حق میں میراث چھوڑتا ہے تو یہ جائز ہے۔ اور تقسیم وراثت کے وقت وہ اپنے حصے کا مستحق ہے تاہم وقف جائز نہیں ہے۔ یہ غالباً اس بنا پر کہ وہ جائیداد پر قبضہ کا اہل نہیں ہے لیکن اگر ایک غیر موجود مقصد جو موجود مقصد کی جگہ لینے والا ہو اور اس کے شریک منافع کے طور پر وقف کیا جائے تو جائز ہے۔

ایک غیر موجود وقف کی ابتدا

اگر کوئی شخص اول غیر موجود مقصد اور مابعد موجود مقصد کے لیے وقف کرے تو اس کے تعین کے مطابق مقصد موجود کے لیے وقف جائز ہوگا۔ اور غیر موجود مقصد کے لیے ناجائز ہوگا۔ مثلاً اگر ایک غیر پیدا شدہ بچے کے حق میں اور اس کے بعد موجودہ بچوں یا غربا کے حق میں وقف کیا جائے تو مؤخر الذکر کے لیے وقف ایک غیر موجود وقف کی ناجوازی موجود مقصد کے حق میں وقف پر عمل کو تیز بہ تیز کر دیتی ہے۔ جواہر الکلام کے مطابق عظیم فقیہ یحییٰ ابن موسیٰ کی بھی یہی رائے ہے اور بظاہر وہی علما کی بڑی جماعت کی رائے سے مطابق ہے۔ مگر ایک شخص موجودہ مقصد کے لیے وقف کر سکتا ہے اور اس کی یہ شرط جائز ہوگی کہ اس کا منافع کسی دوسرے شخص کے وجود میں آنے پر اس کو یا ان کو بھی ملے۔

مثلاً کوئی بھی شخص اگر بوقت وقف اس کے بچے نہ ہوں جائز طور پر اس شرط کے ساتھ وقف کر سکتا ہے کہ اس کے بچے ہونے کی صورت میں وقف اس کی آل کے لیے ہوگا۔ ایسی صورت میں جس لمحہ کہ بچہ پیدا ہوا ہو وقف A سے علیحدہ ہو جائے گا اور اس کا منافع ان بچوں کے کام آئے گا۔ قانون کا یہ منشا ہے کہ وقف کا آغاز موجودہ مقصد سے ہونا چاہئے خواہ بعد ازاں وہ یکے بعد دیگرے کتنے ہی غیر موجود مقاصد کے لیے وقف

رہے۔ جیسا کہ معلوم ہوگا ہنسی قانون مختلف ہے اس کی رو سے ایک وقف غیر موجودہ مقصد سے شروع ہوتا ہے اور جب تک یہ وجود میں نہ آئے وقف غربا کے کام آئے گا۔

آل کے حق میں وقف مصالح کے لیے جائز ہے

مندرجہ بالا صراحت سے یہ بھی ظاہر ہوگا کہ کسی کی اولاد یا بچوں کے حق میں وقف قطعاً جائز ہے۔

مصالح عامہ یا امور فلاح عامہ یا عام امور خیر یا عام نوعیت کے اغراض خیر کے لیے وقف جائز ہے۔ ایک وقف جو اصلاً تمام مسلمانوں کے لیے خواہ اس سے محض چند افراد ہی مستفید ہوں مثلاً بل یا مساجد کی تعمیر یا مرمت کے مصارف میں یا مردوں کی تعمیر و تکفین کے لیے خواہ اس کے فوائد سے ایک محدود تعداد بیک وقت استفادہ کر سکے خواہ ایسے مختص افراد (جن کے استفادہ کے لیے وقف ہو) کے حوالہ نہ ہو تب بھی وقف جائز ہوگا اس لئے کہ تمام مخلوق خدا اس وقف سے استفادہ کر سکتی ہے۔ پس ایسا وقف جس کا مقصد عوام کی فائدہ رسانی ہو مثلاً مدرسے یا کالج کے لیے وقف یا لائبریری کے لیے کتابوں کا وقف اس کی جائز مثالیں ہیں۔

حربی کے حق میں وقف ناجائز ہے

ایک مسلمان بیرونی دشمن کے لیے خواہ اس سے خون کا رشتہ ہو وقف نہیں کر سکتا لیکن وہ ایک ہی فرمانروا کے تحت کسی غیر مسلم رعایا کے فرد (ذمی) کے لیے خواہ عزیز ہو یا غیر وقف کر سکتا ہے۔ چونکہ ایک انسان مہربانی یا سلوک خیر سے صراط مستقیم پر آمادہ ہو سکتا ہے اسی لئے ذمی کے حق میں وقف جائز ہے۔ اس کو صدقہ یا عطیہ دینا جائز ہے اس کی تائید میں ایک مثال آنحضرت صلعم کی زوجہ محترمہ حضرت صفیہ کی ہے جنہوں نے اپنے بھائی کے لیے جو یہودی تھے وقف کیا تھا۔ اس کا یہ منشا نہیں ہے کہ ایک مسلمان کسی گرجا یا یہودیوں یا غیر مسلموں کی عبادت گاہ کے لیے وقف کرے جو اشاعت الحاد میں مدد ہوگا۔ یہ مسلمانوں کے لیے ممنوع اور ناجائز ہے۔ ایک ذمی غیر مسلم عبادت گاہ کے لیے وقف کر سکتا ہے ایک مسلمان بھی ذمیوں کے استفادہ کے لیے ان مقاصد کی خاطر جو مسلم قانون کے تحت جائز ہیں وقف کر سکتا ہے مثلاً ان کے مکانوں کی مرمت

شفاخانوں یا پناہ گاہوں وغیرہ کی تعمیرات اور اسی طرح ایک غیر مسلم مسلمانوں کی عبادت گاہ کے لیے وقف کر سکتا ہے۔

مقاصد معاصی کے لیے وقف ناجائز

شاہ راہ کے ڈاکوؤں یا شراب نوشوں کے لیے وقف ناجائز ہے اسی طرح توریت و انجیل کی نقل کے لیے بھی وقف ناجائز ہے اسی لئے کہ اصلاً وہ اب تبدیل اور مسخ ہو چکی ہیں مگر وہ اوقاف جو کسی ملحد نے کئے ہوں تو جائز ہیں مگر وہ جو باعث گناہ ہوں ناجائز ہیں۔

غربا کے لیے وقف

اگر کوئی مسلمان غربا کے لیے وقف کرے تو یہ اصلاً غربا کے کام آئے گا۔ لیکن اگر کوئی مسلمان نہیں ہے تو دوسرے غربا کے کام آئے گا لیکن کسی غیر مسلم کا کیا ہو اوقف جو عام غربا کیلئے ہو بلا امتیاز مذہب اس کے پڑوس کے غربا کے کام آئے گا۔

عام مسلمانوں کے حق میں وقف

اگر کوئی وقف عام مسلمانوں کے لیے کیا جائے تو وہ تمام قوانین اسلام کے مطابق ہو گا اس میں مسلم خواتین اور بچے بھی شامل ہیں۔ لفظ ”مسلم“ کے استعمال سے وہ خارج ہیں جو کہ پیر و اسلام نہیں ہیں۔ ان مومنوں کے حق میں وقف (جن کا ایمان پر صحیح عقیدہ ہے) دوازده (۱۲) اماموں کے پیروں کے مفاد میں استعمال ہو گا۔ ایک وقف جو عام مومنوں کے مفاد میں ہو انہی مقاصد میں کام آئے گا جو ان کے لیے فائدہ رساں ہو۔ اگر وقف شیعوں کے لیے ہے تو حالیہ رواج کے مطابق نو امامیوں کے مفاد میں بھی استعمال ہو گا اسی طرح شیعوں میں حروریہ، اسماعیلیہ، اور زیدیہ شامل ہیں۔

جہاں کہیں موقوف الیہ (جس کے لیے وقف کیا جائے) کا حوالہ کسی خاص رشتے سے ظاہر کیا جاتا ہے تو وہ تمام جو اس کے تحت آتے ہیں وقف کے مفاد میں شامل سمجھے جاتے ہیں۔

اسی طرح جب زیدیوں کے لیے ہو تو اس میں وہ تمام جو زید (پسر علی ثانی) کی

امامت پر عقیدہ رکھتے ہیں شامل ہوں گے۔ اسی طرح کسی خاص مورث سے تعلق یا رشتہ ظاہر ہو تو وہ تمام جو اپنے باپ کے تعلق سے سلسلہ اولاد میں آتے ہیں شامل ہوں گے۔ مثلاً ہاشموں میں وہ سب شامل ہوں گے جو ہاشم کی نسل میں ابو طالب حارث عباس اور ابو لہب کے ذریعہ آتے ہیں۔ اور طالبوں میں ابو طالب کی تمام نسل والے (جن پر خدا کی رحمت ہو) ذکور و اثاث ہر دو شامل ہوں گے۔ اور اس میں وہ بھی شریک ہیں جن کا ان کے باپ کی طرف سے برنبار و اج تعلق ہے گو اس مسئلہ پر کچھ اختلاف رائے ہے۔

اگر کوئی غیر معینہ آدمیوں کے طبقہ کے لیے مثل بنی تمیم وقف کرے تو صحیح رائے کے مطابق جائز ہے اور ان میں سے جو بھی مل سکے اس کے لیے جائز ہے۔

پڑوسیوں کے حق میں وقف

اگر کوئی شخص پڑوسیوں (جیران) کے لیے وقف کرے تو حسب رواج کون کون سے پڑوسی شامل ہونگے۔ اس کا حوالہ دینا بھی ضروری ہے۔ بعض کے نزدیک ہر وہ شخص جس کا مکان ۴۰ کلو میٹر کے اندر ہو پڑوسی ہے اور اس قول کی تائید بھی ہے۔ بعض کی رائے میں مکان واقف کے ہر دو جانب چالیس مکانوں کے مکین شامل ہیں مگر اب یہ رائے ترک کر دی گئی ہے۔

منساح کے حق میں وقف

مثلاً اگر کوئی شخص منساح یا مفاد عامہ کے لیے وقف کرے مگر اصل غایت فوت ہو جانے پر وقف کے اصول مسلمہ کے مطابق کسی مستحق یا امر خیر کے کام آئے گا۔ تاہم یہ بہتر ہو گا کہ اس کا منشا واقف کے مطابق استعمال کیا جائے۔ پس ایک مسجد کے لیے وقف (بشرطیکہ مسجد نہ رہے) دوسری مسجد کے کام آسکتا ہے۔ اسی طرح ایک مدرسہ کا وقف دوسرے مدرسے کے کام آسکتا ہے۔ غایت صراحتاً واقف کی نیت کے مطابق ہونا چاہئے۔

اگر ایک وقف بلا اختصاص غایت کسی اچھی غرض کے لیے کیا جائے تو یہ کسی بھی اچھی غرض کے لیے جو قربت خداوندی کا ذریعہ بنے کام آسکتا ہے۔

شرح منیہ میں ہے کہ اگر راہ خدا میں کوئی شخص وقف کرے تو یہ کسی بھی

مقصد کے لیے جس سے قربت خداوندی حاصل ہو استعمال ہو سکتا ہے۔ اسی طرح راہ خدا سے مطالب آخرت میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور انعامات ہیں۔ اس کا منشا ہے حاجت مندوں کی مدد۔ مساجد کی تعمیر سڑکوں کی مرمت۔ مردوں کے لیے کفن کا انتظام اور ہر وہ چیز جو خیر و برکت کا سبب ہو بعض کے نزدیک جہاد اور بعض کے نزدیک حج اور عمرہ کے مساوی ہے لیکن پہلی رائے صحیح ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص امر خیر یا راہ ثواب کے لیے وقف کرے تو اس سے بھی یہی مراد ہے۔ اور اس سے علیحدہ علیحدہ دو معنی اختیار نہ کرنا چاہئیں۔

بعض فقہاء کے مطابق امر خیر سے منشاء یہ ہے کہ غرباء اور ناداروں کے باب میں ابتداء اپنے غریب رشتہ داروں سے کرنا چاہئے۔ امر خیر میں غرباء نادار مسافر اور وہ مقروض ہیں جو امر خیر کی انجام دہی میں مقروض ہو گئے ہوں۔ اس میں غلاموں کو فدیہ دیکر چھڑانا بھی شامل ہے مگر واقف کی نیت کا ہمیشہ لحاظ رکھنا چاہئے۔

عام امور خیر کے لیے وقف

اگر کوئی شخص بلا تعین اغراض خیر عام امور خیر کے لیے وقف کرتا ہے تو منافع ان تمام اغراض پر جن سے کہ قربت خداوندی حاصل ہو سکے صرف ہوگا۔ مثلاً طلبا کو نفع رسانی مساجد۔ مدرسے۔ پل وغیرہ کی تعمیر اور حجاج کی مدد، مردوں کے لیے فراہمی کفن اور مسلمانوں کی عام فلاح پر خرچ کی اجازت ہے۔

جو اہر میں اصول اس طرح ہے اگر کوئی شخص مصباح عامہ جیسے مسجد پل وغیرہ نوعیت کے مقاصد کے لیے وقف کرے مگر جس کے لیے وقف کرے وہ تمام نشانات بھی معدوم اور مفتود ہو چکے ہوں تو ایسی صورت جائیداد وقف کی آمدنی عام امور خیر پر صرف ہوگی تاہم اس مقصد کو ترجیح ہوگی جو کہ ابتدائی غایت وقف کے قریب تر ہو۔

اصول۔۔۔ (غایت وقف سے قریب تر نوعیت کا وقف)

شیعہ قانون بھی حنفی قانون کے مطابق کہیں زیادہ وسیع تعبیر کا حامل ہے جس کی اس تفصیل سے بخوبی وضاحت ہوگی۔ اگر کوئی شخص عام اغراض خیر کے لیے وقف کرے تو وہ بلا اختلاف رائے غربا نادار اور ان تمام مستحسن افعال و اغراض پر صرف ہوگا جو

ہر یہ خیر کی رو سے قربت خداوندی کا ذریعہ بن سکتے۔ مختصر اس میں تمام امور خیر شامل ہیں جیسے کہ واقف کے رشتہ داروں غریبوں اور کمزوروں کی مدد مسلمانوں کی حالت کی ترقی میں اعانت اور فرائض حج جہاد وغیرہ کی ادائیگی۔

ابن جنید کا نظریہ

ابن جنید کے حوالہ زیادہ تر فقہاء اس امر پر متفق ہیں کہ ایسا وقف جس کی غایت سریعاً یا تعبیراً ظاہر نہ ہو باطل ہے۔ مگر ابن جنید کی رائے اس سے مختلف ہے۔ ان کی اور ان کے تابعین کی رائے میں وقف کی صورت میں اگر اس کے مستحقین کے نام نہ بتائے جائیں تو وقف اغراض پر "احسان" کے کام آئے گی اگر کوئی شخص اپنی جائیداد راہ خدا میں صدقہ کرے (جو وقف کی دوسری صورت ہے) خواہ ان لوگوں کا جن کے لیے کہ صدقہ کیا گیا ہے حوالہ نہ ہو تاہم بالا جماع وہ ان ہی لوگوں کے کام آئے گا جنہیں خداوند تعالیٰ نے اس منسوسہ خیرات کا مستحق قرار دیا ہے (یعنی غریب نادار حاجت مند بے سہارا) اسلئے ابن جنید کے نظریات دوسرے فقہاء سے مختلف نہیں ہیں ان کی بھی یہی رائے ہے کہ کسی غایت خاص کا صریح حوالہ نہ ہونے کی صورت میں مگر عام اغراض مستحسن و خیر کے حوالے سے ہے تو ان اغراض میں صرف ہو گا جو عام مسلمانوں کی فلاح کے لیے ہوں۔

غیر معینہ مقصد کے لیے وقف ناجائز ہے

غیر معینہ مقصد کے لیے وقف ناجائز ہے یعنی واقف نے دو مساجد میں سے ایک کے لیے یا دو امام باڑوں میں سے ایک کے لیے وقف کیا ہو اور یہ تخصیص نہ ہو کہ وقف کس امام باڑہ یا مسجد کے لیے ہے تو باطل ہے۔

عام رشتہ داروں کے حق میں وقف

اگر کوئی شخص اپنے بچوں بھائیوں یا عام رشتہ دار ذکور یا اثناٹ قریب اور بعید کے لیے وقف کرے تو وہ مساویانہ حصے دار ہوں گے بشرطیکہ حصہ پانے والوں کی ترتیب مختص نہ کی گئی ہو۔ اگر واضح طور پر یہ درج نہ ہو کہ یہ ذکور کے لیے ہے تو حصص کی تقسیم مقررہ اصول کے مطابق ہونا چاہئے۔ اگر کوئی وقف ماموں اور چچا کے لیے ہو تو وہ مساویانہ

اس میں شریک ہوں گے۔

ایک ایسا وقف جو واقف کے نزدیک ترین اعزہ کے لیے ہو وہ اصلاً اس کے والدین، اولاد ان کے بعد بھائیوں۔ بہنوں۔ اور ان کی اولاد مع اخلاف اور ان کے معدوم ہونے پر ان کے ماموں چچا اور ان کی اولاد پر ہوگا۔ حنفی اصول کے مطابق ہی شیعہ فقہ میں بھی واقف کی ہدایت پر جہاں تک ممکن ہو بشرطیکہ وہ معصیت پر مبنی نہ ہوں عمل کرنا چاہئے۔ اگر شرائط ناقابل عمل ہوں تو حاکم شرع (قاضی) ضروریات وقت کے مطابق عمل کی ہدایت کر سکتا ہے۔

فصل پنجم :- صحت وقف کے لیے ضروری شرائط

صحت وقف چار ضروری شرائط پر مبنی ہے

۱۔ دائمی ہونا

۲۔ کسی امر سے مشروط نہ ہونا

۳۔ شے موقوفہ پر قبضہ دینا مناسب تر الفاظ میں واقف کا حق ملکیت جائیداد پر ختم سے ہونا۔

۴۔ جائیداد سے واقف کا حق قطعی طور پر علیحدہ ہونا

دوام۔ عام نظریہ کے مطابق پہلی شرط یعنی کسی جائیداد کا دائماً بطور وقف نافذ ہونے سے منشا یہ ہے کہ وہ کسی ایسے مقصد یا مقاصد کے لیے ہو جن کو انفرادی یا عمومی دوام ہو۔ ایک وقف عام مصالح یا امور فلاح عامہ یا عام اغراض خیر کے لیے کسی بھی خاص مقصد کے لیے جائز ہے بشرطیکہ وہ تمام نوع انسانی کے مفاد کے لیے باعتبار نوعیت دائمی ہو جیسا کہ عام نوع انسانی کے مفاد کے مماثل ہو۔

ایک مقصد خیر اپنی جہت میں دائمی ہوتا ہے اس لیے کہ غرباء ہمیشہ ہی ہوتے ہیں دراصل بر اور احسان کی غایت دائمی وقف کے لیے کافی ہے۔ مثلاً مسجدوں یا امام باڑوں میں اجتماع کے لیے پانی یا شربت کی فراہمی یا عبادت گاہوں میں روشنی یا مدرسہ میں لائبریری کا قیام یا جہاد کربلا کے غریب سادات کی مدد یا محرابی پلوں یا دیگر مذہبی مقامات وغیرہ کی مرمت۔

آل کے حق میں وقف اور ان کے سقوط پر غربا کے حق میں وقف بالا جماع جائز ہے
 اگر وقف ان شخص اغراض کے لیے کیا جائے جو معدوم ہو سکتی ہیں اور جن کا
 منشا انجام کار غربا یا کسی مقصد فلاح یا عبادت گاہ کے لیے ہو جیسے مسجد یا امام باڑہ تو وقف جائز
 ہے مثلاً اگر وقف واقف کی آل کے لیے کیا گیا ہے اور اس کے سقوط کی صورت میں شرط
 ہو کہ اس سے حاصل شدہ فائدہ غربا کے لیے ہو گا یا کسی خاص مسجد میں صرف ہو گا تو ایسا
 وقف بالا اختلاف جائز ہے۔

اگر زید کے حق میں وقف ہو اور بلا اس صراحت کے وقف ہو کہ اس کے
 انتقال کے بعد کس طرح استعمال ہو گا اور نہ وقف کی آئندہ آمدنی کے استعمال کے لیے
 واقف کی نیت کا اظہار ہو تو اس صورت میں فقہاء کی ایک جماعت کی رائے کے مطابق یہ
 وقف زید کی حین حیات موثر ہو گا اور اس کی موت پر عام مسلمہ اصول کے مطابق واقف
 یا اس کے ورثہ پر جو بھی صورت ہو عود کرے گا۔

اسی طرح اگر وقف زید اور اس کی آل کے لیے تھا کسی دوسرے دائمی مقصد کا
 جس پر آمدنی صرف کی جائے حوالہ نہ ہو تو زید کی نسل ساقط ہونے پر ان کے حق میں یہ
 وقف بطور جس نافذ ہو کر انہیں حقیقت حین حیاتی حاصل ہوگی۔ زید کی آل ساقط ہونے
 پر یہ جائیداد واقف کے ورثہ پر عود کرے گی۔ فقہاء کے دوسرے مکتب خیال کے مطابق
 باقی ماندہ آمدنی ہر صورت میں عام مقاصد خیر پر استعمال ہوگی اور اس بارہ میں فقہاء ابو
 یوسف متفق ہیں۔

اگر کوئی جائیداد دو شخصوں کے لیے جس ہو اور ان میں سے ایک کا انتقال
 ہو جائے تو پس ماندہ اپنی بقیہ حیات میں اس وقف سے استفادہ کرے گا۔ دوسرا نظریہ یہ
 ہے کہ متوفی کا نصف حصہ واقف کو عود کرے گا مگر اول الذکر نظریہ زیادہ مستند ہے۔ ایسا
 وقف جو واقف کے لڑکے کے حق میں ایک سال یا اس کی حین حیات کے لیے کیا گیا ہو
 اور غربا پر عود کرنے والا ہو بالاتفاق بطور ایک دائمی وقف جائز ہے اگر کوئی شخص اپنے
 لڑکوں کے حق میں اس طرح وقف کرے کہ ایک سال محمود کے لیے اور اس کے
 بعد کے سال زید کے لیے اور اسی طرح ان کے بعد غربا اور ان کے بعد علماء کے لیے ایک

ایک سال کے لیے، مقدس لوگوں کے لیے دوسرے سال کے لیے اور ان کے مشائخ کے لیے تیسرے سال کے لیے تو ایسا وقف جائز ہے اور نافذ ہوگا۔

ایسا وقف جو کسی امر کے وقوع پر منحصر ہو۔

ایک ایسا وقف جس کا نفاذ مستقبل کے وقوع پر منحصر ہو شیعہ قانون کے تحت ناجائز ہے۔ شرائع میں یہ اصول ان الفاظ میں ہے کہ اگر کوئی وقف کسی خاص وقت کے لیے محدود ہو یا کسی مستقبل میں کسی خاص نوعیت کے وقوع پر منحصر ہو تو یہ باطل ہے۔ شرائع کا یہ اصول مفاتیح اور اسناد الاذہان میں بہت وضاحت سے ہے کہ نفاذ وقف بلا اختلاف رائے فوراً نافذ ہونا چاہئے اور مستقبل میں کسی امر کے وقوع پر منحصر نہ ہونا چاہئے تا وقتیکہ وہ وقوع یقینی اور مثبت نہ ہو۔

اسی طرح شمع لمحہ میں علاوہ شرائط متذکرہ وقف میں سے ایک ہے پس اگر واقف نے اس کو کسی امر کے وقوع یا امر مستقبل کے ساتھ مشروط کیا ہے تو یہ جائز ہے الا اس صورت میں جب کہ امر موقوفہ کا محض اصطلاحاً حوالہ ہونہ کہ اصلاً اور واقف بھی اس امر سے باخبر ہو مثلاً اگر وہ یہ کہے کہ اگر آج جمعہ ہے تو میں نے وقف کر دیا ہے اور دوسرے معاہدوں کے بارہ میں بھی ایسا ہی اصول ہے۔

مبسوط اور عنایہ میں یہ اصول قریب قریب انہی شرائط کے ساتھ ہے یعنی اگر کوئی وقف کسی غیر یقینی واقع پر منحصر ہو تو یہ ناجائز ہے۔

سیدہ بی بی بنام مغل خان

مقدمہ سیدہ بی بی بنام مغل خان عدالت عالیہ الہ آباد نے اس اصول کو اس کی انتہائی صورت میں نافذ کیا ہے۔ شیعہ عقیدہ کے پیرو مسلمان نے ایک وقف نامہ تحریر کیا جس کا نفاذ تاریخ رجسٹری وقف نامہ سے تھا مگر فاضل ججان نے وقف نامہ مذکورہ شیعہ اصول فقہ کے منافی قرار دیتے ہوئے یہ طے کیا کہ۔

بمقدمہ حامد علی خان بنام مجاور حسین خان سے ظاہر ہے کہ ایک شیعہ عقیدہ کے مسلمان نے دستاویز وقف تحریر کی جس کی رو سے جائیدادوں حضرت امام حسین علیہ السلام کو وقف کرتے ہوئے یہ طے کیا کہ حین حیات خود اس کا وہی متولی و مالک رہے گا۔ نیز یہ

کہ جائیداد موقوفہ کے انتظام کے لیے اختیارات کی وضاحت یا تفصیل تحریر ہوگی اور
مدات کی وضاحت یا تفصیل درج ہوگی۔ میری موت کے بعد اسی پر عمل کیا جائے۔
متذکرہ وصیت نامہ بھی اسی روز تحریر ہو کر طریقہ کار کے بعض اصول منضبط کئے گئے۔

شیعہ قانون کے تحت قبضہ

ایک دعویٰ بعض اشخاص نے مدعا علیہ ۲ کے خلاف نوعیت سے علیحدگی نیز اس
امر کے استغرار کی بابت کہ اس کے خلاف کارروائی اجراء میں جائیداد قابل بیع نہیں تھی۔
عدالت ابتدائی نے طے کیا کہ وقف جائز ہے لیکن اس پر عمل نہیں ہوا۔ اپیل میں
عدالت عالیہ کے فاضل جج نے قدرے مختلف وجوہات کی بنا پر وہی رائے قائم رکھی۔
فاضل چیف جسٹس کی رائے یہ تھی حسب شیعہ قانون یہ وقف نامہ جائیداد ایک مکمل
وقف تھا اس لیے کہ واقف کا منشا بوقت تحریر وقف نامہ جائیداد کو وقف کرنے اور بطور
موقوفی اس پر قبضہ حاصل کرنے کا تھا تاہم وقف نامہ میں کوئی اغراض واقعی نہیں تھیں جن
کی بنا پر وہ قبضہ لیتا۔ نیز وقف نامے کا بھی یہ منشا نہیں ہے کہ فیاض علی کی موت تک اس
کو نافذ کیا جائے۔ اگرچہ بعض جہت سے وہ مابین زندہ اشخاص انتقال جائیداد تھا۔ مگر اس
کے برعکس فاضل جج نے یہ طے کیا کہ وقف نامہ سے پہلے حصے کی شرائط کے مطابق یہ
وقف جائز اور مکمل ہے اور بطور وقف نامہ موثر ہے۔ مگر چونکہ اس پر کبھی عمل نہیں ہوا
اس لیے اس کے تحت وقف ناجائز ہوگا۔

فصل ششم :- مفاد واقف کی علاحدگی

مفاد واقف کی علاحدگی

اس موضوع پر اہل تشیع کو احناف کے مسلمہ اصولوں سے اختلاف ہے اور اہل
تشیع امام محمد کے نظریات سے بہت قریب ہیں۔ بقول شرائط جواز وقف کے لیے قبضہ
شرط ہے پس اگر کوئی شخص بطور وقف بلا قبضہ دئے انتقال کر جائے تو شے موقوفہ اس کا
ترک ہوگی۔ قبضہ کی نوعیت کا انحصار شے موقوفہ اور اغراض وقف پر ہے اگر مختص افراد
کے لیے وقف ہے اور وہ قبضہ لینے کے اہل ہوں تو قبضہ لینا ضروری ہے لیکن اس کا یہ

منشا نہیں ہے کہ قبضہ واقعتاً دیا جائے۔ بلکہ ضروری امر یہ ہے کہ حق ملکیت منتقل ہو۔ اگر متولی مقرر ہوا ہے تو جائیداد پر قبضہ لینا چاہئے۔ اور اگر واقف ہی متولی ہے تو اسے بطور متولی قبضہ لینا چاہئے۔

اگر ایک شخص محض نابالغ بچوں کے لیے وقف کرتا ہے تو اس کا قبضہ بچوں کی جانب سے سمجھا جائے گا یہی اصول دادا یا وہ شخص جس کی سرپرستی میں بچے ہوں، کے واقف ہونے کی صورت میں لاگو ہوگا۔ واقف کے وصی کا قبضہ قانوناً موثر قبضہ ہے۔

جب اغراض خیر یا عام نوع انسانی کی فلاح کے لیے وقف کیا جائے تو قبضہ ضروری نہیں ہے۔ شرائع کے مطابق اصول اس طرح ہے کہ جب وقف غربا یا فقرا کے لیے کیا جائے تو جائیداد کے حصول کے لیے کسی قسم کا تقرر ہونا ضروری ہے اور اگر وقف مصالح عامہ کے لیے ہو تو محض وقف کرنا کافی ہے اس حالت میں قبولیت کی شرط قطعاً غیر ضروری ہے۔ جہاں تک قبضہ کا تعلق ہے ناظر نگران کا قبضہ کافی ہے۔ اگر ایک شخص مسجد یا عبادت گاہ کے لیے وقف کرے تو وہ موثر ہے خواہ اس میں ایک شخص عبادت کرے۔ اسی طرح اگر کوئی قبرستان کے لیے آراضی وقف کرے تو محض ایک نعش کے دفن ہونے سے ہی وقف موثر ہو جائے گا۔ لیکن اگر لوگ کسی مسجد میں نماز پڑھتے ہوں یا زمین میں مردے دفن کرتے ہوں تاہم جائیداد مذکورہ سے حق ملکیت اس وقت ساقط ہوگا جب کہ وقف کا اعلان ہو کر جائیداد وقف کی جائے۔

اگر مقررہ الفاظ استعمال بھی کئے جائیں مگر نوعیت قبضہ تبدیل نہ ہو تب بھی وقف موثر نہ ہوگا۔

واقف کے نابالغ بچوں کے لیے وقف

جب واقف متولی ہو تو نگران وقف (متولی) کا قبضہ کافی ہے۔

اگر واقف کے نابالغ بچوں کے لیے وقف ہو تو حق ملکیت کے انتقال کی ضرورت نہیں ہے واقف کا قبضہ ہی ان کی جانب سے قبضہ سمجھا جائے گا۔

شیعہ قانون کے مطابق اپنے حق میں وقف جائز نہیں ہے

شرط ۴ کے مطابق یہ دیکھنا ہے کہ اس موضوع پر شیعہ و سنی قانون میں نمایاں

فرق ہے۔ ابو یوسف کے مطابق واقف جائیداد موقوفہ میں حق خود محفوظ رکھنے اور اس سے استفادہ کا مستحق ہے۔ شیعہ قانون کے مطابق جواز وقف کے لیے ضروری ہے کہ خود واقف کا کوئی مفاد وقف نہ ہو۔ جو اہر کے مطابق اگر ایک شخص اپنے لئے وقف کرتا ہے تو بلا اختلاف رائے وہ جائز نہ ہوگا۔ اسی طرح ایسا وقف جو واقف سے شروع ہو یعنی اول واقف کے لیے اور اس کے بعد دوسرے کے لیے تو ناجائز ہوگا۔ اگرچہ مشائخ میں سے بعض نے بخشش اس کی ذات کے لیے وقف ناجائز قرار دیا ہے تو اول الذکر رائے عام طور پر تسلیم کی گئی ہے۔ اسی طرح اگر کوئی وقف دوسرے کے لئے اس شرط کے ساتھ کیا جائے کہ واقف کے قرضے اور رواں اخراجات اس سے ادا ہوں گے تو یہ جائز ہوگا۔

یہ ابو الحسن خلیفہ حضرت نئی کے جواب خط سے جو انہوں نے علی بن سلیمان کو لکھا تھا ظاہر ہے۔ علی بن سلیمان نے امام کو لکھا تھا کہ کیا میں آپ کو کچھ قربانی پیش کر سکتا ہوں میرے کوئی بچے نہیں ہیں اور میری نیت ہے کہ نادار سالکوں کے لیے وقف کر دوں اس لیے کیا میں اپنی حیات استفادہ کر سکتا ہوں۔ جواب یہ تھا کہ تمہارا خط موصول ہو کر اس کے مفہوم سے آگاہی ہوئی۔ اگر تم اپنی آراضیات کو وقف کر کے ان میں اپنا حصہ بھی رکھنا ہو تو یہ جائز نہ ہوگا۔ اگر تمہارے درمیان تو اس صورت میں آراضی کو فروخت کر کے اسکی آمدنی کا ایک حصہ غربا میں تقسیم کر دو اور ایک حصہ آراضی جو تمہاری حیات ضرورتوں کے لیے کافی ہو اپنے لئے مختص کر لو اور بقیہ وقف کر دو۔

جامع الحسنات کے درج ذیل حصہ سے اس موضوع پر کافی روشنی ملتی ہے۔

سوال۔ اگر ایک شخص کسی جائیداد کو اس طرح وقف کرے کہ میں نے اس جائیداد کو دائماً وقف کیا ہے اور تا حین حیات خود اس کی تولیت اپنے لئے مختص کر لی ہے۔ اور میرے بعد سب سے بڑے اور لائق ترین بچے میں بالترتیب نسلاناً بعد نسل بطناً بعد بطن منتقل ہوتی رہے گی یہ بھی قرار دیتا ہوں کہ جائیداد موقوفہ کا منافع بعد ادائیگی ٹیکس اور منسارف وصولی یا بی اپنی ضرورت پر صرف کرونگا اور میرے بعد کرایہ اور منافعوں سے ایک عشر بعد منہائی حاصل منسارف متولی بطور تنخواہ دیا جائے گا ماہی میرے بچوں میں تقسیم ہوگا لیکن میری لڑکیوں کا حصہ ان کے بچوں کو نہ ملے گا۔ کچھ عرصہ بعد واقف کا انتقال ہو گیا اس نے تین لڑکے اور پہلے مرنے والے لڑکوں کے لڑکے چھوڑے تو کیا

موجودہ کے پوتے اس سے استفادہ کر سکیں گے۔

واقف کے مفاد کی غلاحدگی

ایسا وقف ابتداء سے ہی باطل ہے اس لئے کہ واقف نے حین حیات خود جائیداد میں منافع مختص کر لیا۔ جواز وقف کی شرائط میں سے ہے کہ واقف خود کو جائیداد موقوفہ سے بالکل علیحدہ کرے اس لئے جب اس نے اپنے لیے اور خواہ دوسرے مستحقین کے لیے بھی وقف کیا مگر یہ باطل ہے۔ واقف کا اپنے لئے وقف کرنا بالاجماع باطل ہے اور باقی ابھی اسی طرح باطل ہے۔ جواز وقف کے بارہ میں دوسروں کے دلائل کمزور ہیں۔ اسی طرح اگر وقف کی آمدنی سے روز مرہ کے مصارف یا قرضوں کی ادائیگی کی شرط ہے تو یہ ناجائز ہے۔

واقف کے بچوں اور آل کے حق میں وقف جائز ہے

اگر واقف کے متعلقین بچے اور اہل خاندان کے بسر اوقاف کی شرط جیسا کہ آنحضرت صلعم اور آپ کی صاحبزادی نے جن پر خداوند تعالیٰ رحمتیں نازل فرمائے کیا تھا جائز ہے اور اس سلسلہ میں گزارہ کے مستحق اور غیر مستحق یکساں ہیں۔ اور اسی طرح متولی ناظر کا وظیفہ یا بسر اوقات کی اجازت اور دوسروں کو کھانا مہیا کرنا جائز ہے۔

مسائل میں یہ واضح طور پر ہے کہ اگر واقف خود ہی متولی ہے تو متولی کی بسر اوقات کے لیے وقف جائز ہے۔ اور یہ بسر اوقات کا خرچ واقف کے گزارہ کے زمرہ میں نہیں آتا (مصنف کو اس بارے میں تاہل ہے کہ آیا واقف اپنا گزارہ وقف سے اسی طرح کر سکتا ہے۔ اگرچہ یہ مسئلہ ہے تاہم اس مسئلے کے بارہ میں بہت اشکال ہیں اسی طرح اکثر واقف کے بحیثیت متولی جواز منافع پر معترض ہیں مثلاً اگر ایک شخص کچھ جائیداد بچوں کے حق میں وقف کرے تو اس کی حین حیات وہی متولی رہے گا اس کے مرنے کے بعد اس کے بچوں میں اہل ترین متولی رہے گا اگر واقف کی یہ شرط ہو کہ منافع وقف سے برنبائے حق تولیت وراثت سے ملے گا اور محض ۲/۳ اس کے بچے پائیں گے اور اس کے بعد حق تولیت کی بنا پر اس کے بچوں میں ۲/۳ قابل ترین پائے گا۔ اور باقی مساویانہ تقسیم ہوگا۔ یہ مسلمہ طور پر واقف کے لیے جائز ہے کہ تا حین حیات خود متولی رہے اور آمدنی وقف

سے متولی اپنے اور دوسروں کے گزارہ کی شرط بھی رکھ سکتا ہے۔ ہر دو کتب ہائے فقہ کے حوالہ سے ہمارے بعض فقہانے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ اگر واقف نے متولی اور دوسروں کے لیے وقف سے گزارہ کی شرط رکھی ہو اور واقف خود ہی متولی ہو اس طرح بسر اوقات جائز ہے۔ بعض نے اس کے جواز پر شک کیا ہے پس متولی کا وقف سے گزارہ کا جواز منصب تولیت پر منحصر ہے نہ کہ واقف کے متولی ہونے پر اور فقہاء اس پر متفق علیہ ہیں کہ جب عام طور پر متولی کے لیے معاوضہ مقرر ہوتا ہے تو واقف کے لیے جو خود متولی ہو اس قدر معاوضہ جو متولی کے لیے مناسب ہو جائز ہے۔

واقف، متولی کی حیثیت میں وہ الاؤنس لے سکتا ہے جو عام طور پر متولیوں کے لیے ہوتا ہے لیکن ایسا کہیں نہیں ہے کہ اگر واقف ہی متولی ہو تو اپنی صواب دید کے مطابق جس قدر منافع چاہے وقف سے حاصل کرے۔ بالفاظ دیگر اسے کلی اختیار حاصل ہو جائے کہ زیادہ سے زیادہ منافع خود حاصل کرے اور مستحقین کو کچھ نہ دے۔

یہ بات وقف کی اس ضروری شرط کے متضاد ہے جس کی بنا پر واقف کا حق مالکانہ سے مکمل دستبردار ہونا ضروری ہے۔ تاہم اس پر یہ شرط عائد نہیں ہوتی کہ جس نے ناداروں کے لیے وقف کیا ہو اور خود نادار ہو گیا ہو علماء کے لیے وقف کیا ہو اور وہ خود بھی عالم ہو ان صورتوں میں واقف وقف کے منافعوں سے مستفید ہونے کا مستحق ہوگا اس سے کوئی فرق نہیں ہو تا کہ بوقت وقف وہ فقیر یا عالم ہے یا بعد وقف ہو اگر یہ شرط ہے کہ ناداری کی حالت میں ہی حصہ لے سکتا ہے تو یہ جائز نہ ہوگا۔ پس جب کوئی وقف جہت عامہ کیلئے ہو تو واقف جائز طور پر اس میں شریک ہو سکتا ہے۔

مندرجہ بالا عبارات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک واقف اگر وہ خود متولی ہے تو عام طور پر متولیوں کا مقررہ الاؤنس لے سکتا ہے۔

جامع التقات میں ایک دوسرا حوالہ ہے اور متذکرہ مسئلہ کے ساتھ ہی ساری توجہ کا مستحق ہے اور یہ واضح کیا گیا ہے کہ کس حد تک ایک واقف جائیداد موقوفہ سے منافع حاصل کر سکتا ہے۔

سوال (استفتاء) ایک شخص زید نے اپنی کسی جائیداد کے چھ دام اور اپنی مل کے

چھ دام وقف کئے اور ایک وقف نامہ تحریر کیا جس کی توثیق اس کے ہم عصر مجتہدین نے کی جن کا انتقال ہو گیا۔ وقف نامہ کا مفہوم اس طرح ہے۔ وقف میں چار دام واقف کے ذکور بچوں کے مفاد کے لیے ہوں گے جو نسل بعد نسل جاری رہیں گے۔ اگر ذکور بچوں میں سے کوئی نہ ہو تو دو دام، رجب، شعبان، رمضان کے مقدس مہینوں کے مصارف پر خرچ ہوں گے تاکہ ان مصارف کے اجر سے واقف کی روح کی مغفرت ہو اول دو ماہ میں پندرہ قرآن خوانوں کو ہدیہ پیش کیا جائے گا اور ان میں سے ہر ایک کلام پاک کے چار پاروں کی تلاوت کرے گا۔ اور اس کے بعد اس کی روح کے ایصالِ ثواب کے لیے روزے رکھے گا۔ اور نوافل پڑھے گا۔ واقف حین حیات خود بطور معاوضہ منصب تولیت ۲۰/۲۱۹ آمدنی لے گا اور ۲۰/۲۱۹ اس کے بچوں کو دی جائے گی اور اس کے بعد ۲۰/۲۱۹ متولی کو دی جائے گی اور بقیہ اس کے بچوں پر تقسیم ہوگی۔ مسئلہ یہ تھا کہ کیا ایسا وقف جائز ہے۔

جواب (استفتاء ہذا) کا جواب بلا تین امور کی وضاحت کے نہیں دیا جاسکتا اگر صرف وہی دستاویز جس کا خلاصہ اوپر دیا گیا ہے شرائط وقف کی شہادت ہے تو اس میں بہت سقم قانونی ہیں۔ بدیں وجہ دو داموں کا وقف بلا انتقال واقف موثر نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ آمدنی کا بطور وصیت استعمال صرف موت کے بعد ہی نافذ ہو سکتا ہے چونکہ واقف نے آمدنی کا استعمال اپنی موت کے بعد ایصالِ ثواب کی غرض سے قرآن خوانوں کی تواضع غربا کی شکم پری ادائیگی نماز وغیرہ کے لیے مقرر کیا ہے۔ لیکن وقف مابین اشخاص زندہ کے نفاذ کے لیے یہ لازم ہے کہ اس کا نفاذ فوراً ہو۔ بصورت موجودہ دو دام کا وقف موصی کی موت پر منحصر ہے۔ دراصل اس حصے سے استفادہ کا کوئی بھی مستحق نہیں ہے۔ تاوقتیکہ یہ فرض نہ کر لیا جائے کہ اس سے خود واقف ہی مراد ہے۔ اس لئے یہ ناجائز ہوگا۔ اگر یہ کہا جائے کہ دو دام کی آمدنی عام خیرات پر واقف کی موت کے واقع ہونے تک کام میں لی جائے اور اس کی موت پر قرآن خوانوں وغیرہ پر جیسا کہ اوپر آچکا ہے صرف کی جائے تو یہ خود وقف نامے کے صریحاً خلاف ہے پس یہ وقف صریحاً ناجائز ہے کہ خود اپنے لئے ہی کیا گیا ہے۔

اسی طرح اگر کوئی اس شرط سے وقف کرے کہ آمدنی وقف سے قرضے ادا کئے جائیں تو یہ وقف ناجائز ہوگا لیکن اگر ایک واقف بعد فروخت جائیداد موقوفہ اس کی آمدنی

تے اپنے قرضے ادا کرنے اور بقیہ آمدنی مذہبی یا خیراتی امور یا اغراض مذہبی کے لیے عمارت کی تعمیر جس میں ارکان مذہبی کی ادائیگی کی شرط ہو تو یہ وقف جائز ہوگا۔

ایک وقف اپنے حق میں اور غربا کے حق میں حاجی کلب حسین بنام محرم بی بی اکر کوئی اپنے اور غربا کے حق کے لیے وقف کرے تو مختص نصف جائیداد ہی جائز طور پر وقف ہوگی بقیہ نصف کا وقف جائز نہ ہوگا۔ مقدمہ حاجی کلب حسین بنام محرم بی بی عدالت عالیہ الہ آباد نے اس اصول کو نافذ کیا ہے اس مقدمہ کا فیصلہ اہم ہے بنا بر افادیت نامہ تفصیل ذیل ہے

۱۸۵۱ء میں ایک خاتون مسماة صاحبزادی نے بذریعہ وقف نامہ اپنے مملوک زرفند اور جائیداد کو مذہبی و دیگر امور کے لیے درج ذیل طریقہ سے وقف کیا کہ تاحین حیات خود آمدنی کا ۲/۳ حصہ اپنی ضروریات کے لیے اور آمدنی کے بقیہ ۱/۳ کو پچاس حصوں میں تقسیم کیا ان میں سے بعض حصے تو اشخاص مندرجہ وقف نامہ کے لیے جن کے کچھ مذہبی فرائض تھے مختص کئے گئے اور بقیہ بعض مذہبی مراسم کی ادائیگی کے لیے مختص رکھے گئے۔ اس نے خود کو متولی قرار دیا اور یہ طے کیا کہ ۵ حصے متذکرہ اسکے دوران تولیت وقف رہیں گے۔ اور یہ کہ نہ وہ نہ دیگر منتقل الیہ یا اس کے نمائندے اس امر کے مجاز ہوں گے کہ جائیداد موقوفہ کو منتقل کر سکیں۔ اس نے یہ بھی قرار دیا کہ اسکے بعد (تولیت ختم ہونے پر) اس کے جانشین متولی کو لازم ہوگا کہ گورنمنٹ کے محاصل اور انتظام کے سلسلہ میں ضروری مصارف ادا کرنے کے بعد بقیہ آمدنی ۱۶۵ حصوں میں تقسیم کی جائے اور ۵۵ حصے متولی کے لیے رکھے جائیں اور باقی ماندہ اشخاص مندرجہ وقف نامہ کو بطور پنشن جو کہ مذہبی فرائض یا دیگر مختص اغراض مذہبی کی ادائیگی کے معاوضہ کے طور پر دئے جائیں۔ اور یہ کہ شرائط وقف نامہ مذکور کی رو سے جائیداد کی آمدنی ۵۵ حصوں میں سے ایک حصہ مدعی کو دیا جائے۔ واقف کی حین حیات عدالت عالیہ میں جواب دہ رہے اور یہ کہ ۱۶۵ حصوں میں سے واقف کی تولیت کے ختم ہونے پر دس حصے اس کے کودئے جائیں اور اس کے انتقال پر اس کے ورثا کو اس شرط پر دئے جائیں کہ وہ مذہبی فرائض متذکرہ کو ادا کرتے رہیں۔

۱۸۶۲ء میں واقف کا انتقال ہو گیا جواب دہندہ نے وقف نامہ ۱۸۵۱ء کے مطابق حصص موقوفہ کی ادائیگی نہ ہونے پر متذکرہ الاونس حاصل کرنے کے لیے دعویٰ دائر کیا جو عدالت ہائے ماتحت نے ڈگری کر دیا۔ اپیل خاص میں منجملہ دیگر امور کے یہ بھی عذر کیا گیا کہ جواب دہندہ کو دعویٰ دائر کرنے سے قبل حسب دفعہ ۱۸ ایکٹ ۲۰ ۱۸۶۳ء عدالت کی منظوری حاصل کرنا لازمی تھی۔

ان عذرات کا حوالہ دیتے ہوئے عدالت نے فیصلہ کیا کہ وقف مذکور کے مطابق اس صورت میں اجازت حاصل کرنے کی ضرورت تھی جب کہ ایکٹ مذکورہ کے تحت دعویٰ دائر کیا گیا ہوتا۔ دعویٰ ہذا ایکٹ کے تحت دائر نہیں کیا گیا بلکہ جواب دہندہ نے دستاویز ۱۸۵۱ء سے پہلے (جو اس کے حق میں تحریر ہوئی تھی) بالراست مالی منافع حاصل کرنے کے لیے دعویٰ دائر کیا ہے۔ وہ ایکٹ جو دعویٰ دائر کرنے کے لیے ان اشخاص کو مجاز کرتا ہے جن کا حق دعویٰ ایکٹ ہذا کے دائرہ اختیار سے باہر مشتبہ ہو پس جواب دہندہ کو محض اس لئے حق دعویٰ سے محروم نہیں کیا جاسکتا جو انہیں ایکٹ ہذا سے جداگانہ طور پر حاصل ہو گیا۔ اور نہ انہیں دعویٰ کے لیے منظوری عدالت کی ضرورت ہے مزید یہ کہ ایکٹ میں ان بنیادی امور کا حوالہ ہے جو زیر ویلوشن ۱۹ بابت ۱۸۱۰ء کے احکامات پر بوقت مفاد ایکٹ منطبق تھے۔ اور ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ وقف نامہ ۱۸۵۱ء جائیداد وقف کا انتظام گورنمنٹ کے افسر پر تفویض نہیں ہوا تھا اور بوقت نفاذ ایکٹ متولی کی نامزدگی نہ گورنمنٹ نہ پبلک افسر کو تفویض ہوئی تھی اور نہ متولی کی نامزدگی گورنمنٹ یا پبلک افسر کی توثیق کے تابع تھی پس متولی کی نامزدگی بعض حالات میں پبلک افسر میں تفویض ہو سکتی تھی مگر وہ حالات ہی پیش نہ آسکے اس لئے ہم اس عذر کو مسترد کرتے ہیں۔

فاضل ججان نے اس عذر کے بارہ میں اس طرح فیصلہ صادر کیا کہ یہ عذر کیا گیا ہے کہ وقف نامہ ۱۸۵۱ء فرقہ امامیہ کے اصولوں کے مطابق جائز وقف نہ تھا اس لئے کہ صاحبزادی بیگم تلرخ بہہ ۱۸۶۷ء تک جائیداد پر بطور مالک قابض رہیں۔ دوسرے یہ کہ انہوں نے جائیداد وقف سے اپنے لئے منافع مختص کر لیا تھا۔ مزید یہ کہ اس میں بھی آمدنی کا ۲/۳ حصین حیات خود ضروری مصارف کے لیے مقرر کر لیا تھا۔ اہل تشیع کے اصول کے مطابق ایک جائز وقف کی تشکیل کے لیے ضروری ہے کہ وہ قطعی غیر مشروط ہو اور شے

موقوفہ پر قبضہ دے دیا جائے۔ اور واقف سے جائیداد کلیتاً علیحدہ کر لی جائے پس اصولاً ہمیں یہ غور کرنا ہے کہ آیا جائیداد موقوفہ کا قبضہ زید یا گیا تھا۔ قانون واقف کو متولی ہونے کا مجاز کرتا ہے اور اس لئے واقف نے خود کو متولی مقرر کیا اور بعد تحریر وقف نامہ ۱۱۸۵ھ اس نے اپنے فعل سے ظاہر کیا کہ وہ جائیداد مندرجہ وقف نامہ پر بطور متولیہ قابض ہے۔ پس ہم طے کرتے ہیں کہ حسب قانون شرائط قبضہ کی بابت کافی ثبوت ہے۔ بلکہ ہم ۳۲۲ جائیداد کے لیے یہ طے کرتے ہیں کہ وقف نامہ ۱۸۵۱ء کی بنا پر جائیداد وقف ناجائز ہے۔

اصول کا استثنیٰ

اگرچہ واقف کا اپنے لئے وقف کرنا جائز نہیں تاہم اگر وقف راہِ خدا یا امر خیر یا مذہبی غرض کے لیے کیا گیا ہو تو یہ جائز ہے۔ مثلاً ایک مسجد کی صورت میں واقف کے لیے جائز ہے کہ اس سے استفادہ کرے یعنی اس مسجد میں نماز (عبادت) میں شامل ہو اور عبادت کرے اس طرح عوامی نوعیت کے کسی دوسرے وقف مثلاً پل یا مسافر خانے کی صورت میں بالفاظ دیگر ایک واقف ایک ادارے سے اسی طرح استفادہ کر سکتا ہے جیسے عوام کا کوئی اور فرد۔

ایک ایسے وقف کے جواز کے دوران جو عوامی نوعیت کا نہ ہو اور واقف بھی کسی حد تک اس کے افادہ میں تعبیراً شریک ہو تعضیہ طلب مسئلہ یہ ہے کہ آیا واقف نے اس مفاد کو عمداً اپنے لئے مختص کیا۔

وقف کے منافع میں واقف کی شرکت

بشرطیکہ واقف کا اپنے فائدہ کی غرض سے وقف کرنا ثابت نہ ہو تو جائز ہے یہ اگر کوئی واقف یہ شرط رکھے کہ بصورت ضرورت جائیداد اس پر عود کرے گی تو شرط جائز ہوگی مگر وقف باطل ہوگا اور یہ انتقال محض جس کی صورت میں نافذ ہوگا اور جائیداد بصورت ضرورت اس کے مالک پر عود کرے گی لیکن ضرورت ایسی ہونا چاہئے جو رسم و رواج کے مطابق جائز سمجھی جائے اور ایسی نہ ہو جو برائے نام ہی ضرورت کہی جاسکے۔ جب جائیداد ایک بار واقف پر عود کرتی ہے تو ساتھ ہی حق انتقال بھی قائم ہو جاتا ہے اور اس کے انتقال پر جائیداد وراثتاً پر منتقل ہو جاتی ہے۔

واقف کی جائز شرائط

واقف کو کسی وقف میں اس شرط کے ساتھ اختیار کہ جس کو چاہے منافعہ وقف سے خارج کر دے ناجائز ہے مگر نئے مستحقین کو اس میں شامل کرنے کی شرط (سوائے بچوں کے) جائز ہے۔

جب کوئی شخص عام طور پر اپنے بچوں کے لیے وقف کرے تو بعد وقف پیدا ہونے والے بچے بھی شامل ہونگے خواہ اس بابتہ صریح شرط نہ ہو۔ اگر کوئی وقف بچوں کے لیے کیا جائے اور ان کی جائیداد انہیں دے دی جائے تو بعد وقف جو بچے ہوں گے تا وقتیکہ صریحاً کوئی شرط نہ ہو شامل نہ ہو سکیں گے۔

اگر کسی نے اپنے خرد سال بچے کے حق میں کوئی وقف کیا ہو تو شرائط وقف میں واقف ایسی تبدیلی کا مجاز نہ ہوگا جس سے کہ بیرونی لوگ بھی مفاد میں شامل ہو سکیں۔ الا اس صورت میں کہ اس نے یہ اختیار صریحاً اپنے ہاتھ میں رکھا ہو۔

قبضہ

قبضہ موقوف الیہ کی جانب سے ہونا ضروری ہے اور قبضے کے تمام ملکات ما بعد کارروائی میں ختم ہو جاتے ہیں جیسا کہ بتایا گیا ہے قطعی انتقال قبضہ ضروری نہیں ہے۔ فی الاصل نوعیت قبضہ میں تبدیلی کی ضرورت ہے۔ ایک واقف بعد وقف بھی وقف کے متولی کی حیثیت سے قابض رہ سکتا ہے اور اس طرح کا قبضہ وقف کی حیثیت کی جہت قانونی پر اثر انداز نہیں ہوتا۔

چونکہ مامور کی جانب سے شرط قبضہ کے لیے جہت قبضہ میں تبدیلی کی ضرورت ہے اس لئے تعبیری قبضہ کافی ہے۔ حنفی اصول کے مطابق اگر قبضہ پہلے ہی سے مامور یا متولی کے پاس ہے تو رسمی قبضہ دہانی کی ضرورت نہیں ہے جواز وقف کے لیے پہلا قبضہ ہی کافی ہے۔ مثلاً اگر A بذریعہ نمائندہ B وہ جائیداد جو اس کے قبضہ میں ہے وقف کرے تو B کی حیثیت بطور ایجنٹ ختم ہو جاتی ہے اور اس کے پاس جائیداد بطور متولی رہتی ہے۔

شرائع کی یہ عبارت کہ موقوف الیہ کا قبضہ ضروری ہے دوسرے حالات کے پیش نظر قابل غور ہے نہ کہ خود مستحق کا قبضہ ضروری ہے۔ کوئی بھی شخص جو کہ اصطلاحاً

تعمیر ان کا ناماندہ ہو قبضہ لے سکتا ہے۔ جب کوئی وقف عوامی نوعیت کے مقاصد کی فلاح و خیر کے لیے کیا جائے جیسا کہ غربا۔ فقہان طلباء وغیرہ کے لیے وقف تو یہ تمام کل بیہمت مستحقین کا جائیداد پر قبضہ غیر ضروری ہے بلکہ واقف کا مقررہ نگران یا اس کی عدم موجودگی میں قاضی یا واقف کا مقررہ نگران کافی ہوگا۔

فلاح عام کے لیے موقف

واقف خود جائز طور پر وقف کا متولی ہو سکتا ہے۔ ایسا واقف جو فلاح (منصحت عامہ) کے لیے ہو جیسے کہ ہل مسجد اور اس کے مثل ان کے لیے نہ منظوری کی ضرورت ہے اور نہ کسی مختص شخص کا جو منافع حاصل کرتا ہو قبضہ ضروری ہے متولی یا ناظر کا قبضہ جو وقف کی دیکھ بھال یا انتظام کی غرض سے مقرر کیا جائے کافی ہے اگر واقف نے کوئی متولی یا نگران مقرر کیا ہے تو قاضی سے استعواب کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کے تقرر کے جواز کے مسئلہ کی صورت میں قاضی باعتبار نگران مسلمانان کے مفاد عام کے لیے ایک ناظر یا منتظم مقرر کر سکتا ہے۔

مسجد یا قبرستان کا وقف

جب کوئی مقام یا عمارت عبادت کے لیے وقف کی جائے اور اگر ایک شخص بھی اس میں نماز ادا کرے تو یہ وقف موثر ہوگا۔ اسی طرح ایک قبرستان کا وقف بھی اگر اس میں ایک نعش بھی دفن ہے تو موثر ہوگا۔ تاہم یہ ذہن نشین رکھنا ضروری ہے کہ واقف کی نیت واضح ہو مثلاً کسی مکان کا مالک دوسرے شخص کو مکان میں عبادت کی اجازت دے یا کسی کے ذاتی مکان میں مسلسل عبادت سے وہ سکونتی مکان مسجد یا عبادت گاہ میں تبدیل نہ ہوگا۔ لیکن اگر ایک شخص اپنے مکان کو بطور مسجد وقف کرنے کا اعلان کرے اور عبادت کی اجازت دے تو یہ جواز وقف کے لیے کافی ہے۔

تکرر یہ کہ اگر کوئی شخص مردوجہ طرز تعمیر مسجد کے مطابق عمارت تعمیر کر کے کسی دیگر شخص کو اس میں عبادت کی اجازت دے تو یہ وقف کے لیے کافی ہے۔ خواہ اس کو وقف بنانے کے بارہ میں کوئی اعلان نہ کیا ہو۔ ایک زمین میں محض کسی ایک نعش کے دفن کرنے یا کسی عمارت میں عبادت سے تاوقتیکہ واقف صریحاً یا تعبیراً اعلان وقف نہ

کرنے و زمین یا عمارت وقف نہ ہوگی۔

اگر کوئی باپ یا دادا جائیداد مقبوضہ خود اپنے بیٹے یا پوتے کو وقف کرتے یا اس کی جانب سے قابض ہو تو متولی کے تقرر کے باوجود قبضہ جائز ہوگا اور قانوناً مامور کا قبضہ سمجھا جائے گا۔

اغراض خیر کے لیے وقف

ایسی جائیدادیں جو فلاح عامہ یا امور خیر کے لیے وقف کی جائیں ان سے استفادہ خوشنودی خداوند تعالیٰ ہے اسلئے کہ ان میں نہ کوئی مال ہوتا ہے نہ مالک حتیٰ کہ ایسے وقف کا کوئی مختص مالک نہیں ہوتا اور جائیدادیں تعبیراً ملکیت خداوندی ہوتی ہیں۔

ایک شخص کا اپنے بچوں کے حق میں وقف

ایک شخص اپنے بچوں کے بچوں (اولاد در اولاد) کے لیے وقف کرے تو لڑکیوں کے بچے بھی لڑکے کے بچوں کے ساتھ استفادہ میں شریک ہوں گے۔

اگر کوئی اپنے بچوں اور بچوں کے بچوں کے لیے وقف کرے تیسری نسل کی اولاد اس وقت تک شامل نہ ہوگی جب تک کہ واقف کا اپنی تمام اولاد کو وقف میں شریک کرنے کا منشا معلوم نہ ہو۔ اگر کسی نے اولاد اور اولاد کی اولاد کے لیے وقف کیا ہو تو تمام آل بالراست مساویانہ حصہ لے گی جب تک ان کا بطن بعد بطن حصہ لینے کی تحریر میں حوالہ نہ ہو۔

بچوں کے لیے وقف

اگر وقف عام طور پر واقف کے بچوں کے لیے ہو تو یہ تمام واقف کی آل پر حاوی ہوگا اور محض ان کے معدوم ہونے پر ہی اس کا فائدہ غریبوں کو ملے گا۔

ایسی مسجد کے لیے وقف جو خستہ ہو چکی ہو اور ایسے علاقہ یا محلہ میں ہو جو اجڑ چکا ہو تاہم وقف ساقط نہ ہوگا۔ خواہ عمارت مسجد کے نشانات باقی نہ ہوں یہ واقف کو عود نہ کرے گا۔ یہ اصول بقول شرائع بلا اختلاف مسئلہ ہے۔

اگر کوئی عمارت اس طرح تباہ ہو جائے کہ اس کے نشانات ہی باقی نہ رہیں تب

بھی وہ زمین جس پر عمارت ایسا دو تھی وقف کے زمرے سے خارج نہ ہوگی۔ نہ فروخت ہوگی اور نہ عمارت کی تباہی سے وہ وقف زائل ہوگا۔ اس لئے کہ وقف کی خصوصیت دائمی ہوتی ہے۔

جانیداد وقف کا بیع

واقف مجاز ہے کہ متولی کو فرد منتقل جانیداد موقوفہ یا اس کی آمدنی کو بہتر مفاد میں صرف کرنے کا اختیار دیدے۔ بصورت دیگر اگر بیع مفاد وقف میں ہو یا سرمایہ (آمدنی) کسی زیادہ نفع آور جانیداد پر صرف کرنا ہو تو متولی حسب اجازت قاضی جانیداد فروخت کر سکتا ہے۔

سرمایہ کی تبدیلی کا اختیار

اگر مابین مستفیدین تنازعات ہوں اور بظاہر جانیداد کو اصل حالت میں رکھنے سے نقصان کا اندیشہ ہو تو بیع کی اجازت ہے۔

اگر وقف غربا کے حق میں ہو تو اس کا منافع جائے وقوع وقف کے غربا (استفادہ کنندگان) کے کام آنا چاہئے۔ متولی کو منافع یا آمدنی کی تقسیم کے لیے غربا مستفیدین کی تلاش کی ضرورت نہیں ہے۔

امام جعفر نے ابو علی ابن سلیمان کے استفسار پر جواب دیا کہ اگر زمین فلاں فلاں کی وقف ہے تو ان کے مقام پر جو جائے وقف پر زندہ ہوں یا استمداد کے لیے آئیں صرف ہونا چاہئے۔ لیکن متولی ان کو تلاش کرنے کے لیے پابند نہیں ہے۔

نہ صدقہ نہ وقف منسوخ ہو سکتا ہے

ایک بار قبضہ دینے پر صدقہ منسوخ نہیں ہو سکتا اس لئے کہ یہ ہبہ بالعوض کے مساوی ہے صدقہ یا وقف کا مقصد حصول خوشنودی خداوند تعالیٰ ہے جو ایک بار صدقہ یا وقف ہو جانے پر منسوخ نہیں ہو سکتا۔

باب ۱۔ مالکی قانون وقف

فصل اوّل۔ وقف کی تشکیل

وقف سے متعلق مالکی قوانین اصلاً حنفی قانون کے مماثل ہیں سوائے بعض حقوق کے جن پر خاص توجہ کی ضرورت ہے۔ مالکی بھی قانون وقف کا استنباط اسی حدیث سے کرتے ہیں جس سے کہ احناف۔

اہلیت واقف

واقف کے لیے بھی اسی اہلیت کی ضرورت ہے جیسی کہ دوسرے انتقالات مثل ہبہ وغیرہ میں۔

(الف) واقف کے لیے ضروری ہے کہ آزاد ہو غلام نہ ہو۔

(ب) عاقل ہو

(ج) بحالت صحت ہو یا زیادہ صحیح الفاظ میں مرض الموت میں مبتلا نہ ہو۔ کسی بیمار کا وقف ورثہ کی مثل ہے اور اگر وارث کے حق میں ہے تو باطل ہے اور اگر ایسے شخص کے حق میں ہو جو مستحق وراثت ہے تو بہ بقدر یک ثلث رہ جاتا ہے۔

خلیل ابن اسحاق کے مطابق ایک ایسے شخص کا اپنے ورثا کے حق میں بحالت مرض وقف جس میں اس کا انتقال ہو جائے وہ کالعدم اور باطل ہے۔ لیکن ایسے شخص کا آل کے لیے بالراست وقف جو وراثت نہ ہو جائز ہے بشرطیکہ ورثہ کے ایک ثلث سے متجاوز نہ ہو۔

(۱) جائیداد جو وقف کی جائے اس پر قابض ہو یعنی اس پر تصرف ہو۔

عدالت ہائے انصاف نے اس اوقاف کو منسوخ قرار دیا ہے جب کہ واقف بحالت قرضہ انتقال کر جائے اور جائیداد موقوفہ کو قرضوں کی بے باقی کے لیے بیع کرنا پڑے۔

(۲) جب کہ واقف کی ذمگی قرضہ جات اس کے اثاثہ سے زیادہ ہوں۔

(۳) جب کہ واقف کا بوقت وقف جائیداد موقوفہ پر قبضہ مالکانہ نہ ہو۔

(۴) ایسا بالغ جو اپنے حقوق کا پورا استعمال کر سکتا ہو۔

مالکی عقیدہ کی حامل شادی شدہ عورت اپنی ثلث سے زیادہ جائیداد بلا رضامندی شوہر وقف نہیں کر سکتی۔

ایک غیر مسلم جو متذکرہ بالا شرائط کو پورا کر سکتا ہے وہ اپنی جائیداد کے کھلی یا جزو کو وقف کر سکتا ہے۔ قانون ان لوگوں کی آراضی پر جن کا اسلام پر عقیدہ نہیں ہے محض ایک پابندی خاندان ہے اور وہ یہ کہ ان کے وقف سے مساجد استفادہ نہیں کر سکتیں مگر ان کے مطابق یہ ہے کہ مسجد کے لیے غیر مسلم کا وقف ناجائز ہے۔

ہر اس شخص کے حق میں وقف کیا جاسکتا ہے جو جائیداد پر قبضہ کا اہل ہو بلکہ غیر پیدا شدہ بچوں اور معدوم اغراض کے لیے بھی وقف ہو سکتا ہے۔ واقف مستحقین کو نامزد بھی کر سکتا ہے۔

(الف) ایک مسلمان غیر مسلم (ذمی) کے حق میں وقف کر سکتا ہے مگر جو دشمن

ملک میں رہتا ہے

اس کے حق میں وقف ناجائز ہے۔

(ب) مرد اور عورتیں

(ج) بالغان و نابالغان

(د) ورثا یا غیر ورثا

(ه) اجنبی لوگ

(و) امور فلاح و خیر مثلاً قبرستان۔ کاروان سرا۔ ولی اللہ کا مقبرہ۔ مکہ معظمہ اور

مدینہ منورہ کے مقدس شہر۔

اختیارات واقف

ایک واقف مجاز ہے کہ وہ مستحقین کو خواہ وہ افراد کنبہ ہوں یا خارج از کنبہ نامزد کرے۔

کیا اس کو قطعاً ایسا حق حاصل ہے؟

کیا اس حد تک حق حاصل ہے کہ وہ اپنی لڑکیوں کو بھی محروم کر دے؟

ایک واقف کا اپنے بچے کو وقف کے فوائد

سے خارج کرنا جائز نہیں ہے

خلیل ابن اسحاق کے الفاظ اس مسئلہ پر بے کم و کاست صحیح ہیں (ایک شخص کا اپنے لڑکوں کے حق میں لڑکیوں کو خارج کر کے وقف کرنا خلاف قانون ہے اور الجیریا کی عدالت ہائے انصاف نے اس اصول کو ہمیشہ نافذ کیا ہے۔

عدالت الجیریا نے ۳۰ دسمبر ۱۸۶۳ء کو ایک ڈگری صادر کرتے ہوئے لکھا ہے ہر گاہ کہ قرآن شریف مسلمانوں کے مذہبی اصولوں اور دیوانی قانون کا منبع ہے اور ہر گاہ اس کے احکامات خاص کر خاندانوں میں ترتیب اور طریقہ وراثت کرتے ہیں۔ (سورہ ۴) اور ہر گاہ کہ تقسیم جائیداد میں برنبائے نص صنف اناث کے بچوں کا وراثت میں حصہ نہیں ہے جس سے کہ اولاد اناث اولاد ذکور کے حق میں بلا نص صحیح کو نظر انداز کئے محروم نہیں ہو سکتی پس اگر وقف کیا جائے تو وہ ایسا ہی شدید طور پر خلاف قانون اور باطل ہوگا جیسا کہ آنحضرت صلعم کے احکام کی خلاف ورزی۔ اس لئے وقف متنازعہ منسوخ کیا جاتا ہے۔

۳ نومبر ۱۸۶۸ء کی ایک دوسری مصدورہ ڈگری میں اس طرح ہے کہ اس امر کے پیش نظر کہ وقف مالکی مذہب کے مطابق کیا گیا تھا اور اس کے مطابق اولاد اناث وقف کے مفاد سے محروم نہیں ہو سکتی یہ وقف باطل اور کالعدم ہے۔

سیدی خلیل نے بیٹیوں کے لیے کہا ہے کہ واقف انہیں جائز طور پر وقف سے محروم نہیں کر سکتا ہے۔

پیرو کے مطابق اسکے برعکس (لڑکوں کا اخراج) درست ہے مگر عدالتیں ایسی اسناد پر جن کی بنا پر یہ رائے قائم کی گئی ہے عمل کرنے میں خود کو حق بجانب محسوس نہیں کرتیں۔ انہوں نے سیدی خلیل کے ہی اصول کی تعبیر میں بیٹوں اور بیٹیوں کو ایک ہی سطح پر رکھا ہے کہ ان میں سے کسی کو بھی فوائد وقف سے محروم نہ ہونا چاہئے۔

عدالت الجیریا کی ڈگریوں میں سے ایک ڈگری مصدورہ ۲۰ مارچ ۱۸۶۷ء اس

طرح ہے قرآن شریف کے باب ۴ کی ایک آیت کی بنا پر بیٹے کو حق پدری میں ایک مہینہ حصہ ورثے میں ملتا ہے جس سے وہ بالراست یا بالواسطہ محروم نہیں کیا جاسکتا پس ایک باپ کا اپنی بیٹی کے حق میں بیٹے کو محروم کرتے ہوئے وقف اگرچہ وقف ہے لیکن وہ منشا کے خلاف بناوٹی وقف ہے۔ اس لئے ان وجوہ کی بنا پر اسے منسوخ کیا جاتا ہے۔

دوسرے درجہ کی آل کو خارج کرنا چاہئے

بہر صورت محض پہلی پشت کے بچوں کو محروم کرنا ممنوع ہے۔ سیدی خلیل محض ان ہی اوقاف کو ناجائز قرار دیتے ہیں جو کہ بیٹیوں کو محروم کرتے ہوئے بیٹوں کے حق میں کئے جائیں پس عدالتوں نے درج ذیل کا اخراج منظور کیا ہے۔

(A) ایک پوتا

(B) بیٹیوں کی اولاد اثاث

(C) بیٹیوں کی تمام اولاد

(D) بیٹیوں کے بیٹے

واقف نہ صرف وقف کے بالترتیب محض پہلے مستحقین کو نامزد کر سکتا ہے بلکہ جانشینوں کی ترتیب بھی وضع کر سکتا ہے پس اسے انتقال کے خاص قواعد جو شرع سے مختلف ہوں مرتب کرنے کا اختیار ہے۔

خاندانی وقف کے انتقال کے متعلق اصول

واقف کو اولاد حق نمائندگی تسلیم کرنا چاہئے۔ دوسرے انتقال بالراست ہو تیسرے مستحقین میں صنف کے مطابق تقسیم ہو۔ لیکن اگر وقف نامہ میں مختلف مسائل کے بارہ میں کوئی شرط نہیں ہے تو درج اصول پر عمل ہوگا۔

حق نمائندگی کے بارہ میں کوئی واضح حوالہ نہ ہونے کی صورت میں عام اصول شرع پر عمل ہوگا اس سلسلے میں مالکی اصول مسلمہ حنفی اصول کے مطابق ہیں۔

دوسرے امر کے متعلق یعنی پہلی پشت یعنی واقف کے بچوں میں انتقال لازماً بالراست ہونا چاہئے۔ اس کے برعکس دوسری پشت میں اور اس سے نیچے یا نسب (حق مورث) ہونا چاہئے۔ اس قاعدہ کے مطابق جو فضہ بن رشد نے وضع کیا ہے اور جس پر

انجم اور الخطاب وغیرہ نے عمل کیا ہے باپ سے بیٹے کو ورثہ ملتا ہے اور چچا سے محروم نہیں کرتے اس لئے ہر بچہ اپنے باپ کا جانشین ہوتا ہے اور سلسلہ کو قائم رکھتا ہے پس واقف یہ طے کر سکتا ہے کہ تمام عرصہ میں انتقال یکے بعد دیگرے بالراست ہونا چاہئے۔

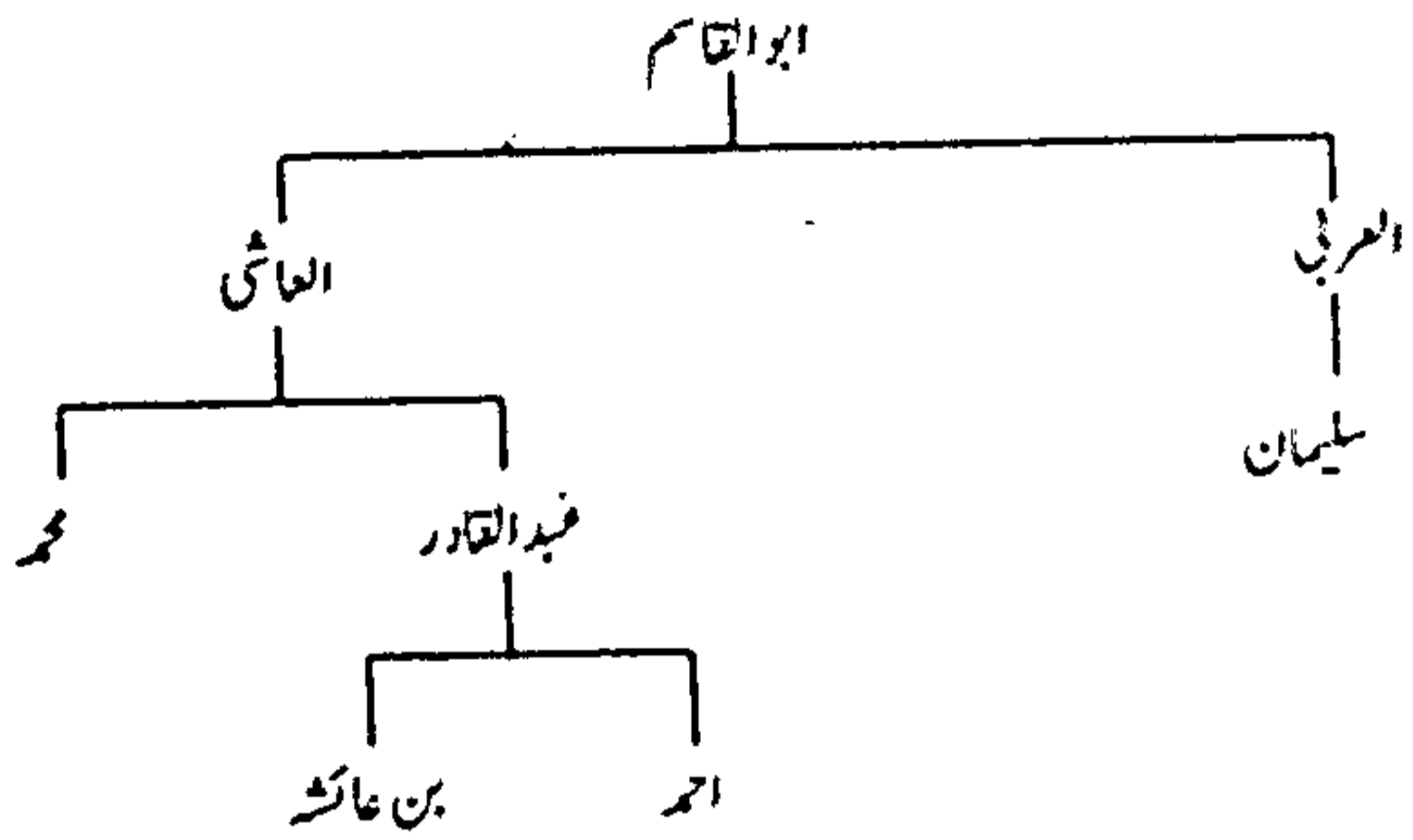
الجیریا کی عدالتوں نے اس اصول کو متواتر نافذ کیا ہے چنانچہ ایک ڈگری مورخہ ۲۰ اپریل ۱۸۷۳ء کو درج ذیل حالات میں صادر کی گئی (ایک وقف مسلسل یکے بعد دیگرے انتقال کے بعد دو بھائیوں محمد اور الحاج علی میں تفویض ہوا محمد نے جس کا ۱۸۶۹ء میں انتقال ہوا سات بچے چھوڑے اور الجیریا کے قاضی نے جائیداد موقوفہ پر حصول قبضہ میں جو مشکلات پیش آئیں ان کا ۲۰ اکتوبر ۱۸۷۳ء کے فیصلہ میں (جس کی ۲۰ اپریل کو توثیق ہو گئی) اس طرح لکھا محمد کے بچے اپنے باپ کے نصف حصے ایک شاخ کی نمائندگی کی بنا پر تقسیم کر لیں۔ اور یہ کہ الحاج علی دوسرے شاخ کے سربراہ ہونے کی حیثیت سے وقف کا دوسرا حصہ نصف اپنے قبضہ میں رکھے۔

تیسرا امر مستحقین میں تقسیم کی بابت ہے جس کی خلیل ابن اسحاق نے واضح الفاظ میں تشریح کی ہے۔ اگر واقف نے تناسب مقرر نہیں کیا ہے تو مرد اور عورت کو مساوی حصے ملنے چاہئیں۔

واقف یہ مزید شرط بھی رکھ سکتا ہے کہ دو پشتوں کا حق مرنج امر ہے لیکن کسی واضح شرط کی نہ ہونے کی صورت میں یک جدی کا وہی مساوی حق ہونا چاہئے جو حقیقی رشتہ دار کا ہوتا ہے۔

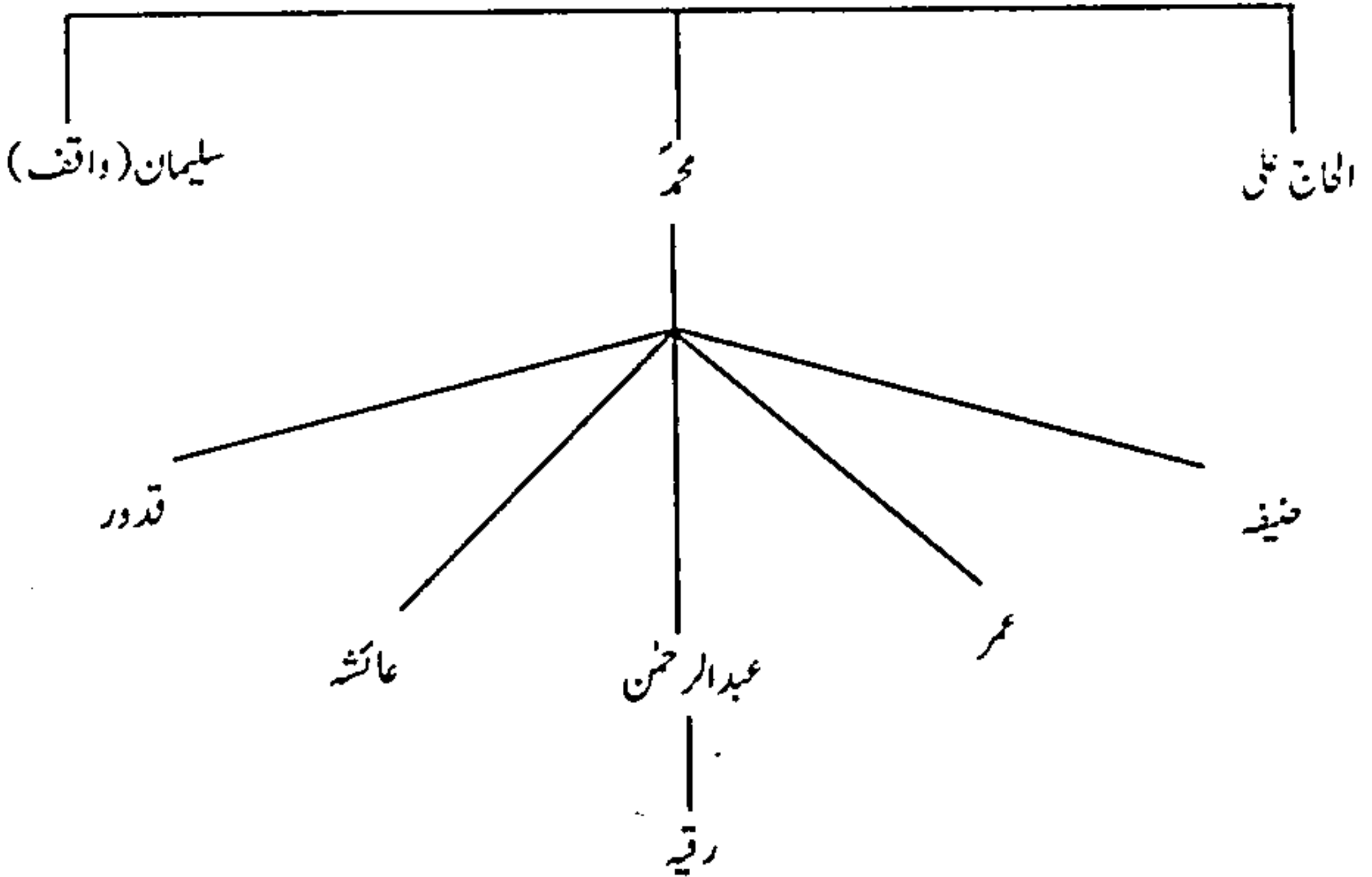
بقول شیخ الخطاب حقیقی بھائی مساوی حقوق کے مستحق ہیں اس لئے کہ ان کا باپ سے رشتہ پشت اور قانونی حیثیت سے مساوی ہے۔ سیدی خلیل کے مطابق اگر واقف کی یہ شرط ہے کہ فلاں شخص کو منتقل ہونے والا حصہ اس کے قریب ترین رشتہ دار کو ملے اگر اس شخص کے حقیقی بھائی قرابت دار بھائی اور برادران اخیانی ان میں سے جو وقف سے استفادہ کے مستحق ہیں موجود ہوں تو کیا اپنے حقیقی بھائیوں کے مقابلہ میں ترجیح ہوگی۔ وہ تمام مساوی طور پر رشتہ داران بعید (ذوی الارحام) ہیں اور ان سب کے درمیان ایک ہی نسبت ہے۔

شارح عبدالباہی نے اس اصول کو منضبط کیا ہے الفاظ ”قریب ترین رشتہ دار“ سے یہ مفہوم کہ حقیقی بھائی اور قرابت دار بھائی کے مساویانہ حقوق ہیں۔ اس لئے کہ دو باپ سے رشتہ ہونے کی بنا پر مساوی ہیں۔ ایک ہی شاخ کا ذیلی سلسلہ جو ایک درجہ بعید ہو مگر بالائی سلسلہ کے بھی قریب ہو شامل ہونا چاہئے۔ بشرطیکہ شرائط وقف میں شریک ہو اور اگر ایسا نہیں ہے تو وہ بالائی شاخ سے خارج ہو جاتا ہے اس اصول کو بالوضاحت سمجھنے کے لیے ہم ذیل میں شجرہ نسبی شامل کرتے ہیں۔



ابو القاسم بانی وقف کے دو بیٹے عربی اور عائشی نصف نصف مساویانہ آمدنی کے مستحق ہوئے۔ عربی کے انتقال پر منافع وقف دو حصوں میں تقسیم ہوئے۔ یعنی العاشی نے اپنے حصے کا نصف رکھا اور سلیمان نصف حصہ کا مالک ہوا۔ العاش کے دو بیٹے عبد القادر اور محمد ہوئے۔ عبد القادر کا انتقال ہو گیا اور اس نے احمد اور عائشی اپنے دو قائم مقام چھوڑے۔ اس صورت میں کہ وقف کا نصف جو آل عائشی پر منتقل ہو گیا کون پائے گا۔ جواب۔ اگر وقف نامہ میں کوئی خاص شرط نہیں ہے تو کل حصہ محمد پائے گا اس لئے کہ اس کے بیٹے احمد اور بن عائشی اسکی بہ نسبت ایک درجہ زیادہ بعید ہیں اور اپنے پہلے سے ہی فوت شدہ باپ کی نمائندگی نہیں کرتے۔ اگر واقف نے یہ طے کر دیا ہو کہ تمام درجے والے مساویانہ حصہ لیں گے۔ یعنی کمتر برتر کے ساتھ یعنی احمد بن عائشی اور محمد العاشی کے حصے کے مشترک مستحق ہوں گے ان میں سے ایک وقف کی آمدنی کا ۶/۱۱ حصہ لے گا اور یہ عدالت

الجیریا کے فیصلے مفصلہ ۱۸/۱۸ مئی ۱۸۷۳ء کے مطابق ہے۔ دوسری مثال اس طرح ہے۔



ایک شخص سلیمان نے بلا امتیاز صنف اپنے بچوں کے لیے وقف کیا اور اس کی آل کے ساقط ہونے پر اپنے بھائی العلی اور محمد اور ان کے بچوں کے لیے بلا امتیاز صنف وقف کیا۔

سلیمان کے انتقال پر وقف بھائیوں پر منتقل ہو جاتا ہے اور محمد پانچ بچے چھوڑ کر انتقال کر جاتا ہے اور اس کے بچے اس وقف کو جو ان کے باپ نے چھوڑا تھا مساویانہ تقسیم کر لیتے ہیں۔ عبدالرحمان ایک لڑکی مسماة رقیہ چھوڑ کر انتقال کر گیا اور وہ اپنے باپ کے بعد سے پورے حصہ پر قابض ہو گئی جو اصل جائینی کے خلاف ہے اس کے بعد علی لا ولد فوت ہو گیا۔

س:- کیا اس کی نصف آمدنی اس وقف پر منتقل ہوگی۔

ج:- قدور۔ عائشہ۔ حنیفہ ہر ایک ۱/۴ حصہ لیں گے۔ رقیہ حصہ پانے کی مستحق

نہیں ہے اس لئے کہ اس کے چچا اور چچیوں کے بہ نسبت وہ ایک درجہ زیادہ بعید ہے۔ چونکہ

اسکی جانب سے کوئی نمائندگی نہیں ہوئی اس لئے اپنے باپ کے حقوق کو جو پہلے ہی انتقال کر چکا تھا جلب نہیں کر سکتی اور یہی فیصلہ الجیریا کی عدالت نے ۲۰ اپریل ۱۸۷۴ء کو کیا تھا۔ اگر مستحقین میں سے کوئی لا ولد فوت ہو جائے تو اس کا حصہ (جیسا کہ آخری تمثیل میں ہے) قریب ترین رشتہ داروں پر منتقل ہوگا۔ بعض اوقات واقف اس امر کا رسنا اعلان کر دیتا ہے کہ دونوں میں سے ایک جس کا پہلے انتقال ہو جائے وہ اپنا حصہ دوسرے کو منتقل کر دے۔

اکثر اس بارہ میں وقف نامہ خاموش ہوتا ہے اور عدالتیں اس خاموشی کے یہ معنی لیتی ہیں کہ گو یا مندرجہ بالا شرط اس میں شامل تھی۔ پس ایک شخص احمد بن عبد القدیر نے اپنے بچوں کے لیے وقف کیا ان میں سے ایک لا ولد فوت ہو گیا اور اس کا حصہ اس کے چار بھائیوں اور بہنوں پر منتقل ہوا اور ان میں سے ہر ایک نے مجلس منعقدہ کے فیصلہ مورخہ ۱۳ ستمبر ۱۸۵۸ء کے مطابق ۱۲ حصہ لیا اسی طرح آمدنی وقف سے مستحقین مستفید ہوئے۔ ان میں سے ایک کے انتقال پر پس ماندگان میں مکرر نزاع شروع ہوئی اور الجیریا کی عدالت نے حسب ڈگری مصدرہ ۱۸۷۷ء کے مطابق یہ طے کیا کہ متولی کا حصہ ان پس ماندگان میں جن کی متوفی سے ایک ہی پشت میں رشتے داری تھی مساویانہ تقسیم ہونا چاہئے۔ یہ فیصلہ پندرہویں سب کھل کے قاضی کے فیصلے مورخہ ۱۰ ستمبر اور ڈگری عدالت مورخہ ۲۰ جولائی ۱۸۷۷ء کے مطابق توثیق شدہ ہے۔ اس فیصلہ میں کوئی الجمن نہیں ہے۔ اس لئے کہ مستحقین بانی وقف کی بالراست آل یا ہم جدی سلسلے میں ہیں۔ اس لئے کہ وہ سب رشتے داری کے بندہ ہوں میں جڑے ہوئے اور ایک دوسرے کے وارث ہیں لیکن ایسے معاملات میں صحیح اصول تصفیہ کیا ہو جب کہ واقف کے نامزد مستحقین ایک خاندان کے ہوں اور ان میں ایک لا ولد فوت ہو جائے تو کیا اس کا حصہ اس کے شریک مستحقین پائیں گے جیسا کہ وقف نامہ میں بتایا جا چکا ہے۔ پس ایسے معاملات میں تصفیہ کا کیا اصول ہو۔ جب کہ واقف کے نامزد مستحقین ایک ہی خاندان کے نہ ہوں اور ان میں ایک لا ولد فوت ہو جائے تو کیا شریک مستحقین کو اس کا حصہ ملے گا۔ اگر اس وقف نامہ میں ایک شرط مثل محولہ وقف نامہ ۱۸۷۴ء یا کوئی دیگر شرط جس سے واقف کی پس ماندگان کے مفاد کے لیے وقف کی خواہش ظاہر ہو سوال کا جواب اثبات میں ہوگا۔

خلیل ابن اسحاق کے وضع کردہ اصول سے صاف منضبط ہے کہ ایسا وقف جو دس آدمیوں کے عین حیات استفادہ کے لیے کیا جائے ان سب کے انتقال پر واقف یا اس کے بچے (ورثا) پر عود کرے گا۔

وقف نامہ میں اس کے بابتہ کوئی شرط نہ ہو تو شرکاء مستحقین کا کوئی حق نہیں ہوتا اور متوفی کا حصہ مستحق مابعد کو ملے گا یا واقف پر بشرطیکہ جائشینی کا حوالہ نہ ہو عود کرے گا جیسا کہ متن میں درج ذیل عبارت سے واضح کیا ہے۔ اگر دو خاص شخصوں کے لیے وقف ہو اور ان کے معدوم ہونے کی صورت میں غربا کے لیے ہو تو یہ (غربا) ان دونوں کے حصے پر قابض ہوں گے۔

فصل دوم:- کس جائیداد کا وقف ہو سکتا ہے

شے موقوفہ

خلیل ابن اسحاق نے اصول وضع کیا ہے کہ ایسی تمام جائیداد جس پر جائز حق ملکیت ہو سکتا ہے وہی بطور جائز وقف ہو سکتی ہے۔ بلکہ فقہانے تو مویشی گھوڑے یا بیماروں کے تیمار داری کے لیے غلاموں کی خدمات ان سب کو وقف جائز کے فوائد سے قرار دیا ہے محض خدا کو بھی وقف ہو سکتی ہے یہ تعریف اس سوال کے جواب پر مبنی ہے کہ کیا جائیداد منقولہ کا وقف جائز ہو سکتا ہے۔ اگرچہ فقہا کا اس سلسلہ میں اختلاف ہے مگر عام طور پر مسلمہ ہے کہ جائیداد منقولہ وغیر منقولہ وقف کی جا سکتی ہے یہ تعریف مالکی مذہب کے اصول کے مطابق ہے۔

عدالت الجیریا کی ایک ڈگری سے مندرجہ بالا اصول کی تائید ہوتی ہے۔ خلیل ابن اسحاق کے مطابق کتب خانہ کے لیے کتاب کا یا جہاد کے لیے گھوڑے کے زرہ بکتر کا وقف جائز ہے۔ لیکن وقف کے اصلی مقصد میں امور خیر کے لیے جائیداد کو محفوظ کرنے کی نیت پیش نظر ہے تو صرف شے موقوفہ کا نفع مستحقین کو دیا جاتا ہے۔ فقہا کے نزدیک ایسی اشیا جو ضائع ہوں یا ابتدائے وقف سے خراب ہونے والی ہوں ان کا وقف نہیں ہو سکتا۔

جائیداد منقول کا وقف جائز ہے

برنوع کی شے منقول جو قابل فروختگی ہو اس کا وقف ہو سکتا ہے تاکہ اس کی فروخت سے غیر منقولہ جائیداد خریدی جاسکے یا اس سے ایسی جائیداد جو استفادہ کی ہو خریدی جاسکے۔ آفات کشادوری نخل یا اغراض کاشت کے لیے دوسرے مویشی بلاشبہ وقف کئے جاسکتے ہیں۔

وقف مشاع جائز ہے

کسی خاص جائیداد کا جزوی حصہ قانوناً وقف کیا جاسکتا ہے۔ اگر کوئی مکان وقف ہو اور اس کا جزو واقف کے ذمگی قرضوں کے ادائیگی کے لیے فروخت کیا جائے تو بقیہ حصہ تابع وقف رہے گا۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ واقف کا بوقت وقف جائیداد پر قبضہ واقعی ہو۔ قانون جائیداد آئندہ کے وقف کو بھی جائز قرار دیتا ہے اس اصول کی الجیریا کے قاضی نے ۱۸۷۳ء میں ۱۸۷۳ء بذریعہ صدور ڈگری تصدیق کی ہے۔ مؤخر الذکر کے الفاظ اس طرح ہیں۔

ایک وقف علی الاولاد جو کسی شخص کے قبضے میں ہو یا مستقبل میں قبضہ میں آئے تو جائز ہے مگر اس کا اطلاق ان جائیدادوں پر ہو گا جن پر مستحق نے قبل وفات واقف مکمل قبضہ حاصل کر لیا ہو۔

تشکیلی وقف کا طریقہ کار

سیدی خلیل کے مطابق درج ذیل جملوں کے استعمال سے وقف ہو جاتا ہے "میں نے وقف کیا ہے یا میں نے صدقہ کیا ہے" بلا اس عبارت کے نشاندہی وقف کا اظہار ہونا چاہئے۔

وقف کی اہمیت کے باوجود اسکی تشکیل کسی رسم یا اعلان سے مشروط نہیں ہے۔ ایک وقف گواہوں کے سامنے اعلان سے جائز ہو جاتا ہے مگر جواز وقف اصلاً بعض ضروری شرائط کے تابع ہے۔

(A) وقف کا منشا امر خیر ہونا چاہئے

(B) شے موقوفہ منتقل کی جائے۔

(C) واقف کے حقوق مالکانہ شے موقوفہ سے ساقط ہو جائیں۔

ان شرائط میں شرط اول تشکیل وقف کا ایک عام نتیجہ ہے۔ اگر پرائیوٹ افراد

کے لیے وقف کیا جائے تو بالآخر وقف ہمیشہ ان مقاصد کے لیے مختص رہے گا۔
جیسے ہر دو مقدس شہر۔ محلہ۔ کارواں سرائے۔ قبرستان یا ما من (حرم) غربا کے
لیے۔ عام طور پر وقف نامہ میں ایک اسی طرح کی عبارت اضافہ کی جاتی ہے ”اور مقررہ
مستحقین کے کلیتاً معدوم ہونے پر وقف فلاں فلاں مقصد کے لیے ہوگا“۔ ہم یہ اضافہ
کر سکتے ہیں کہ ایک امر خیر فعل صدقے سے آزاد ہے۔

سیدی خلیل نے صریحاً اس کا حوالہ دیا ہے اور یہ تشریح کی ہے کہ اگرچہ
مستحقین متمول ترین حالات میں ہوں تاہم وقف جائز ہوگا اور امر خیر ہوگا۔

قبضہ دہانی ضروری ہے

مستحقین کی جانب سے متولی کو قبضہ دہانی یا تبدیل قبضے کی اہمیت پر امام مالک کا
امام ابو یوسف سے اختلاف ہے مگر امام محمد اہل تشیع سے متفق ہیں۔ محمد عاصم کے مطابق
قبضہ وقف کی روح ہے اور اگر واقف جائیداد موقوفہ کی نگرانی اور قبضہ کے ساتھ حق
ملکیت بھی قائم رکھتا ہے تو فی نفسہ وقف باطل ہوگا۔ حتیٰ کہ قانوناً بھی یہ امر باطل ہے۔
اصلاً جس امر کی ضرورت ہے وہ واقعی قبضہ دہانی یا انتقال قبضہ نہیں ہے بلکہ جائیداد موقوفہ
پر جہت ملکیت میں تبدیلی ہے۔ واقف جائز طور پر خود متولی ہو سکتا ہے۔

جب کوئی وقف کسی فرد کے حق میں کیا جائے اور اگر موقوف الیہ بالغ ہے تو
اس کا قبضہ ہونا چاہئے۔ بصورت نابالغی اس کے باپ یا سرپرست کا قبضہ ہونا چاہئے۔ اگر
کسی افراد کی جماعت کے حق میں وقف ہے تو انتقال قبضہ متولی کے حق میں ہونا چاہئے۔
ایسا وقف جو مذہبی یا دیگر امور خیر کے لیے ہو تو اس کے منتظم سے جائیداد
موقوفہ کا قبضہ حاصل کر لینا چاہئے۔ محض اس صورت میں انتقال قبضہ ملتوی ہوگا جب
ایک باپ اپنے نابالغان لڑکوں کے حق میں وقف کرنے بشرطیکہ متعلقہ حالات سے یہ
کافی طور پر ثابت ہو کہ اصلاً وقف کی نیت تھی یعنی وقف کی آمدنی مامورہ کے مفاد میں
صرف کی گئی تھی اور یہ کہ باپ نے اس سے خود قطعاً کوئی منافع حاصل نہیں کیا۔

قبضہ کب دینا چاہئے

پس حصول قبضہ ایک لازمی عنصر ہے مگر قبضہ کسی وقت ہو قانون نے یہ لازمی

قرار نہیں دیا کہ تحریر وقف نامہ کے فوراً بعد ہی وقف ہو جائے۔ بلکہ تکمیل وقفہ کو صحت وقف کے لیے ایک لازمی مرحلہ قرار دیا ہے۔

اگر وقف انتقال جائیداد کا اہل ہو اور اس کو جائیداد پر حق مالکانہ حاصل ہو تو نفیس ابن اسحاق کے مطابق ایسی جائیداد کا وقف باطل ہے جس پر وقف کی موت یا مرض الموت سے قبل وقفہ حاصل نہ ہوا ہو۔

وقف بعض شرائط کے تابع مجاز وقف ہے اور ان شرائط کی واقعی تکمیل کی جائے اور کسی شخص یا اشخاص کو انتظام وقف کے لیے مامور کرے اور یکے بعد دیگرے انتخابات کی نوعیت معین کرے۔ یہ بھی قرار دے سکتا ہے کہ بحالت عسرت مستحقین جائیداد وقف کو منتقل کرنے کے مجاز ہوں گے۔ یہ بھی طے کر سکتا ہے کہ بعض حالات میں وقف غربا پر نمود کرے گا۔ عام طور پر وقف تکمیل وقف کی غرض سے تمام مسلم طریقوں کے لیے حکم کر سکتا ہے۔ یہیں اس کا اختیار ختم ہو جاتا ہے۔ مگر وقف کے بنیادی اصولوں کے خلاف کوئی بھی شرط یا خود کو اس کا مجاز کر لینا کہ وہ شرائط وقف میں تبدیلی یا وقف کی تفسیح یا جائیداد میں تبدیلی غرضیکہ کوئی بھی شرط جو نبائے وقف پر منتج ہو وہ باطل اور باطل ہے۔

عارضی وقف

نفیس ابن اسحاق کے نزدیک دوام وقف کی شرط لازم نہیں ہے۔ حسین الکرخی اور عبدالباقی ہر دو شارحین نے عارضی اوقاف کی مزید وضاحت کی ہے۔ ایسے اوقاف جو ایک سال کے لیے ہوں یا کسی شخص کے حین حیات کئے جائیں جائز اور صحیح ہیں۔ وہ اوقاف جن کی آمدنی (مدت معینہ منقش ہوئے کے بعد) اگر کسی شخص کی نشاندہی نہ کی گئی ہو تو غربا پائیں گے۔

سوالات۔ کیا اوقاف محض اپنے ہی صواب دید پر وقف کو منسوخ کر سکتا ہے۔ کیا اوقاف مستحق کو وقفہ دینے سے پہلے شرائط وقف میں ترمیم کر سکتا ہے۔

جوابات۔ اس کے جوابات فقہا خاص کر عبدالسلام اور ابن الخطاب نے نفی میں دئے ہیں۔ ان کے مطابق ایک بار جو وقف کر دیا جائے وہ پختہ رہتا ہے۔ اگر شرائط وقف

نامہ مبہم یا نامکمل یا مختلف المعنی ہوں تو یہ مسئلہ قاضی کے سامنے پیش کرنا چاہئے اور اسے مقامی رسم و رواج کے مطابق جو مدت سے رائج ہوں عمل کرنا چاہئے۔

فصل سوم :- وقف کا قانونی نتیجہ

کسی جائیداد کے وقف سے تین مختلف نتائج برآمد ہوتے ہیں

(۱) جائیداد موقوفہ ناقابل انتقال (۲) ناقابل تصرف (۳) اور ناقابل ارث ہو جاتی ہے۔ جائیداد موقوفہ اس لئے ناقابل انتقال ہوتی ہے کہ کلیتاً ملکیت خداوندی میں منتقل ہو کر نوع انسانی کے منافع کے لیے مختص ہو جاتی ہے اور اس سے وہ لوگ مستفید ہوتے ہیں جن کو اختیار انتقال نہیں ہوتا۔ اس کلیہ کے کئی مستثنیات ہیں۔ اگر وقف غیر مفید آراضی یا جائیداد منقولہ ہو تو اسے فروخت کر دینا چاہئے اور اس کی قیمت سے دوسری جائیداد خریدنا چاہئے۔

اگر کسی وقف کی توسیع مقصود ہے تو اس سے متصل ملحقہ قطعہ آراضی خرید لینا چاہئے بشرطیکہ حصول آمدنی مقصود کا وہی ایک ذریعہ ہو۔ ایسی صورت میں بیع ضروری ہے۔ اگر مستحق غریب ہو اور وقف کی آمدنی اس کے وسائل معاش کے لیے ناکافی ہو تو وقف نامے میں خواہ اس کی گنجائش ہو یا نہ ہو قاضی کی اجازت سے انتقال جائیداد کر سکتا ہے۔

اگر واقف بوقت وقف اس قدر زیادہ قرضہ میں دبا ہوا ہو کہ اس کے ذمگی مطالبات اثاثہ سے زیادہ ہوں تو قرض خواہاں اس کی جائیداد سے اپنے قرضے حاصل کر لیں اگر قرضوں کی ادائیگی کے بعد زر ثمن سے کوئی رقم بچے تو وہ مامور لہ کے مفاد میں صرف ہوگی۔ شے موقوفہ کا تبادلہ ہو سکتا ہے۔ مگر ایسا تبادلہ قاضی کی اجازت سے ہوگا بشرطیکہ اس نے ذاتی طور پر اطمینان کر لیا ہو کہ ہر دو جائیدادوں کی قیمت مساوی ہے متبادلہ جائیداد اس اصول وقف کے تابع ہوگی۔ اگر وقف کی غرض مختص ساقط ہو جائے تو وہ دیگر امور خیر کے کام آئے گا۔ اور ممکن ہو تو وہ دوسرا امر خیر اصل جہت وقف سے مماثل نوعیت کا ہو مثلاً اگر واقف اپنی جائیداد پل یا اسکول کی تعمیر کے لیے وقف کرے لیکن یہ عمارتیں حکومت تعمیر کر دے تو آمدنی سے اس سے مماثل مقصد پر صرف ہوگی اور اس کے سقوط

کی صورت میں آمدنی واقف کے غریب رشتے داروں کے اور ان میں بھی ترجیحاً سب کے کام آئے گی۔ مستفیدین کو جائیداد وقف منتقل کرنے کا حق نہیں ہے وہ محض اس سے استفادہ کر سکتے ہیں اور اس غرض کے لیے وہ اساتذہ یا بذریعہ خیر یا منتظم قبضہ کے مستحق ہیں۔

جائیداد وقف طویل عرصہ کے لیے پتہ پر نہ مامور لے لے سکتا ہے اور نہ اس کا منتظم۔ سیدی خلیل کے مطابق دو سال اور دوسرے فقہاء کے مطابق تین سال وہ طویل ترین مدت ہے جس پر جائیداد اجارہ پردی جاسکتی ہے۔ اگر جائیداد کی مرمت کی ضرورت ہو تو پتہ کی مدت میں توسیع ہو سکتی ہے۔ اصولاً جائیداد موقوفہ کو اچھی حالت میں رکھنا چاہئے اس لئے کہ مستقبل کے مستفیدین اپنے حقوق کی حفاظت کے لیے قابض کو مکان جو خستہ حالت میں ہو پتے پردے کر اس کی از سر نو تعمیر یا مکمل مرمت کی غرض سے کام میں لاسکتے ہیں۔

واقف کی ہدایت پر عمل ہونا چاہئے

تشکیل وقف کا دوسرا نتیجہ یہ ہے کہ جائیداد ناقابل سقوط ہو جاتی ہے یعنی جائیداد ذاتی حقوق کے تابع نہیں رہتی۔

تشکیل وقف کا تیسرا نتیجہ یہ ہے کہ جائیداد موقوفہ ناقابل ارث ہو کر اس کا منافع وقف کے مقررہ کردہ سلسلہ کے تحت ہوتا ہے اور اس مسئلہ پر تمام مصنفین متفق ہیں۔ سیدی خلیل کے مطابق جائیداد موقوفہ پر واقف کے مقررہ اصول جانشینی کے مطابق سختی سے عمل ہونا چاہئے۔ ابراہیم جلالی نے بتایا ہے کہ واقف کو جائیداد موقوفہ کی آمدنی کے متعلق کلیتاً اختیار حاصل ہے۔

باب ۱۸۔ شافعی قانون وقف

یہ لازمی ہے کہ واقف اپنے خواہش کے اظہار کا اہل ہو، جائیداد کو منتقل کرنے کی اہلیت رکھتا ہو اور شے موقوفہ دائماً قابل استعمال ہونہ کہ جس خوراک یا خوشبودار پودوں پر مشتمل ہو۔ لیکن اس کے علاوہ جائیداد منقولہ کا وقف بھی اسی طرح جائز ہے جیسے کہ جائیداد غیر منقولہ کا وقف مگر تربیت یافتہ کتے کا وقف جائز نہیں ہے مگر مشائخ کا وقف جائز ہے۔ عمارتوں یا ان کے مالکوں کی زمین پر دوسرے اشخاص کے مزارعات یا ایسے مزارعات کے جو عمارت اجارہ پر ہوں اوقاف مسلمہ طور پر جائز ہیں۔ وہ شخص جس کے حق میں وقف کیا جائے اصل یا تعبیراً جائیداد موقوفہ پر قبضہ حاصل کر سکنے کا اہل ہونا چاہئے۔ پس ایک بچہ یا غلام کے حق میں وقف ناجائز ہے۔

ایک ذمی (غیر مسلم) رعایا کے حق میں بھی وقف ہو سکتا ہے۔ مگر ایک ملحد (غیر مسلم جو مسلمان فرماں روا کی رعایا نہ ہو) خود کے حق میں وقف نہیں کر سکتا۔ ایک ناجائز مقصد کے لیے وقف مثلاً عیسائی گرجاؤں یا یہودی عبادت گاہوں کے لیے وقف باطل ہے مگر عیسائیوں اور یہودیوں کے اسپتال کی تعمیر کے لیے بوجہ امر خیر وقف جائز ہے۔

اسی طرح غربا اور امرا کے لیے وقف یکساں طور پر جائز ہے۔ علماء، مساجد اور مدرسوں کے لیے بھی وقف جائز ہے۔

تشکیل وقف کی نیت واضح الفاظ میں ہونا چاہئے۔ (میں اس شے کو وقف کرتا ہوں) یا (میرا کھیت فلاں شخص کے لیے وقف ہوگا) جیسا کہ میں وقف کرتا ہوں یا (میں صدقہ کرتا ہوں) سے واضح ہے۔

وہ فقرے جن سے کہ وقف کیا جاتا ہے

یہی صورت ان فقروں کی ہے کہ میں فلاں شے وقف کرتا ہوں یا میں وقف کرتا ہوں اس طرح کہ شے موقوفہ نہ دوسرے شخص کو بیع ہوگی اور نہ دی جائے گی۔ اس کے برعکس الفاظ ”میں دیتا ہوں“ بلا شرط مزید واضح نہیں سمجھے جائیں گے خواہ واقف کی

یہی نیت ہو یہ یا اپنی عبارت تو وقف کے لیے محض اس صورت میں واضح ہے۔ یہ جملے کہ میں اس شے کو وقف کرتا ہوں یا میری خواہش ہے کہ یہ دائماً اسی حالت میں رہے، واضح نہیں ہے۔ عمر الفاظ ”میں اس جائیداد کو مسجد کے لیے وقف کرتا ہوں“ اس جگہ کو بغرض عبارت وقف کرنے کے لیے کافی ہیں۔

کسی خاص شخص کے حق میں اس وقت تک وقف مکمل نہیں ہوتا جب تک کہ موقوفہ الیہ اسے منظور نہ کرے مگر ایک بار کے انکار سے بعد کی منظوری کسی طرح موثر نہ ہوگی وقف ان الفاظ میں ”یہ زمین ایک سال کے لیے وقف کرتا ہوں“ باطل ہے لیکن اگر یہ الفاظ اس طرح استعمال کئے جائیں کہ میرے بچوں کے حق میں وقف کرتا ہوں یا فلاں کے حق میں اس کے بعد اس کی اولاد کے حق تو میں بلا اضافہ مزید ایسا وقف خاندان کے سقوط کے بعد بھی بحسبہ قائم رہتا ہے۔

اگر مٹاؤ وقف معدوم ہو اور مستفیدین مفقود ہوں تو وقف قریب ترین اعزہ پر عود کرے گا۔ شافعی اصول کے مطابق وقف جس کے لیے ہو وہ اصلاً موجود ہونا چاہئے۔ مثلاً اس بچے کے حق میں وقف کرتا ہوں جو میرے بعد پیدا ہوگا تو احسا وقف ناجائز ہے اس لئے کہ وقف پر قبضہ لینے والا موجود نہیں ہے نیز درمیانی مستفیدین معدوم ہونے کی صورت میں وقف منسوخ نہیں ہوتا۔

ایک بشرط وقف

ایسے کسی واقعہ کے ہونے پر جو کبھی واقع نہ ہو وقف کا انحصار نہیں ہوتا مثلاً میں اس شرط پر وقف کرتا ہوں کہ زید آئے گا۔

وقف کی ناعد کردہ شرائط کی تکمیل ہونا چاہئے۔ مثلاً اگر یہ شرط ہو کہ موقوفہ زمین کرایہ پر نہ دی جائے گی۔ مگر قاضی کی اجازت سے ایسا ہو سکتا ہے۔ یا اگر کوئی مذہبی عمارت کسی خاص مسلک کے پیرو جیسے مذہب شافعی کے پیروؤں کے لیے وقف کی گئی ہو۔ موخر الذکر صورت میں محض اس مسلک کے پیرو وقف سے استفادہ کے مستحق ہوں گے اور یہی اصول کسی مدرسہ یا سرائے قدیم کی تعمیر میں یکساں منطبق ہوتا ہے۔ دو شخصوں کے لیے وقف اور مابعد غربا کے لیے تو ان میں سے ایک کے انتقال

پر آمدنی کا بقیہ حصہ دوسرے کو عود کرے گا نہ کہ غربا کو جو دونوں کے انتقال پر ہی استفادہ کر سکتے ہیں۔ اس اصول کے خود امام شافعی مؤید ہیں۔

بچوں اور اولاد کے حق میں وقف

اگر ان الفاظ میں وقف کیا جائے کہ یہ وقف میرے اور میرے بچوں کے لیے ہے تو اس کی آمدنی بچوں اور بچوں کے بچوں کو جو بوقت وقف ہوں ملے گی۔ خواہ یہ الفاظ بھی اضافہ کر دئے جائیں کہ جو ان کی اولاد میں ہوں یا نسلاً بعد نسلاً ہوں لیکن اس کے برعکس جب یہ الفاظ استعمال کئے جائیں ”میرے بچوں کے حق میں اور اس کے بعد میرے بچوں کے بچوں کے حق میں اور بعد ازاں یکے بعد دیگرے میرے بچوں کے بچوں کے حق میں یا پہلے اول الذکر کے حق“ تو میں اس طرح مسلسل محض اس آمدنی سے استفادہ کریں گے۔ مگر اول الذکر پہلے آئے گا جب وقف محض بچوں کے لیے ہو تو اس میں بچوں کے بچے شامل نہیں ہوتے۔ بانی وقف کی لڑکی کے بچوں کے بچے الفاظ نسل۔ آل۔ بطن۔ (یا بچوں کے بچوں) میں شامل ہیں تا وقتیکہ یہ واضح نہ ہو کہ وقف صرف ذکور بچوں کے بچوں کے لیے ہے۔

ایسے الفاظ جو ساتھ ساتھ آئیں ان کے ماقبل الفاظ میں سب شامل ہیں۔ مثلاً یہ جملہ کہ میں ان میں وقف کرتا ہوں جو میرے عزیز ہیں میرے بچے اور میرے بچوں کے بچے میرے بھائی یہی وہ ہیں جن کو واقف عزیز خیال کرتا ہے۔ یہی صورت اس وقت ہوتی ہے جب کہ بعد میں حوالہ نہ آئے اور اصل جملہ کے ساتھ کوئی شرط بڑھادی کی جاتی ہے بشرطیکہ یہ الفاظ حرف عطف اور جڑے ہوئے ہوں مثلاً میں اپنے بچوں اور اپنے بچوں کے بچوں، اپنے بھائیوں کے لیے جو میرے عزیز ہیں وقف کرتا ہوں۔ (یا بشرطیکہ ان میں سے کوئی بہت ہی بد اطوار نہ ہو)۔

جائیداد وقف کی ملکیت خداوند تعالیٰ میں منتقل ہو جاتی ہے یعنی اس جائیداد پر اور کسی کا بھی ذاتی حق ملکیت خواہ واقف خواہ موقوف الیہ اور مستفید ان قائم و باقی نہیں رہتا۔

جائیداد موقوفہ ملکیت ذاتی کے تابع نہیں ہوتی

وقف سے صرف مستفید منفعیت کا مستحق ہوتا ہے جو فی نفسہ یا بتوسل دیگر مثلاً

شے موقوفہ کو دو قرنیں یا کرایہ پردے سکتا ہے مستفید کرایہ یا آمدنی وقف شاہ پھول
پھل جانوروں کے دودھ اور ان کے بچوں پر مکمل حق ہوتا ہے وہ وقف شدہ جانوروں
کے بال اور ان کی کھال کا بھی مستحق ہوتا ہے۔

شامعی اصول مذہب کے مطابق درخت کے خشک ہونے پر وقف ساقط نہیں
ہوتا اس لئے کہ درخت کے خشک ہونے سے لکڑی کا استعمال ممنوع نہیں ہے۔ اگرچہ
بخش کے مطابق درخت بذریعہ نیلام فروخت ہونا چاہئے اور اس کی قیمت اس طرح
استعمال ہونا چاہئے جیسے کہ متولی نیلام کا فائدہ یہ جو اس کے بجائے دوسرے کی خدمات حاصل
کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ مسجد کی بوسیدہ چٹائیاں اور شبیر فروخت کر دینا
چاہئے اور یہ بخش اس صورت میں جائز ہے جب کہ وہ ایندھن کے کام کے رو جائیں۔ ایسی
زمین نہیں ہے کہ مسجد واقع ہے وہ کسی صورت میں فروخت نہیں ہو سکتی خواہ عمارت مسجد
برباد ہو چکی ہو اور اس کی مکرر تعمیر ناممکن ہو۔

تولیت کے متعلق قواعد

اگر بانی وقف انتظام وقف خود کے لیے مختص کرے یا یہ منصب کسی تیسرے کو
تفویض کر دے تو اس کو بردے کا لانا چاہئے۔

اگر واقف نے کوئی ایسا انتظام نہ کیا ہو تو یہ قاضی پر منتقل ہو جاتا ہے۔ وہ منبر
مقرر کرنے کا مجاز ہے۔ یہ ضروری ہے کہ منبر عمدہ چال چلن صحت جسمانی اور ذہنی
صلاحیتوں کی بنا پر اس منصب کا اہل ہو۔ منتظم کے فرائض میں جائیداد وقف کی نگرانی
وانتظام، کرایوں اور منافعوں کی وصولی یا بی اور مستحقین کو تقسیم شامل ہے لیکن اگر اسے
جزو اہی انتظام کا اختیار دیا جائے تو اسے منوفہ اختیارات کی حدود سے تجاوز کرنا منع
ہے۔ واقف ہر حالت میں منتظم کو علیحدہ کرنے اور اس کے بجائے دوسرے کو مقرر
کرنے کا مجاز ہے۔

وقف نامہ میں منتظم نامزد کرنے کا اختیار مختص نہ ہو تو منتظم کا جاری شدہ پٹہ
باوجود اضافہ شرت پٹہ یا مفید تر پیش کش کے بھی نافذ رہتا ہے۔

باب ۱۹۔ وقف کے آدابی قواعد

ضابطہ کار

ایک مستفید وقف اپنے حق کی نسبت کہ جائیداد موقوفہ کا اعلان کیا جائے یا آمدنی وقف سے اس کے حصہ کا تعین کیا جائے اس بارہ میں مسلم قانون بہت واضح ہے اس کے مطابق کوئی بھی مستفید قاضی کے روبرو کسی بھی وقت پیش ہو سکتا ہے اور قانوناً جس وادری کا وہ مستحق ہو حاصل کر سکتا ہے۔ اس سلسلے (حصول وادری) میں قانوناً کوئی پابندی نہیں ہے تاہم ہندوستان قانون سازوں نے بعض نوعیت کے مقدمات کے لیے کچھ اصول مقرر کئے ہیں جو قابل غور ہیں۔ خاص کر عدالت ہائے عالیہ کلکتہ و الہ آباد ضابطہ ہائے کار کے سلسلہ میں متفق نہیں ہیں۔ مسلم ممالک میں وہ عوامی نوعیت کے اوقاف جو عام پبلک مفاد کے لیے ہیں ان کا انتظام نگرانی دیکھ بھال گورنمنٹ کی مقررہ اشخاص کے سپرد ہے۔ مگر قاضی فرمانروائے وقت کے نمائندہ کی حیثیت سے اصلاً تمام اوقاف کا نگرانی مجاز ہے۔ انگریزوں نے جب مغل شہنشاہ کے تحت صوبائی حکومتوں کا انتظام سنبھالا تو تمام ملک میں بے شمار اوقاف پھیلے ہوئے پائے خاص کردہ اوقاف جو فرمانرواؤں وقف یا ان کے منصبداروں نے کئے تھے۔ کچھ عرصہ تک اوقاف کو اسی بد نظمی کی حالت میں جو وہ مسلم حکومت کے زوال پر تھے چھوڑ دیا گیا مگر ۱۸۱۰ء میں ایسے قانون کا نفاذ ضروری معلوم ہوا جس سے اوقاف اور عطیات کا تحفظ اور ان کی نگرانی ہو سکے۔ اور اسی غرض سے قانون ۱۹ بابت ۱۸۱۰ء نافذ ہوا۔

۱۸۶۳ء میں گورنمنٹ نے یہ مناسب سمجھا کہ ہندو اور مسلمانوں کے مذہبی اوقاف سے اپنا تمام تعلق علیحدہ کرے اور محض ایسے اداروں کا انتظام کرے جن کی نوعیت غیر مذہبی تھی۔ یہ خیال کیا گیا کہ ایک عیسائی حکومت کا ہندوؤں اور مسلمانوں کے مذہبی اداروں پر اقتدار (داخل) بے قاعدہ اور نامناسب ہے۔

اس غلط فہمی ہوش مندانه پالیسی کے نتیجے میں ۱۸۶۳ء کے ایکٹ ۲۴ کی تمہید اور

ابتدائی دفعات سے اس کی وسعت اور دوام کار نمایاں طور پر ظاہر ہے اور اس بارہ میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا کہ اس کا دائرہ منحس ان اوقاف تک محدود تھا جو اس ایکٹ کی دفعہ ۱۳، ۷، ۷ کے تحت متولیوں کو منتقل کئے گئے تھے۔

دل روز بیگم بنام نواب سید علی خان میں واضح طور پر یہ طے کیا گیا کہ ایسے انتقال کی صورت میں متولی و منجر کے خلاف حسب دفعہ ۱۸ کوئی بھی درخواست بابت ارجاع تائش بلا اجازت قابل پیش رفت نہ ہوگی۔ اس لئے کہ ایکٹ مذکور کے تحت بھی نگرانی اوقاف متولیوں پر منتقل نہیں ہوتی۔ ایسی صورت میں جب کہ ایکٹ کی دفعات کے تحت اوقاف کی نگرانی متولیوں پر کبھی منتقل نہ ہوئی ہو تو ابتدائی اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔ دراصل دفعات ۱۳، ۷، ۷ کے تحت انتقال ایک معیار (آزمائش) تھا کہ آیا نوعیت وقف عوامی تھی یا نہیں۔

اگرچہ ریویو بورڈ نے قانون ۱۸۱۰ء کے تحت اوقاف کو لے لیا تھا اور ما بعد قانون ۱۸۶۳ء کے بادی النظر میں متولیاں (ٹرسٹیز) کو منتقل کر دیا تھا تو یہ ایسا وقف تھا جن کے منافعوں میں عوام شرکت کے مستحق تھے۔ اس لیے دعاوی دائر کرنے کے لیے اولاً اجازت حاصل کرنا ضروری ہو گیا۔

بمقدمہ دل روز بیگم بنام نواب سید اصغر علی جو اصول ایکٹ ۲۰، ۱۸۶۳ء کی نوعیت اور حدود کے بارہ میں طے ہوئے۔ دو جان علی بنام رام ناتھ منڈل کے فیصلہ سے قطعاً مسترد ہو گئے۔ فیصلہ مذکورہ میں دراصل یہ طے کیا گیا کہ ہر مسجد مندر اور کالج یا کوئی مذہبی ادارہ جس کی امداد کے لیے سابقہ حکومتوں یا افراد نے زمین بطور عطیہ دی ہے وہ سب ایکٹ ہذا کے حدود اختیار میں آتے ہیں۔ پس ان اداروں سے متعلق کوئی دعویٰ بلا اجازت حسب دفعہ ۱۸ کے دائرہ نہیں ہو سکتا۔

نظیر مذکور کو عدالت کلکتہ نے بظاہر ایک دوسرے مقدمہ کے فیصلہ میں اختیار کیا ہے جس میں مدعی نے چند قطعات اراضی پر بازیابی قبضے کا دعویٰ خلاف متولی دائر کیا تھا۔ بنا دعویٰ یہ تھی کہ وہ وقف ہے اور اس کا منافع راہ گیروں اور دار و صادر کی خوراک اور بوقت شام، مسجد وردگاہوں کی روشنی اور نیز موقع عیدین پر ادائیگی نماز کے مصارف کے استعمال کے لیے تھا۔ مگر وہ کبھی ان مقاصد پر صرف نہیں ہوا۔

مدعیہ کا یہ بھی عذر تھا کہ اس کا متولی شوہر سابق متولی تھا۔ اس کی موت پر اس کے سوتیلے لڑکے نے جائیداد ہائے اوقاف پر قبضہ کر لیا اور تب ہی سے اس نے آراضیات اوقاف کے مقررہ پٹہ مدعا علیہ ۲، کو دیدیا پس یہ استدعا کی گئی ہے جائیداد ہائے متدعوئیہ کا پٹہ بیع و اجارہ منسوخ کیا جائے۔ مدعیہ یہ ثابت کرنے میں کامیاب ہوئی کہ ہر چار قطعات آراضی مذکورہ وقف تھے۔ عدالت ابتدائی نے اس کے حق میں ڈگری صادر کی۔ جس کی جج نے مابعد توثیق کر دی۔ عدالت عالیہ کلکتہ کے روبرو اپیل میں عذر اٹھایا گیا کہ وہ دعویٰ دائر کرنے کی مجاز نہیں ہے۔ فاضل جج ان عذرات کو منظور کرتے ہوئے درج ذیل وجوہ کی بنا پر دعویٰ خارج کر دیا۔

مقدمہ ہذا کے بیان دعوے کے مطابق وقف جزوا امور خیر و جزوا مذہبی اغراض کے لیے ہے۔ جہاں تک راہ گیروں کو خوراک مہیا کرنے کی صورت ہے یہ عوام کی کافی تعداد کے نزدیک وقف ہے۔ اس سے ایک خاص مقصد کی تکمیل ہوتی ہے پس یہ عام مقصد خیر کے لیے وقف ہے۔ مدعیہ کا منشاء دعویٰ متولی کی علیحدگی اور اس کے بجائے خود کا تقرر اور اپنی ذات میں جائیدادوں کا تفویض کرنا ہے۔

ضابطہ دیوانی کی دفعہ ۵۳۹ محض اس نوع کے مقدمات پر لاگو ہوتی ہے جو اصلاً وقف کے انتظام سے متعلق ہوں اور ایسا دعویٰ دفعہ مذکور کی شرائط کے مطابق ہی دائر ہو سکتا ہے۔ لیکن اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ وقف متدعوئیہ نہ ضابطہ عدالت دیوانی کی دفعہ ۵۳۹ کی منشاء کے مطابق ہے نہ کہ فلاح عام سے متعلق، نہ یہ مذہبی وقف جس پر کہ ایکٹ ۲۰، ۱۸۶۳ کا اطلاق ہو سکے۔ تاہم یہ تنہا تقرری تولیت اور حصول قبضہ جائیداد کے سلسلہ میں دعویٰ دائر کرنے کی مستحق نہیں ہے۔

عدالت ابتدائی نے یہ فیصلہ صادر کیا کہ مدعیہ سابق متولی مکرم علی کی زوجہ ہونے کی وجہ سے دعویٰ دائر کرنے کی مستحق تھی مگر محض یہ امر وجہ کافی نہیں ہے۔ اگر ہم یہ بھی سمجھ لیں کہ اس نے وقف میں دلچسپی رکھنے کی وجہ سے دعویٰ دائر کیا مگر عرضی عویٰ سے ظاہر ہے کہ وقف میں دلچسپی رکھنے والے اور بھی لوگ ہیں تو وہ ان کی طرف سے دعویٰ دائر کر سکتی تھی اور اس صورت میں دعویٰ کے لیے ان کو عدالت سے اجازت حاصل کرنا چاہئے ورنہ دفعہ ۳۰ ضابطہ دیوانی کی شرائط کی پابندی کرتی یہ سب کچھ نہ کرنے کی

وجہ سے ہمارے خیال میں اسے دعویٰ دائر کرنے کا حق نہیں ہے دعویٰ ہذا کو خواہ کسی پہلو سے دیکھیں یہ واضح ہے کہ وہ مناسب طور پر ترتیب نہیں دیا گیا اس لئے ناقابل پیش رفت ہے۔ بعد میں یہ معلوم ہو گا کہ یہ نظر یہ مسلم قانون کے احکامات کے صریحاً خلاف ہے اور ایسی قیود نائد کرتا ہے جو قانوناً تسلیم شدہ نہیں ہیں۔ عدالت عالیہ الہ آباد نے عدالت عالیہ کلکتہ سے اس بارہ میں اختلاف کرتے ہوئے طے کیا ہے کہ ہر مسلمان وقف قرار دئے جانے کے لیے فی نفسہ دعویٰ دائر کرنے کا مجاز ہے۔ یا اس کے مفاد میں اپنا حق ثابت کر سکتا ہے۔

ظفریاب علی بنام بختاور سنگھ

مقدمہ ظفریاب بنام بختاور سنگھ میں بعض مسلمانوں نے حجیہ الموسوم نجف علی شاہ پر قبضے کا دعویٰ کیا اور یہ بھی مطالبہ کیا کہ اس کارہن نامہ مورخہ ۲۸ مئی ۱۸۷۷ء اور ڈگری مورخہ ۱۸ مئی ۱۸۸۰ء اور عدالتی نیلام مورخہ ۳۰ مئی ۱۸۸۱ء منسوخ ہو کر ہر دو دیواریں منہدم کی جائیں اور مدعا علیہم کو بے دخل کیا جائے۔ مدعا علیہم نے یہ جواب دیہی کی کہ جائیداد متدعو یہ وقف یا وقف عام یعنی جو مسجد امام باڑہ قبرستان (جس میں بہت سے مقبرے تھے) پر مشتمل تھی یہ کہ مدعا علیہم جو جائیداد کا فیخبر تھا مدعا علیہم ۲، ۳، کے آباد واجداد تھے مدعا علیہم ۵ کو رہن کر دیا تھا۔ اور اس نے رہن سادہ کی بنا پر ڈگری حاصل کر کے جائیداد کو نیلام کر لیا جسے مدعا علیہم ۶، ۷، نے خرید لیا۔ یہ کہ مدعا علیہم ۵ نے بعد حصول قبضہ آرائشی پر دو دیواریں تعمیر کرائیں جن سے اصل اغراض وقف میں مداخلت ہوئی۔ اس تمام کارروائی کا مدعیان کو جب ۲۳ جون ۱۸۸۲ء کو علم ہوا تو دعویٰ دائر کیا گیا۔ مدعا علیہم کی جواب دیہی ہوئی کہ مدعیان دعویٰ دائر کرنے کے مجاز نہیں ہیں۔ عدالت ابتدائی کا یہ فیصلہ ہوا کہ مدعیان دعویٰ کے مجاز ہیں۔ اور کہا کہ عام اصول ہے کہ شکایت کنندہ فریق شکایات کی داد رسی کا مستحق ہوتا ہے۔ اسی اصول کی بنا پر معاملہ ہذا میں دلچسپی رکھنے والے مسلمانوں نے مدعا علیہم کے خلاف یہ دعویٰ دائر کیا ہے تاکہ عدالت ہائے انصاف سے شکایات کا ازالہ کرا سکیں۔ مسلم قانون مدعیان کو اس طریقہ کار کے لیے مجاز کرتا ہے۔ اور ہر مسلمان مذہباً اوقاف عامہ کو اغیار کی دستبرد سے بچانے کا حق رکھتا ہے۔

فاضل جج نے اپیل میں عدالت ابتدائی کے فیصلے کو اس بنا پر کہ مدعی کو دعویٰ دائر کرنے کا حق نہ تھا منسوخ کر دیا اور یہ بھی لکھا (حوالہ حالیہ اور قریب تر مماثل فیصلے عدالت پر سیڈنسی مصدرہ اگست جان علی بنام رام ناتھ منڈل تھا) میری رائے ہے کہ مدعیان کو دعویٰ ہذا کے لیے ایسی کوئی وجہ نہیں جو کہ وہ جائیداد کو وقف قرار دلا کر خود اس پر قبضہ کر لیں۔ وہ خود کو نہ ناجائیداد کا متولی بتاتے ہیں اور نہ اس میں کسی اور طرح انہوں نے اپنا خاص مفاد ظاہر کیا ہے اور نہ کوئی دستاویز وقف نامہ پیش کی ہے پس میں یہ خیال نہیں کرتا کہ دعویٰ ایکٹ ۲۰، ۱۸۶۳ کے تحت ہے اس لئے کہ منشاء دعویٰ خلاف نیچر بنائے بددیانتی نہیں ہے۔ لیکن اسے اس لئے فریق بنایا ہے کہ تنسیخ وقف نامہ کی استدعا ہے۔ بہر حال دعویٰ خلاف قاعدہ ہے۔ عدالت ہذا یا کسی دیگر عدالت میں بھی دعویٰ دائر کرنے کی اجازت کی درخواست پیش نہیں کی گئی۔ یہ عذر کہ وقف امر خیر کی خلاف ورزی ہوئی ہے تب بھی حسب دفعہ ۵۳۹ کلکٹر کی اجازت حاصل کرنا ضروری تھی جو نہیں کی گئی۔ مدعیان نے عرضی دعویٰ کے کسی حصے میں بھی یہ نہیں بتایا کہ انہیں دعویٰ کا اس لئے حق خاص حاصل ہے کہ وہ مبینہ مسجد میں نماز میں شریک ہوتے رہتے ہیں اور (نماز میں) شریک ہونے کا حق حاصل ہے بلکہ وجہ مناظ نالٹس محض یہ بتائی کہ مدعا علیہم نے جائیداد کو منتقل کر دیا ہے۔ اگر موخر الذکر کی جانب سے یہ دعویٰ دائر ہوتا تو عدالت اس کو طے کرتی مگر اصل مسئلہ یہ ہے کہ یہ جگہ عام عبادت گاہ ہے جو اس شہر کے میونسپل کمشنر ہی مناسب طور پر طے کر سکتے ہیں اور فی الاصل یہ طریقہ کار منشا قانون کے عین مطابق ہے۔ پس میں دعویٰ خارج کرتا ہوں۔

اپیل ثانی میں مدعیان نے عذر کیا کہ مسلمان ہونے کی بنا پر وہ قانوناً دعویٰ دائر کرنے کے مجاز تھے اور دفعہ ۵۳۹ ضابطہ دیوانی کے مقررہ اصول کے پابند نہ تھے دفعہ مذکور مقدمہ ہذا پر موثر نہیں ہے اور یہ کہ ماتحت عدالت مرافعہ نے مقدمے کا منشا غلط سمجھا کیونکہ دفعہ مذکور کے تحت کسی دادرسی کی استدعا نہیں کی گئی تھی۔ تحت دفعہ ۵۵۲ عدالت عالیہ کلکتہ نے عدالت دویم کے فیصلے کو منسوخ کیا اور یہ لکھا کہ مدعیان چونکہ مسلمان ہیں اس لئے مسجد میں جانے اور وقف سے متعلق ایک مذہبی عمارت کو کام میں لانے کے مستحق ہیں اس بنا پر صریحاً دعویٰ کے مجاز ہیں اس لئے ضابطہ دیوانی کی دفعہ

۵۳۹ کا اطلاق نہیں ہوتا ہمارے رائے میں وقف متدعویہ حسب دفعہ ۱۲۳ ایکٹ ۱۸۷۱ کے مفہوم کے مطابق ایک مذہبی ادارہ ہے۔ اس لئے مسلم قانون کا اس پر اطلاق ہوتا ہے پس حسب دفعہ ۵۶۳ ضابطہ دیوانی ہم مقدمے ہذا کو روکدادی تحقیقات اور تجویز کے لیے واپس کرتے ہیں۔

جواہر بنام اکبر حسین

بمقدمہ مابعد جواہر بنام اکبر حسین کو عدالت ہذا کی پوری بیخ نے طے کیا اس میں کسی مسلمان کے مسجد کو عبادت کی غرض سے استعمال کے حق تالش پر تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔ بیان دعویٰ میں ہے کہ موضع مملوکہ مدعی میں ایک شکتہ مسجد مسلمانوں کی عبادت کی غرض سے جس کی دیکھ بھال مدعی اور موضع کی دیگر مسلمان کرتے تھے اور چونکہ مسجد اور اس کے ملحقات وقف تھے موضع کی تقسیم کا ان پر کوئی اثر نہ تھا۔ مدعی مسجد کی مرمت کرانا چاہتا تھا مگر مدعا علیہم نے مسجد زمین کے ایک حصہ کو گھیر کر اس میں چکی نصب کر دی گئی۔ اور ایک خام خس تعمیر سے مسجد کو چارہ کے گودام میں تبدیل کر دیا تھا۔ تمام افعال خلاف قاعدہ تھے۔ یہ کہ مدعی نے مدعا علیہم کو سمجھایا اور قبضہ ہٹانے کے لیے کہا مگر انہوں نے کوئی توجہ نہیں کی بلکہ مدعیان کو مرمت سے روک دیا۔ چونکہ مدعا علیہم کے خلاف ورزی قانون افعال سے جائیداد وقف کی نوعیت متاثر ہو کر اس کے مذہب کی توہین ہوتی ہے مدعی نے ان وجوہ کی بنا پر استقرار حق کا دعویٰ دائر کیا کہ مدعا علیہ کی تعمیرات ہٹا کر وہ مسجد کی مرمت کا مستحق ہے۔ نیز احاطہ سے چکی و خس پوش ملبہ کو علیحدہ کرنے اور مسجد سے چارہ کا گودام خالی کرنا احاطہ کی دیواروں کو منہدم کرانے کا بھی مستحق ہے۔ بیان دعویٰ ان الفاظ پر ختم ہوتا ہے۔ ”مسلم مذہب کے اصول اور تحریری و لسانی شہادت کی بنا پر دعویٰ دائر کیا گیا ہے۔“ مدعا علیہم نے مدعی کے مبینہ افعال سے انکار نہیں کیا بلکہ جواب دہی میں علاوہ دیگر عذرات کے یہ عذر کیا کہ جائیداد ممتازہ مسجد نہ تھی بلکہ قطعہ خسروہ تھی جو زمانہ سابق میں لیروں سے حفاظت کی غرض سے تعمیر ہوا تھا اور یہ کہ مدعی کو اس کی تعمیر کا کوئی حق نہ تھا۔ عدالت ابتدائی نے یہ طے کیا کہ وہ مسجد تھی نہ کہ گڑھ اور یہ بھی طے کیا کہ مدعی بحیثیت مسلمان مذہبی عمارات کے محافظ کے

طور پر مرمت مسجد کا مستحق تھا۔ پس حسب دادرسی مدعی دعویٰ ڈگری کر دیا۔ اپیل میں مدعا علیہ نے عذر کیا ہے کہ چونکہ جائیداد موقوفہ ہے اس لیے تا وقتیکہ ایکٹ ۲۰، ۱۸۶۳ کے تحت مدعی ایڈوکیٹ جنرل کی اجازت حاصل نہ کرے نہ دعویٰ دائر ہو سکتا ہے نہ قابل پیش رفت ہے۔ عدالت نے پہلا عذر مسترد کر دیا۔

ایسا ہی بمقدمہ ظفر یعقوب بنام بختاور سنگھ عدالت عالیہ نے فیصلہ صادر کیا کہ دفعہ ۵۳۹ ضابطہ دیوانی کی لاگو نہیں ہوتی۔ مدعیان چونکہ مسجد میں داخلہ کے مستحق ہیں دعویٰ دائر کر سکتے ہیں یہ فیصلہ عدالت عالیہ کلکتے کی نظیر سے بالکل مختلف ہے (ملاحظہ ہو جان علی بنام رام ناتھ منڈل) عدالت ابتدائی کی ڈگری کی پس توضیح کی گئی ہے۔

مرافعہ ثانی میں مدعا علیہ نے عذر کیا کہ بصورت موجودہ دعویٰ ناقابل پیش رفت ہے اس لئے کہ مدعی نے دعویٰ کے لیے کوئی بناء دعویٰ ظاہر نہیں کی اور جیسے کہ اس موضوع میں غالباً دوسرے مسلمان باشندے بھی رہتے ہیں دعویٰ ہذا دفعہ ۳۰ ضابطہ دیوانی کے تحت ناقابل پیش رفت ہے۔ واقعات اور عذرات پر چیف جسٹس نے درج ذیل فیصلہ صادر کیا۔

مجھے اس بارہ میں کوئی شبہ نہیں کہ مدعی دعویٰ دائر کرنے کا مجاز ہے یہ مسئلہ اس طرح پیدا ہوا کہ ایسی جائیداد کو عجیب طرح سے رکھا گیا مذہب اسلام کے مطابق جائیداد آراضی متعلق مسجد ہے جو نہ تفویض ہو سکتی ہے اور نہ کسی کی ملکیت ہو سکتی ہے بلکہ اب چونکہ مسلمان اس ملک کی آبادی کا ایک حصہ ہیں۔ عام پبلک کو یہ حق تفویض نہیں ہوتا پس یہ حق ذاتی کے مماثل ہے اور ہر شخص بلا کسی رکاوٹ اپنے حق استعمال میں مداخلت کرنے والے کے خلاف دعویٰ کا مستحق ہے۔

یہ حق مشترک نہیں ہے بلکہ اس حق میں بہت سے افراد شامل ہیں دفعہ ۳۰ کا ایسے مقدمات پر اطلاق ہوتا ہے جب کہ بہت سے اشخاص کو مشترکاً دادرسی میں دلچسپی ہو اور دیرینہ قانون کے تحت ایسے تمام اشخاص کو شامل کرنا ضروری ہو۔ دفعہ ۳۰ مقدمہ میں رکارڈ کو ناموں کی گراں باری سے مانع ہے اور عدالت کی اجازت سے ایک یا زیادہ اشخاص کو سب کی طرف سے دعویٰ یا جواب دہی کا مجاز کرتی ہے۔ اس دفعہ کی ضرورت اس لئے پیش آئی تاکہ متمول اشخاص باہم مل کر ایک شخص کو پیروی مقدمہ کے لیے سامنے لا

کر تمام سرفہ سے بچ جائیں۔

مقدمہ ہذا میں ظاہر ہے کہ ایک انفرادی حق کے خلاف ورزی کی گئی ہے پس مقدمہ قابل پیش رفت ہے۔

فاضل بیج محمود کے الفاظ خاص طور پر قابل غور ہیں۔

میں مسلم لا کے مطابق نام اوقاف اور خاص طور پر مساجد کے بارہ میں چند جملوں کا اضافہ کرنا چاہتا ہوں۔ اولاً یہ بتانا ضروری ہے کہ مسلمانوں کو مقدمہ ہذا کے مثل دعویٰ کا حق حاصل ہے۔ اور اس کے لیے نظائر کے حوالے کی ضرورت نہیں ہے اس لئے کہ اس اصول سے فقہاء بخوبی واقف ہیں۔ موصوبہ ہذا پر اصول شرع یہ ہے کہ جب کوئی شخص اغراض مذہبی کے لیے وقف کا ارادہ کرے اور جب اسکی نیت کسی فعل مختص مثلاً قبضہ دہانی وغیرہ سے ظاہر ہو تو وقف فوراً تشکیل پا کر واقف جائیداد میں حقوق ملکیت سے محروم ہو جاتا ہے۔ مسلمان فقہاء کی اصطلاح میں یہ ملکیت خداوندی میں تفویض ہو کر قواعد وقف کے تابع ہوتی ہے۔ اور مخلوق خدا اس سے استفادہ کرتی ہے۔

مسجد اسی قسم کا وقف ہے جس میں مسلمین یا کسی بھی مسلمان کو نماز پڑھنے کا حق حاصل ہے۔ فاضل چیف جسٹس نے لکھا ہے کہ ہندوستان کے حالات میں مسجد عوام کو تفویض کی ہوئی خیال نہیں کی جاسکتی۔ مگر مسلم عوام کے بارہ میں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ کوئی بھی مسلمان عام لوگوں کی طرف سے دعویٰ دائر کرنے کا مجاز ہے۔ استعمال مسجد کے بارہ میں بقول فاضل چیف جسٹس کسی بھی مسلمان کا حق خانگی شرک کے حق کے استعمال کے مثل ہے اور کوئی بھی شخص جسے حق حاصل ہو دعویٰ دائر کر سکتا ہے۔ پس دفعہ ۳۰ ضابطہ دیوانی کے مطابق طے ہو جاتا ہے۔ دفعہ ہذا محض ان مقدمات پر لاگو ہوتی ہے جن میں انفرادی حق مداخلت نہ ہو مگر یہاں ایک چھوٹے سے گاؤں میں ایسی مسجد کا معاملہ ہے جس میں نمازیوں میں سے ایک کی ادائیگی نماز میں مزاحمت کی جاتی ہے اس کو ایک حق ذاتی تھا جس کی خلاف ورزی کی گئی۔

دفعہ ۵۳۱ ضابطہ دیوانی کے متعلق یہ بتانا ہے کہ میں بھی ان فاضل جج کی

بیچ میں تھا جس نے کہ یہ استصواب کیا تھا اور میں ان دلائل میں اضافہ کرنا چاہتا ہوں جن کی بنا پر یہ طے کیا گیا کہ دفعہ مذکور مقدمہ ہذا پر لاگو نہیں ہوتی۔ یہاں مسئلہ وقف یا متولی یا

وقف کی مالیت میں بددیانتی یا خیانت کا نہیں ہے اور نہ دعویٰ ہذا کا منشاء دفعہ ۵۳۹ کی مختلف اشکال کے بارہ میں ہے۔ اخیر میں مقدمہ جان علی بنام رام ناتھ منڈل مفصلہ عدالت عالیہ کلکتہ و ججان بارہ میں چند الفاظ لکھتا ہوں۔ یہ فیصلہ اس نتیجہ پر ختم ہوتا ہے کہ جہاں تک داد رسی کا تعلق ہے ہمارے خیال میں مدعیان کو بیان دعویٰ کے محض پیرا ۱۰ کی بنا پر دعویٰ کی اجازت نہیں دی گئی بلکہ بحیثیت مسلمان مسجد کے پڑوسی اور مسجد میں نماز یا جماعت کی پابندی سے یہ حق پیدا ہوا اور یہ تعلق دوسرے مسلمانوں کی کثیر تعداد سے مشترک ہے۔ لیکن اس میں ملک کی تمام آبادی نہیں آتی تاہم پڑوس کے کل رہنے والے شامل ہیں۔

معاملہ ہذا پر دفعہ ۳۰ ضابطہ عدالت دیوانی کا اطلاق ہونا چاہئے۔ دفعہ مذکور

اس طرح ہے۔

”جب کسی مقدمے میں ایک ہی مفاد کے ایسے بہت سے فریق ہوں تو بااجازت عدالت فریقین میں سے کوئی ایک یا ایک سے زیادہ پیروی مقدمہ یا (دائری دعویٰ یا جواب وہی) کے لیے بطور خود یا دیگر فریقین کی جانب سے کارروائی کے مجاز ہیں۔“ یہ بالکل ممکن ہے کہ اگر مدعیان نے دفعہ ۳۰ کے تحت عدالت میں درخواست پیش کی ہوتی تو ان کو دعویٰ کی اجازت مل جاتی۔ مگر اجازت حاصل نہ کرنے کی وجہ سے وہ دعویٰ دائر کرنے کے مجاز نہیں ہیں۔ ان حالات میں جواب دعویٰ کے پیرا ۲ میں مدعا علیہ کا عذر جس پر تنقیح ۲ قائم ہوئی ایک عذر معقول تھا اور ڈسٹرکٹ جج نے دعویٰ ہذا صحیح طور پر خارج کیا۔“

فاضل ججان جنہوں نے یہ فیصلہ صادر کیا ان کے حفظ مراتب کا لحاظ کرتے ہوئے ان کی اس رائے سے اختلاف کرتے ہوئے طے کرتا ہوں کہ شرع کا قطعی یہ اصول ہے کہ وہ اشخاص جن کو مسجد سے سب سے زیادہ تعلق ہوتا ہے وہ اس میں نماز ادا کرنے والے نمازی ہیں۔ میرے لئے یہ تصور بھی ناممکن ہے کہ اگر ان کا ہی مسجد سے تعلق نہ ہوگا تو کس کا ہوگا۔ مجھے یہ بتانا ہے کہ اگر مقدمہ ہذا دفعہ ۵۳۹ کے تحت ہے تو ان میں سے بعض کو ہی دعویٰ کا حق ہے مگر وجوہات کی بنا پر جو میری رائے میں نہ دفعہ ۳۰ نہ دفعہ ۵۳۹ ضابطہ دیوانی مقدمہ ہذا میں لاگو ہوتی ہے اور یہ کہ مدعی دعویٰ کا مجاز تھا۔

مدالت العالیہ الہ آباد کا فیصلہ شرح کے مطابق ہے

مدالت العالیہ الہ آباد کا فیصلہ احکام شرع کے مطابق ہے وہ مسلمان جو کسی وقف سے فائدہ حاصل کرتا ہے متولی کے خلاف دعویٰ استتقار حق کا مجاز ہے کسی بیجا مدانت کنندہ کے خلاف (جس نے جائیداد وقف کے حصہ میں تصرف بیجا کر رکھا ہو) بلا کسی دیگر شخص کو مفاد میں شامل کئے دعویٰ کا حق حاصل ہے۔

درالمختار اور ردالمختار کے وضع کردہ اصولوں سے واضح ہے کہ اول الذکر کے مطابق بعض مستفیدین دوسروں کی جانب سے دعویٰ دائر کر سکتے ہیں اسی طرح جیسے کہ بعض دوسروں کی نمائندگی کر سکتے ہیں اور اشیا کے مطابق ایسی کوئی تیسری صورت نہیں ہے جہاں ایسا ہو سکے۔

مصنف درالمختار لکھتا ہے کہ اسی طرح ایک مقروض کا افلاس بھی قرض خواہ کی موجودگی میں ثابت ہو سکتا ہے۔ (بالفاظ دیگر ایک قرض خواہ دوسرے قرض خواہان کی نمائندگی کر سکتا ہے) فقہاء کے نزدیک مدعی کی عدم موجودگی میں افلاس کی شہادت دی جاسکتی ہے اور یہی اصول نابالغ کی شادی اور اس کے سرپرستوں کے اعتراضات کے سلسلے میں لاگو ہوتا ہے۔ ہر دو مساوی سطح پر ہیں۔ یہی صورت ایک مسلمان کی ہے جو انتظامیہ سے امن نیز عام مسلمانوں کے راستہ سے ضرر العام ہٹانے کی درخواست دے سکتا ہے۔ یہ ذہن نشین رکھنا چاہئے کہ طلب قرضہ میں ایک وارث تمام ورثا کی نمائندگی کر سکتا ہے مگر آمدنی وقف میں جبکہ جائیداد اس کے قبضہ میں نہ ہو ایسا نہیں کر سکتا بعض مستحقین پوری جماعت کی جانب سے جب کہ وقف جماعت کے حق میں ہو اور واقف بھی ایک ہی ہو دعویٰ کر سکتے ہیں۔ ایسی صورت میں محض ایک شخص یا اس کا اپنے نام سے، بشرطیکہ وقف ثابت ہو دعویٰ کر سکتا ہے۔

اس سلسلے میں ردالمختار کی شرح اس طرح ہے پس بعض مستفیدین کی نمائندگی سب کی نمائندگی کے مماثل ہے اور وقف کے بعض متولی تمام کی جانب سے دعویٰ دائر کر سکتے ہیں جیسا کہ مذکور خانہ کے باب ۱۳ میں درج ہے۔

ایک شخص اپنے قرابت داروں کے حق میں وقف کرتا ہے اور دوسرا شخص خود

کو قرابت دار بتائے اس وقت اگر واقف زندہ ہے تو وہ دعویٰ کنندہ کا مقابل ہے ورنہ متولی ہوگا۔ اگر کئی متولیاں ہوں تب بھی ایک کے خلاف دعویٰ دائر ہو سکتا ہے یہ ضروری نہیں ہے کہ ان سب کو ہی شامل کیا جائے۔ متولی کا کوئی وارث مدعی علیہ نہیں بنایا جاسکتا۔

ایک وارث متولی کے اثاثے کی وصولیابی کے بارہ میں دوسرے ورثا کی بھی نمائندگی کر سکتا ہے اور ایک قرض خواہ کی موجودگی میں مقروض کا افلاس ثابت ہونا دوسرے قرض خواہوں کے لیے بھی لائق پابندی ہوگا اسی طرح ایک ولی کی ایک درجے کی رضامندی دوسرے ولیوں کے لیے بھی لائق پابندی ہوگی۔

اسی طرح ایک مسلمان کے کسی حربی کو امن دینے سے مسلمان پابند ہوں گے جیسا کہ سیر (خبر) میں ہے اسی طرح کسی مقتول کے ولی کا قصاص ترک کرنا ایسا ہے جیسے کہ تمام ولیوں نے قصاص معاف کر دیا ہو۔ یہ امر کہ آیا قصاص بالغ ولیوں کے معاف کرنے سے نابالغ ولی بھی اس کے پابند ہوں گے اس بارہ میں اختلاف ہے اصول یہ ہے کہ چونکہ معافی کا حق تقسیم نہیں ہو سکتا ایک کی معافی بمنزلہ سب کی معافی کے ہے تا وقتیکہ بالغ ولی نابالغ ولی کا غیر نہ ہو۔

مثلاً اگر مقتول نے ایک نابالغ لڑکا اور ایک بیوہ جو اس لڑکے (نابالغ) کی ماں نہ ہو چھوڑے ہیں۔

اسی طرح ایک شخص دوسروں (مسلمانوں) کی جانب سے عام مسلمانوں کی مشکلات دور کرنے کے لیے دعویٰ کر سکتا ہے بالفاظ دیگر ان کی تکالیف کے ازالے کے لیے دعویٰ دائر کر سکتا ہے مثلاً ایک شخص کوئی نالہ بناتا ہے تو عوام میں (جس کو بھی اذیت پہنچے) اس کے ازالے کے لیے دعویٰ کے ذریعہ دوسروں کی نمائندگی کر سکتا ہے۔ دیگر مستحقین یا متولیاں کو (جیسی بھی صورت ہو) شامل کئے بغیر ایک مستحق یا متولی کی جانب سے جواز وقف کے دعویٰ کی صورت میں محض مدعا علیہ کے عذر آور ہونے کی صورت میں مدعی کے دعویٰ کا حق نہ متاثر نہ زائل ہوگا۔

محض اس صورت میں جب کہ وقف ثابت کرنے کے لیے دعویٰ دائر کیا جائے شرعاً ایک دوسرا طریقہ کار ہے۔ یعنی اگر قاضی کی اجازت سے دعویٰ دائر کیا جائے تو دیگر اشخاص جو وقف سے دلچسپی رکھتے ہوں تو ان کی نمائندگی کی شرط کی تکمیل

ہو جاتی ہے۔

ہر وقف کے سلسلہ میں ایکٹ ۱۱، ۱۸۱۰ ایکٹ ۲۰، ۱۸۶۳ کے امور موخر الذکر ایکٹ کے تحت کا اس پر قبضہ نہ ہو۔ ایسے شخص کی جانب سے دعویٰ کے لیے جو وقف میں استفادہ کا مستحق ہو بطور شرط یا قبل اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔ ضابطہ دیوانی ایکٹ ۵، ۱۹۰۸ کی دفعہ ۹۲ جو ایکٹ ۱۳ دفعہ ۵۳۲ کے بجائے اس طرح ہے۔

”کسی وقف کی سرحد یا تعبیری خلاف ورزی کی صورت میں جو فلاحی یا مذہبی اغراض عامہ کے لیے ہوں یا کسی وقف کے انتظام کے سلسلہ میں کسی عدالت کی ہدایات کی ضرورت ہو تو رو یا زیادہ اشخاص جنکا اس وقف میں مفاد ہو وہ ایڈوکیٹ جنرل کی اجازت تحریری کے بعد عدالت ابتدائی دیوانی یا کسی دیگر عدالت میں جس کو حکومت نے مجاز سماعت کیا ہو اور جس کے حدود ارضی میں جائیداد موقوفہ کا کل یا جزو واقع ہو۔ درج ذیل امور کی ڈگری کے لیے دعویٰ دائر کر سکتے ہیں۔

(الف) کسی متولی کی علیحدگی کے لیے

(ب) نئے متولی کے تقرر کے لیے

(ج) متولیان میں تفویض جائیداد کے لیے

(د) حسابات کی جانچ یا تحقیقات کے حکم کے لیے

اس امر کی ہدایت کہ جائیداد موقوفہ کا کون سا حصہ یا اس میں مفاد وقف کے کن مقاصد کے کام آئے گا۔

(س) جائیداد وقف کے کل یا جزو کو کرایہ بیع۔ رہن۔ یا مبادلہ کا مجاز کرنا۔

(ش) کسی اسکیم کا طے کرنا

(ق) ایسی مزید یا دیگر داری جس کی نوعیت مقدمہ کے مطابق ضرورت ہو۔ یا

استثنا کے توقعات۔ ۱۸۶۳ کوئی بھی دعویٰ کسی جائیداد کے متعلق داری جو سب سکشن (۱) منقش کی گئی ہو جیسا کہ بتایا گیا سوائے سب سیکشن کی شرائط کے جو کہ اس کے مطابق ہوں کسی بھی صنعت کے لیے دائر نہیں کیا جاتا۔

پس اس سے ظاہر ہو گا کہ دفعہ ۹۲ کے احکامات کو وقف پر لاگو کرنے کے لیے

ضروری ہے کہ وقف عوامی امور خیر یا مذہبی اغراض کے لیے ہو۔ بالفاظ دیگر یہ عوام کو

تفویض کیا گیا ہو اور اس کے مستحقین عوام میں سے ہی منتخب ہوئے ہوں۔

یہ دفعہ ایک پبلک وقف کے وجود کو جزو ایا کلیتاً اس کے انتظام کے بارہ میں مقدمہ کی پیش کش قیاس کرتی ہے۔ یہ اشخاص مندرجہ کو متولیان کے خلاف وقف کے بہتر انتظام کے لیے دعویٰ کا مجاز کرتی ہے۔ جب یہ کہا جائے کہ دفعہ پیش قیاس کرتی ہے اس کا یہ منشا نہیں ہے کہ اس سے قبل کہ دفعہ کا اعلان ہو سکے وقف کو تسلیم کرے بلکہ وقف کے وجود پر مقدمہ چلنا چاہئے۔ خواہ اسے مدعا علیہ تسلیم کرے یا نہ کرے۔

پرائیوٹ او قاف افراد یا خاندان کی ذاتی ضروریات یا مدد کے لیے عوامی او قاف سے وہ او قاف مراد ہیں جو یا تو عوام الناس کے فائدے کے لیے ہو یا اس کا کچھ حصہ خاص مقصد کے لیے مختص کیا گیا ہو۔

خانگی او قاف میں مفاد ایسے ایک یا زیادہ اشخاص میں تفویض ہوتا ہے جو کہ قطعاً معین ہوں یا کسی وقف کے اندر معین ہو سکیں۔ اور جو مجموعی طور پر (تا وقتیکہ کوئی قانونی رکاوٹ نہ ہو) وقف مقررہ میں وقف کی نگرانی۔ تبدیلی یا معین کرنے کے مجاز ہوں گے ایک عام یا امر خیر سے متعلق وقف میں اس کے برعکس تکمیل مقصد کے لیے اس کی جماعت میں ایک غیر یقینی اور تغیر پذیر ممبران کی تعداد ہوتی ہے۔ حالانکہ وقف فی نفسہ دائمی نوعیت کا ہوتا ہے۔ ایسا وقف رفاہ عام جیسے کہ غرباء یا علم یا مذہب کی مدد یا فلاح عامہ کے مقاصد یا مذہب کی ترقی کے لیے ہو سکتا ہے۔ اگرچہ تمام مذہب کی غرض فلاح عامہ ہے۔

شرع میں عوامی وقف کون سے ہیں

ایک مسلمان کی مسجد (تا وقتیکہ یہ جامع مسجد نہ ہو) ایک نجی امام باڑہ جو کہ نجی طور پر تقسیم خیرات کے لیے ہو جیسا کہ بمقدمہ لطف النسابی بی بنام نظیر ابی بی میں ہے یا عوام کی کم و بیش محدود جماعت کے لیے ہو ایسا وقف فقہاء کے نزدیک عوام میں تفویض نہیں ہوتا۔ شرع میں ان او قاف کے درمیان واضح امتیاز ہے وہ جو اپنی نوعیت میں عوامی ہوں اور وہ جو پرائیوٹ (نجی) ہوں۔ وہ او قاف جو اپنی نوعیت میں عوامی ہوں غالباً دفعہ ۹۹ کے دائرہ میں آتے ہیں وہ مصالح عامہ سے متعلق ہیں۔

جیسے جامع مسجد۔ پل۔ نیز وہ جن پر عوام کے استعمال کرنے کا حق ہوتا ہے

مشاہد کارواں سرانے جن میں ہر شخص نہر سکتا ہے۔ نام شفا خانے۔ نام قبرستان۔ تمام لاہور میں۔ پبلک مدرسے۔ پبلک امام باڑے مثل حاجی عزیز محسن کے امام باڑے کے جو دہلی میں واقع ہے۔

ایسے اوقاف جو پرائیویٹ یا از قسم پرائیویٹ نوعیت کے ہوں۔ دفعہ ۹۲ کے احکام کی شرح لاگو نہیں ہوتے اور اوقاف کے بارہ میں دعویٰ کا حق نام قانون احکام کے مطابق ملے پانے کا۔

جائیداد وقف کی بازیابی کے لیے کون دعویٰ کر سکتا ہے

یہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ جب وقف کی نوعیت غیر مشتبہ ہو یا جائیداد موقوفہ تسلیم کر لی گئی ہو اور اس کے کئی متولیان ہوں تو اس سے ایک یا زیادہ دوسروں کو شامل کرنے بغیر جائیداد موقوفہ کے بارہ میں دعویٰ دائر کر سکتے ہیں۔ اگر کوئی متولی نہ ہو یا کوئی بطور متولی کام کرنے کو تیار نہ ہو تو مستحقین میں سے کوئی یا ان میں سے بعض دوسروں کے جانب سے۔ اگر وقف کے سلسلہ میں کوئی نزاع ہو تو متولیان میں سے بعض اور ان کی مدد سے موجودگی میں مستحقین میں سے بعض دوسروں کی جانب سے بااجازت قاضی دعویٰ دائر کر سکتے ہیں۔ ایسی جائیداد وقف کی بازیابی کے دعویٰ کا حق واقف کے ورثا یا اولاد کو نہیں ہے بلکہ مشترک متولیوں کو ہے ایسا شخص جو جائیداد موقوفہ میں خیانت کے لیے سزا پا چکا ہو وہ جائیداد موقوفہ کی بازیابی کے سلسلہ میں (فرائض متولیوں کی انجام دہی کی غرض سے) عدالت سے وادری حاصل نہیں کر سکتا۔

وقف کے مستحقین یا ان میں سے بعض مجاز ہیں کہ متولیوں کو جائیداد موقوفہ کو منسوخ کرنے یا ان کے غلط استعمال سے روک دیں۔

بچو لال بنام ولی اللہ

جب کئی متولیان ہوں اور ان میں سے بعض جائیداد موقوفہ کی بازیابی کے دعوے میں شامل ہونے کو تیار ہوں تو ضابطہ کار کے لیے بچو لال بنام ولی اللہ کی نظیر منطبق ہوگی جس میں طے کیا گیا ہے کہ جب بہتر سے متولی ہوں اگر ممکن ہو تو وہ سب کو مد میں بنادیا جائے گا لیکن ان میں سے جو انکار کریں ان کو مد عا علیہم بنادیا جائے۔

درج ذیل اصول کی بنا پر یہ ظاہر ہو گا کہ مقدمہ ہذا کی نظیر اصول شرع کے معیار کے مطابق نہیں ہے۔

اگر واقف اپنی موت تک متولی مقرر نہ کر سکے اور کسی شخص کو یہ ہدایات دے کہ اس کی موت کے بعد وہ کسی طرح کام کرے تو وہ شخص اس کی جائیداد اور اثاثہ کا وصی اور اس وقف کا متولی قرار پائے گا۔ بلال کے مطابق وقف کنندہ کا وصی معاملات وقف میں متولی سے اس طرح تعاون کرے گویا کہ وہی متولی مقرر کیا گیا تھا۔ محیط میں ایسا ہی آیا ہے۔ اگر کوئی کسی کو وقف کا متولی اور دوسرے کو وصی مقرر کرتا ہے تو موخر الذکر انتظام وقف میں متولی کا شریک کار ہو گا۔

اگر دو مختلف شہروں میں قاضی ایک وقف کے لیے دو متولی مقرر کرتا ہے تو شیخ امام زاہدی کے مطابق ان میں سے ہر ایک ان جائیدادوں کے (جن کو قاضی نے اپنی حدود اختیار رضی میں مقرر کیا ہے) انتظام کا مستحق ہو گا۔

اگر واقف وقف کی نگرانی دو شخصوں یا ایک متولی اور ایک وصی کو تفویض کرتا ہے تو ان میں سے کوئی بھی آمدنی وقف کو تنہا فروخت کرنے کا مستحق نہ ہو گا۔ امام ابو حنیفہ کے مطابق ایک شخص دوسرے کی اجازت سے ایسا کر سکتا ہے اور ایسا شخص دوسرے کو ہدایت دہندہ سمجھا جائے گا۔

اگر دو واقف ایک وقف کرنے میں شامل ہوں اور مشترکاً دو متولیوں کو مقرر کریں تو دونوں متولی مثل ایک سمجھے جائیں گے۔ لیکن اگر ان دونوں متولیوں کو دو مختلف قاضیوں نے علیحدہ علیحدہ مقرر کیا ہے تو وہ امام زہری کے مطابق وہ علیحدہ علیحدہ علی الترتیب (اپنے حدود اختیار میں واقع جائیدادوں کے متعلق) کارروائی کر سکتے ہیں۔

بعض مستحقین جس طرح دوسرے مستحقین کی جانب سے دائری دعویٰ کے مجاز ہیں اس طرح متولیوں میں سے بعض تمام جماعت متولیوں کی جانب سے دعویٰ دائر کر سکتے ہیں اور یہ وصی یا نکاح (ولی شادی) کی صورت ہے۔ تمام ولی اگر ایک سے زیادہ مراتب کے ہوں تو وہ ایک ہی سطح پر ہوتے ہیں اس لئے اگر ان میں سے ایک سب کی طرف سے مجاز ہو تو کوئی بیرونی شخص عذر آور نہیں ہو سکتا۔

اگر کوئی متولی ہو تو ماموز لہ، بلا اجازت قاضی ایسی جائیداد کی بازیابی کا دعویٰ (جو

کسی بیرونی شخص نے بیع یا غصب کر لی ہو) نہیں کر سکتا۔ اس لئے کہ یہ متولی کا حق ہے لیکن ایک مستحق، غاصب متولی پر دعویٰ کر کے منافع وقف میں حصہ قائم کر سکتا ہے۔

دعویٰ جب کہ جائیداد مسلمہ طور پر وقف ہو

اگر جائیداد مسلمہ طور پر وقف ہو تو وقف سے متعلق اشخاص میں سے بعض بلا اجازت قاضی دعویٰ دائر کر سکتے ہیں۔

درالغرر کے حوالہ سے بزاز یہ میں ہے کہ جب کوئی جائیداد غربا کے حق میں یا ان اعراس میں سے جو خوشنودی خداوند تعالیٰ کے لیے وقف کی جائے اور کوئی غاصب اس پر ناجائز قبضہ کرے تو ایسی صورت میں متولی کو دعویٰ بازیابی جائیداد کا حق ہے۔ اگر غاصب نے چھ تعمیرات کر لی ہوں یا درخت لگائے ہوں جو جائیداد وقف کو نقصان پہنچانے بغیر سے علیحدہ کی جاسکتی ہوں تو اسے علیحدہ کرنے کی اجازت دیدی جائے گی۔

مواخر الذکر صورت میں اگر اس کا قبضہ برنبائے نیک بنتی تھا تو معمولی معاوضہ مل جائے گا اگر متولی خود غاصب ہو یا بددیانتی سے اس نے کسی دوسرے کو جائیداد منتقل کر دی ہو تو استنادہ کنندگان متولی یا اس کے منتقل الیہ کے خلاف مشترکاً دائری دعویٰ کے مستحق ہیں۔

دعویٰ کا حق جبکہ نوعیت دعویٰ متنازعہ ہو

جب نوعیت وقف متنازعہ ہو تو کوئی بھی شخص جو دوسروں کے ساتھ مفاد وقف میں شامل ہو تو وہ جائیداد وقف (اگر اس کا بیجا تصرف کیا گیا ہو) کی بازیابی کے دعویٰ کا قاضی کی اجازت سے (بلا اختلاف رائے) مستحق ہے۔ اگر وہ بلا اجازت دعویٰ کرتا ہے اور وقف محدود افراد کے حق میں ہے تو اس مسئلہ کے بارہ میں اگرچہ دو رائیں ہیں لیکن زیادہ صحیح رائے یہ ہے کہ وہ قبضہ دہانی جائیداد کے لیے دعویٰ نہیں کر سکتا اس لیے کہ وہ دوسرے مختص اشخاص کے ساتھ آمدنی میں محض منافع کا مستحق ہے مثلاً اگر وقف A کے لڑکوں کے حق میں ہے یا زید۔ بکر۔ عمرو۔ حنیفہ کے لیے ہے تو ان میں سے کوئی بھی بلا اجازت قاضی جائیداد مقبوضہ کے لیے دعویٰ نہیں کر سکتا۔

یہ اصول جس وجہ سے مقرر کیا گیا ہے وہ ظاہر ہے۔ دوسرے مستحقین جو جائیداد

کے تحفظ کا خیال نہیں کرتے یا محض قیاسی دعویٰ کرتے ہیں اس لئے قاضی کو دیکھنا ہوگا کہ آیا دعویٰ کے لیے بادی النظری وجوہات ہیں لیکن ایک واحد مستحق شخص بلا اجازت دعویٰ دائر کر سکتا ہے۔ اگر کوئی وقف کسی جماعت کے حق میں ہو جس کے افراد کی تعداد غیر معین ہو ان میں سے کچھ بلا اجازت قاضی دعویٰ کر سکتے ہیں۔ وجہ یہ کہ وقف میں منافع کا حق مختص طور پر تفویض نہیں ہوتا بلکہ وہ سب جداگانہ اجتماعی طور پر بحیثیت جماعت منافع کے مستحق ہیں۔ مثلاً ایک مسجد کی صورت میں کوئی بھی شخص جو نماز کا عادی ہو اسے استعمال کا مکمل حق حاصل ہے اور اس کا حق دوسرے مسلمانوں کے حق سے بالکل علیحدہ ہے۔ نہ ان نمازیوں کی تعداد پر جو اس میں نماز ادا کریں پابندی ہو سکتی ہے پس نمازیوں میں سے کوئی بھی بلا اجازت قاضی دعویٰ دائر کر سکتا ہے۔ عدالت العالیہ کلکتہ کے نظائر میں اس فرق کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔

جب کسی وقف کے مفاد میں کئی مستحقین ہوں تو ان میں سے بعض بر بناغبین دوسروں پر دعویٰ کر سکتے ہیں۔

متولی اور وصی کی حیثیت یکساں ہے دو وصیوں میں سے ایک کا معاملہ کرنا مثل دو متولیوں میں سے ایک کے معاملہ کرنے کے ہے۔ اس لئے کہ بعض معاملات میں ہر دو متولی و ہر دو وصی یکساں ہیں۔ اور یہ کفایہ کا قول ہے۔ پس اگر دو متولیان یا وصیان میں سے ایک آراضی موقوفہ اجارہ پر دے تو یہ بلا دوسرے کی رضامندی کے جائز نہ ہوگا۔ اس میں شک نہیں کہ بعض فقہاء کی رائے میں وہ ضرور علیحدہ علیحدہ معاملہ کر سکتے ہیں ابواللیث کی رائے میں بھی یہ اصول مسلمہ ہے جو اختیار کر لینا چاہئے۔ مگر پہلا اصول جس کا مبسوط میں حوالہ ہے صحیح ہے۔ اور درر اور کاہستانی میں بھی اس اصول کو صحیح قرار دیا ہے۔

مصنف ردالمختار نے لکھا ہے کہ ایسا جب ہوتا ہے کہ جب دو متولیوں یا دو وصیان کو ایک ہی واقف یا ایک موصی یا ایک ہی قاضی نے مقرر کیا ہو پس ایک کے فعل کی جب دوسرا تصدیق کر دے تو جائز ہوگا اور اس کی ذمہ داری ہوگی۔

تجدید کی حسب قیاس ضرورت نہیں ہے یہی حالت اس وصی کی ہے جو متولی کا شریک کار ہے۔

تمید یہ میں اسمعلیہ کے حوالے سے ہے کہ اگر کوئی وصی بلا علم متولی کسی جائیداد کا حوالہ کرتا ہے اور اس میں سے کچھ ضائع ہو جاتی ہے تو وہ ہر جہ کا ذمہ دار ہوگا۔

ایک وصی یا ایک متولی کے افعال کہاں تک جائز ہیں

لیکن دو وصیوں یا دو متولیوں میں سے ایک کے افعال موصلی یا واقف کے کنٹن خریدنے یا اس کی تجبیز و تمغین کے بارہ میں جائز ہیں اور جائیداد موقوفہ سے قرضوں کی ادائیگی مقدمات کی پیروی یا اس کے حقوق کے بارہ میں کارروائی جائز ہے۔

ایک متولی یا ایک وصی کا متولی کی جائیداد کے مطالبات طلب کرنے یا ان کی وصولیابی کے بارہ میں دعویٰ دائر کرنے کی یہ سب کارروائی اصل ضرورت پر مبنی ہے مثلاً اگر دوسرا وصی کارروائی سے انکار کر دے اور اس کے فعل سے جائیداد موقوفہ کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو یا دوسرا متولی غیر حاضر ہو پس یہی کفایہ میں ہے اور اس کے شارع کا بستانی کا یہی منشا ہے۔ دائری دعویٰ کے حق کی ذخیرہ سے تائید ہوتی ہے مگر بقول ابو یوسف متولیوں میں سے کوئی بھی بطور خود کارروائی کر سکتا ہے بشرطیکہ واقف نے صریحاً وہ نون کے ایک ساتھ مل کر کام کرنے کی شرط نہ رکھی ہو۔ اگر ایک متولی کام کرنے سے انکار کر دے اس کے بارہ میں یہی سمجھا جائے گا کہ اس نے وقف ترک کر دیا ہے پس دوسرا متولی جائیداد کی حفاظت کے لیے کارروائی کر سکتا ہے تا وقتیکہ قاضی نے دوسرے کو مقرر نہ کیا ہو اور اس کو کلیتاً بحیثیت متولی مجاز نہ کیا ہو۔

ایک متولی کو دوسروں کے شریک کئے بغیر دعویٰ دائر کرنے کی اس بنا پر اجازت دی جاسکتی ہے کہ وہ مشترکاً دعویٰ دائر نہیں کر سکتے۔ اگر وہ دعویٰ میں شامل بھی ہوں تو ان میں سے ایک کو پیروی کی اجازت ہوگی درر میں ایسا ہی ہے۔

اگر کوئی شخص دو وصی مقرر کر دے اور ان میں سے ایک دوسرے کو اپنا وصی مقرر کر کے انتقال کر جائے تو پس ماندہ وصی موصلی کے بجائے واحد وصی کے طور پر کام کر سکتا ہے۔

اگر کوئی دو وصی مقرر کرے تو ابو حنیفہ اور ابو محمد کے مطابق موصلی کی جائیداد کے بارہ میں ان میں سے کوئی با استثناء چند معاملات کے تہا کارروائی نہیں کر سکتا یعنی

متوفی کے تجبیر و تکفین اس کے قرضوں اور ترکوں کی ادائیگی۔ غلاموں کو آزاد کرنا۔ جمع شدہ رقومات اور مقروضہ جائیداد کی بازیابی (مگر وہ جائیداد پر اور قرضوں کی بازیابی کے سلسلے میں تنہا کارروائی نہیں کر سکتے خواہ ان میں سے کوئی ایک اپنے حقوق کے بارہ میں دوسرے کے خلاف دعویٰ کر سکتا ہے۔ متولیان میں سے کوئی بھی ایک مندرجہ معاملات میں تنہا کارروائی کر سکتا ہے۔

کفن کی خرید موصلی کی تکفین اس کے نابالغ بچوں کو غذا اور لباس مہیا کرنا موصلی کی رقومات کو واپس کرنا اس کے قرضوں اور ترکوں کی ادائیگی غلاموں کی آزادی اور اس کے حقوق کے لیے مقدمے بازی۔

اگر آراضیات کے کئی مشترک متولیان ہوں تو ان میں سے کوئی بھی کرایہ وصول کر سکتا ہے۔ مگر متعلقین دستاویز میں سب شامل ہوں گے۔

اگر کوئی شخص بعد وقف دو متولیوں کو اپنے اپنے جانشینوں کی نامزدگی کا مجاز کرے کہ وہ مشترکاً ایک دوسرے کے ساتھ اتفاق رائے سے کام کریں اس کے بعد متولیان میں سے ایک کا انتقال ہو جائے اور واقف زندہ نہ ہو تو تمام اسناد کے مطابق پس ماندہ متولی کے لیے یہی طریقہ ہے کہ قاضی کو درخواست دے (بالفاظ دیگر عدالت اختیار سماعت معاملات دیوانی) کہ وہ اس کے ساتھ دوسرے متولی کا جانشین نامزد کرنے کی غرض سے مقرر کر دے۔

باب ۲۰۔ قانون وصایا

فصل اوّل

زمانہ قدیم میں اہل عرب کے رسم و رواج کے بارے میں (ان کے مشرف بہ اسلام ہونے سے قبل) بحث تحریری سے بخوبی ثابت ہے کہ جزیرہ نماے عرب کے فرقوں میں انتقالات دستاویزی سے ناواقفیت نہیں تھی۔ مگر معلومہ مواد سے ان حالات کے بارے میں کچھ بتانا مشکل ہے جن سے وصایا کے جواز و عدم جواز کے اصول مرتب ہوتے تھے۔ ربیعوں کے شدید مذہبی توابع جو یہودی قبائل میں سختی سے نافذ ہیں۔ ان کے ذریعے موسیٰ کو اس امر کی ممانعت تھی کہ اپنے جائز ورثہ کو جائشینی سے محروم کر دے لیکن انتقال بالوصیت کے ساتھ قبضہ دہانی کی صورت میں ربائین ایسے انتقال کو بظاہر جائز کہتے تھے۔ وصیت زبانی یا تحریری دونوں طرح ہو سکتی تھی مگر عام طور پر دونوں میں اول الذکر طریقہ زیادہ قابل ترجیح تھا۔

کام پاک میں انتقالات بالوصیت صریحاً جائز ہیں اور وہ مخصوص ہے اور یہ اجازت مسلمہ نسا بطوں اور شرائط کے تابع ہے۔

ہدایہ کے مطابق گو وصایا کی مناسب حال تعبیر جائز ہے مگر قیاس اس کے برعکس ہے وصیت کا اصل منشا یہ ہے کہ کسی شے کو اس طرح تفویض کر دیا جائے کہ اس کا نفاذ زمانہ آئندہ میں اس وقت تک معلق رہے جب تک کہ مالک جائیداد (موصی کا حق ملکیت اس میں زائل ہو جائے۔ اور بصورت وقف نفاذ زمانہ آئندہ کے لیے ملتوی رہے۔

اسی طرح ایک شخص دوسرے سے یہ کہے کہ میں تمہیں کل اس شے کا مالک بنا دوں گا تو یہ ناجائز ہے۔ اگر فرض بھی کر لیا جائے کہ اس واقف کی ملکیت (حصہ) اس شے میں اس وقت بھی قائم ہے تو اس سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ دستاویز اس وقت تک کے لیے کا اعدم ہو چکی ہے۔ بوجہ مزید قوی توجہ ناجائز ہے۔ اس باب میں زیادہ وسیع تعبیر کے دو

اسباب ہیں۔ اولاً ایک وہ ناگزیر ضرورت کہ انسانوں کی ناعاقبت اندیش و ناقص اعمال انسان کے حق میں میراث کا اختیار ہو کہ جب اس کی پر فریب امیدوں پر مایوسی کے سائے محسوس ہونے لگیں۔ مگر جب بیماری کا حملہ ہو جائے تو جائیداد کے ذریعہ اس طرح تلافی کرتا ہے کہ اگر مرض سے انتقال کر جائے تو اس کے مقاصد یعنی مکافات اعمال ہو کر ثواب اخروی مل سکے یا بصورت دیگر شفا یاب ہو جانے پر جائیداد مذکورہ اپنی حوائج پر صرف کر سکے۔ چونکہ وصایا کو قانونی شکل دینے سے یہ مقاصد حاصل ہو سکتے ہیں۔ اس لئے شرعاً اس کو جائز قرار دیا گیا ہے۔

ثانیاً وصایا کو قرآن پاک اور احادیث میں جائز قرار دیا گیا ہے۔ اور ہمارے تمام فقہاء بھی اس بارے میں متفق الرائے ہیں۔

اس موضوع پر M. Sautayra کی رائے خاص توجہ کی مستحق ہے۔

”مسلمانوں کے نقطہ نظر سے وصیت کی نوعیت مذہبی ہے۔ اس لئے کہ کلام پاک اس کی عملاً توثیق کرتا ہے۔ یہ موصلی کو کسی حد تک قانون وراثت میں تبدیلی کا موقع فراہم کرتا ہے۔ نیز رشتہ داروں کو جو ورثہ سے محروم ہو گئے ہیں ترکے سے کچھ حصہ پانے کا موقع ملتا ہے۔ نیز ان لوگوں کو حصہ ملتا ہے جنہوں نے اس کی خدمت کی ان کے معاوضہ خدمت کے اعتراف کے طور پر یا ان لوگوں کے اعتراف خدمت میں جنہوں نے اس کی آخری وقت دیکھ بھال کی۔ ساتھ ہی آنحضرت صلعم نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ یہ اختیار اس طرح استعمال نہ کیا جائے کہ جائز ورثا کا نقصان ہو۔ ابی وقاص کی مروی حدیث مذکورہ بالا رائے کی تصدیق کرتی ہے اور شرع کی عائد کردہ اس پابندی کو بنیاد فراہم کرتی ہے جو کہ کسی مسلمان کے انتقال دستاویزی پر عائد ہوتی ہے۔ ان کی روایت ہے۔ فتح مکہ کے سال اس قدر شدید بیمار ہو گیا تھا کہ مجھے اپنی زندگی کی امید نہ رہی۔ آنحضرت صلعم میری عیادت کے لیے تشریف لائے۔ میں نے عرض کی کہ میرے پاس وسیع جائیداد ہے لیکن بجز ایک لڑکی کے کوئی دوسرا وارث نہیں ہے۔ میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کیا میں سب کو بذریعہ وصیت منتقل کر سکتا ہوں؟ آپ نے جواب میں فرمایا۔ نہیں۔ اس پر میں نے علیحدہ علیحدہ دریافت کرنا شروع کیا کہ کیا میں دو تہائی یا نصف ترکہ میں دے سکتا ہوں تب بھی آپ نے نفی میں فرمایا لیکن جب میں نے یہ عرض کی

کیا کہ میں ایک ٹلٹ چھوڑ دوں اس پر آپ نے اثبات میں فرمایا کہ تم بذریعہ وصیت اپنی جائیداد کا ایک ٹلٹ دے سکتے ہو لیکن ایک ٹلٹ حصہ بھی بذریعہ وصیت دینا بڑا حصہ ہے۔ بہتر یہ ہے کہ تم اپنے ورثا کو عسرت کی حالت کے مقابلہ میں دولت مند چھوڑ جاؤ تاکہ انہیں دوسرے کے آگے ہاتھ نہ پھیلا مانا پڑے۔“

ان احکام کے نتیجہ میں شرع محمدی کے مطابق ایک موصی جائز ورثا کو انتقال وصیتی کے ذریعے نہ ان کو حصہ سے محروم کر سکتا ہے نہ جائیداد کا ایک ٹلٹ سے زیادہ منتقل کر سکتا ہے۔ وارث کو کسی بھی صورت میں وصیت میراث جائز نہیں ہے اگرچہ غیر وارث کو موصی کی جائیداد میں ترکہ بقدر ایک ٹلٹ جائز ہے۔ خواہ موصی کے ورثا ایک ٹلٹ پر بھی رضامند نہ ہوں ان اصولوں کی مناسب موقع پر تفصیل سے وضاحت کی جائے گی۔

یہاں تک اس بنیادی امر کو شرع کے مطابق وصایا کے بنیادی اصول کی وضاحت کرتے ہوئے اب میں بتاؤں گا کہ حسب شرع وصیت کی کیا تعریف ہے اور جائز انتقال وصیتی کی ضروری شرائط کیا ہیں۔ یا ایک وصیت جائز کیا ہو بہ الفاظ دیگر موصی کی اہلیت بابت وصیت کے بارے میں مجھے بتانا ہے۔

فصل دوم:- وصیت کی ہیئت و خصوصیات

فتہبانے وصیت کی تعریف یہ کی ہے کہ یہ ایسی دستاویز ہے جس کی رو سے ایک شخص اپنی جائیداد کو اس طرح منتقل کرے جو اس کے بعد موت نافذ ہو اور جو باعتبار نویت عین حیات غیر مستقل اور قابل تمسخر ہو۔ شرع کے مطابق وصیت زبانی یا تحریری ہو سکتی ہے۔ پس فادائے عالمگیری میں وصیت کی تعریف اس طرح کی گئی ہے۔ ”کسی مختص شے یا فائدے یا منافع میں حق ملکیت بصورت عطیہ اس طرح تفویض کرنا کہ وہ موصی کے انتقال پر ہی نفاذ پذیر ہو سکے۔“

شرائع میں بھی وصیت کی ایسی ہی ملی جلی تعریف کی گئی ہے۔ یعنی موصی کے انتقال کے بعد اصل شے یا اس کے فائدے میں حق ملکیت تفویض کرنا۔

شرع کے مطابق وصیت کا تحریری ہونا ضروری ہے نہ کوئی اور خاص طریقہ معین ہے۔ حتیٰ کہ زبانی اعلان کا اسلوب بھی جس سے کہ وصیت کی تشکیل ضروری ہو

معین نہیں ہے جب تک کہ موصی کا منشا بعد وفات انتقال ملکیت کو موثر پورا ظاہر نہ کرے کسی بھی نوع کا اظہار رائے جس سے اس نیت کی کافی نشاندہی ہو وصیت قرار دیا جائے گا۔ یہ وصیت نامہ موہوب کے وصیتی کے فائدے میں ہو یا کسی غرض یا مقصد سے بہ شکل وقف ہو، ان الفاظ کی ادائیگی سے وصیت کی جہت اختیار کر لیتا ہے۔

”میں نے فلاں شے فلاں شخص کے لیے ورثہ میں چھوڑی ہے“ یا ”میں نے فلاں کے حق میں ترکہ کیا ہے“ یا دوسرے الفاظ یا جملے جن سے انتقال جائیداد کا مفہوم وفات موصی پر نفاذ پذیر ہو۔

بمقدمہ اولیابی بی بنام علاؤالدین

یہ معلوم ہوا کہ ایک مسلمان خاتون کی جو دستاویزی وصیت تباکی وہ دراصل موصیہ نے جب کہ وہ مجاز وصیت تھی اس کی ہدایت کے مطابق اس نے مرتب کی تھی اس پر عدالت العالیہ الہ آباد نے قرار دیا کہ گو اس پر موصیہ کے دستخط نہیں تھے دستاویز جائز تھی۔

موصی کا ایک محررہ خط جس میں انتقال جائیداد کی ہدایات نہیں اس کو ایک جائز وصیت قرار دیا گیا تھا۔

وصیت اشاروں سے بھی ہو سکتی ہے جیسے کہ گونگا شخص جس میں گفتگو کی صلاحیت نہ ہو مگر اپنا مفہوم اشاروں سے ادا کر سکتا ہو۔ اسی طرح ایک مریض جو مرض الموت میں مبتلا ہو اور بوجہ ضعف گویائی سے معذور ہو۔ ایک مریض جو میراث چھوڑتا ہے مگر بوجہ ضعف گویائی سے معذوری کی بنا پر سر کا اشارہ کرے۔ یہ ضروری ہے کہ اس کی خواہش اشارہ سے واقع ہو۔ ان حالات میں اگر اس کا صحیح مفہوم واقع ہو تو میراث جائز ہے ورنہ نہیں۔ اس اصول کا اطلاق تبھی ہوتا جب کہ قوت گویائی حاصل کئے بغیر وہ انتقال کر جائے اور یہ ظاہر ہو کہ ترک میراث تک گویائی کی امید نہ تھی اور اس کی حالت ویسی ہی تھی جیسے کہ ایک گونگے شخص کی۔

بعض حالات میں بظاہر انتقال جائیداد فوراً اثر پذیر معلوم ہوتا ہے مگر موصی کی نیت جن جہات میں وصیت پر عمل کی نہ ہو تو ایسی صورت میں انتقال جائیداد بطور وصیت

نافذ ہوگا۔ شخص کو منتقل ہونے والی ایسی جائیداد جس پر تصرف ذاتی ہو ہرگز انتقال وصی کی تعریف میں نہیں آتی۔ جیسا کہ نواب امجد علی خان بنام محمودی بیگم کے قصبے سے ظاہر ہے۔ کسی بھی انتقال جائیداد کی نوعیت خواہ بصورت وصیت یا وصیت مابین اشخاص زندہ خواہ بصورت وصیت حال میں موثر ہونے والی ہو، یا مستقبل میں، یہ موصلی کی منشا پر منحصر ہو۔

ایک شرط وصیت

وصیت شرط کے اتفاقی واقعہ کے امکان پر منحصر ہو سکتی ہے ایسی صورت میں اس کا نفاذ کسی اتفاقی واقعہ کے وقوع پر مبنی ہوگا۔ ایسے بہت سے حالات ہیں جب قریب الوقوع خطروں کا حوالہ عام طور پر ہوتا ہے۔ مثلاً ایک شخص یہ کہے "اگر میں اس مرض میں انتقال کر جاؤں" یا "میں مقامات مقدسہ کی زیارت سے واپس نہ ہوں تو یہ ترکہ وغیرہ وغیرہ" یا "میں فلاں فلاں ٹھے کا ترکہ کرتا ہوں اگر میرے سفر مکہ کے درمیان مجھ پر کوئی واقعہ ہو جائے" ان سب حالات میں اگر کوئی اتفاقی واقعات وقوع پزیر ہوں تو وصیت نافذ ہوگی۔ خواہ وصیت کے الفاظ تحریری ہوں یا زبانی تاہم فقہانے ایک تحریری شرط وصیت اور ایک شریک وصیت میں امتیاز کیا ہے۔ ان کی رائے میں جب کوئی زبانی وصیت کا نفاذ کسی امر کے وقوع پر مبنی ہو اور وہ نہ ہو تو وصیت بنفسہ منسوخ ہو جاتی ہے۔ لیکن اگر موصلی کی خواہش تحریر میں ہے اور وہ تحریر کسی تیسرے شخص کو تفویض کر دی جائے اور اتفاقی واقعہ کے وقوع کا امکان بھی ختم ہو جائے مگر موصلی اس شخص سے تحریر واپس نہ لے تو یہی قیاس ہوگا۔ سابقہ وصیت کی تفسیح کی نیت نہ ہو تو اس کو نافذ کیا جائے گا۔ لیکن اگر وصیت نامہ ہمیشہ موصلی کے پاس رہے تو یہ قیاس نہ ہوگا۔ اگر وصیت ان الفاظ میں ہو "اگر میں انتقال کر جاؤں" یا "میرے ورثے سے اس قدر فلاں شخص کو ملے گا" تو یہ شرط وصیت نہ ہوگی بلکہ ایک سادہ وصیت ہوگی۔ کیونکہ وصیت کی اصل یہ ہے کہ موصلی کے انتقال پر ہی نافذ ہو۔

فصل سوم:- موصیان کی اہلیت

اہلیت موصی کے بارے میں مختلف فرقوں میں اگرچہ کافی اختلاف ہے تاہم سب کے نزدیک حریت (آزاد ہونا) ایک لازمی شرط ہے۔ اس لئے کہ ایک عبد (غلام) خواہ وہ اپنے آقا کے مکمل اختیار میں ہو یا اس نے فدیہ دے کر کچھ مشروط آزادی حاصل کر لی ہو وہ اپنی جائیداد کو بہہ بالوصیت نہیں کر سکتا۔ مگر ایک ایسے شخص کا ترکہ حالت معذوری میں اس نے کیا ہو جائز ہو گا بشرطیکہ وہ آزاد ہونے کے بعد موثر ہو نے والا ہو۔ ایک قیدی ہو کسی جرم میں قید ہو وہ معذور نہیں ہے۔ اس لئے کہ قانوناً اس کی آزادی سلب نہیں ہوتی کہ وہ اپنی جائیداد کے بارے میں کوئی معاملہ ہی نہ کر سکے۔ اس لئے کہ جرم کی سزا میں اس کی جائیداد کسی دوسرے کو تفویض نہیں ہوتی مگر ایک غلام خواہ وہ قطعی غلام ہو یا مشروط ہو جو اپنے آقا کے اختیار کے تابع ہو جائیداد رکھ سکتا ہے

عقل

جو از وصیت کے لیے عقل بھی ایک شرط لازمی ہے۔ فتاویٰ عالمگیری کے مطابق کسی بھی شخص کا چھوڑا ہو ترکہ جو بلا معاوضہ کام کرنے کا اہل نہیں ہے کالعدم ہے۔ پس کسی فاترالعقل شخص یا مکاتب (وہ غلام جس نے اپنے آقا سے پھر دتی یا خلاصی کا معاہدہ کیا ہو) یا ماذون (وہ غلام جس نے اپنے آقا سے خود کے لیے کام کرنے کا اجازت نامہ حاصل کر لیا ہو) کا ترکہ باطل ہے۔ ایک شخص بوقت وصیت فاترالعقل ہو مگر صحت عقل کے بعد انتقال کر جائے لیکن بوقت ترکہ وہ اہل نہ ہو تو ترکہ ناجائز ہے۔

انگلش قانون کے مطابق ایک وصیت جو حالت ثبات عقل کے وقفہ میں کی جائے وہ جائز ہے۔ بہ الفاظ دیگر اگر ایک شخص اپنے حالات بادی النظری شہادت کی بنا پر گو فاترالعقل ہو اور اس طرح وصیت کی ناجوازی ظاہر ہو تاہم اس کے تابع نہیں ہے کہ دستاویز ثبات عقل کے دوران تحریر کی گئی ہو۔ اصول شرع اس سے مختلف ہے۔

قاضی خان کے مطابق اگر کوئی شخص بعد وصیت دایمہ پاگل ہو جائے تو ایسی صورت میں وصیت باطل ہوگی اگر یہ کیفیت (پاگل پن) چھ ماہ سے زائد نہ رہے تو ترکہ منسوخ نہ ہوگا۔

قانوناً مکمل طور پر (جائیداد) منتقل کرنے والے ذہن کی ضرورت ہے اور ایک شخص جو ترکے کے تھوڑے عرصہ بعد ہی پاگل ہو جائے یا اس وقت پاگل ہو تو یہ قیاس کیا جائے گا کہ اسے اپنے فعل کی نوعیت سمجھنے کی اہلیت نہ تھی۔

اسی طرح اگر کوئی شخص ترکہ چھوڑے بعد ازاں گراہ کن ادہام میں مبتلا ہو کر اس کی عقل زائل ہو جائے اور اپنی موت تک ایسی حالت میں رہے تو وصیت باطل ہوگی۔ مندرجہ بالا اصول سے ظاہر ہو گیا کہ جب کوئی شخص فاتر العقل ہو مگر بحالت صحت ترکہ کرے تو یہ ترکہ ناجائز ہوگا۔

ان ہی وجوہات کی بنا پر ایسے شخص کی وصیت جو بعد ترکہ فاتر العقل ہو، باطل قرار دی جاتی ہے۔ پس مکمل صحت عقل شرط ضروری ہے۔

شرائع کے مطابق مکمل صحت عقل جواز وصیت کے لیے ضروری ہے۔ جامع الثبات کے محولہ مقدمات اور فقہ حنفی کے منشاء عام سے ظاہر ہے کہ اصلاً جس چیز کی ضرورت ہے وہ ایسا ذہن ہے جو قبل وصیت کا ادراک کرتا ہے۔ بالفاظ دیگر ایسا ذہن جو جائیداد کے ترکہ پر آمادہ ہو اور اپنے فعل کی نوعیت کو سمجھنے کی اہلیت رکھتا ہے۔ محمدی اور شافعی اصول کے مطابق جواز وصیت کیلئے ترکہ کرنے والا ذہن ضروری ہے پس محض جزوی توہم کی وجہ سے اس کی وصیت کرنے کی اہلیت زائل نہ ہوگی۔ عام کلیہ کے مطابق یہ بتایا جاسکتا ہے کہ شرع کے اصولوں کے مطابق ایسے اشخاص جو خاص وجہ سے ذہنی ادہام میں مبتلا ہوں لیکن ان کی قوت ادراک متاثر نہ ہوئی ہو، جائیداد منتقل کرنے کے لیے ان کی یہ اہلیت اصلاً انگلش قانون کے مسلمہ اصولوں کے مماثل ہے۔

انتقال جائیداد کی اہلیت محض فتور عقل سے ضائع نہیں ہوتی تاہم ایک تیسرے احمق کی وصیت باطل ہے۔ محض ضعف عقل جو بوجہ درازی عمر عبلت یا اور کسی سبب سے ہو، اختیار وصیتی کو زائل کر دیتا ہے۔ اہلیت انتقال کا فقدان عارضی یا مستقل ہو سکتا ہے۔ ایک عارضی فقدان شراب نوشی، بیہوشی یا بیماری سے ہو سکتا ہے۔ کسی کمزور ذہن والے پر دہاؤ بے جا بھی یہی نتیجہ مرتب کرتا ہے۔

ایسے شخص کے انتقال جو مرض الموت میں مبتلا ہو

شرع کے مطابق وہ شخص جو ایسے مرض میں (جس سے موت کا خطرہ ہو) مبتلا ہو اور بالآخر اس مرض میں انتقال کر جائے اس کے انتقال کا اثر جائیداد پر محض محدود طریقے پر نافذ ہوگا۔ مثلاً اگر کوئی شخص جو مرض الموت میں مبتلا ہو بہہ یا وقف کرے اگرچہ ایسا انتقال فوراً ہی موثر ہوتا ہے مگر یہ بطور وصیت نافذ ہوگا اور وہ بھی محض اسی حد تک نافذ ہوگا جہاں تک کہ وصیت جائز ہو سکتی ہے۔

یہ موصی کے ترکہ کرنے کا ذہنی حالت یا اس کے خود بہ خود عمل کی کیفیت سے علیحدہ صورت ہے۔ قانوناً یہ قیاس ہوگا کہ جو شخص بھی ایسی حالت میں ہو وہ انتقال جائیداد کی اہلیت سے مکمل طور پر محروم ہے پس انتقال (بالرضا جن کا نفاذ فوراً ہوتا ہے) میں منتقل کنندہ کی حالت بوقت انتقال کا جائزہ لینا ضروری ہے۔ اگر وہ اس وقت بہ حالت صحت ہے تو تمام جائیداد کے انتقال جائز ہیں۔ اگر وہ بحالت صحت نہیں کئے گئے ہیں تو وہ ایک ثلث کی حد تک جائز ہیں۔ بشرطیکہ یہ انتقال ارث کے حق میں نہ ہو۔ افعال انتقال سے وہ افعال مراد ہیں جو روشناس یا استقرار پیدا کرنے والے ہوں۔ اور ان کی نوعیت کسی نہ کسی طرح بلا معاوضہ ہو کسی شخص کا بحالت علالت اقرار قرض اس کی تمام جائیداد پر موثر ہوتا ہے اس طرح اقرار قرض بحالت علالت تمام جائیداد پر ہر طرح موثر ہے۔ ایک فعل انتقال جو انتقال کنندہ کی موت تک نافذ ہونے والا نہ ہو وہ اس طرح ہے جیسے کوئی کہے ”میری موت کے بعد تم آزاد ہو“ یا ”میری موت کے بعد یہ زید پائے گا“ یہ سب جائیداد کے ایک ثلث تک موثر ہے خواہ یہ انتقال بحالت صحت ہی کیا گیا ہو۔ آزاد کرنا مہابات۔ وقف بہہ اور ضمانت جو کسی بیمار نے دی ہو یہ سب مثل ترکہ جائیداد کے ایک ثلث پر ہی نافذ ہوں گے۔ وہ امراض جن سے قدرتنا موت کا اندیشہ پیدا ہو اور جو اصطلاحاً مرض الموت کہلاتے ہیں ان کی پہلے تشریح کر دی گئی ہے۔ بعض مزید تشریحات کا بغرض افادہ اضافہ کیا جاتا ہے۔

مرض الموت

”کاہستانی کے مطابق مسلمہ اصول یہ ہے کہ مرض الموت ایک ایسی بیماری ہے

جس میں موت واقع ہو۔ خواہ مریض صاحب فراش نہ ہو ایک طویل بیماری کو اس طرح مرض الموت قرار نہیں دیا جاتا کہ اس کی تمام جائیداد کو فہقل کرنے کی اہلیت کو محدود کر دیا جائے۔ چونکہ نکاح کا سلسلہ طویل عرصہ سے ہے اس بنا پر طبیعت ثانیہ بن جاتا ہے جیسے کہ نابینا اور لنگڑے اشخاص کی صورت میں جس سے کہ موت قریب میں ہی لاحق ہو اور مرض کی کیفیت بڑھتی رہتی ہے تاکہ موت واقع ہو جائے مگر جب یہ کیفیت زیادہ عرصہ تک یساں رہے یا مرض میں ایسے غیر محسوس طریقہ پر اضافہ ہو کہ مریض کو موت کا کوئی اندیشہ نہ ہو یا وہ مرض کا عادی ہو جائے تو یہ مرض الموت کی تعریف میں نہیں آتا۔

”اگر ابتدائے مرض کے بارے میں بعد موت واقع ہو تو تمام جائیداد کا انتقال جائز ہے لیکن جب کہ کسی مرض میں اس مدت سے پہلے موت واقع ہو جاتی ہے جو کہ معمولاً بلائمت کی صورت میں ہوتا ہے اور حصولی اتنا معذور ہو جائے کہ مکان سے باہر اپنے مشاغل کو معمولاً انجام نہ دے سکے یا عورت ہے تو اپنے مکان میں فرائض خانہ داری کی انجام دہی سے قاصر ہو تو ایسے مرض کو مرض الموت قرار دیا جائے گا اور اس حالت میں انتقال جائیداد محض ایک ٹمٹ کے لیے ہی نافذ ہو گا۔“

ایک ایسی عورت جو تقریباً معذور ہو اس کا بلا بدل انتقال یک ٹمٹ کے لیے جائز ہو گا۔ اسی طرح اگر انسانوں کے دو گروہ ایک دوسرے سے متصادم ہوں جس کا خاتمہ خونریزی اور بعض کی موت پر ہو تو مرض الموت کا اصول لاگو ہو گا یعنی انتقال نافذ ہو گا لیکن تصادم نہ ہونے کی صورت میں ایسا نہ ہو گا۔ پس اس طرح ایک ایسے شخص کا انتقال جائیداد جو سمندر میں طوفان سے گھر گیا ہو یا ایسا قیدی جسے سزائے موت دی گئی ہو اس کے انتقال پر بھی یہی اصول لاگو ہو گا۔“

شیعہ فقہ کے احکامات

شیعہ فقہ کے احکامات اس موضوع پر مماثل ہیں۔ تاہم بعض مختلف فرقے خاص توجہ کے مستحق ہیں ”جو اہر الکلام“ کے مطابق کسی شخص کے بہ حالت مرض الموت انتقال دو قسم کے ہیں۔

ایک۔ التواشدہ جو موصی کے انتقال تک موثر نہیں ہوتے اور ایک وہ جو فوراً

نافذ ہوتے ہیں۔

اول الذکر کو ہر حیثیت سے ہمارے فقہ کی متفقہ رائے کے مطابق ترکہ ہی سمجھنا چاہئے اور ایک تندرست آدمی کے افعال انتقال جائیداد جو وہ موت کے پیش نظر کرتا ہے تاکہ اس موت پر ہی نافذ ہوں۔

افعال کی دوسری صورت یہ ہے جو فوراً موثر ہونا چاہیں اور مثل مہابات یا چشم پوشی کے ہیں مبادلہ کے معاہدے بہہ اور وقف اور خلاصی (غلاموں) میں آتے ہیں۔ ہمارے بعض فقہاء کے نزدیک یہ افعال وقف کی تمام جائیداد پر حاوی ہیں مگر بعض کے نزدیک محض ایک ثلث پر حاوی ہیں ہر دو کے اصولوں کے مطابق اس پر اتفاق رائے ہے کہ اگر کوئی شخص بیماری سے اچھا ہو جائے تو یہ افعال اس کے اپنے لئے اور ورثا کے لیے جائز ہیں۔ اور اختلاف رائے محض اسی وقت ہے جب اسی مرض میں اس کا انتقال ہو جائے۔

مرض الموت کے متعلق شیعہ اصول

یہاں ان امراض کا حوالہ دینا ضروری ہے جن کی بنا پر ایک شخص کو اسی ایک ثلث سے زیادہ جائیداد کے انتقال کے لیے منع کیا گیا ہے۔ اس کے لیے یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہر مرض جس میں عام طور پر موت کا اندیشہ ہو، خطرناک ہے جیسے کہ سرخ بخار، دق اور جریان خون وغیرہ۔

وہ امراض جن سے عام طور پر ایک شخص صحت یاب ہو جاتا ہے ان کا انتقال جائیداد پر کوئی اثر نہیں ہوتا اور وہ اسی طرح ہے جیسے کہ اس نے حالت صحت میں (انتقال جائیداد) کیا ہو۔ مثلاً معمولی بخار، درد، سر، خواہ، مرض میں اضافہ ہو یا نہ ہو جیسے آشوب چشم اور زبان پر دانہ۔

مگر یہ کہ وہ امراض جو ان دونوں ہی صورتوں میں شامل ہیں یعنی خطرناک امراض وہ شدید بخار ڈائریا، اور پھیپھڑوں کی سو جن میں یہ زیادہ بہتر ہو کہ ان تمام امراض کے اثرات پر غور کیا جائے جن کا انجام عموماً موت ہے۔ خواہ وہ رواجاً خطرناک ہوں یا نہیں مگر دوران جنگ اور تصادم کے مواقع یا کسی عورت کی بچے کی پیدائش یا سمندری طوفان سے ان امراض کو منسوب نہیں کیا جائے گا جو کہ انسان کے اختیار انتقال جائیداد کو

زائل کرے۔ دراصل اسطلاح مرض الموت ان پر مطلق لاگو نہیں ہوتی ایسے مرض کا انتقال وصیتی جس میں وہ انجام کار فوت ہو جائے شرائع نے اس طرح واضح کیا ہے۔

”(الف) جب کسی شخص نے بحالت مرض بیہ کیا ہو اور مہابات کا معاملہ کیا ہو جائیداد کا ایک ٹمٹ دونوں ہی اغراض کے لیے کافی ہو ایسی صورت میں ہر دو کا نفاذ ضروری نہیں ہے لیکن اگر کم رو جائے تو متوفی کا پہلا فعل لایق ترجیح ہے اور اس کے دوسرے افعال کو بکے بعد دیکرے نافذ کیا جائے تاکہ تیسرا بھی ختم ہو جائے ایسی صورت میں منس آخری کا اثر مرتب ہوگا۔

(ب) جب کہ فوراً موثر ہونے والا بیہ اور وہ بیہ جس کا نفاذ ملتوی کر دیا گیا ہو یا معلق ہو اور دونوں ایک ہی وقت میں کئے جائیں تو ایسی صورت میں اول الذکر کو ترجیح دی جائے گی لیکن بعد والا بھی نافذ ہو گا بشرطیکہ سزا دونوں اغراض کے لیے کافی ہو۔ اگر ایسا نہیں ہے تو موخر الذکر جس حد تک کہ تیسرے میں گنجائش ہو جائز ہے۔ بقیہ کا عدم ہوں گے۔

(ج) ایسا مریض جس کے پاس ایکلڑ (پیمانہ) سے زیادہ کسی قسم کا غلہ چھ دینار سے زیادہ مالیت کا نہ ہو، اسے کم تر قسم کے غلے کے عوض میں جس کی مالیت دو دینار ہو فروخت کرتا ہے۔ اس طرح اس کی تمام حقیقت کو اس مہابات سے نصف کا نقصان ہوتا ہے۔ حالاں کہ جائز طور پر وہ ایک ٹمٹ سے زیادہ کو منتقل نہیں کر سکتا اور خریدار کو اس کے ورثا کو دے دینا چاہئے مگر یہ سب سودی ہو گا پس اس کو ایک جائز سودے کے معاملہ کی شکل دینے کے لیے یہ ضروری ہے تاکہ وہ ورثا کو ان کے اچھے کر جس میں سے ایک ٹمٹ دے پس ورثا کے پاس ایک طرح دو تہائی گرہ یا اس کی مالیت کے دو دینار دیں گے اور خریدار کے پاس دو تہائی کر رہے گا یا اس کی مالیت کے چار دینار رہیں گے جو دو دینار یا چھ کے سوا کمال مالیت سے زائد ہوں گے پس یہی وہ رقم ہے جو کہ بیچوال اپنی آخری بیماری میں جائز طور پر دے سکتا ہے۔

(د) اگر ایک مریض کوئی شے مالیتی دو سو روپیہ فروخت کرے مگر بعد میں اچھا ہو جائے تب بھی معاہدہ اس کے لیے قابل پابندی ہے لیکن بصورت انتقال اس کے ورثا تصدیق بیع سے انکار کر دیں تو یہ اس شے کے نصف تک جائز ہو گا نصف چھ کے تین حصے اور

مہابات دو تہائی یا چھہ کا ۳ راتک کے لیے جائز ہے اور یہ سب مل کر تمام شے کا ۶/۵ ہو جاتا ہے جہاں تک بیع جائز ہے اور بقیہ ۶/۱ کے لیے یہ باطل ہو گا جو ورثا کو واپس کر دینا چاہئے۔“
 خریدار کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ بیع کو اس سودے کی جزو اناجوازی کی وجہ سے منسوخ کر دے یا اس پر قائم رہے لیکن اگر وہ موخر الذکر صورت اختیار کرتا ہے اور اس شے کا ۶/۱ بطور معاوضہ ورثا کو دیتا ہے تو ان کو بھی یہ اختیار ہے کہ وہ اسے منظور یا نا منظور کریں۔ ان کا حق شے کی اصل میں شامل ہے۔ ان احکامات کا نتیجہ یہ ہے کہ مرض الموت میں مبتلا شخص کا اتصال وصیتی اس کے اثاثہ کے ایک ثلث تک جائز ہے بشرطیکہ بوقت انتقال موصی کے حواس بجا ہوں اس لئے یہ فعل اپنی خواہش اور اظہار منشا کے طور پر کیا تھا۔

بحالت مرض الموت اقرار بار

حالت مرض الموت یا اندیشے موت سے جو بھی بلا عارضہ یا بخوشی کوئی انتقال بار ادا اقرار بار (قرضہ ادائیگی) کرے اس میں بڑا فرق ہے

”ہدایہ کے مطابق اس پر عام قاعدے کی طرح عمل ہو نا چاہئے۔ جب کوئی شخص اپنی جائیداد کے بلا بدل خود ہی انتقال نفاذ کے لیے کوئی دستاویز تحریر کرتا ہے (جو اس کے وقوع موت پر منحصر نہیں ہے) اگر وہ اس وقت بحالت صحت ہے تو دستاویز اس کی تمام جائیداد کے لیے جائز ہوگی اگر وہ بیمار ہے تو جائیداد کے ایک ثلث پر نافذ ہوگی اور اگر کوئی شخص مرض الموت میں جائیداد کے لیے دستاویز تحریر کرتا ہے تو یہ ایک ثلث تک نافذ ہوگی خواہ وہ اس وقت بیمار ہو یا تندرست۔ اس کے برعکس اگر کوئی شخص اقرار قرضہ کرتا ہے تو یہ اقرار تمام جائیداد پر نافذ ہو گا دران حالیکہ یہ بحالت بیماری کیا گیا ہو۔ اس لئے کہ یہ بدل معاہدہ نہیں ہے تاہم اس قسم کا اقرار جو بحالت صحت کیا جائے اسی نوعیت کے اعلان کا پیش خیمہ ہے جو بحالت بیماری کیا گیا تھا۔ یہ بھی بتایا ہے کہ ایسا قرض جس سے کہ ایک شخص صحت یاب ہو جائے وہ قانوناً صحت کی تعریف میں آجاتا ہے۔ اگر کوئی کسی غیر عورت کے قرضہ کا بہ ذمگی خود اقرار کرے یا اس کے حق میں ترکہ کرے یا حصہ، اس کے بعد اس سے شادی کرے اور انتقال کر جائے تو یہ اقرار جائز ہے لیکن یہ ترکہ یا ہبہ باطل ہے اس لئے کہ وارث کے حق میں اقرار قرضہ اس شخص پر منحصر ہے جو بوقت اقرار اس کا وارث

ہو لیکن ایک وارث کے حق میں ترکہ کا ممنوع ہونا موہوب الیہ وصیتی پر منحصر ہے جو کہ موہبی کی موت پر کسی صورت میں ہو چونکہ وہ عورت ہے وقت اقرار وارث نہیں تھی بلکہ موہبی کی موت کے وقت شادی کرنے سے وارث بن گئی تھی پس یہ اقرار جائز ہے۔ مگر ورثہ باطل ہے۔ اس طرح بیہ بھی جو کہ اسی اصول کے تابع ہے جیسے کہ ورثہ اگر کوئی شخص ایسے قرضہ کا جو اس کے لڑکے کو ادا کرتا ہے اقرار کرے یا اس کے حق میں ترکہ کرے یا اس کے حق میں اس وقت بیہ کرے جب کہ لڑکا عیسائی تھا اور لڑکا باپ کی موت سے قبل مسلمان ہو جائے تو یہ تمام افعال اقرار ترکہ اور بیہ سب باطل ہوں گے۔“

ترکہ اور بیہ

”چونکہ باپ کے انتقال پر لڑکا اس کا وارث تھا جیسا کہ اوپر بتایا گیا ہے اور اقرار قرضہ چونکہ لڑکا اس رکاوٹ کی وجہ (یعنی اختلاف مذہب) سے بوقت اقرار وارث نہیں ہوتا تھا تاہم بجائے ورثہ (قربت) اس وقت نہیں تھی جس سے کہ باپ کی نسبت یہ اتہام منسوب کیا جاتا ہے کہ اس سے یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ باپ نے اپنا اثاثہ لڑکے کے منتقل کرنے کے لیے غلط اقرار کیا تھا جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا۔ شادی کے معاملہ میں صورت حال مختلف ہے۔ اس لئے کہ ورثہ کا سبب (شادی) اقرار کے بعد ہوا ہے اور اس سے پہلے اس کا وجود نہ تھا۔ اگر یہ بھی فرض کر لیا جائے کہ اقرار کے وقت شادی ہو چکی تھی بیوی اس وقت عیسائی تھی اور شوہر کے انتقال کے قبل مسلم ہو گئی، ایسی صورت میں یہ اقرار جائز نہ ہوگا۔“

”اگر ایک شخص جس کے ذمہ اس کے لڑکے کا قرضہ واجب ہو اقرار کرے اور وہ مطلق غلام ہو یا مکاتب ہو یا بیہ کرے یا اس کے حق میں ترکہ چھوڑے اور وہ لڑکا باپ کے انتقال کے قبل آزاد ہو جائے تو ان افعال میں سے کوئی بھی جائز نہ ہوگا۔ جس کی سابقہ مثال میں وضاحت کر دی گئی ہے۔“

قاضی خان میں بھی اسی طرح وضاحت ہے۔ ”جب کہ ایک بیمار عورت کے قرضہ کا اقرار کرے یا اس کے حق میں بہ بالوصیت یا بیہ کرے اور اس سے شادی کے بعد انتقال کر جائے تو ہمارے فقہاء کے مطابق جائز ہے مگر یہ ترکہ اور بیہ باطل ہے۔“

جب کوئی شخص اپنے ملحد لڑکے یا غلام کے حق میں ترکہ کرے یا بیہ کرے اس

کو قبضہ دے یا اس کے کسی قرضے کا اقرار کرے مابعد وہ لڑکا اسلام قبول کر کے آزاد ہو جائے تو اس کا سارا فعل باطل ہو گا۔“

جبکہ کسی مختص رقم یا مختص شے کے لیے اقرار نہ ہو تو یہ اس کی جائیداد کے سہرا پر لاگو ہو گا۔ مثلاً کوئی شخص بستر مرگ پر ورثا سے کہے ”میں زید کا مقروض ہوں اور وہ رقم جو وہ کہے تمہیں ادا کرنا چاہئے“ اس صورت میں زید کا مطالبہ سہرا سے زیادہ نہ ہو ادا کرنا چاہئے خواہ ورثا بھی اس کا مطالبہ کرتے ہوں اور یہ ایک پسندیدہ تعبیر کی بنیاد پر ہے۔

اسی طرح اگر موسیٰ اپنے ورثا سے کہے ”اگر زید میری طرف سے کسی شے کا مطالبہ کرے تو خواہ وہ کتنی ہی رقم ہو اس کو ادا کرنا ہو گا۔“ اس اعلان میں بھی ترکہ کے سہرا کی مالیت تک تکمیل ہو گی اور یہ اقرار ترکہ کے مساوی ہو گا اور زید کو اقرار کنندہ کی جائیداد سے ایک ثلث کے برابر ادائیگی ہو گی مگر اس سے زیادہ نہیں۔ پس علاوہ افراد متذکرہ کے اگر موسیٰ نے مختلف ترکہ دوسروں کے حق میں چھوڑے ہوں تو ان کی جائیداد کا سہرا موہوب لہ وصیتی کے لیے علیحدہ کر دیا جائے گا اور دو ثلث ورثا کے لیے ہو گا۔ موہوب لہ وصیتی کے ورثا سے یہ کہا جائے گا کہ وہ بتائیں کہ موسیٰ نے آیا زید سے کچھ کہا تھا اگر وہ اپنی ذمہ داری قبول کرتے ہیں تو وہ ذمہ داری اقرار کنندہ کے مال و اسباب سے ورثا کے علی الترتیب حصص کی مناسبت سے ادا کی جائے گی اور موہوب لہ وصیتی سے زید کے افراد کی تصدیق کے لیے اس حد تک کیا جائے گا کہ جتنا وہ مناسب سمجھیں۔

اگر دونوں فریق اس امر کا اقرار کرتے ہیں کہ زید کی رقم واجب ہے ایسی صورت میں ظاہر ہے اس جائیداد پر قرضہ کا بار ہے۔ اس طرح ہر ایک کا حصہ علی الترتیب اثر انداز ہوتا ہے ایسی صورت میں یہی نتیجہ نکلتا ہے۔ اگر زید اس سے زائد طلب کرے جس کو اس کے ورثا موہوب یا وصیتی تسلیم کرتے ہیں (علاوہ غیر مختص شے اقرار وصیتی کے کوئی اور ثبوت نہیں ہے) تو ورثا اور موہوب لہ اقرار حلفیہ یا بہ الفاظ دیگر کہ وہ زید کے مزید مطالبہ کے بارے میں نہیں جانتے یقین کر لیا جائے گا۔ اس لئے کہ بصورت اثبات حلفیہ بیان کی ضرورت نہیں ہے اس لئے کہ ان کا حلف ایک اقرار کنندہ اور طلب کرنے والے کے درمیان ہے۔ جس میں انہیں کوئی خاص حیثیت حاصل نہیں ہے۔

اگر کوئی شخص اپنے ورثا اور ایک اجنبی کو کوئی شے بطور میراث مشترک دے تو

اس صورت میں وارث کے حق میں میراث تسلیم نہیں ہوگی اور میراث کا شخص نصف
انہیں کو دیا جائے گا کیونکہ بحیثیت وارث وہ مویوب لہ وصیتی کی اہلیت نہیں رکھتا بلکہ اس
طرح وہ ایک غیر شخص کے حق میں جو مکمل ورثہ ہو گا مانع ہوتا ہے اور ایسا نہیں ہے کہ
کوئی میراث مشرک کا ایسے دو شخصوں کو دی جائے جس میں ایک شخص زندہ ہو اور دوسرا مر
گیا ہو۔ اس لئے کہ یہ سب مویوب لہ وصیتی پائے گا اور دوسرا شخص مردہ نہیں پائے گا۔

ایک بچہ کی اہلیت فقہائے شیعہ اور شافعی اور مالکی کے اصول

کسی بچہ کے حق میں انتقال بہہ بالوصیت کی اہلیت کے بارے میں مختلف
مذہب میں بہت اختلاف ہے۔ شیعہ فقہ کے مطابق عقل سلیم اور حریت جواز میراث
کے لیے ضروری ہیں۔ اور ایک بچہ یا سالی (بچہ) کی وصیت جو دس سال سے کم ہو جائز
نہیں ہے جب وہ اس عمر میں پہنچ جائے تو اس کا تمام ترکہ رشتہ داروں اور دوسروں کے
لیے اغراض مناسب کے تحت جائز ہیں۔ اور یہ مسلمہ اور مقبول ترین اصول کے مطابق
ہے بشرطیکہ وہ صاحب فہم ہو۔

مالکی اصول

مالکی اور شافعی عام طور پر شیعوں سے متفق ہیں۔ شافعی اصولوں کے مطابق ایک
بچہ جائز وصیت کر سکتا ہے بشرطیکہ اسے اپنے فعل کی اہلیت سمجھنے کا ادراک ہو۔ یہ الفاظ
دیگر تعین عمر کے لیے کوئی مقرر اصول نہیں ہے جبکہ وصیت کنندہ کو اہل قرار دیا جائے۔
مالکی بھی نابالغ کوئی نسب نفس نہیں بتاتے ہیں مگر مالکی فقہاء ایک بچہ کی وصیت کی نوعیت
سے متفق نہیں ہیں اس کے بعد بالغ کے وہ انتقالات جائز خیال کئے جاتے ہیں جو اغراض
خیر کی خاطر کئے گئے ہوں۔ مگر دوسروں کی رائے میں نابالغ کو وصیت کا حق ان اغراض
تک ہی محدود ہونا چاہئے بلکہ کلی انتقالات پر حاوی ہونا چاہئے جب کہ یہ معلوم ہو کہ وہ
متضاد نہ ہوں اور نابالغ کو اپنے فعل کی نوعیت کا ادراک ہو۔

حنفی اصول: نابالغ کی بذریعہ وصیت انتقال کی نااہلیت

حنفی اس کے برعکس ایک ایسے نابالغ کو جس نے بلوغ حاصل نہ کیا ہو عقل

سلیم یا ادراک سے فاطر سمجھ کر اسے مجاز وصیت نہیں کرتے ہیں۔ ملتقہ میں صریحاً یہ جواز وصیت کی شرطیں بتائی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ موصی بالغ ہو۔ اسی طرح فتاویٰ عالمگیری میں بھی ہے کہ ایک نابالغ کا کیا ہوا ترکہ (خواہ مراحق نہ ہوتا ہو) ہمارے فقہ کے نزدیک ناجائز ہے اور اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ وہ نوجوان تجارت کرتا ہے یا اس کے لیے شرعاً کوئی امر ممنوع ہے۔ اور خواہ حصول بلوغ سے قبل یا مابعد اس کا انتقال ہو جائے۔ اور اسی طرح اگر وہ یہ کہے کہ جب میں بالغ ہو جاؤں تو میری جائیداد کا ایک ثلث فلاں کو دے دیا جائے ایسی وصیت بوقت وصیت اس کی اہلیت ہونے کی بنا پر ناجائز ہے۔

ردالمحتار کے مطابق ایک نابالغ کی وصیت خواہ وہ ادراک کا حامل ہو، اسے اپنی تجبیر و تکفین کے خرچے کے لیے جائز نہیں ہے (یہ حضرت عمرؓ کی سند کی بنا پر جو بالغ کی وصیت کے معاملے میں ہے جائز ہے)۔

ہدایہ میں حنفی اور شیعہ مذاہب میں اختلاف آرا قدرے تفصیل سے بتایا ہے۔ ایک بچہ کا ترکہ ناجائز ہے۔ مگر شافعیوں کے مطابق اگر مناسب و موزوں غرض کے لیے کیا جائے تو جائز ہے۔ اس لئے کہ حضرت عمرؓ نے ایک صابی (جوان جو قریب البلوغ تھے) کی وصیت کی تصدیق فرمائی تھی۔ نیز اس لئے کہ اس کا اجر ایک بچہ کے مفاد میں ہے اور اسے وصیت نامہ سے فائدہ ہی حاصل ہوتا ہے۔ اس کے برعکس اس کی تنسیخ سے وہ تمام مفاد سے محروم ہو جاتا ہے۔ ہمارے فقہاء کی ان کی رائے کی تائید میں دلیل دو وجہ پر ہے۔ اولاً یہ کہ وصیت اختیاری فعل ہے اور ایک بچہ صحیح رائے قائم کرنے کی اہلیت نہیں رکھتا۔

دوم یہ کہ اس بارے میں بچہ کا اظہار خیال اسے پابند نہیں کرتا بلکہ ایسے لڑکوں کے جواز کو اگر تسلیم کر لیا جائے تو پھر ایسے ہی نتیجے برآمد ہو۔ حضرت عمرؓ کے قول کا جہاں تک تعلق ہے۔ اصطلاح صابی جو وہاں استعمال کی گئی ہے اس کا منشا ایسے شخص سے ہے جو ابھی حقیقی سن بلوغ کو پہنچا ہو یا صابی وصیت محض تجبیر و تکفین کی ادائیگی کے متعلق ہو جو ہمارے فقہاء کی رائے میں جائز ہے۔ مزید برآں وصیت کی تنسیخ نابالغ کے لیے مفید ہے۔ اس لئے کہ جائیداد کو ورثا میں منتقل ہونے سے قدرتی شفقت کے تادیر حقوق قائم رہتے ہیں جیسے کہ پہلے بتایا جا چکا ہے۔

شأنی اصول کے مطابق نفاذ وصیت میں نابالغ کو فائدہ پہنچتا ہے اس کے بارے میں جو جواب ہے کہ کسی امر کے فائدے یا نقصان کا خیال کسی بھی فعل یا کام کا فوری نتیجہ ہوتا ہے مگر بالا آخر کیا نتیجہ ہو یہ ذہن میں نہیں ہوتا۔ بالفاظ دیگر اگر فی نسب فعل سے فائدہ ہوتا ہے تو بچے کے مفاد کے پیش نظر اس کا نفاذ لایق ترجیح ہے مگر یہاں غور شدہ معاملات میں ترک سے خود ہی نتیجہ جائیداد کے نقصان میں برآمد ہوتا ہے اگرچہ نابالغ کو فائدہ پہنچتا ہے مگر چونکہ ترک بغرض خوشنودی خداوند تعالیٰ حاصل کیا گیا ہے اور چوں کہ بچے کے کئے ہوئے ترک سے فوری نقصان مرتب ہوتا ہے یہ اسی طرح ناجائز ہے جس طرح کہ طلاق بالفاظ دیگر اگر کوئی نابالغ اپنی بیوی کو طلاق دے یا اس کا ولی اس کی جانب سے ایسا کرے تو یہ قابل نفاذ نہیں ہے۔ حالاں کہ بہت سے موقعوں پر اس قسم کی طلاق سے فائدہ ہوتا ہے۔ مثلاً ایک نابالغ جو کہ غریب ہے وہ اپنی بیوی کو طلاق دے کر اس کی بہن سے جو دولت مند اور خوبصورت ہے شادی کرے۔

نابالغ کا ترک جائز ہے

المختصر ایک نابالغ کا ترک ہمارے فقہاء کے نزدیک اسی طرح ناجائز ہے جیسے کہ ایک نابالغ کی وصیت جس کا بعد بلوغ انتقال ہو جائے تو یہ وصیت جائز نہیں رہتی۔ اس لئے کہ یہ ایسے وقت (نابالغی) کی ہوگی کہ جب کہ وہ وصیت کا اہل نہ تھا۔ اسی طرح ایک نابالغ یہ کہے کہ میری وصیت ہے کہ جب میں سن بلوغ کو پہنچ جاؤں تو میری ملکیت کا ایک ٹمٹ فلان شخص کے حق میں ورثہ سمجھا جائے گا۔ ایسی وصیت ناجائز ہے اس لئے کہ ایک نابالغ نہ اس کا اہل ہے اور نہ وصیت کرنے کا مجاز وہ ایسی وصیت کا مجاز نہیں ہے جس کو فوراً ہی جائز سمجھ لیا جائے یا اس کو جائز بنا لیا جائے کہ وہ کسی مستقبل کے وقت تک معلق رہے۔ اسی طرح وہ طلاق دینے یا غلام کو آزاد کرانے کا اہل نہیں ہیں۔ مگر ایک غلام یا مکاتب کے بارے میں صورت ہی دوسری ہے اس لئے کہ سوائے آقا کے حق کے وہ اس کے بالکل اہل نہیں ہیں۔ پس ان کے تمام افعال (مثلاً طلاق ترکہ وغیرہ) ہر طرح جائز ہیں۔ اگر وہ اس زمانہ میں انجام پائیں جب کہ ان پر یہ پابندی عائد نہ ہو مثلاً ایک غلام یہ

کہے ”میں آزاد ہو جاؤں تو میری بیوی کو طلاق ہوگی۔“

توثیق بعد حصول بلوغ

حنفی قانون کے احکامات کے مطابق ایک نابالغ (سن بلوغ سے کم) بذریعہ وصیت انتقال کا اہل نہیں ہے۔ انڈین مجورٹی ایکٹ نمبر ۹-۱۸۷۵ء کے مطابق بلوغ کب ہوتا ہے اس پر اس نصف صدی کے ابتدائی حصہ میں تفصیل سے غور کیا گیا ہے۔ مگر ایک نابالغ اپنی وصیت کے بعد حصول بلوغ کی توثیق کر دے تو وہ ابتداء سے ہی موثر ہو جاتی ہے۔

ایسے شخص کی اہلیت (بابت وصیت) کے بارے میں جسے سزائے موت دی گئی اسے قانوناً حق وصیت سے محروم کرنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ حتیٰ کہ ایک سپاہی جو کسی مہم میں مسروف ہو یا ایک شخص جو اپنی جائیداد سے بہت دور حالت سفر میں ہے غرضیکہ ہر عاقل و بالغ ’مرد ہو یا عورت‘ ترکہ جائز کر سکتے ہیں۔

اختلاف عقائد جواز وصیت کے اختیار میں مانع نہیں ہے۔ ”ملتقی“ میں صریحاً ہے کہ ”موصی یا وصی کا اختلاف مذہب جواز کی تنسیخ کی کوئی وجہ نہیں ہے پس ایک غیر مسلمان ایک غیر مسلم (تا وقتیکہ وہ غیر نہ ہو) کے حق میں اسی طرح وصیت کر سکتا ہے جیسے کہ غیر مسلم مسلمان کے حق میں وصیت کر سکتا ہے ایسے مسلمان کے وصیت کا جواز کے بارے میں جو بعد میں ملحد ہو جائے۔ مذاہب میں کسی قدر اختلاف ہے۔ مالکیوں کے مطابق وصیت بوجہ الحاد منسوخ ہو جاتی ہے۔ احناف کے مطابق اگر وصیت اس مذہب کے مطابق ہے جس پر کہ وہ ملحد ہوا ہے تو نافذ ہوگی۔“

اسلام کے ملحد کی وصیت حنفی اصول

اگر کوئی مسلمان اسلام سے ملحد ہو کر عیسائی یہودی یا مجوسی مذہب قبول کرے کے بعد کچھ ترکہ کرے تو ان میں وہ ترکہ جائز ہوں گے جو اس نے بحالت اسلام کئے اور وہ اس وقت تک معلق نہ ہوں گے جب تک کہ وہ اصل مذہب کو قبول نہ کر لے یا وہ ہلاک ہو جائے یا اس کی موت واقع ہو جائے یا کسی غیر ملک میں پناہ گیر ہو مگر ان میں وہ ترکہ جائز نہیں ہیں جو کسی مسلمان کے لیے ہوں اور ابو حنیفہ کے نزدیک وہ باطل ہیں مگر صاحبین کے مطابق ایک ملحد کے افعال بصورت موجود قابل نفاذ ہیں۔ پس وہ فرقہ

جس میں وہ ٹلڈ ہوا ہے اس کے مطابق وہی جائز ہے۔ اور اگر وہ ترکہ اس مذہب کے مطابق کرے امر خیر ہے۔ مگر ہمارے مطابق وہ گناہ ہے تو یہ جائز ہے۔

اگرچہ ان لوگوں کے مذہب کے مطابق جو کہ اس میں مقبولیت نہیں رکھتے۔ ایک محد خاتون کے تمام ترکے جائز ہیں جو اس عقیدہ کے مطابق ہوں جس میں کہ وہ ٹلڈ ہوئی۔ اس لئے کہ اپنے الحاد کی بنیاد پر وہ ہلاک نہیں کی جاسکتی۔

شرع کے مطابق خود کشی کرنے والے کی وصیت ناجائز ہے مگر بعض انتقالات وصیتی جن کے موسیٰ نے انتقال سے کچھ پہلے اپنے خط میں حوالہ دے کر یہ درج کیا ہو کہ اس نے زہر کھالی ہے تو پر یوی کو نسل کی جوڈیشل کمیٹی نے اس بیان کو تعبیر اس طرح کیا ہے کہ یہ حالات کا اظہار ہے جو خط وصول ہونے پر حاصل ہوئے۔ پس یہ نطے کیا گیا کہ تسخیر وصیت کا بار اس فریق پر تھا جو تسخیر کرانا چاہتا تھا۔ اور اس کو بھی یہ ثابت کرتا کہ یہ خط زہر کھانے کے بعد لکھا گیا تھا۔ انتقال وصیتی کی جواز کی ایک ضروری شرط یہ ہے جو موسیٰ کا مالک ہو اور بوقت وصیت اس کا حق ملکیت ہو۔

ایک مفلس موسیٰ کا ترکہ

اگر شے متروکہ ایسی موسیٰ کی جائیداد ہے جس پر قرضہ کا بار اتنا شدید ہو کہ اس کی زبکی مطالبات اس کے اثاثہ سے کہیں زیادہ ہوں تو یہ انتقال تا وقتیکہ قرض خواہاں اس اثاثے کو اپنے قرضے سے بری نہ کریں، نافذ ہوگا۔

شرائع میں اس مسئلہ پر شیعہ اصول اس طرح ہیں۔ ”اگر کوئی مقروض بذریعہ وصیت اپنے غلام کو آزاد کرے اور اس کی قیمت و قرضے سے دو چندی ہو تو غلام آزاد ہوگا مگر اپنی قیمت کا ۶/۱۰ بذریعہ خدمت اسے ادا کرنا چاہیے۔ لیکن اگر اس کی قیمت قرضے سے کم ہے تو ترکہ جائز ہے۔ وجہ یہ ہے کہ وہ قرضے جو ترکوں پر ترجیح ہیں پہلے ادا ہونا چاہئیں اور اثاثہ کا ۳/۱۰ جو بھی رہ جائے اس مخلصی غلام ہو۔ لیکن ایسی صورت میں جب کوئی آقا بستر مرگ پر اپنے غلام کو آزاد کرے تو معاملہ برعکس ہوگا۔ جیسے کہ پہلے بتایا گیا ہے کہ قانوناً یہ اس صریح فیصلے کے مطابق ہے جو کہ عبدالرحمن نے حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے حوالے سے تحریر کیا ہے۔

ایک وصیت کسی مقصد کے لیے بھی جو قانوناً مناسب ہو جائز ہے اور موصی کے انتقال پر قابل نفاذ ہے۔ تاہم یہ اصول بعض پابندیوں کے تابع ہے جس پر غور کرنا ضروری ہے۔ اس سے قبل ہم اس شخص کے بارے میں غور کریں گے جس کے حق میں وصیت جائز طور پر کی گئی ہو۔

ایک ایسے شخص کے حق میں وصیت جو موصی کو ہلاک کر دیتا ہے
حرفی اصول

ایسے شخص کے حق میں جو ارادنا موصی کو ہلاک کرے تمام مذاہب کے مطابق وصیت ناجائز ہے۔ احناف کے مطابق ایسے شخص کے حق میں ترکہ جو بلا ارادہ (کسی حادثے یا غلط طریقے سے) بھی موصی کی موت کا سبب بنے کسی حادثے یا غلط طریقے سے ترکہ وہ کوئی بچہ یا فاتر العقل نہیں ہو اور ترکہ ناجائز ہے۔ خواہ اس ضرر سے جس سے کہ موت واقع ہوئی ہے پہلے کیا گیا ہو یا بعد میں۔ کہیں اگر ورثا اس ترکے پر رضا مند ہو جائیں تو امام ابو حنیفہ و امام محمد کے مطابق جائز لیکن ابو یوسف کے مطابق ناجائز ہے۔ اگر موت کسی نابالغ یا فاتر العقل موصی کی وجہ سے موت ہوئی ہو تو جواز ترکہ کے لیے ورثا کی رضامندی ضروری نہیں ہے۔

ردالمحتار کے مطابق ”آنحضرت صلعم کا ارشاد ہے کہ قاتل کے لیے کوئی ترکہ نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس نے اس فعل میں عجلت کی جس کو خداوند تعالیٰ بہ دیر کرتا اور اس لئے قاتل کے حق میں ترکہ ناجائز ہے۔ خواہ یہ زخم مہلک پہلے کیا گیا ہو یا بعد میں اس لئے کہ یہ حدیث عام ہے اور یہی ”ذیلیہ“ کا نظریہ ہے۔ موقع کی جلدی سے منشا یہ ہے کہ فعل قاتل متوفی کی موت کا خود سبب بن گیا ہو۔ ورنہ اہل ایمان کے نزدیک واقعہ موت ایک ناگزیر امر تھا۔“

”اگر ایک شخص دوسرے کو محض زخم پہنچائے اور تیسرا شخص اس کو واقعی قتل کر دے تو زخم پہنچانے والے شخص کا ترکہ اس لئے ناجائز ہے کہ وہ اصل قاتل نہیں ہے اور یہی الی الو علیہ کا نظریہ ہے۔ ایسا شخص جو دوسرے کی موت کا سبب ہو اس کا ترکہ ساقط ہو جاتا ہے خواہ اس کا فعل دانستہ ہو یا حادثہ یا بدگمانی کی بنا پر۔ مثلاً ایک آدمی کنوا کھودتا ہے اور

”مخمس جس نے موسیٰ کے حق میں ترکہ کیا ہے کنویں میں گر جاتا ہے تو موصوب وصیتی اپنے ترکے سے محروم ہو گا۔ ایک قاتل کے حق میں ابو حنیفہ اور محمد کے نزدیک ترکہ جائز ہے بشرطیکہ موسیٰ کے ورثا اس پر رضامند ہوں مگر ابو یوسف اس مسئلہ پر اختلاف کرتے ہیں ان کی رائے میں اگر ورثا رضامند ہوں تب بھی یہ قطعاً باطل ہے شرح تالیہ کے مطابق قتل سے پہلے کا ترکہ مذہب کے مطابق خواہ ورثا اس پر رضامند ہوں باطل ہے۔“

ماہی اصول

مانکیوں کے مطابق موسیٰ اس مجرم کو جو اس کی ذات سے متعلق ہو معاف کرنے کا مجاز ہے۔ اگر مہلک زخم کے بعد قاتل کے حق میں وصیت کرے تو یہی قیاس ہو گا کہ اس نے جرم کو معاف کر دیا اور ترکہ جائز تھا۔

شیخ۔ اصول

اہل تشیع کے مطابق قتل انسانی جس کی بنا پر قاتل کے حق میں ترکہ منسوخ کیا جاسکے ارادنا ہوتا ہے۔ احناف کے مطابق اگر قاتل موسیٰ کا تنہا وارث ہے تو ابو حنیفہ اور محمد کے نزدیک ترکہ جائز ہو گا۔ مگر ابو یوسف کے مطابق ناجائز ہو گا۔ اگر کسی قاتل یا قتل انسانی کے مرتکب کے حق میں ترکہ جائز ہے تو اس کے مورثان اہلی یا اولاد کے حق میں بھی ترکہ جائز ہو گا۔

وارث کے حق میں میراث حنفی اصول

تمام مذہب کے مطابق ورثا میں سے کسی ایک کے حق میں بلا دوسروں کی اجازت میراث ناجائز ہے خواہ موسیٰ الیہ وارث ہو یا نہیں وصیت کا وقف معین نہ کیا جائے گا مگر موسیٰ کے انتقال پر معین ہونا چاہئے۔ وہ پوتا جس کا باپ موسیٰ کے حین حیات انتقال کر جائے لڑکے کے لیے غیر وارث ہے اور اس کے حق میں میراث جو املاک کی ایک ثلث سے زائد نہ ہو جائز ہے۔

ورثا کی میراث پر رضامندی

ردالمحتار کے مطابق ایک غیر (غیر وارث) کے حق میں میراث موسیٰ کی

جائیداد کے ۳/۴ تک جائز ہے مگر اس سے زیادہ بھی جائز ہو سکتی ہے بشرطیکہ موصی کے انتقال کے بعد ورثا اس پر رضامند ہوں۔ موصی کے حین حیات رضامندی ورثا کسی طرح موثر نہیں ہے۔ ان کی رضامندی موثر ہونے کے لیے نہ صرف موصی کا انتقال بلکہ فریقین کا بالغ اور اہل ہونا بھی ضروری ہے۔ ورثا کی رضامندی قبل انتقال موصی غیر موثر ہے وجہ یہ کہ ورثا میں وراثت موصی کی موت ہونے تک تفویض نہیں ہوتی۔ ہمارے فقہاء کے مطابق رضامندی کے بعد ہی موہوب باہو صیتی موت سے حق پا سکتا ہے مگر شافعیوں کے نزدیک وہ یہ ورثا سے حق رضامندی حاصل ہوتا ہے جب ورثا میں سے بعض رضامند ہوں اور دوسرے نہ ہوں تو ترکہ اور ورثہ رضامند ورثا کے حصص کے تناسب کے مطابق جائز ہوگا۔ یہ ضروری ہے کہ رضامند ورثا بالغ اور صاحب ادراک ہوں ورنہ نابالغ اور نااہل کی رضامندی جائز نہیں۔ ایسے مریض کی رضامندی انہیں اصولوں کے تابع ہے جیسا کہ میراث خواہ کوئی شخص وارث ہو یا نہ ہو اس کا جائزہ موصی کے انتقال پر حق میراث سے کیا جائے گا اگر کوئی شخص جو اپنے بھائی کے حق میں ورثہ چھوڑے جس کے بچے نہ ہوں اور بچے پیدا ہونے کے بعد اس کا انتقال ہو جاتا ہے تو بھائی کے حق میں میراث جائز ہے۔ اس لئے کہ بھائی کے سامنے اس کو حق وراثت حاصل نہیں ہوتا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص ترکہ چھوڑے اور بعد میں طلاق دے تو یہ میراث جائز ہوگی اس لئے کہ بوقت انتقال موصی وہ وارث نہیں ہے اور نہ ازدواجی تعلق زائل ہو گیا۔ اسی طرح حق وراثت بھی ساقط ہو جاتا ہے۔

وارث کی رضامندی کہا تک جائز ہے

اگر وارث عاقل بالغ اور انتقال کا اہل ہے اور دوران علالت اس نے رضامندی دی ہے تو صحت یاب ہونے پر بھی اس کی رضامندی جائز ہے لیکن اگر دوران علالت اس کا انتقال ہو جائے تو اس کی رضامندی کا وہی نتیجہ ہوگا جیسا کہ بصورت میراث۔ اگر اصل موصیہ رضامند وارث تھا تو وہ رضامندی اس وقت تک جائز نہیں ہے جب تک اس بیمار کے دوسرے ورثا اس پر متفق نہ ہوں لیکن اگر اصل رضامند موصی لہ اس وارث کا جس کا انتقال ہو چکا ہے وارث نہیں ہے تو یہ رضامندی سے میراث اصل موصی کے ورثہ

میں سہرا کی حد تک جائز ہوگی۔

ایسی رضامندی بالوضاحت یا غیر مبہم طرز عمل سے ہو سکتی ہے اسی طرح جیسے کہ کسی وصیت نامہ پر بلا بیرونی دباؤ یا غیر واجب اثر موسیٰ لہ، کا بلا عذر حصول قبضہ کی اجازت کے بعد اس کے منہبوم کو سمجھ کر دستخط کرنا۔

اقرار قرضہ

اگرچہ ایک وارث کے حق میں ترکہ ناجائز ہے مگر جیسا کہ اوپر بتایا گیا ہے قرضہ جائز ہے۔

اگر کوئی اپنے ورثا میں سے بعض کے حق میں میراث چھوڑے تو یہ آنحضرت مسلم کی مشہور حدیث کے مطابق ناجائز ہے خداوند تعالیٰ نے ہر وارث کے لیے اس کا حصہ مقرر کیا ہے اور اس لئے بھی کہ ورثا میں سے بعض کے حق میں وصیت ضرر رساں ہے۔ اگر اس کو جائز قرار دیا جائے تو یہ اقربا کے تعلق میں ایک خلیج پیدا کر دے گی۔ مزید رساں حدیث میں ہے "ایک میراث مخصوص ورثا کے حق میں غیر منصفانہ ہے" بعد اس امر کے جائزہ کے کہ آیا موہوب لہ یا کوئی وارثوں میں سے ہے اور بوقت انتقال موسیٰ قابل غور ہے نہ کہ بوقت وصیت اگر بعض ورثا رضامند بھی ہوں اور بعض اس سے علیحدگی اختیار کر لیں تو وہ میراث رضامند ورثا کے حصص کے تناسب کے اعتبار سے جائز ہوگی مگر دوسروں کے حصص تناسب کے مطابق ناجائز۔ المختصر وہ اشخاص جو انتقال وصی کی وجہ سے اور وہ اشخاص جو وارث سے محروم نہیں ہو سکتے وہی ہیں جو موسیٰ کے انتقال پر ورثہ میں حقدار ہیں خواہ وراثت کسی کے بھی زمرہ میں ہو۔ اور یہ اصول کلام پاک کے باب چار سورہ کے بنا پر ہے۔

"ہر شخص کو ہم نے بوجہ رشتہ دار ہونے کے اس کے والدین اور رشتہ داران کا وارث بنایا ہے۔ اور ان کو بھی جن کے ہم سیدھے ہاتھ ملاتے ہیں پس ان کے حصے دے دو۔ تحقیق اللہ ان سب کا گواہ ہے۔"

فتہا کے مطابق اس طرح ورثا کے حقوق غیر مشتبہ طور پر کلام پاک سے مقرر ہو چکے ہیں اور وہ ہم آہنگی جو کلام پاک کے مطابق مال متوفی میں مستحقین اجر یہ میں معین ہے۔

کسی ایک وارث کو زیادہ حصہ دینے سے اسے منتشر نہ کرنا چاہئے۔ مصنف ملتقی نے نتیجہ یہ قرار دیا ہے کہ انتقال و وصیت جس سے کہ موصی لہ وارث ہوتا ہے کا وقت شروع ہوتے ہی وہ باطل ہو جاتا ہے اور مالکی فقیہ خالد ابن سعد کے مطابق ورثہ کے حق میں تمام میراث کا عدم ہے۔

ان جملہ احکامات کا نتیجہ یہ ہے کہ عام طور پر مسلمان شاذ ہی وارث کے حق میں ترکہ یا میراث کرتے ہیں اور جب بھی ان کا حصص ورثہ کا تبدیلی کا ارادہ ہوتا ہے تو وارث کے حق میں یہ بااقرار قرضہ کرتے ہیں اور اسی کو وہ ترجیح دیتے ہیں۔ ایک غیر وارث کے حق میں اتفاق سے ہی برائے نام ترکہ ہوتا ہے بلکہ یہ اصلاً وارث کے حق میں ہی ہوتا ہے۔

ایک رشتہ دار جو وراثت موصی میں مستحق حصہ نہیں ہے بوقت ترکہ وارث ہونے پر بھی کسی وجہ سے حصہ سے محروم ہو گیا اس کے حق میں ترکہ قانوناً جائز ہے مثلاً کسی شخص کے دو لڑکے اور ایک پوتا ہو تو پہلے انتقال کرنے والے لڑکے کا جائیداد میں ۳ حصہ ہو گا ایسا ورثہ جائز ہے۔ اسی طرح اگر کسی شخص کے لڑکا اور لڑکے کا لڑکا اور لڑکی کی لڑکی ہوں تاہم لڑکی کے لڑکے کے حق میں (جو وارث نہیں تھا) ورثہ جائز ہے۔ اگر کسی شخص کا صرف ایک بھائی ہو اگر کوئی بچہ نہ ہوں تو اس کے حق میں بشرطیکہ یہ ۳ سے زائد نہ ہو ورثہ جائز ہوگا۔

اگر ایک شخص بیوی کے حق میں وصیت کرے تو یہ جائز ہے مگر موت سے قبل اس کو طلاق دے تو وارث جائز ہوگا۔

سو طیرہ میں دئے گئے ایک معاملہ سے ان اصولوں کی وضاحت ہوگی۔ ایک شخص موسومہ بو مدینہ نے خود کو اپنی بیوی کا دو سو پچاس درہم کے مقرض ہونے کا اقرار کیا اور اسی قرضہ کی ادائیگی کے تابع جائیداد اور اثاثہ اپنی بیوی اور دو غیر اشخاص کو بقدر مساوی حصص میں دیدے حسب شرع طے کیا گیا کہ سب سے پہلے اثاثہ متوفی سے قرضہ ادا کیا جائے مابعد حسب ذیل طریقہ سے جائیداد کو موصی لہم اور ورثہ میں تقسیم کی جائے۔

بیوہ کو..... ۱۲/۳ جو کہ بیوہ کے حصہ کا ۳/۴ ہوتا ہے

ہر موب لہ وصیتی کو..... ۱۲/۳ جو کہ قابل انتقال جائیداد کا ۳/۴ ہوتا ہے

ایک وارث کے حق میں دوسرے ورثہ کی رضامندی سے میراث جائز ہے
 تمام سنی مذاہب اس پر متفق ہیں کہ وارث کے حق میں میراث ناجائز ہے۔
 مگر ملت حق کے مطابق وارث کے حق میں میراث اگر دیگر ورثہ متفق ہوں تو جائز ہے۔
 شافعی فقیہ ابو حواجہ نے بھی یہی اصول وضع کیا ہے اور مالکی فقیہ خلیل ابن اسحاق
 کا بھی یہی اصول ہے۔ اگر وارث کے حق میں انتقال میراث ہو اور دیگر ورثہ اس کی توثیق
 کر دیں تو ان کی جانب سے یہ میراث مثل ایک قیاسانہ فعل کی طرح نافذ ہوگی۔

شیعہ اصول وصی کی موت سے قبل بعد

رضامندی دی جاسکتی ہے

شیعہ فقہ کے مطابق (جیسا کہ ابھی معلوم ہو گا)، ایسے وصی اپنے وارث کے
 حق میں اگر جائیداد سموات زائد ہو تو بلا رضامندی دیگر ورثہ جائز نہیں ہے۔

یہ رضامندی وصی کی انتقال سے قبل ہو سکتی ہے۔ سنی فقہ کے مطابق توثیق
 ہمیشہ بعد انتقال ہونا چاہئے۔ اس لئے کہ ایسی رضامندی قبل موت بے معنی ہے۔

سنی فقہ کے مطابق ورثہ کی رضامندی بہ رضا و رغبت ہونا چاہئے اور جب کہ
 وصی نے اپنی وصیت میں تبدیلی کی ہو اور جس کا نتیجہ ذہن پر نامناسب طریقہ سے
 خراب ہو تو یہ ترکہ نافذ نہ ہو گا۔ خلیل ابن اسحاق کے مطابق ایک میراث بحق وارث اگر
 وصی حسب ذیل جملہ استعمال کرے تو منسوخ ہوگی۔

”اگر میرے ورثہ میرے انتقال کی توثیق نہ کریں تو میری جائیداد غربا کو ملے
 گی لیکن وہ میراث جن کا ان الفاظ میں اظہار ہو۔“

”میری فلاں میراث غربا کے لیے ہے تا وقتیکہ میرے ورثہ میرے لڑکے کو
 دینے پر آمادہ نہ ہوں تو ترکہ کرتا ہوں یہ جائز ہے۔ اس لئے کہ ورثہ رضامندی کے سلسلہ
 میں آزاد ہیں۔ خواہ رضامند ہوں یا نہ ہوں۔“

مرض الموت میں ورثا کی رضامندی - شیعہ اصول

مرض الموت موصی میں ورثا کی بخوشی رضامندی اس لئے قابل تفسیح ہے کہ جب قیاس اس وقت تک ورثا کو ان کا حق مل جاتا ہے۔ اگر کسی شخص کے کوئی وارث نہ ہو تو وہ تمام جائیداد حسب مرضی جس کو چاہے دے سکتا ہے۔

مصنف شرایع کے مطابق اگر موصی اپنے بچوں میں سے ایک کو وراثت سے محروم کر کے تمام جائیداد اور دوسروں کو دے دے تو یہ فعل قطعاً جائز ہے اور وراثت اس کے ورثا میں حصص قانونی کے مطابق تقویض ہوگی۔

لیکن فرض کیجئے اگر باپ اپنے بچوں یا دوسرے ورثا میں غیر مساویانہ تقسیم کرے جو مابعد موت نفاذ ہو اگر ورثا اس تقسیم پر رضامند ہوں تو بلاشبہ جائز ہے۔ مگر رضامند نہ ہوں تو کیا نتیجہ ہوگا۔

جامع الفاظ میں بعینہ ایک مثال ہے حج پر جانے والے ایک شخص نے جائیداد حسب ذیل طریقے پر تقسیم کی۔

(الف) بعض کو ان کے حصص قانونی سے زیادہ حصہ دیا اس لئے کہ ان کی ماں کا دین مہران کے ذمہ ہوگا۔

(ب) بعض کو کچھ روپیہ ان کے حصص قانونی سے زیادہ تاکہ وہ اپنی شادیوں کے اخراجات ادا کر سکیں۔

”ورثا جن کو حصص سے ملنا تھا عذر آور ہوئے اس پر مجتہد کا فیصلہ اس طرح تھا۔ مہر ایک قرضہ ہے جبکہ ادائیگی میراث سے قبل بیباق ہونا ضروری ہے پس جائیدادیں جو مہر کے عوض دی گئیں وہ صحیح طور پر دی گئی ہیں۔ مگر زر نقد جو حصص قانونی سے زائد دیا گیا ہے اس کی تو حیثیت میراث کی ہے جو موصی کی جائیداد کے ساتھ ہونا چاہئے۔ بقیہ جائیداد ان کے حصص قانونی کے مطابق تقسیم کر دینا چاہئے۔“

حنفی فقہاء کے مطابق اگر کوئی ورثا ہوں تو ۳ سے زیادہ ترکہ ان کی رضامندی سے جائز ہے۔ اور اگر ان میں سے ایک یا زیادہ اضافہ پر رضامند ہوں تو اضافہ ان کے حصص کی حد تک جائز ہے۔ دوسرے ورثا کی رضامندی اسی وقت موثر ہوگی اگر وہ موصی

کے انتقال کے بعد دی جائے۔ آیا یہ موت کے قبل اسی طرح جائز ہے؟ یہ ایسا مسئلہ ہے جس کے بارے میں دورائے ہیں اور ان میں سے زیادہ مستعمل اور مسلمہ وہ ہیں جو کہ وارث کے لیے قابل پابندی ہے۔ جب کہ موسیٰ کے انتقال کے بعد رضامندی دی جائے تو یہ اس کے فعل کی توثیق ہے تو اس کے وارث کی طرح سے از سر نو نہیں ہے۔ پس تکمیل جو از کے لیے موسیٰ لہ کے قبضہ کی ضرورت نہیں ہے۔

ایک مسلمان کی غیر اجنبی کافر کے حق میں وصیت تمام مذاہب کے مطابق ناجائز ہے درج ذیل اغراض کے لیے قدیم حنفی اصول کے مطابق ترک پسندیدہ ہے۔

”اگر کوئی شخص یہ وصیت کرے کہ اس کے بعد انتقال اس کا جسم کسی خاص جگہ لے جا کر دفن کیا جائے اور وہاں ایک رباط قائم کی جائے تو ابوالقاسم کے مطابق رباط کے لیے ترکہ جائز ہو گا۔ جسم کو لے جانے کے لیے باطل ہے۔ اور اگر وصی بلا اجازت ورثہ جسم کے لے جانے میں مصارف کرے تو رقم خرچ شدہ کو وہی مستوجب ہو گا۔ اگر ان کی اجازت سے ایسا ہے تو اس پر صرفہ کی ذمہ داری ہو گی۔ اسی طرح بروئے وصیت مقررہ موسیٰ کی زیوریں بھی باطل ہے۔ فقیر ابو جعفر کے نزدیک انتقال پر اس کے سوگواروں یا شرکاءے تجہیز و تکفین کو کھانا کھلانے جائیداد کے سوا حد تک مصارف جائز ہیں وہ سب کھانے میں شامل ہو سکتے ہیں۔ جو دور سے آئے ہوں اور تجہیز و تکفین تک مقام کریں ان میں امیر اور غریب سب یکساں ہیں۔ اگر کھانوں وغیرہ پر خرچہ کثیر ہو تو زیادہ خرچہ کا موسیٰ مستوجب ہو گا۔ شیخ امام ابو بکر ساکن بلخ کے انتقال موسیٰ پر تین روز تک کھانا کھلانے کی وصیت ناجائز ہے۔“

واقعات ناظمی میں ہے کہ ”اگر کوئی شخص دس ہزار درہم یا دینار اس کی تجہیز و تکفین میں خرچ کرنے کی وصیت کرے تب بھی صرفہ دینا چاہئے اور محض وہ جو موسیٰ بر روز جمعہ مسجد میں جانے کے لیے استعمال کرنا چاہتے ہیں اور اگر کوئی عورت خود اپنے خاوند کو زرمہرت مصارف کفن کی ادائیگی کی وصیت کرے خواہ وہ اس پر باطل ہو یا نہ ہو یکساں باطل ہے۔“

”اگر کوئی شخص اپنی عمارت میں دفن کئے جانے کی وصیت کرے تو باطل ہے تا وقتیکہ اس عمارت کو نام مسلمانوں کے قبرستان میں منتقل نہ کیا جائے۔ یہ ہدایات کہ

موصی کی قبر پر پلاستر کیا جاوے اور اس پر محراب بنائی جائے تو یہ بھی ناجائز ہے سوائے ان مقامات کے جہاں درندگان صحرائی سے نقصان کی بنا پر ایسی ضرورت محسوس ہو۔ اسی طرح یہ ہدایت کہ کسی شخص کی جائیداد میں سے اس قدر موصی کی قبر پر قرآن خوانی کی اجرت لوگوں کو دی جائے یہ باطل ہے اگر اس غرض کے لیے خاص قرآن خوان بھی مقرر کئے جاویں۔ اس عبارت میں بہت سے ایسے اخراجات کے قواعد ہیں جو کہ آج کے زمانے میں کلیتاً متروک ہو چکے ہیں۔“

شیعہ اصول

شیعہ اصول کے مطابق تر کے حسب ذیل اغراض کے لیے جائز ہیں۔

- (الف) موصی کے ایصالِ ثواب کے لیے عبادات خواہ وہ دائنہ یا کچھ مدت کے لیے ہوں۔
 - (ب) متوفی کے جسم کو کر بلا یا کسی دوسری مقدس جگہ لے جانے کے لیے۔
 - (ج) موصی کی جانب سے کسی کو ادائیگی حج کے لیے بھیجنے کو۔
 - (د) موصی کی قبر یا امین کے قبروں پر روشنی یا پھول چڑھانے کے لیے۔
 - (ه) کر بلا یا در نجف کے قریب سادات کی امداد کے لیے۔
 - (و) خاص خاص مذہبی تہواروں پر غربا کو کھانا کھلانے کے لئے۔
 - (ز) امام باڑوں میں مرثیہ خوانی کے لیے۔
 - (ح) محرم شریف پر شربت یا پانی پلانے اور ایسے ہی دیگر مقاصد کے لیے۔
- موصی کی جانب سے ایک شخص دوسرے کو رسومات کی انجام دہی کے لیے وصیت کر سکتا ہے۔ مثلاً

(الف) اپنی موت کے وقت ان نمازوں کی ادائیگی کے بارے میں جو وہ اپنی زندگی میں ادا نہ کر سکا موصی کو وصیت کر سکتا ہے۔ وصی کا اس وصیت کو قبول کرنا جائز ہے اور وہ اس کی ادائیگی کا پابند ہوگا۔

باب ۱۲۔ قیام وصیت

فصل اول:- موصی لہ (جس کے حق میں وصیت کی جائے) کون ہو

شیخہ قانون، حنفی اصول

اصولاً ایک وصیت کسی بھی شخص کے حق میں جو بوقت انتقال حیات، ہو اصلایاً تعبیراً جائز ہے۔ شرائع کے مطابق یہ ایک ناگزیز شرط ہے کہ موصی لہ بہ وقت وصیت زندہ ہو ورنہ میراث اس طرح نا جائز ہے جیسے کہ ایک متوفی کے حق میں یا ایسے شخص کے حق میں جو زندہ قیاس کیا گیا ہو مگر بوقت میراث اس کی فوتیدگی ثابت ہو۔ پس اسی طرح عالمگیری میں بھی ہے کہ غیر موجود یا مردہ شخص کے حق میں میراث نا جائز ہے۔

حربی کے حق میں میراث نا جائز ہے۔ شرح برنامہ وصیت: ۱۰۰
اب ہم ان اغراض یا اشخاص کے بارے میں جن کے لیے وصیت جائز طور پر کی جاسکتی ہے غور کریں گے۔

(الف) غلام و شائعہوں کے جو ایک مسلمان کی میراث غیر مسلم لڑکے کے حق میں غیر مشروط طور پر نا جائز سمجھتے ہیں دیگر تمام مذاہب غیر مسلم کے حق میں (جو کہ دارالحرب کے ہونے کی وجہ سے غیر نہ ہو) وصیت جائز سمجھتے ہیں۔ ردالمحتار اور فتاویٰ عالمگیری میں یہ اصول بہت وضاحت سے ہے۔ عالمگیری کے مطابق ایک مسلمان ذمی یا غیر ذمی کے حق میں میراث کر سکتا ہے۔ ایک غیر کے حق میں جو کہ مستعین نہیں ہے، میراث نا جائز ہے۔ اگر کوئی مسلمان ایسے شخص غیر کے حق میں جو دارالحرب یا دشمن ملک کا رہنے والا ہو میراث کرے تو وہ خواہ اس کے ورثا بھی اس پر رضامند ہوں، نا جائز ہے۔ اگر کوئی غیر شخص اسلامی حدود مملکت میں بہ غرض امان یا حفاظت آئے اس کی میراث حاصل کرنے کی بھی نیت ہو تو وہ بہ رضامندی ورثا بھی ایسا نہیں کر سکتا۔ یہ اس

رہنہ: جو غیر مسلم ہو اور اسلئے سلطانہ جس
رہنہ: جو غیر مسلم ہو اور اسلئے سلطانہ جس

صورت میں ہے جب ہر دو مووسی کے اور غیر مووسی لہذا دارالسلام میں ہوں، اگر مووسی دارالحرب میں ہو تو ہمارے فقہاء میں ایسی وصیت کے جواز کے بارے میں اختلاف ہے۔ جبکہ اجنبی ایک مستعین ہو اور اسلامی حدود میں رہتا ہو تو ظاہر الروایت کے مطابق اس کے حق میں میراث جائیداد مووسی کے بقدر ثلث بلا رضامندی ورثا اور اس سے بیشتر مالیت کی ان کی رضامندی سے جائز ہوگی۔

شیعہ اصول

اہل تشیع کا بھی اس بارے میں یہی اصول ہے۔ شرائع میں ہے کہ میراث ہاجو حربی، ملحد، یا دشمن کے حق میں ہو کچھ مشتبہ ہے۔ مگر مستند ترین احادیث کے رو سے وہ ممنوع اور باطل ہیں ردالمختار میں ایک حربی یا غیر مسلم دشمن کے حقوق شہریت فوت قرار دئے گئے ہیں۔

اگرچہ ایک غیر کے لیے ترکہ بالوصیت ایک ناجائز ہے مگر تحفہ و انعامات دینا جائز ہے۔ سرخسی حنفی کی شرح الکبیر میں بحوالہ ردالمختار ہے کہ مسلمان کا کسی کافر کو تحفہ یا انعامات دینا خواہ وہ اس کے رشتے دار ہوں یا نہ ہوں، خواہ وہ غیر ذمی ہوں، قابل اعتراض نہیں ہے۔ یہ آنحضرت صلعم کی اس حدیث پر مبنی ہے کہ آپ مختلف تحائف ابوسفیان بن حرب اور ابوسفیان ابن امیہ کو مکہ کے غربا میں تقسیم کرنے کے لیے ارسال فرماتے تھے۔ کسی کا بھی اعزہ کو تحفہ بھیجنا ہر مذہب کو پسندیدہ اور قابل قبول ہیں حتیٰ کہ اجنبیوں کے لیے بھی ایک مہربانی اور سخاوت کا فعل ہے۔ پس غریبوں کو بھی ماسوائے ہتھیاروں اور زرہ بکتر کے قانوناً تحائف دئے جاسکتے ہیں مگر ملحد کے حق میں میراث کسی بھی مذہب کے مطابق جائز نہیں ہے۔

ایک غیر پیدا شدہ بچے کے حق میں میراث

تمام مذاہب کے مطابق ایک غیر پیدا شدہ بچے کے حق میں میراث جائز ہے لیکن فقہ حنفی کے مطابق تاریخ وصیت کے چھ ماہ میں بچہ پیدا ہونا چاہئے۔ اس صورت میں یہی قیاس ہوگا کہ بچہ بوقت میراث موجود تھا تا وقتیکہ وہ مووسی کے لیے باعث ضرر نہ ہو، غیر پیدا شدہ بچے کا حق میراث اس کی پیدائش پر قائم ہو جاتا ہے اور اس وقت تک کو

نی شخص اس کی جانب سے یہ حق استعمال نہیں کر سکتا مثلاً میراث میں تبدیلی یا غیر پیدا شدہ موصلیہ کے حق میں کمی یا بیشی۔

غیر پیدا شدہ بچے کے حق میں وہ میراث

رد اختیار سے واضح ہے کہ جو بچہ رحم مادر میں مقیم ہو اس کا کوئی ولی ہو گا اس لئے کہ لفظ ماں کے ساتھ ایک ولی لازم آتا ہے تاکہ اس کی زیادہ حفاظت ہو سکے اور رحم مادر میں بچہ کو اس کی ضرورت نہیں ہوتی اور یہ فرض ماں ہی انجام دے لیتی ہے اس لئے وہ ماں کا ہی عنصر ہوتا ہے۔ اور چونکہ باپ ماں کا ولی نہیں ہو سکتا اس لئے نہ باپ ولی ہو سکتا ہے نہ ماں رحم خود بچہ کی ولی ہو سکتی ہے اس لئے کہ ماں بچہ کے حق میں میراث کو خواہ بچہ اس کے جسم کا حصہ ہے استعمال نہیں کر سکتی رحم مادر میں اگرچہ بچہ کا وجود ایک روح و جان ہے جو اس کی نگرانی میں تنوین کی گئی اور چونکہ جان موجود ہے اس لئے اس کو ترکہ واجب ہے۔ وصیت ایک فقط نظر سے تملیک اور دوسرے سے حقوق موصلیہ کے لئے کل جائیداد یا اس کے جز میں ایک جائیداد کا تقرر ہے اس کو غیر پیدا شدہ بچہ کا کوئی ولی مقرر نہ کیا گیا لیکن تمام فقہاء جیسے علامہ ابن شبلہ حلوانی اور دوسرے مشائخ کے مطابق ایسے بچے کے وصی کا تقرر اسی طرح جائز ہے جیسا کہ ایک غیر پیدا شدہ بچہ کے حق میں وقف۔ یہ تقرر بچہ کی پیدائش پر جب کہ وہ میراث کا مستحق بنتا ہے، جائز ہوتا ہے۔

اگر بچہ کا باپ زندہ ہو تو حق میراث میں تبدیلی بچہ کی تاریخ میراث سے چھ ماہ میں پیدا ہونے سے ہو جاتی ہے۔ باپ کا انتقال ہو یا ماں کی طلاق کی صورت ہو تو تاریخ میراث سے چھ مہینے میں میراث ہونا چاہئے۔ اور حمل کے طویل ترین عرصہ میں حسب قانون باپ کے انتقال یا ماں کی طلاق کی تاریخ سے بس اس مدت کے بعد بچہ پیدا ہو تو یہ قیاس نہیں ہو سکتا کہ بچہ بوقت میراث حمل میں تھا۔

غیر شادی شدہ بچہ کے بارے میں وقف و وصیتی

اگرچہ ایک بالراست وصیت بالفاظ دیگر وصیت یا ہبہ غیر پیدا شدہ بچہ کے حق میں اسی وقت جب وہ حمل میں ہو اور تاریخ میراث سے چھ ماہ میں پیدا ہو جائے تو جائز ہے مگر قانون وقف بالوصیت کے جواز کو بھی تسلیم کرتا ہے۔ جیسے کہ ایک غیر پیدا شدہ بچہ

کے حق میں وصیتی وقف جو کسی بھی وقت پیدا ہو اور اس کے رحم میں آنے پر وقف کی ابتدا ہو چکی ہو مثلاً ایک شخص اور اس کے غیر پیدا شدہ بچے اور ان کی اولاد کے حق میں وصیت تمام مذاہب میں جائز ہے۔ ایسا وقف وصیتوں کے تقرر سے جو کہ وقف کے امین ہوں گے نافذ گا۔

شیعہ قانون

مندرجہ ذیل کے حق میں وصیت جائز ہے:

- (الف) غرباے عام یا ان کی کسی خاص جماعت کے لیے وصیت
 - (ب) خانہ کعبہ یا کسی دوسری مسجد کے لیے
 - (ج) اللہ کے نام پر یا راہِ خدا میں (فی سبیل اللہ)
 - (د) امور خیر کے لیے (وجوہ الخیر یا وجوہ البر)
 - (ه) جہاد برائے اشاعت اسلام کے لیے:
 - (و) کسی کے وارث کے بچوں اور پڑوسیوں کے لیے۔
 - (ز) غلاموں کو آزاد کرانے کے لیے۔
 - (ح) کسی ذمی زنگی قرضوں کی ادائیگی کے لیے۔
 - (ط) مویشیوں کی غذا کے لیے بھی میراث جائز ہے
- اشاعت دین کے لیے متوفیان کے مقبروں پر مذہبی رسم کی ادائیگی جیسے عرس، مراسم، محرم وغیرہ وغیرہ کے لیے۔
- (ج) اپنے وارث کے بچوں، پڑوسیوں اور ملت کے لیے
 - (د) غلاموں کو آزاد کرانے کے لیے۔
 - (ه) کسی کی زنگی قرضوں کی ادائیگی کے لیے۔
 - (و) مویشیوں کی غذا کے لیے بھی میراث جائز ہے۔

غریب عیسائیوں کے لیے وصیت - حنفی اصول

(الف) غربا کے لیے وصیت خواہ نام غربا کے لیے ہو یا ان کی کسی جماعت کے لیے جائز ہے۔ مذہب حنفیہ کے مطابق غریب عیسائیوں کے حق میں وصیت جائز ہے اور

یہ کنناؤ نہیں ہے۔ اس کے برعکس تعمیر گر جا کے لیے وصیت گناہ ہے۔ اور گر جاؤں کی تعمیر میں مدد کرنے والا بھی گنہگار ہے۔ یہی اصول تمام مذاہب کے اصولوں پر لاگو ہوتا ہے اور وصیت عام غربا کے لیے ہے تو یہ تمام مذاہب کے غربا کے لیے ہوگی۔

غربا کے لیے وقف - شیعہ قانون

شیعہ قانون میں صورت حال مختلف ہے۔ اگر حسب شرایع "ایک مسلمان گداگروں کے لیے ترکہ چھوڑتا ہے اور اس کا منشا اس کے ہم مذہب ہوتے ہیں جس طرح ایک ملحد کی میراث محض اس کے ہم عقیدہ لوگوں کے لیے ہوتی ہے۔"

ابویوسف کے نظریات

ابویوسف کے مطابق بحوالہ نوادر میراث عام مسلمانوں کے کفن مہیا کرنے یا ان کی قبریں کھدوانے والے یا چٹھے بنوانے یا پانی کے حوض بنوانے کے لیے خراب ہے لیکن غریب افراد کی خاطر ان کاموں کے لیے جائز ہے مگر اس پہلو کو بخوبی نہیں سمجھا گیا کہ جب میراث اہل غرض مسلمانوں کے لیے کی جائے تو ان سے غربا ہی مراد ہوں گے۔

مسجد کے حق میں میراث

(ب) خانہ کعبہ یا مسجد کے لیے وصیت کے بارے میں فتاویٰ عالمگیری میں

اس طرح آیا ہے:

"اگر کوئی جائیداد کا حصہ خانہ کعبہ کے لیے وصیت کرے تو جائز ہے اور وہ عمارت، روشنی وغیرہ پر صرف ہونا چاہئے۔ اسی طرح میراث کا ایک ثلث مسجد کے لیے جائز ہے جو مسجد کی عمارت روشنی پر خرچ ہونا چاہئے۔"

تمام فقہاء کے نزدیک ایک شخص اپنی زمین تعمیر مسجد کے لیے وصیت کر سکتا ہے۔ اسی طرح ردالمحتار میں ہے "اگر کوئی اپنے ورثہ کا ایک ثلث بیت المقدس کے لیے میراث کرتا ہے تو یہ جائز ہے جو اس کی عمارت روشنی یا مماثل مقاصد پر صرف ہو گا اور یہی اصول مسجد کے لیے ترکہ پر منطبق ہوتا ہے جو اس کی حفاظت اور دیکھ بھال پر صرف ہو گا۔ بقول قاضی خان بامہ رمضان المبارک اس کی روشنی پر بھی خرچ ہو گا۔ مجتہبی

میں ہے ”بب ترکہ کا ایک تلمث کعبہ کے لیے کیا جائے تو یہ کعبہ کے غربا (جن کو وہاں سے خیرات ملتی ہو) پر خرچ ہونا چاہئے۔ اور یہی صورت مسجد اور بیت المقدس کے لیے ہے۔“ اس کے بعد مزید لکھا ہے۔

”مسجد کے ترکہ کی بابت دو رائیں ہیں۔ ایک یہ کہ ناجائز دوسرا یہ کہ جائز ہے۔ ایسی وصیت کے جواز کی جو فقہا تائید کرتے ہیں ان میں کچھ اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک یہ مسجد کی دیکھ بھال کے لیے کام میں آنا چاہئے یعنی عمارت کی تعمیر اور روشنی وغیرہ میں جب کہ دوسروں کی رائے میں وہ غربا جو مسجد سے وابستہ ہیں ان کی بسراوقات میں صرف ہونا چاہئے۔ ابو محمد پہلی رائے کے ہم نوا ہیں جب کہ مؤخر الذکر کو مصنف مجتہبی نے اختیار کیا ہے۔ ناجوازی کی بابت محض دو فقہا کی رائے ہے۔ لیکن اگر میراث مختص الفاظ میں کہ مسجد پر ہی صرف ہونا چاہئے تو یہ بالاتفاق رائے جائز ہے۔ یہ مناسب ہے کہ اس بارے میں فتویٰ دیا جائے کہ جب میراث مسجد کے لیے کی جائے تو مسجد کے کچھ فقرا کی فلاح پر بھی خرچ ہونا چاہئے۔ ان کی سبانی نے تفصیل وضاحت کی ہے اور اس سلسلہ میں شرح وہبانیہ کا حوالہ بھی ضروری ہے۔ خلاصہ میں ہے کہ (غربا) پر صرف کرنا مرنج ہے مگر ابو یوسف کے مطابق دوسرے غربا کو بھی دینا جائز ہے۔ اور اسی کے مطابق فتویٰ ہیں اور ابو یوسف کی بھی یہی رائے ہے۔“

ایک شخص بذریعہ وصیت اپنی زمین مسجد کے لیے ترکے میں دے سکتا ہے مگر ابو حنیفہ کے مطابق وہ اسے غیروں کے لیے قبرستان یا مسافروں کے لیے سرائے کی تعمیر کے لیے نہیں دے سکتا ہے اس امتیاز کی وجہ سمجھنا مشکل ہے۔ صاحبین نے اپنے استاد سے اس بارے میں اختلاف کیا ہے مگر مؤخر الذکر مقاصد کے لیے انہوں نے ترکہ کی تائید کی ہے۔

(ج) اگر کوئی شخص مندرجہ ذیل الفاظ میں وصیت کرتا ہے۔

”میں اپنی جائیداد کا ایک تلمث خوشنودی خداوندی کے لیے ترکہ کرتا ہوں“ محمد کے مطابق ایسا ترکہ جائز ہے اور جن اغراض خیر پر استعمال یا خرچ یا ہوگا جیسے عام مستحسن یا اغراض فلاح پر۔ وصیت فی سبیل اللہ اشاعت دین متین کی مساعی پر صرف ہوگی اور اسی کام آئے گی۔ ایک غریب حاجی کی استمداد پر بھی جس کے کہ ذرائع معدوم ہو چکے ہوں یہ

نوافل کے مطابق ہے ترکہ و چہرہ انان پر اور مذہب کی نام ترقی پر صرف ہونا چاہئے۔“

شیعہ اصول

مذہب شیعہ کے مطابق ”اگر موسیٰ ترکے کو راہ خدا میں صرف کرنے کی ہدایت کرے تو اسی طرح صرف ہونا چاہئے جس کا ناقبت میں اجر ہو مگر بعض کے نزدیک یہ شخص اشاعت دین پر صرف ہونا چاہئے پہلی رائے زیادہ بہتر ہے۔“

(د) مذہب کہ ترکہ اعتراض خیر (خیر بوجہ) کے لیے کیا جائے تو اس میں تمام پسندیدہ اعتراض خیر شامل ہیں۔ مثلاً مساجد، کالج، شناختوں کی تعمیر یا طالب علموں یا غربا کی مدد بھی شامل ہے۔

اگر موسیٰ بغرض جہاد ترکہ کرے تو غازی کے بسراوقات یا مجاہد کے کسی مہم میں شریک ہونے اور جنگ آزمائی کے درمیان گزارہ پر صرف ہونا چاہئے مگر کوئی جزو اس کے خاندان پر صرف نہ ہونا چاہئے۔ فاضل رقم تو اس کے ورثا کے گزارے پر بھی صرف ہو سکتی ہے۔ مجاہد کے دولت مند ہونے کی صورت میں بھی اس پر رقم صرف کرنے میں کوئی اعتراض نہیں ہے۔ دسی یا موسیٰ کے لڑکے بھی ان کی جانب سے جہاد کر سکتے ہیں۔

ورثا میں سے کسی کا اپنے بچوں کے حق میں ترکہ۔

(ہ) کسی شخص کا اپنے بچوں کے حق میں ترکہ جائز ہے اس لئے کہ ان کی حیثیت غیروں کی طرح ہے۔ دراصل ایک میراث جائز طور پر کسی بھی رشتہ دار کو جو بذریعہ وراثت حصہ کا مستحق ہو ہو سکتی ہے۔

اقربا کے حق میں ترکہ شیعہ اصول

شرائع کے مطابق کسی کا اپنے اقربا کے حق میں خواہ وہ اس کے ورثا میں ہوں یا نہیں، ترکہ کرنا مناسب ہے۔ جب کوئی شخص اپنے اقربا یا قریب ترین رشتہ داروں کے حق میں بذریعہ وصیت ترکہ کرے تو اس پر اصول وراثت لاگو ہوں گے۔ اگر قریب تر عزیز موجود ہوں تو بعید ترکہ نہ پائیں گے۔

شیعہ قانون کے مطابق اگر کوئی شخص اپنے اقربا (ذو قرابت داروں) کے حق میں اس منشا سے ترکہ کرے کہ یہ جو اس کے مفاد میں یا یکجہی ہوں ترکہ کرے تو وہ ان سب کے لیے ہوگا۔ بعض معصنہ کے مطابق وہ سب اس میں شامل ہوں گے جو اس کے بعید عزیز جو بواسطہ ماں یا باپ مگر مسلمان ہوں شامل ہیں مگر اس رائے کی کسی اور سے تائید نہیں ہوتی مگر یہ کہ ترکہ اگر اس کی قوم یا نسل کے لیے ہے تو اس میں وہ سب شامل ہیں جو یکساں زبان بولتے ہیں اور اگر اس کی اہل بیت کے لیے ہے تو اس میں اس کے بچے باپ اور دادا شامل ہیں مزید یہ کہ اگر وہ اپنے کنبہ کے بارے میں کہے کہ اس کے احباب میں محض قریب ترین اس کے ترکے میں شامل سمجھے جائیں گے۔

اگر ایک شخص پڑوسیوں (جیران) کے لیے ترکہ کرتا ہے تو بعض فقہاء کے نزدیک ان میں وہ تمام شامل ہیں جن کے مکانات اس کے مکان کے ہر طرف تیس ذراع کے فاصلے پر ہوں لیکن اس سلسلے میں ایک اور بھی رائے ہے جو نامناسب اور بعید از قیاس ہے اس کی رو سے مکان کے ہر طرف چالیس مکان کے کہیں شامل ہیں۔

(و) شرع اسلام اور مذاہب اسلام کے مطابق غلاموں کو آزاد کرانا بہت ہی امر مستحسن ہے اسی لئے تمام مذاہب کے فقہاء کی غلاموں کو آزاد کرنے کے بارے میں وصیتی ہدایات ملتی ہیں۔ اس موضوع کی کوئی عملی اہمیت نہیں ہے اس لئے اس پر تفصیل سے بحث کرنا غیر ضروری ہے۔

(ز) ایک موصل بذریعہ وصیت وصی کو فروختگی جائیداد کی ہدایت کر سکتا ہے تاکہ اس کے ذمگی قرضوں کی ادائیگی کے بعد بقایا رقم بطور وقف اغراض خیر یا ورثا میں تقسیم کی جائے۔

فصل دوم: اصول توضیح

اصول کی توضیح (حنفی قانون)

حنفی فقہاء نے مشتبہ اور مبہم وصیتوں اور ترکوں کی صحیح وضاحت کے لیے

مندرجہ ذیل اصول پیش کئے ہیں:

- (۱) اگر موہسی یہ الفاظ کہے کہ "اپنی بیوی کے رشتہ داروں کو بطور میراث دیتا ہوں یا بیوی کے دونوں باپ دادا کی طرف سے رشتہ داروں کے مفاد میں ہوگا۔"
 - (۲) اگر میراث اس کے قریب ترین رشتہ داروں کے حق میں ہو تو اس کی ماں کی طرف کے اعزہ کے لیے ہوگی اور باپ کی طرف کی عورتوں کے لیے نہ ہوگی۔
 - (۳) اگر کسی غیر کے رشتہ داروں کے لیے وصیت کی جائے تو اس کے تمام رشتہ داروں کے لیے (خواہ اس کے ہمرد ہوں) کے مفاد میں ہوگی۔
 - (۴) جب وصی اپنا اسباب بطور میراث پائیمائی "ناجینا یا فلاں طبقہ یا فلاں علاقے کے رہنے والوں کے لیے کرے تو یہ ترکہ ان سب میں جو اس معیار پر پورے اترتے ہوں بلا امتیاز صنف یا معاشی حیثیت کے تقسیم ہوگا۔
 - (۵) جب کہ موہسی اپنے وارث کے لیے وصیت کرے اور کئی ورثا چھوڑ کر انتقال کر جائے تو وہ میراث حسب حشمنس ورثا میں تقسیم ہوگی۔
 - (۶) کوئی میراث ان الفاظ میں ہو۔
- "میں فلاں خاندان کے حق میں (نام کا حوالہ دیتے ہوئے) وصیت کرتا ہوں ابو حنیفہ کے مطابق یہ میراث کنبے کے سربراہ کے لیے ہوگی۔ ابو یوسف اور محمد کی رائے میں یہ میراث مثل سابق اہل خاندان میں تقسیم ہوگی۔"
- (۷) اگر میراث پڑوسیوں کے حق میں ہو تو قریب ترین یا وصی سے متصل سکونت رکھنے والوں کو ملے گی محمد کے مطابق اگر کئی اشخاص مکان میں رہتے ہوں تو میراث مسادیا نہ طریقہ پر ان تمام کو جن میں عورتیں بچے شامل ہیں ملے گی۔
 - (۸) اگر میراث سیاہیوں یا متاثرہ (Afflicted) مظلومین کے حق میں ہو تو یہ صرف وارث یا وصی یا قاضی کے لیے ضروری نہیں ہے کہ ان لوگوں کو جو اس معیار پر اترتے ہوں تلاش کرے۔ ایسی صورت میں یہ منتظم یا وصی کی مرضی پر ہے کہ جو بھی آئیں ان پر تا وقتیکہ ان کا مختص حوالہ یا نشان دہی نہ کی گئی ہو ان میں تقسیم کر دے۔

پڑوسی کے حق میں ترکہ

اگر شخص درج ذیل الفاظ میں کوئی ترکہ کرے۔

”میں ایک ہزار درہم اپنے پڑوسی کو ترکہ کرتا ہوں تو ابو حنیفہ کے مطابق یہ اس شخص کو ملیں جن کا مکان موصلی کے مکان سے متصل ہو۔ ابو یوسف و محمد کے مطابق یہ پڑوس کے ان تمام لوگوں کو ملیں گے جو اس علاقہ کی مسجد سے متعلق ہوں مگر ابو حنیفہ کے مطابق فتویٰ اس صورت میں ہے کہ اگر ایک ہی پڑوسی مراد ہو لیکن اگر موصلی کی مراد ایک سے زیادہ کی ہو تو یہ قاضی کی مرضی پر چھوڑ دیا جائے اس موضوع پر فتاویٰ عالمگیری کی عبارت اس طرح ہے۔

اگر کوئی شخص جائیداد کا ایک ثلث پڑوسیوں کو ترکہ کرے بعض کے نزدیک ایک ثلث ان تمام میں اگر وہ شمار ہو سکتے ہوں خواہ امیر ہو یا غریب تقسیم ہونا چاہئے۔ اور اسی طرح ہونا چاہئے جب کہ وہ یہ کہے کہ اس کی مسجد کے لوگوں کے لیے۔ الفاظ ”گنے نہیں جاسکتے“ کی تفسیر یا ابو یوسف کے مطابق یہ ہیں کہ بلا تحریری حساب ان کا اندازہ نہیں ہو سکتا محمد کے مطابق ان سے مراد وہ ہیں جو سو سے متجاوز ہوں۔ دوسروں کے مطابق قاضی کی صوابدید پر یہ مسئلہ چھوڑ دینا چاہئے۔ اور فتویٰ بھی اس کے مطابق ہے مگر محمد کا اصول آسان تر ہے۔ اگر پڑوسی شمار نہیں ہو سکتے تو میراث باطل ہے اور یہی صورت اس وقت ہے اگر میراث مسجد کے لوگوں کے لیے یا جن (قید خانہ) کے لیے ہو اور وہ گنے نہ جا سکیں۔ محمد کے مطابق اگر میراث کسی خاص شخص کی نسل کے یتیموں کے لیے ہو اور گنے جاسکتے ہوں تو میراث سمجھوں پر اس طرح کرنا چاہئے گویا کہ میراث اس کوچہ کے یتیموں یا عمارت کے لیے تھی اس میں اغنیا اور غربا یکساں حصہ دار ہوں گے۔ اگر یہ گنے نہیں جاسکتے تو محض غربا پر صرف ہوگی۔

یہ امر کہ ہمسایوں میں جو کہ حصہ کے ہیں کون ہیں مستحق ہیں۔ مشائخ کی رائے میں ہمسایہ میں ہر شخص شامل ہے خواہ وہ مالک مکان ہو یا نہیں۔ خواہ مرد یا عورت خواہ مسلمان ہو یا ذمی لفظ پڑوسی ان سب پر یکساں حاوی ہے۔ ابو حنیفہ کے مطابق ایک غلام مطلق بھی جس کا پڑوس میں مکان ہے اس وصیت سے فائدہ کا مستحق ہے۔

اصہبار کے حق میں میراث

اگر کوئی اصہبار کے حق میں ترکہ کرے تو اس کی بیوی کے تمام رشتہ دار مثلاً اس کے باپ بھائی وغیرہ اس ذیل میں آتے ہیں۔ ان میں اس کی سوتیلی ماں کے رشتہ دار اور اس کے بڑے کی بیوی بھی شامل ہیں۔ اس لئے کہ یہ سب موسیٰ کے اصہبار کے رشتہ میں شامل ہیں۔ یہ بھی بتانا ہے کہ بیوی کے ممنوعہ حدود میں تمام رشتہ دار بھی اس ترکہ میں شامل ہوں گے یا وجود یکہ بوقت انتقال موسیٰ قابل تفسیح طلاق کی عدت میں تھی۔ اور طلاق ناقابل تفسیح ہونے کی صورت میں مطاقت کے انزوہ ترکہ میں شامل ہوں گے۔ کیونکہ ان رشتہ داروں کا وجود اصہبار کہلانے کا مستحق ہے۔ موسیٰ کے انتقال کے وقت واقعی شادی ہونے پر منحصر ہے اور ایک ناقابل تفسیح طلاق سے شادی کلیتاً منسوخ ہو جاتی ہے۔

اگر کوئی اپنے اقربا کے حق میں وصیت کرے تو اس کا اطلاق حدود ممنوعہ میں قریب ترین رشتہ داروں پر بھی ہوتا ہے اگر وہ نہ ہوں تو جوان کے بعد قریب ہوں۔ پس اس طرح یکے بعد دیگرے۔ ابو حنیفہ کے مطابق اسی میراث موسیٰ کی ممنوعہ حدود کے رشتہ داروں پر محدود ہوگی مگر صاحبین کے نزدیک بعید ترین اجداد کی آل پر بھی جو مذہب اسلام کے پیرو ہیں موثر ہوگی مگر شافعیوں کے نزدیک موسیٰ کے باپ اور اس کے اولاد تک ہی محدود ہوگی۔

رشتہ داروں کے حق میں میراث

اگر ایک شخص جس کے دو چچا اور دو ماموں ہوں اور وہ اپنے اقرار حق میں وصیت کرے تو ابو حنیفہ کے مطابق یہ وصیت محض چچاؤں کے حق میں ہوگی۔ مگر صاحبین کے نزدیک اس میں چاروں شامل ہوں گے۔ اس کے برعکس اگر موسیٰ چچا اور ماموں کو تہبوزے تو نصف چچا کو اور دوسرا نصف دونوں ماموں کو ملے گا اور اگر میراث قریبی رشتہ دار کے حق میں ہے تمام میراث چچا کو ملے گی اور ماموں کچھ نہ پائیں گے۔ اور اگر ایک بی بی چچا ہے تو صرف وہی پائے گا اگر موسیٰ کے پس ماندگان میں ایک چچا ایک چچی ایک ماموں ایک ممانی ہو تو یہ میراث مساویانہ حصص میں چچا اور ماموں پائیں گے۔ اس لئے کہ قربت کے اعتبار سے ہر دو مساوی ہیں اس لئے کہ ان میں اور موسیٰ میں قربت

رشتہ اتنی ہی منبھوط ہے جو اس میں اور چچا چچی میں تھی۔ ایک چچی اگر چہ وراثت کی مستحق نہیں ہے تاہم بقول ردالمختار اسی طرح پاسکتی ہے جو مثل اپنے رشتہ دار کے ہو جیسے غلام یا ملحد۔ پس اگر ممنوعہ حدود میں کوئی رشتہ دار نہیں ہے تو میراث باطل ہے اس لئے کہ میراث کا نفاذ محض رشتہ داروں تک محدود رہتا ہے۔

یتامی کے حق میں میراث

جب یتامی کے لیے کوئی میراث کی جائے ان میں نابینا، لنگڑے یا کسی خاص طبقے کی بیوائیں جن کی تعداد معین نہ ہو تو میراث بلا امتیاز سب کے حق میں ہوگی خواہ وہ امیر ہوں یا غریب ذکور ہوں یا اثنا۔ میراث، کا نفاذ اس صورت میں اور اس لئے قابل عمل ہے کہ ورثہ کی تعداد کا تعین نہیں ہو سکتا ابو یوسف کے مطابق یہ عبارت ”اگر ان کا شمار ہو سکے“ اس کا منشا یہ ہے کہ جتنے بھی بلا تحریری حساب کئے گئے جاسکیں مگر محمد کی رائے میں اس کا منشا و فتویٰ سے زیادہ نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس سے زیادہ تعداد و شمار سے متجاوز ہوتی ہے۔ بعض فقہاء کے نزدیک اس کے برعکس اس مسئلہ کا تصفیہ کلیتاً قاضی کی صواب دید پر ہے اور اس کے مطابق فتوے صادر ہوئے ہیں۔

اگر نسل کے نامزد افراد کا شمار ممکن نہ ہو تو اس میں محض غربا شامل ہوں گے نہ کہ طبقہ انغیا اس لئے کہ ترکہ فلاحی نوعیت کا ہے اور اس مقصد (خوشنودی خداوندی) کا سب سے بہتر حصول غربا کی حاجتیں پوری کرنا ہے۔

مزید برآں ترکہ کی تعریف سے موہوب لہ موہی کی پریشانی اور حاجتوں کی نشاندہی ہوتی ہے اور یہ مناسب ہے کہ موہی کا یہی منشا سمجھا جائے اگر کوئی ترکہ کسی خاص نسل کے نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کے لیے جو لا تعداد ہوں کرے تو صورت حال اس کے برعکس ہوگی اور اصطلاح ”مستعملہ“ سے اظہار حاجت نہیں ہوتا۔ تو موہی کے الفاظ کی تعبیر نہ غربا پر لاگو ہوتی ہے نہ اس طبقہ کے نامزد افراد کے حق میں ترکہ ممکن قرار پاتا ہے۔ اور چونکہ اس کا شمار نہیں ہو سکتا ان کی وضاحت بھی ناممکن ہے۔ پس نا معلوم موہیان لہم کے حق میں ترکہ اس لئے باطل ہے کہ یہ ایک ایسا فعل ہے جس سے موہی دوسروں میں جائیداد تفویض کرتا ہے اور غیر معلوم اشخاص میں یہ حق تفویض

کرنا ناممکن ہے۔

یہ قابل تصور امر ہے کہ غربایا پریشان حال کے لیے میراث بصورت ترکہ کم سے کم دو مفلسوں کے لیے ہونا چاہئے اور وصیت نہیں کم از کم جمع کا عدد ۲ ہے۔

کسی خاص شخص کی اولاد کے حق میں ترکہ

جب کسی خاص نسل کے خاص شخص کی اولاد کے لیے ترکہ کیا جائے تو اس میں ذکور اور اثنا میں مساوی حق ہوگا۔ اس لئے کہ لفظ اولاد کے مفہوم میں تمام اولاد شامل ہے کسی خاص فرد کے ورثا کے حق میں ترکہ شخص نامزد کے ورثا میں تقسیم ہوگا۔ وصیت جائزین کے قواعد کے مطابق مرد عورت سے دو چند حصہ پائیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ موسیٰ کا لفظ ورثا استعمال کرتے ہیں مقصد یہ تھا کہ تقسیم میراث میں بھی وہی امتیاز قائم رکھا جائے جو کہ وارث کی صورت میں تھا۔ اگر ایک شخص کی جائیداد کا کوئی ایک حصہ کسی کو جو ایک ثلث سے زیادہ ہو اس کو ۳/۴ تک محدود کر دیا جائے۔

ذہنی قانون

قواعد مانگیری کے مطابق اگر کوئی جائیداد کا ایک ثلث کسی کو ترکہ کرے اور دیگر ثلث کسی دوسرے کو اور ہر دو ترکوں پر ورثا رضامند ہو جائیں تو موسیٰ لہ کو ۳/۴ اور ورثا کو ۳/۴ ملے گا۔ اور دیگر ورثا اس پر رضامند نہ ہوں تو موسیٰ لہ کو ۳/۴ ملے گا جو وہ آپس میں بقدر نصف نصف تقسیم کر لیں گے۔ اگر موسیٰ جائیداد کا ۳/۴ کسی کو ترکہ کرتا ہے اور ۱/۴ کسی دوسرے شخص کو تو یہ کمی بقدر مناسب ہونا چاہئے۔ مثلاً اول الذکر موسیٰ لہ پہلے ۳/۴ کا ۳/۴ پائے گا اور دوسرا موسیٰ لہ ۱/۴ جس کا مجموعہ ۳/۴ ہوگا۔

اسی طرح درالختار میں ہے کہ اگر کوئی شخص زید کو حقیقت کا ۳/۴ ترکہ میں دے اور ۳/۴ کسی دوسرے کو اور ورثا اس ترکہ پر رضامند نہ ہوں تو ہر دو موسیٰ لہم کو ۳/۴ مساویانہ تقسیم ہوگا اگر وہ ۳/۴ ایک کو دے اور ۱/۴ دوسرے کو تو ان دونوں میں ۳/۴ اور ایک کے تناسب سے تقسیم ہوگا۔ ایک شخص اپنی تمام جائیداد کو ۳/۴ دوسروں کو دے تو تمام میں ایک ثلث مساویانہ تقسیم ہوگا۔

تقسیم ترکہ کے بارے میں اگر ورثا رضامند ہوں نوعیت اختلاف اگرچہ نتیجہ

میں تمام اثاثہ اور اسباب چار سہام میں منقسم ہوگا۔ ان میں سے ایک مؤخر الذکر موصلیٰ لہ کو اور تین اول الذکر میں تقسیم ہوگا۔

شیعہ قانون

شیعہ قانون کے مطابق دوسرے کو میراث ناجائز ہوگی اور اول الذکر موصلیٰ لہ تمام ایک ثلث پائے گا۔ شرائع میں یہ اصول اس طرح ہے:

اگر ایک شخص حقیقت کا ایک ثلث کسی ایک موصلیٰ لہ کو اور ۲/۳ دوسرے کو اور ۱/۳ بطور ترکہ کسی اور کو دے اور ورثان ترکوں پر رضامند نہ ہوں تو ۱/۳ پہلے موصلیٰ لہ کو دیا جائے گا باقی ترکہ کے باطل ہوں گے اگر وہ ترکہ کا ۱/۳ ایک شخص اور اس کے بعد ایک ثلث کسی دوسرے کو دے تو یہ پہلے کے حق میں میراث تفسیح ہو کر دوسرے کو ملے گی۔

اگر اول الذکر کے بارے میں کچھ شبہ ہو تو یہ قرعہ اندازی سے طے ہوگا۔ اگر کوئی شخص ایک شے دو اشخاص کو ترکے میں دے اور اس شے کی قیمت اس کی جائیداد کے ۱/۳ سے زیا دہ ہو اور اس اضافہ پر ورثا رضامند نہ ہوں تو محض اسی قدر شے جس کی قیمت جائیداد کے ایک ثلث تک ہو وہ موصلیٰ لہم کی مشترکہ جائیداد سمجھی جائے گی۔ اس کے برعکس کوئی شخص ان دو میں سے ایک کو کوئی شے ترکے میں دے تو جس کے حق میں پہلی بار ترکہ ہوا اس سے ابتدا ہونا چاہئے۔ اور کسی دوسرے کے ترکے میں سے کی جائے۔

اس اصول کا نفاذ غیر معین مختص میراثوں پر مساویانہ ہونا چاہئے۔ مثلاً اگر کوئی شخص کسی کو کوئی رقم یا وراثت میں سے حصہ دے اور دوسروں کو صرف اتنا ہی دے جو ایک مترہ وقت تک اس کے گزار ہونے کے لیے کافی ہو تو آخر الذکر میراث کی مالیت کا تعین ہوگا اور اصول متذکرہ کے مطابق پر میراث کا تصفیہ ہوگا۔

حنفی قانون

اگر دو شخصوں میں کوئی ترکہ موصلیٰ کی جائیداد اور املاک کا نصف اور ۱/۳ کے حصص میں کیا جائے تو موصلیٰ لہم اس پر رضامند ہو تو اپنا اپنا حصہ پائیں گے بقیہ ورثا کو دیا جائے گا۔ اگر ورثا اس پر رضامند نہ ہوں تو ابوحنیفہ کے مطابق میراث ایک ثلث میں سے ہی جس کے سات حصہ کئے جائیں گے دی جائے گی۔ چار ان موصلیٰ لہم کو جن کو

آدھا دیا گیا ہے اور تین سو روپے والے موسیٰ لہم کو لیکن ابو یوسف اور محمد کے جن کے فتاویٰ مسلمہ ہیں سو روپوں میں تقسیم ہوگی۔ اور نصف پر نصف پانے والے موسیٰ لہم کو اور ایک سو روپے والے موسیٰ لہم کو۔ اگر ترکہ شخص زرہائے نقد کا ہو مثلاً ایک ہزار درہم ایک شخص کو اور دو ہزار درہم دوسرے شخص کو تو سو روپے ایک ہزار درہم ہی ہوتا ہے ابو حنیفہ کے مطابق موسیٰ لہم بقدر اپنی میراث پوری رقم لے گا۔ اور اس طرح وہ ایک ہزار روپیہ ان میں تقسیم ہو جائے گا۔ ان تمام صورتوں میں موسیٰ لہم میراث کے بقدر پوری رقم پائے گا اس لئے کہ بادی النظر میں یہ جائز ہے کہ موسیٰ نے اتنی رقم ضرور چھوڑی ہوگی کہ یہ رقم ترکہ کی سو روپے تک۔ تمام فقہاء اس پر متفق ہیں کہ جب کئی میراثوں میں سے ہر ایک ثلث جائیداد سے متجاوز نہ ہو۔ مثلاً جب ایک ثلث کسی ایک کو اور سو روپے کو ترکہ میں دیا جائے اور ورثاء رضامند نہ ہوں تو ہر موسیٰ اپنی میراث کی پوری رقم کے بقدر حصہ پانے کا خواہ میراث کچھ بھی ہو مستحق ہے۔ اور ایک ثلث ان میں اسی کے مطابق تقسیم ہوگی۔

اگر ترکہ غیر معین صورت میں ہو مثلاً کوئی موسیٰ لہم کہے کہ میں جائیداد کا حصہ فلاں فلاں کو دیتا ہوں وہ کسی وقت بھی زندگی میں اس ارادے کو ظاہر کر سکتا ہے اس کی موت کے بعد اس حصہ بالوصیت کی توثیق ورثاء پر محصر ہوگی۔

اگر ترکہ اسبام یا جزم میں ہے تو بعض کے نزدیک ورثاء حسب مرضی دے سکتے ہیں لیکن "مضبوط" میں ہے کہ سبام موسیٰ لہم ورثاء کے افضل ترین حصے کے مساوی ہونا چاہئے بشرطیکہ یہ ایک ثلث سے زیادہ نہ ہو اور یہی صاحبین کی رائے ہے اگر موسیٰ لہم اپنی جائیداد کا سبام کسی کو جس کے کوئی وارث نہ ہوں ترکہ میں دے تو موسیٰ لہم نصف پائے گا اور بقیہ نصف بیت المال یا خزانہ عامرہ میں داخل کر دیا جائے گا۔ یہ صورت اس طرح ہے گویا اس نے دو بیٹے چھوڑے ہیں اور ہر دو میں ان کی جائیداد میں مساویانہ تقسیم ہو۔

اصول تعبیر

ایک شخص اپنے لڑکے یا لڑکی کا حصہ ترکہ میں دے اور اس کے ایک ہی لڑکایا ایک ہی لڑکی ہو تو یہ جائز نہیں ہے اس لئے کہ اصلادہ ایسی چیز دے رہا ہے جو دوسروں کی

ہے لیکن اگر اس کے نہ لڑکا ہونہ لڑکی تو ترکہ جائز ہے۔ ترکہ اس کے لڑکے یا لڑکی کی مساوی رقم موسیٰ لہ کو دینی چاہئے۔ اگر اثاثہ سے ۳/۴ سے زیادہ ہو تو ترکہ کے لیے ورثا کی رضامندی ضروری ہے۔ لیکن ایک ثلث سے برابر یا اس سے کم ہو تو بلا ان کی اجازت کے جائز ہے پس اگر کوئی شخص اپنے لڑکے کے حصہ کا ترکہ دوسرے کو دے اور اس کے شخص ایک ہی لڑکا ہے تو موسیٰ لہ بشرطیکہ ورثا رضامند ہوں جائیداد کا نصف ورثہ ایک ثلث ہی لے گا۔ اسی طرح اگر اس کے دو لڑکے ہوں تو ”ذیلیہ“ کے مطابق موسیٰ لہ ایک ثلث لے گا۔ اگر موسیٰ لہ کا لڑکا ایک لڑکی چھوڑ کر انتقال ہو جائے اور میراث لڑکی کا ہی حصہ ہے تو موسیٰ لہ کو بشرطیکہ لڑکی اس پر رضامند ہو نصف ملے گا۔ ورنہ وہ ایک ثلث پائے گی۔ لیکن اگر دو لڑکیاں ہوں تو ”منہ“ کے مطابق موسیٰ لہ ۳/۴ پائے گا اور اگر اس کے تین لڑکیاں ہوں تو وہ ۴/۵ پائے گا۔ اس کی ”مجتبیٰ“ کے حوالے سے بھی تائید ہوتی ہے جو امام زاہدی کی تصنیف ہے اگر موسیٰ لہ کے پس ماندگان میں ایک لڑکا اور ایک لڑکی ہوں اور ترکہ میں صرف لڑکی کا حصہ ہو تو موسیٰ لہ ۳/۴ پائے گا۔ اور اگر کوئی موسیٰ پسماندگان میں ایک خاندان اور تین قسم کی بہنیں یعنی حقیقی بہن۔ اخیانی بہن۔ اور سوتیلی بہن ہے اور ترکہ حقیقی بہن کے حصہ کا ہے تو موسیٰ لہ کو ۱/۱۰ ملے گا یہی اصول مجتبیٰ میں ہے اور ہندیہ (فتاویٰ عالمگیری) میں یہ اصول اس طرح واضح کیا گیا ہے کہ اگر ایک شوہر اپنا مختص حصہ لیکر بقیہ حسب قانون موسیٰ لہ اور بہنوں میں بقدر حصص تقسیم کرتا ہے اور اگر موسیٰ لہ کا ایک ماں اور ایک بیٹا چھوڑ کر انتقال ہو جائے اور ترکہ میں مختص لڑکی کا حصہ ہو تو جائیداد سترہ حصوں میں تقسیم ہوگی ان میں سے ۵ موسیٰ لہ کو ۱۰ لڑکے کو اور دو ماں کو ملیں گے۔

اس امر کی وضاحت کے لیے یہ ضروری ہے کہ پہلے یہ قیاس کیا جائے گویا کوئی میراث ہی نہ تھی اور اس کے بعد جائیداد کو چھ حصوں میں تقسیم کیا جائے۔ ان میں سے ماں کو ایک حصہ اور اپنے بیٹے کو بقیہ ۵ حصص دئے جائیں۔ ایک لڑکی کے حصے کا ترکہ اگر وہ ایک ہی ہوتی تو اس میں ایک حصہ کے مزید اضافہ کی ضرورت تھی جو ایک لڑکے کے حصہ سے نصف ہے اضافہ ڈھائی حصوں کا ہونا چاہئے۔ جس سے وہ مجموعی طور پر ۸ - ۲/۲ ہو یا دو گنے ہو جائیں اس طرح سترہ حصص کے جز سے بچا جاسکے۔ اور موسیٰ لہ پہلے پانچ حصہ ملیں

کے اس لئے کہ میراث ایک ثلث سے کم ہے اور میراث درماتا سے اولیت حاصل ہے۔ اور باقی ۱۲ حصوں میں ۶ زیادہ حصے ماں کو دئے جائیں اور بقیہ دس بیٹوں کو۔

کسی شخص کے ایک لڑکی اور ایک بہن ہو اور میراث لڑکی کے حصہ کی ہے تو موسیٰ ۱۳ انوار لڑکی اور بہن رضامند ہوں یا نہ ہوں ملے گا فتاویٰ نعمانیہ مولفہ سبحانی میں ایسا ہی آیا ہے اگر کوئی شخص ایک بیوی اور ایک لڑکا چھوڑے اور دوسرے لڑکے کے حصے کی میراث کرے بشرطیکہ کوئی لڑکا ہو تو جائیداد پر یہ قیاس کرنے پر کہ درماتا میراث پر رضامند ہیں جائیداد پندرہ حصوں میں تقسیم ہوگی اس کے بعد موسیٰ ۱۴ سات حصے بیوی ایک حصہ اور لڑکے حصہ لیں گے جیسا کہ آخری ایک چھوڑ کر پہلے یہ خیال کرنا چاہئے کہ کوئی میراث نہیں ہے اور اس قیاس کی بنا پر میراث ۸ حصوں میں تقسیم کرنا چاہئے اسی طرح بیوی ایک اور لڑکے حصہ لیں گے لیکن میراث ایک ہی لڑکے کا حصہ خیال کی جائے گی اگر ایک ہی لڑکا ہو تب بھی شخص کی تعداد میں سات کا مزید اضافہ کرنا چاہئے تاکہ پندرہ ہو جائیں اس صورت میں اگر میراث جائیداد کے ایک ثلث سے زیادہ ہو تو رضامندی درماتا مشروط ہے اور ان کی بلار رضامندی میراث جائز نہ ہوگی۔

اگر کوئی شخص ایک لڑکی اور ایک بھائی چھوڑ کر انتقال کر جائے اور دوسرے کو ایک لڑکے کا حصہ اس لئے ترکہ میں دے کہ اس کے کوئی لڑکا نہیں ہے تو موسیٰ ۱۵ کو جائیداد کا ۳ حصے کا اور ایک ثلث لڑکی اور بھائی میں نصف نصف تقسیم ہوگا۔

بشرطیکہ درماتا اس میراث پر راضی ہوں۔ ورنہ تو موسیٰ ۱۶ محض ایک ثلث اور بقیہ کو ۳ لڑکی اور بھائی میں مساویانہ تقسیم ہوگا۔ اگر میراث ایک لڑکے کے حصے کے برابر ہو اور ایک ہی لڑکا ہو اور دوسرے حالات یکساں ہوں تو موسیٰ ۱۷ کو اگر درماتا رضامند ہوں جائیداد کا ۵ حصے گا اگر کوئی شخص ایک بھائی اور بہن چھوڑ کر انتقال کر جائے اور وہ دوسرے شخص کو ایک لڑکا (بشرطیکہ وہ ایک ہی ہو) ترکہ میں دے۔ درماتا کی اس پر رضامندی ہو تو موسیٰ ۱۸ تمام جائیداد لے گا اور بھائی یا بہن کو کچھ نہ ملے گا۔

اگر اس نے لڑکے کے حصے کی مثل بشرطیکہ وہ ایک ہو تا اور درماتا میراث پر رضامند ہوتے تو موسیٰ ۱۹ کو نصف حصہ ملتا اور بقیہ نصف بھائی یا بہن میں بقدر ۳ یعنی دو حصے مرد کو اور ایک عورت کو ملتے دونوں ہی صورتوں میں اگر میراث پر درماتا تیار ہیں تو

موصی لہ کو سہرا ملتا اور بقیہ سہرا بھائی اور بہن میں اسی طرح تقسیم ہو جاتا۔
اس میں وہ تمام معاملات آجاتے ہیں جبکہ موصی لہ ورثا چھوڑے ورثانہ
ہونے کی صورت میں اگر موصی لہ ایسی میراث چھوڑے جو کہ خاص وارث کا حصہ ہے تو
موصی لہ کو نصف ملے گا اور بقیہ بیت المال میں داخل ہوگا یہ ”جوہرہ“ کے مسلمہ اصول
کے مطابق ہے ایک وارث صاحب الحق ہوتا ہے اور ورثہ میں قطعاً کسی حصے سے محروم
نہیں کیا جاسکتا۔

شیعہ قانون

شیعہ قانون کے مطابق اگر کل میراث کئی اشخاص یا کسی طبقے کے اشخاص کو
دی جائے تو یہ سب میں مساویانہ قابل تقسیم ہے۔ مثلاً اگر ایک شخص اپنے بچوں کے
لیے کوئی ترکہ چھوڑے ان میں سے بعض اناث اور بعض ذکور ہوں تو ان سب میں بلا
امتیاز صنف میراث مساویانہ تقسیم ہوگی اسی طرح اگر میراث چچا اور چچی کے حق میں ہو
خواہ وہ باپ کی طرف سے ہو یا ماں کی طرف سے یا دونوں کی جانب سے اگر موصی لہ
واضح طور پر بھوارہ سے دوسروں کے مقابلے میں باپ کو زیادہ دے تو اس بارے میں
ہدایات دینا چاہئے۔

موصی لہ کا انتقال۔ حنفی اور شیعہ اصول

حنفی اصول کے مطابق موصی کی حین حیات موصی لہ کے انتقال سے وہ ختم
نہیں ہوتی بلکہ موصی لہ کے ورثا پر منتقل ہو جاتی ہے بشرطیکہ اس کے وارث ہوں ورنہ یہ
موصی کے ورثا پر غور کرے گی۔

حنفی قانون

اگر موصی کی جائیداد کا سہرا عمر و زید کو ترکہ میں دیا جائے مگر بوقت ترکہ عمر کا
انتقال ہو جائے تو کل جائیداد کا سہرا زید کو ملے گی۔ اور اصول یہ ہے کہ غیر حاضر یا متوفی
کا کوئی حق نہیں ہوتا۔ ابو یوسف کی رائے میں اگر موصی کو بوقت ترکہ عمر کے انتقال کا علم
تھا تو زید کو نصف ہی دیا جائے گا ”زیلیہ“ کے مطابق ہے۔ اس لئے عمر و زید کا ترکہ ہوا

اور عمر کا انتقال ہو چکا ہے وہ ترکہ زید کو ایک غیر ذی روح شخص کو ہو گا۔ اگر کوئی میراث عمر زید کے حق میں کی جائے اور عمر کا انتقال ہو جائے تو باقی ماندہ نصف موسیٰ لہ کو ملے گی۔ اس لئے کہ لفظ ”درمیان“ کا مفہوم یہ ہے کہ یہ نصف نصف دی جائے۔

اگر کوئی شخص پہ عبارت ذیل ترکہ کرے

”میری جائیداد کا ایک ٹمٹ میرا وصی A کو اور عبد اللہ کے لڑکے کو دے گا۔“

اور اگر مؤخر الذکر میری موت کے وقت حاجت مند ہو اور موسیٰ کے انتقال پر عبد اللہ مال دار ہو تو ایک ٹمٹ کا نصف عبد اللہ کو دیا جائے گا۔“

اگر موسیٰ لہم میں سے کوئی ایک موسیٰ کے حق میں عین حیات کر جائے تو یہی نتیجہ ہو گا۔ اصول یہ ہے جب کہ میراث موجودہ مقاصد و اشخاص کے لیے ہے اور ان میں بعد موجودہ مقاصد اور اشخاص کے لیے اور ان میں وصیت کوئی ایک معدوم ہو جائے تو دوسرے، موسیٰ لہم اپنے اصلی شخص پائیں گے اور متوفی موسیٰ لہ کا بقیہ حصہ حقیقت میں شامل ہو جائے گا۔ اگر موسیٰ لہم میں سے اس وقت کوئی موجود نہ ہو تو وہ اہلیت جو موسیٰ ترکہ حاصل کرنے والے میں چاہتا تھا ایسی صورت میں ترکہ تمام موجودہ موسیٰ لہم کو ملے گا۔ اور ”ذیلیہ“ کے مطابق ہے مثلاً اگر الف اور ان لوگوں کے لیے بھی جو مخصوص گھر میں رہتے ہیں کوئی ترکہ کرے تو تمام ترکہ زید کو ملے گا اس لئے کہ اشخاص معدوم کے لیے کوئی ترکہ نہیں ہے۔ ایسا ہی اس وقت ہو گا اگر ایک شخص یہ کہے کہ یہ A ایک اور اس کے اعتقاد کے لیے ہے اس لئے کہ اعتقاد وہ ہوتے ہیں جو ایک شخص اپنے پیچھے چھوڑے اور جو بوقت ترکہ معین نہ کئے جاسکیں۔ ایسا ہی درر میں ہے۔ اسی طرح اگر ایک شخص یہ کہے کہ میراث زید اور عبد اللہ کے لڑکے کے لیے ہے بشرطیکہ میرے مکان میں رہیں اگر عبد اللہ کا لڑکا اس مکان میں نہ رہے تو تمام میراث زید کو ملے گی۔ لیکن میراث اگر عمر کا بعد وفات بیوی کے انتقال ہو جائے تو عمر کا حصہ اس کے ورثا کو ملے گا۔

قدیم اصول کے مطابق اگر ایک عورت خاوند کی زندگی میں انتقال کر جائے اور نصف جائیداد کسی غیر کو ترکہ کر دے دے تو شوہر کو ۳/۴ ملتا موسیٰ لہ کو نصف ملے گا اور بقیہ نصف بیت المال میں داخل ہو گا متقدمین فقہاء کی دلیل یہ ہے کہ غیر شخص کے حق میراث کو بقدر ٹمٹ ورثا کے حقوق پر ترجیح ہے اور اس کے بعد جائیداد کا ۳/۴ حصہ

ورثے میں تقسیم کے لیے بچتا ہے۔ اس میں سے نصف ۳/۱ شوہر کا ایک ثلث چھوڑ کر ہے جس کا کوئی مستحق وارث نہ ہو پس بقیہ میراث اس کے خلاف موثر ہوگی اور موسیٰ لہم اپنے ترکہ میں سے نصف پائے گا۔ بقیہ ۶/۱ حصہ پانے کے لیے مستحق وارث نہیں ہے یہ بیت المال میں داخل ہوگا۔ جدید اصول کے مطابق ۶/۱ وارث کو عود کرتا ہے۔

اگر ایک شخص کا بیوی کو چھوڑ کر انتقال ہو جائے اور تمام جائیداد کسی غیر کو ترکہ کر دے مگر اس میراث پر رضامندی نہ ہو تو جائیداد پر ۶/۱ کی مستحق ہوگی۔ اور موسیٰ لہ بقیہ ۵/۱ پائے گا چونکہ بوجہ میراث وہ ۳/۱ کی مستحق ہے اور بقیہ ۳/۱ میں سے بیوہ لے لے گی جو تمام کا ۶/۱ ہے اور بقیہ موسیٰ لہ لے لے گا۔ اگر کوئی شخص جائیداد کا ۳/۱ کسی خاص شخص کے لڑکے کے لیے ترکہ کرے اور اس شخص کے تاریخ ترکہ پر کوئی لڑکانہ ہو مگر قبل انتقال موسیٰ اس کے لڑکے پیدا ہوں تو لڑکے کے ۳/۱ کے مستحق ہوں گے اور اگر تاریخ ترکہ پر اس شخص کے لڑکے ہوں مگر احمد زید و بکر کے نام سے معروف نہ ہوں یا کسی اور طرح شخص نہ ہوں تو ترکہ ان سب لڑکوں کے لیے ہوگا جو بوقت انتقال موسیٰ موجود تھے پس جو تاریخ ترکہ موجود ہوں اور ان کا انتقال ہو جائے اور دوسرے جو بعد میں پیدا ہوئے ہوں مگر بوقت انتقال موسیٰ زندہ ہوں اور اگر موجود لڑکے کے نام سے معروف ہیں تو جائیداد کے ۳/۱ حصہ کے مستحق ہیں۔ صریحا اگر کسی فیصلے کے وقت ہوں تو ترکہ انہیں کے حق میں طے ہوگا۔ اور بصورت ان کی موت باطل ہوگا۔ اسی طرح اگر موسیٰ لہم نامزد کر دئے جائیں یا کسی اور طرح علم میں آئیں تو ان کے حق میں ترکہ خاص ہوگا۔ اور ان کے حق میں وقت ترکہ کا خاص معاملہ رکھا جائے گا۔

اگر کوئی جائیداد کا ۳/۱ ام الولد کے لیے ترکے میں جو تعداد میں تین ہیں دے اور فقر اور مساکین کو بھی دے تو جائیداد ۵ حصوں میں تقسیم ہوگی ان میں سے ایک حصہ پر ام الولد کو دی جائے گی ایک فقیر کو بقیہ غربا اور مساکین کو۔ یہ ابو حنیفہ اور ابو یوسف کے مطابق ہے مگر محمد کے مطابق جائیداد سات (۷) حصوں میں تقسیم ہوگی تین حصے ام الولد اور دو فقیر و مساکین کو دئے جائیں گے اول الذکر رائے مسلمہ ہے اسی طرح اگر کوئی جائیداد کا ۳/۱ حصہ زید اور مساکین کو دے اور زید نصف حصہ لے تو بقیہ نصف مؤخر الذکر لیں گے یہ ابو حنیفہ اور ابو یوسف کے مطابق ہے۔ اگر کوئی جائیداد کا نصف ترکہ فقر اور

مسکین کو دے تو ابوحنیفہ کے مطابق جانیداد کے ۳ حصے کے جائیں گے اور ابو یوسف کے مطابق نصف ہوں گے اور محمد کے مطابق پانچ حصے ہوں گے یہی مسلمہ رائے ہے اگر غریب و ترکہ دے تو بقول ابوحنیفہ اور ابو یوسف یہ ایک ہی غریب شخص کو ملے گا اور ابو یوسف کے مطابق غریب اشخاص کو مانا جاتے۔ اگر مساکین کی جماعت واضح ہو تو شخص ایک ترکہ صرف نہیں ہو سکتا اور اس بارے میں عام اتفاق رائے ہے۔

اگر ایک شخص بیخ کے غریب کے لیے ترکہ کرے تو ابو یوسف کے مطابق بھی جائیداد پر صرف ہو سکتا ہے اور ترکہ اسی کے مطابق ہے

اگر ایک شخص جانیداد کے ایک ٹلٹ کا ترکہ کسی شخص کو کرے اور دوسرے شخص کو بے میں نے تمہیں حصہ دار بنایا اس کے ساتھ شریک کیا تو دونوں سہ را میں ہی شاک ہوں گے اور اگر ایک شخص کے حق میں ترکہ کے بعد وہ یہ کہے ”سو اس کو اور دوسرے کو“ اور تیسرے سے یہ کہے ”کہ میں نے تمہیں ان دونوں میں شریک کر لیا ہے“ غریب میں ایک ٹلٹ کا مستحق ہو گا جب کوئی شخص A کو اور A کے ولد کو ترکہ کرے اور A ترکہ کا نصف ہے تو بقیہ باطل ہے اسی طرح ترکہ اگر A کے حق میں اور موسیٰ کے قاتل کے حق میں ہے

اگر کسی شخص کے پاس مختلف النوع تین کپڑے ہوں ایک اچھا اور ایک درمیانی اور تیسرا خراب تینوں موسیٰ لہ کو ترکہ میں دے اور ان میں سے ایک گم یا ضائع ہو جائے اور یہ معلوم نہ ہو کہ وہ کون سا تھا اور ورثا پر یہ جملہ یہ کہہ کر کہ ”تمہارا کپڑا ضائع ہو انکار کر دیں چونکہ اس صورت میں نہ فریقین کا حق واضح ہے اور نہ اس واقعہ سے لاعلمی گیا“ کی بنا پر اس بارے میں کوئی صحیح فیصلہ ہو سکتا ہے نہ خواہشات موسیٰ کو نافذ کیا جاسکتا ہے۔ اس لئے تا وقتیکہ ورثا کو بقیہ کپڑے نہ دے جائیں ترکہ باطل ہو گا۔ بصورت رفع نذر سب سے اچھا پڑا پانے والا موسیٰ لہ ۳ کا مستحق ہو گا اور اوسط پانے والے موسیٰ لہ اچھے کپڑے میں ۳ اور تیسرا سب سے خراب پانے والا موسیٰ لہ ۲ کا مستحق ہو گا۔

ترکوں میں اضافہ

اشیاء متروکہ، مویشی یا غلہ مثل پیداوار میں اضافہ اگر موسیٰ کی موت سے

قبل ہو تو وہ موصی کی جائیداد اور انہیں شرائط کے تابع ہے جیسا کہ بقیہ جائیداد۔ وہ اضافہ جو موت کے یا تقاسمہ جائیداد کے بعد ہو موصی لہ کا ہو گا۔ اور وہ اضافہ ان واقعات کے درمیان یا موصی لہ کی موت پر مگر تقاسمہ سے قبل ہو وہ موصی لہ کی میراث قبول کرنے کے قبل یا بعد ہونا چاہئے۔ اول الذکر صورت میں یہ وراثت ہے اس لئے کہ اصل شے متروکہ میں اضافہ ہے جو اس جائیداد کا ۳/۴ ہونا چاہئے اور اس حد تک یہ جائز ہے۔ مؤخر الذکر صورت میں بھی ایسا ہو سکتا ہے بشرطیکہ یہ تقاسمہ سے قبل مگر منظور کرنے کے بعد۔ ہو محمد کا اسبارے میں کوئی واضح اصول نہیں ہے۔ ایسی صورت میں بقول قدوری اضافہ میراث نہیں ہے بلکہ وہ تمام جائیداد میں ہی شامل ہے اسبارے میں عام رائے یہی ہے کہ یہ میراث ہے اور ۳/۴ میں سے ہونا چاہئے اگر موصی لہ کی موت کے بعد شے متروکہ میں مزید اضافہ ہو اور شے متروکہ اور اضافہ مل کر ۳/۴ ہوں تو وہ ان پر موصی لہ کے اگر وہ ۳/۴ زیادہ ہیں تو اس میراث کو نافذ ہونا چاہئے اولاً شے متروکہ کے مقابلے میں اور اس نے بعد اضافہ کے مقابلے میں جیسے کہ ابو حنیفہ کی رائے ہے مگر صاحبین کے مطابق دونوں ہی مقابلے میں یکساں برابر ہونا چاہئے۔ مثلاً اگر موصی لہ کا چھ سو درہم، ایک گھوڑی قیمتی تین سو درہم چھوڑ کر انتقال ہو جائے اس کے بعد انتقال مگر تقسیم اثاثہ سے قبل گھوڑی کا ایک بچہ ہو جس کی مالیت میں سو درہم ہو تو اس طرح اصل اور اضافی ترکہ کی مالیت چھ سو درہم ہو تو ابو حنیفہ کے مطابق موصی لہ گھوڑی اور بچہ کی قیمت کا ۳/۴ یا سب چار سو درہم یا سب کا ۳/۴ ہونا چاہئے مگر صاحبین کے مطابق ہر ایک ۲/۳ کا مستحق ہو گا مگر یہ پیش قیاس پر مبنی ہے کہ گھوڑی کے موصی لہ کے اصل ترکہ قبول کرنے اگر بچہ موصی لہ کے ترکہ قبول کرنے سے اور تقسیم سے قبل ہوا اور تقسیم کرنے کے بعد ہو تو یہ اسی کا ہو گا۔ لیکن اگر قبول کرنے کے بعد تقاسمہ سے قبل ایسا ہو تو قدوری کی رائے میں وہ ترکہ نہیں ہے مگر ہمارے مشائخ نے اس کو ترکہ بتایا ہے اور اس کو ۳/۴ ہی خیال کیا ہے جیسا کہ قبول کرنے سے پہلے کہ گھوڑی نے بچہ ادا کیا تھا تو بچہ ترکہ میں نہیں ہے اور وہ انہیں قواعد کے تابع ہوگی جیسا کہ بقیہ جائیداد متونی۔

شیعہ اصول

شیعہ قانون کے مطابق اگر ایک شخص اپنی نصف جائیداد ترکہ میں دے اور ورثہ اولیٰ اس پر رضاء مند ہوں مگر بعد میں یہ رقم بہت معمولی خیال کریں اس صورت میں ورثہ جس کی مالیت کے مطابق میراث کی ان کے خلاف ڈگری صادر ہو جانا چاہئے تھی مگر یہ موضوع مشتبہ ہے۔ اگر ترکہ میں کوئی ملازم یا عمارت ہو اور ورثہ اس پر راضی ہوں اور یہ کہیں کہ ان کے خیال میں جائیداد متوفی کے سہرا سے زیادہ نہ تھی اور اگر زیادہ تھی تو محض معمولی حد تک، تو یہ مطالبہ قابل قبول نہیں ہے۔ وجہ یہ ہے کہ ان کی رضاء مندی شیعہ عرف کی مالیت کی بنا پر تھی اور وہ یہ نذر نہیں کر سکتے کہ بوقت ترکہ ناواقف تھے۔

اگر ایک شخص جائیداد کا ایک ٹمٹ بطور مشاع ترکہ میں دے تو موسیٰ لہ پر اس شے میں سہرا کا مستحق ہے جو موسیٰ لہ کے قبضہ میں تھی لیکن اگر ایسی مختص شے ترکہ کے میں دے جو جائیداد کی مالیت کے بقدر سہرا ہو تو بوجہ موت موسیٰ لہ شے متروکہ کا کلیتاً وارث ہو گا اور ورثہ کو اعتراض کی کوئی گنجائش نہ ہوگی۔ اگر متوفی نے حاضر اور غیر حاضر ورثہ (زیر نقد اور قرضہ) چھوڑا ہو تو موسیٰ لہ کو مختص جائیداد کا سہرا اس وقت حاصل کرنے کے لیے انتظار کرے تا وقتیکہ ورثہ سے جائیداد نہ لی جائے انتظار کرنا چاہئے اس لئے کہ بصورت عدم وصول یہ جائیداد ضائع اور برباد ہو کر کبھی نہ مل سکے گی۔

ایسے دو ترکے جو ایک دوسرے کے متضاد ہیں

”اگر کوئی ترکہ کرے اور اسکے بعد دوسرا ترکہ جو اس کے برعکس ہو تو مؤخر الذکر نافذ ہو گا اگر ایک شخص یہ کہے اس کے کوئی لڑکا ہو تو اس کو دو درہم اور لڑکی ہو تو ایک درہم ہے اور اس کے دو بچے ایک کا ایک لڑکی پیدا ہوں تو ان کو تین درہم ملیں گے۔ اگر ایسا ہو اور لڑکی ایسی ایسی ہو اور گھر اس عورت کے لڑکا اور لڑکی دونوں ہوں تو ان کو کچھ نہ ملے گا۔“

منافع والی جنس

”اگر کوئی شخص اپنے غلام کی خدمت، باغ کے پھل، مکان کی رہائش، اور ان کے ماسواذیگر یا منافع والی اشیاء ہمیشہ یا وقت مقررہ کے لیے ترکے میں دے تو ان سے جو

بھی آرام یا منافع ہو ان کا اندازہ کرنا چاہئے۔ جائیداد موسیٰ کی سہ سے زیادہ نہ ہوں، ترکہ جائز ہے اگر سہ سے زیادہ ہے تو موسیٰ لہ بقدر سہ اور اس سے زیادہ کی میراث باطل ہوگی۔ اگر جائیداد متروکہ میں مقررہ وقت کے لیے محض حق رہائش حاصل ہے۔ تو اس کی دیکھ بھال اور مناسب مرمت کی ذمہ داری موسیٰ پر عائد ہوتی ہے۔ ترکہ موسیٰ لہ پر اس لئے کہ ذمہ داری کا معیار مکان کی ملکیت پر مبنی ہے۔ اور موسیٰ لہ محض حق رہائش کا مستحق ہے دیگر تمام حقوق ملکیت جیسے کہ بیع رہن اور اس کے مثل کا تعلق وراثت سے ہے اور ان سے موسیٰ لہ کے حقوق ناجائز قرار نہیں پاتے۔“

”ان تمام صورتوں میں اگر موسیٰ ایسی اصطلاح استعمال کرے جو عام ہو یا وہ عام طور پر بہت سی چیزوں پر مستعمل نہ ہو ورنہ ان اشیا کو اپنی مرضی کے مطابق مختص کرنے اور موسیٰ لہ کو دینے کے مجاز ہیں اگر موسیٰ یہ کہے کہ اس کو میری کمان میں دو اور اس کے قبضے میں ایک ہی ہو تو موسیٰ لہ کو خواہ کسی قسم کی ہودے دینا چاہئے۔“

اگر کوئی شخص وارث کے حصے کا ترکہ کسی غیر کو (اپنے لڑکے کے حصہ کی طرح جب کہ ایک ہی بچہ ہو) ترکے میں دے تو دراصل یہ دونوں میں جائیداد کا تقاسم ہے اور موسیٰ لہ اس وقت تک نصف کا ہی مستحق ہوگا۔ جب تک کہ وارث پورے ترکے دینے کے لیے انکار نہ کرے اس صورت میں موسیٰ لہ کا محض سہ حصہ رہے گا اگر موسیٰ لہ کے دو لڑکے ہوں اور جائیداد میراث سہ ہے اگر وہ تین حصہ ہے تو یہ چوتھائی ہے۔ عام کلیہ یہ ہے کہ موسیٰ لہ کے دوسرے ورثا کے ساتھ شامل کر کے انہیں ایک ہی سمجھنا چاہئے اور جب وہ کسی ورثہ میں مساویانہ حصہ پانے کے مستحق ہیں اگر ان کے حصوں میں فرق ہو مثلاً بعض کے حصے زیادہ اور بعض کے کم ہوں تو وہ سب سے کمزور میں ہوگا یا وہ اس میں سے ہی جس کا حصہ سب سے کم ہے تا وقتیکہ موسیٰ نے صریحاً یہ واضح نہ کر دیا ہو کہ اس کا حصہ سب سے زیادہ پانے والے کے برابر ہوگا۔ ایسی صورت میں ترکے کے شرائط کے مطابق نفاذ ہونا چاہئے مزید برآں اگر موسیٰ یہ کہے ”میری لڑکی کے حصے کے مطابق“ جب لڑکی کے علاوہ اس کا کوئی وارث نہ ہو تو نصف کا مستحق ہے۔ لیکن اس کا حصہ اگر وہ پوری میراث پر رضامندی سے انکار کر دے تو اس کا حصہ ایک ثلث رہ جائے گا وہ یہ کہ ہمارے اصول کے مطابق لڑکیاں تمام جائیداد کی وارث ہو

نہ ہو۔ تک محروم کر دیتی ہیں۔ اور موسیٰ لہ اس طرح تیسری لڑکی کے مطابق حق دار بن جاتا ہے۔“

”اگر ایک شخص جس کے ماں کی طرف سے تین سوتیلی بہنیں اور باپ کی طرف سے ۳ سوتیلی بھائی ہوں اور وہ اپنے حصہ میں سے کسی کو مثل ایک کے حصہ کے ترکہ دے تو موسیٰ لہ کو مثل ایک بہن کے برتنا چاہئے۔ اور وہ حصہ جن میں کہ جائیداد تقسیم ہوگی ان میں سے ایک حصہ اور سوتیلی بہنوں کو ۳ حصے اور سوتیلی بھائی کو بقیہ چھ حصے دینا جو کہ قواعد کے مطابق ہے۔ دینا چاہئے اگر موسیٰ لہ کے ایک بیوی اور ایک لڑکی ہو اور وہ لڑکی کے حصے کے مثل ترکہ دے اور در ثار ضامند ہوں تو موسیٰ لہ جائیداد میں سات حصوں کا مستحق ہو گا۔ لڑکی بھی اتنے ہی حصوں کی اور بیوی بھی دو حصوں کی مستحق ہو گی۔ جائیداد ۱۶ حصوں میں تقسیم ہوگی اگر ایک شخص کسی غیر کو اپنے بچے کا حصہ ترکہ میں دے تو بعض کے نزدیک دوسرے کا ہونے کی وجہ سے یہ ترکہ باطل ہے۔ مگر اصولاً یہ زیادہ صحیح ہے کہ ترکہ جائز ہے اس کی تعبیر اس طرح ہونی چاہئے گویا کہ یہ اس کے حصے کے ہی مثل تھا اگر موسیٰ کے ایک لڑکا ہو جو بعد میں اس کا قاتل بن جائے تو وہ اپنے حصے کے مثل ترکہ ہے ایسی صورت میں بعض کے نزدیک ترکہ جائز ہے تاہم قانون کے اصولوں کے یہ زیادہ قہرین ہے کہ یہ ناجائز ہے۔“

”اگر کوئی شخص اپنے بچے کے حصہ سے دو گنا ترکہ میں دے تو اس حصے کے مساویانہ حصہ موسیٰ لہ کے پاس ہوں گے اگر ضعفان یا اس کے دو گنے کئے تو موسیٰ لہ کے پاس بقدر چار حصے مساوی ہوں گے مگر بعض کے نزدیک جن کی رائے یقینی ہونے کی بنیاد پر زیادہ قابل ترجیح ہے اور ایسے قانون میں جبکہ موسیٰ لہ نے دونہ یا حصے کے دو گنے یا دو گنا استعمال کی ہو۔“

”اگر ایسا شخص جس کی جائیداد مختلف مقامات پر ہو جائیداد کا ایک ثلث ترکہ میں دے تو یہ جائز ہے کہ جو کچھ بھی کسی شہر میں ملے وہ اس مقام کے غریبوں پر صرف کر دے بلکہ تمام موسیٰ لہ کے وطن (شہر) غریبوں پر صرف ہو سکتی ہے اور ان میں سے بھی وہ جو اس جگہ بلا تلاش کئے ہوئے کہ غیر حاضر ہیں مل جائیں یہ اعلیٰ ترین اسناد کے مطابق ہے اس میں حصہ لینے والوں کی تعداد تین یا تین سے زیادہ ہو سکتی ہے بشرطیکہ موسیٰ لہ نے صیغہ تبع استعمال کیا ہو اسی طرح اگر وہ یہ کہے کہ ”غلاموں کو آزاد کر ڈالو وصیٰ“

پر صیغہ جمع میں یہ لازم ہے کہ کم از کم تین کو تا وقتیکہ وصی کی جائیداد میں ایک ثلث پورا نہ ہو جائے آزاد کر دے۔

”اگر ایک شخص ایسی عمارت جو گر پڑی ہے ترکہ میں دے جو قبل انتقال مووسی زمین سے ہموار ہو جائے، یہ میراث باطل ہے اس لئے لفظ ”دار“ (عمارت) اس پر منطبق نہیں ہوتا اور یہ مشتبه ہے۔“

جب مووسی کہے کہ زید اور غربا کو ایک معینہ رقم دے دو تو بعض فقہاء کے نزدیک ہر ایک نصف کا مستحق ہے مگر بعض کے نزدیک ۳/۴ کا لیکن پہلے اصول کی سب سے زیادہ تائید ہوتی ہے۔ وہ قانون جس کی بنا پر ۳/۴ سے زیادہ میراث ہے، کم کروائے جائیں عملاً گریز کے لیے عام طور پر اقرار قرضہ کی صورت نکالی جاتی ہے مگر جب کہ اقرار مرض الموت میں کیا جائے یا پہلے کے واقعہ کے بدل پر منحصر نہ ہو تو قانون میں ایسے اقرار شخص ایک میراث تصور کئے جاتے ہیں جو تابع تخفیف ہیں اگر کوئی شخص بقول ہدایہ جس طرح مرض پر اپنے ورثا سے یہ کہتا ہے ”کہ میں زید کا مقروض ہوں اور تم جو کچھ ہو وہ قرض میں ادا کر دینا۔“ ایسی صورت میں زید کے مطالبے کی رقم اس کی جائیداد کے ایک ثلث سے زیادہ تسلیم نہیں کی جائے گی خواہ ورثا اس کی تردید کریں۔

باب ۲۲۔ قواعد برائے وصایاء غیر مسلمین

مسلمان فرماں رواؤں کی غیر مسلم رعایا کے اصول فتاویٰ نالگیری میں اس طرزت ہیں۔ ایک ذمی کی غیر مذہبی اغراض کے لیے وصیت تمام آرا کے مطابق جائز ہے۔ غیر مذہبی اغراض کے علاوہ وصایا چار مختلف قسم کی ہوتی ہیں۔

اول۔ اغراض جو قربت خداوندی کا ذریعہ ہوں ان کے لیے خواہ وہ مخصوص طبقات کے لیے ہوں ترکے جائز ہیں۔

دوم۔ وہ اغراض جو ان کے اور ہمارے لئے گناہ ہیں مگر یہ ترکہ (بشرطیکہ افراد کی مختص جماعت ہو کے لیے جائز ہیں۔ لیکن افراد کی تخصیص نہ ہونے کی صورت میں ترکے باطل ہیں۔

سوم۔ وہ اغراض جو ہمارے نزدیک مقدس ہوں مگر ان کے نزدیک گناہ اور ان اغراض کے لیے (بشرطیکہ وہ مختص افراد کی جماعت کے لیے ہوں) ترکے جائز ہے مگر ان اغراض کے لیے وہ بدیہ ہیں اگر افراد مختص نہ ہوں تو ترکے باطل ہے۔

چہارم۔ اغراض جو ابوحنیفہ کے مطابق ہمارے لئے گناہ ہوں مگر ان کے نزدیک مقدس بقول ابوحنیفہ خواہ اشخاص مختص ہوں یا نہ ہوں ترکے جائز ہیں۔ لیکن صاحبین کے مطابق اگر اشخاص مختص نہ ہوں تو وہ باطل ہے۔“

”پس اگر ایک ذمی حسب وصیت یہ اقرار دے کہ اس کی رو سے غلام خرید کر آزاد کر دیئے جائیں خواہ وہ افراد مختص ہوں یا نہیں یا جائیداد ایک ٹلٹ فقر اور ناداروں کو خیرات کی جائے یا مقامات مقدسہ کی روشنی پر صرف کیا جائے یا ترکوں (کفار تاتاریوں) سے جنگ پر صرف کیا جائے تو ترکے جائز ہے اور اگر کوئی ذمی اپنی جائیداد کا ایک ٹلٹ نوہ گروں یا گویوں کے لیے ترکے کرے بشرطیکہ وہ لوگ جن کو یہ ہبہ کیا جائے مختص کردی جائیں تو ترکے جائز ہے اور اگر مختص نہ کئے تو باطل ہے اور اگر ایک ٹلٹ مسلمانوں کے لیے تعمیر مسجد یا ان کی جماعت کو حج پر بھیجنے کے لیے (بشرطیکہ اشخاص مختص کر دیئے

جائیں) کیا جائے تو ترکہ یا ہبہ جائز ہے تاکہ وہ صحیح کر سکیں۔ اور خواہ اپنی مرضی کے مطابق عمارت تعمیر کریں یا نہ کریں اور اگر اشخاص مختص نہ کئے جائیں تو ترکہ باطل ہے۔ اگر ذمی جائیداد کا ایک ثلث ترکہ میں دے تاکہ گر جایا یہودیوں کا عبادت خانہ تعمیر کیا جاوے یا یہ منادی کرے کہ اس کا مکان گرے یا یہودیوں کی عبادت گاہ میں شامل کر دیا جائے تو صاحبین کے نزدیک باطل ہے تا وقتیکہ یہ ایک مختص جماعت نہ ہو جن کے لیے ہبہ کیا گیا ہے۔ مگر ابو حنیفہ کے نزدیک تمام حالات میں جائز ہے ابو حنیفہ کی رائے قانونی درجہ ہے اگرچہ حنفی فقہا متاخرین نے اس کا نفاذ دیہات تک ہی محدود رکھنے کی کوشش کی ہے۔

مستعمین کا ترکہ

”اگر ایک غیر جو مستعمین میں سے ہے اگر کسی مسلمان یا ذمی کے لیے ترکہ دے تو اس کی تمام جائیداد کے لیے جائز ہے تا وقتیکہ اس کے ورثا دارالسلام (مسلم حکومت) میں نہ آئے ہوں اور اس لئے ایک ثلث سے زیادہ ترکہ ورثا کی رضامندی پر منحصر ہے لیکن اگر اس کا کوئی وارث نہ ہو تو تمام جائیداد کا ترکہ جائز ہے۔ اسی طرح جیسے کہ کسی مسلم یا ذمی کی وصیت مماثل معاملہ میں جائز ہے اور ایسی صورت میں کسی غیر ملک میں اس کا کوئی وارث ہو اگر اس نے اپنے جائیداد کا شخص ایک حصہ ترکے میں دیا ہے تو بقیہ جائیداد غیر ملک میں مقیم وارث کو دینا چاہئے۔“

”اگر کوئی ذمی اپنی جائیداد کا ایک ثلث ترکہ میں دے یا اپنے ورثا میں سے کسی کو ترکہ دے تو یہ اسی طرح ناجائز ہے جیسے کہ ترکہ۔ لیکن اگر کسی مختلف مذہب کے شخص کے لیے ترکہ دے تو جائز ہے۔ جیسے کہ بصورت وارث۔ اگر ترکہ کسی غیر کے لیے ہے جو مستعمین میں سے ہے تو یہ ناجائز ہے۔“

ہدایہ میں اس طرح ہے ”اگر کوئی یہودی یا عیسائی جو مرض الموت میں مبتلا نہ ہو۔ بعد تعمیر گر جایا یہودی عبادت گاہ انتقال کر جائے تو یہ عمارت اس کے ورثا کو ملے گی۔ امام ابو حنیفہ کے مطابق اس قسم کی تعمیر وقف یا مقدس استعمال کے مساوی ہے۔ جو قطعاً متونی کے احکام مذہبی کے کلیتاً مطابق نہیں ہے۔ مگر ابو یوسف اور محمد کی رائے میں ایسی تعمیرات اپنی نوعیت میں گناہ ہیں اور بطور وقف جائز نہیں ہیں اگر کوئی ذمی یہ کہے کہ اس

کا مکانہ بعد موت کر جایا یہودی عبادت گاہ ہیں (جیسی بھی صورت ہو) مختص طبقہ اشخاص کے استعمال کے لیے تبدیل کر دیا جائے تو تمام فقہاء کے نزدیک جائز ہے اور جائیداد موسیٰ کے بقدر ایک ٹمٹ پر نافذ ہو گا وجہ یہ ہے کہ ترکہ کی دو مختلف نوعیتیں ہیں۔ ایک جائشیں کا تقرر اور دوسرے واقعی وقف اور موسیٰ ان میں سے کوئی بھی کرنے کا مجاز ہے۔

اگر ایک یہودی یا عیسائی یہ وصیت کرے کہ اس کا مکان اشخاص کے ایک طبقہ کے لیے ہے، اگر جایا عبادت گاہ میں تبدیل کر دیا جائے لیکن کوئی خاص طبقہ مختص نہ کرے تو ابو حنیفہ کے مطابق یہ ترکہ جائز ہے اس کے برعکس ہر دو شاگردوں کے نزدیک ناجائز ہے اس لئے کہ اس قسم کی دستاویز حقیقتاً گناہ ہے خواہ اپنی موسیٰ لہ کو مقدس معلوم ہو اور چونکہ نصیحت بالفظ گناہ کا عدم ہے، اس لئے اس کے نفاذ عمل سے گناہ کی تصدیق ہوتی ہے اس کے برعکس امام ابو حنیفہ کی دلیل ہے کہ وہ لوگ جو گر جائیں اور نہ ہی عبادت گاہوں کا قیام ایک امر خیر سمجھتے ہیں اور چونکہ ہمیں لازم ہے کہ ان کے عقیدہ کے مطابق اپنی عبادت کی آزادی دیں لہذا یہ ترکہ ان کے عقائد کے مطابق جائز ہے۔

اغراض :- اگر جایا یہودی عبادت گاہ کی تعمیر میں جو بحالت صحت تعمیر کی جائے کیا فرق ہے کہ امام ابو حنیفہ اول الذکر صورت میں اس لئے لایق ارث سمجھتے ہیں اور موخر الذکر صورت میں نہیں۔

جواب :- فرق یہ ہے کہ یہ محض گرجا وغیرہ کی تعمیر کا مسئلہ نہیں ہے جس سے تعمیر کنندہ کا جائیداد سے حق ساقط ہو جائے بلکہ راہ خدا میں اس عمارت کا کلیتاً وقف کرنا جس طرح کہ مسلمانوں کا تعمیر مساجد کرنے کے بعد وقف کرنا جس طرح ملحدوں کی مذہبی عبادت گاہ بلاشبہ خداوند تعالیٰ کے وقف میں ہونے پر بھی اس کے بنانے والے کی جائیداد رہتی ہے۔ پس وہ دیگر اسباب کے ساتھ لایق ارث ہو گی۔ اس کے برعکس ترکہ حق جائیداد ضائع کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اسی لئے ابو حنیفہ کی رائے بموجب قانون مسلمہ ہے۔

ہدایہ کے مطابق ذمیوں کے ترکے چار قسم کے ہیں۔

اول۔ وہ جو ان کے عقیدہ کے مطابق مقدس اغراض کے لیے بنائے جائیں مگر

مسلمانوں کے عقیدہ کے مطابق مقدس نہ ہوں جیسے کہ اگر جایا یہودی عبادت گاہ کی تعمیر یا

خصی سوروں کا ذبح کرنا تاکہ ان کے مذہب کے غربا کو کھانا کھلایا جائے۔ ان صورتوں میں ابو حنیفہ کی رائے میں عقیدہ موسیٰ کے مطابق یہ ترکہ جائز ہے مگر صاحبین بوجہ فعل گناہ اسے ناجائز سمجھتے ہیں۔

دوم۔ وہ جو ان اغراض کو مقدس سمجھتے ہیں مگر ذمی نہیں مثلاً مسجد کی تعمیر حج مکہ مسجد میں روشنی۔ ان صورتوں میں تمام فقہاء کے مطابق موسیٰ کی عقیدت کی بنیاد پر ترکہ تا وقتیکہ بعض مختص اشخاص کے حق میں نہ کیا گیا ہونا جائز ہے۔ ان حالات میں یہ ایک بانسابطہ جائزہ دینا ہوگا۔ کیونکہ مسجد کی تعمیر، یا ایسے دوسرے کے اغراض کا حوالہ اس مشورے کی روشنی میں غور کرنا ہوں گے بہ الفاظ دیگر گویا کہ موسیٰ نے جائیداد اشخاص مختص کو اسی لئے ترکہ میں دی تھی کہ وہاں وہ تعمیر مسجد کریں۔

سوم۔ ان اغراض کے لیے دئے جائیں جنہیں مسلمان اور ذمی مقدس سمجھتے ہیں مثلاً بیت المقدس میں روشنی کرنا یا کافر تاتاریوں کے خلاف جہاد کرنا جائز ہے خواہ وہ مختص اشخاص کے حق میں ہوں یا نہ ہوں۔

چہارم۔ جو ان اغراض کے لیے کئے جائیں جن کو ذمی اور مسلمان مقدس نہ سمجھیں مثلاً گویوں اور بدکار عورتوں کی مدد یہ ناجائز ہے اس لئے کہ ان سے رغبت گناہ ہوتی ہے بشرطیکہ یہ مختص اشخاص کے حق میں نہ ہوں اور ایسی صورت میں یہ جائز ہوں گے۔ اگر کسی مستعین میں سے کوئی تمام جائیداد کسی مسلمان یا ذمی کو ترکہ میں دے تو یہ جائز ہے اس لئے کہ کسی جائیداد کا ترکہ اس وقت غیر قانونی سمجھا جاتا ہے جب ورثا موسیٰ کے حق پر اثر انداز ہوں ان کی رضامندی کی صورت میں ترکہ جائز ہے۔ مستعین کے ورثا جو غیر ملک میں رہتے ہیں ان کا کوئی حق تسلیم نہیں ہے بلکہ وہ مثل مردہ ہیں۔ یہ مسلم حکومت کے تعلق تک ہے اس لئے کہ وہ ایک دشمن ملک میں رہتے ہیں مزید براں مستعین کی جائیداد اس بنا پر کہ حکومت کی حفاظت کی ذمے داری ہے محفوظ ہے، حفاظت اس کو حق حفاظت اپنے ہی حق کی بنا پر ملا ہے نہ کہ ورثا کے حق کی بنا پر۔

اگر کوئی مستعین اپنی جائیداد کا حصہ ترکہ میں دیتا ہے تو ترکہ کا اسی وقت نفاذ ہو جاتا ہے اور بقیہ اس کے ورثا کو دے دیا جاتا ہے۔ درآں حالیکہ وہ کسی دشمن ملک کے باشندے ہوں مستعین کے متعلق ایسے ہی قانون ہیں۔

بدایہ کے مطابق اگر مستعین اپنے موت سے فوراً قبل کسی غلام کو آزاد کر دے یا اس کو مدینہ بنادے یعنی مشروط آزادی دے حدود اسلامی میں، یہ جائز ہے۔ اور غلام کی آزادی کے باوجود اس کی قیمت آقا کی جائیداد کے ایک ٹمٹ سے زیادہ ہوتی ہے اس لئے کہ جائیداد کے سوا سے زیادہ کا ترکہ شخص اس لئے خلاف قانون ہے کہ یہ ورثا وصی کے حق پر اثر انداز ہوتا ہے مگر مستعین کے ورثا کو جو دشمن ملک میں مقیم ہوں جیسا کہ پہلے بتایا گیا، کوئی امتیازی حق حاصل نہیں ہے۔

”اگر ایک مسلمان یا ذمی مستعین کے لیے وصیت کرے تو جائز ہے اس لئے کہ جب تک ایک مستعین مسلم ملک میں مقیم ہے ذمی سمجھا جائے گا۔ ان کے ساتھ چونکہ فیاضی اور بخشش برتاؤ ان کے حق میں مسلمانوں کو بھی ان کی زندگی میں دیا جاتا ہے تو ایسے اعمال کی ان کو بھی اجازت ہے تاکہ ان کی موت کے بعد ہی حاصل ہو۔“

اوپر آیات کہ امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف مستعین کے حق میں وصیت اس لئے ناجائز سمجھتے تھے کہ ان کی اپنے ملک میں واپس ہونے کی نیت ہوتی تھی کہ مسلمان ان کو نہ صرف رہنے کی اجازت دیتے تھے بلکہ اپنے حدود ملک میں ان کو ایک سال سے زیادہ قیام کی اجازت نہ تھی۔ تا وقتیکہ وہ فی کس محصول ادا کرنے پر آمادہ نہ ہوں۔ اول الذکر انسب رائے ہے۔

اگر موہبی ذمی کسی غیر مسلم اور مختلف العقیدہ شخص کے لیے کوئی وصیت کرے تو وہ جائز ہوگی اس لئے کہ میراث ہاکی جائینی بذریعہ وراثت کے اصول کے مطابق ہیں۔ اشخاص جو مختلف العقیدہ ہوں اور اسلام پر عقیدہ نہ رکھنے والے ہوں وہ ایک ہی جماعت (گروہ) کے خیال کئے جاتے ہیں۔

”اگر ایک ذمی جو کسی مسلم ملک میں رہتا ہو کسی ایسے غیر مسلم کے لیے ترکہ جو مسلم ملک سے برسر پیکار ملک میں رہتا ہو جائز نہیں ہے اس لئے کہ جب وراثت تک مختلف اختلافات کی وجہ سے جائز نہیں ہے تو ترکہ بھی لازماً ایک سے دوسرے کو بے نتیجہ ہے۔ اس لئے کہ ترکہ بھی وراثت کے مثل ہے۔“

باب ۲۳۔ موضوع وصیت

شے وصیت

کوئی بھی شے خواہ منقولہ ہو یا غیر منقولہ جس پر حق جائیداد نافذ ہو یا جس کا بدل ہو سکے یا باہمی اشیا کا تبادلہ ہو سکے یا اس کا ایک جزوی حصہ یا اس کا پیدا شدہ منافع جائز بطور وصیت منتقل ہو سکے، وہ وصیت میں دی جاسکتی ہے۔

شرائع کے مطابق اصل شے یا اس کا منافع کا ترکہ ہو سکتا ہے مگر ہر دو کے لیے یہ ناگزیر ہے کہ ان پر جائز قبضہ ہو اور استعمال میں لیا جائے۔ کسی بھی شے کا ترکہ جائز نہیں جو مسلمان کو قبضہ میں رکھنا یا اس سے منافع حاصل کرنا ناجائز ہے۔ الا تربیت یافتہ کتوں خواہ شکار میں استعمال ہوں یا خانگی ضرورت میں جیسے مکانات کی حفاظت یا غلے اور کھیتوں کی حفاظت کا ترکہ جائز ہے۔

ایک ترکہ شے متروکہ بدل جانے یا تشکیل وصیت کے بعد جائز اور موثر ہو جائے گا خواہ اس میں اضافہ ہو جائے تا وقتیکہ تبدیلی یا ترقی اتنی اہم نہ ہو جس سے کہ موصی کے منشا سے اس کے تفسیح کا قیاس نہ کیا جاسکے۔

اسی طرح موصی لہ کو اس عرصہ میں اگر جائیداد میں کوئی ضرر یا نقصان پہنچے یا جائیداد کو گران بار کر دے تو موصی لہ اسی بار کے تابع جائیداد موصی کو دے گا۔ اگر کوئی قطعہ آراضی کسی شخص کو بذریعہ وصیت دیا جائے اور مابعد موصی اس پر تعمیر کرے تو اصولاً انتقال موصی پر زمین موصی لہ اور مکان وراثاً موصی لہ پائیں گے اور ہر دو بالترتیب شریک مالکان ہوں گے۔

اگر موصی آرضی متروکہ میں عبادت بنانے کے بجائے سابقہ تعمیر شدہ مکانات کے چھتے وغیرہ علیحدہ کر دے تو موصی لہ کو وہ زمین بلا تعمیر ہی ملے گی۔ اگر عمارت ترکہ میں ہو جس کو بعد میں موصی منہدم کر دے تو میراث غلط ہوگی اور وصیت فی نفسہ منسوخ ہوگی۔

ایک جائز شے کی میراث بھی منسوخ ہو سکتی ہے اگر موصی یہ کہے کہ اس پر تا جائز فعل کی شرط ہو مثلاً عمارت میں آگ لگانا یا کسی شخص کو قتل کرنا یا کسی کو حج پر جانے سے روکنا ایک موصی کو جائیداد ہبہ کے موثر ہونے کے بعد ترکہ میں نہیں دی جاسکتی۔

اختیار انتقال کی حد

ایک موصی (جیسا کہ بتایا جا چکا ہے) اس کا مجاز نہیں کہ وہ اپنی موت کے وقت جائیداد مملوکہ کے ایک ثلث سے زیادہ منتقل کرے۔ یہ قانون کا ناقابل تردید اصول ہے اور اس پر تمام مذاہب کے فقہاء کا عام اتفاق رائے ہے اور اس اصول کی ملتقی ہدایہ منہاج المسلمین کے مصنفین نے کافی وضاحت کی ہے۔ مصنف شرایع نے اس اصول کی اس طرح توضیح کی ہے مزید میراث باخوار وہ اصل ہوں یا ان کی پیداوار جائیداد موصی کی ایک ثلث تک محدود ہیں۔

اور اگر اس کے تمام ترکہ کے ایک ثلث سے زیادہ ہوں تو بقدر اضافہ تا وقتیکہ ورثہ اس کا اذن باطل میں موصی کے جائیداد کے ایک ثلث اور جس حد تک کہ وہ قانوناً دے جائز موقع پر بھی کیا جاسکتا ہے نہ کہ بوقت وصیت۔ پس اگر بوقت وصیت ایک شخص اپنے حالات میں تھا اور بوقت انتقال نادار ہو گیا تو واجب ترکہ طے کرنے کے لیے اس کے سابقہ دولت کا جائزہ نہ لیا جاسکے گا۔ اسی طرح اگر بوقت وصیت وہ غریب تھا۔ مگر بوقت انتقال دولت مند ہو گیا تو قانوناً ترکہ اس کی موجودہ مالیت سے طے کیا جاسکے گا۔

اسی اصول کو ہندوستان کی عدالت ہائے انصاف نے متواتر اختیار کیا ہے۔ مختلف مذاہب کے اصولوں میں ایک فرق قابل غور ہے۔ حنفی قانون کے مطابق اگر کوئی لاوارث تمام جائیداد ترکہ میں دے تو جائز ہے۔ اور بیت المال (جو انجام کار وارث ہے) کے اذن کی ضرورت نہیں ہے۔

اگر ترکہ مختص زر نقد کا ہو اور موصی واقعی کچھ جائیداد یا اور یا فتنی قرضے چھوڑ جائے جو کل اثاثہ کے ایک ثلث سے زیادہ نہ ہوں تو فوراً میراث دینا چاہئے اور اگر ایک ثلث سے زیادہ ہو تو ایک ثلث اسی وقت ادا کیا جائے اور چونکہ وصول شدہ قرضوں کی

رقم میں سے اس وقت تک وہ ٹلٹ ایک ٹلٹ ہے تاکہ میراث پوری ادا ہو جائے
ابو یوسف کے مطابق درہم اور دینار یعنی عام زر نقد شے عین ہیں۔

اگر موسیٰ ایک ہزار درہم کی مختص میراث چھوڑے اور جائیداد ما سوائے
قرضوں کے زر نقد اور دیگر اسباب پر مشتمل ہو تو موسیٰ لہذا اس اسباب میں سے ایک
ٹلٹ ایک ہزار درہم پائے گا۔ لیکن اگر ایک ہزار درہم سے بھی میراث کا ایک ٹلٹ پورا
نہ ہو تو قرضوں کا ایک ٹلٹ جیسے ان کی وصول یابی ہوتی رہے پاتا رہے گا۔ ابو یوسف کے
مطابق جن کی رائے مسلمہ ہے ایشہ سے مراد وہ زر نقد ہے جو متوفی نے چھوڑا نہ کہ
اسباب خانہ داری، پوشاکیں یا زیورات۔ پس یہ ایک ہزار درہم اس زر نقد کے ایک ٹلٹ
میں سے ادا ہوں گے جو موسیٰ نے چھوڑا ہو اور اگر کافی نہ ہو تو ان قرضوں کے ایک
ٹلٹ میں سے جو اس نے چھوڑے وصول ہوگا۔

جب ایک شخص کو دو میراثیں دی جائیں

فرض کیجئے اگر ایک ہی شخص کو دو میراثیں دی جائے تو کیا یہ دونوں ہی نافذ
ہونگی؟ خلیل ابن اسحاق (مالکی فقیہ) کے مطابق ہر دو میراثیں اگر مختلف اشیا پر مشتمل ہیں
اور عموماً مالیت میں اس کی جائیداد سے زیادہ نہ ہو تو نافذ ہوں گی۔ اگر وہ مقدار یا تعداد میں
مختلف نہ ہوں تو آخر الذکر میراث نافذ ہوگی فتاویٰ عالمگیری میں بھی یہی ہے۔

اگر ایک شخص یہ کہے کہ میری جائیداد کا ۶/۱ حصہ فلاں شخص کو اور اس کے بعد
کہے کہ میری جائیداد ایک ٹلٹ بھی اسی کو اور ورنہ اس پر رضامند بھی ہوں اس لئے کہ
۶/۱ بھی ایک ٹلٹ میں خواہ اس کا حوالہ پہلے ہو یا بعد میں شامل ہے۔ اور اگر ایک شخص یہ
کہے کہ میری جائیداد کا ۶/۱ فلاں شخص کو اور اسی وقت یہ کہے کہ میری جائیداد ۶/۱
فلاں شخص کو تو اس کا منشا تا وقتیکہ اس امر کی شہادت نہ ہو تو شخص ۶/۱ کا ہو گا دوسرے ۶/۱
کا بھی یہی منشا تھا۔

اگر ایک شخص اپنی جائیداد اور اسباب کا خاص یا معین حصہ ترکہ میں دے تو
میراث صرف اس حصہ پر عائد ہوگی جو اس نے بوقت انتقال چھوڑا نہ کہ اس پر جو بوقت
ترکہ اس کے قبضے میں تھا لیکن اس معینہ حصے کو ترکہ میں دیا جائے۔ مثلاً موسیٰ کے گلہ

موتیشیان کا ایک ٹمٹ اگر وہ گھڑ اس کی موت سے قبل ہی ضائع ہو جائے تو میراث ساقط ہوئی۔ اس لئے کہ ایک منتقم جسے کی بابت تھی اور گلے کے معدوم ہونے سے وہ میراث زائل ہو گئی اگرچہ موسیٰ بعد میں دوسرے گھڑ لے سکتا تھا۔ اگر بوقت ترکہ گھڑ اسکے قبضے میں نہ تھا۔ اور بعد میں اس نے حاصل کیا تو اصول مسلمہ کے مطابق میراث نافذ ہوئی۔ اس لئے کہ میراث ظاہر ہے مگر نفاذ اس وقت ہونا چاہئے جب کہ اشیا جن سے میراث ادا ہو سکے بعد ترکہ وجود میں آئیں۔ اگر موسیٰ یہ کہے کہ میرے وصی جائیداد میں سے ایک بھینڑ فلاں فلاں کو دیں گے۔ بوقت انتقال موسیٰ کی کوئی بھینڑ نہ ہو تو موسیٰ لدا کو بھینڑ کی قیمت دی جائے گی۔ اگر وہ یہ کہے کہ میرے وصیان میرے گلے میں سے زائد کو ایک بھینڑ دیں گے۔ اور بلا بھینڑ دئے موسیٰ کا انتقال ہو جائے تو وصیت باطل ہوگی یہی اصول تمام اقسام کی جائیداد پر حاوی ہے۔

اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ موسیٰ اپنے پوتے کے لیے کوئی میراث چھوڑنے کے بجائے وصیت میں یہ شرط رکھے کہ وہ وراثت میں سے ایک بیٹے کا حصہ پائے گا۔ فرض کرو کہ موسیٰ کا ایک ہی لڑکا اس کا وارث ہے اور وہ لڑکا اس پر رضامند ہو جائے کہ میراث اس میں اور پوتے میں مساویانہ تقسیم کر دی جائے تو میراث اس میں اور بیٹے میں برابر برابر تقسیم کی جائے گی ورنہ موسیٰ لدا کو ایک ٹمٹ ملے گا اور بیٹے کو ۲/۳ اگر دو بیٹے ہوں تو لڑکے کی رضامندی ضروری ہے۔ تو جائیداد بیٹے اور پوتوں میں مساویانہ طور پر تقسیم ہوگی۔ اسی طرح اگر چار لڑکے اور ایک پوتا ہو اور موسیٰ لڑکے کا حق پوتے کو دے تو پوتا پوتے کو ملے گا۔ اگر موسیٰ اپنے پس ماندگان میں سے ایک بیوہ دو لڑکے ایک لڑکی اور پہلے انتقال شدہ لڑکے سے ایک پوتا چھوڑے اور یہ وصیت کرے کہ اس کے ورثہ میں پوتے ایک لڑکے کا حصہ پائے گا تو تقسیم درج ذیل طریقے پر ہوگی۔

بیوہ ۸ لڑکی ۸ لڑکا ۳ لڑکا ۳ پوتہ ۳ لڑکا اور اگر ایک لڑکا ہو تو اس طرح تقسیم ہوگی۔

بیوہ ۸ لڑکا ۶۰ لڑکی ۳ لڑکی ۳ پوتہ ۶۰ لڑکا، مجموعہ ۱۲۰ لڑکی

سنی قانون

ہم نے پہلے ہی مطالعہ کیا ہے کہ جب کوئی میراث ہا بوجہ اہمیت ایک ہی معیار

کی ہو اور مجموعی طور پر ۳/۴ سے زیادہ مالیت کی ہو تو سنی قانون کے مطابق حسب تناسب مالیت میں آجائے گی۔ ایک عام شرط کے تابع ہے کہ جب میراث ہاند ہی فرائض یا امور ہا خیر کی تکمیل کے لیے ہوں تو یہ اصول اغراض ذیل پر بالترتیب نافذ ہونا چاہئے۔

(۱) بغرض تزکیہ (۲) نماز (۳) خیرات (۴) روزے (۵) حج۔

عام طور پر مذہبی فرائض اور امور خیر کا اصول یہی ہے گو اس کی اس درجہ اہمیت ہے کہ مذہبی فرائض کی ادائیگی سے لاگو ہوتا ہے اور یہ فرائض قبل میراث نافذ ہو نا چاہئے جن کی ترتیب اس طرح ہے۔

(۱) قیدیوں کے تاوان کی ادائیگی۔

(۲) غلاموں کو آزاد کرنا جن کے لیے موصی نے وعدہ کیا تھا۔

(۳) بیوی کو دین مہر کی ادائیگی جس سے موصی نے آخری بیماری میں شادی کی ہے۔

(۴) ادائیگی زکوٰۃ۔

(۵) فطرہ عیدین کی ادائیگی۔

(۶) ظہار کا کفارہ۔

(۷) قسم کا کفارہ۔

(۸) فرض روزوں کی ادائیگی کا کفارہ۔

(۹) غلاموں کی خلاصی۔

(۱۰) غیر لازم حج کی ادائیگی۔

درالمختار میں اس موضوع پر یہ لکھا ہے: "یہ یاد رکھنا چاہئے کہ ترکے لازماً

دو اغراض کے لیے ہوتے ہیں۔ یا تو حقوق اللہ یا حقوق العباد۔ دہر دو کے لئے یہ طے

شدہ امر ہے کہ حقوق اللہ کی ادائیگی دیگر تمام حقوق پر مقدم ہے اگر موصی لہ ایک ہی ہو

تو ترجیح ہے اس لئے کہ موصی لہ واحد اور ایک ہے اگر موصی لہم کئی ہوں تو ایک

دوسرے کو ترجیح نہ ہوگی۔ پس اگر ترکہ عام انسانوں کے لیے ہے تو کسی موصی لہ کو

دوسرے پر ترجیح نہیں ہو سکتی۔ مثلاً اگر ایک شخص کسی کو ایک ثلث ترکے میں دے اور

ایک کے بعد دوسرے کو دے ہر دو ترکے نافذ ہوں گے تا وقتیکہ مختص طور پر درج نہ ہو کہ

ان میں سے ایک پر دوسرے کو ترجیح ہے یا یہ مہابات یا خلاصی ہے ترکہ نافذ ہوں گے۔ اگر

کوئی کہ باری تعالیٰ کے لیے ہے اور ہدایہ کے مطابق نمبر (۱) فرائض کی ادائیگی جو قطعاً لازمی ہے جیسے زکوٰۃ اور حج (۲) فرائض کی ادائیگی جو محض لازمی ہے مثلاً ادائیگی کفارہ قسموں کا پورا کرنا فطرہ دینا (۳) نوافل کی ادائیگی جیسے غیر لازمی حج اور غربا کو خیرات اور ان حالات میں دین داران سے ادائیگی کی ابتدا کرنی چاہئے جن کی ادائیگی کی موسیٰ نے پہلے ہدایت کی ہو لیکن۔ اگر سب ہی شامل ہوں تو ان سے ابتدا کرنا چاہئے جو قطعاً لازمی ہیں خواہ موسیٰ نے ان کو اولاً بتایا ہو یا نہ بتایا ہو۔ اس کے بعد محض واجبات کا نمبر آتا ہے اور تیسرا نمبر موسیٰ نے کی آخری خواہش کی تکمیل کا ہے۔ جن پر بقدر حصہ رسد ہی خرچ کرنا چاہئے پس اگر وہ یہ کہے کہ اس کی جائیداد کا ایک حصہ (ثلث) مصارف حج، زکوٰۃ، کفاروں اور زید پر خرچ ہونا چاہئے تو تیسرا حصہ چار مدت پر خرچ ہو کر زید کو ایک حصہ اور بقیہ ۳ حصے علی الترتیب تین مدت پر صرف ہوں گے۔ اگر موسیٰ نے، مثل غربا محض نہیں ہے تو پھر یہ چار حصوں میں تقسیم نہ ہوں گے۔ اس لئے کہ سب ہی خدا کے ہیں اور ان میں لازم ترین فرائض پہلے انجام پائیں گے۔

شیعہ قانون کے مطابق اگر موسیٰ بعض فرائض کی انجام دہی کے لیے ترکہ چھوڑتا ہے ان میں بعض اس پر قرض ہوں بعض محض واجب تو یہ سب ادا ہونا چاہئیں۔ بشرطیکہ جائیداد کا ایک ثلث ان کی ادائیگی کے لیے کافی ہو اور اگر ایک ثلث کافی نہیں ہے اور ورثہ ضامن نہ ہوں تو اولاً موسیٰ کے ذمگی فرائض ادا کئے جائیں گے اور واجبات، بقدر ایک ثلث سے جو ان کی ابتدا موسیٰ کی مقررہ ترتیب سے ہوگی۔ اگر محض واجبات میں تو وہ جائیداد کے بقدر ایک ثلث سے نافذ ہوں گے اور ادائیگی کی ابتدا موسیٰ کے مقررہ ترتیب سے ہوگی تا وقتیکہ ایک ثلث صرف ہو جائے۔

باب ۲۲۔ وصیت کے عمومی قواعد

فصل اوّل: وصیت کے قانونی اثرات

وصیت کی یہ تعریف ہے کہ کسی مختص شے منافع یا فائدے میں ایسے حق تملیک کا تفویض کرنا جو موصی کی موت پر نافذ ہو، یہ اس شخص کے لیے جس کے ذمگی فرائض (حقوق اللہ) نہ ہوں مناسب ہے۔ لیکن اگر اس کی ذمگی فرائض مثلاً اس نے زکوٰۃ نہ دی ہو، روزے نہ رکھے ہوں یا حج نہ کیا ہو یا فرض نمازیں ادا نہ کی ہوں۔

حنفی اصول

کوئی بھی اسلوب عبارت جس سے موصی کا منشا میراث کا ہو کافی ہے فتاواے عالمگیری میں اس کی مثالیں تفصیل سے ملتی ہیں۔

اگر ایک شخص کہے ”یہ میرا غلام فلاں کے لیے اور میری عمارت فلاں کے لیے ہے“ مگر نہ لفظ ترکہ کا حوالہ دے نہ الفاظ ”میری موت کے بعد“ کا ذکر کرے تو اس کا منشا قیاس اور بہتر کی بنیاد پر سمجھا جائے گا اور واہب کی عین حیات ہی قبضے ہونے پر یہ جائز ہوگا۔ اگر اس کی موت تک قبضہ نہ ہو تو یہ باطل ہے۔ اگر کوئی شخص کہے کہ میری وصیت کے مطابق عمارت کا ایک ثلث میری موت کے بعد فلاں شخص کو دیا جائے تو موصی کی عین حیات قبضہ غیر ضروری ہے۔ اسی طرح اگر ایک شخص خواہ بحالت علالت یا بحالت صحت یہ کہے ”کہ فلاں شخص کو ایک ہزار درہم میرے ایک ثلث ہوتے ہیں دئے جائیں“ تو یہ بھی ترکہ ہوگا۔ حالانکہ اس میں موت کا کوئی حوالہ نہیں ہے لیکن اگر الفاظ یوں ہوں ”فلاں شخص کو میری جائیداد میں سے یا نصف میں سے یا میری جائیداد کا ہر ادا دیا جائے تو یہ تا وقتیکہ میراث کے سلسلے میں نہ کئے جائیں، موثر نہ ہوں گے اور یہ میراث ہوں گے۔ اگر ایک شخص کہے کہ سفر میں میرا انتقال ہو جائے تو فلاں شخص کو اس لئے کہ اس کا میرے ذمے ایک ہزار روپیہ کا قرض ہے تو اس کا ایک ثلث ترکہ ہوگا۔

شیعہ قانون کے مطابق مبہم میراث ہا کے متعلق بعض اصول مبہم قابل غور ہیں۔ اگرچہ ان میں بصورت اطلاق کچھ ترمیم کی ضرورت ہوگی جو سماج کے مختلف حالات کے پیش نظر ضروری ہیں۔

اگر ایک شخص جائیداد کا ایک جز ترکہ میں دے تو الفاظ کی مناسب توضیح کے لیے اور احادیث میں ان میں سب سے مستند کی بنا پر جائیداد موہبی میں سے ایک عشر موہبی کو تثنوینس ہوتا ہے لیکن دوسرے کے مطابق تیسرے کا محض ۷ ماننا چاہئے اگر وہ ایک سہام یا حصہ ترکہ میں دے تو مناسب توضیح ۸ یا اگر کوئی شے ہے تو توضیح ۶ راکہ ہوگی۔

اگر ایک شخص کئی اغراض کے لیے ترکہ کرے اور وہی ان میں ایک یا زیادہ بھول جائے تو یہ کسی بہتر یا مناسب کام پر صرف ہونا چاہئے۔ اگرچہ بعض فقہاء کی رائے میں یہ اولاد کی وراثت میں ہی ہونا چاہئے۔

اگر ایک شخص میان میں خاص تلواری ترکہ میں دے تو میان اور اس کے جزے ہوئے جو اہرات بھی ترکے میں شامل ہیں اسی طرح اگر ایک شخص صندوق جس میں کپڑے ہوں ترکے میں دے یا ایسی کشتی یا چھوٹا جہاز جس میں اسباب تجارت ہو یا ایسا تھیلا جس میں ریشمی کپڑے ہوں ترکہ میں دے۔ ان تمام صورتوں میں وہ اشیا اور دوسری اشیا جو اس میں ہوں شامل ہوں گی۔ بعض فقہاء کا نظریہ یہ دوسرا ہے گو وہ زیادہ لائق توجہ نہیں ہے۔ اگر ایک شخص وصیت کرے اور اس کی جائیداد میں اپنے بچوں کے حصہ کو الگ کر دے تو یہ ناجائز ہے مگر اس کے الفاظ کلیتاً غیر موثر سمجھے جائیں گے۔ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس کے بارے میں دو رائے ہیں۔ بدل میں سے ایک کے مطابق یہ قطعی بے معنی اور بے اثر ہیں لیکن دوسرے کے مطابق ان پر بھی اسی طرح توجہ دینا چاہئے جیسے کہ ایک شخص کی تمام جائیداد کا بحق غیر ترکہ میں دے کر ورثا کو محروم کر دیا جائے۔ حالانکہ ترکہ جائیداد بقدر ایک ثلث جائز ہے۔ اور ورثا کا حصہ قانون بقدر ۳/۲ ہوتا ہے اول الذکر رائے بہتر طور پر مبنی ہے۔ حالانکہ دوسری رائے کی بھی بر بنائے ایک حدیث تعبیر کی

جاتی ہے مگر وہ قابل تسلیم نہیں ہے۔

اگر کوئی شخص ایسے مبہم الفاظ میں کہ قانون ان کی توضیح نہ کر سکے ترک کرے ان کی توضیح وارث بیوی کی صوابدید پر چھوڑ دینا چاہئے۔

مبہم میراث ہاکی صورت میں (پہلے کی طرح) اگر موصی لہ کوئی خاص شے موصی کی منشا کے مطابق اس کو منتقل ہونا چاہئے تھی طلب کرے تو وارث کے فعل کو ترجیح ہوگی۔ اگر موصی لہاس پر بھی اصرار کرے تو وارث سے کہا جائے گا کہ اپنے قول کی حلفیہ تصدیق کرے ورنہ اگر جائیداد کی واضح الفاظ میں وصیت ہو تو موصی لہ کی جانب سے اختیار انتقالات پر ممنوع شرائط غیر موثر ہوں گی۔

فصل دوم :- تنسیخ و صایا

تنسیخ و صایا

ایک وصیت اپنی نوعیت میں لایق تنسیخ بھی ہوتی ہے اور تنسیخ کسی وقت بھی ہو سکتی ہے حتیٰ کہ موصی کے مرض الموت میں بھی منسوخ ہو سکتی ہے۔ تنسیخ صریحاً یا مفہوماً بلا واسطہ یا بالواسطہ ہو سکتی ہے۔ یہ صریحاً ہوتی ہے۔ اگر موصی وصیت کو صریح الفاظ میں منسوخ کر دے یہ مفہوماً بلا واسطہ ہوتی ہے۔ اگر موصی اپنے طریقہ یا اپنے الفاظ ما بعد سے یہ ظاہر کرے کہ اس میراث کو وہ دائم رکھنا نہیں چاہتا اور وہ فعل جس سے جائیداد میں حق ملکیت ساقط ہو اور جو موصی اس شے وصیتی کے متعلق ظاہر کرے، منسوخ ہو جاتی ہے اور اسی طرح موصی کا ہر فعل شے متروکہ میں اضافہ کرے اور جو بلا اضافہ کے نہیں دی جاسکتی ہو اس کا منشا تنسیخ سے ہو۔ اسی طرح ہر وہ انتقال جو ما بعد کیا جاوے اور جو موثر ہو اس کا بھی وہی نتیجہ ہوتا ہے۔

مختلف طریقے جن سے تنسیخ نافذ ہو سکتی ہے

- ۱۔ ترکہ اہلیت اور اسی سلسلہ میں طریقہ کار چار زمروں میں منقسم ہے۔
- ۲۔ پہلی قسم۔ واضح الفاظ سے یا تعبیراً (یعنی طرز عمل سے) تنسیخ ہو سکتی ہے۔
- ۳۔ دوسری قسم۔ شخص صریح الفاظ سے تنسیخ ہو سکتی ہے۔

تیسری قسم۔ محض اپنے طریقہ کار سے تفسیح ہو سکتی ہے۔
چوتھی قسم۔ وہ ہے کہ تفسیح قطعاً نہیں ہوتی۔

ترکوں کی پہلی قسم یعنی میراث ہانکی ہے۔ چونکہ موسیٰ کے صریح اعلان سے تفسیح ہو جاتی ہے یا اگر وہ شے وصیتی کو فروخت یا اس طرح منتقل کر دے کہ پھر اس کو منسوخ یا واپس یا منتقل کرنا اس کے اختیار سے باہر ہو۔

دوسری قسم کا ترک وہ ہے جو موسیٰ اپنی جائیداد کا ۳/۳۱ حصہ دوسرے شخص کو ترکہ میں دے۔ ایسی صورت میں موسیٰ کسی بھی جائیداد میں محض حصہ پانے کا مستحق ہے جو موسیٰ بوقت موت چھوڑ جائے۔ اور جب تک واضح الفاظ میں تفسیح نہ ہو تو میراث نافذ رہے گی۔

تیسری قسم کے ترکہ میں وہ شروط مخلصی ہے جو محض صریح طرز عمل سے واپس لی جا سکتی ہے۔

چوتھی قسم وہ وصیت ہے جو صریحاً یا تعبیراً منسوخ نہیں ہو سکتی اور وہ قطعی وصیت ہے۔

ابو حنیفہ کی رائے

ابو حنیفہ کے مطابق جن کی اس معاملہ میں رائے کو فتویٰ کی حیثیت حاصل ہے۔ کسی شے کی وصیت میں تبدیلی جو موسیٰ کی تحریک سے کی جائے وہ بمنزلہ تفسیح نہیں ہے۔ مثلاً اگر ایک شخص کسی دوسرے کو چاندی کا ٹکڑا دے اور بعد میں وہ اس کی انگوٹھی بنالے تو ابو حنیفہ کے مطابق اس تبدیلی سے ترکہ منسوخ نہ ہو گا۔ اگرچہ ابو یوسف اور بظاہر محمد کی رائے کے مطابق ایسا ہو گا۔

اگر ایک شخص وہ شے محض جو اس نے ترکہ میں دی تھی، واپس خریدے یا اس کو تحفہ دے یا اس کے بعد ہیہ کو منسوخ کر دے تب بھی ترکہ جائز رہے گا ایک متروکہ بھیڑ کا ذبیحہ تفسیح ترکہ ہے لیکن متروکہ کپڑے کو دھونا تفسیح نہیں ہے۔ ابو یوسف کے مطابق ترکے کے محض انکار سے تفسیح نہیں ہوتی۔ لیکن محمد کی رائے اس سے مختلف ہے۔ اگر موسیٰ یہ کہے کہ جو میراث اس نے A اور B کو ترکہ کی ہے وہ باطل تھی تو اس سے وصیت

منسوخ ہوگی۔ اگر محض وہ یہ کہے کہ یہ حرام یا سودی تھی تو وصیت منسوخ نہ ہوگی۔
 اگر کوئی موصی شے مختص A کو ترکہ میں دے اور اس کے بعد B کو دے تو
 وصیت مابعد سے پہلی وصیت لازماً منسوخ نہیں ہوتی۔ اگر مشمولہ عبارت یا کسی اور طرح
 سے ظاہر ہو کہ موصی کی نیت ہر دو موصی لہم کو شے متروکہ مشترکاً دینے کی تھی تو اس
 کی منشا نافذ سے اگر یہ ظاہر ہو کہ اس کا منشا پہلے ترکہ کو منسوخ کر کے دوسرے موصی لہ کو
 کی تھی تو یہ بمنزلہ منسوخ ہوگا۔ عام اصول یہ ہے کہ آخری میراث نافذ ہوتی ہے۔
 اگر دوسرے موصی لہ کا ترکہ مابعد نافذ ہونے والا ہو اور اس کا انتقال ہو جائے
 تو پہلا ترکہ دوسرے ترکہ سے منسوخ ہونے سے جائز رہے گا اور اگر بوقت ترکہ دوسرا
 شخص زندہ ہو مگر موصی سے پہلے اس کا انتقال ہو جائے تو ہر دو میراث ہا باطل ہوں گی
 اور شے متروکہ وراثتاً موصی پر عود کرے گی۔

حنفی لاکے مطابق جائیداد مکفولہ کرنے سے ترکہ منسوخ نہیں ہوتا وہ یہ کہ
 اس سے شے مکفولہ میں حق ملکیت ساقط نہیں ہوتا بلکہ موصی کی موت پر حق انفکاک
 موصی لہ پر منتقل ہوگا۔ بہ الفاظ دیگر موصی لہ جائیداد وصیتی کو مع بار کفالت حاصل
 کرتا ہے اور تا وقتیکہ موصی نے بوقت رہن صریحاً ایسے الفاظ استعمال نہ کئے ہوں جن
 سے سابقہ وصیتی نے واضح تنسیخ کی ہوگی۔ اگر ایک شخص ترکہ میں عمارت کو دے کر واپس
 لے تو یہ بمنزلہ تنسیخ نہ ہوگا لیکن اگر وہ مٹی کا پلاستر بڑے پیمانہ پر کرائے تو تنسیخ ہوگی۔ اگر
 آراضی کو ترکہ میں دے کر ترکاری کاشت کرائے تو یہ تنسیخ ہوگی۔ اگر وہ انگور کی بیل یا
 درخت لگائے تو بقول قاضی خان یہ میراث منسوخ ہوگی

شافعی اصول

اسی طرح شافعی اور مالکی قانون کے مطابق مختلف افعال جن سے کہ ایک
 وصیت بالواسطہ منسوخ ہوتی ہے وہ شے متروکہ کا بیع اور ہبہ ہیں۔
 شرائع میں شیعہ اصول بہ عبارت ذیل ہیں۔

شیعہ اصول

ایک وصیت موصی کا ایک عقد جائز ہے خواہ یہ ترکہ جائیداد ہو یا نامزدگی ولی۔

اور یہ اس کے عین حیات بذریعہ الفاظ یا فعل جن سے وصیت نظر انداز کی ہو یا اس کی تردید ہو تو منسوخ ہو جاتی ہے۔ پس اگر کوئی ٹٹے یا کسی دوسری اہمیت کے ذریعہ اس کو بیخ کن کرے یا یہ کہ موذوب لہ اس پر قبضہ پائے یا منکول کرے تو ہر ایسا فعل بمنزلہ تفسیح ہوگا۔ اسی طرح اگر وہ ایسے کام میں لے کہ جسے نام سے نہ پکارا جاسکے مثلاً اگر وہ غلہ ترکہ میں دے اس کا آنا پھوانے یا آنے کو ترکہ میں دے اس کی روٹیاں پکوانے تو یہ تفسیح ترکہ ہوگی۔ مزید یہ کہ کوئی شخص تیل کی ایک مقدار ترکہ میں دے اور بعد ازاں دوسری قسم کی مایوت کر دے تاکہ ایک دوسرے کو پہچانا نہ جاسکے تو بعینہ یہ بھی تفسیح ترکہ ہوگی۔ اگر وہ روٹی ترکہ میں دے بعد میں اس کے ٹکڑے کرے تو اس سے تفسیح نہ ہوگی۔

یہ قابل غور ہے کہ قانون شیعہ و سنی میں ان کی کتب ہائے فقہ میں اس بارے میں مختلف مثالیں ہیں۔ کون سچ ہے یا نہیں عام اصول یہ ہے کہ تفسیح کا مدار نیت پر ہے جو مختلف افعال اور حالات سے ثابت ہے۔

موصی لہ کا قبول کرنا

جو از وصیت کے لیے اور مزید ایک شرط موصی لہ کا وصیت کو صریحاً یا تعبیراً قبول کرنا ہے۔ فقہ مالکی کے مطابق قبول ترکہ لازمی شرط ہے۔ اور حسب حنفی فقہاء عدم قبول سے وصیت باطل ہو جاتی ہے۔ اسی طرح شیعہ قانون کے مطابق موصی لہ کے قبول کرنے سے ہی میراث اس میں تفویض ہوتی ہے مگر میراث کتنی مدت میں قبول کر لی جائے اس سلسلہ میں مذہب شیعہ اور دوسری فقہ حنفی میں اختلاف ہے۔

شیعہ اصول: موصی کے انتقال سے قبل قبول کرنا جائز ہے

شیعہ اصول کے مطابق قبل انتقال موصی وصیت کرنا جائز ہے مگر یہ موصی لہ کی صواب دید پر ہے۔ موصی لہ کے انتقال کے بعد مگر واقعہ موت کے بعد قدرے تاخیر ہو جائے تب بھی وصیت قبول کرنے پر قطعی ہو جاتا ہے۔ قبول کرنے سے پہلے منسوخ نہ کرے۔ اگر موصی کے عین حیات اس طرح کرتا ہو تو اس کی موت کے بعد بھی میراث قبول ہو سکتی ہے وجہ یہ کہ ایسی تفسیح کا قانوناً کوئی اثر نہیں ہوتا۔ لیکن اگر بلا منظور کئے بعد موت تفسیح کی ہے تو میراث منسوخ ہو جائے گی۔ بشرطیکہ موصی لہ قبول نہ کرتے ہوئے

اس پر قبضہ حاصل کرے۔ اگر قبضہ نہ ہو اور میراث موصیٰ کی موت پر موصیٰ لہٰذا کی پہلی اجازت پر منسوخ کر دی گئی ہے تو بعض فقہاء کے نزدیک منسوخ ہے اور بعض کے نزدیک نہیں اور یہی رائے زیادہ مسلمہ ہے۔ اگر منظوری اور قبضہ کے بعد میں اور مابعد میراث منسوخ کر دی گئی ہے تو اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ منسوخی غیر موثر ہے۔ اور میراث منسوخ نہیں ہوگی۔ اس لئے کہ حق جائیداد موصیٰ لہٰذا میں پہلے سے ہی قائم ہو جاتا ہے۔

اگر موصیٰ لہٰذا کسی ترکے کا جز منسوخ اور بقیہ کو منظور کرے تو جزواً منظوری جائز ہوگی اور اسی حد تک اس کا حق رہے گا۔ اگر موصیٰ لہٰذا منظور کرنے سے قبل انتقال کر جائے تو اس کے ورثا اس کی جگہ ترکے کو قبول کر لیں گے۔

حنفی اصول

حنفی قانون کے مطابق انتقال موصیٰ کے قبل منظوری بے اثر ہوتی ہے۔ ترکے صریحاً یا تعبیراً منظور کیا جاسکتا ہے اگر موصیٰ لہٰذا ترکے کو نا منظور کرنے سے قبل انتقال کر جائے تو اس کی موت سے بمنزلہ منظوری قیاس ہوگا۔ اور اس کے ورثا بطور ورثا میراث پائیں گے۔ دستاویزی وصیت اور بلا دستاویزی وصیت جانشین میں یہ فرق ہے کہ ایک وارث جائیداد موصیٰ لہٰذا بلا منظور کئے قبضہ حاصل کر لیتا ہے مگر ایک موصیٰ لہٰذا بلا منظور کئے قبضہ حاصل نہیں کر سکتا۔ ترکے کی منظوری موصیٰ کے انتقال کے بعد ہونا چاہئے حتیٰ کہ اگر اس کی جنس منظور یا منسوخ کر دی جائے تو یہ فعل باطل اور منسوخ کرنے والے کو موصیٰ کے انتقال کے بعد ہی منسوخ کرنے کی آزادی ہے

ترکے کا قانونی نتیجہ

ترکے کا قانونی اثر یہ ہے کہ موصیٰ لہٰذا پر حق جائیداد اس طرح منتقل ہوگا جیسے کہ بصورتِ بہ۔ اور ترکے بطور منظوری اس میں تفویض ہوتا ہے تاکہ اگر وہ موصیٰ کے انتقال کے بعد اسے منظور کر لے تو شے متروکہ میں اس کی ملکیت قائم ہو جائے خواہ وہ اس پر قبضہ لے یا نہ لے اور اگر وہ ترکے نا منظور کر دے تو ترکے منسوخ ہوگا۔ اگر لوگوں کی جماعت کے لیے ترکے مثلاً غربا یا عام مذہبی مستحق کے لیے ترکے کیا جائے تو موصیٰ لہٰذا کی منظوری قیاس کی جائے گی۔

فصل سوم:- آراضیات، باغات، مکانات، تمسکات وغیرہ کی آمدنی کی بابت وصیت

جیسا کہ بتایا گیا واضحاً شرع میں بتائے دوام کی وصیت اہمیت یا تملیک ابتدا سے اخیر زندگی تک موثر رہتی ہے اور یہ ضروری اور لازمی نہیں ہے کہ یا بندہ اشخاص موجود ہوں۔ پس کوئی بھی شخص جائز طور پر دوسرے کے لیے محدود مدت یا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ترک کر سکتا ہے اس میں آراضیات، باغات کا منافع یا کسی مکان میں حق سکونت یا اس کا کرایہ مویشی یا درختوں کا استعمال، تمسکات، حصص اور تجارتی کمپنیوں میں حصص کی آمدنی وغیرہ شامل ہیں اگر مدت ترک غیر معین ہے تو یہ داننا نہیں سمجھی جائے گی ایسے ترک سے شے متروکہ دریا موسمی میں جس ہو جاتی ہے اور موسمی لہ شخص اس کے منافع پاتا ہے اس طرح جیسے کسی کے لیے وقف ہو۔

ترک خاص سال کے لیے ہو سکتا ہے۔ مثلاً سال ہجری ۱۲۶۰ اگر موسمی کے بوقت انتقال سال پورا ہو گیا تو ترک باطل ہو گا۔ اگر سال کا محض حصہ ہی گزرا ہے تو غیر منقش مدت کے لیے ترک نافذ رہے گا۔

اگر شے متروکہ جائیداد موسمی کا حصہ ہے، اس کی آمدنی موسمی لہ کو حسب وصیت بغرض استعمال دی جائے گی۔ مثلاً اگر برائے ترک اس مکان میں حق رہائش حاصل ہو اور وہ حصہ آجائے تو موسمی لہ کو یہ مکان بغرض سکونت دیا جائے گا۔

اگر موسمی لہ کو ترک میں شخص منافع اور کرایہ ہی دیا گیا ہے تو موسمی لہ وہی پائے گا اور اسے حق سکونت حاصل نہ ہو گا اگر شے متروکہ ایک ٹمٹ سے زیادہ ہو جائے تو موسمی لہ اس حصے کا منافع جو ایک ٹمٹ میں شامل ہے پائے گا۔ اگر ترک ایسی جائیداد کے استعمال کے لیے ہے جو بلحاظ نوعیت ناقابل تقسیم ہے تو موسمی لہ اس کا استعمال اور استفادہ ایک مدت کے لیے اور دریا اس سے دو چند مدت کے لیے کر سکیں گے۔ فتاویٰ عالمگیری میں غلام کی مثال سے اس اصول کی مکمل طور پر وضاحت ہوتی ہے اور اگر جائیداد کے ایک ٹمٹ میں غلام نہیں آتا تو وہ باری باری موسمی لہ کی خدمت ایک ہی اور ورثا کی دو دو بار کرے گا تاکہ ایک سال پورا ہو جائے۔ ایک سال پورا ہونے پر غلام

ورثا کو دیدینا چاہئے۔ اگر ایک سال مختص ہو اور غلام جائیداد کے ایک ثلث میں ہو اور ورثا میراث پر رضامند ہوں تو اسے (غلام) ایک سال کے لیے موصی لہ کی خدمت کے لیے دیا جائے گا۔ بعد ازاں ورثا کو واپس کر دیا جائے گا اور اگر وہ جائیداد کے ایک ثلث میں نہیں آتا اور ورثا میراث پر آمادہ نہ ہوں تو غلام موصی لہ کی ایک رز اور ورثا کی دو روز حسب باری ۳ سال تک خدمت کرے گا۔ ۳ سال گزرنے پر ترکہ خدمت پورا ہو جائے گا۔ اگر اس مدت میں موصی لہ کا انتقال ہو جائے تو غلام ورثا موصی پر عود کرے گا۔ اور اگر موصی لہ کی حین حیات اس کا انتقال ہو جائے تو ترکہ باطل ہو گا۔

موصی لہ کا انتقال

اگر موصی لہ حسب ترکہ قبل انقضائے وقت معینہ انتقال ہو جائے تو شے متروکہ ورثا موصی لہ میں عود کرے گا۔ اور اگر موصی لہ کے حین حیات انتقال کر جائے تو ترکہ فوراً ساقط ہو گا۔ موصی کسی شے کی آمدنی کسی بھی شخص کو اور اس کے عین کسی دوسرے کو ترکہ میں دے سکتا ہے اگر شے متروکہ ایک ثلث سے کم ہو تو ہر موصی لہ مخصوص ترکہ کا مستحق ہو گا اور اگر ترکہ کی آمدنی معین ہے تو موصی لہ شے متروکہ پر اپنی ذات تک قبضہ پانے کا مستحق ہے بعد ازاں وہ موصی لہ کے بشرط زیست منتقل ہو گا۔ ورنہ موصی کے ورثا کو منتقل ہو گا۔

آمدنی کے ترکہ کی صورت میں طریقہ استفادہ

اگر ترکہ مکان کے کرایوں اور منافعوں کا ہو اور موصی لہ خود اس میں سکونت کا خوشمندانہ ہو تو وہ قانوناً ایسا نہیں کر سکتا۔ اگر ترکہ کسی عمارت میں بغرض سکونت ہو اور اس کے علاوہ کوئی دیگر جائیداد نہ ہو تو موصی لہ عمارت کا ایک ثلث لے سکتا ہے ۲/۳ عمارت جو ورثا کے قبضہ میں ہے اسے فروخت کا حق نہ ہو گا اور نہ کسی مکان کی حق سکونت کا۔ موصی لہ اس کو کرایہ دینے کا مستحق ہے اور نہ موصی لہ اس غلام کو علاحدہ کر سکتا ہے جس کی خدمات موصی کے مقام سکونت سے دوسرے مقام پر ترکہ کی گئی ہو۔ بشرطیکہ موصی لہ اور اس کے اہل موخر الذکر جگہ نہ رہتے ہوں جہاں غلام ان کی خدمات کی غرض سے لے جایا جائے۔ اس فیصلے کی دلیل یہ ہے کہ ترکہ حسب منشا موصی نافذ ہو گا

بشرِ شکیبہ موسیٰ لہ کے اہل موسیٰ کے ساتھ ہی رہتے ہوں منشا یہ ہے کہ موسیٰ لہ اس کی خدمات سے استفادہ کریں اگر موسیٰ لہ کسی دوسرے شہر میں سکونت پذیر ہو اس سے یہی قیاس ہو گا کہ موسیٰ لہ کو غلام کی خدمات حاصل ہو سکیں۔

اگر مکان کا حق سکونت کسی شخص کو بلا تعین مدت کیا جائے تو وہ لوگ جو عین حیات استغناء کا مستحق ہے اور جب کہ اس کی آمدنی ترکہ میں دی گئی ہو اور وہ مکان ایک ٹمٹ میں ہی آجاتا ہو۔ اگرچہ اس سے آمدنی میں اضافہ ہو گیا ہو تب بھی یہ جائز ہو گا۔ اسی طرح کسی جائیداد کی آمدنی یا کسی کاروبار کی آمدنی باغ کی آمدنی کی یہی صورت ہے۔ جب کسی غلام کو موسیٰ لہ کی خدمت کے لیے ترکہ میں دیا جائے تو تا وقتیکہ اس کی خدمت کی ضرورت نہ ہو، اگر موسیٰ لہ بچہ ہے تو یہ خدمت جب تک وہ بالغ نہ ہو جائے ہوتی رہے گی۔ اور اگر وہ بالغ اور غریب ہے تو یہ اس وقت تک جاری رہے گی جب تک وہ اپنے خدمت کے لیے غلام نہ خرید سکے لیکن اگر وہ بالغ اور دولت مند ہے تو یہ میراث باطل ہے۔

اگر ایک شخص کاروبار کی یا مکان کی ایک سال کی آمدنی کسی دوسرے کو ایک سال کے لیے دے اور اس کے پاس سوائے اس کاروبار یا مکان کے اور کوئی جائیداد یا مکان نہ ہو تو موسیٰ لہ کو ایک سال کی آمدنی کا سزا پائے گا۔ وجہ یہ کہ آمدنی بھی مثل جائیداد کے قابل تقسیم ہے مگر موسیٰ لہ درمنا سے مکان کی تقسیم کے لیے اس طرح نہیں کہہ سکتا کہ وہ خود اپنے حصہ کے کرایہ کی رقم وصول کرے۔

اگر ترکہ موسیٰ لہ کے باپ کی پیدا شدہ آمدنی کا ہے تو موسیٰ لہ حال اور مستقبل کی آمدنی کا مستحق ہے۔ اگر ترکہ دائمی باغ کے پھلوں کا ہے تو موسیٰ لہ موت تک مستحق ہے اگر لفظ "ابداً" استعمال نہیں ہوا ہے اور موسیٰ کے موت کے دن باغ میں پھل ہیں تو موسیٰ لہ مالیت کے ایک ٹمٹ کا مستحق ہے۔ مگر مستقبل کے پھلوں کا مستحق نہیں ہے۔ قیاس یہی ہے کہ موسیٰ لہ کا ایک ہی سال کی فصل کے ترکہ کا تھا لیکن اگر بروز انتقال موسیٰ کے باغ میں پھل نہ ہوں تو ترکہ شخص ان پھلوں کی فصل پر نافذ ہو گا جو موسیٰ کے انتقال کے بعد پیدا ہوئے اور موسیٰ لہ کے انتقال سے پہلے پیدا ہوئے اگر کسی ایسی شے کا ترکہ ہے جو کسی شے پر اضافہ مزید ہے تو شخص اضافہ موسیٰ کی موت پر موسیٰ لہ کو دیا جائے گا خواہ الفاظ کا منشا پیشہ کے لیے ہو یہ کرائے یا منافع کے معیار سے مختلف ہے۔

اگر میراث کسی مکان کی آمدنی کا ۳/۴ ہے تو ابو یوسف کے مطابق ورثا مکان کا تقاسمہ کر کے موصیٰ لہ کو ایک ثلث دے سکتے ہیں اگر ۳/۴ سے کچھ زیادہ آمدنی ہو تو وہ موصیٰ لہ پائے گا۔ اگر آمدنی نہ ہو تو اسے کچھ بھی نہ دے گا ورنہ بھی اسے اپنا ۳/۴ حصہ فروخت کر سکتے ہیں خواہ یہ تقاسمہ سے قبل ہو یا بعد۔

اگر ترکہ کسی قطعہ آراضی کی آمدنی کا ہو جس پر نہ کوئی درخت ہو نہ اس کے علاوہ اور کوئی جائیداد ہو تو، زمین کرایہ پر دے کر اور موصیٰ لہ کرایہ کا ایک ثلث پائے گا اگر زمین اگر زمین پر کھجور یا اور کوئی درخت ہوں تو آمدنی کا ۳/۴ دیا جائے گا اور زمین مزارعت پر نہ دی جائے گی۔

جب کہ ترکہ کسی باغ کی آمدنی کا ہو تو موصیٰ لہ ورثا موصیٰ سے باغ خرید سکتا ہے مگر اس صورت میں میراث منسوخ ہو گی۔ اسی طرح اگر ورثا کسی اور طرح سے مطمئن کر دیں تو وہ آمدنی کا ایک ثلث دے کر زمین بے باق کر سکتا ہے۔ اسی طرح سکو نت مکان یا خدمات غلام کے بارے میں جائز طور پر ترمیم ہو سکتی ہے اگرچہ ان حقوق کی بیع ناجائز ہے۔

ایک مکان کی آمدنی یا تمسکات یا حصص کی آمدنی یا کاروبار کی آمدنی کا ترکہ عام طور پر غربا کے جائز ہے لیکن غربا کو مکان میں حق سکونت کا ترکہ ناجائز ہے۔ تا وقتیکہ ان کے حق میں مختص نہ کر دیا جائے۔

جب کسی اصل شے اور اس کی ملحقہ شے علی الترتیب دو شخصوں کو ایک ہی وصیت میں دی جائیں تو موصیٰ لہ مختص میراث پائے گا۔ مثلاً اگر موصیٰ یہ کہے کہ ”میں ایک انگوٹھی فلاں فلاں کو اور گنینہ فلاں فلاں کو دیتا ہوں۔“ لیکن جب یہ اعلانات دوسروں سے الگ ہوں مگر نتیجہ ایک ہی ہو تو ابو یوسف اور محمد کے نزدیک اصل شے کا موصیٰ لہ مختص طور پر اس کا مستحق ہے اور دیگر ہر دو موصیٰ لہ ملحقات میں حصہ دار ہیں۔ درج ذیل اس لئے اہم ہے کہ ایک ہی شے کی ہر دو میراث ہا جو ایک دوسرے سے پیدا ہوں انہیں کس طرح نافذ کیا جائے۔

اگر ایک شخص ترکہ دے کر کہے کہ یہ غلام فلاں کو اور اس کی خدمات دوسرے کو یہ عمارت فلاں کو، اور حق رہائش دوسرے کو یا یہ بھیڑ فلاں کو اور اون دوسرے کو تو ہر

دو اشخاص مختلف ہیں اور ہر موسیٰ لہ جو کچھ اسے ترکہ میں دیا گیا ہے دوپائے گا۔

ذیلی ترکے

اس بارے میں خواہ ترکہ منفرد آجائیں یا مشترک کوئی اختلاف رائے نہیں ہے۔ اگر ان صورتوں میں ابتدا ذیلی ترکوں سے ہو اور اصلی ترکہ بعد میں ہو مثلاً اگر غلام کی خدمات پہلے کسی شخص کو ترکہ میں دی جائیں اور بعد میں غلام دوسرے کو دیا جائے یا کسی مکان کا حق رہائش ایک شخص کو دیا جائے اور مکان کسی دوسرے کو یا پھل ایک کو اور درخت دوسرے کو۔ یہ اسی وقت ہو گا جب ترکہ ایک دوسرے کے تعلق سے دئے جائیں یعنی ہر موسیٰ لہ اسی ترکہ کا مستحق ہو گا جو خاص طور پر جو اس سے منسوب کیا جائے اس لئے کہ اگر ان کو غلیحہ و غلیحہ ظاہر کیا جائے تو اصل شے کا موسیٰ لہ تنہا اس شے کا مستحق ہو گا۔ اور اس کی متعلقہ ذیلی سے دونوں کو نصف نصف ملے گا۔ اور اگر عمارت ایک شخص کو ترکہ میں دی گئی ہے اور اس کا مخصوص حصہ دوسرے کو تو وہ حصہ بقدر نصف نصف دونوں کو ملے گا۔ اس طرح اگر ایک ہزار درہم ایک شخص کو ترکہ میں دئے گئے ہوں اور دوسرے کو تو ایک ہزار پانے والا موسیٰ لہ تو سو کا مستحق ہو گا اور سوائے مساویانہ تقسیم ہوں گے۔ اس بارے میں اختلاف رائے ہے۔

اگر کسی موسیٰ لہ کے بچے کے استعمال کا ترکہ ہو مگر وہ ناقابل استعمال ہو تو وہ شخص جس کو اصل شے تفویض کی جائے پرورش کا ذمہ دار ہے۔ اسی طرح اگر کسی شے کو کھجور کے درختوں کی آمدنی ہمیشہ کے لیے ترکہ میں دی جائے اور اس وقت تک وہ درخت جو تیار نہ ہو وہ دوسروں کو دئے جائیں تو مؤخر الذکر ان درختوں کی پرورش اور ان میں پانی کے صرفہ کا اس وقت تک ذمہ دار ہو گا جب تک وہ تیار نہ ہوں اور ان میں پھل نہ آجائیں بعد ازاں اول الذکر کی ذمہ داری ہو گی اگر عام طور پر ان میں پھل آنے لگیں خواہ وہ بعد میں جھڑ جائیں اور ان سے کوئی پیداوار نہ ہو تو پائندہ آمدنی اس طرح صرفہ کا ذمہ دار ہو گا جس طرح کہ موسیٰ لہ ان کی پرورش کا ذمہ دار ہے۔ یہ رات دن خدمت کرے گا خواہ غلام رات کو سوئے اور رات میں کوئی کام نہ کرے۔ اگر کسی شخص کو دو سو درہم باغ کی آمدنی سے ترکہ دئے جائیں اور باغ میں کچھ زیادہ پیداوار ہو کبھی کم تو موسیٰ لہ آمدنی کا

ایک ثلث تصرف میں لاسکتا ہے یا ہر سال علیحدہ رکھ کر اس میں سے بیس درہم حین حیات گزارہ کے لیے کام میں لے گا۔ اسی طرح ایک شخص یہ اعلان کرے کہ موصی لہ کی جائیداد سے معینہ رقم گزارہ کے لیے پارہا ہے تو وہ رقم خواہ کتنی ہی کم ہو تو تب بھی اس جائیداد کی آمدنی سے رقم اسے ملے گی یا علیحدہ کی جائے گی تاکہ حسب ہدایت موصی لہ اپنی بسراوقات کے لیے ہر ماہ وظیفہ لے لیا کرے۔

سالانہ رقم کے قواعد

اگر کوئی موصی جائیداد کا ایک ثلث کسی شخص کو ترکہ کرے اور پانچ درہم ماہانہ دوسرے کو حین حیات گزارہ کے لیے اور پانچ درہم ماہانہ تیسرے کے لیے حین حیات اس کے گزارہ کے لیے ترکہ کرے اور ان تمام میراث ہا پر ورثا رضامند ہو جائیں تو ابو حنیفہ کے مطابق یہ جائیداد دو حصوں میں تقسیم ہوگی۔ ان میں سے ایک ایک ثلث والے موصی لہ کو اور بقیہ دوسرے موصی لہم کو ہر ایک کو چار حصے مگر صاحبین کے نزدیک جائیداد سات حصوں میں تقسیم ہوگی۔ ان میں سے ایک تو ایک ثلث پانے والے موصی لہ کو اور بقیہ چھ دوسرے موصی لہم ہر ایک کو ۳ کے حساب سے مگر یہ اصول اس صورت میں نافذ ہوگا جہاں ورثا میراث ہا پر رضامند ہو جائیں فرض کرواگر رضامند نہ ہوں تو ایسی صورت میں تقاسمہ ابو یوسف اور محمد کے مطابق پہلے کی طرح سات حصوں میں ہوگا لیکن ابو حنیفہ کے مطابق اس کو اس طرح سے طے کیا جائے گا گویا تمام موصی لہ تیسرے حصے کے مساویانہ مستحق تھے۔ چونکہ بعد میں تین حصوں میں تقسیم ہونے والا تھا اس صورت میں کہ دونوں سالانہ وظیفہ خواروں کا رقم کے ختم ہونے سے پہلے انتقال ہو جائے تو فاضل رقم پہلے موصی لہ پر غور کرے گی۔ اگر ان میں سے کسی ایک کا انتقال ہو جائے تو فاضل رقم تقسیم کر دی جائے گی اور ایک حصہ تیسرے موصی لہ کو اور بقیہ پس ماندہ ابو حنیفہ کے مطابق محفوظ کر دی جائے گی مگر صاحبین کے مطابق ایک ثلث کے موصی لہ کو حصہ دیا جائے گا اور ۴/۳ پس ماندہ کے لیے محفوظ ہوگا۔ صاحبین کی رائے بطور فتویٰ تسلیم کی گئی ہے۔

اگر موصی لہ A کو حین حیات گزارہ کے لیے پانچ درہم ماہانہ ترکہ میں دے تو

دس درہم ماہانہ B اور C کے عین حیات ان کے گزارہ کے لیے تو خواہ وہ مشترک ہوں یا علیحدہ۔ اگر ورثا اس پر آمادہ ہو جائیں تو جائیداد مساویانہ حصوں میں تقسیم ہوگی۔ نصف A کے لیے مخصوص ہوگی اور دوسری نصف B اور C کے لیے وجہ یہ کہ A تمام کا موسیٰ لہ سمجھا گیا ہے اور B C مجموعاً تمام کے ایک ہی موسیٰ لہ سمجھے گئے ہیں پس کل جائیداد تمام آرا کے مطابق حسب جملہ اسناد نصف نصف تقسیم ہوگی۔ اگر A کا انتقال ہو جائے تو ترکہ B اور C کے لیے مختص ہوگا اور ماہانہ جو ان کی بسراوقات پر صرف ہوگا اور ان میں سے کسی کا A کے قبل انتقال ہو جائے تو جو حصہ ان کے لیے مجموعی طور پر غلامدہ رکھا گیا ہے تو ان کے پس ماندہ شریک موسیٰ لہ پر صرف ہوگا اور ۵ درہم مؤخر الذکر کے گزارہ کے لیے دئے جائیں گے۔

اگر ان میراث باپ و درخار ضامند نہ ہوں تو جائیداد کا ایک ثلث بہ اتفاق رائے نصف نصف میں تقسیم ہوگا اور ایک ثلث A کو ملے گا اور دوسرا ثلث B اور C کو ملے گا۔ اگر ایک شخص ایک ثلث جائیداد سے چار درہم ماہانہ A کو عین حیات گزارہ کے لیے ترکہ میں دے اور دس درہم ماہانہ B اور C کو ان کے عین حیات دے اور ورثا پر دو بنی میراث باپ و رضامند ہو جائیں تو جائیداد کا ایک ثلث A کو ملے گا اور دوسرا ثلث مشترکاً B اور C کو ملے گا۔ اور A کے انتقال پر تیسرا حصہ اس کے لیے علیحدہ کر دیا جائے گا یا غیر صرف شدہ موسیٰ لہ کے ورثا پر عود کرے گا۔ B اور C میں سے کسی کا انتقال ہو جائے تو جو کچھ بچے وہ شریک موسیٰ لہ کے لیے مختص ہوگا۔ اور دوسرے کے انتقال پر اور اس میں جو بھی بچے وہ ورثا پر عود کرے گا۔ اگر ورثا میراث باپ و رضامند نہ ہوں تو ایک ثلث نصف نصف تقسیم ہوگا اور نصف کے لیے A اور دوسرا نصف B اور C کے لیے مختص ہوگا۔

محمد کے مطابق جب کوئی ترکہ بہ عبارت ذیل ہو۔

”میں اپنی جائیداد کا ایک ثلث بطور ترکہ زید کے لیے محفوظ کرتا ہوں تاکہ وہ ہر ماہ چار درہم تا عین حیات اپنے گزارے کے لیے رکھے اور ۳/۲ زید، بکر، عمر کو ترکہ میں دیتا ہوں تاکہ وہ ہر ماہ دس درہم سے تازندگی گزر اوقات کرتے رہیں۔ اور اگر ورثا رضامند ہوں تو جائیداد کا ایک ثلث بطور اس کے حق کامل کے دیا جائے گا۔ اور ۳/۲ ہر دو پر موسیٰ لہ کو اسی طرح دیا جائے گا جب ان میں سے کسی کا انتقال ہو جائے تو اس کا

حصہ ورثا کو ملے گا۔ لیکن اگر ورثا میراث ہا پر رضامند نہ ہوں تو جائیداد پہلے مووسیٰ لہ کو تیسرے کا نصف اور دوسرے مووسیٰ لہ کو دوسرا نصف ملے گا۔ اسی طرح اگر بہ عبارت ذیل ترکہ دیا جائے۔ ”میں ترکہ خود سے ایک ثلث زید کو بطور گزارہ ترکہ میں دیتا ہوں اور بکر عمر کو بھی ترکہ دیتا ہوں تاکہ ان درہم ماہانہ سے وہ اپنا گزارہ کریں۔ اگر ورثا ان میراث ہا پر رضامند ہوں تو اول الذکر مووسیٰ لہ تمام جائیداد کا نصف اور دوسرے مووسیٰ لہم تیسرے حصہ مساویانہ بطور حق قطعی کے لیں گے۔ اگر ورثا میراث ہا پر رضامند نہ ہوں تو زید کو تیسرے حصے میں سے نصف اور بکر عمران میں سے نصف نصف پائیں گے۔ اور ان میں سے جس کا انتقال بھی ہو جائے اس کا حصہ اس کے ورثا پائیں گے۔

شیعہ اصول

شیعہ قانون کے مطابق اگر ایک شخص باغ کے پھل سکونت مکان آمدنی کاروبار۔ منافع پذیر شے ہمیشہ یا وقت مقررہ کے لیے ترکہ کرے تو اس کے پیدا ہونے والے فائدہ کی قیمت کا تخمینہ کرانا چاہئے۔ اور اگر جائیداد مووسیٰ لہ سے ۳۱ سے زیادہ ہے تو مووسیٰ ایک ثلث کے تخمینہ کے مطابق پائے گا اور اس سے زائد کی میراث باطل ہوگی۔

اگر ایک شخص مدت معینہ کے لیے حق رہائش ایک شخص کو کسی ترکہ میں دے تو اس کے قیام و نگہداشت کا ترکہ ورثا پر ہوگا کہ یہ ایک لازمی قرض ہے یا ملکیت مکان پر منحصر ہے۔ اور مووسیٰ لہ کو علاوہ سکونت اور کوئی حق نہیں ہے۔ دیگر حقوق ملکیت مثل بیع و رہن ورثا متوفی سے متعلق ہیں لیکن مووسیٰ کے حقوق میں سے کوئی حق جائز قرار نہ ہوگا۔

زبانی وصیت و صایا جائز ہیں

تمام مذاہب کے مطابق زبانی وصیت جائز ہے اگر وصایا یا ترکہ جو ہونا چاہئیں اگر دو متدین مسلمان دستیاب نہ ہوں تو ذمی اور غیر مسلموں کی شہادت کافی ہے۔ اگر محض جائیداد کا مسئلہ ہو تو ایک گواہ کی حلفیہ شہادت یا ایک مرد و دو عورتوں کی شہادت کافی ہے۔ واحد عورت کی بھی شہادت لی جاسکتی ہے۔ اور اس شہادت سے مووسیٰ لہ کا چوتھائی حصہ جس کی تصدیق کی ہے، ثابت سمجھا جائے گا۔ دو عورتوں کی شہادت سے نصف، تین عورتوں کی شہادت سے ۳/۴ اور چار کی شہادت سے پورا ترکہ ثابت سمجھا جائے گا۔ لیکن

وسیان یا ولیوں کا تقرر بذریعہ وصیت مختص دو مرد گواہان سے ثابت سمجھا جائے گا۔ اور اس صورت میں عورت کی شہادت نہ ہوگی۔ اور اسی قیاس پر ایک مرد کی حلیہ شہادت بھی قبول نہ ہوگی اور یہ اصول متعلق ضابطہ کار ہیں اور انہیں اصل قانون سمجھا جاسکتا ہے۔

ایک وصی کی شہادت اس کے نہ اس کے فرائض کے بارے میں اس شے کے متعلق جس سے وہ اپنے لئے یا اپنے منصف کے لیے کوئی منافع حاصل کرے قائم ہوگی۔ اور اگر مووسیٰ کی جائیداد کا حصہ مختص کے خرچ کے لیے اسے وصی مقرر کیا جائے اس کی شہادت متوفی کے اس امر کی بابت کہ اس کی جائیداد اس کی تمام جائیداد سے زیادہ نہیں ہے قبول نہ ہوگی۔ اسلامی ممالک میں اگر وصیت گواہان کے سامنے کی جائے تو عام قاعدہ کے مطابق گواہان وصیت نامہ پر تصدیق جبری کرتے ہیں۔ ذیل میں ایک وصیت کی تصدیق جبری کی نقل ہے جو الجریا میں کی گئی تھی۔

”ہم خدا کو حاضر ناظر جان کر حلیہ اقرار کرتے ہیں کہ جب صالح ابن رفیع نے یہ کہا کہ ہم موجود تھے۔ آپ کو گواہ قرار دیتا ہوں کہ میں نے زید کو اپنے مملوکہ ترکہ کا ایک ثلث ترکہ میں دیا۔ بقیہ میرے وارثان کا ہوگا۔“

جیسا کہ اوپر بتایا گیا ہے کہ ایک ترکہ کسی بھی عبارت یا علامت میں جس سے وصیت مووسیٰ کی نشاندہی ہو سکے جائز ہے۔ ہندوستان میں وصایا بالعموم تحریری ہوتی ہیں جن پر گواہان کی تصدیق ہوتی ہے۔ ان کو وصیت نامے کہتے ہیں۔

باب ۲۵۔ وصی

فصل اول:- وصی کس کو مقرر کیا جاسکتا ہے؟

موصی کو اختیار ہے کہ اپنی آخری خواہشات کی تکمیل جس کو چاہے سپرد کرے لیکن وہ بعض شرائط کے تابع ہونا چاہئے جن پر ابھی توجہ دلاؤں گا۔ اور قرض وصی خواہ مرد ہو یا عورت خواہ غیر رشتہ دار کسی کو بھی تفویض ہو سکتا ہے۔ خواہ ایک انتقال وصیتی ناجائز ہو وصی کا تقرر جہاں تک نابالغ بچوں اور ان کی تعلیم کا تعلق ہے۔ جائز ہوگا۔ ایک وصی کی تمام خواہشات موصی پر جو قانوناً جائز ہیں نہایت وفاداری سے عمل پیرا ہوگا جو قانوناً اس کے تمام بچوں کے مفاد کی نگرانی اور انتظام جائیداد و اثاثہ کا بھی منتظم ہوگا۔

یہ تقرر کسی عام طور پر یا کسی مقصد کے تحت ہو سکتا ہے اگر ایک شخص کسی صابی نابالغ یا غلام کو دوسرے کسی غیر مسلم یا فاسق کا وصی مقرر کرے تو قاضی اس کی تکمیل کے لیے دوسرے کے تقرر کا مجاز ہے۔ لفظ بدل کا منشا جواز وصیت ہے۔ اور کوئی بھی فعل ہو انہوں نے قبل علاحدگی کیا ہو جائز ہے۔ اور یہی سراجیہ میں ہے۔ اور اگر بچہ سن بلوغ کو پہنچ جائے یا غلام آزاد ہو جائے یا غیر مسلم اسلام قبول کر لے یا فاسق تائب ہو جائے تو قاضی کو اسے علاحدہ نہیں کرنا چاہئے جیسے کہ کسی نابالغ کو متولی وقف مقرر کرنے کی صورت میں ہے جو بطور استحسان جائز ہے۔ اسی لئے کہ اس کی وجہ علیحدگی سوائے اس صورت میں جب کہ وصی خیانت کا مرتکب ہو ختم ہو چکی۔

ایک نابالغ وصی

فتاوانے عالمگیری میں یہ اصول اس طرح ہے۔ اگر کوئی شخص کسی نابالغ یا فاتر العقل کو خواہ دائن یا دوران وقفہ ہائے صحت وصی مقرر کرے تو یہ جائز ہے۔ اگر کسی عورت یا شخص نابینا گو یہ فرض تفویض کرے۔ یا اسی طرح جس پر بہتان کے لیے حد لگائی گئی ہو تو یہ جائز ہے۔ جب کسی نابالغ کو وصی مقرر کیا جائے تو قاضی کو اسے علیحدہ کر کے دوسرے کو مقرر کرنا چاہئے خلاف کی یہی رائے ہے۔

اگر نابالغ وصی مقرر کیا جائے تو قاضی کو اسے غلطی سے دوسرے کو مقرر کرنا چاہئے۔ فقہاء کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ آیا نابالغ کا کوئی فعل اسے قاضی سے غلطی سے ہو کر ہی نافذ ہوگا۔ بعض کی رائے میں یہ نافذ ہونا چاہئے مگر بعض کی رائے میں یہ نہ ہونا چاہئے۔

پس ظاہر ہے کہ وصی نابالغ کے سن بلوغ سے قبل کے افعال کے جواز کے بارے میں درالختار اور فتاویٰ عالمگیری میں نمایاں اختلاف رائے ہے۔ مؤخر الذکر نے شرح و بہانہ نگاہ نظر یہ کو اختیار کیا ہے۔ اس کے مطابق اگر کوئی شخص کسی نابالغ یا غلام کو وصی مقرر کرے تو قاضی کو اسے غلطی سے مقرر کر دینا چاہئے۔ اس لئے کہ ایک نابالغ قانونی معاہدہ کا اہل نہیں ہوتا اس بارے میں تمام فقہاء میں اختلاف ہے کہ نابالغ کا فعل موثر ہو گا یا نہیں بعض کے نزدیک موثر ہے بعض کے نزدیک نہیں اور یہی صحیح ہے مصنف درالختار کی رائے اور مؤخر الذکر کے مطابق ہے۔ یہ امر غور طلب ہے کہ آیا ایسا شخص جو اپنی حیثیت ذمی (ذمی یا غلام) یا نابالغ ہونے کی وجہ سے معذور ہو، وصی کا فرض انجام دے سکے گا اور اگر غلطی سے قبل کی معذوری ختم ہو جائے تو وہ جائز طور پر اس منصب پر رہے گا یا نہیں۔ فتاویٰ عالمگیری کا جواب اثبات میں ہے۔ بالفاظ دیگر ایک ذمی ایک مسلمان ہونے پر یا غلام آزاد ہونے پر اس منصب پر رہ سکتا ہے۔ نابالغ کی صورت میں امام ابوحنیفہ اور ساجدین میں اختلاف ہے۔ اول ذکر کے قول کے مطابق ایک نابالغ وصی نہیں ہو سکتا ہے مگر ابو یوسف کی رائے میں وہ وصی نہیں ہوتا اور ابو محمد ان سے متفق رائے ہیں اور فقیہ ابو القاسم کی بھی یہی رائے ہے۔

ایک نابالغ کو وہ جائز طور پر وصی مقرر نہیں ہو سکتا مگر اس منصب کی ادائیگی کے لئے کسی بالغ کے ساتھ شریک کار پا سکتا ہے لیکن تا وقتیکہ وہ بالغ نہ ہو انتظام جائیداد میں نخل نہیں ہو سکتا۔

مشترک وصیان جن میں سے ایک نابالغ ہے

اگر دو اشخاص وصی مقرر ہوں ان میں ایک نابالغ ہو اور دوسرا بالغ۔ بالغ وصی تا وقتیکہ نابالغ وصی بالغ نہ ہو تو تنہا کام کر سکتا ہے۔ لیکن بالغ ہونے پر بالغ وصی تنہا کام نہ

کرے گا۔ اگر بالغ کا انتقال ہو جائے یا بالغ ہونے پر وہ فاتر العقل ثابت ہو تو دوسرا تنہا کام کر سکتا ہے۔ ایسی صورت میں قاضی اس کے ساتھ کوئی دوسرا ساتھی مقرر نہیں کر سکتا بصورت یہ کہ متوفی کا مقرر کیا ہو اوصی پہلے سے ہی موجود ہے۔ مزید یہ کہ بالغ و وصی نے جو بھی کاروائی دوسرے موصی کے زمانہ با بالغی میں کیا ہو وہ اسے مؤخر الذکر بالغ ہونے پر تا وقتیکہ وہ وصیت اور ترکہ کی نوعیت مقصد کے خلاف نہ ہو منسوخ نہیں کر سکتا۔

ایک غیر مسلم وصی مقرر نہیں ہو سکتا

ایک وہ وصی جس کا تقرر موصی کی بچوں کی تعلیم و مفاد کی حفاظت اور موصی کی آخری خواہشات کی تکمیل کے لیے کیا جائے۔ وہ شرعاً ایسا وصی غیر ملحد ہو گا۔ تمام مذاہب کے مطابق ایک حربی غیر مسلم جو دشمن ملک کارہنے والا ہو خواہ وہ غیر مسلم مستعین ہو یا نہیں وصی مقرر نہیں ہو سکتا۔ اگر ایسا تقرر ہو بھی تو اس کو قاضی لازماً منسوخ کر دے گا۔ ایک ذمی غیر مسلم رعایا سے تقرر وصی اس سے مختلف سطح پر ہے۔ اور قاضی تقرر منسوخ کر سکتا ہے۔ پس ایک غیر مسلم کا ابتدا سے ہی تقرر باطل اور ذمی کا تقرر جائز ہے۔ بشرطیکہ قاضی اسے منسوخ نہ کر دے افسران قانون کا یہی نظریہ تھا۔ جس کی بنا پر صدر کورٹ نے ۱۸۲۰ء میں دو مقدمات میں فیصلہ صادر کیا۔

محمد امین الدین وغیرہ بنام محمد کبیر الدین

بمقدمہ امین الدین وغیرہ بنام کبیر الدین (پہلا مقدمہ) ایک مسلمان عورت نے اپنی تمام جائیداد ایک غیر کو ترکہ میں دے کر اپنی وصیت کا ایک ہندو کو وصی مقرر کیا۔ صدر کورٹ کے ججوں نے قاضی القضاة سے استصواب پر یہ طے کیا (A) اگر موصیہ کے کوئی ورثانہ تھے تو وہ اپنی تمام جائیداد کو ترکہ کے لیے آزاد تھی۔ (B) اگر اس کے ورثانہ تھے تو ایک ثلث سے زیادہ کا ترکہ اس کے ورثانہ کی رضامندی پر منحصر تھا۔ (C) اگرچہ کسی مسلمان کی وصیت کا وصی علاوہ مسلمان کسی اور کو مقرر کرنا جائز ہے تاہم قاضی کے لیے ضروری ہے کہ اس کو وصی سے علاحدہ کر دے۔ وجہ یہ کہ اگرچہ ایسا تقرر مکمل طور پر صحیح نہیں ہے تاہم قانوناً جائز ہو سکتا ہے اس لئے اس کے سرکاری افعال تا وقتیکہ قاضی اس کو بے دخل نہ کر دے جائز نہیں۔ یہ تقرر اگرچہ جواز وصیت پر موثر نہیں ہوتا اس

مددات تک موسیٰ لہ کے حق سے تعلق ہے۔

ہنری جبرلاک وغیرہ بنام مسماۃ ظہور التساخانم :

دوسرا مقدمہ ہنری جبرلاک وغیرہ بنام مسماۃ ظہور التساخانم میں اسی حکم کی توثیق کی گئی ہے۔ قاضی کو اس اندیشہ کی بنیاد پر اختیار تفویض کیا گیا ہے کہ ایک غیر مسلم وصی بچوں کے مذہب میں خلل انداز نہ ہو مگر سماج کے حالات موجودہ کی بنیاد پر یہ دلیل قوی نہیں ہے اور اسی لئے اگر کوئی موسیٰ کسی غیر مسلم کو صریحاً اپنا وصی مقرر کرے تو قاضی کا اسے علیحدہ کر کے اس کے بجائے مسلمان کو مقرر کرنا جائز ہے۔ تا وقتیکہ وصی اپنے وارث کے مذہب میں تحریف کرے یا ان کو نامناسب تعلیم دے یا موسیٰ کے ہدایت کے خلاف کام کرے۔ ایسی صورت میں بیخ اسے غلاحدہ کرنے کے لیے مجبور ہو جائے گا۔ یا اس وصیت نامہ منسوخ کر دے گا تا وقتیکہ وہ اس طرح غلاحدہ نہ کیا جائے خواہ اس طرز عمل یا کسی مصلحت کی بنا پر اس کا تقرر جائز ہے اور اس کا انتظام قابل نفاذ ہے۔ ایک مسلمان شوہر جس کی شادی کسی کتابیہ عورت سے ہوئی ہو اسے جائز طور پر موسیٰ اور بچوں کی ولیہ مقرر کر سکتا ہے۔

ایک غیر مسلم وصی کا تقرر جب تک قاضی منسوخ نہ کر دے جائز ہے اور اس وقت تک وہ موسیٰ کے بچوں کا جائز ولی رہے گا۔ لیکن موسیٰ یا قاضی کسی غیر مسلم کو ایک مسلمان کے بچوں کا ولی مقرر نہ کرے گا۔

اوپر بتایا گیا ہے کہ ایک وصی اختلاف مذہب یا نابالغی یا معذوری کی بنا پر جب تک وہ مسلمان آزاد یا بالغ نہ ہو یا دو کاموں میں ضروری قابلیت حاصل نہ کرے وہ بطور وصی تا وقتیکہ اسے علیحدہ نہ کیا جائے، کام کرے گا۔ لیکن اگر نابالغ وصی اور ایک غیر مسلم اور غلام وصی کے افعال میں یہ فرق ہے کہ ہر دو مؤخر الذکر کے افعال جائز ہیں اور اول الذکر کے قطعاً ناجائز۔

کسی غیر مسلم کے حسب وصیت مسلمان وصی کا مقرر ہونے سے وصیت ناجائز نہیں ہوتی۔ ایسے وصی کے تمام افعال جائیداد کے متعلق اس کے تابع وصیت تمام معاملات تا وقتیکہ وہ غلاحدہ نہ کیا جاوے اور عدالت ہادیوانی سے غلاحدہ نہ ہو صحیح اور جائز ہیں۔

جب قاضی کو معلوم ہو کہ موصلی کا تقرر کردہ وصی کمزور اور نااہل ہے تو اسے دوسرا منتظم وصی کے ساتھ یا اس کی مدد کے لیے مقرر کرنا چاہئے۔ یا اگر نااہلیت مستقل ہو تو اس کے بجائے وہ کسی دوسرے شخص کو وصی مقرر کر سکتا ہے۔ اور یہ علاحدگی منصب کے لیے مساوی ہوگا۔ اگر وہ ذمہ داری جو موصلی پر عائد کی گئی ہے اس کی ادائیگی کے نااہل ہے تو حج کو چاہئے کہ اس کی عرضداشت بلا تحقیق واقعہ منظور نہ کرے۔ اگر واقعی نااہل معلوم ہو تو اس کے بجائے حج دوسرے کو مقرر کر دینا چاہئے۔ بعض فقہاء کی رائے میں اگر قاضی مقرر کردہ وصی کو جو انجام دہی فرائض میں اہل ہے علاحدہ کرنا چاہتا ہے تو اس کا مجاز ہے خواہ یہ قاضی نے ناجائز طور پر کیا ہو اس طرح وہ گناہ کا مرتکب ہوگا۔

اشباہ میں ہے کہ اس مسئلہ پر مقلدین میں اختلاف رائے ہے۔ ان میں سے بہت سے شرح و ہبانیہ کے مطابق قاضی کے حکم کو موثر سمجھتے ہیں مگر فصولین کے مطابق ایسی علاحدگی ناجائز نہ سمجھنا چاہئے اگرچہ حج کے لیے لازم ہے کہ وہ ناقابل اعتماد اور بے کار رد کو علاحدہ کر دے مصنف مزید رقمطراز ہے جامع الفصولین کی ستائیسویں دفعہ کے مطابق جب متوفی کا مقرر کردہ وصی دیانت دار ہو تو قاضی کا اسے علاحدہ کرنا مناسب ہے۔ اور بہت سے حنفیان کی رائے ہے کہ وہ علاحدہ نہیں کر سکتا میری رائے میں یہ صحیح ہے اس لئے کہ موصلی اپنے معاملے میں حج سے زیادہ خاص ہے۔ اور اس کی رائے کے مطابق فتویٰ ہو نا چاہئے۔ اس لئے کہ آج کل کے قاضی بنائے تنازعات ہیں یہ سب موصلی کے مقرر کردہ ہو وصی سے متعلق ہے۔ اس لئے کہ قاضی اپنے مقرر کردہ نظم کو کسی بھی وقت جب مناسب سمجھے علیحدہ کر سکتا ہے۔ اگر وصی ایک شخص امین (قابل اعتماد ہے) اور جائیداد کے معاملہ میں اہل ہے تو قاضی کو اسے منصب سے اس لئے علاحدہ نہ کرنا چاہئے۔ اسی طرح اگر ورثا قاضی سے وصی کی شکایت کریں تب بھی اس کو علیحدہ نہ کرنا چاہئے شکایت ثابت ہونے پر علاحدہ کر دینا چاہئے۔

شیعہ قانون کے اصول

ایک وصی کی اہلیت ضروری کے بارے میں اصول مماثل ہیں۔ یہ ضروری ہے کہ وصی صاحب ادراک اور مسلمان ہو۔ بعض فقہاء کے نزدیک وہ عادل بھی ہونا

پابنے اس لئے کہ فاسق ناقابل اعتماد ہو تا ہے۔ اس کے برعکس بعض فقہاء اس شرط کو غیر ضروری سمجھتے ہیں اس لئے کہ ان کے نزدیک تمام مسلمان قابل اعتماد ہیں۔ اور نیز اس لئے کہ وصی کا تقرر موسیٰ نے کیا ہے۔ قاضی ایسے وصی علیحدہ کرنے کا پابند ہے جو اگرچہ بر وقت تقرر قابل اعتماد تھا مگر بعد انتقال اس کے برعکس ثابت ہوا اور ایسی صورت میں اس کا تقرر منسوخ کر دینا چاہئے اس لئے کہ موسیٰ نے اس کی دیانت داری پر اعتماد کیا اور وہ بھی حیات ہوتا تو خود ہی اعتماد کی نعلطی محسوس کر کے اسے واپس لے لیتا۔ کسی دوسرے غلام کو بلا اس کے آقا کی اجازت کے وصی مقرر کرنا جائز نہیں ہے البتہ ایک شخص خواہ اپنے غلام کو نابالغ بچوں کا وصی مقرر کر سکتا ہے۔ اگر وہ بالغ ہوں تو ایسا نہیں کر سکتا۔ اگر کوئی وصی دائماً فاتر العقل ہو تو اس کے بجائے قاضی دوسرے شخص کو مقرر کر دے۔ اگر ایسا تقرر کر دیا جائے اور وصی کے حواس صحیح ہو جائیں تو وہ اپنی جگہ قائم رہے گا۔

فصل دوم :- وصیوں کا تقرر کس طرح کیا جائے

اسلام میں Executor کو وصی کہتے ہیں اور اس کی تعریف لفظ امین سے کی گئی ہے جسے موسیٰ نے اپنے بعد انتقال اپنی جائیداد اور بچوں کی حفاظت کے لیے مقرر کیا ہو وہ اس کے قائم مقام یا ذاتی نمائندہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

وصی کی تین قسمیں ہیں۔ پہلی صورت میں وہ امین آتا ہے جو موسیٰ کے مقرر فرائض کی انجام دہی کا اہل ہو۔ یہ مقرر موسیٰ کہلائے گا۔ جسے قاضی بلا ثبوت خیانت بجرمانہ علاحدہ نہیں کر سکتا۔

دوسرا وصی وہ قابل اعتماد شخص ہے جو فرائض مقررہ انجام نہیں دے سکتا ویسے بھی کمزور و نااہل ہو۔ اس لئے اسے کسی اہل شخص کو بطور امداد اپنے ساتھ لگانا چاہئے۔

تیسرے وہ وصی جو فاسق اور غیر مسلم ہو دوسرے شخص کا غلام ہو بہتر یہی ہے کہ قاضی اسے علاحدہ کر کے دوسرے شخص کو اس کے بجائے مقرر کر دے۔ ایسا ہی خزانہ المقتنین میں ہے۔ لفظ قائم مقام سے مفہوم اولاً تقرر جائز تھا اور اگر ایسا نہ ہوتا تو علیحدگی کی ضرورت نہ تھی۔

جیسا پہلے بتایا گیا ہے موسیٰ کسی بھی شخص کو مستثنیات متذکرہ کے تابع وصی مقرر کر سکتا ہے اور اس کے منظور کرنے پر تقرر نافذ ہو گا۔ یہ منظوری فعل سے خواہ بالصریح ہو یا تعبیراً خواہ موسیٰ کی حین حیات میں ہو خواہ بعد انتقال ہو سکتی ہے۔ بعد انتقال موسیٰ اس کی جائیداد کا کوئی معاملہ بمنزلہ منظوری ہے۔

شخص مقررہ مجاز ہے کہ وہ منصب وصی کو ترک کرے یا قبول کرنے سے انکار کر دے۔ اگر وہ ایسا کرتا ہے تو یہ تقرر نافذ نہ ہو گا۔ ایک تقرر اور اس سے انکار بمواجہ فریقین ہو تو اس میں کوئی مشکل نہیں ہے۔ اگر اس کا تقرر اس کی عدم موجودگی میں ہوا اور بعد انتقال موسیٰ تقرر کی اطلاع پر وہ اولاً یہ کہیکہ میں اسے قبول نہیں کرتا۔ اور بعد میں یہ کہے کہ قبول کرتا ہوں۔ تا وقتیکہ قاضی نے اس کو قبول کرنے سے قبل ہی علیحدہ نہ کر دیا ہو اس کا قبول کرنا جائز ہو گا لیکن اگر موسیٰ کے حین حیات وہ انکار کر دے اور اس کی موت کے بعد اس منصب کو قبول کرنا چاہے تو ایسا قبول کرنا جائز ہے۔ اگر بمواجہ موسیٰ وہ خاموش رہے اور کہے کہ میں قبول نہیں کرتا۔ بعد ازاں موسیٰ کے حین حیات اپنی منظوری کا اظہار کرے تو یہ ناجائز ہے خواہ یہ قاضی کے سامنے ہو یا نہیں بشرطیکہ قاضی نے اس کی منظوری سے قبل منصب سے علاحدہ نہ کیا ہو تو منظوری ما بعد جائز نہ ہوگی۔

ایک بار تقرر منظور ہونے یا جائیداد کا معاملہ طے ہونے پر بلا علم قاضی منصب ترک نہیں کیا جاسکتا۔ بہ الفاظ دیگر وصی کو اپنی سبکدوشی کی منظوری محض قاضی سے حاصل کرنا چاہئے۔ امام محمد نے جامع الصغیر میں لکھا ہے کہ جب کوئی شخص وصی مقرر ہو اور موسیٰ کی حین حیات اس منصب کو منظور کرے تو وصی اس کا پابند ہے اور اگر موسیٰ بعد انتقال سبکدوشی حاصل کرے تو وہ آزاد نہیں ہوتا۔

اگر وہ موسیٰ کی حین حیات اس کے مواجہہ میں ترک منصب کا کہہ دے تو ترک جائز ہے اگر مواجہہ میں نہیں کہتا تو ناجائز ہے۔ الفاظ کا منشا اس کے علم میں لانے سے ہے نہ کہ اس کی عدم موجودگی میں اس تقرر سے انکار کر دے تو ابو حنیفہ کے مطابق یہ الفاظ باطل ہو گا۔

وصی اگر موسیٰ کے سامنے کہے کہ میں منظور نہیں کرتا اور نا منظوری کی

بذریعہ خط یا قاصد اطلاع دے بعد ازاں کہے کہ میں منظور کرتا ہوں تو یہ منظوری جائز نہ ہوگی۔

شیعہ قانون

شیعہ قانون کے احکام ایک سے ہی ہیں۔ یہ ان کے مطابق کہ ایک وصی اپنے منصب سے قانوناً موسیٰ کی زندگی میں انکار کر سکتا ہے۔ بشرطیکہ اس نامظوری کی مناسب طریقہ سے اطلاع دی جائے لیکن موسیٰ کا اگر نامظوری سے پہلے انتقال ہو جائے یا اس کے بعد اس تک بلا اطلاع پہنچے ہوئے اس نامظوری کو نافذ نہیں کیا جائے گا اور موسیٰ پر یہ لازم ہے کہ منصب کی ذمہ داریاں سنبھالے۔

اگر وصی منصب کے ذمے داری کے ناقابل ہے تو قاضی اس کا کوئی نائب مقرر کر سکتا ہے اگر فریب کار ہو تو اسے الگ کر کے دوسرے کو مقرر کرنا چاہئے۔

عام اصول

ایک وصی کا تقرر کئی طرح بھی ہو سکتا ہے۔ اگر اس سے اس کا منشا اپنی بعد موت قائم مقام بنانے کا ظاہر ہو۔ اگر ایک شخص دوسرے سے کہے کہ میری موت کے بعد تو میرا وصی ہو گا تو یہ تقرر بمنزلہ وصی ہوگا۔

موسیٰ کا تقرر

فداوے قاضی خان خلاصہ اور دیگر تصانیف میں ہے کہ اگر ایک شخص دوسرے سے کہے کہ میں اپنے بچے تمہارے سپرد کرتا ہوں یا میری موت کے بعد میرے بچوں کا خیال رکھنا یا اسی طرح کوئی عبارت جس کی رو سے موسیٰ کی جانب سے بعض افعال کا اختیار ہو اس سے وصی بن جاتا ہے۔

اولوالوعلیٰ میں ہے اگر ایک شخص یہ کہے کہ میری موت کے بعد میرے لئے یہ کرنا تو اس سے سب وصی ہو جائیں گے اور اگر موسیٰ کے انتقال تک سب ہی خاموش رہیں اور محض چند قبول کر لیں تو وہی موسیٰ ہوں گے۔ اگر صرف ایک قبول کرے تو وہ بطور وصی کام کرنے کا مستحق نہ ہو گا تا وقتیکہ قاضی دوسرے شخص کو موسیٰ کی جائیداد

کے انتظام کے لیے اس کے ساتھ مقرر نہ کرے۔ وجہ یہ کہ واضح طور پر مووسی کا یہ منشا تھا کہ مووسی کے فرائض تنویض ایک سے زیادہ اشخاص کو کئے جائیں ایک وصی بلا اس کی منظوری یا علم علاحدہ کیا جاسکتا ہے یہ ایجنٹ کی علاحدگی ہے جسے کہ اصل مالک کو علاحدگی کی اطلاع دینی ہوتی ہے مختلف ہے۔

برٹش انڈیا میں عام طور پر وصیان کے فرائض اور ذمے داریاں مطابق انجام پاتی ہیں مگر ایک مسلمان وصی کے لیے ضروری نہیں ہے کہ وہ وصیت نامہ کی مصدقہ نقل مطابق حاصل کرے اسے حسب وصیت عمل کے لیے بروئے مسلم قانون وصیت زبانی پر کارروائی کرنا جائز ہے اس لئے اس موضوع کے اصول سے واقفیت ضروری ہے۔

کئی وصیان کے اختیارات

اگر دو وصیان ہوں تو ان میں سے کوئی ایک حسب فقہ حنفی انتقال جائیداد کے سلسلہ میں کوئی کارروائی نہیں کر سکتا لیکن حسب دفعہ اگر کئی وصیان منتظم ہوں تو اگر کوئی رہنما ہدایت نہ ہو تو ان میں سے وہ شخص جس نے وصیت کو ثابت کیا ہو۔ (دستاویز اہتمام ترکہ) حاصل کیا ہو کارروائی کر سکتا ہے۔ لیکن جیسا کہ ظاہر ہے یہ ضابطہ مندرجہ ایکٹ کے تحت ایک تحریری وصیت پر لاگو ہوتا ہے تو حنفی اصول ان حالات میں پختہ قائم رہتا ہے۔ جہاں سے Probate یعنی مصدقہ وصیت نامہ لیا گیا ہو یا ایکٹ کے دفعات کے تحت وصیت ثابت نہ کی جاسکتی ہو۔

جب کسی شخص نے وصیان مقرر کئے ہوں تو بقول ردالمختار ایک کا فعل مشترک متولیان میں سے ایک کے تنہا کام کرنے کی طرح باطل ہے اس لئے کہ ہر دو متولی قانونی حیثیت سے مثل دو وصیان کے ہیں جیسا کہ اشباہ اور کنایہ میں آیا ہے۔

دو وصیان میں سے ایک وصی کے اختیارات جو تنہا کام کرے دو وصیان میں سے ایک کے افعال جو تنہا کام کرتا ہے باطل ہیں۔

اگر چہ دونوں کو مووسی نے علیحدہ علیحدہ مقرر کیا ہو۔ بعض فقہاء کے نزدیک ہر ایک علیحدہ کام کر سکتا ہے اور ابوللیث نے اس کو صحیح بتایا ہے۔ اور ہم نے بھی اس کو اختیار کیا ہے۔

در اختیار میں مزید آیا ہے کہ مبسوط کے مطابق صحیح اصول یہی ہے اور در الاحکام میں بھی اس پر انحصار کیا گیا ہے اور کابستانی کی تفسیر میں اس کو سب سے زیادہ قابل قبول سمجھا گیا ہے۔

میں یہ کہتا ہوں کہ کسی وصی یا متولی کا تنہا عمل کا اصول ناجائز ہونے کے لیے ان معاملات میں منطبق ہوتا ہے جہاں کہ موصیان متولیان ایک ہی وقت کے تحت ہوں یا ایک ہی قاضی نے مقرر کیا ہو لیکن جب کہ دو موصیان اور دو متولیان کو دو مختلف شہروں کے دو قاضیوں نے مقرر کیا ہو تو ان سے ہر ایک بانیہ کے بارے میں جو اس کو مقرر کرنے والے قاضی کی حدود سماعت میں واقع ہو معاملہ کرنے کا اہل ہوگا۔

پس وصی کا مردے کی تجبیر و تکفین کے لیے کفن خریدنے کی صورت میں تنہا کام کرنا جائز ہے۔ اسی طرح نابالغ بچوں کی ضروریات کی خرید کے حقوق، مقدمہ بازی یا تجبیر بچوں کے لیے رقومات چندہ کا قبول کرنا یا مختص نامزد غلاموں کو آزاد کرنا متولی کے پاس رکھی ہوئی امانتوں کی واپسی یا موسیٰ لہم کو مختص میراث ہاسپرد کرنے میں ایک تنہا ہی شخص ہا بتور وصی ہونا جائز ہے۔ اور شرع و بانیہ میں ہے کہ مزید ان معاملات میں واپسی اشیا جن کو متولی نے غصب کیا ہو یا ناجائز بیعت کی تفسیح اور موسیٰ کی ذمگی قرضوں کا طلب کرنا بھی شامل ہیں۔ اسی طرح ضائع ہونے والی اشیا کی فروختگی یا ان اشیا کو جو ضائع ہو رہی ہیں جمع کرنا بقول ابو یوسف ایک وصی تنہا انجام دے سکتا ہے بشرطیکہ موسیٰ نے دو کے مل کر کام کرنے کا طے نہ کیا ہو۔

یہ شرح و بانیہ کے مطابق ہے۔ اگر ایک وصی اپنے بجائے کسی شخص کو یا کسی دوسرے شخص کو مقرر کر کے انتقال کر جائے تو ایسے مقررہ شخص کا انتظام کرنا جائز ہوگا اور قاضی کو دوسرے کو مقرر کرنیکی ضرورت نہیں ہے۔ اگر متولی وصی کے ساتھ کسی دوسرے کو مقرر کئے بغیر انتقال کر جائے تو قاضی کو لازم ہے کہ وصی کے ساتھ کسی دوسرے کو کام کرنے کے لئے مقرر کر دے اور یہ در الاحکام کے مطابق ہے۔

فصل سوم :- وصی کے اختیارات اور فرائض

اسی طرح فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ اگر ایک شخص منصب وصی دو اشخاص کو تفویض کرے تو ابو یوسف اور محمد کے مطابق اس میں سے بھی کوئی منشا فرش وصی انجام نہیں دے سکتا۔ اور ان میں سے کسی ایک کے افعال بلا دوسرے کی منظوری موثر نہ ہوں گے۔ مگر درج ذیل معاملات میں جیسے متوفی کو نہلانا، کفننا، اور قبر تک پہنچانا اور اسی طرح قرضوں کے اٹانے سے ادائیگی جیسے مختص ترکوں کو دینا یا امانت ہاکی واپسی یا متوفی کی رسید کردہ اشیاء یا ناجائز بیع سے حاصل کردہ یا مختص غلام کو آزاد کرنا۔ لیکن وہ تنہا مملوکہ امانت یا موصلی پر قبضہ نہیں کر سکتا دوسروں کے ذمگی قرضے والے موصلی حاصل کر سکتا ہے خواہ حقوق موصلی دوسروں کے خلاف دعویٰ دائر کر سکے۔ ایک نابالغ کے حق میں وہ یہ قبول کر سکتا ہے اور اس کے افعال کو منظور کر سکتا ہے اور وہ اشیاء جو لائق وزن و پیمائش ہوں ان کا تقاسمہ کر سکتا ہے اور ضائع ہونے والی کو فروخت کر سکتا ہے۔ متوفی نے یہ ہدایت کی ہو کہ اس کی جائیداد کے بعض حصص نادر اشخاص کو بلا ان کو مخصوص کئے ہوئے دئے جائیں تو ایک وصی دوسرے وصی سے علیحدہ رہ کر یہ کاروائی نہیں کر سکتا اگر اغراض خیر مختص کر دئے جائیں تو تمام کے مطابق وہ ایسا کر سکتا ہے۔

دو وصیان جو مشترکاً مقرر کئے گئے ہوں کن صورتوں میں تنہا کام کر سکتے ہیں

مندرجہ بالا سے یہی اخذ ہوتا ہے کہ ہر دو وصیان ایک ہی وقت میں بلکہ لفظاً ایک ہی کلمے سے مقرر کئے گئے ہیں لیکن جب ایک ایک وقت میں اور دوسرا دوسرے وقت میں مقرر ہو تو بقول شمس العلماء حلوانی فقہا میں اختلاف رائے ہے۔ بعض کے نزدیک وصیان میں سے ہر ایک تنہا کام کر سکتا ہے۔ اور بعض کے نزدیک حسب ابو حنیفہ اور محمد جائیداد کے معاملہ میں کسی صورت میں وہ تنہا کام نہیں کر سکتے اور فتاویٰ قاضی خان کے مطابق شمس العلماء اور سید فتح نے اسی کو اختیار کیا ہے اور دو وصیان اسی صریح شرط کے ساتھ مقرر ہوں کہ کوئی تنہا کام نہ کرے گا مگر موصلی نے اس بارے میں مجاز کیا ہو تو ان میں سے خزانہ المقتدین کے مطابق ہر ایک تنہا کام کر سکتا ہے۔ پس جب دو

وسیان ہوں تو ان میں سے ایک ہر ایک کے افعال تا وقتیکہ دوسرا اس کی توثیق نہ کرے
 باطن ہوں گے۔ پس اگر کوئی آرائیات وقف کرائے پر دے تو بلا دوسرے کی اجازت
 جب تک اس کے لیے علاحدہ وسیان مقرر نہ کر دئے جائیں ناجائز ہے۔ یہی صورت اس
 وقت ہے کہ جب ایک ہی قاضی نے وسیان یا منتظران کو مقرر نہ کیا ہو مگر درالختار کے
 مصنف کے مطابق اگر دو جداگانہ قاضیوں نے انہیں مقرر کیا ہو تو وہ علاحدہ کام کر سکتے
 ہیں اس لئے کہ وہ اپنے علاحدہ علاحدہ حدود اختیار میں جائز طور پر کارروائی کر سکتے ہیں
 ۔ اور اسی طریق منتظران یا ان کے نائبان یا نمائندگان جائز طور پر کارروائی کر سکتے ہیں۔

شریک وصی کی توثیق سے کسی معاہدے کی تجدید نہیں ہوتی۔ لیکن محض اس
 اصل کمی کو پورا کرنے کی ہے جس کو ضروری جواز کی ضرورت ہے۔ اگر ایک وصی بلا
 دوسرے کے علم و اجازت کام کرے اور جائیداد ضائع ہو اس میں یا وصی ذمہ دار ہوگا ایک
 وصی شریک وصی یا اپنا نمائندگان مقرر کر سکتا ہے ایسی صورت میں شریک کے افعال
 فی نفسہ جائز ہوں گے۔

ابو یوسف کی رائے

جیسا کہ بتایا گیا ہے۔ جب کئی متولی ہوں ابو یوسف کے مطابق ہر ایک تنہا کام
 کر سکتا ہے کئی متولیان میں کوئی ایک جائز طور پر تمام معاملات انجام دے سکتا ہے مگر ہر دو
 ابو حنیفہ اور محمد کے مطابق ان میں سے کوئی بھی بطور خود انجام نہیں دے سکتا خواہ وہ
 مشترکاً یا علاحدہ علاحدہ مقرر کئے گئے ہوں۔ مؤخر الذکر کا ایک اصول مسلمہ ہے۔ اگر ایک
 موصی بذریعہ وصیت یہ قرار دے کہ اس کے وسیان مشترکاً یا علاحدہ علاحدہ فرائض
 انجام دیں تو تمام فقہاء کے نزدیک ہر ایک تنہا بھی انجام دے سکتا ہے۔

مصنف ردالمختار نے جس کا پہلے حوالہ آچکا ہے درالختار کی شرح کی ہے لیکن
 متوفی کے بارے میں وصی کے درج ذیل افعال باطل ہوں گے۔ موصی کے لیے خرید
 کفن اور اس کی تجہیز و تکفین۔ اس کے حقوق کے لیے مقدمہ بازی اس کے بچوں کے
 ضروریات کے لیے خرید موصی کے حق میں کئے گئے بہات کی منظوری مختص غلاموں کو
 آزاد کرنا مالانہوں کی واپسی اور مختص میراث ہاکی ادائیگی۔ شرح وہبانیہ میں درج ذیل

معاملات جب کہ وصی تنہا کاروائی کر سکتا ہے شامل ہیں، وہ ان اشیاء کو جو متوفی نے بذریعہ
 عین ناجائز بیع کے ذریعہ لی تھیں واپس کر سکتا ہے یا ان اشیاء کو جو لائق پیمائش با وزن ہوں۔
 ضائع ہونے والی اشیاء کو تقاسمہ کر سکتا ہے اور متولی کے قرضوں سے واپسی قرضہ وصی
 کے ذمہ واجب ہیں اور اسی طرح ادائیگی بھی کر سکتا ہے۔“

تنہا وصی کے افعال

جب دو وصیان ایک غیر حاضر ہو تو دوسرا وصی بطور خود کاروائی کر سکتا ہے
 بشرطیکہ غیر حاضر وصی اس قدر فاصلے پر ہو کہ وہاں کوئی قافلہ یا کارواں نہ پہنچ سکے اور
 واپسی غیر حاضر کو اصطلاحاً غائب منقطع کہیں گے۔ یہ اصول اس بنا پر ہے کہ دو وصیان کے
 بالمشورہ عمل کی ضرورت ہے۔ اگر ایک بہت فاصلے پر ہو یا ایسی جگہ رہائش رکھتا ہو کہ اس
 کو کوئی خط یا اطلاع نہ مل سکے تو وہ قانوناً عارضی طور پر غیر موجود ہے اور دو وصیان کے
 مشترک کام کی ضرورت کو نظر انداز کر دیتا ہے اور ایک تنہا وصی کوئی بھی شے جائز جس
 کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو جائز طور پر فروخت کر سکتا ہے۔

شیعہ قانون مشترک وصیان

شیعہ قانون اس بارے میں مختلف ہے اس کے مطابق جب دو اشخاص عام طور
 پر مقرر ہوں اور صریح شرط مشترک کام کرنے کی ہو تو ان میں سے کوئی تنہا کام نہیں کر
 سکتا اگر پھر بھی کرے تو اس کے افعال ناجائز ہوں گے سوائے ان افعال کے جو قطعاً لازمی
 اور ضروری ہوں مثلاً موصی کے کم سن بچوں کے لیے خوراک فراہم کرنا۔ قاضی کے
 لیے لازمی ہے کہ دونوں کو مشترک کام کرنے کے لیے مجبور کرے اگر ناقابل عمل ہو تو
 دونوں کے لیے مقرر کرے جب دو وصیان ہوں تو وہ بغرض انتظام جائیداد کا ہوارہ نہیں
 کر سکتے۔ اگر ان میں سے کوئی بیماری کی وجہ سے اپنے منصب کی انجام دہی کے ناقابل
 ہو تو قاضی کو دوسرا مددگار جو اس کا اہل ہو مقرر کرے گا۔ لیکن یہ اختیار استعمال نہیں کر
 سکتا اگر ان میں سے کسی کا انتقال ہو جائے تو دیگر وصی کام کرنے کا مجاز ہے اگر متوفی کا
 وصی کام کا اہل ہو تو قاضی مجاز تقرر نہیں ہے اگر موصی کی یہ شرط ہو کہ وصیان مشترکاً یا
 علاحدہ کام کریں تو ہر ایک کی منشا افعال جائز ہیں اور جائز طور پر وہ جائیداد کا باہمی تقاسمہ

کر سکتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک اسی طرح حصہ کا انتظام کر سکتا ہے جیسا کہ تقسیم سے قبل کیا گیا تھا۔

منفی قانون و صیان کے خاص مقصد کے لیے

منفی قانون کے مطابق اگر دو وصیان دو مختلف اغراض کے لیے مقرر ہوں۔ ایک موسیٰ کے قرضے کی ادائیگی کے لیے اور دوسرا اس جائیداد کے انتظام کے لیے تو ابو حنیفہ اور ابو یوسف کے نزدیک ہر دو وصیان عام میں تمام کام کرنے کے اہل ہیں مگر محمد کو اس سے اختلاف ہے اور ان کی رائے میں سے ہر ایک کا اختیار محض اس مقصد جس کے لیے تقرر فرمایا ہے محدود ہے۔ اگر یہ صریح شرط ہو کہ ایک وصی اس معاملے میں جس کے لئے دوسرا مقرر ہو کوئی کام نہیں کرے گا تو محمد ابن فضل کے مطابق تمام فقہاء کی رائے میں ہر وصی کے اختیارات ان حدود تک جو موسیٰ نے مقرر کئے ہیں رہیں گے۔ اور یہ شخص اس صورت میں ہے جب ایسی شرط نہ ہوں ان میں اختلاف رائے ہو۔ ابو یوسف و ابو حنیفہ کا اس کے مطابق فتویٰ ہے۔

اگر ایک شخص دوسرے کو وصی مقرر کر کے یہ ثابت کرے کہ وہ دوسرے شخص کی ہدایت کے مطابق کام کرے۔ یعنی فلاں فلاں کو علم میں لائے تو وصی بلا تیسرے شخص کے علم میں لائے کام کر سکتا ہے لیکن اگر یہ کہے کہ اس کے بلا علم کام نہ کرے تو وصی کا بلا اس کے علم کے کام کرنا جائز ہو گا۔ اور اسی کے مطابق فتویٰ ہے اور اگر کہے فلاں فلاں کے مطابق کام کر دیا سوائے فلاں فلاں کی رائے کوئی کام نہ کرو۔ اول الذکر صورت میں سب سے مخاطب وصی ہو گا اور دوسری صورت میں مسلمہ اصول کے مطابق دونوں ہی وصی ہوں گے۔ بحوالہ خزائنہ المصنفین ابو نصر کے مطابق اگر موسیٰ دوسرے سے کہے کہ فلاں فلاں کے احکام کے مطابق کام کرو تو وہ خاص موسیٰ ہو گا۔ اگر وہ یہ کہے کہ بلا اس احکام کے کام نہ کرو تو دونوں ہی موسیٰ ہوئے اور بقول ہمارے فقہاء محیط کے اصول کے مطابق ہے۔

اگر ایک شخص کسی دوسرے کو وصی مقرر کرے اور دوسرے کو اس پر نگرہاں تو اول الذکر جائیداد ملنے کرنے کے لیے وصی ہے نہ کہ مشرف بنس کے تقرر کا نتیجہ یہ

ہے کہ حسب خزانۃ المصنفین وصی بلا اس کے علم میں لائے کام نہیں کر سکتا۔

وصیان بالا استقرار

اگر دو وصیان میں سے ایک کا انتقال ہو جائے اور متوفی شریک وصی کو اپنا وصی مقرر کرے ایسی صورت میں وہ نیا وصی متوفی کا کام کر سکتا ہے۔ اگر متوفی وصی دوسرے کو اپنا وصی مقرر کرے تو یہ اصل مووصی کے مقرر دوسرے وصی سے مل کر کام کرے گا اور علاحدہ کام کرنے کا مجاز نہ ہوگا۔ جب کہ متوفی وصی نے اپنا وصی مقرر نہ کیا ہو تو قاضی کو پس ماندہ وصی کے ساتھ دوسرے کو شریک کر دینا چاہئے۔ اس لئے کہ مووصی کا یہی منشا تھا کہ اس کی وصیت کے مطابق کام دو شخصوں کو تفویض ہو۔ اور یہی درر الاحکام میں ہے۔

اگر دو وصیوں میں سے ایک فاتر العقل یا کسی اور طرح نااہل ہو جائے تو قاضی اس کے بجائے کسی قائم مقام کا تقرر کرے گا۔ اس لئے کہ مووصی کا بھی یہی منشا تھا کہ وصیت کی تعمیل دو شخصوں کو تفویض ہو یہی درر الاحکام میں ہے۔

اگر دو وصیوں میں سے ایک فاتر العقل یا کسی اور طرح نااہل ہو تو اس کے بجائے قاضی کسی قائم مقام کا تقرر کرے گا۔ مگر شریک وصی کو پورے فرائض وصی تفویض نہیں کر سکتا۔ ان میں سے ایک کے بد نیت ہونے پر قاضی کسی دوسرے کو شامل کرے گا یا اسے تنہا کام کا مجاز کرے گا۔

ایک وصی کا وصی گو کتنا ہی مجبور ہو گا مگر پہلے مووصی کی وصی کے طور پر کام کر سکتا ہے لیکن امام شافعی کو اس سے اختلاف ہے۔

رد المختار نے اختیار وصیان کے سلسلہ میں چار جہت سے اصول وضع کئے ہیں۔ (A) وصی مقرر ہونے کی صورت میں اگر وہ اصل مووصی کی جائیداد کے متعلق اپنے اختیارات غیر معین چھوڑ دے۔ یعنی وہ صرف یہی کہہ سکتا ہے کہ میں فلاں فلاں کو وصی مقرر کرتا ہوں۔ (B) اپنے اختیارات کی وضاحت کرے کہ میری جائیداد کا فلاں فلاں کو وصی مقرر کرتا ہوں (C) یا صریحاً اس کا اعلان کرے کہ میں فلاں فلاں کو اپنا وصی اپنی جاگیر کا وصی مقرر کرتا ہوں (D) یا وہ کہے کہ دونوں ہی جاگیروں کا وصی مقرر کرتا ہوں۔

اگر اختیارات غیر واضح ہوں تو اس کا دونوں ہی جاگیروں کا وصی ہوتا تو متوفی

وصی کا فقہا کی اکثریت کے مطابق اصل موصی کا وصی ہو گا۔ اور اس مسئلہ پر بھی شافی اور مختصر میں اختلاف ہے۔

اگر شخص یہ کہا جائے کہ دو متوفی وصی کی جائیداد کا وصی ہے ابو حنیفہ کی رائے میں مسلمہ ترین رائے ہے کہ دو دونوں ہی جاگیروں کا وصی ہو گا۔ اور مستند ترین حوالوں کے مطابق اس کے اختیارات موصی کی جاگیر تک محدود ہوں گے۔ اور یہی مسلمہ قانون ہے اگر متوفی وصی کہے کہ میں اس شخص کو اصل موصی کا وصی بتاتا تھا تو ایسا ہی ہو گا اور یہ تمام فقہا کے مطابق ہے جبکہ تاتار خانیہ۔ اور شرح طحطاوی اور دوسری تصانیف کے مطابق ہے۔

کس حد تک ہر دو وصیان جن کا مشترکاً تقرر ہو نالاحدہ کام کر سکتے ہیں

فتاویٰ عالمگیری میں متذکرہ اصول اسی طرح ہیں اگر کوئی شخص دو وصی مقرر کرے اور ان میں سے ایک مر جائے تو وصی پس ماندہ ابو حنیفہ اور محمد کے مطابق جائیداد منتقل نہیں کر سکتا۔ قاضی کے سامنے اس مسئلہ کو رکھ سکتا ہے اور اگر وہ مناسب سمجھے تو اس کو واحد وصی مقرر کر کے اختیارات منتقل کر سکتا ہے اور متوفی بجائے اس کے دوسرا شریک مقرر کر سکتا ہے۔ ابو یوسف کے مطابق باقی ماندہ تنہا کام کر سکتا ہے۔ جیسا کہ وہ دوسرے کی زندگی میں کام کرے۔ اور یہ تین اصولوں میں سے ایک ہے۔ دوسرے یہ کہ اگر کوئی دو وصیان مقرر کرے اور ان میں سے موصی کے انتقال کے بعد ایک کو منظور کرے اور دوسرے کو نا منظور اور موصی تنہا بطور خود کام کے نا اہل ہے۔ تو وہ ابو حنیفہ اور محمد کی رائے کے مطابق نا اہل ہے اور ابو یوسف کی رائے کے مطابق اہل ہے۔ تیسرے یہ کہ اگر دو وصیان میں سے ایک فاسق ہے تو قاضی دوسرے کو تنہا کام کرنے کا مجاز کر سکتا ہے یا بجائے فاسق کے اس کے ساتھ دوسرا آدمی لگا سکتا ہے۔ ایسی صورت میں متدین شخص ابو حنیفہ اور محمد کے مطابق دوسرے کے بغیر کام نہیں کر سکتا لیکن ابو یوسف کے مطابق کر سکے گا۔

ایک شخص اگر دو وصی مقرر کرے اور ان میں سے ایک شریک وصی کو اپنا وصی مقرر کر کے انتقال کر جائے تو یہ جائز ہے۔ شریک وصی متوفی کی جائیداد کا معاملہ

کر سکتا ہے۔ جس طرح اس نے اپنی حین حیات شریک وصی کی اجازت سے کی ہوگی۔ اسی طرح اس کی موت کے بعد بھی کر سکتا ہے لیکن جائیداد کا معاملہ کرنے کی قانونی جواز کی رائے ہے لیکن اول الذکر صحیح ہے۔

شیعہ اصول

شیعہ اصول کے مطابق موصلی کی جائیداد کے انتظام کے لیے جب تک وصی کو اختیار نہ ہو وہ نہیں کر سکتا۔ جب کہ اگر موصلی کی جانب سے وصی کو یہ اختیار ہو کہ اپنی موت کے وقت ترکہ میں دے دے تو وہ اتفاق رائے سے بالا جماع قانوناً کر سکتا ہے۔ اگر موصلی نے کوئی صریح ہدایت نہ چھوڑی ہو تو موصلی کو یہ اختیار نہیں ہے کہ جائیداد کا انتظام دوسرے شخص کے سپرد کر دے۔ وصیت نامہ میں موصلی کے انتقال پر جائیداد کی نگرانی کے متعلق کوئی ہدایت نہ ہونے پر نگرانی قاضی پر منتقل ہوتی ہے اسی طرح کسی کا بلا تقرر وصی انتقال ہو جائے تو ذمہ داری جائیداد کی نگرانی قاضی پر ہوگی۔ قاضی کی عدم موجودگی کی صورت میں کچھ تو کوئی بھی ایماندار آدمی (قابل اعتماد شخص) جائیداد کی نگرانی کرے گا اگرچہ اس بارے میں کچھ اشتباہ اور اختلاف رائے ہے۔

حنفی اصول

اگر موصلی کا مقررہ وصی ہو تو قاضی تا وقتیکہ وصی غیر حاضر کوئی نگران مقرر نہ کرے گا اور ایسی غیر حاضری غیبت المتقاطع کے مماثل ہے۔ اور یہ مفتی ابو سعود کی شرح میں آیا ہے۔

جائیداد کے خلاف مطالبات

اگر کوئی جائیداد متوفی کے خلاف دعویٰ دائر کرے تو قاضی کسی شخص کو بھی بطور نمائندہ مدعا علیہ مقرر کرے گا اور اگر موصلی حاضر ہو کر اقرار قرضہ کرے تو قاضی اپنی صواب دید پر دوسرے شخص کو موصلی کی نمائندگی کے لیے مقرر کرے گا تاکہ مدعی اس کے خلاف دعویٰ دائر کر سکے وجہ یہ کہ اقرار وصی کے خلاف ناجائز ہے اور مدعی جائیداد متوفی کے خلاف محض وصی موصلی کی رضامندی سے ڈگری حاصل نہیں کر سکتا۔

مگر اس کا یہ منشا نہیں ہے کہ اقرار و وصی جائیداد کے خلاف مطالبہ ثابت کرنے کے لیے کافی نہیں ہے اور وہ جب تک کوئی قابل اطمینان ثبوت مطالبہ کے جواز اور صحت کے بارے میں فراہم نہ کرے خود کوئی ادائیگی نہیں کر سکتا۔

اگر کسی نابالغ بچے کی جائیداد کا انتظام اس کے باپ کے ذمہ ہو جس کو وہ ضائع کر رہا ہو تو قاضی اس سے جائیداد لے کر ایک ٹکراں کے سپرد کرے گا کہ وہ اس کا انتظام کرے۔

فصل چہارم :- وصیان کے اختیارات اور فرائض

مسلم لا میں موسیٰ کے اختیارات اتمش قانون کے مطابق اختیارات سے مماثل ہیں۔ لیکن کچھ اختلافی امور بھی ہیں جن پر بغور توجہ کی ضرورت ہے۔

مالک وصی کب فروخت کر سکتا ہے

اگر ورثہ موسیٰ نابالغ ہوں تو وصیان کے اختیارات بعض شرائط کے ساتھ معلق ہیں بصورت ضرورت جائیداد کو فروخت کرنے کے بعد اس کی آمدنی قرضہ موسیٰ کی ادائیگی یا اس کے بچوں کی پرورش کے منصرف پورے کرنے کے بعد دوسری مفید تر جائیداد کی خرید پر صرف کر سکتا ہے لیکن یہ بیع کافی بدل کے ساتھ ہو تجارت پیشہ اشخاص کے نزدیک جو مناسب ہو کر ناچاہئے۔ ایک وصی خود اپنے یا اپنے رشتہ دار کو جس کی شہادت شرعاً ناقابل ادخال ہے فروخت نہیں کر سکتا تمام جائیداد منقولہ یا غیر منقولہ میں حصص نابالغ کی صورت میں وہ متوفی یا موسیٰ لہ شریک حصہ داروں کے ساتھ تقاسمہ جائیداد میں شریک ہو سکتا ہے اگر غبن سیر کا اندیشہ ہو۔ یہ اور بات ہے کہ اگر کھلم کھلا حقیقت سیر کا غبن ہو، تو تقاسمہ غیر موثر ہوگا۔

درالختار میں وصی کے اختیارات پر بحث کے دوران ہے کہ وصی کا جائیداد غیر منقولہ کے علاوہ کسی معقول وارث کو دوسرے کو فروخت کرنا جائز ہے تاکہ موسیٰ کے قرضے ادا ہو سکیں جن کے غیر منقولہ جائیداد کا بیع بشرطیکہ اس کے ضائع ہونے کا فوری اندیشہ ہو جائز ہے اور ایسا ہی عظمیٰ زادہ نے خانیہ فتاویٰ قاضی خان کے حوالہ سے بتایا ہے۔ پس ذیلیہ اور کاہستانی کے مطابق صحیح تر اصول یہ ہے کہ جائیداد غیر منقولہ اس

لئے ناجائز ہے کہ اس کا ضائع ہونا قریباً ناممکن ہے یعنی بہت شاذ ہے مگر طحاوی نے درالختار پر اپنی شرح میں بتایا ہے کہ اگر متوفی پر بہت گراں قرضہ ہو تو جائیداد غیر منقولہ کی بیع بھی جائز ہے۔ درالختار میں مزید ہے کہ جب موصی کے ورثا نابالغ ہوں تو جائیداد غیر منقولہ اپنے علاوہ دوسرے شخص کو دگنی قیمت پر اغراض فعل کے لیے فروخت کرنا جائز ہے۔ بچوں کی گذر بسریا متوفی کے قرضہ کی ادائیگی کے لیے یا مختص میراث ہاکی ادائیگی کے لیے جو کسی اور طرح ادا ہو سکتی ہوں اس کے قائم رکھنے کے طریقہ سے آمدنی زیادہ نہ ہو یا اس کے ضائع اور برباد ہونے کا اندیشہ ہو یا کوئی بہت ہی غاصب (مغلوب) کے ہاتھ میں ہو۔ یہ اشتباہ اور درر کے عبارت کا خلاصہ ہے۔ درالختار کے مصنف کے مطابق ان حالات میں وصی کو بیع کا اختیار ہو ماں یا بھائی کے مقررہ وصی کے مطابق نہیں ہے اس لئے کہ ایسے وصی کو جائیداد غیر منقولہ کا معاملہ کرنے کا اختیار نہیں ہوتا اور وہ نابالغ کے لیے سوائے خوراک اور کپڑوں کے جو ضروریات زندگی میں ہیں، کوئی شے نہیں خرید سکتا۔ ابن کمال کے مطابق باپ کو ان صورتوں میں نابالغ کی غیر منقولہ جائیداد فروخت کرنے کا اختیار ہے، اگر لوگوں میں اس کے اچھے چال چلن کی شہرت ہو یا اس کے خلاف کوئی نہ ہو۔

وصیان کے مقرر کردہ وصی کے اختیارات

مندرجہ بالا قول سے ظاہر ہے کہ ایسے وصی یا ولی جن کو ماں یا دوسرے رشتہ دار مثل بھائی یا چچا نے مقرر کیا ہو ان کے اختیارات بہت محدود ہیں اور ان کو وارڈ کی جائیداد غیر منقولہ کا معاملہ کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ نہ ایسی جائیداد کا، جو نابالغ کو کسی شخص سے علاوہ اپنی ماں کے ورثے میں ملا ہو معاملہ کرنے کا اختیار ہے۔ اگر وہ ماں کا وصی ہے تو جائیداد منقولہ جو اسے ماں سے ورثے میں ملی ہے یا اس کے نام تقاسے میں آئی ہو بشرطیکہ نہ اس کا باپ ہو اور نہ اس کا مقرر کردہ وصی زندہ ہو تو معاملہ کر سکتا ہے۔ یہی اصول فتاویٰ عالمگیری میں وضع کیا گیا ہے اور فتاویٰ قاضی خان کی سند کا حوالہ ہے۔

یہ بتانے کے بعد کہ باپ کے مقرر کردہ وصی کی حیثیت مثل باپ کے ہوتی ہے اور جد کا مقرر کیا ہو وصی باپ کے وصی کی حیثیت میں ہوتا ہے۔ یہ مزید بتانا ہے کہ ماں یا بھائی کا مقررہ وصی اس زمرہ میں نہیں آتا اور اگر ماں کا نابالغ بچے چھوڑ کر انتقال ہو

جائے یا اگر کوئی بھائی نابالغ بھائی یا بہنیں چھوڑ کر انتقال کر جائے تو یہ اس کے یا اس کے
 وصی کے لیے جائز ہے کہ علاوہ جائیداد غیر منقولہ کے تمام جائیداد فروخت کر دے
 اگر "مقتار" فروخت کرنے کا بھی اختیار ہے تو وصی اپنے بچوں کے لیے خوراک و دیگر
 ضروریات زندگی خرید سکتا ہے۔

ایک ولی کب تقاسمہ کر سکتا ہے

اگر تمام ورثا نابالغ ہوں تو وصی لہ کے حصے کا وصی کا تقاسمہ اور ورثا کے
 حصص رو کے رکھنا جائز اور موثر ہے اور کسی سے ان کے حصہ کا جزا اگر وصی کے پاس ضائع
 ہو جائے تو نابالغان اس کو وصی لہ یا وصی سے پورا کرانے کے مجاز نہیں ہیں۔ بشرطیکہ
 یہ نقصان ان کی دانستہ غفلت یا لاپرواہی سے نہ ہوا ہو۔ اگر بعض ورثا نابالغ مگر غیر حاضر
 ہوں تو وصی سوائے جائیداد غیر منقولہ کے وصی لہ سے ہر معاملہ میں جائز طور پر تقاسمہ
 کر سکتا ہے۔ اور نابالغان کے حصے اپنے پاس رکھ سکتا ہے۔ اگر تمام ورثا نابالغ ہوں اور ان
 میں کچھ موجود ہوں تو ان کا کیا ہوا تقاسمہ ان جائیداد منقولہ اور غیر منقولہ کے متعلق ان
 ورثا کے خلاف باطل ہے۔ اور اگر ورثا اہل ہوں تو وصی کا کیا ہوا تقاسمہ جائیداد غیر
 منقولہ کی حد تک غیر موثر ہے۔ بہ الفاظ دیگر اگر ورثا اہل ہوں تو وصی کا تقاسمہ جائیداد غیر
 منقولہ کی حد تک موثر ہے بہ الفاظ دیگر اگر ورثا نابالغ ہوں اور موجود نہ ہوں تو جائیداد کا
 تقاسمہ جو وصی نے وصی لہ سے کیا ہے جائز ہے۔

مختص ترکے

اگر وصی نے بحق افراد مختص ترکے کئے ہوں تو جائیداد وصی کا تقاسمہ
 وصی لہ کی غیر حاضری میں موثر نہ ہو گا۔ اور اگر وصی لہ کو دئے گئے حصص ضائع ہو
 جائیں تو جائیداد میں ورثا کو دئے گئے حصص میں بقدر ایک ٹکٹ وہ اپنے حصہ کے مطابق
 مستحق ہوں گے۔ اگر تقاسمہ قاضی کے بعد وصی لہ کو معینہ حصہ اس اس کی نگرانی میں
 ہو تو تقاسمہ جائز ہے۔ اگر وصی لہ کا حصہ قاضی یا اس کے مقررہ نگران کے قبضہ میں
 ضائع ہو جائے تو وصی لہ کو ورثا کے خلاف نہ کوئی حق دادرسی ہو گا نہ قاضی ذمے دار ہو
 گا۔ یہ اصول مختص ان اشیاء پر منطبق ہے جن کو وزن کی صورت میں ناپا جاسکتا ہے اور واقعی

تقاسمہ ہو سکتا ہے۔ مگر وہ اشیا جو ایسی نہ ہوں ان کا تقاسمہ فصلاً بمنزلہ تبادلہ باہمی ہو گا مثلاً بیع اور بیعتاً ناجائز ہو گا اس لئے کہ شخص دیگر کی جائیداد کا فروخت کرنا جائز ہے۔ اگر قاضی کسی کو تمام اشیا کا وصی مقرر کر دے اور اس کی جانب سے وہ تقاسمہ کرے تو وہ اشیا خواہ منقولہ ہوں یا غیر منقولہ یہ تقاسمہ جائز ہوگا۔ اگر تقاسمہ کسی خاص غرض جیسے یتیم کی پرورش یا جائیداد کی حفاظت کے لیے ہو تو یہ تقاسمہ ناجائز ہے۔

وصی کا کیا ہو تقاسمہ

اگر کوئی وصی ان ورثا کے درمیان جو نابالغ ہوں تقاسمہ کرتا ہے تو وہ ناجائز ہے۔ اگر سب بالغ ہوں اور ان میں سے کچھ غیر حاضر ہوں اور جن میں تقاسمہ ہوتا ہے اور وہ ان کے حصص دوسروں سے علیحدہ ہوں تو یہ تقاسمہ مطابق مطاع جائز ہے مگر یہ جائیداد غیر منقولہ کے مثل نہ ہوگا۔ اگر دونوں کے نابالغ اور بالغ ورثا ہوں اور بالغان غیر حاضر ہوں تو تقاسمہ ناجائز ہے۔ اگر بالغان حاضر ہوں تو ان کا حصہ انہیں دیا جائے اور نابالغان کے حصص بالغ ورثا سے علیحدہ کرنے چاہیں اور نابالغان میں بلا انفرادی تقسیم ان کو جمع کیا جائے۔ تو تقاسمہ جائز ہے۔ اگر ہر نابالغ اور بالغ کا حصہ ما بقی سے علیحدہ کر دیا جائے تو تمام تقاسمہ ناجائز ہے۔ لیکن اگر بالغان کا حصہ ان کو ہی دے دیا جائے اور نابالغان کا حصہ قبضہ میں رکھ کر ان کو بالغ ہونے پر تقسیم کر دیا جائے تو نابالغان اور بالغان کے درمیان تقاسمہ جائز ہے۔ اگر بروئے وصیت موصی نے وصی کو خرید جائیداد کا اور اس کی آمدنی دوسری قسم میں لگانے کا مجاز کیا ہو تو وصی ایسا کر سکتا ہے۔

وصی کے کئے ہوئے قرضے

اگر وصی نابالغ کی جانب سے بلا ضرورت قرض لے تو نابالغ کے خلاف یہ موثر نہ ہوگا۔ اور اگر اس سے یتیم کو کوئی نقصان پہنچا ہے تو وصی اس کا ذمہ دار ہوگا۔

بیع میں وصی کا اختیار

اگر باپ کا مقررہ وصی جائیداد سے کچھ فروخت کرے تو اس کے جواز دو طرح ہیں۔ پہلا یہ کہ جب متوفی نہ قرضے چھوڑنے نہ میراث ہا۔ دوسرے یہ کہ جب میراث

ہا اور قرضہ چھوڑ کر اس کا انتقال ہو جائے۔ اول الذکر کے متعلق کتاب مختصر القدروری میں ہے کہ جب تمام ذریعہ نابالغ ہوں اور اگر متاع میں فرنیچر اور جائیداد منقولہ بھی ہے ان میں سے وہ کوئی بھی شے فروخت کر سکتا ہے۔ مگر اس کے علاوہ ہر شے کی بیع اس کی حفاظت اور قیمت کی حفاظت پر منحصر ہے۔ یہی حال عقار کی بیع کا ہے۔ شمس العلماء حلوانی کے مطابق کہ متین کتاب و متقدین کی رائے ہے اور یہی قاضی خان کی رائے ہے۔ اور قاضی خان کے مطابق کسی نابالغ کے عقار کا بیع محض اسی وقت جب کہ متوفی نے قرضے چھوڑے ہوئے ہوں ہو سکتے ہیں جائز ہے بلا عقار کو فروخت کئے ہوئے یا جب نابالغ کو اس کی قیمت کی ضرورت ہو یا خریدار اس کی دوگنی قیمت دے کر بھی اسے حاصل کرنے کا آرزو مند ہو اور کافی کا یہی فتویٰ ہے۔ اگر کوئی مختص میراث ہو جو بلا قیمت عقار نافذ نہیں ہو سکتی اور اس کا بیع تقسیم کے لیے فائدہ رساں ہوں۔ یا اس کا خرچ ادا کرنا ہو یا اس کی نگہداشت وراثت آمدنی سے صدقہ ہو یا دوکان یا مکان اس کی یا بالغ کو محض ادا کرنے کی ضرورت ہوں اور علاوہ عقار اس کی دیگر جائیداد غیر منقولہ ہو تو اسے قیمت جائیداد اس کی ادائیگی میں صرف کرنا چاہئے۔ وحسی کو جائز نہیں ہے کہ اس کے مزید تخفیف قیمت کے ساتھ جیسا کہ ان صورتوں میں عام رواج ہو فروخت کرے۔ اور اسی طرح وحسی نابالغ کے لیے کوئی شے جو اصل مالیت سے زیادہ ہو جائز طور پر نہیں خرید سکتا۔

جدید اصول مروجہ

ردالمحتار میں یہ اصول بالوضاحت ہے جس کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

ورثا کے نزدیک وحسی اپنی صواب دید کے مطابق جائیداد فروخت کر سکتا ہے۔ مگر متاخرین فقہانے اس جائیداد غیر منقولہ کی فروخت پر کچھ پابندیاں عائد کی ہیں۔ یہ شرائط فتاویٰ قاضی خان میں مختص طور پر ہیں اور زیدی کے مطابق صدر الشہید نے بھی جدید نظریہ کے مطابق فتویٰ دیا ہے وہ اس طرح ہے۔

الف۔ اگر موحسی کا قرضہ چھوڑ کر انتقال ہوا ہے تو ان کی ادائیگی کے لیے جائیداد کا ایک حصہ فروخت کرنا ضروری ہے۔ یعنی اگر غیر منقولہ جائیداد کو بلا فروخت کئے قرضے ادا نہیں ہو سکتے ہوں تو مناسب قیمت پر فروخت کرنا جائز ہے۔

ب۔ اگر موصی نے ادائیگی میراث کی بصورت زر نقد ہدایت کی ہو اور کوئی زر نقد نہ ہو جس سے میراث ہادا کی جا سکیں تو وصی جائیداد باغیر منقولہ کا ایک حصہ جو ان میراث ہا کے ادائیگی کے لیے کافی ہو فروخت کر سکتا ہے۔

ج۔ اگر اس امر کا واقعی اندیشہ ہو کہ جائیداد مثل مکان خستہ و برباد ہو جائے گی۔

د۔ اگر جائیداد غاصب کے قبضہ میں ہو اور اس کے حاصل ہونے کا کوئی امکان نہ ہو۔

و۔ اگر حفاظت جائیداد کے اخراجات آمدنی سے زیادہ ہوں۔

و۔ اگر محصولات حکومت کی ادائیگی ضروری ہو۔ مگر ادائیگی کے لیے روپیہ نہ ہو۔

ز۔ اگر جائیداد کی مجوزہ قیمت اس کی اصل مالیت سے دگنی یعنی بہت زیادہ ہو۔

ایک وصی کسی بھی شخص کو (غلاوہ خود) نابالغ زیر ولایت کی منقولہ جائیداد

فروخت کر سکتا ہے۔ یا اس کے لیے (ایسے اشخاص سے) خرید سکتا ہے مگر اس قسم کے

معاملات پر یہ بدل عام طور پر رائج ہونا چاہئے اگر بیع یا خرید کا ناکافی بدل ہے تو یہ ناجائز

ہے۔ اور قابل تنسیخ ہے جس کا وصی ذمے دار ہو گا۔ قاضی کا مقررہ منتظم یا وصی نابالغ

وارث کسی شے کو خود نہ خرید سکتا ہے نہ اپنی مملو کہ کوئی شے اس کو فروخت کر سکتا ہے

لیکن وہ وصی جسے نابالغان کے دادا نے مقرر کیا ہو اگر ایسا کرے تو ابو حنیفہ کے مطابق

بشرطیکہ نابالغ کے سراسر مفاد میں ہو جائز ہے صاحبین ایسے معاہدے کو ناجائز قرار دیتے

ہیں انہیں رائے کے مطابق ڈگریاں عائد ہوتی ہیں۔

فتاواے عالمگیری کے مطابق جب یتیم خود یتیم کی جائیداد خریدے یا اپنی یتیم کو

فروخت کرے تو ابو حنیفہ کے مطابق یہ بیع جائز ہے اور ابو یوسف کے مطابق بھی

جائز ہے۔ بشرطیکہ یہ سراسر یتیم کے مفاد میں ہو۔ ورنہ ناجائز ہے مگر محمد اور ابو یوسف کی

اس بارے میں قابل اعتماد اطلاع کے مطابق ایسا بیع ہر حالت میں ناجائز ہے۔ بعض فقہا

کے نزدیک باپ نابالغ بچے کی بیع کی جائیداد فروخت کر سکتا ہے بشرطیکہ وہ اس کا اہل اور

قابل اعتماد ہو اور بیع صریحاً مفاد نابالغ میں ہو۔ اگر باپ ناقابل اعتماد ہے تو نابالغ سن بلوغ

کو پہنچ کر اس کو منسوخ کر سکتا ہے بشرطیکہ جائیداد اصل قیمت سے دگنی قیمت کی ہو اور

اسی اصول کے مطابق فتویٰ ہے اور حمادی نے اشباہ پر اپنی شرح میں لکھا ہے کہ باپ کو

وصی سے زیادہ اختیارات نہیں ہیں اور اس کے اختیارات بھی انہیں شرائط کے تابع ہیں

اور اسی نظر یہ کہ مطابق فتویٰ ہے۔ یہ سب جائیداد غیر منقولہ کے بیع سے متعلق ہیں۔ نابالغ کی جائیداد منقولہ باپ جو واقعی سرپرست ہو جائیداد مروجہ قیمت پر فروخت کر سکتا ہے بشرطیکہ یہ اس کے مفاد میں ہوں حتیٰ کہ قدرے کم قیمت پر بھی ہو لیکن یہ قدرے ہی کسی صورت میں بھی زیادہ نہ ہونا چاہئے ورنہ یہ بیع ناجائز ہوگی۔

وصی کے اختیارات

فتاویٰ عالمگیری کے مطابق وصی جائیداد نابالغ منہاربت میں دے سکتا ہے اور حسبِ حیثیت دوسرے کے ساتھ شرکت بھی کر سکتا ہے۔ وصی لمبی مدت کے لیے جائیداد طویلہ پر دے سکتا ہے۔ اپنی جائیداد کے ایک جز اپنے متوفی کے قرضوں کی ادائیگی ناجائز نہیں ہے۔ لیکن اسے یہ اختیار نہیں ہے کہ یتیم کی جائیداد کسی دوسرے کو قرض دیدے اور اس بارے میں اجماع ہے یہی محیط کا قول ہے اور ایسا کرنے پر وہ خود ذمہ دار ہو گا حتیٰ کہ قاضی کو بھی یہ اختیار نہیں ہے۔ فقہاء میں باپ کے سلسلہ میں اختلاف ہے۔ مروجہ اصول کی بنا پر باپ بحیثیت وصی ہے نہ کہ بحیثیت قاضی۔ اگر وصی باپ جائیداد قرضہ ذاتی میں منگول کرے تو متذکرہ تمثیل کی بنیاد پر ناجائز مگر بنائے استحان جائز ہے۔ مگر یتیم کی جائیداد سے اپنے قرضے ادا کرنا ناجائز ہے اگر باپ بھی یہ کرے تو ناجائز ہے۔ اور اگر وصی جائیداد یتیم سے قرضہ خود کے مبادلے میں قرض خواہ کو فروخت کرے تو ابو حنیفہ اور محمد کے نزدیک جائز ہے۔ مگر اس کی قیمت قرضے کے مد میں قابلِ مجرا ہوگی لیکن محیط کے مطابق وہ نابالغ کے سامنے جواب دہ ہوگا۔

ابو یوسف کے اصول

ایک نابالغ کی جائیداد کی کفایت کے سلسلہ میں باپ یا وصی کے اختیارات کے متعلق ایک اہم سوال پیدا ہوتا ہے یہ مناسب ہے کہ فتاویٰ عالمگیری کی اس عبارت کا ترجمہ یہاں دیا جائے جس کی سند پر یہ عبارت منحصر ہے اور جس سے ظاہر ہوگا کہ قانون نافذ الوقت ابو یوسف کی رائے کے مطابق ہے جنہوں نے ایسے معاملات کو ناجائز قرار دیا ہے۔

”وصی مجاز ہے کہ یتیم کی جائیداد کو ادھار دینے کا مجاز نہیں ہے ورنہ وہ جواب دہ ہوگا۔ لیکن قاضی اس کا مجاز ہے فقہاء میں باپ کے اختیار کے بارے میں اختلاف ہے صحیح

اصول یہ ہے کہ باپ مثل وصی ہے نہ کہ مثل قاضی اگر وصی خود نابالغ کی جائیداد کو قرض لے تو یہ ناجائز ہے بلکہ اس پر بار دین ہوگا۔ محمد کے حوالہ سے ہے کہ ابو حنیفہ کے نزدیک وارث کی نابالغ جائیداد پر قرض لینے کا مجاز ہے مگر محمد کے مطابق اگر واپس ادائیگی کے قابل ہے تو اس کا فعل قابل الزام نہیں ہے۔ اگر وصی یا باپ اپنے قرض کے عوض بالغ کی جائیداد مکشول کریں تو ناجائز ہے مگر بطور استحسان جائز ہے۔ ابو یوسف کے اصول قیاس کی بنا پر یہ ناجائز بتاتے ہیں۔ اگر کوئی وصی قرضہ نابالغ کی جائیداد سے قرضہ خود ادا کرے تو ناجائز ہے۔ اور اگر باپ ایسا کرے تو جائز ہے کیونکہ وصی کو نابالغ کی جائیداد قیمت مروجہ خریدنے کا منصب نہیں ہے مگر باپ خرید سکتا ہے۔ کفالت ادائیگی قرضہ کے مثل ہے تو ایک باپ نابالغ کی جائیداد سے ادا کر سکتا ہے مگر وصی ایسا نہیں کر سکتا یہی صورت رہن کی ہے۔ جامع الصغیر میں ہے کہ اگر باپ نابالغ بچے کی جائیداد اپنے ذاتی قرضہ کے عوض رہن کرے اور مرہونہ جائیداد کی قیمت اصل قرض سے زیادہ ہو اس طرح مرہن کے ہاتھوں باپ جائیداد ضائع کرتا ہے تو وہ اس زر قرضے کا جو اس نے ادا کیا ہو ذمے دار ہو گا نہ کہ شے کی قیمت کا لیکن شمس الائمہ سرخسی کے مطابق باپ اور وصی جائیداد مرہونہ کی قیمت کے لیے مساویانہ ذمے دار ہوں گے۔ ابو یوسف کے مطابق نہ باپ نہ وصی اپنے قرضے ادا کر سکتے ہیں اس لئے کہ اپنے ذمگی قرضے کے ادائیگی کے لیے جائیداد نابالغ کو رہن نہیں کر سکتے۔ بشر ابن ولید کے مطابق ماں بچے کی جائیداد کو رہن نہیں کر سکتی۔

ابو یوسف کا اصول مسلمہ ہے

عام طور پر یہ مسلمہ ہے کہ باپ یا وصی جائیداد رہن کر سکتے ہیں مگر حسب قیاس ایسا نہیں کر سکتے جائیداد مرہونہ کے ضائع یا کھو جانے کی صورت میں ہر دو ذمے دار ہیں۔

اگر وصی متوفی کے ذمگی قرضوں کی ادائیگی کے لیے فروخت کرے اور اس میں سب ہی جائیداد شامل نہیں ہے تو حسب امام ابو حنیفہ ایسی بیع جائز ہے مگر صاحبین کے مطابق ناجائز ہے۔ اور اگر ورثہ میں قرضہ نہیں ہیں اور ورثا نابالغ ہوں تو قاضی تمام جائیداد فروخت کر سکتا ہے مگر مذہب حنیفہ کے مطابق یہ بیع ناقص ہوگی ابو حنیفہ نے

متوفی کے وصی اور باپ کے اختیارات میں امتیاز کیا ہے۔ وصی مجاز ہے کہ وہ متوفی کے قرضوں کی ادائیگی کے لیے شے موروثہ فروخت کر کے میراث باکو نافذ کرے مگر متوفی کا باپ (یعنی نابالغان کا دادا) ورثہ کو اپنے لڑکے کے لیے فروخت کر سکتا ہے مگر وہ ان قرضوں کی ادائیگی کے لیے جو اس کے لڑکے کے نابالغان کے ذمے واجب ہیں جائیداد کو فروخت کرنے کا مجاز نہیں ہے۔

شمس الائمہ اخلوانی خصاف کا وضع کردہ اصول اپناتے ہیں لیکن محمد نے دادا کو باپ کی جگہ رکھا۔ کتاب مختصر القدوری میں آیا ہے کہ جب کوئی ایک باپ وصی چھوڑ کر انتقال کر جائے تو وصی کو باپ پر ترجیح ہے اگر وصی نہ ہو تو باپ کو (متوفی کی جائیداد کی دیمہ بھال کے لیے) ترجیح دی جائے گی۔ اور اسی ترتیب کے ساتھ حتیٰ کے دادا کے مقرر کئے ہوئے وصی اور اس کے بعد قاضی کے مقرر کردہ وصی کا نمبر آتا ہے شمس الائمہ اخلوانی نے بتایا ہے کہ خصاف کے موضوعہ اصول کے مطابق یہی فتویٰ ہے۔

اگر ایک نابالغ کا باپ جس کو ورثے میں جائیداد ملی ہو فضول خرچ اور اس کو برباد کرنے والا ہو اور اس پر اس کو ممنوع کیا جاسکتا ہو وہ بچے کی جائیداد کی نگرانی کا مستحق نہیں۔

قاضی کا مقرر کردہ منتظم

شمس الائمہ اخلوانی نے ابو یوسف کی تصنیف آداب القاضی کی شرح میں بتایا ہے کہ جب قاضی کسی یتیم کا وصی مقرر کرتا ہے تو یہ وصی مثل باپ کے مقرر کردہ وصی کے ہو گا بشرطیکہ قاضی نے اس کو تمام معاملات میں ہی عام طور پر نگران مقرر کیا ہو لیکن اگر ات کسی خاص معاملے میں مقرر کیا ہے تو وہ محض اس معاملہ میں وصی ہو گا۔ مگر یہ باپ کے مقرر کردہ وصی کی صورت میں نہیں ہے جب کہ متوفی کا مقرر کردہ وصی ایک موزوں اور اہل شخص ہو تو قاضی کے لیے یہ مناسب نہیں ہے کہ اس کو علاحدہ کر دے۔ اگر وہ موزوں نہیں ہے تو اس کو علاحدہ کر کے دوسرے کو مقرر کر سکتا ہے لیکن اگر وہ اہل اور مناسب ہے مگر پوری طرح اہل نہیں ہے تو قاضی اس کو علاحدہ نہیں کر سکتا۔ البتہ اس کے ساتھ ایک اہل منتظم کو مامور کر سکتا ہے۔ اگر قاضی ایسے شخص کو

علاحدہ کرنے جو کہ موزوں اور اہل ہے تو وہ اس کو علاحدہ کرنے کے مثل ہے۔ اور ایسا ہی شیخ الاسلام خواہر زادہ کے نام سے سو سوم کیا ہے لیکن بہت سے فقہاء کے مطابق قاضی کا اسی موضوع اور اہل وصی کو علاحدہ کرنے کا حکم بے معنی ہے۔ اس لئے کہ اسے یہ اختیار متوفی سے ملا ہے۔ اور قاضی کے مقرر کردہ وصی سے زیادہ قابل ترجیح ہے۔

وصی بلا اجازت قاضی رہن نہیں کر سکتا

قدوری میں ہے کہ قاضی کو موصی کے مقرر کردہ وصی کو علاحدہ کرنے یا اس کے ساتھ کسی اور کو شامل کرنے کا اختیار نہیں ہے تا وقتیکہ اس نے خیانت مجرمانہ نہ کی ہو یا فاسق کے طور پر معروف نہ ہو۔ ایسی صورت میں قاضی اس کو علاحدہ کرنے کے بعد اس کے بجائے دوسرے کو مقرر کر سکتا ہے یا اگر وہ ایماندار ہو اور نااہل ہے تو قاضی اس کے ساتھ کسی دوسرے کو مامور کر سکتا ہے ایسا ہی اصل اور اس کی شرح مصنفہ طحاوی میں آیا ہے مگر اس سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ آیا قاضی کسی موزوں یا اہل وصی کو علاحدہ کر سکتا ہے۔ اور اس کا یہ حکم نافذ ہو سکتا ہے یا نہیں۔ شیخ امام ابو بکر محمد ابن فضل کے مطابق جب کہ وصی موصی کی ہدایت کے مطابق عمل نہ کرے تو اس کو غلیحہ کر دیا جائے۔ وصی ان تمام افعال کا مجاز ہے جس سے کہ یتیم کو فائدہ پہنچے یہی صورت باپ کے ساتھ معاملہ میں ہے۔

وصی کے اختیارات

وصی اپنے حساب میں بچہ کے مال سے تجارت نہیں کر سکتا۔ لیکن درددے کے مطابق یتیم کی خاطر وہ ایسا کر سکتا ہے بشرطیکہ یہ مؤخر الذکر کے مفاد میں ہو۔ اگر وصی اپنے نابالغ وارث کے مال کو تجارت کے کاروبار میں لگانے تو اس کا منافع بعض فقہاء کے نزدیک صدقات اور خیرات میں دینا چاہئے۔ اور اصل رقم نابالغ کے حساب میں جمع ہونا چاہئے۔ ابو یوسف کے مطابق ایسے حاصل شدہ منافع نابالغ کے حق میں ہونا چاہئیں۔ اور قاضی خان نے اسی نظریہ کے مطابق فتویٰ صادر کیا ہے۔ قاضی وصی کو نابالغ کے مال سے تجارت کرنے یا دوسروں کے ساتھ کاروبار میں شرکت کا مجاز کر سکتا ہے۔

وصی بلا اجازت قاضی رہن نہیں کر سکتا

ایک وصی اگر نابالغ کے مفاد میں ہو اور اس کی ضرورت ہو تو نابالغ کی جابجائی پر دے سکتا ہے لیکن بلا اجازت قاضی رہن نہیں کر سکتا۔ اسے اسباب کو منظور و بیع کرنے کا اختیار ہے بشرطیکہ موصی کے نابالغ بچے کے لیے یہ ضروری ہو۔ اگر وصی سامان قرضے پر صرف کرتا ہے تو مدت قرضہ وجہ عرصہ کے مطابق ہونا چاہئے اگر یہ بچے کے مفاد میں نہیں ہے یا جس مدت کے لیے قرضہ دیا گیا ہے وہ بہت طویل ہو یا اہل کے مطابق مروجہ نہ ہو تو وہ سدا جائز نہ ہوگا۔

جب کہ دو خلاصہ وصیوں کے ولایت میں دو بچے ہوں تو ایک ولی کو ایک بچے کا اسباب دوسرے ولی کو فروخت کرنا بقول قاضی خان جائز ہے۔ اور فتاویٰ عالمگیری میں بھی اسی کو تسلیم کیا ہے۔ اس اصول کی صحت کے بارے میں ردالمحتار میں اعتراض کیا گیا ہے۔ جب کہ ایسے بیع کو ناجائز قرار دینے کی کوئی وجہ نہیں ہے اس لئے کہ بقول مصنف وصی کا کیا ہوا معاملہ اس کے اپنے لئے نہیں ہے۔ اور ایک بچے کی جانب سے کسی خاص جائیداد کا بیع کرنا مفید ہو سکتا ہے یا کہ اس کا خریدنا۔

وصی اگر جائیداد کی قیمت جو کہ وصی نے نابالغ کی طرف سے بیچی خریدی ہو ناہانی ہے تو وصی اس کے لیے ذمہ دار ہے اور وصی کو اس کی تجبیز و تکفین میں زیادہ خرچ نہ کرنا چاہئے۔

جب کوئی بچہ سن تمیز کو نہ پہنچا ہو اور وصی جس کی جائیداد اس کے سپرد کر دے اور وہ ضائع ہو جائے تو اس کا ذمہ دار ہے۔

رشد کا منشا اپنی جائیداد کی مناسب خیر گیری کرنا ہے ابو حنیفہ کی رائے میں ایک جائیداد ایک وارث کو نہیں سپرد کرنی چاہئے جب تک کہ وہ پچیس سال کا نہ ہو گیا ہو۔ لیکن صاحبین کی رائے میں اس کے لیے خیال کیا جائے گا۔ جب کہ بچہ بالغ ہو گیا ہو لیکن اس قیاس کی اس بنا پر تردید ہو سکتی ہے کہ وہ مناسب فہم نہیں رکھتا یا جائیداد کی مناسب دیکھ بھال کا نااہل ہے۔

جب کہ موصی اپنی جائیداد کا ایک ثلث اپنے وصیان کی مشترکہ صواب دید پر

چھوڑتا ہے۔ ان میں سے ایک صواب دید (طرح) کے اظہار سے قبل انتقال کر جائے تو وہ ایک ثلث ورثا کو عود کرے گا جو کہ اہل ہوں اور موقع پر موجود ہوں تو وصی ان کے حصہ کو فروخت نہیں کر سکتا۔ اگر وہ غیر حاضر ہوں تو وہ اثاث البیت متعلقہ جائیداد کو فروخت کر سکتا ہے۔ لیکن غیر منقولہ جائیداد کو کرایہ پر دے سکتا ہے۔ پابندی کی وجہ اس اصول پر مبنی ہے کہ وصی کو کسی غیر حاضر شخص کی جائیداد کی حفاظت کا اختیار ہے اور چونکہ وہ منقولہ اشیاء جو کہ ضائع ہونے والی ہوں ان کا فروخت کرنا ضروری ہے۔ تو وصی ایسا کر سکتا ہے اور شخص کی جانب سے ان اشیاء کی قیمت وصول کر سکتا ہے مگر عقار یا جائیداد غیر منقولہ خود محفوظ ہوتی ہے سوائے اس صورت میں کہ وہ خود شکستہ ہو جائے اور وصی اس کے علاوہ کرنے کا مجاز نہیں ہے ایسی صورت میں وہ بھی فروخت ہو سکتی ہے۔

جب تمام ورثا بالغ ہوں اور ان میں سے ایک غیر حاضر ہو تو وصی عام اتفاق رائے سے مجاز ہے کہ غیر حاضر کے تمام حصص جو کہ جائیداد منقولہ (عقار) میں نہ ہوں، فروخت کر سکتا ہے۔ اور غیر حاضر وارث کی آمدنی محفوظ کر سکتا ہے۔ ابو حنیفہ کے مطابق وصی ان تمام کے حصص جو حاضر ہوں فروخت کر سکتا ہے مگر صاحبین کے مطابق اس کو کوئی اختیار حاصل نہیں ہے اور یہی رائے مسلمہ ہے۔

یہ تمام مثالیں اس صورت میں ہیں جب کہ موصلی نے قرضے نہ چھوڑے ہوں۔ لیکن اگر کوئی قرضے چھوڑے ہوں اور ان میں جائیداد چھوڑی ہو تو وصی اس کو فروخت کر سکتا ہے۔ ان قرضوں میں تمام جائیدادیں شامل نہ ہو۔ تو وہ ان میں سے انہیں فروخت کر سکتا ہے جو ان قرضوں کی ادائیگی کے لیے ضروری ہوں۔ جب کہ وصی نے جائیداد منقولہ قرضوں کی ادائیگی کے لیے فروخت کی ہو اور جب کہ اس غرض کے لیے اس کے پاس دیگر ہوں تو یہ فروخت جائز ہے۔ اسی طرح تمام میراث ہاکی صورت میں وصی اپنی جائیداد کو فروخت کر سکتا ہے جو ادائیگی قرضہ ہا کے لیے ضروری ہے (بعد ادائیگی جو تمام سے ایک ثلث سے زیادہ نہ ہو) اگر کوئی شخص کئی ورثا چھوڑ کر انتقال کر جائے ان میں سے ایک بالغ ہے اور بعینہ نابالغ اور اس جائیداد پر قرضوں یا میراث کا بار نہیں ہے اور اثاث البیت پر مشتمل ہے تو وصی نابالغ کا حصہ فروخت کر سکتا ہے اور اس آمدنی کو زیادہ فائدہ رساں جائیداد خریدنے میں کام میں لا سکتا ہے۔ وصی اس روپیہ

تے جو بچے کا مملوک ہے اور اس کے قبضہ میں ہو قرض نہیں دے سکتا۔

وصی جائیداد سے اپنا مقررہ الاؤنس لے سکتا ہے لیکن اس سے زیادہ نہیں مگر اس کا باپ بحالت نذرورت اپنے نابالغ بچوں کی جائیداد سے بقدر ضرورت صرف کر سکتا ہے۔ اس پر وصی کا اطلاق نہیں ہو گا لیکن تا وقتیکہ وصی کوئی معاوضہ یا رقم مقرر نہ کرے۔ تو وصی اس جائیداد سے اپنے لئے کچھ نہیں لے سکتا مگر قاضی مجاز ہے کہ وہ مگر اس یا وصی کے لیے جس کو وہ مقرر کرے الاؤنس مقرر کر سکتا ہے۔ فتاویٰ قاضی خان میں آیا ہے کہ جب وصی کے لیے کوئی الاؤنس مقرر کیا جائے تو وہ ایک محدود اور مناسب رقم بقدر ضرورت مقرر کر سکتا ہے۔ اگر اس کی ضرورت ہو تو وہ اس بچے کے کام کو ادھرا کر جانے کے لیے صرف کر سکتا ہے۔ اگرچہ کئی فقہاء کی رائے میں جائز نہ ہو گا مسلمہ اصول یہ ہے کہ جب وصی کوئی الاؤنس مقرر نہ کرے اور وصی کوئی معاوضہ طلب کرے تو ایسی صورت میں قاضی کو مقرر کرنا چاہئے احناف کے مطابق والد وصی کوئی معاوضہ طلب کرے تو بچوں کی عمرانی کے لیے ان کے دادا کے مقابلے میں زیادہ لائق ترجیح ہے۔

وصی جائیداد وصی کے خلاف کوئی بھی اقرار قرضہ نہیں کر سکتا۔ (اور جس کے حق میں اقرار کیا جائے) جب تک کہ بذریعہ شہادت وہ اپنا مطالبہ ثابت نہ کرے وصی قبول نہیں کر سکتا ہے کہ وصی کی وراثت میں کسی اور کا بھی حصہ ہے تا وقتیکہ وہ خود وارث نہ ہو اور ایسی صورت میں یہ اقرار خود اسکے حصے کے خلاف موثر ہوگا۔

جب کوئی شخص بلا وصیت کے اور بلا وصی مقرر کے انتقال کر جائے اور قاضی کا اس میں کوئی حوالہ نہ ہو تو اہل محلے میں سے کوئی ایک حسب ضرورت قانوناً جائیداد کا انتظام کر سکتا ہے اور اسی کے مطابق فتویٰ ہے۔

باپ کا وصی

نابالغ بچوں کی ولایت کا حق ترجیحاً باپ کو پہنچتا ہے اور اس کی عدم موجودگی میں وصی کو اور جب باپ بلا کسی وصی مقرر کے انتقال کر جائے تو ولادت دادا سے منتقل ہو گی۔ اور اس کی عدم موجودگی میں وصی کو اور وصی کے وصی کو۔ لیکن اگر ان میں کوئی نہ ہو تو ولایت قاضی کی یا اس کے مقرر کردہ شخص کی ہوگی۔

فتاویٰ عالمگیری میں مندرجہ بالا اصول بعبارت ذیل ہے:

باپ کا وصی باپ کی جگہ ہوتا ہے اسی طرح دادا کا وصی باپ کی طرح ہوتا ہے اور دادا کے وصی کا وصی دادا کے وصی کی جگہ ہوتا ہے اور قاضی کا وصی قاضی کے وصی کی جگہ ہوتا ہے بشرطیکہ اس کا تقرر عام ہو۔

اگر باپ کا وصی مقرر کرنے کے بعد انتقال کر جائے اور پس ماندگان میں سے کچھ بچے چھوڑ کر جائے۔ اس میں کچھ بالغ ہوں اور کچھ نابالغ اور وصی کے موت پر کچھ بچے چھوڑ کر انتقال کر جائیں تو باپ کا وصی ان کے بچوں کا وصی بھی ہو گا۔ اور ان کی منقولہ و غیر منقولہ جائیداد کی حفاظت کرے گا یا پہلے سے مقررہ پابندیوں کے مطابق فروخت کرے گا۔

وصیان کا مقرر کردہ وصی اور ان کے اختیارات

لیکن ماں بھائی یا چچا یا ان میں سے کسی بھی رشتہ دار کے مقررہ وصی کو یہ اختیارات حاصل نہیں ہوتے کہ نابالغ کی جائیداد غیر منقولہ کو فروخت کر سکیں۔ وہ صرف اس بچہ اور جائیداد کی نگرانی کے مجاز ہیں۔ وہ نہ اس کے لیے تجارت کر سکتے ہیں، بلکہ وہ محض بچے کے ضرورت کی اشیا خرید سکتے ہیں۔ مثلاً غذا، لباس اور وہ محض وہ شے فروخت کر سکتے ہیں جو بچہ نے وصی سے (جس نے وصی مقرر کیا ہے) ورثہ میں پائی ہوں اس لئے کہ اس کی قیمت کی حفاظت اصل اشیا کی حفاظت سے آسان ہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں ماں کے مقرر کردہ وصی کے اختیارات اس طرح ہیں ماں کے مقرر کردہ وصی کو نابالغ کے لیے خواہ کچھ بھی ہو اپنے باپ کی غیر منقولہ اور منقولہ جائیداد سے پایا ہو۔ اسے فروخت کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ خواہ جائیداد پر قرضہ کا بار ہو یا نہ ہو، لیکن نابالغ نے جو کچھ اپنی ماں سے ورثہ میں پایا ہے اور وہ قرضوں اور میراث کے بارے میں بری ہو تو وصی جائیداد منقولہ کو فروخت کر سکتا ہے لیکن غیر منقولہ کو نہیں لیکن اگر قرضے کا اتنا بار نہ ہو کہ سب جائیداد ہی شامل ہو جائے تو وہ صرف اتنا ہی جائیداد فروخت کرے گا جو کہ ادائیگی قرضوں کے لیے ضروری ہے فاضل جائیداد کو فروخت کرنے کے لیے ہمارے فقہا ہمارے (مشائخ) میں اختلاف ہے۔

اگر تمام ورثا بالغ ہوں اور موجود ہوں اور جائیداد قرضے سے بری ہو تو ماں کا مقررہ وصی اس کی جائیداد کے حصے کو بھی فروخت نہیں کر سکتا۔ اور اگر جائیداد زیر بار قرضہ ہو تو ماں کے وصی کے اختیار کے بارے میں جواب یہ ہے کہ وہ باپ کے وصی کے اختیار کے مثل وصی ہے۔ اور دونوں ہی معاملات میں رائے میں اختلاف ہے۔

اگر دونوں کے بالغ اور نابالغ ورثا ہوں اور بالغ غیر حاضر ہوں اور جائیداد بار قرضے سے بری ہو تو ماں کا وصی جائیداد کے منقولہ حصے کو فروخت کر سکتا ہے۔ جائیداد غیر منقولہ "عقار" کو فروخت نہیں کر سکتا اس لئے اس میں بالغان اور نابالغان کے حصص ایک ہی ہیں۔ اگر بالغان موجود ہوں اور جائیداد قرضے سے بری ہو تو وصی نابالغ کی منقولہ جائیداد کے حصے کو فروخت کر سکتا ہے۔ لیکن کیا وہ بالغان کا حصہ بھی فروخت کر سکتا ہے اس بارے میں رائے میں اختلاف ہے تاہم "عقار" کو فروخت نہیں کر سکتا۔

ماں کے وصی کے لیے جو کچھ کیا گیا ہے وہی بھائی اور چچا کے وصی پر صادق آتا ہے۔ اصول یہ ہے کہ وصی کے اختیار کا اندازہ موسیٰ کے اختیار کے معیار سے ہوتا ہے۔

الغیر ایک ماں کے مقرر کردہ وصی کو کسی جائیداد میں جو اس کے بچوں کو ان کے باپ یا رشتہ داروں سے خواہ مقررہ ہوں یا نہیں ورثے میں ملی ہو کسی جائیداد میں مداخلت کا اختیار نہیں ہے نہ وہ غیر منقولہ جائیداد کے کسی حصہ کو جو اسے ورثے میں ملی ہو فروخت کر سکتا ہے۔ بشرطیکہ یہ زیر بار قرضہ نہ ہو یا اس سے میراث ہاکی ادائیگی کرنا نہ ہو۔ اگر جائیداد زیر بار قرضہ یا میراث ہا ہو تو وہ جائیداد کا کوئی سا حصہ منقولہ یا غیر منقولہ جو ادائیگی قرضے کے لیے کافی ہو فروخت کر سکتا ہے۔ اگر تمام ورثا جو بالغ ہوں اور موجود ہوں اور جائیداد قرضے سے پاک ہو وہ اس کا کوئی حصہ فروخت نہیں کر سکتا لیکن اگر جائیداد پر قرضے کا بار ہو تو اس کے اختیارات بھی انہیں قواعد کے تابع ہیں جو کہ باپ کے مقرر کردہ وصی پر لاگو ہوتے ہیں۔ اگر بعض ورثا بالغ ہوں اور بعض نابالغ اور بالغ غیر حاضر ہوں اور جائیداد قرضے سے پاک ہو تو وہ منقولہ کو فروخت کر سکتا ہے خواہ اس میں نابالغ کا حصہ ہو یا نابالغ کا لیکن نابالغان یا بالغان کسی کے بھی "عقار" (غیر منقولہ جائیداد کے حصے) کو فروخت نہیں کر سکتا اگر جائیداد زیر بار قرضہ ہو تو اس کے اختیارات باپ کے وصی کے اختیارات کے مثل ہیں۔ اگر بالغ موجود ہوں اور جائیداد بار قرضے

سے پاک ہو تو وصی "عقار" (جائیداد غیر منقولہ میں) نابالغ کے حصے کو فروخت کر سکتا ہے لیکن کیا وہ بالغوں کا حصہ بھی فروخت کر سکتا ہے اس بارے میں اختلاف ہے مگر جائیداد منقولہ کو قطعاً فروخت نہیں کر سکتا۔ لیکن ایک ماں کا وصی اس کے نابالغ بچوں کے لیے کوئی شے نہیں خرید سکتا سوائے خوراک اور کپڑوں کے جو ان کی بقا کے لیے ضروری ہیں۔ جو کچھ ماں کے وصی اختیارات کے لیے کیا گیا ہے وہ بھائی اور چچا کے وصی پر صادق آتا ہے۔ اصول یہ ہے کہ وصی کے اختیار کا معیار موصلی کے اختیار پر مبنی ہے۔

وصی اپنے لین دین کا ثبوت رکھنے کا پابند ہے

وصی کو اختیار ہے کہ جو کچھ اس کے پاس سے بچوں پر صرف ہوا ہو وہ وصول کرے مگر اس کا حساب (ثبوت) رکھنا چاہئے۔ فتاویٰ قاضی خان میں اس بارے میں عبارت ہے کہ وہ اپنی رقم اس رقم کو جو خاص اس نے اپنے پاس سے صرف کی ہے واپس لے۔ خواہ اس بارے میں اس کے پاس گواہان ہوں۔ اس سلسلے میں مسلمہ اصول جیسا بیان کیا گیا ہے یہ ہے اگرچہ اصول ماں اور باپ پر منطبق نہیں ہوتا۔ جب ان میں سے کوئی ولی ہوں تو یہ زیادہ مناسب ہے کہ ان کو حساب رکھنا چاہئے۔

وصی مجاز ہے کہ جو اس کے پاس سے جائیداد پر خرچ ہوا ہو وہ وصول کرے اور ان اخراجات میں موصلی یا وصی یا اس کے ورثا کے تجہیز و تکفین یا موصلی کے قرضوں کی ادائیگی بھی شامل ہے۔

اگر کوئی وصی متوفی کے جائیداد کے بارے کے متعلق مطالبات بلا کسی ثبوت ادا کرے تو وہ ایسی ادائیگی رقم جو اس نے موصلی کے اثاثے کی نگرانی میں کی ہو مجرا نہیں ہوگی۔ اگر ایسی ادائیگی پر متوفی کے ورثا یا قرض خواہان کو اعتراض ہو مگر ادائیگی کافی ثبوت کے ساتھ کی گئی ہو تو اس پر کوئی ذمہ داری نہ ہوگی۔ جبکہ دو متدین اشخاص قرضے کی ادائیگی کے سلسلہ میں ہوں تو تصدیق کریں خواہ یہ تصدیق قاضی کے سامنے نہ ہو اگر ورثا اس قرضے سے انکار کریں تو اس مسئلہ پر ہمارے مشائخ میں اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک وہ قرضہ ادا کر سکتا ہے بعض کے نزدیک نہیں ادا کر سکتا۔

موصلی اگر کوئی وصی کسی قرض خواہ کی بلا اجازت قاضی ادائیگی کرے تو وہ

دوسرے قرض خواہوں کے لیے بھی ذمے دار ہے لیکن اگر اس نے قاضی کے حکم سے ادائیگی کی ہے تو وہ ذمہ دار نہیں ہے۔ اسی طرح اگر قاضی کی ڈگری کی وجہ سے متوفی کی جائیداد سے ادائیگی قرضہ لازمی ہو اور وصی اس نے اس بارے میں اطمینان کر لیا ہو اگر اس سلسلہ میں دوسرا شخص جائیداد کے بارے میں دعویٰ دائر کرے اور ادائیگی اگر قاضی کے حکم سے ہوئی ہے تو وصی کی ذمے داری نہیں ہے۔ اگر اس نے قاضی کو ڈھنگ سے ادائیگی کی ہو مگر قرض خواہ اول کے خلاف قرض خواہ دوم بقدر حصہ رقم قرضہ جو اسے ملی ہو رقم قرضہ کے تناسب سے دعویٰ دائر کر سکتا ہے۔ اگر وہ اس کے پاس ضائع ہو چکی ہے تو وہ اسی ا تناسب سے دوسرے کے سامنے بھی جواب دہ ہے لیکن وصی اس کے لیے ذمہ دار نہیں ہے لیکن اگر اس کے برعکس وصی نے بلا اجازت ادائیگی کی ہے تو دوسرا قرض خواہ وصی یا پہلے قرض خواہ سے جو کچھ کہ مؤخر الذکر کو ملا ہے بقدر تناسب وصولی کا دعویٰ کر سکتا ہے۔

جب کسی وصی نے تمام جائیداد موسیٰ کے بچوں پر صرف کر دی ہو اور باقی کچھ نہ رہا ہو اور اس کے بعد جائیداد کے خلاف دعویٰ دائر کیا گیا ہو جو حج کے سامنے ثابت ہو کر ڈگری صادر ہو گئی ہو تو کیا قرض خواہ وصی کو ذمہ دار قرار دے سکتا ہے۔ بعض فقہاء کے نزدیک یہ خرچہ اگر قاضی کے حکم سے ہوا تو وصی ذمہ دار نہیں ہے۔ اور اگر بلا حکم قاضی ہوا تو وہ ذمہ دار ہے۔ اس کا منشا یہ ہے کہ اگر متوفی کی جائیداد عدالت کے حکم سے موسیٰ کے بچوں کی پرورش یا تعلیم و ترقی میں صرف ہوئی تو وصی متوفی کے قرض خواہان کی ادائیگی سے بری الذمہ ہے مگر یہ بظاہر اس کے برعکس ہو گا اگر وصی تمام جائیداد انہیں اغراض پر بلا منظور ہی صرف کرے۔

شیعہ قانون وصی کی ذمہ داری

شیعہ قانون کے مطابق ایک وصی متوفی کی جائیداد کے نقصان پر بربادی کا ذمہ دار نہیں ہے جب تک یہ اسے اپنے منصب کے اصولوں کی شرائط کے خلاف وزی نہ کی ہو۔ یا اس کی ذاتی غفلت کی بنا پر نہ ہو اگر وہ متوفی کا قرض خواہ ہے تو بلا اجازت قاضی بشرطیکہ قرضہ کا ثبوت ہو جائیداد سے اپنا روپیہ جائز طور پر وصول کر سکتا ہے۔ مگر بعض فقہاء کے نزدیک تمام حالات میں بلا اجازت قاضی وصولی قرضہ کر سکتا ہے ”شرائع“ کے مطابق

وصی اپنے لئے متوفی کی جائیداد میں سے کوئی حصہ نہیں خرید سکتا ہے مگر مصنف شرائع کے مطابق جائز طور پر خرید سکتا ہے تاہم سرایر کا اصول اس بارے میں مسلمہ قانون ہے اہل تشیع کا احناف سے اس بارے میں اختلاف ہے کہ کسی شخص دیگر کا بطور وصی قرضہ جائز نہیں ہے جب کہ متوفی کا باپ زندہ ہو۔ اس لئے کہ نابالغ بچوں پر حق تولیت باپ کے مقررہ وصی کے مقابلہ میں دادا کو پہنچتا ہے۔ ابن حنبلہ کے مطابق باپ کا نام زد کردہ اس کی جائیداد پر بقدر ثلث اور حقیقت پر تمام حقوق و مطالبات کی ادائیگی کے لیے جائز ہے۔

وصی کی اہلیت حنفی قانون

احناف کہ مطابق وصی کی اہلیت موصی کے موت کے وقت سے متعلق ہے مثلاً اگر کسی نابالغ کو وصی مقرر کیا گیا ہو اور اگر وہ موصی کی موت سے قبل سن بلوغ کو پہنچ جائے تو یہ تقرر موثر ہے۔ بعض شیعہ فقہا خاص طور پر جنید کی بھی یہی رائے ہے۔ شرائع کے مطابق عام اصول یہ ہے کہ وصی کی صلاحیتوں میں اس کے وقت تقرر کا حوالہ بھی شامل ہے پس کسی نابالغ یا غلام یا کوئی ایسا شخص جو بصورت دیگر نااہل ہو کا تقرر اصلاً ناجائز ہے۔ خواہ موصی کی موت سے قبل ہی عدم اہلیت ختم ہو چکی ہو۔ موصی ہر شخص کے لیے وصی یا ولی مقرر کر سکتا ہے جس پر کہ وہ حسب شرع والدین کے اختیار استعمال کر سکتا ہو۔ مثلاً ایک بچے آل میں کتنا ہی اسفل ہو بشرطیکہ وہ بچہ بہت ہی کم سن یا نابالغ ہو لیکن اگر کوئی شخص اپنے نابالغ بچوں کا کسی کو وصی مقرر کرے تو قانوناً اس کا کوئی اثر نہیں ہے اور اگر تقرر جائیداد کی نگرانی کے لیے بھی جو کہ موصی نے فریقین کے لیے چھوڑی ہو تو وصی کو جائیداد کے ایک ثلث تک کے بھی معاملہ کرنے اختیار نہیں ہے۔ خواہ وہ قانوناً اس میں سے اتنا حصہ علاحدہ کر سکتا ہے جو موصی کے قرضوں کی ادائیگی کے لیے کافی ہو۔

محدود وصی حنفی قانون

اگر کوئی شخص کسی خاص غرض یعنی قرضوں کی ادائیگی کے لیے وصی مقرر کرتا ہے اور دوسرے کو جائیداد کے عام انتظام کے لیے مقرر کرتا ہے یا وہ عبارت ذیل استعمال کرتا ہے ”میں نے فلاں فلاں کو اپنے قرضے کی ادائیگی کے لیے وصی مقرر کیا ہے نہ کہ کسی اور غرض کے لیے اور میں نے فلاں فلاں کو پوری جائیداد کے لیے وصی

مقرر کیا ہے "تو دونوں تمام معاملات کے لیے یہ دونوں تمام معاملات میں امام ابو حنیفہ اور ابو یوسف کے مطابق وصی ہیں گویا اس نے دونوں کو تمام معاملات کے لیے مقرر کیا۔ مگر محمد کے مطابق ہر اس خاص مقصد کے لیے جن کے لیے مقرر کیا گیا ہے پابند ہو گا۔ اور جب کہ یہ شرط کی گئی ہو کہ جب ایک معاملہ میں وصی نہ ہو گا۔ جب کہ دوسرا مقرر کر دیا گیا ہو تو محمد ابن فضل کے مطابق ان کے اختیارات موسیٰ کے ہدایات کے مطابق محدود ہوں گے متذکرہ بالا کے مطابق اختلاف رائے ہے مگر ابو یوسف کے وضع کردہ اصول کے مطابق قانون نافذ ہے۔

وسیان استخراجی

احناف اور اہل تشیع میں وصی کی منتقلی کے بارے میں جیسا کہ بتایا جا چکا ہے، کافی اختلاف ہے حنفی قانون احکامات بعض اعتبار سے انگلش قانون کے مماثل ہیں۔ مثلاً انگلش قانون کے مطابق وصی منصب وصی کو تفویض نہیں کر سکتا تاہم متوفی کی وصیت کے مطابق جو منصب اس کو تفویض کیا گیا ہے وہ وصی کے حین حیات قائم رہے گا اور اگر A کا منس ایک ہی وصی ہو تو وصی کا وصی تمام اغراض اور مقاصد کے لیے پہلے موسیٰ کا وصی و نمائندہ ہو گا۔ اسی طرح حنفی قانون کے مطابق ایک وصی بوقت مرگ تمام امور کے لیے اپنا جانشین مقرر کر سکتا ہے خواہ سرینا موسیٰ نے یہ اختیار اس کو تفویض نہ کیا ہو۔ اور یہ ضروری نہیں ہے کہ وصی کا وصی مقرر کرنے سے ہی ہر دو جائیداد ہا کے لیے انتظام کا اختیار حاصل ہو جاتا ہے اور اگر A اپنا وصی B کو اور C اپنا وصی A کو مقرر کرتا ہے تو A اور C کے فرائض وصی B کو تفویض ہو جاتے ہیں۔

شیعہ اصول

اہل تشیع کے نام مسلمہ اصول کے مطابق ایک وصی اپنے منصب پر بھی اس صورت میں تقرر یا جانشین محض مقرر کرتا ہے جب کہ موسیٰ نے دوسرے کو اپنی موت کے وقت انتظام جائیداد تفویض نہ کیا ہو۔ اگر کسی شخص کا بلا تقرر وصی انتقال ہو جائے یا جب کسی ایسے وصی کا انتقال ہو جس کو جانشین مقرر کرنے کا اختیار نہیں دیا گیا تھا تو اصل وصی کی جائیداد کی نگرانی قاضی پر منتقل ہو جاتی ہے۔ اگر موقع پر کوئی قاضی موجود نہ ہو

تو کوئی بھی پاکباز مسلم جس پر اعتماد کیا جاسکے جائیداد کا انتظام و نگرانی سنبھال سکتا ہے لیکن اس مسئلہ پر میں بقول منصف ”شرائع“ کچھ شبہ و اختلاف رائے کی گنجائش ہے۔

حشری قانون

ایک شخص نابالغ بچے چھوڑ کا انتقال کر جاتا ہے اور وہ بالغ ہو کر وصی سے اپنا حصہ طلب کرتے ہیں اور وہ یہ کہتا ہے کہ ان کے باپ کے چھوڑے ہوئے ایک ہزار درہم کا ورثہ ان پر خرچ کر دیا گیا وصی کے لڑکوں میں سے ایک اس کی تصدیق کرتا ہے مگر دوسرا انکار کرتا ہے تو ظفر کے مطابق مؤخر الذکر ۲۵۰ درہم اول الذکر سے پانے کا مستحق ہو گا نہ کہ وصی سے یہی ابو حنیفہ کی رائے ہے اور ابن مالک نے ابو یوسف کی رائے سے اتفاق کیا ہے محیط سرخسی میں بھی ایسا ہی آیا ہے۔

اگر کوئی شخص ایک باپ اور نابالغ بچے چھوڑ کر بلا وصی مقرر کئے ہوئے انتقال کر جائے تو باپ بحیثیت نگران صورت میں وراثت جس طرح بھی ضروری ہو جائیداد کا انتظام کر سکتا ہے اور اگر متوفی نے دین کثیر چھوڑا ہے تو باپ یعنی نابالغان کے دادا کو قرضوں کی ادائیگی کے لیے فروخت کرنے کا کوئی اختیار نہیں ہے۔

اسی طرح اگر کوئی شخص اپنے فہیم و نابالغ لڑکے کو خرید و فرخت کا مجاز کرتا ہے اور وہ معاہدہ کر کے مقروض ہو جائے بعد میں باپ کو چھوڑ کر انتقال کر جائے تو باپ کو لڑکوں کی جائیداد سے ادائیگی کا کوئی اختیار نہ ہوگا۔

ایک مقروض شخص کچھ ترکے کرتا ہے اور ان تمام قرضوں کی ادائیگی ایک ٹلٹ سے ہو جاتی ہے اور ایک مکان چھوڑ کر ان کا انتقال ہو جاتا ہے تو وصی اس کے قرضے نہ میراث بلا مکان کو فرخت کئے ادا کر سکتا ہے۔ مگر وراثت مکان پر راضی نہ ہوں اور اس لئے ادائیگی قرضوں کے لیے کل مکان یا مکان کے زیادہ حصہ کی ضرورت نہ ہو تو ایسی صورت میں وصی کو مکان فروخت کرنے کا اختیار ہے اسے مکان فروخت کر دینا چاہئے اگر اسے یہ معلوم ہے کہ اگر وہ اسے فروخت نہ کرے گا تو قرضے طویل عرصہ تک بلا ادائیگی رہیں گے۔

قرض خواتین کے حقوق

بہن کسی ایک متوفی کی جائیداد قرضوں کے زیر بار ہو مگر قرضے بہت زیادہ نہیں ہیں باغفاظا دیکر اثاثے سے زیادہ نہیں ہیں اور جائیداد ورثا میں تقسیم ہے اور بعد ازاں سے جائیداد کا قرض خواہ آتا ہے تو وہ اپنے قرضہ کے مطالبہ کو مختلف ورثا سے بقدر تمام قرضہ وصول کرنے کا مستحق ہو گا۔ وہ قاضی کے رو برو سب کے خلاف مطالبہ کرنے سے ہی وصول کر سکتا ہے۔ لیکن اگر وہ ان میں سے صرف ایک کے خلاف دعویٰ کرے تو اس سے اپنا قرضہ اس حد تک پاسکتا ہے جتنا کہ اس کو ملا ہو خواہ وہ کچھ بھی ہو۔

باب ۲۶۔ وصیت کے قواعد متفرق

مسلم قانون کے تحت ایسے بہت سے فیصلے ہیں جن میں کہ ایک مسلمان متوفی کی جائیداد کے خلاف قرض خواہان نے حقوق طے کئے ہیں۔ مثال کے طور پر میں چند کے حوالے دیتا ہوں۔

یہ طے کیا گیا ہے کہ مسلم لا کے مطابق ایک متوفی مقروض کے وارث کے خلاف ڈگری۔ دوسرے ورثا پر قابل پابندی نہیں ہے۔

یہ بھی طے کیا گیا ہے کہ مسلم قانون کے مطابق ایک بلا وصیتی جائیداد کلیتاً اس کی آل پر منتقل ہو جاتی ہے۔ اس پر وہ تمام قرضے بھی جو متوفی کے ذمہ یا دوسروں کے اس کے ذمہ واجب ہوں شامل ہیں۔ پس ایک بلا وصیتی مسلمان کے قرض خواہ کو جائیداد کے خلاف اپنے مطالبے کا مناسب طریقے سے دعویٰ یا ترتیب دینا ضروری ہے۔ ایسا دعویٰ کرنا مناسب طریقے سے بھی جب ہی مرتب ہوتا ہے۔

اگر تمام اشخاص جو اس جائیداد کے حصے پر قابض ہوں اور جس کے مطالبہ صول کرتا ہو مقدمے میں فریقین بنائے جائیں۔

ایک مسلمان وارث کا اپنے متوفی وارث (جو مقروض مراہو) کی جائیداد میں حق مطالبہ محض نمائندگی کے طور پر ہے اور سوائے نمائندے کی حیثیت کے جائیداد میں اس کا کوئی حق نہیں ہے۔

ایک متوفی مسلمان کا قرض خواہ ایسے شخص کے خلاف جس نے جائیداد کو واقعی خریدار کو قیمتاً فروخت کیا ہو اور قانونی وراثت بذریعہ بیع قطعی یا رہن منتقل ہو چکی ہو۔ تو دعویٰ دائر نہیں کر سکتا۔ لیکن اگر دوران داری دعویٰ انتقال جائیداد ہوا ہے جس میں کہ قرض خواہ جائیداد کے اثاثوں سے ادائیگی قرضے کی ڈگری مل گئی ہے جو کہ وارث قانون کے قبضے میں ہیں تو منتقل ایہ کو نوٹس سمجھا جائے گا۔ اور وہ اصول مقدمہ زیر تجویز سے متاثر ہو گا۔ متوفی مسلمان کے قرضے جائیداد پر کوئی بار نہیں ہیں چونکہ قرض خواہ کو تمام

دیگر اشخاص پر جو اس کی موت کے بعد خریدے اس کی جائیداد بذریعہ رہن حاصل کرے سب پر ترجیح ہے۔

عدالت العالیہ کلکتہ نے بھی طے کیا ہے کہ کسی متوفی مسلمان کو قرض خواہ اس کے وارث جائیداد (قانونی) کے خلاف ڈگری حاصل کر لیتا ہے تو یہ تلاش انتظام ترک ہوگی۔ اور متوفی کے ورثا جن کو فریق نہیں بتایا گیا ہے بوجہ عدم بددیانتی سوائے موسیٰ کے ان قرضوں کے جو ادا کر دئے گئے ہیں اور کسی شے کا مطالبہ نہیں کر سکتے۔

عدالت العالیہ الہ آباد نے اس نظریہ سے اختلاف کرتے ہوئے یہ طے کیا کہ ایک غیر وصیتی مسلمان کی موت پر جائیداد کی ملکیت فوراً اس کے ورثا پر منتقل ہوتی ہے اور ایسا انتقال اس کے قرضوں کی ادائیگی تک ملتوی یا مشروط نہیں ہوتا۔ اس کے قرضوں کے متعلق ایک ڈگری جو کہ متازہ یا غیر متازہ مقدمے میں صادر ہوئی ہو وہ متوفی مسلمان کے محض ان ورثا کے خلاف صادر ہوئی ہے۔ جو کہ اپنی جائیداد کے کل یا جز پر قابض ہوں وہ ان دوسرے ورثا کو جو بوجہ غیر حاضر یا دوسرے سبب سے قابض نہ ہوں پابند نہیں کرتی اس ڈگری کے اجرا میں خریداریلام کو ان ورثا کے کہ جو حقوق اور مفاد ڈگری میں فریق نہیں تھے منتقل کر دیں۔

مسلم قانون کی بنا پر ہر ایسا ہبہ جو اندیشہ موت کی بنا پر کیا گیا ہو نہ کہ بطور ہبہ بطور میراث موثر ہے نام طور پر موسیٰ کو وہ جائیداد منتقل کرتا ہے جو کہ متوفی کی جائیداد سے ایک ٹمٹ سے زیادہ نہ ہو بقیہ ۳/۴ اور ۱/۴ پاتے ہیں ورثا کے نہ ہونے کی صورت میں وصیت میں تمام جائیداد شامل ہو جاتی ہیں۔

یہ طے کیا گیا ہے کہ موسیٰ کی وصیت پر اس کے انتقال سے قبل ورثا رضامند ہوں تو یہ رضامندی قطعی نہیں ہے۔ ناجائز ہے۔ ایسی رضامندی موسیٰ کی موت کے بعد ہونا چاہئے۔ اور انہیں لوگوں پر اس کا اطلاق ہونا چاہئے جو حنفی قانون کے تابع ہوں۔

ایک مسلمان موسیٰ جس کا ۱۸۶۰ء میں انتقال ہوا۔ اس نے بذریعہ وصیت جائیداد خود چار مساوی حصوں میں اپنے دوسرے اور تیسرے لڑکوں کو دی۔ جائیداد V اور E۔ اپنے بڑے لڑکے کے لڑکے کو (اگر کوئی ہو) اور موسیٰ کے بھائی A کو اور اپنے بڑے لڑکے کو M کو محروم الارث کر دیا۔ اور یہ طے کیا گیا کہ جائیداد کو تقسیم نہ کیا جائے تا وقتیکہ E اور V بیس سال کے نہ ہو جاویں۔ اور M جائز لڑکے کے لیے یہ طے

کیا کہ اس حصہ کا حصہ بطور امانت ہے۔ تا وقتیکہ لڑکا بیس سال کا نہ ہو جائے۔ موسیٰ کے انتقال کے بعد M کے کوئی لڑکا زندہ نہ تھا اور اس کی موت کے کچھ عرصہ بعد ہی M کے کوئی لڑکا ہوا جو محض چند ماہ زندہ رہا اور موسیٰ کا بھائی A وصیت کا وصی مقرر کیا گیا ۱۸۷۸ء میں E اور V نے وصی A اور اس کے لڑکے S پر حساب فہمی اور تقاسمہ جائیداد کا دعویٰ کیا اور بذریعہ اقبال ڈگری جو ۱۸۸۱ء میں صادر ہوئی جائیداد کا ۱/۵ کا V اور E کو دیا گیا۔ اور بقیہ ۳/۵ اور S کو دیا گیا۔

جائیداد کے مطابق ڈگری تقاسمہ ہو گیا اور فریقین نے حسب ڈگری قبضہ حاصل کر لیا۔ فروری ۱۸۸۳ء میں M کے پھر دوسرا لڑکا پیدا ہوا اور مئی ۱۸۸۳ء میں نابالغ نے اپنے باپ کی قدرتی ولایت میں اس جائیداد کے خلاف جو C اور V نے بذریعہ اقبال ڈگری حاصل کی تھی جائیداد پر استحقاق کا دعویٰ جب کہ وہ بیس سال کا ہو گیا دائر کیا یہ فیصلہ صادر ہوا کہ مدعی اس لئے حصہ نہیں پاسکتا کہ وہ موسیٰ کے انتقال کے وقت موجود نہ تھا۔ یہاں یہ بتانا ہے کہ یہاں کا مندرجہ اصول بہت ہی وسیع صورت میں لاگو کیا گیا ہے۔ اس لئے مسلم لا کے تحت اگر وصیت اول اس شخص کے حق میں جو موجود ہے اور اس شخص کے حق میں جو موجود نہیں ہے، جائز ہے۔

ایک مسلمان موسیٰ نے بذریعہ وصیت یہ طے کیا کہ اس کے غیر منقولہ جائیداد وراثت میں نہ منتقل کی جائے نہ تقسیم کی جائے اور نہ اس کے وصی آمدنی کو ان مدات پر حسب فہرست منسلکہ وصیت نامہ بعض اشخاص پر جو کہ دو حصوں میں تقسیم ہیں یعنی وہ جنہوں نے ورثہ پایا اور وہ جنہوں نے ورثہ نہ پایا صرف کی جائے۔ یہ طے کیا گیا کہ موسیٰ کا منشا جائیداد کی تقسیم نہ کرنے اور اپنے ورثا قانونی کو منتقل نہ کر کے محض وظیفہ یا بندگان کی صورت میں جو اس سے وظیفہ پاتے رہیں منتقل کرنا تھا۔ وصی نے اس جائیداد کو بطور امانت رکھا تاکہ اس کا منافع مابعد حصص کی صورت میں ورثا کو ملتا رہے۔ اور اس کے نمائندگان اس کے خلاف قبضہ مخالفانہ کی بنا پر جواب دہی نہ کر سکیں تاکہ ان کے مطالبات پر تمادی عارض نہ ہو جائے۔

باب ۲۔ شافعی اصول و صایا

فصل اول:- عام احکام

انتقال بذریعہ وصیت

وصیت کا اختیار ہر شخص میں بااقتدار صنف تفویض کیا گیا ہے۔ وہ جو کہ اہل ہو جس میں فہم ہو، آزاد ہو اور شافعی اصول کے مطابق سفاہت کے بنا پر معذور نہ ہو۔ یہ اختیار کسی غیر کو جو بحالت مدبوشی ہو یا نابالغ ہو، نہیں دیا گیا ہے۔ اگرچہ بقول ایک فقیہ یہ معذوری ایسے نابالغ کے لیے نہ ہونا چاہئے جو سن بلوغ کو پہنچ جائے۔ بعض فقہاء کے نزدیک ایک غلام کی وصیت تا وقتیکہ وصیت کے بعد وہ آزاد نہ ہو اور بلا وصیت منسوخ کئے اس کا انتقال نہ ہو جائے ناجائز ہے۔

عوام کے حق میں انتقال وصیتی کا بھی مقصد برابر ہونا چاہئے۔ اس لئے کہ ایک وصیت جیسا کہ جابا یہودی عبادت گاہ کے لیے نہیں ہو سکتی۔ پس ایک میراث ایسے بچے کے حق میں جو رحم مادر میں ہو صرف دو شرطوں پر نافذ ہو سکتی ہے وہ یہ کہ بچہ زندہ پیدا ہو اور یہ کہ انتقال جائیداد سے قبل استقرار حمل ہو گیا ہو۔ یعنی تاریخ وصیت سے قبل چھ ماہ گزر چکے ہوں۔ اگرچہ ماہ گزرنے کے بعد پیدائش ہو تو یہ خیال کیا جائے گا کہ بچے کا انتقال وصیتی سے قبل حمل نہیں رہا۔ کم از کم والدین نے ایک اگر دوسرے سے مجامعت نہیں بند کی تھی۔ اس کے برعکس صورت میں استقرار حمل زیادہ سے زیادہ چار سال کی مدت کے لیے قابل تسلیم ہے۔

ایک غلام کے حق میں وصیت اس کے مال پر ہی عود کرتی ہے۔ تا وقتیکہ وہ مووسی کی موت سے قبل آزاد نہ کر دیا گیا۔ ہو مابعد آزادی اگر غلام نے وصیت قبول کری ہو تو نتیجہ اس امر پر ہے کہ آیا مووسی کے انتقال کے قبل میراث حاصل کر لی گئی تھی یا نہیں۔ مویشیوں کے حق میں انتقال وصیتی قطعاً باطل ہیں خواہ مووسی کا منشا مویشی کو تصرف

میں لانے کا صریح ہو یا اس بارے میں کوئی حوالہ نہ دیا گیا ہو۔ لیکن اگر یہ اعلان کیا گیا ہو کہ مویشی کو ضروری خوراک کی کمی نہ رہے گی تو روایاتی اصول کی بنا پر یہ جائز ہو گا۔

ذمیوں کے حق میں وصایا

ایک مسجد کے حق میں میراث جائز ہے بلکہ مسجد کے حق میں ایک وصیت بھی ہے خواہ اس میں مزید اضافہ نہ ہو اور جائز ہے۔ تاہم اس معاملے میں یہ انتقال محض اس کے قائم رہنے کے لیے ہی نہ ہو۔ عمارت کی استوارگی کے لیے بھی ہو۔ ایک غیر مسلم کے حق میں وصیت کی خواہ کسی مسلمان فرماں روا کی رعایا ہو یا نہیں ایک ملحد کے حق میں اور خود کے قاتل کے حق میں بھی ہو سکتی ہے۔ ایک وارث کے حق میں میراث مشترکہ ورثا کی متفقہ رضامندی سے جس کا جانشینی کے بعد اعلان کیا گیا ہو ہو سکتی ہے۔ وہ ایک رضامندی جائز ہے۔ اگر شریک ورثا جانشینی کو ترک بھی کر دیں تب بھی جائز ہے اور جو مووسی کے موت سے قبل نہیں دی جاسکتی۔ اس لئے کہ یہ رضامندی اس صورت میں بھی ضروری ہے جب کہ مشترکہ ورثا جانشینی کو ترک کر دیں اور جو مووسی کے انتقال سے قبل نہیں دی جاسکتی اس لئے کہ یہ انتقال مشترکہ ورثا کی وجہ سے بوقت موت ناجائز ہوتا ہے جس کا پہلے اعلان نہیں ہو سکتا۔ ایسا انتقال وصیتی جس کا منشا ہر وارث کو اس کا جائز ورثہ ملنے کا ہو وہ کالعدم اور باطل ہے۔ لیکن اس بارے میں کہ کسی ایک وارث کی بذریعہ دستاویز کوئی خاص شے جس کی مالیت قانونی کی مقررہ حد ہو، دینے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے بشرطیکہ شریک ورثا رضامندی دیدیں۔

ایک شخص درج ذیل اشیا جائز طور ورثے میں دے سکتا ہے۔

- (۱) ان اشیا کی پیداوار جو دوران مدت ضائع نہ ہوں۔
- (۲) درختوں کے آئندہ پھل یا جانوروں کے ہونے والے بچے وغیرہ۔
- (۳) دو اشیا میں سے ایک جو کہ مووسی لہ کی پسند پر منحصر ہو۔
- (۴) ایک نامناسب شے بشرطیکہ اس کا استعمال شرعاً ممنوع نہ ہو۔ مثلاً ایک تربیت یافتہ کتا۔ انگور کارس جس کا منشا شراب بنانا ہو۔

ایسی میراث جس کے الفاظ جیسے میرے کتوں میں سے ایک کی تکمیل وارث کو

کرنا چاہئے متوفی کا مملوکہ کنٹا دیدے۔ اور یہ میراث کا عدم اور باطل ہوگی۔
اگر موسیٰ کے پاس کوئی کتابی نہ ہو ایسا شخص جس کی جائیداد میں بہت سے کتے
ہوں اور بذریعہ وصیت تمام یا کچھ کتوں کو دے سکتا ہے۔ خواہ ورثے میں کتے ہی زیادہ
مالیت کے ہوں۔

اگر کسی شخص کے قبضہ میں دو ذمہ ہوں اور اس میں سے ایک تفریح کی
غرض سے اگر موسیقی کے طور پر ہو اور دوسرا ایک اچھے جائز استعمال کے لیے ہو۔ مثلاً
ایک ٹیبل جنک یا ایسا نقارہ جس کو زائرین استعمال کریں تو نقارہ کا ترکہ جس کے بارے میں
مزید تہنیتاات نہ دی گئی ہوں تو اس سے ہو خزانہ کر مراد ہوگا۔ مزید برآں ایک نقارہ کی
مختص میراث تفریح کی غرض سے کا عدم و باطل ہے۔ تا وقتیکہ یہ ایک ہی وقت میں
اغراض جنک اور زیارتوں کے لیے استعمال نہ کئے جائیں۔

فصل دوم:- تیسرے کے بارے میں قواعد

انتقال وصیتی موسیٰ کے جائیداد کے ایک ٹلٹ سے زیادہ نہ ہو یا وہ جو کہ نصف
کے خلاف ہو نہ ہونا چاہئیں۔ اور وہ وارث یا ورثہ کی طلب پر معینہ حصص کے مطابق کم کر
دیے جائیں گے۔ جب کے اس کے برعکس وارث انتقال کو پسند کرے یہ خواہ کتنی ہی
مالیت کا ہونا نافذ ہو جائے گا۔ مگر ایک فقیہ کے مطابق وارث کی طرف سے یہ ایک خالص
حیثیت خیال کیا جائے گا۔

تخفیف کا تعین متوفی کے انتقال کے روز یا بقول دیگر فقہا وصیت کے روز تمام
جائیداد کو ایک جگہ جمع کیا جائے گا اور وہ انتقالات جن کو کہ نافذ کرنا ہیں وہ ایک ٹلٹ کی
حد تک نافذ کئے جائیں گے، مندرجہ بالا قرار دئے گئے ہیں۔

(۱) بلا موسیٰ کے انتقال پر بلا بدل آزاد کر دینا۔

(۲) وہ برضا و رغبت انتقالات مثل وقف اور ہبات جو مرض الموت میں کیے جائیں۔

(۳) جائز قرضوں کی ادائیگی۔

اگر ان کی مالیت ایک ٹلٹ سے زیادہ ہو تو ان کی تخفیف کے لیے درج ذیل قواعد پر عمل
کرنا چاہئے۔

(۱) جب کہ انتقال دستاویزی میں محض غلاموں کو آزاد کرنے کی ہدایت ہو تو بذریعہ قرعہ اندازی یہ طے کرنا چاہئے کہ کسی کو تخفیف کی صورت میں آزادی سے محروم کیا جائے۔

(۲) جب کہ انتقال دستاویزی مختلف عطیات پر مشتمل ہوں تو وہ تمام بقدر تناسب قابل تخفیف ہیں۔

(۳) جب کہ انتقال غلاموں کی آزادی اور دوسرے عطیات پر مشتمل ہوں اور جو حصص کے دستیاب ہوں ان کو اول میراث کے دو حصوں میں بقدر تناسب تقسیم کر دینا چاہئے۔ اور اس کے بعد وہی متذکرہ اصول جو نمبر ۱ اور نمبر ۲ میں بتایا گیا ہے، نافذ ہونا چاہئے۔

مرض الموت

ایک شخص جو ایسے مرض الموت میں مبتلا ہو جس سے کہ موت کا اندیشہ ہو وہ اپنے موجودہ اثاثے میں ۳/۱ سے زیادہ جائز طور پر منتقل نہیں کر سکتا۔ لیکن اگر وہ تمام امید کے خلاف تندرست ہو جائے تو اس کے انتقال کو منسوخ نہیں کیا جاسکتا۔

اگر کوئی شخص معمولی مرض میں مبتلا ہو اور اس کی زندگی کو خطرہ نہ ہو تو وہ کسی بلاعذر کے جائیداد منتقل کر سکتا ہے۔ اگر وہ دورانِ علالت غیر متوقع طور پر انتقال کر جائے تو اس کے انتقال پوری طور پر نافذ ہوں گے۔ لیکن اگر اس کی موت جس مرض میں کہ وہ مبتلا تھا قدرتی طور پر واقع ہو خواہ وہ مرض خطرناک نہ ہو۔ ان حالات میں خود مرض کا منسلک ہونا ثابت ہے۔ مرض کی غیر یقینی نوعیت کی صورت میں دو طبیبوں کو جو غیر جانب دار اور آزاد ہوں دکھانا چاہئے۔ قانوناً درج ذیل اغراض کو خطرناک شمار کیا گیا ہے۔ درد شکم، بلورسی، ناک سے مسلسل خون کا اخراج شدید اسہال، سرخ بخار، فالج کی ابتدا استفراغ جب کہ غذا معدہ میں جانے کے بعد تبدیل نہویا عام استفراغ جس کے ساتھ تکلیف ہوں۔ خون کا اخراج مسلسل یا بانومقہ بخار لیکن تپ لرزہ نہ ہو۔ درج ذیل حالات میں ہمارے اصول کے مطابق امراض مہلک شمار کئے گئے ہیں ملحدوں کے ہاتھوں اسیر جنگ ہو جانا جو کوئی رعایت نہیں کرتے، مفتوح فوج میں شامل ہونا جس پر فاتح نے حملہ کیا ہو۔ انتقاماً سزائے موت یا سنگساری کی سزا یا ایسے جہاز میں سفر جو کہ طوفان یا سخت ناہموار

سمندر میں پھنس گیا ہو۔ ایک عورت جو کہ قید کے بعد سخت درد زہ میں مبتلا ہو اور جب تک جسمیں نلامدوں ہو جائے۔

انتقالات وصی کی ترتیب اس طرح ہے۔ "میں اس کو فلاں یا فلاں جز دیتا ہوں یا فلاں کو یہ چیز دیتا ہوں۔" میری موت کے بعد فلاں کو یہ دے دیتا۔ یہ اس شخص کی میری موت کے بعد ملکیت ہو گی یہ اس کی ہے یہ میراث نہیں ہے بلکہ یہ اقرار کا اعلان ہے۔ اس کے برعکس کوئی یہ کہے کہ "اس کی ہے جو کہ جائز انتقال وصیتی ہے۔ انتقال وصیتی دوسرے طریقے سے بھی ہوتے ہیں۔ گودہ اتنے واضح نہ ہوں مگر ان سے آخری خواہش ظاہر ہوتی ہے مثلاً جو اب دعویٰ جس میں کہ گواہان کو جو وصیت کی گئی ہو شامل ہو۔

ایک جماعت کے حق میں میراث۔

ایک جماعت کے اشخاص کے حق میں میراث مثلاً غربانے صریحاً قبول کرنے کی ضرورت نہیں لیکن مووسی کی موت سے یہ ناقابل تمسیح ہو جاتی ہے لیکن اس کے برعکس دونوں صورتوں میں میراث نہیں ہے لیکن مووسی کی موت سے یہ قابل تمسیح ہو جاتی ہے۔

ایک دو مخلص اشخاص کے حق میں میراث ان کو حسب ضابطہ قبول کرنا ضروری ہے یہ منظوری میراث کے تمسیح کے مثل مووسی کے حین حیات میں نہیں ہو سکتی اور یہ بھی مردہ نہیں ہے کہ مووسی لاپرواہی یا مووسی کے انتقال پر فوراً ہی اظہار کردے ایک میراث مووسی لہ کے موت سے قبل باطل ہو جاتی ہے بشرطیکہ میراث قبول کرنے سے قبل مووسی کے بعد انتقال کر جائے۔ میراث قبول کرنے کا حق اس کے ورثا پر منتقل ہوتا ہے۔ یہ سوال کہ جائیداد موہو بہ کب ہوتی ہے۔ بعض فقہاء کے نزدیک مووسی کے موت کے بعد ہی مووسی لہ اس پر قبضہ کا مستحق ہوتا ہے بشرطیکہ وہ میراث کو قبول کرے بعض کے نزدیک شخص اس کو قبول کرنے پر ہی مالک ہو جاتا ہے مگر بعض کے نزدیک قبول کرنے سے پہلے میراث معلق رہتی ہے لیکن مووسی لہ اس کے بعد سے ہی اس پر قابض ہو جاتا ہے بشرطیکہ وہ اسے قبول کر لے ورنہ یہ قیاس کیا جائے گا کہ ورثا نے اس پر قبضہ ترک نہیں کیا۔

میراث کے موضوع پر متوفی اور اس کے قبول کرنے کے درمیان جو ہم نے

تین اصول وضع کئے ہیں وہ بچل یا ایک ترکہ میں دئے ہوئے غلام کی آمدنی سے یا دوسرے منصرف میں۔ مثلاً ایک غلام کی مدد یا روزہ رکھنے کے لیے اس کو روپیہ دینے پر منطبق ہوتے ہیں مصنفین جن کے مطابق میراث موصی لہ کے قبول یا منظور کرنے تک معلق رہتی ہے اس کو غلام کے غرضی گزارہ یا مترکہ جانور کے بسر اوقات کے لیے انتظام کرنا چاہئے۔

فصل سوم:- موصی لہم

اگر کوئی شخص ترکہ میں یہ کہے کہ ”میرے گلے میں سے ایک بھیڑ لو“۔ یہ انتقال باطل ہو گا جبکہ موصی کے پاس کوئی جگہ نہ ہو۔ اور اگر اسے یہ کہے کہ ”ایک بھیڑ میرے ترکہ میں سے“ اور موصی کے پاس بھیڑ نہ ہو تو ایک بھیڑ خرید کر موصی لہ کو دے دی جائے۔

میراث کی تشکیل

ایسے بچے کے حق میں میراث جس کی نوعیت Enceinte کی ہے دو بچوں میں اس کے توام بچے پیدا ہوں یا جو دو بچوں میں متصل ہو، دو توام بچے پیدا ہوتے ہیں۔ ان میں سے ایک بچہ پیدا ہوا ہے۔ لیکن اس کے برعکس وصی یہ کہے کہ ”اگر لڑکا پیدا ہو“ یا ”لڑکی ہو“۔ توام کی پیدائش پر اگر ایک لڑکا ہو یا لڑکی ہو، میراث پانے کا مستحق ہے بشرطیکہ موصی نے یہ کہا ہو کہ اگر اس کے لڑکا پیدا ہو۔ حاصل کلام ایک میراث الفاظ بھی جائز ہوگی۔ اس صورت میں کہ عورت کے دو توام بچے پیدا ہوں اور وارث ان حالات میں شے مترکہ اپنی مرضی کے مطابق کسی بھی ایک بچے کو دے سکتا ہے۔

لڑکے کے پڑوسیوں کے حق میں میراث مکان کے چاروں حدود میں چالیس مکانوں تک شامل ہوتی ہے۔ اور عالموں کے حق میں میراث ان تمام پر لاگو ہوتی ہے جو فقہ کا مطالعہ کرتے ہیں۔ یعنی کلام پاک اور احادیث اور فقہ کا مطالعہ لیکن محض قرآن خوانوں تعلیم یافتوں، خواب کی تعبیر بتانے والوں اور طبیبوں تک ہوتی ہے۔ زیادہ تر فقہاء کے نزدیک زیادہ صحیح طور پر غلام پر حاوی ہوتی ہے۔ یہ قدیم اصول موجودہ حالات میں کافی ترمیم ہو گیا ہے۔

غربا کے حق میں میراث

غربا کے حق میں میراث کا منشا غربا تادار اور اس کے برعکس لوگ شامل ہیں دونوں ہی صورتوں میں میراث کو دو مساوی حصوں میں تقسیم کرنا چاہئے ہر طبقہ کے لیے ایک بشرطیکہ ہر طبقہ میں تین اشخاص ہوں۔ موہی متذکرہ زمرہ کے ایک شخص کو دوسرے مستحق لوگوں کے مقابلہ میں زیادہ ترکہ دے سکتا ہے۔ لیکن ہمارے اصولوں کے مطابق ایک میراث ایسے شخص کو اور غریب کو ایک سے زیادہ علاحدہ حصہ پانے پر موسوم شخص کو دینے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خواہ وہ بہ حصہ کتنا ہی قلیل ہو مگر جب تک کہ اس کی کوئی مالیت ہے اس کا کوئی تعین ہو۔ متذکرہ صحیح شخص کو خارج نہ کرنا چاہئے۔

ایک شخص نہ صرف مخصوص زمرہ کے لوگوں کو ہی بلا افراد کے اظہار تعداد جن پر کہ وہ مشتمل ہے مثلاً مددگار حضرت علیؑ کی آل بلکہ ایک مقررہ تعداد کو بھی مثلاً ایک زمرہ کے تین اشخاص اور ایک شخص کے رشتہ داروں کو ترکہ دے سکتا ہے۔

مؤخر الذکر میراث کے مطابق یہ بتانا ہے کہ اس میں تمام رشتے دار حتیٰ کہ بعید ترین بھی شامل ہیں۔ ان رشتہ داروں کے جو کہ بالراست خواہ یہ اسلاف ہوں یا اعقاب شامل ہیں۔ تاہم مانگی کی طرف کے رشتہ داروں کو انتقالات و وصیتی میں جب تک رشتہ داروں کے حق میں مختص ترکہ نہ کیا ہو اہل عرب اس میں شامل نہیں کرتے۔ موہی نے جس کے حق میں وصیت کی ہو اس کے رشتہ داروں کو جاننے کے لیے اس کے قریب ترین اسلاف میں سے تلاش کرنا چاہئے۔ اور اس شخص کی اولاد جو اس طبقہ میں ہیں وہی ہوں گے جو موہی کے خیال میں بھی ہوں گے۔ اس کے برعکس اگر موہی نے یہ عبارت استعمال کی ہو ”قریب ترین رشتے دار“ تو یہ امتیاز بالراست نسل پر لاگو ہوتا ہے۔ منشا یہ ہے کہ بیٹے کو باپ پر اور بھائی کو دادا پر فوقیت ملتی ہے۔ ان مستثنیات کے علاوہ قانون ان حالات میں بھی صفت میں کسی کو بھی کوئی ترجیح نہیں دیتا: باپ، ماں، بہن، بھائی میراث میں مساوی طور پر شریک ہیں۔ بلکہ لڑکی کے لڑکے کو بھی یک جہ سلسلہ مذکور میں پوتے پر ترجیح ہے۔

کیا شئے ترکہ میں دی جاسکتی ہے

ایک شخص کی اپنے اقربا کے حق میں میراث میں اس کے جائز وراثا شامل نہیں

ہیں ایک شخص مکان کی آمدنی اور دکان کا کرایہ ترکے میں دے سکتا ہے ایک شے کے فروخت اور اس کے بعد ثلث آمدنی مدت مقررہ تک دینے کا وہی نتیجہ ہے جیسا کہ کسی شے کے فروخت سے۔ جس کی دائمی آمدنی بقدر ۳۰ رات معینہ تک ترکے میں دی جائے اس کے مثل دیگر شے فروخت کے ہیں۔ مگر دائمی آمدنی بنا بر موصی کی مرضی کے فروخت نہیں کی جاسکتی ایک شخص اپنے وارث کو جائز طور پر ہدایت کر سکتا ہے اور وہ ادائیگی حج کرے جو کہ خود اس کا ارادہ تھا۔ ایسی صورت میں وارث کو مکہ معظمہ تک سفر کا ایک مقام سے جو شرعاً مقرر ہے صرفہ ادا کرنا چاہئے۔ بشرطیکہ متوفی نے خاص مقام شہر جہاں سے وہ شروع ہو مقرر نہ کیا ہو۔ فریضہ حج جو کہ متوفی نہ کر سکا ہو یہ قرض متوفی کے جائیداد پر ایک بار ہے۔ خواہ موصی نے وارث پر یہ صرفہ برداشت کرنے کی ذمہ داری رکھی ہو۔ یا ایک ثلث مال سے ادائیگی کی جائے۔ اس کی آخری خواہش کی تکمیل ضروری ہے۔ اگر متوفی نے اس مسئلہ پر کوئی رائے ظاہر نہ کی ہو تو وہ وارث پر یہ ذمہ داری لازم ہے۔ لازمی حج سے غفلت لا پرواہی کی تکمیل تمام جائیداد پر ہے اگرچہ بعض کے نزدیک ایک ثلث سے ہی ادا ہونا چاہئے مگر ہر صورت میں یہ ذمہ داری اس مقام سفر سے شروع ہوتی ہے جو شرعاً مقرر کیا ہے۔ کوئی شخص جو خاندان کا فرد نہ ہو بلا اس کے صریح ہدایت کے فریضہ حج ادا کر سکتا ہے۔

وارثان کو متوفی کے مقررہ کفاروں کی مالی ذمے داریوں کی ادائیگی کو پورا کرنا چاہئے جو کہ وہ بر بنائے غفلت نہ انجام دے سکا ہو۔ دوسرے کفاروں کی ادائیگی وارث اپنے پسند کے مطابق کپڑوں اور غذا کی صورت میں کر سکتا ہے۔ بلکہ ایک غلام کو بھی آزاد کر سکتا ہے کفاروں کی مثال کچھ بھی نوعیت ہو وارث ہر حالت میں اپنے صرف سے پورا کرے گا۔ اگر وارث کافی نہ ہو مساویانہ طریقہ پر متوفی کا ہی فعل سمجھا جائے گا۔ خواہ فرد خاندان کے علاوہ کسی دوسرے شخص نے بھی کفارہ انجام دیا ہے اگرچہ تعلیم۔ غذا اور کپڑوں کے لیے وہی شرائط ہیں۔ مگر غلام کو کفارہ دے کر آزاد کرانے کی یہ صورت نہیں ہے۔ متوفی کی روح کو ایصال ثواب صدقے اور دعاؤں سے حاصل ہوتا ہے جو اس کی جانب سے کی جائیں خواہ یہ اس کے ورثا کریں یا دوسرے اشخاص۔

ایک انتقال وصیتی کھینٹا یا جزوالا لاق تفسیح ہے۔ یہ منسوخ کیا جاسکتا ہے۔

(۱) زبانی مثلاً ان الفاظ کے اعلان سے ”میں اس وصیت کو منسوخ کرتا ہوں“
”میں اس کو منسوخ کرتا ہوں“۔ ”میں اس کی تفسیح کرتا ہوں“۔ یا ترک کرتا ہوں“ اور
”دہشتے جو میں نے صدقہ کی ہے میرے وارث کو ملے گی۔“

(۲) متروک شے کو بذریعہ بیع منتقل کرنے سے یا غلام کو آزاد کرنے سے یا
شادی یا بیہ سے منکول کرنے سے موخر الذکر دونوں صورتوں میں یا موہوب الہیم کو قبضہ
قرض خواہ کو قرضہ نہ ملنے سے۔

(۳) وہ بار جو کہ موخر الذکر وصیت ہے کسی وارث پر رکھا گیا ہو تاکہ متروک
شے جس طرح چاہیں ۲ کے حوالے سے منتقل کرے۔

(۴) شے مشترکہ کے فروخت کا حکم دیگر خواہ نامی کی صورت میں ہو۔ یا
دوسری اشیا کو شے متروکہ کے ساتھ ملانے سے اگر مخصوص گیبوں ترکے میں دیا گیا ہے یا
دوسرے گیبوں سے ملایا گیا ہے۔ تو یہی امر دوسرے امر کے لیے کافی ہے۔ خواہ گیبوں اس
میں شامل کیا گیا ہو۔ خواہ مساوی یا کم قسم کا ہو اس کو پہلے سے ملانے سے ترک منسوخ نہیں
ہوتا مگر دیگر صورتوں میں بھی ترک تفسیح ہوتا ہے۔

ترکہ درج ذیل صورتوں میں منسوخ ہو جاتا ہے۔

متروکہ گیبوں کے پسوانے سے یا کسی کے کھیت میں بونے سے متروکہ
آنے کی روٹی پکوانے سے یا متروکہ روٹی کے دھوانے سے یا متروکہ دو امور والوں
کو ترکہ دینے سے یا متروکہ نکلنے کی قیص بنوانے سے یا متروکہ زمین میں درخت
لگوانے سے۔

وصی

آنحضرت صلعم نے تکمیل وصایا کے لیے وصیتی وصی کے تقرر کا طریقہ مقرر
فرمایا ہے کہ وصی کے قرضوں کی ادائیگی کی ذمہ داری لیں اور اس کی آخری وصایا کی

تکمیل کریں۔ اس کے بچوں کی نگرانی کریں۔

ایک مسلمان، صاحب فہم آزاد اور بے لوث اس ذمے داری کا اہل ہونا چاہئے
ایک غیر مسلم جو ایک مسلمان فرماں روا کی رعایا ہو اس کو بھی اس کا ہم مذہب وصی مقرر
کر سکتا ہے نابینا ہونا نااہلیت کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

ایک ماں اپنے بچوں کی ولیہ مقرر ہو سکتی ہے

قانون کا یہ منشا نہیں ہے کہ وصی محض ذکور سے ہو بلکہ نابالغ بچے کی ماں
دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ اہل سمجھی گئی ہے۔

ایک وصی بوجہ بد اطوارگی علاحدہ کیا جاسکتا ہے۔ اور یہی اصول قاضی پر بھی
منطبق ہوتا ہے مگر فرماں روا پر نہیں ہوتا۔

اختراجمی منصب وصی

وصی کے تقرر کرنے کا حق اور قرضوں کی ادائیگی کی ذمہ داری اور موصی کی
آخری خواہشوں کی تکمیل اس دور کے تمام مسلمانوں پر ہے جو کہ فہم رکھتے ہوں اور آزاد
ہوں لیکن وصی پر چھوٹے بچوں کی ولایت کی ذمہ داری تفویض کرنا محض اس شخص کی
ذمہ داری ہے جو کہ ان کا جائز ولی ہے۔

ایک وصی اپنے موت پر کسی شخص کو اس کی جگہ مقرر نہیں کر سکتا۔ تا وقتیکہ
یہ اختیار اس کو اولاد موصی نے نہ دیا ہو ایک کے بعد دو وصیتوں کی نامزدگی کوئی مانع نہیں
ہے وہ ان الفاظ میں ہو سکتی ہے کہ میں میراث وصیتی اس وقت تک کے لیے مقرر کرتا
ہوں جب تک میراث کا بالغ نہ ہو جائے یا جب تک زید نے نہ نکالے یا اس کے بعد میراث
لڑکا یا زید اس وصیت کی تکمیل کرے گا۔ اس کے برعکس ایک وصیتی وصی کو بچوں کا ولی
اس کے دادا یا قدرتی ولی کی موجودگی میں (اگر وہ اہل ہوں) مقرر نہیں کیا جاسکتا۔

وصی کو یہ اختیار دیا جانا ممنوع ہے۔ اس کے لڑکے کی شادی کا معاہدہ اس کے
نابالغی میں یا متوفی کی لڑکی کی نمائندگی اس قسم کے معاہدہ میں کرے۔ وہ الفاظ جن سے
وصی مقرر کیا جاتا ہے درج ذیل ہیں۔

”میں تمہیں وصی مقرر کرتا ہوں“۔ میرے معاملات تمہیں تفویض کرتا

ہوں لیکن کوئی معلق شرط اس کے منافع میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے مزید ذمہ داری جو وصی پر رکھی جا رہی ہے واضح کر دینا چاہئے۔ اگر ان الفاظ میں نہیں کیا گیا کہ میں اپنا وصی مقرر کرتا ہوں تو یہ باطل ہے۔

ایک وصی کی نامزدگی پر ذمہ داری کی قبول کرنے سے قبل بے معنی ہے۔ اور یہ قبولیت وصی کی عین حیات میں ہونا چاہئے۔

اگر وصی نے دو وصیان مقرر کئے ہوں اور ان میں سے کوئی دوسرے کی مدد بغیر کام ہوا وقت تک ان کو باضابطہ اختیار نہ دیا گیا ہو کام نہیں کر سکتا۔ وصی کسی وقت بھی نامزدگی منسوخ کر سکتا ہے اور وصی اگر مناسب سمجھے تو قبول کرنے کے بعد ایک بھی ترک کر سکتا ہے۔

ایک بچے کے بلوغ حاصل کرنے پر ایک وصی جس پر اس کی ولایت کی ذمہ داری ہے تو اسے دوران تولیت کا حساب دینا چاہئے۔ اور اختلاف کی صورت میں قانون اگر نابالغ کے گزارہ کا سوال ہے تو وصی کے موافق قیاس کرتا ہے۔ اس کے برعکس قانون موخر الذکر کے موافق میں قیاس کرتا ہے اگر نزاع کسی بھی رقم کے معاملات میں ہو جس کا حساب وصی رکھتا تھا اس کے بالغ اپنے زیر ولایت کو بالغ ہونے کے بعد دے دیا۔

باب ۲۸۔ قانون شفعہ

فصل اوّل: عام باتیں

لفظ شفعہ کے معنی

حق شفعہ سے منشا ایسا حق ہے کہ کوئی شخص دوسرے کو فروخت ہونے والی جائیداد کے مساوی طے شدہ مساوی قیمت دے کر وہ جائیداد خریدے۔
 شرعاً اس کا منشا اصول مصلحت و خواہش کی بنا پر ہے کہ شریک حصص ولدان اور پڑوسیوں میں اجنبی اور غیر شخص کو داخل نہ ہونے دیا جائے۔ جن سے ان کو دقت اور پریشانی ہو۔

سنی، حنفی قانون شفعہ ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت کے ساتھ ہی رائج ہوا۔ بعض مقامات پر یہ عام مقامی قوانین کا ناگزیر جزو بن چکا ہے۔ مثلاً بہار اور پنجاب کے کچھ حصوں اور ریاستہائے متحدہ (یوپی) میں ہندو اور مسلمان دونوں حق شفعہ سے مستفید ہوتے ہیں۔ اور یہ حق اتنا مستحکم ہے کہ مواضع کے انتظامی کاغذات الموسوم واجب العرض میں قریب قریب ہمیشہ کم و بیش تفصیل سے درج ہوتا ہے۔ دوسرے صوبوں میں یہ حق رواج پر مبنی ہے عام طور پر زرین بنگال میں یہ حق مسلمانوں تک محدود ہے لیکن بعض مقامات پر ہندو اور عیسائی بھی حق شفعہ استعمال کرتے ہیں۔

حنفی قانون

یہ حق جائیداد غیر منقولہ پر خواہ مشترکاً ہو یا علاحدہ خواہ قابل تقسیم ہو یا نہیں لاگو ہوتا ہے۔ اور اس وقت موثر ہوتا ہے جب کہ جائیداد جس پر کہ حق عائد ہوتا ہے بر بنائے بدل منتقل کی جائے۔

ایک شخص جو حق شفعہ کا مستحق ہو ضروری ہے کہ وہ جائیداد کہ جس پر وہ حق شفعہ طلب کرتا ہے اس کی ملکیت ہونا چاہئے۔ لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ اصلادہ اس

کے قبضے میں ہو۔ پس کرایہ دار ہو یا مرتبہ یا بیٹائی دار کسی بھی مسلمہ قانونی وجہ کی بنا پر حق شفیع طلب کرنے کے مستحق نہیں ہیں۔

ایک بندہ بیود جو کہ شخص گزارہ کے لیے حقیقت میں حیاتی کی مالک ہے۔ اگر زمین پر قابض نہ ہو تب بھی پوری حقیقت پر حاوی ہے اور اسے بر بنائے قبضہ حق شفیع حاصل ہے کہ بیچ والی معاہدہ مکرر خرید کا حق نہیں بلکہ ہے یہ حق قائم مقامی جن کی رو سے سے شفیع کے تمام قانون ملکھتات (حقوق) خریدار کے مانند بوجہ بیع حقوق مالکانہ حاصل کرتا ہے پس یہ حق (شفیع) اس جائیداد پر حاصل نہیں ہوتا۔

جائیداد جس کی نسبت یہ حق قابل نفاذ ہوتا ہے

بر بنائے ورثہ ہو یا بے بلا بدل ہو، بطور ترک منتقل ہو تو یہ حق جائیداد کی بابت ہوتا ہے نہ کہ دوسرے کو کنالٹ پر دیے جانے کے لیے بطور ان خدمت کے لیے نہیں ہے جو کہ کئی یا کئی جانے والی ہو۔ اور نہ معاوضہ نہ مہر کے عوض ہوتا ہے بالفاظ دیگر جب کہ عورت اپنے خاوند کو معاوضہ کے بدل کے طور پر جائیداد منتقل کرے یا خاوند شادی کے بدل کے طور پر جائیداد کو دے تو اس پر کوئی حق شفیع عائد نہیں ہوتا۔ اسی طرح جب کوئی شخص بیوی سے بلا مہر طے کئے شادی کرنے کے بعد جائیداد بطور مہر منتقل کرے تو کوئی حق شفیع عائد نہیں ہوتا۔

اسی طرح اگر جائیدادیں مہر کی بیٹائی میں منتقل کی جائے تب بھی کوئی حق شفیع واجب نہیں ہوتا۔

اگر کوئی مکان کسی تیسرے شخص کو اس غرض سے فروخت کیا جائے کہ اس کی قیمت سے بیوی کا حق دین ادا ہو سکے تو حق شفیع واجب ہوتا ہے۔

ان قواعد کی وجہ سے خود ظاہر ہے کہ جو جائیداد بیوی شوہر کو منتقل کرتی ہے یا اس کے برعکس (شوہر بیوی کو منتقل کرتا ہے) ایسی صورت میں کوئی غیر مشترک حصہ دار ان یا پڑوسیوں میں داخل نہیں ہوتا۔

نہ دانگی اجاروں خواہ کرایہ کتنا ہی قلیل ہو حق لاگو ہوتا ہے اور نہ ان صورتوں میں جب کہ حسب شرع فی الاصل واقعی بیع نہ ہو۔

واقعات جن سے کہ حق شفیع پیدا ہوتا ہے

حق شفیع اس جائیداد کی بابت نافذ ہوتا ہے جو دوسرے کو برنبایے معاہدہ منتقل کیجائے۔ مثلاً کوئی مدنا علیہ کسی مقدمے میں جائیداد سپرد کرنے کا معاہدہ کرے یا مدعی کے انکار کے بعد اسے مکان سپرد کرے یا اس کے دعویٰ سے انکار کے بعد مکرر اقرار کرے۔ ان تمام حالات میں حق شفیع واجب ہو گا۔ یہ ایسی کل جائیداد پر بھی نافذ ہوتا ہے جو ہبہ بالشرائط العوض منتقل کی جائے۔ اس لئے کہ جب منتقل الیہ کوئی بدل ادا کرتا ہے تو اصلاً یہ ہبہ بالشرائط عوض بیع ہے۔ لیکن جب تک عوض منتقل نہیں ہوتا حق شفیع حاصل نہیں ہوتا۔

حق شفیع کب پیدا ہوتا ہے

حق شفیع محض اس وقت پیدا ہوتا ہے جب کہ جائیداد کو بیچ والے سے بیع کرنے کا معاہدہ مکمل ہو جائے۔ پس جب کوئی جائیداد بالشرط بیع اختیار کی جائے تب بھی حق شفیع پیدا نہیں ہوتا اس لئے کہ بیچ والے کے حق جائیداد کے سکوت پر کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی اور حق شفیع جیسا کہ بتایا گیا بیچ والے (بائع) حق جائیداد کے سکوت پر منحصر ہے۔ نہ حق شفیع اس انتقال جائیداد پر لاگو ہوتا ہے جو ناجائز بیع کی بنا پر ہو اس لئے کہ منتقل کنندہ کو ایسے انتظام کی صورت میں بچنے تمام حقوق تا وقتیکہ وہ خریدار کو جائیداد پر قبضہ دے حاصل رہتے ہیں وہ خود ملحقہ جائیداد پر حق شفیع استعمال کر سکتا ہے

پس حق شفیع اس جائیداد پر جو بوجہ نیلام (خواہ نیلام کے قبل یا بعد) خریدار نے قبضہ حاصل کر لیا ہو عائد نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ قبل از قبضہ مکان بیچ والے کا ہوتا ہے۔ اور اس پر حق ساقط نہیں ہوتا۔ بعد قبضہ بھی سودا منسوخ ہونے کا امکان رہتا ہے۔ اس لئے کہ بصورت ناجوازی منسوخی بیع کی قانون اجازت دیتا ہے۔

لیکن بیچ والے کا جائیداد منتقلہ میں جو ناجائز بیع کی بنا پر فرخت کی گئی ہو، حق ساقط ہو جائے تو وہ حق خرید کرنے والے میں تفویض ہو جاتا ہے اور وہ حق شفیع کے استعمال کا مستحق ہوتا ہے۔

حق شفیع اس وقت حاصل ہوتا ہے جب منتقل کنندہ کا حق ملکیت اور مفاد مستقلاً منتقل ہو گیا ہو۔ ترکہ جب محض بیع اور انتقال کا معاہدہ ہو یا جبکہ انتقال محض فرضی ہو یا جیسا

کہ بتایا گیا بیع ناجائز ہو، یہ سوال کہ آیا یہ سودا بمنزلہ مکمل انتقال کے ہے۔ مسلم قانون نہ کہ قانون انتقال جائیداد کی بنا پر طے پائے گا۔ پس اصول بالا سے یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ جائیداد جو دائماً اجارے پر دی جائے یا رہن بالشرط بیع کی جائے تا وقتیکہ حق انفکاک رہن سے ساقط نہ ہو اس پر کوئی حق شفیع پیدا نہیں ہوتا۔

حق شفیع کا حق کب پیدا ہوتا ہے

جب کوئی شریک جائیداد کسی جائیداد میں اپنا حصہ رہن کرتا ہے تو دوسرے حصے داران میں سے کسی کو بھی تا وقتیکہ حق انفکاک ساقط ہو جائے حق شفیع حاصل نہیں ہوتا اور جب منتقل کنندہ اپنی جائیداد کا قبضہ دیکر بدل بھی ادا کر دیتا ہے۔ خواہ بیع تامہ تحریر نہ ہو مگر حق شفیع کے سلسلہ میں مسلم قانون لاگو ہوگا۔

ترک حق شفیع

بوقت بیع اگر ترک حق شفیع پر رضامند ہو جائے تو یہ حق ترک ہو جاتا ہے۔ مثلاً اگر وہ خود خریدے یا خریدنے والے سے جائیداد کو اپنے طور پر لینے کو تیار ہو جائے تو حق شفیع یہ بمنزلہ ترک حق دفاع ہے۔ بالفاظ دیگر مدعی حق شفیع کا دعویٰ صریحاً یا کنایتاً ترک یا تجاوز سکتا ہے اور ایک بار ترک پر اس کا اعادہ نہیں کیا جاسکتا۔ بیع کا علم ہونے کے باوجود اس پر رضامندی بمنزلہ ترک حق شفیع ہے۔ پس جبکہ مدعی نے دعویٰ حق شفیع بہ ظاہر کیا کہ رقم مندرجہ بیع نامہ واقعی رقم بیع سے کم تھی اور اس کی اطلاع باوجود بیع نامہ کے سودے کی وقتیت کے بیچوال کو دیدی گئی ہو۔ اور اس کو یہ بتایا کہ حق شفیع کے باوجود رقم مندرجہ بیع نامہ اس نے لینے سے انکار کر دیا اس لئے کہ جو بیچوال اور خریدار میں طے ہوئی تھی یہ صحیح نہ تھا۔ پس یہ طے کیا گیا اس نے اپنا حق ترک کر دیا تھا اس لئے کہ مدعی کا فرض تھا کہ بجائے خاموش رہنے کے بیچوال کو مناسب وقت میں قیمت بیع پر خریدنے کے ارادہ کی اطلاع دینا تھی مگر ایسا نہ کرنے سے نتیجہ یہی ہے کہ بیچوال نے تکمیل بیع میں خریدار کی تائید کی اور اسے سودے پر رضامندی کیا ہے۔

یہ امر واقعہ ہے کہ بیچوال سے جائیداد کی قیمت بیع ادا کرنے کا اقرار مخلص مقدمہ بازی سے بچنے کے لیے ہے۔ یہ رضامندی و ترک کے تعریف میں نہیں آتا اسی طرح اگر

کوئی شفع بھی خریدار کے ساتھ معاہدہ کر کے جائیداد زیر شفع سے استفادہ کرنا چاہتا ہے تو اسے کبھی نہ یہ سمجھا جائے گا کہ اس نے بیع پر رضامند ہو کر حق شفع ترک کر دیا تھا۔ اگر ایک بار تکمیل معاہدہ کی بنا پر حق تفویض کر دیا جائے تو بیچوال اور خریدار میں تفسیح معاہدہ یا معاہدہ میں کسی نقص کے معلوم ہونے پر حق تفسیح کے استعمال سے شفع کا یہ حق زائل نہ ہو گا وہ خریدار کی معینہ قیمت ادا کر کے جائیداد حاصل کرے۔

وجہ یہ کہ شفع خریدار نہ بیچوال کے معاہدہ تفسیح میں شریک تھا اور نہ وہ خریدار کے معاہدہ تفسیح سے متاثر ہو سکتا ہے۔ اس لئے کہ خریدار کا جب حق شفع ایک بار قائم ہو جاتا ہے تو وہ اپنے اور نہ دوسروں کے افعال سے ضائع ہوتا ہے۔

کسی مستحق حق شفع فریق کو بوقت بیع اس کے حق (شفیعہ) سے مانع قرار دینے کے لیے اس کے کسی غیر سے خریدنے کے لیے مستند معاہدہ اور مقررہ قیمت بتانا چاہئے۔ حق شفع کا عام قانون لازمی بیعات پر جو اجرائے ڈگری سے متعلق ہوں لاگو نہیں ہوتا۔ مگر جب کہ پرائیویٹ معاہدوں کی تکمیل کے لیے عدالت دیوانی کے احکام کے مطابق بیع کرتا ہے تو وہ اشخاص جن کو حقوق شفعہ حاصل ہوتے ہیں وہ محروم نہیں ہوتے۔

فصل دوم:- اشخاص متعلق حق شفع

اس ملک میں سنی حنفی قانون متعلقہ حق شفع حدود ارضی پر یار و اج کی بنا پر نافذ ہے۔ حنفی قانون کے مطابق تین قسم کے اشخاص حق شفع مطالبہ کے یکے بعد دیگرے مستحق ہیں نہ کہ ایک ساتھ۔ یہ حق مساوی طور پر ایک سے زیادہ اشخاص طلب کر سکتے ہیں وہ حق اس طرح ہے۔

(۱) شریک حصہ داران جائیداد جو شفع شریک کہلاتے ہیں یعنی شفع پر بنائے حق مشترکہ وراثت۔

(۲) حقوق اور ملکات میں حصے دار الموسوم شفع خلیفہ یعنی ایک جائیداد فروخت شدہ میں بر بنائے حق آسائش شریک۔

ایک شفع جو جائیداد مبیعہ کا حق آسائش کی بنا پر مستحق ہو بالفاظ دیگر وہ اشخاص جس میں جائیداد زیر بیع پر حق آسائش حاصل ہو، عربی فقہا کی زبان میں ”ملحقہ میں حصہ

دار“ اس کے بعد حق شفیع میں حصص کے مستحق ہوتے ہیں۔

(۳) وہ شخص جس کی جائیداد مبیعہ جائیداد سے متصل ہو وہ اصطلاحاً شفیع جا کہلاتا ہے یعنی شیعہ بر بنائے ہم سائیگی۔

شفیع شریک کا شفیع خلیط کے مقابلے میں زیادہ قوی حق ہوتا ہے اس لئے مؤخر الذکر (شفیع خلیط) کا شفیع بار کے مقابلے میں ترجیحی حق ہوتا ہے۔ یہ الفاظ دیگر ایسا شخص جس کا جائیداد میں واقعی حق ہو اس کا اس شخص کے مقابلے میں حق قوی ہوتا ہے جس کا جائیداد پر شخص حق آسائش ہو۔ اسی طرح ایسا شخص جس کو حق ہم سائیگی یا قربت حاصل ہو وہ جائیداد مبیعہ کا حق آسائش رکھنے والے کے مقابلے میں کمتر حق رکھتا ہے۔

شفیع خلیط

بمقدمہ فریب اللہ خان بنام کبلعلل میسر۔

عدالت عالیہ کلکتے نے لفظ شریک کی اس طرح وضاحت کی ہے۔ ”اصطلاح شریک“ شخص ان معاملات تک ہی محدود نہیں ہے جن میں کہ شرکا کو مشترکاً جائیداد ہا کا استعمال کرتے ہیں۔ شرعاً جو ایک ہی عمارت کے دوسرے مکانات پر بھی قابض ہوں اس شخص کے لئے دار خیال کئے جائیں گے۔ جس کے مکان کے بیع کی بنا پر حق شفیع پیدا ہوا۔ ایک شریک حصہ دار کو بڑی ہتھوں میں حق شفیع حاصل ہوتا ہے مگر ایک پڑوسی کا حق شفیع کہیں زیادہ محدود ہوتا ہے۔

بمقدمہ چاند خان بنام نعمت خان ایک قطعہ آراضی کے مالک نے جس کی زمین میں ہو کر حق آبپاشی اس کے مالک زمین کو حاصل ہوتا تھا۔ اس کا اصولاً صحیح طور پر محض ایک پڑوسی کے مقابلے میں خریدنے کا حق دیا گیا۔ بالفاظ دیگر مالک ہتھ غالب ملکیت تانبہ پر حق شفیع کا مستحق ہے۔ ایسا ہی اس کے برعکس اس شخص پر اس کو ترجیح ہو گی جو بر بنائے ہم سائیگی مطالبہ کرتا ہے۔

بمقدمہ رام چندر داس بنام جنگل داس عدالت عالیہ بمبئی نے یہ طے کیا کہ حق پتہ ملاقات جائیداد میں شامل نہیں ہے۔ یہ محض پڑوسی کا لازمہ ہے۔ پس جب A کا مکان متنازعہ مکان سے جانب مشرق ملا ہوا ہے۔ اور B کا مکان متنازعہ مکان سے جانب جنوب ملا

ہوا ہے جو محض ایک دیوار سے علیحدہ ہے تو B کا مکان متنازعہ مکان کے تابع حق آسائش (پشتہ) تھا۔ A کا مکان متنازعہ مکان کی چھت سے بارش کا پانی گرنے سے اس کے نفاذ کے حق آسائش کے تابع تھا۔ اس نے A بحیثیت مالک ملکیت تابع مکانات متنازعہ کے ملحقات میں شریک تھا۔ اس لئے مکانات متنازعہ کی خرید کا B کے مقابلے میں جو محض ایک پڑوسی تھا A کو حق ترجیح حاصل تھا۔

ایک جائیداد میں کسی حصہ کا مشترک مالک کو جس طرح کسی خاص کمرے میں یا پانی کے حوض یا کسی کھیت میں پانی کے بند کا حصے دار کے حق کو زیادہ ترجیح ہے۔ اس شخص کے مقابلے میں جس کی جائیداد کمرے یا بند یا تالاب کے قریب ہو زیادہ حق ترجیح حاصل ہوتا ہے اس شخص سے افضل ہوتا ہے جو کہ تمام جائیداد کا محض پڑوسی ہے ایسی کوئی عمارت ایک خانگی گلی میں واقعہ ہو اور جس میں بہت سے مکانات ہوں اور ان مکانات میں سے ایک مکان کے دو شخص مالک ہوں۔ ان میں سے ایک اپنا کسی دیگر بیرونی شخص کو فروخت کر دے تو حق شفیع اولاً اس کے مکان کے بیچوال شریک حصے دار کو پہنچتا ہے۔ اور اس کے بعد عمارت کے دوسرے حصے دار ان کو اور اس کے بعد ان لوگوں کو جو گلی میں رہتے ہوں۔ اس ذیل میں سب برابر ہیں اگر سب اپنا حق ترک کر دیں تو پھر بلا حق یا قریبی پڑوسیوں کو جن سے عمارت کی پشت پر رہنے والے مراد ہیں۔ اور جن کے مکان کا دروازہ دوسری گلی میں کھلتا ہے۔

حق شفیع ہم سائیگی کی بنا پر

ایک مکان جو گلی میں واقع ہے جس کے دو مالک ہوں اور اس کا کوئی راستہ عام ہو۔ اگر ان حصہ داروں میں سے ایک کسی بیرونی شخص کو فروخت کرے تو حق شفیع اولاً مکان کے حصے دار کو پہنچے گا۔ اس کے بعد دیوار کے حصے دار کو اور با بعد مساویانہ طور پر گلی میں رہنے والوں کو اس کے بعد اس شخص کو پہنچے گا جس کا مکان زیر فروخت مکان کی پشت پر ہے ایسا شخص جس کے مکان کا راستہ فروختی جائیداد پر ہو کر گزرتا ہے اس کا حق اس شخص کے مقابلے میں جس کو پانی کا حق نفاذ حاصل ہے ترجیح ہے۔

پس ایک قطعہ آراضی ایسے شخص کو جسے راستہ پر حق ہے فروخت کر دیا

جائے۔ اور دوسرا قطعہ آراضی ایک ایسے شخص کو جسے اپنے مکان کے پانی کے اخراج کا اس پر حق حاصل ہے تو اول الذکر کا حق زیادہ قوی ہے۔ پڑوسیوں کے درمیان جائیداد متمازہ سے قریب قابل ترجیح ہے۔ مثلاً ایک شخص جو کہ قریب تر رہتا ہے اس کو دور والے پر ترجیح ہوگی۔ اگر کوئی مکان اندھسی گلی میں جو ایک کنارے پر بند ہے۔ واقع ہے اور دوسری اندھسی گلی سے ہو کر (جو کہ کچھ بڑی ہے) اس کا راستہ ہو اور وہ بکنے والا ہو تو شخص چھوٹی گلی کے رہنے والے اس پر حق شفع کے مستحق ہیں لیکن اگر بکنے والا مکان بڑی گلی میں واقع ہے تو دونوں اس کے مستحق ہیں ہدایہ میں اس کی یہ وجہ بتائی گئی ہے۔

ایک چھوٹی گلی میں حق آمد و رفت میں صرف اس کے رہنے والے شریک ہیں مگر بڑی گلی میں دونوں گلیوں میں رہنے والوں کا حق مساویانہ ہے اور پس ہر دو گلیوں کے ساکنان بر بنائے حق شفع مکان کے مستحق ہیں۔

ایک شفع کا حق ترک کر دینا

اگر کوئی شخص جس کو ترجیحاً حق حاصل ہے اپنا حق ترک کر دے تو بالترتیب دوسرا شخص حق کا مستحق ہوگا۔ مثلاً شفع شریک اپنا حق شفع ترک کر دے تو یہ قابض حقیقت غالب پر منتقل ہوگا۔ اور اگر وہ بھی اپنا حق ترک کر دے تو یہ حق پڑوسی پر منتقل ہوگا شفع جار ایسا شخص جس کا مکان فروخت ہونے والے مکان کی پشت پر ہے تو اس کو دوسرے پڑوسیوں کے مقابلے میں حق ترجیحی حاصل ہوتا ہے۔ وجہ یہ کہ اس کا مکان بیچے جانے والے مکان کے سکونتی حصوں سے قریب ہے لیکن اگر فروخت ہونے والا مکان کافی بڑا ہے اور اس میں کئی رہائشی حصے ہوں تو اس شخص کو حق شفع حاصل ہوگا جو اس مکان کے مانتی حصے میں بلا لحاظ اس امر کے وہ کس حصہ میں سکونت رکھتا ہے رہتا ہو۔ اسی طرح یہ اصول اس وقت لاگو ہوگا جب مکان کے حدود کا کچھ حصہ فروخت ہو جائے۔ اس لئے کہ اگر مکان بڑا ہو اور اس کے رہائشی حصے فروخت کر دئے جائیں تو مکان کی قریت پر اصرار بے جا ہوگا۔

پڑوسیوں کا حق شفع

جب دو شخصوں کی ملکیت کا مکان بجائے شاہراہ کسی گلی میں واقع ہو اور ان میں

سے ایک اپنا حصہ فروخت کرے تو اولاً حق شفیع مکان کے دوسرے حصہ دار کا ہوگا۔ اگر وہ اپنا حق ترک کر دے تو گلی کے رہنے والوں کو حق مساویانہ بلا اس امتیاز کے کوئی پڑوسی ہے پڑوس میں رہتا ہے اور کون دور حاصل ہوگا۔ اس کے لیے کہ راستہ میں وہ سب خلیط ہیں۔ اگر وہ تمام ہی اپنا حق ترک کر دیں تو یہ حق بلا حق ملحق پڑوسی کو پہنچے گا۔ اگر اس گلی میں ہو کر کوئی اور گلی جاتی ہو اور اس گلی سے کوئی اخراج کا راستہ نہ ہو اور اس میں کوئی مکان فروخت کیا جائے تو حق شفیع اندرونی گلی کے ساکنان کا ہوگا۔ اس کے لیے وہ بہ نسبت دوسری گلی میں رہنے والوں کے خاص طور پر ملے جلے ہیں۔ لیکن اگر بیرونی گلی کا مکان فروخت کیا جائے تو حق شفیع اندرونی اور بیرونی دونوں گلیوں کے ساکنان کو حاصل ہوگا اس لئے کہ ہر دو کا حق رہائش یکساں ہے۔

اگر گلی میں ہو کر کوئی راستہ جاتا ہے اور اس کے اندر کوئی عمارت فروخت ہوتی ہے تو سوائے پڑوسیوں کے اور کسی کو حق شفیع حاصل نہ ہوگا۔ اسی طرح راستہ عام کو جو کسی کی ذاتی جائیداد نہ ہو اور دو عمارتوں کے درمیان ہو جو راستے میں ایک دوسرے کے مقابل واقع ہوں اور ان میں سے ایک فروخت کر دی جائے تو سوائے قریب تر پڑوسی کے اور کسی کو حق شفیع نہ ملے گا۔

اگر سڑک جائیداد والی ہے تو یہی سمجھا جائے گا کہ یہ راستہ عام نہیں ہے۔ لیکن اگر کسی خاص گلی میں رہتے ہوں اور کسی بھی وقت اسے بند کرنے کا اختیار نہ ہو بالفاظ دیگر راستہ نہ ہو وہ اشخاص جو ایک جانب رہتے ہوں ان کو دوسری طرف کے حصے جائیداد پر حق شفیع نہ ہوگا۔

عدالت العالیہ الہ آباد نے اس اصول کے مطابق فیصلہ صادر کیا ہے کہ دو اشخاص شفیع خلیط یا جن کو بر بنائے استعمال مشترک حق شفیع حاصل ہو۔ مثلاً ایک سڑک کے بارے میں یہ ضروری ہے کہ ایسی سڑک ذاتی سڑک ہونا چاہئے۔ نہ کہ ایک راستہ عام۔ وہ اشخاص جو کہ راستہ عام میں حق دار ہونے کی بنا پر شفیع خلیط ہیں اور مساویانہ حقوق شفیع یوں سب کو حاصل ہیں۔ قطع نظر اس کے کہ ان میں سے ایک متصل پڑوسی ہو۔ ایسے اشخاص جو بر بنائے حق شفیع کسی جائیداد کے حق دار ہوں مگر ان میں بعض غیر حاضر ہوں تو قاضی محض حاضرین کا جائیداد میں حق تسلیم کرے گا۔ غیر حاضر اشخاص اگر بعد

میں آئیں اور اپنے حق کا ادعا کریں تو وہ بھی اپنے تناسب کے حصص کے مطابق مستحق ہوں گے۔ ایسے مقدمات میں یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ جگہ بھی فروخت کر دی جائے۔

حق شفع زراعتی ہتھیوں پر بھی حاوی ہے

یہ بھی طے شدہ ہے کہ حق شفع زراعتی ہتھیوں پر بھی لاگو ہوتا ہے۔ اور محض شہری قطعات آرائیات پر ہی لاگو نہیں ہوتا۔ اگرچہ ہندوستان کی عدالتوں نے پڑوس کی بنا پر قطعات آرائشی اور مکانات پر محدود کر دیا ہے مگر یہ حق اصلاً مشترک وراثت پر جنی ہے اور دیہات یا بڑی ہتھیوں پر بھی لاگو ہوتا ہے۔

بمقدمہ محمد محسن بنام علی عدالت عالیہ کلکتہ نے واضح طور پر یہ طے کر دیا ہے کہ حسب شرع کوئی پڑوسی ہتھیوں میں حق شفع حاصل نہیں کر سکتا مگر ایک شریک حصے دار بلاشبہ یہ حق حاصل کر سکتا ہے اور پڑوسی کے حق شفع مکانات جائیداد اور چھوٹے قطعات آرائشی تک حاصل ہوتا ہے۔

عدالت عالیہ کلکتہ نے یہ طے کیا کہ اگر ایک مسلمان کسی جائیداد کا مشترک مالک ہو اور کسی ہندو کو اپنا حصہ فروخت کرے تو اس کے شریک حصے دار ان کو اس پر حق شفع حاصل نہ ہوگا۔ اس فیصلے کی دلیل دور از کار اور کسی حد تک مبہم ہے۔ عدالت عالیہ الہ آباد نے بمقدمہ برحق اعلیٰ بنام ابوالحسن خان اس سے اختلاف کیا ہے۔ مقدمہ مذکور میں یہ طے کیا گیا کہ اسی صورت میں جب شفع اور بیچوال پر دو مسلمان خریدار غیر مسلم ہوں تو حسب احکام دفعہ ۲۴ ایکٹ ۱۸۷۶ بجناح عدالت ہادیوانی ایکٹ مسلم قانون لاگو ہوگا۔

فاضل جہان نے مزید لکھا ہے اور بہت صحیح اگرچہ عدالت ہا مطالبات فی شفع حسب شرع نافذ کرنے کی پابند نہیں ہیں یا ہم بر بنائے معدلت گستری قانون ایسے معاملات تفسیر نزاعات مابین مسلمین کے لیے نافذ کیا گیا ہے اور یہ قرین عدل نہیں ہے کہ غیر مسلم جو مسلمان کی جائیداد ہا سے متعلق شرائط اور ذمہ داریوں سے واقف ہوں ان کو محض اس لئے کہ وہ مسلم قانون کے تابع ہیں ان شرطوں اور ذمہ داریوں کی بنا پر گریز ترکہ کی اجازت دی جائے۔

ایک شفع جو کہ صرف ایک حصہ کا ہی مستحق ہے وہ تمام جائیداد کے لیے پابند نہیں ہے۔

ایک شفع جو دوسرے اشخاص کے حق شفع میں مساویانہ استحقاق کا دعویٰ ہے وہ ایسی جائیداد میں محض اپنے حصہ کے ہی حق شفع کا مستحق ہے نہ کہ تمام حصوں کا۔ نہ وہ تمام جائیداد بیعہ پر دائری دعویٰ کا پابند ہے۔ بلکہ محض اس حصہ کے لیے دعویٰ دائر کر سکتا ہے۔ جس کا وہ تبا مستحق ہے۔

جب کوئی شفع اپنے حق شفع کا اس تمام جائیداد پر (جو فروخت کر دی گئی ہو) قبضہ کا دعویٰ نہ کر کے اور محض اس حصہ کا دعویٰ دائر کر کے جو مسلم لا کے تحت فروخت کی جائے وہ جائیداد کے دوسرے حصے میں شرعاً اپنے افعال اور ترک افعال کی بنا پر پانے کا مستحق نہ ہو تو یہ طے کیا گیا کہ وہ کسی حصہ جائیداد پر جو بیعنامہ میں شامل ہو حق شفع کا مستحق نہیں ہے۔

فصل سوم:- شرائط جن پر حق شفع منحصر ہے

کسی شخص کو حق شفع کے مطالبہ کے لیے بطور شرط ما قبل دو امور کی تکمیل ضروری ہے ایسا شخص جو بر بنائے حق شفع جائیداد فروخت شدہ کے متعلق دائری دعویٰ کا مستحق ہے تو بیع کی اطلاع وصول ہوتے ہی اسے فوراً صریح الفاظ میں جائیداد پر مطالبے کر دینا چاہئے اور یہ مطالبہ ایک واضح طلب کی صورت میں ہو اس کے لیے کسی صریح اسلوب کی ضرورت نہیں ہے۔ تا وقتیکہ اپنا حق ادعا یا طلب غیر مبہم زبان میں کی جائے، اس کو طلب مواثبت یا فوری طلب کہتے ہیں۔

طلب کرنے میں شفع کی جانب سے قطعاً دیر یا تاخیر نہ ہونا چاہئے بلکہ اطلاع ملتے ہی فوراً طلب کر دینا چاہئے۔ یہ فیصل شدہ ہے کہ بیع کی اطلاع وصول ہونے کے بعد تاخیر طلب حق شفع کو منسوخ کر دیتی ہے۔ مگر یہ ضروری نہیں ہے کہ طلب گواہان کے مواجہہ میں کی جائے اوپر بتایا گیا ہے کہ جب مطالبہ صاف اور واضح طور پر کیا جائے اس کے لیے خاص اسلوب کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ اہم ہے کہ کن الفاظ میں مطالبہ

کیا جائے جب کہ الفاظ سے مطالبہ کا منشا ظاہر ہو یہ کافی ہے۔ ہدایہ کے مطابق اگر کوئی یہ کہے کہ میں نے شفع کا دعویٰ دائر کیا ہے۔ یا میں شفع کا مطالبہ کرتا ہوں یہ مناسب طریقہ ہے اس لئے کہ یہاں منشا مطالبہ اہم ہے نہ کہ طریقہ اظہار یا اسلوب۔

اسی طرح اگر کوئی یہ کہے کہ میں نے طلب کی ہے یا یہ کہ عمارت میں بر بنائے شفعہ لیتا ہوں یعنی شفعہ طلب کرتا ہوں یہ جائز ہے لیکن اگر وہ خریدار سے یہ کہے کہ میں تمہارا شفعہ ہوں تو یہ باطل ہوگا۔ اسکی وجہ ظاہر ہے محض اظہار واقعہ سے حصول حق شفعہ کی خواہش ظاہر نہیں ہوتی۔

چونکہ یہ موقع طلب گواہان کا موجود ہونا لازمی ہے اس لئے کہ ادائیگی کی شہادت ضابطہ اسما شہادت شفعہ پر مبنی ہے مگر حالت تکمیل بیع کے اور یہی ہونا چاہئے لیکن اگر طلب بیع وال اور خریدار کی گفت و شنید کے درمیان کی جائے تو کوئی فائدہ نہیں۔ دوسری شرط یہ کہ شفعہ کی ان حالات میں کم سے کم ممکن تاخیر میں گواہان کے روبرو اپنی طلب کرنی چاہئے۔ وہ یا تو جائیداد متنازعہ پر یا بیع وال کی یا خریدار کی موجودگی میں ہوا جب گواہان ہوں تاکہ وہ شہادت دے سکیں۔ اس طریقہ کار کو (رسم) طلب استشہاد سے گواہان کی طلبی بھی کہتے ہیں۔

چونکہ حق شفعہ پر نہایت سختی سے عمل ہونا چاہئے پس طلب ہا میں لوازمات قانون میں کمی کی وجہ سے دعویٰ ناجائز ہو جاتا ہے۔

طلب تکمیل کے ضابطہ کی اس لئے اہمیت ہے تاکہ اس امر کی شہادت کہ شفعہ نے اپنے حق کا ادنا کیا تھا مہیا ہو جائے۔ اور طلب اول کے بقدر ضروری تاخیر کی تکمیل ہونی چاہئے۔ طلب دوم میں غیر ضروری تاخیر مطالبہ ہی فوت ہو جاتا ہے۔ طلب میں وقت اور تاخیر کا مسئلہ امر واقعہ ہے اور مقدمہ خاص کے حالات پر منحصر ہے۔

دوسری طلب کی تکمیل کے لیے جو مشتری (خریدار) کے سامنے ہو دعویٰ کنندہ کو اپنے استحقاق کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ جائیداد متدعوئیہ پر قابض ہو طلب اشتہار کے طریقہ کی ادائیگی کے لیے شفعہ کو چاہئے کہ فروخت کنندہ (بائع) کے پاس اپنے گواہان لے جائے۔ بشرطیکہ فروخت ہونے والی جائیداد بھی اس کے قبضہ میں ہو یا خریدار کے پاس جائیداد متنازعہ کے لیے جائے۔ وہاں گواہان کی موجودگی میں اسے یہ

کہنا چاہئے فلاں شخص نے فلاں جائیداد (تفصیل جائیداد) ضروری ہے وہ بھی شفیع ہوں اور بطور شفیع میں نے مطالبہ کیا ہے۔ اور اب مکرر مطالبہ کرتا ہوں آپ لوگ گواہ رہیں۔ ہندوستان کی عدالتوں کے مطابق شفیع کو طلب کے موقع پر واضح طور پر بتادینا چاہئے کہ اس نے پہلے ہی طلب مواثبت کر لی ہے۔ یہ بھی متصل امر ہے کہ جب بعض اشخاص کسی غیر تقسیم شدہ وضع کے حصہ پر حق شفیع طلب کریں۔ اور یہ ثابت کر دیں کہ انہوں نے حق شفیع کے ارادہ کا فوراً ادعا گواہان کے سامنے اس زمینداری کی حدود میں جس کا حصہ فروخت ہوا کر دیا ہے۔ اس امر کی تائید میں کسی ثبوت نہ ہونے پر کہ طلب فی الاصل کی گئی تھی۔ تو یہ طلب شفیع شرع محمدی کے مطابق اس جائیداد کے لیے کافی شفیع تھی۔

طلب استشہاد

طلب ضابطہ کی تکمیل فروخت کنندہ فی نفسہ یا بذریعہ نمائندہ انجام دے سکتا ہے۔ یہ فیصل شدہ ہے کہ طلب استشہاد کی فی نفسہ تکمیل طلب کنندہ کی اہلیت ادائیگی طلب پر منحصر ہے جو ذریعہ خط یا پیغام رساں یا نمائندہ کی جاسکتی ہے بشرطیکہ وہ فاصلے پر ہو اور ذاتی طور پر نہ آسکے۔ بہر حال ضابطہ کی تکمیل حسب قانون ثابت ہونی چاہئے۔ لیکن ہندوستان میں فیصلوں کا رجحان اس اصول کے بارے میں یکساں نہیں ہے۔

شفیع کو وہ قیمت جو اسے خریدار نے دی ہے۔ اس کی ادائیگی کا اعلان کرنا چاہئے۔ اگر وہ متذکرہ قیمت کو اپنی قیمت نہیں سمجھتا تو جو بھی رقم دی گئی ہو اس کی ادائیگی پر اظہار رضامندی کرنا چاہئے۔ مگر یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ طلب پر ہی قیمت ادا کرے۔

وہ مقامات جہاں شفیع مبنی بر رواج ہے وہاں بھی عام طور پر شرع کے مطابق ہی عمل ہے اور جب تک یہ ثابت نہ ہو کہ رواج ادائیگی دونوں طرح ہونے کا رواج نہیں ہے تو حق شفیع طلب کرنے والے فریق کو حسب شرع تکمیل کرنا ضروری ہے۔

جب دونوں میں سے کسی بھی طلب کار رواج نہ ہو تو ایک مسلمان شفیع بھی ان تمام ضابطوں کی تکمیل کا پابند نہیں ہے۔

بعض وقت یہ بھی تسلیم کیا گیا ہے کہ طلب ”ہدایہ“ کے مطابق ہونا

چاہئے۔ مگر یہ قانون کا شائع ہونا نہیں ہے۔ طلب قانون کے مطابق ہونا چاہئے نہ کہ اس سے زیادہ۔ بطلب استشہاد کو طلب مواثبت کے شامل کر دینا چاہئے یعنی بوقت طلب مواثبت ہو۔ اگر شفیع کو بیچوال یا خریدار کی موجودگی میں یا موقع پر فوراً طلب کی تصدیق کے موقع پر تھا تو یہ ہر دو طلب کے لیے کافی ہے اور دوسری کے لیے ضرورت نہ ہوگی۔ اگر جائیداد اس قیمت پر جس کی ادائیگی کافی بعد ہوگی فروخت کی گئی ہو۔ تو شفیع اس وقت تک ادائیگی قیمت کے لیے انتظار کر کے جائیداد دے سکتا ہے۔ یا اسی وقت ادائیگی کر کے اور جائیداد کو فوراً حاصل کر سکتا ہے۔ مگر تا وقتیکہ بیچوال نے خریدار کو ادائیگی قیمت کے لیے مہلت نہ دی ہو تو شفیع کسی مہلت کا مستحق نہیں ہے۔“

شفیع حق شفیع کی بنا پر جائیداد میں ان تمام اضافوں کی قیمت کی ادائیگی کا پابند ہے جو خریدار نے کئے ہوں بشرطیکہ وہ علاحدہ نہ کئے جاسکیں اسی طرح خریدار کی جائیداد میں کچھ نقص واقع ہو تو شفیع قیمت میں کمی کا مستحق ہے۔ اگر خریدار کی وجہ سے یہ نقص واقع نہ ہو تو خریدار پوری قیمت ادا کرے گا۔

اگر کوئی مکان، مال، اسباب کے بدل میں فروخت کیا جائے تو شفیع اسباب کی مالیت پر مکان لینے کا مستحق ہوگا۔ اس لئے کہ وہ اسباب ان اشیاء میں سے ہیں جو کہ موسوم بالذات قائم ہیں۔ یا ایسی چیزیں ہیں جن کا تخمینہ یا معاوضہ روپیہ کے مساوی صورت میں ہو سکتا ہے۔ اس کے برعکس اگر کوئی شخص گہوں یا چاندی یا دوسری شے (جس کا تخمینہ ہو سکتا ہے) کے عوض اپنا مکان فروخت کرے تو شفیع اسی شے کے مساوی مالیت کے بجائے مکان لے سکتا ہے اس لئے کہ یہ بذات خود بدل کی تعریف میں آتی ہیں یعنی وہ اشیاء جو اس قسم کی مساوی مقدار کے مطابق لائق معاوضہ ہوں۔

اگر کوئی جائیداد تبدیل ہو کر خریدار کے قبضہ میں ہو تو شفیع وہ قیمت جو خریدار نے دی ہو وہ ادا کر کے جائیداد حاصل کر سکتا ہے۔ لیکن اگر جائیداد اس وقت تک بیچوال کے ہی قبضہ میں ہو تو صورت اس کے برعکس ہوگی ایسی صورت میں شفیع کو بدل ادا کرنا چاہئے۔

بیچ وال کی قیمت میں کمی

ایک بیچ وال کو خریدار کے حق میں قیمت کم کرنے سے فائدہ پہنچتا ہے۔ لیکن

اگر بیچ وال کے شفع کے ختم ہونے پر پوری قیمت خریدار کو ادا کرے تو شفع اس تخفیف قیمت سے فائدہ اندوز نہیں ہو سکتا۔

اس امتیاز کی وجہ یہ ہے کہ قیمت میں کمی اصل سوداے بیچ سے متعلق ہے اسی لئے شفع اس منافع کا مستحق ہے۔ مگر مکمل تخفیف ہووے لہذا یہ غیر متعلق ہے۔ بلکہ اس کی وجہ مابعد کی نوعیت ہے۔

اگر تکمیل معاہدہ کے بعد خریدار بیچ وال کے حق میں اضافہ قیمت جائیداد پر آمادہ ہو جائے تو اس اضافے سے شفع پر کوئی اثر نہ ہوگا۔ اس لئے کہ اس کا مطالبہ ابتدائی (اصل) معاہدہ پر مبنی ہے۔

اسی طرح اگر کسی قیمت پر کوئی جائیداد فروخت کی جائے بعد ازاں وہی خریدار از روئے معاہدہ ثانی قیمت میں اضافہ کر دے۔ اس اضافہ سے شفع پر خلاف اثر مرتب نہ ہو گا اور وہ پہلی طے شدہ قیمت پر ہی حق شفع کا مستحق ہے۔

مدت میعاد

شرعاً اس بارے میں کسی مدت کی تعیین نہیں ہے کہ ایک شفع اپنے مطالبہ کے سلسلہ میں کتنی مدت میں عدالت میں طلب خصومت یا طلب تملیک کا دعویٰ دائر کرے۔ قانون میعاد ایکٹ ۱۸۷۷ء سڈول ۲ آرٹیکل ۱۰ کے مطابق عدالت میں حق شفعہ کے لیے دائری دعویٰ کی میعاد ایک سال ہے۔ اگر اس مدت میں دعویٰ دائر نہ کیا جائے تو یہ ناقابل پیش رفت ہوگا۔

فصل چہارم:- عدالت میں کارروائی

ایسی صورت میں جب کے حق شفع کا دعویٰ رواج یا خاص معاہدے کی بنا پر ہو تو ہندوستان کی (انگریزی) عدالت ہا کا یہ طے کردہ اصول ہے کہ فروخت کنندہ اور شفع دونوں ہی مسلم لا کے اختیار سماعت کے تحت عدالت العالیہ کلکتے نے ایک مزید شرط اور عائد کی ہے کہ خریدار مسلمان ہونا چاہئے اس طرح تمام اصول ہی بے معنی ہو جاتا ہے۔ اس کے برعکس عدالت العالیہ الہ آباد نے یہ طے کیا ہے کہ جو بالکل صحیح ہے کہ حق

شفیع کے مطالبہ کے لیے خریدار کا مسلمان ہونا ضروری نہیں ہے۔

پہلے بتایا جا چکا ہے کہ عدالت مذکورہ کی رائے میں یہ قرین قیاس نہ ہو گا کہ ایسے غیر مسلموں کو جن کا جائیداد کے سلسلہ میں مسلمانوں سے معاملہ ہو۔ ان کو شخص اتی بنا پر کہ وہ مسلم قانون کے تابع نہ ہوں۔ ان کی جائیداد کے متعلق شرائط اور موثرات سے گریز کی اجازت دیدی جائے۔ ایک ہی زمرہ کے بہت سے مستحق شفیع اشخاص بلا لحاظ حدود شخص و حقوق یکساں مستحق ہیں۔ یعنی A.B.C. اگر کسی جائیداد میں شریک حصہ دار ہیں۔ A کا حصہ ۳ اور B کا نصف اور C کا ۶ ہے اور A اپنے حصہ B کو فروخت کرتا ہے تو B اور C مساویانہ حصہ کے مستحق ہوں گے۔

عدالت عالیہ کلکتہ کے اجلاس کامل نے طے کیا کہ جب کوئی شریک حصہ خود دوسرے شریک حصے دار کو منتقل کرتا ہے تو کسی بھی شریک حصہ دار کو حق شفیع حاصل نہیں ہوتا۔ اور سب کے حقوق مساویانہ ہونے کی وجہ سے حق شفیع طلب نہیں کیا جاسکتا۔ عدالت عالیہ الہ آباد کا نظریہ اس سے مختلف ہے۔ اور اس کے فیصلہ کے مطابق جب دو سے زیادہ شریک حصہ داران ہوں اور اگر ان میں سے ایک حصہ دار خود فروخت کرتا ہے تو بعینہ شریک حصے داران فروخت شدہ حصے کو خریدار شریک حصہ دار کے ساتھ پانے کے مستحق ہوں گے۔

مثلاً اگر A.B.C.D. چار شریک حصہ دار ہیں اور A حصہ خود B اور C کو فروخت کرتا ہے تو D بھی اپنا حصہ علی الترتیب ایک ٹلٹ حصہ پانے کا مستحق ہو گا بلاشبہ یہ نظریہ مسلم فقہاء کے وضع کردہ اصولوں سے مطابق ہے۔

یہ اصول اس بنا پر قائم ہے کہ نہ صرف کسی غیر کے مقابلہ میں تمام شفیعان کے حقوق مساوی ہوتے ہیں۔ بلکہ ناہم بھی ان کے حقوق مساوی ہوتے ہیں۔ اس لئے یہ نامناسب ہو گا کہ ایک حصہ دار کو دوسروں پر ترجیح دی جائے۔ کوئی بھی شفیع اپنے مختص حصے کے بارے میں شفیع کا مطالبہ کر سکتا ہے۔ مگر دو عدالت ہا اس پر متفق ہیں کہ جب ایک شریک حصہ دار اپنے ساتھ کسی غیر کو خرید حصہ میں شامل کرے تو دوسرا شریک حصہ دار بھی تمام فروخت شدہ جائیداد پر حق شفیع کا مستحق ہے۔ مگر جہاں تک شریک حصے دار خریدار کا تعلق ہے اس کے لیے بیع پر اعتراض کرنا ضروری نہیں ہے۔

قطعہ آرائسی کا مالک اس کو زمین پر ایستادہ مکان کے حق شفع کا مستحق نہیں ہے۔ جبکہ زمین میں حق مکان کے حق میں بالکل علاحدہ اور واضح ہے۔ اور یہ مکان کسی دوسرے شخص کا ہے جس میں کوئی عذر شریک نہیں ہے۔

کوئی شفع پابند نہیں ہے کہ وہ دوران کاروائی مقدمہ مکان کی قیمت جمع یا پیش کرے تاہم یہ ضروری ہے کہ ڈگری اس کے حق میں ہو جانے پر خریدار کو قیمت ادا کرے یا عدالت میں جمع کرائے۔ شفع کو حاصل شدہ حق ادائیگی قیمت میں تاخیر سے زائل نہیں ہوتا۔ ہندوستان کی عدالت ہا کا معمول ہے وہ ادائیگی قیمت کے لیے تعین وقت کرتی ہیں بصورت دیگر حق ساقط ہو جاتا ہے۔ ڈگری بحق شفع صادر ہونے پر بھی خریدار جائیداد قبضہ خود رکھ سکتا ہے تا وقتیکہ اس کو قیمت ادا نہ کیا جائے۔

اس ڈگری کا نتیجہ جس کے ذریعہ اس کا حق قرار دیا گیا ہو

جب کسی خاص جائیداد میں دو یا زیادہ اشخاص حق شفع کے مستحق ہوں تو ان میں سے ہر ایک کل جائیداد کا مطالبہ کر سکتا ہے۔ اگر ڈگری دو کے حق میں صادر ہونے پر اور ان میں ایک اپنا حق ترک کر دے یا بلا ڈگری بھی ہر دو شفیعیان میں سے ایک جائیداد پر حصول قبضہ کے بعد اپنا حصہ ترک کر دے تو دوسرا شفع ترک شدہ حصہ کا مستحق نہیں ہوتا۔ بالفاظ دیگر اگر خریدار کا حق شفع کو قبضہ دہانی سے ہو یا حج کی ڈگری صادر ہونے سے متاثر ہو گیا ہو تو شفیعیان میں سے ہر ایک تمام جائیداد پر حق شفع کا مستحق ہے اور ایک کے ترک فعل سے دوسرے کو تمام حق تفویض ہوتا ہے۔

مندرجہ بالا کے مطابق حق شفع موثر ہونے پر ہر ایک کا مفاد جداگانہ ہوتا ہے۔ شریک شفیعیین کو کوئی حصہ دئے بغیر اس کو خریدار کے حق میں ترک کر سکتا ہے۔ جب ایک شخص کے حق میں جو دوسری یا تیسری پشت میں حق شفع کی ڈگری صادر ہونے پر مستحق ہو۔ لیکن اگر کوئی شخص برتر مطالبے کی بنا پر اپنے حق کا ادا کرے تو موخر الذکر اول الذکر کی تنسیخ کی بنا پر ڈگری کا مستحق ہوگا۔

اختیار معائنہ

شفع کو حج کی ڈگری کے بعد بھی معائنہ کا اختیار ہے۔ ہدایہ کے مطابق اگر قاضی

جائیداد متنازعہ کے معائنہ سے پہلے ہی ڈگری صادر کر دے تب بھی شفیع کو معائنہ کا اختیار ہے۔ اگر اس میں کوئی نقص معلوم ہو تو اس نقص کی بنا پر وہ اس کو منسوخ کر سکتا ہے باوجودیکہ خریدار کو سودے میں ہی اس نقص کا اندیشہ تھا۔ بالفاظ دیگر بیچ وال کو اس نقص کی ذمہ داری سے مستثنیٰ کر دینا چاہئے تھا۔ انتقال جائیداد حق شفیع کی بنا پر مثل انتقال جائیداد منع ہے۔ پس شفیع کے مندرجہ بالا حالات میں امتیاز حق تہنیک اس طرح حاصل ہے جیسے کی انجینی یا غیر کو۔ شفیع کا یہ اختیار خریدار کے جائیداد کے معائنہ یا بیچ وال کو مستثنیٰ کر دینے سے زائل نہیں ہوتا اس لئے کہ شفیع نے خریدار کو مامور نہیں کیا تھا۔ پس اس کا فعل شفیع کے حق پر اثر انداز نہیں ہوتا۔ شفیع کا جواز اعتراض اس پر منحصر ہے کہ وہ کہاں تک واقعی ہے یا دوسرے فریقین کو محض پریشان کرتے کی غرض سے کیا گیا ہے۔

خریدار کے کئے ہوئے اضافے

اگر خریدار نے جائیداد میں کچھ اضافے کئے ہیں تو شفیع کو ان کی قیمت دی جائے یا اس کو علیحدہ کر دیا جائے۔ لیکن اگر شفیع نے زمین میں فصل بوئی ہے تو شفیع کو اس کے تیار ہونے تک انتظار کرنا چاہئے۔ بعد ازاں زمین کی پوری قیمت دے کر اس پر قبضہ حاصل کرنا چاہئے۔

انحطاط

اگر خریدار نے عمارت تعمیر کی ہے یا زمین میں پودے درخت اگائے۔ اور ڈگری محض زمین کی صادر ہوئی ہے تو شفیع کو یہ اختیار ہے کہ دونوں کی قیمت ادا کر کے عمارت اور درخت ہا پر قبضہ حاصل کرنے یا خریدار کو درخت ہا علاحدہ کرنے کے لیے مجبور کر دے۔ اگر جائیداد متنازعہ خریدار کے قبضہ میں ہو انحطاط پزیر ہے تو مدعی اس کی قیمت میں مناسب تخفیف کا مستحق ہے۔ بشرطیکہ یہ انحطاط خریدار کی وجہ سے ہو اہو۔ بصورت دیگر شفیع کو پوری قیمت ادا کرنا ضروری ہے کہ وہ مطالبہ ترک کر دے۔

اگر خریدار دیدہ و دانستہ عمارت ہا یا تعمیرات کو ضائع کر دے تو شفیع حق خود ترک کر سکتا ہے۔ اصل قیمت کے تناسب کے مطابق رقبہ آراضی حاصل کر سکتا ہے مگر اس کے ملبہ کا وہ مستحق نہیں ہے اس لئے کہ وہ علیحدہ جائیداد ہے۔ اس کے لیے حق شفیع

مخض اس زمین اور اشیاء پر محدود ہے۔ جو بطور ملکات اسی سے متصل ہیں۔

جب کہ مکان کا کوئی حصہ یا باغ کسی حادثے یا قدرتی اسباب سے ضائع ہو جائے تو شفیع کو اختیار ہے کہ اس کو ترک کر دے یا پوری قیمت دے کر خریدے مگر زمین کے سلسلہ میں معاملہ برعکس ہے اور اگر اس کا حصہ رہ جائے تو شفیع بقیہ حصے کو اس کی مناسب قیمت دے کر خرید سکتا ہے۔ اس امتیاز کی وجہ یہ ہے کہ ایک دکان یا باغ زمین کے ملکات میں سے ہیں جب کہ زمین شے اصل ہے۔ اور حق شفیع اسی سے متعلق ہے۔

اگر کوئی خریدار بعد خرید عمارتوں کو منہدم کر دے تو عمارتوں کی مالیت کے مطابق قیمتوں کو جیسے کہ استادہ حالت میں نہ ہوں تقسیم کر دینا چاہئے تو شفیع ہی لے گا۔ اگر عمارتیں جل کر یا سیلاب میں بہہ کر خریدار کے قبضے میں کچھ بھی نہ رہی ہوں تو شفیع کو یہ جگہ مناسب قیمت پر خرید لینا چاہئے بالفاظ دیگر خریدار کو اس نقصان کا انگلش قانون کے مطابق کوئی معاوضہ نہ پائے گا اس لئے کہ یہ مشیت ایزدی سے ہوا ہے۔

خریدار جائیداد سے شفیع کو تحریک پر درمیانی معاملات پر لائق تہنیک ہے کہ مثلاً اگر خریدار شے متازعہ فروخت کر دے تو جہاں تک شفیع کا تعلق ہے اس کے بعد قبضہ جائیداد یا اضافہ جائیداد پر تعمیر و درختوں وغیرہ کے لگانے سے کیا ہے۔ اگر یہ ثابت ہو خریدار یا بیچ وال کے علاوہ زمین کسی اور شخص کی تھی شفیع اصلی مالک جائیداد سے واپسی قیمت کا مستحق ہے۔ کہ جائیداد اور آراضی متازعہ پر علیحدہ کرنے کے لیے پوری طرح آزاد ہے۔ لیکن وہ کسی بھی فریق سے اضافوں کی قیمت نہیں پاسکتا۔

ترک حق

حق شفیع صریحاً یا تعمیراً ترک ہو سکتا ہے۔ اور شفیع اپنا حق شفیع بالمعاوضہ یا بلا معاوضہ ترک کر سکتا ہے۔ تعمیراً ترک ان نتائج پر منحصر ہے جو اس کے طریقہ سے استنباط کئے جائیں۔ اگر وہ بلا سبب واقعی بیع کا علم ہونے پر طلب کی تکمیل ترک کر دیتا ہے تو یہ نتیجتاً ترک حق ہے۔ اور اس سے قانون حق منسوخ ہو جاتا ہے۔ بیع پر رضامندی خواہ اصل خریدار سے بیع شدہ جائیداد کے خریدار سے مکرر خریدنے کی صورت میں ہو یا اس کو دینے یا پٹہ پر لینے کا اقرار قانوناً بمنزلہ ترک ہے جب کہ وہ بیع کے علم کے باوجود کئے جائیں مگر ان

سب افعال سے ترک اس وقت ہوتا ہے جب بیع ظلم بیع کے یادور کے لیے کیا تھا۔
 منہی قانون کے مطابق حق شفیع حق ذاتی ہے۔ جو شفیع کے ورثا کو نہیں
 پہنچتا۔ اگر وہ خود اس کے مستحق ہوں تو وہ مختلف بنا پر اس کا مطالبہ کر سکتے ہیں۔

منہی قانون

پس قانون کے موثر ہونے کی صورت میں حق شفیع باطل ہو جاتا ہے۔ اگر شفیع
 کے ضروری طلبہ ہا کے بعد مگر جائیداد متازعہ پر قبضہ کرنے یا عدالت سے ڈگری حاصل
 کرنے سے قبل خریدار کا انتقال ہو جائے تو موت سے یہ حق باطل نہیں ہوتا اس لئے کہ
 شفیع اپنے حق کا ادعا کر کے اس کے ورثہ سے حق جائیداد حاصل کر سکتا ہے۔

شیعہ اور شافعی اصول

شافعی اور شیعہوں کے مطابق حق شفیع لایق ارث حق ہے۔ جو شفیع کے ورثا پر
 منتقل ہوتا ہے۔

اگر کوئی شخص ایک ہی سودے میں کسی شخص سے ایک گلی میں کئی مکان
 خریدے اور اس میں کوئی راستہ عام نہ ہو اور شفیع ان مکانات میں سے ایک مکان خریدنا
 چاہتا ہے۔ اور اس کا حق شفیع بوجہ حق آسائش راد میں شرکت کی بنا پر ہے تو وہ خرید شدہ
 جائیداد میں کوئی حصہ نہیں لے سکتا۔ اس لئے کہ یہ سودا بلا ضرورت تقسیم ہو گا۔ اگر حق
 پڑوسی کی بنا پر ہے اور وہ اسی مکان کا جس کو لینا چاہتا ہے اس کا پڑوسی ہے تو وہ محض ایک
 مکان جائز طور پر لے سکتا ہے۔

بدایہ کے مطابق اگر خرید شدہ عمارت میں کئی حصے ہوں جداگانہ اور علاحدہ
 ہوں اور ان میں سے دو مکان ایک ہی سودے پر خریدے جائیں تو شفیع ان میں سے ایک
 کو بغیر دوسرے کے نہیں لے سکتا بشرطیکہ وہ دونوں کا ساتھ ساتھ شفیع ہے۔ اسے یا تو
 دونوں کو چھوڑنا ہو گا خواہ وہ مکان ایک دوسرے کے قریب ہوں یا علاحدہ اور خواہ وہ ایک
 یا مختلف شہروں میں واقع ہوں۔

اس اصول کے مطابق یہ طے کیا گیا جب بیع نامہ میں دو جائیدادوں کا حوالہ
 ہو تو ان میں سے ایک کے لیے ہی مدعی کو حق شفیع حاصل ہو تو وہ صرف ایک ہی کلمے لیے

دعوئی کا مستحق ہے۔

مزید برآں اس کا حق اس مخصوص سودے کے تحت متعلق تمام جائیداد پر ہو تو وہ یہ نہیں کر سکتا کہ اس جائیداد کا ایک حصہ لے اور دوسرے کو منسوخ کر دے۔ اس کو پورے سودے کی پابندی کرنا چاہئے یا تو کل لینا چاہئے یا ترک کر دینا چاہئے خواہ یہ خریداری ایک شخص نے دوسرے شخص سے دو یا دو سے زیادہ اشخاص سے کی ہو اگر یہ جائیداد کئی شخصوں نے مختص حصوں میں کئی شخصوں سے خریدی ہو تو شفیع تمام جائیداد یا ان میں سے ایک کا حصہ لے سکتا ہے اگر شخص مستحق حق شفیعہ قبل صدور ڈگری اصل جائیداد سے حق شفیعہ کو ترک کر دے تو اس کا حق ساقط ہو جاتا ہے۔

اگر شفیع کو مختلف حقوق شفیع حاصل ہوں تو ان میں سے ایک کا سکوت دوسرے پر اثر انداز نہیں ہوتا۔ اگر حصہ دار اور پڑوسی دونوں ہی حقیقت سے ہو اور وہ اپنا وہ حصہ فروخت کرتا ہو جس پر کہ اس کا حق اول الذکر حقیقت سے قائم ہے۔ تب بھی وہ اپنے حق کا ادعا اپنے پڑوسی کی بنا پر کر سکتا ہے

غلط اطلاع کی بنا پر حق سوخت ہو جاتا ہے

غلط اطلاع کی بنا پر حق شفیع سوخت ہو جاتا ہے۔ اگر رقم یا قسم قیمت یا خریداری یا فروخت شدہ جائیداد کی بابت پر غلط اطلاع ہو اور اس بنا پر حق زائل ہو جائے تو شفیع اس کی صحت کر سکتا ہے۔ مثلاً اگر قیمت ایک ہزار درہم کی اطلاع ملنے پر اس نے اپنا حق ترک کر دیا ہو۔ حالانکہ اصلاً قیمت کم تھی۔ ایسی صورت میں بیچ کا علم ہونے پر وہ اپنے حق کا ادعا کر سکتا ہے۔

ترک حق

A کے حق میں ترک حق دوسرے کے حق میں موثر نہیں ہوتا۔ مثلاً اگر شفیع A کو خریدار جانتے ہوئے اپنا حق ترک کر دے۔ مگر بعد میں معلوم ہو کہ اصل خریدار P ہے تو وہ اپنے حق کا مطالبہ کر سکتا ہے۔

اگر شفیع سودے میں بطور ایجنٹ بیچ وال کوئی کارروائی کرے تو اسے حق شفیع حاصل نہیں ہوتا لیکن اگر خریدار کی حیثیت سے کارروائی کرے تو معاملہ برعکس ہے۔

اگر کوئی تابع حق شفع کا مستحق ہو تو اس کا ولی بشرطیکہ وہ مجاز ہو تو اس کا حق ظاہر کر سکتا ہے۔

اگر ایک شفع اپنے حق کی بنا پر دعویٰ دائر کرے اور بعد میں معلوم ہو کہ اس جائیداد بنا حق حق کو قبل دائری دعویٰ دوسرے کو منتقل کر دیا تھا۔ تو اس کا دعویٰ خارج ہو جائے گا۔ دعویٰ میں کامیابی کے لیے ضروری ہے کہ اس کا حق بوقت ذکرری برقرار ہو اور حق اسی وقت زائل ہو گا جب کہ انتقال آراضی کلیتاً ہونہ کہ جزوا۔ پس ایک شفع اپنے حق شفع کو قبل از ذکرری منتقل نہیں کر سکتا خواہ بعد حدود ذکرری جائیداد متاثرہ دوسرے کو منتقل کر دے۔

وہ حق شفع جو شمالی مغربی صوبوں میں ریکارڈ بندوبست یا واجب الفرائض کی بنا پر ہو وہ تمام اعتبار سے مسلم قانون حق شفع کے مماثل نہیں ہے۔ عدالت العالیہ الہ آباد نے طے کیا ہے کہ جب کسی موشع کے کئی شریک حصہ دار ہوں۔ اور ان میں سے ہر ایک اپنا حصہ یا اپنے حصہ کا جز ایک ہی بنیاد کے تحت کسی خریدار کو فروخت کرے اگر وہ جو ایک غیر کو منتقل ہونے والا مفاد اس حصہ سے جو ایک شریک حصہ دار کو کیا گیا ہے علاحدہ ہو سکتا ہے تو باقی ماندہ شریک حصہ دار غیر کے مفاد کے دعویٰ کا مستحق ہو گا ورنہ وہ ہر دو خریدار ان کے خلاف کامیاب ہوں گے۔

چونکہ حق شفع قانون انتقال جائیداد ۴-۱۸۸۳ کے تحت حق انفکاک زمین کی بنا پر پیدا ہوتا ہے اس لئے حق شفع اجرائے ذکرری حسب دفعہ ۸۶ کے رہن کی ادائیگی کا پیدا نہیں ہوتا بلکہ اس تاریخ سے جب کہ مرتہن ایکٹ مذکور کی دفعہ ۸۳ کے تحت حکم قطعی حاصل کرتا ہے۔

حق شفع سے بچنے کے لیے قانوناً بہت سی صورتیں ہیں۔ اگر ایک شخص اپنے تمام مکان کو سوائے ایک گھر کی چوڑائی کے جو کہ شفع کے مکان کے ساتھ ساتھ ہو فروخت کرے تو حق شفع کا مستحق نہیں ہے۔ اس لئے کہ اب وہ پڑوسی نہیں رہا۔ اسی طرح بیچ وال اپنے مکان کا درمیانی حصہ بطور ہبہ خریدار کو دے کر اس پر اس کو قابض کر سکتا ہے۔

باب ۲۹۔ شیعہ قانون شفعہ

اہل تشیع اور احناف میں اس بارے میں کہ حق شفعہ کا کون مطالبہ کر سکتا ہے، بہت اختلاف ہے۔ شیعہ قانون کے مطابق جائیداد میں شریک حصے دار یعنی محض شفعہ اور شریک حق شفعہ کے مستحق ہیں۔ مگر چونکہ سنی حنفی قانون شیعہ اس ملک میں خواہ وہ فرضی حدود یا رواج کے بنا پر نافذ ہو۔ اس لئے ایک حنفی حق آسائش یا پڑوسی کی بنا پر اگر بیچوال شیعہ ہو تو حق شفعہ کا مستحق ہو گا یہی اصول اس وقت منطبق ہوتا ہے جب کہ بیچوال سنی ہو۔ تاہم عدالت عالیہ الہ آباد نے یہ طے کیا ہے کہ جب بیچ وال اور خرید دونوں سنی ہوں تو ایسا شفعہ جو شیعہ ہو محض پڑوسی ہونے کے بنا پر شفعہ کا مستحق نہیں ہے۔

اگرچہ شیعہ قانون کے مطابق جائیداد فروخت شدہ کا حصہ دار ہی حق شفعہ کی بنا پر جائیداد کا مطالبہ کر سکتا ہے مگر اسے حق شفعہ حاصل نہیں ہوتا اگر بہت سے حصہ داروں میں سے ایک اپنا حصہ فروخت کرے تو بعض قانون داں کی رائے کے مطابق کہ دو سے زیادہ حصے داروں اور ایک ان میں سے اپنا حصہ بیچتا ہے تو دوسرے حصہ داروں میں بھی حق شفعہ پیدا ہوتا ہے۔

یہ ضروری نہیں ہے کہ حق شفعہ کا مطالبہ کرنے والا (شفعہ) اصل جائیداد میں حصے دار ہو۔ جب تک اصل جائیداد میں اس کا مقام ہے ایک اجنبی کے داخل ہونے سے یا مداخلت یا زائل ہونے کا امکان ہے تو قانون ان کا حق تسلیم کرے گا۔ مثلاً اگر دو شخصوں کے دو علاحدہ مکانات ہوں۔ لیکن راستہ یا سڑک یا پانی کا راستہ مشترک قبضے کی بنا پر ایک ہی ہے تو ان میں سے ہر ایک کا دوسرے کے مکان پر حق شفعہ ہو گا۔

ایک شخص جس کا دوسرے کی جائیداد حق آسائش ہے یا محض ایک پڑوسی سے تیسرے شخص کے مقابلے میں جائیداد متنازعہ پر کوئی حق آسائش حاصل نہیں ہے یا اگر حق آسائش ہے یا قانون کے موثر ہونے کی وجہ سے اس میں تکفیل ہو گیا ہے تو خریدار

اس میں مدافعت نہیں کرے گا۔ اور حقیقت غالبہ کے مالک کو کوئی مشکل پیدا نہیں ہوگی۔ اسی طرح پڑوسی کے حق میں کوئی مشکل مسئلہ پیدا نہیں ہوتا۔

حق کون استعمال کر سکتا ہے

جب حق شفیع کا مستحق کم عمری یا فاقرا لعقل ہونے کی بنا پر اس کا اہل نہ ہو تو اس کی جانب سے ولی کو حق استعمال کرنا چاہئے۔ بشرطیکہ شخص زیر ولایت کے مفاد میں ہو۔ ولی کے عدم مطالب شخص مستحق کے حق کو ضائع نہیں کرتی اور ولی کے ترک حق کی صورت میں تو نابالغ بلوغ حاصل ہونے پر اور فاقرا لعقل صحت عقل طلب کا ادعا کر سکتا ہے۔

ایک شخص جو بوقت بیع غیر حاضر تھا۔ خواہ کتنے ہی عرصہ تک غیر حاضر رہا ہو۔ اپنے حق کا مطالبہ کر سکتا ہے۔ بشرطیکہ وہ اپنی بوجہ عدم حاضری کی خود یا بذریعہ ایجنٹ مطالبہ کرنے سے مستعد و رہا ہو۔

ایک شخص بوجہ بیماری یا بحالت مقیدی مطالبہ نہ کرنے پر غیر حاضر کی سطح پر ہی سمجھا جائے گا شیعہ قانون کے مطابق حق شفیع تکمیل معاہدہ کے بعد (نہ کہ تکمیل انتقال کے بعد) فوراً نافذ ہو جاتا ہے۔

ذخفی قانون کے مطابق ایک شفیع کو یا تو کل جائیداد لینا یا ترک کر دینا چاہئے۔ اس لئے کہ اپنے مفاد میں وہ معاہدے کے ٹکڑے نہیں کر سکتا۔ اس کو بر بنائے معاہدہ قیمت حاصل کر لینا چاہئے۔ خواہ جسے کی اصل مالیت کم ہو یا زیادہ ہو مگر دوسرے ملحقہ مصارف کا وہ ذمہ دار نہ ہوگا۔

اگر خریدار تکمیل معاہدہ اظہار مدت کے انقضاء کے بعد قیمت میں کچھ اضافہ کرتا ہے تو یہ اضافہ قیمت میں بڑھوتری نہیں ہے۔ اور شفیع اس کا دین داری نہ ہوگا۔

اگر اختیار کی مدت میں اضافہ کیا گیا ہے تو بقول شیخ یہ اصل قیمت کا جزو ہے اور یہ اسی سطح پر ہے جیسی کہ معاہدے میں شرط طے پائی تھی۔ مگر مصنف شرائع کے مطابق اس رائے میں کچھ مشکلات ہیں اس لئے کہ پہلے جیسا کہ انتقال کے بارے میں پہلے کہا جا چکا ہے یہ تکمیل معاہدے کے برعکس ہے۔

اس طرح اگر بیچوال قیمت میں کمی کرتا ہے تو یہ کمی معاہدے سے غیر متعلق ہے اور خریدار کسی طرح اس وقت تک اپنا حصہ ترک کرنے سے پابند نہیں ہے جب تک اسے معاہدہ کے مطابق طے شدہ پوری قیمت نہ مل جائے۔

اگر ایک شخص کوئی جائیداد جو اہرات یا اسی قسم کی اشیاء کے بدل میں خریدتا ہے تو شفیع جائیداد کو اسی قیمت پر جو معاہدہ میں طے پائے حاصل کر سکتا ہے۔ اس کو اس سے مناسب طریقے پر وقفیت ہونی چاہئے۔

مطالبے میں تاخیر یا تاخیر حق کو زائل نہیں کرتی

شفیع کو جوں ہی معاہدہ کی اطلاع ملے اپنا مطالبہ پیش کر دینا چاہئے۔

ایسی تاخیر یا تاخیر جو غیر حاضری یا عدالت یا اسیری کی بنا پر ہو حتیٰ کہ وہ اپنا مطالبہ ایجنٹ کے ذریعہ سے بھی پیش نہ کرے تب بھی اس کا حق زائل نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر تاخیر زر قیمت یا قسم قیمت کے متعلق غلط اطلاع کی بنا پر ہو تو حق باطل نہیں ہوتا۔

مناسب مستعدی ضروری ہے

ایسے شخص کو اپنا مطالبہ پیش کرنے کے لیے مناسب مستعدی سے کام کرنا چاہئے۔ مثلاً اگر اس غرض سے وہ سفر کر رہا ہو تو ضروری نہیں ہے سفر میں اس سے زیادہ جلدی کرے جس طرح کہ وہ سفر کا عادی ہے۔ مزید یہ کہ اگر وہ کسی مذہبی فرض کی ادائیگی میں خواہ وہ اختیاری ہو یا لازمی تو یہ ضروری نہیں ہے کہ اسے ترک کر دے مگر اس کی تکمیل تک جائز طور پر ٹھہر سکتا ہے۔ اسی طرح اگر نماز کا وقت قریب ہے تو وہ اس وقت تک انتظار کرے جب تک کہ وہ بعد وضو اطمینان اور سکون سے نماز ادا نہ کرے۔

ایک شخص بیع کی اطلاع ملنے پر جو حالت سفر میں ہو۔ یا ذریعہ تقرر ایجنٹ اگر بوجہ عدم توجہی یا عدالت گواہان کو طلب کرائے تو وسیع نیت کی تصدیق نہ کر اسکے اس کا حق ساقط نہیں ہوتا۔ اپنے حق کا بہ نسبہ یا بذریعہ تقرر ایجنٹ مطالبہ کر سکتا ہے مگر اس میں کوتاہی برتنے سے اس کا حق زائل ہو جاتا ہے اگر بیچ وال اور خریدار دونوں ہی معاہدے کو منسوخ کرنے پر آمادہ ہو جائیں تو شفیع کا حق زائل نہ ہوگا۔ اور وہ باوجود اس تین شیخ کے اسے جائیداد منتقل کرنے کا دعویٰ کر سکتا ہے۔

حقوقی قانون کے مطابق بیع پر رضامندی خواہ صریحاً ہو تعبیراً حق کو زائل کر دے گی خریدار کی جانب سے کوئی معاملہ شفع کے حق پر اثر انداز نہ ہو گا اور اگر وہ جائیداد متنازعہ کسی غیر شخص کو فروخت کرتا ہے تو اس کو لینے کا مستحق ہے۔

شفع کا حق خریدار کے مقابلہ میں ہوتا ہے اور وہ جائیداد اس سے لیتا ہے نہ کہ بیع وال سے لیکن اگر جائیداد موخر الذکر کے قبضے میں ہو تو وہ اس سے لے سکتا ہے۔ اگر چہ یہ بیع وال کی ذمہ داری ہوتی ہے۔

اگر شے مبیعہ خریدار کے کسی فعل یا عمل سے ضائع یا اس میں نقص ہو جائے لیکن یہ شفع کی طلب سے قبل ہو ایسی صورت میں یہ شفع کی صواب دید پر ہے۔ کہ یا تو جائیداد مذکورہ کو پوری قیمت پر خریدے یا بالکل ترک کر دے۔ اگر وہ خریدتا ہے تو وہ تمام طلبہ اور ناکارہ اجزا کا بھی مستحق ہو گا خواہ موقعہ پر ہو یا نیا لیا گیا ہو۔ اگر اس کے بعد جائیداد کو نقصان پہنچا ہو یا اس میں انحطاط آگیا ہو اور ایسا خریدار کے فعل سے طلب شفع کے بعد ہو تو خریدار اس کا ذمہ دار ہو گا۔

خریدار کی تعمیرات اگر خریدار نے قبل طلب زمین پر درخت لگائے ہوں یا عمارت تعمیر کی ہو تو وہ اپنی صواب دید پر اس امر کا مستحق ہے بلند زمین کو ہموار کئے ہوئے درخت لے جائے یا عمارت بنائے۔ یہ شفع کی صواب دید پر ہے کہ اسے پوری قیمت پر خریدے یا باقی اپنے حق کو کلیتاً ترک کر دے۔

مگر یہ کہ اگر خریدار درخت یا عمارت بنانے سے انکار کر دے تو شفع کے لیے تین راستے ہیں یعنی وہ خود ان کو ہٹا دے اور خریدار کو جو نقصان پہنچا ہو اس کا معاوضہ ادا کرے یا وہ کل پر قبضہ کرے اور علاوہ درختوں اور عمارتوں کی اضافی قیمت کے ان کی مالیت بھی حسب فرضی خریدار ادا کرے جو کہ اس کی جائیداد میں ہیں یا اپنا حق کلیتاً ترک کر دے۔

جائیداد میں اضافہ

اگر جائیداد مطلوبہ میں اس طرح اضافہ ہو کہ وہ جائیداد کا بھی حصہ معلوم ہو تو وہ

اضافہ شدہ حصہ شفع کی ملکیت ہوگا۔ لیکن اگر وہ اضافہ اصل سے علاحدہ ہو سکتا ہے تو وہ خریدار کا ہوگا۔

اگر کوئی شخص دو مکانوں میں اپنا حصہ فروخت کرتا ہے اور شفع دونوں میں ہی حصہ دار ہو تو وہ دونوں کا ہی جائز طور پر لے سکتا ہے یا ترک کر سکتا ہے۔ یا ایک کو لے کر دوسرے کے لیے اپنا مطالبہ ترک کر سکتا ہے۔ لیکن ایک جائیداد کی صورت میں وہ اس کے حصہ پر اپنا حق ترک نہیں کر سکتا۔

اگر بیع بصورت مبادلہ ہو اور اس کی قیمت ایک شخص شے کے صورت میں ہو۔ لیکن بعد میں وہ جائیداد و خریدار کے علاوہ کسی اور کی ثابت ہو تو بیع باطل ہوگا تو حق شفع نہیں رہتا۔ لیکن اگر اس کی قیمت کسی ایک شے میں ہو جس کا مثل گیہوں اناج یا غلہ وزن یا ناپ سے تخمینہ ہو سکے تو حق شفع شے متذکرہ دوسرے شخص کی جائیداد معلوم ہو۔ اسی طرح بدل سکے یا زر نقد میں ہو جو خریدار کے علاوہ کسی دوسرے کا معلوم ہو۔ تو حق شفع جو ایک بار قائم ہو جائے وہ زائل نہ ہوگا۔

اگر شے مبینہ میں کوئی نقص معلوم ہو اور خریداری نقص کی بنا پر کوئی معاوضہ لے تو شفع اس قیمت میں کسی کا مستحق ہے۔ لیکن اگر خریدار نقص کا معاوضہ لئے بغیر جائیداد اپنے پاس رکھے تو شفع کو اسے پوری قیمت پر لینا چاہئے۔ یا مطالبہ ترک کر دینا چاہئے۔ اگر شفع علم ہونے پر وہ خرید زمین کا اپنا حق ترک کر دے اور اس کے بعد معلوم ہو کہ دوسروں کے لیے خریدار تھا ان تمام صورتوں میں حق زائل ہو جاتا ہے۔

حق شفع لائق ارث ہے

اہل تشیع شافعیوں سے اس بارے میں متفق ہیں کہ حق شفع بطور ورثہ شفع کے ورثہ پر منتقل ہوتا ہے پس اگر وہ شفع ایک بیوہ اور ایک بچے کو چھوڑ کر انتقال کر جائے تو اس کا حصہ بیوہ کو اور باقی بچے کو ملے گا اور اگر ورثہ میں سے ایک اپنے حصہ ترک کر دے تو یہ ساقط نہ ہوگا بلکہ دوسرے وارث کو سب ملے گا۔

حق شفع جائیداد غیر منقولہ سے متعلق ہے

حق شفع جائیداد غیر منقولہ سے متعلق ہوتا ہے اور درختوں اور غمارتوں پر حق

شفیع اس وقت پیدا ہوتا ہے جب وہ جس زمین پر کھڑے ہوں اس کے ملکات کے طور پر ان کو فروخت کیا جائے۔

حق شفیع چھوٹے پشموں، سڑک اور عمارتوں وغیرہ میں بھی متعلق ہوتا ہے۔ بشرطیکہ اس کے تقاسم سے ایسا نقصان اور ضرور واقع نہ ہو جس سے کہ وہ جائیداد بیکار ہو جائے۔

شیعوں کے مطابق اگر بعد میں تقسیم جائیداد بیکار ہو جائے تو وہ نقصان دہ ہے اس لئے وہ شخص جس کو ضرر (نقصان) پہنچنے والا ہو اسے تقاسم کے لیے مجبور نہیں کیا جاسکتا۔

مگر یہ کہ اگر تمام یا سڑک یا چھوٹا چشمہ اس نوعیت کے ہوں کہ ان کی افادیت تقسیم سے کم نہ ہو تو شریک مالک کو ان کے تقاسم کے لئے مجبور کیا جاسکتا ہے۔ اور اگر وہ اپنا حصہ فروخت کرے تو حق شفیع حصے دار کے حق میں ہوگا۔

اگر ایک شخص قطعہ آرائسی جس کا وہ تہا مالک ہو فروخت کرے۔ ساتھ ہی دوسری مشترکہ حقیقت میں ایک سودے کے ذریعہ اپنا حصہ فروخت کرے تو حق شفیع تمام حصے پر قیمت کے تناسب سے لاگو ہوگا۔

جب حق شفیع قائم ہو جائے

حق شفیع کے نفاذ کے لیے یہ ناگزیر ہے کہ جائیداد کا حصہ بذریعہ بیع متصل ہوا ہو لیکن اگر وہ حصہ بصورت مہر، صدقہ، ہبہ یا مطالبے کی تفسیہ کے لیے دیا جائے تو اس پر حق شفیع قائم نہیں ہوتا۔

اگر کوئی عمارت جزواً وقف ہو اور جزواً آزاد اور آزاد حصہ فروخت کیا جائے تو مستفیدین وقف کو کوئی حق شفیع نہیں ملتا۔ تاہم مصنف جوہرہ کے مطابق حق شفیع ہو سکتا ہے۔ اگر شفیع جائیداد پر قبضہ حاصل کرے اور قبل از بیع اسے جائیداد میں نقص کا علم تھا یا دونوں (یعنی وہ اور خریدار) اس نقص سے ناواقف تھے۔ ان میں سے ایک کو اختیار حاصل نہیں ہے لیکن اگر دونوں ہی اس نقص سے واقف تھے اور اگر شفیع اس جائیداد کو واپس کر دینا چاہے تو مؤثر الذکر کو اختیار ہے کہ یا تو بیع کو کلیتاً منظور کر دے یا بیچوال سے

نقص کا معاوضہ طلب کرے۔

اگر شفع جائیداد اپنے پاس رکھنا چاہے تو اس صورت میں خریدار کو بیع کی منسوخی کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ اس لئے کہ بیع اس کے ہاتھ سے حصہ نکل چکا ہے۔ اسی طرح اگر شفع نقص سے واقف تھا مگر خریدار ناواقف تھا۔ اور اگر بعد میں خریدار اس نقص سے واقف ہو گیا تھا اور شفع نہیں تھا تو موخر الذکر سے منسوخ کرنے کا مجاز ہے۔ حق شفع کئی صورتوں میں زائل ہو جاتا ہے مگر طبقہ حنفی میں قابل تسلیم نہیں ہے ان میں سے دو درج ذیل ہیں۔

(۱) جائیداد اصل قیمت سے زیادہ پر فروخت کی جائے اور اس کے بعد کوئی شے معمولی مالیت کی اس کی مبادلہ میں لی جائے۔ اس طرح کہ شفع اگر اس سے استفادہ کرنا چاہے تو پوری قیمت ادا کرنے پر مجبور ہوگا۔

(۲) اسی طرح اگر جائیداد زیادہ قیمت پر فروخت کی جائے اگر بیچوال اس کا ایک جزو حاصل کر کے باقی چھوڑ دے ایسی صورت میں شفع مجبور ہوگا کہ یا تو وہ کثیر نقصان برداشت کرے یا اپنے حق کو ترک کر دے۔

باب ۳۰۔ قانون تحویل

فصل اول: تحویل

اقسام تحویل

حسب شرع تحویل ایسا معاہدہ ہے جس کی رد سے کوئی شے ایک شخص دوسرے کو ایک معینہ یا غیر معینہ مدت کے لیے یا مخلصی غرض کے لیے بلا کسی بدل سپرد کرتا ہے۔ اگر بدل ملے پایا ہے تو یہ مقررہ اوقات میں یا کاربر آرائی پر شے محولہ تحویل کنندہ کو واپس کرنے پر ادا ہو گا۔ یہ ادائیگی پیشگی بھی ہو سکتی ہے۔ شرع میں کوئی خاص لفظ اصطلاح اور مفہوم کی ادائیگی کے لیے نہیں ہے۔ مگر جن مقاصد کے تحت تحویل کی گئی ہے ان کے مطابق اسے (تحویل) کو متعدد عنوانات کے تحت رکھا گیا ہے جو اس طرح ہیں:

- (۱) عاریت یا قرضہ قابل واپسی
- (۲) اجارہ یا کرایہ جس میں تمام قسم کی حوالکیاں شامل ہیں۔
- (۳) ودیعت
- (۴) رہن وغیرہ

میں اس باب میں مختلف حوالگی کے موضوع پر مختصر ابتادوں گا۔ موضوع عاریت پر شخص قدرے لکھوں گا تاکہ شرع اور انگلش قانون کی مماثلت کی نشاندہی کر سکوں۔

فصل دوم: اجارہ

مخلص تحویل

اگر کسی شخص کو مکان یا زمین کرایہ پر دی جائے تو وہ مقررہ کرایہ کی (خواہ وہ اس میں نہ رہے اور نہ اس کا استعمال کرے) ادائیگی کا پابند ہے اس لئے کہ جس طرح اس کا

منافع (کرایہ) دینا ناممکن ہے اس طرح شے محولہ پر قبضہ دہانی جس سے کہ فائدہ حاصل ہوتا ہے وہ اس کے عوض ہے۔ اس لئے کہ شے محولہ پر قبضہ دہانی سے ہی اس کے منافع کے استعمال کی اہمیت شامل ہے۔

اگر نہ کوئی کرایہ طے ہو اور نہ تحویل بلا بدل ہو تو کرایہ دار مروجہ کرایہ ادا کرنے کا ذمہ دار ہے۔

اگر شے محولہ (کرایہ) پر قبضہ حاصل کرنے کے بعد کرایہ دار کسی تیسرے شخص کو فعل ناجائز سے قبضہ حاصل نہ کر سکے تو کرایہ دار ادا کی گئی کرایہ کا ذمہ دار نہیں ہے۔ اگر اس کے برعکس اگر معاہدہ میں ایسی شرط نہیں ہے تو کرایہ بوقت قبول طلب کیا جاسکتا ہے۔ ایک جانور کا کرایہ پر سفر میں منزل بہ منزل طلب کیا جاسکتا ہے۔ اگر ایک کاریگر جس کے ذمے کوئی کام سپرد کیا جائے تو وہ معاوضہ کا پابند نہیں ہے جب کوئی شے کسی دوسرے شخص کو تحویل میں کسی مختص غرض سے مقررہ بدل کے عوض دی جائے تو حامل تحویل کا شے محولہ پر اس رقم کا بار ہے جو کہ تحویل کنندہ کو دی گئی ہے مثلاً ایک تنور جو روٹی پکانے کے لیے دیا جائے وہ اس وقت تک روکا جاسکتا ہے جب تک کہ اس کا کرایہ نہ دیا جائے اسی طرح ایک درزی کو کپڑوں کی اجرت نہ دی جائے تو وہ روک سکتا ہے۔

تحویل دار دوران تحویل کسی حادثے کا ذمہ دار نہیں ہے لیکن اگر عام اور ایسی نوعیت کا ہے کہ اگر کوئی نمایاں اثر اس شے پر نظر نہیں آتا تو یہ نہیں روکی جاسکتی۔

اگر تحویل خاص صورت میں ہے تو حامل تحویل کسی دوسرے کو یہ شے تفویض نہیں کر سکتا مثلاً اگر کوئی ایک کتاب نقل کرنے کی غرض سے دی گئی ہے تو اس غرض سے یہ دوسرے کو نہیں دی جاسکتی۔

اگر کوئی معاہدہ پر غیر مشروط یا قطعی نہ ہو تو حامل تحویل ہے کہ شے محولہ کسی شخص کو استعمال میں دینے کے لیے آزاد ہے۔

ایک جانور بار برداری یا سواری کے لیے کرایہ پر دینا جائز ہے۔ پس اگر سواری کی غرض بتادی گئی تو کرایہ دار آزاد ہے کسی شخص کو بھی سواری کے لیے دے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص بلا پابندی پہننے کے لیے لباس کرایہ پر دیتا ہے تو وہ آزاد ہے خود پہنے یا دیگر شخص کو پہننے کے لیے دے۔

لیکن ایک مختص معاہدہ کی صورت میں شے محولہ کے استعمال میں معمولی تبدیلی سے بجائے شے محولہ کا حامل ذمہ دار ہو جاتا ہے۔ بشرطیکہ شے محولہ کی نوعیت نقصان پذیر نہ ہو۔ آرائشی اور ہر دوسری شے جو مختلف دخل کار مثلاً خیمے وغیرہ جو مختلف طریقوں سے کسی شخص کے حوالہ تک محدود نہیں ہیں۔ کرایہ دار آزاد ہے کہ وہ اپنی مرضی کے مطابق کسی کو بغرض رہائش رکھے۔ اس لئے کہ اس پر خالص پابندی مختص اس کے استعمال کی ہے تاکہ دوسرے اثر کے دو مانع رہے۔

جب کہ شے محولہ کے استعمال کو نوعیت حسب معاہدہ طے ہو چکی ہے تو حامل اس سے تجاوز نہیں کر سکتا۔ اگر ایک شخص کوئی جانور بار برداری کی غرض سے کرایہ پر لیتا ہے اور کرایہ دینے والا اشیا بار برداری کی نوعیت اور وزن مختص کر دے۔ مثلاً پانچ بوریوں گیبوں۔ اس صورت میں کرایہ دار مجاز ہے کہ جانور پر مساوی وزن کی کوئی شے جو گیبوں کے مقابلے میں بصورت بار برداری زیادہ تکلیف دہ اور پریشان کن نہ ہو جیسے کہنمک وغیرہ جو یا اس لئے کہ اس نوعیت کی تمام اشیا اس اجارہ میں شامل ہیں جو اجارے پر دی گئی ہیں کرایہ دار اس امر کے لیے مجاز نہیں ہے کہ جانور پر کوئی گیبوں سے زیادہ نقصان دہ کسی شے سے جانور کی بار برداری کرے۔ ایسا تحویل کنندہ اور حامل تحویل گیبوں سے زیادہ نقصان دہ کسی شے سے جانور کی بار برداری کرے۔ ایسا تحویل کنندہ اور حامل تحویل کے معاہدہ کے خلاف ہو گا۔

کوئی بھی شخص جس نے کہ کوئی جانور مقرر مقدار کی روئی لے جانے کے لیے کرایہ پر لیا ہو۔ اس امر کا مجاز نہیں ہے کہ جانور پر اس وزن کے برابرہ لوہا لاد دے اس کا غالب امکان ہے کہ یہ لوہے کا بار روئی کے مقابلے میں جانور پر زیادہ منفرت رساں ثابت ہو گا۔

جب کوئی حامل تحویل ایسی کوئی شے جو مختص نہ کی گئی ہو استعمال کرے تو بصورت حادثہ اس پر ایک مناسب ذمہ داری عائد ہوتی ہے مثلاً ایک موڑ اپنے ساتھ ایک اور کو مزید سوار کر لائے تو اس پر اس کی نصب قیمت کی ذمہ داری عائد ہے۔ اگر کرایہ شدہ جانور غلط استعمال سے ضائع ہو جائے تو اس کی قیمت کا ذمہ دار ہے اگر کوئی جانور مختص مدت کے لیے کرایہ دیا جائے تو اس سے زیادہ مدت کے لیے کرایہ پر رکھنے کے لیے کرایہ دار پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔

ایک زین بدلنے کے بجائے دوسری زین بدلنے سے کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی بشرطیکہ وزن میں فرق نہ ہو۔ اور ذمہ داری زائد وزن کے مطابق عائد ہوتی ہے۔ لیکن اگر نوعیت زین مختلف ہے تو پوری ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ ایک شخص جس کو بار برداری کے لیے مقرر کیا جائے اگر وہ مقررہ راستہ سے کسی دیگر راستے ہو کر پائے تو اس پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔

زمین جو کاشت کے لیے کرایہ پر دی جائے اگر کاشت کے لیے زمین کرایہ پر لی جائے تو اس کے متعلق کوئی دیگر نقصان وہ طریقہ کے استعمال سے اسی کے مطابق ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ ایک درزی حکم سے تجاوز کرنے پر ذمہ دار ہے۔ معاہدہ تحویل کے خلاف ایک ناجائز شرط معاہدہ کو کلیتاً منسوخ کر دیتی ہے۔

مختص تحویل

ایک شے مختص جائز طور پر تحویل میں دی جاسکتی ہے۔ یعنی ایک شخص اپنے مکان کا جزویا حصہ کرایہ پر دے سکتا ہے۔ کسی غیر معین معاہدہ کے تحت کسی شے واجبہ کے استعمال سے کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔

حاملان تحویل دو درجوں میں تقسیم ہوتے ہیں
(۱) عام اور خاص۔

ایک عام حامل اور تحویل وہ ہے جس کو کوئی شے بطریق معمول دوران کام حوالہ کی جائے اور خاص حامل تحویل وہ ہے جس کو کہ کوئی شے اس کی طلب پر تفویض نہ کی جائے بلکہ خاص معاہدہ کی بنا پر تفویض کی جائے۔

کوئی شے جو حامل تحویل کے سپرد کی جاتی ہے وہ اس کے ہاتھوں میں ودیعت ہوتی ہے اور اگر اپنی شے دوران قبضہ ضائع ہو تو وہ نقصان کا ذمہ دار ہے تا وقتیکہ وہ شے ناقابل مدافعت اور ناقابل مزاحمت حادثے سے ضائع نہ ہو مثلاً آگ جو اس کے گھر کو جلا دے یا لیٹرے جو مغلوب نہ ہوں اور اس شے کو زبردستی لے جائیں۔ اگر وہ شے کسی ایسی وجہ سے ضائع ہو جائے جس سے کہ بچا جاسکتا ہو جیسے غصب یا چوری تو یہ بمنزلہ غفلت

ہو گا اور اس میں تحویل اس کا ذمہ دار ہو گا۔ جیسے کہ امین جو کہ اس کی تحویل میں رکھی ہوئی چیزوں کو گمراہی سے یا سرچمن یا سالو تری جو سرڈجہ طریقے پر کام انجام دے رہا ہو کسی حادثے کی بنا پر ذمے دار نہیں ہے۔

ایک ایسے حامل تحویل پر جو بلا معاوضہ شے محلات حسب معمول احتیاط و نگرانی سے رکھتا ہو کوئی ذمے داری نہیں ہے۔

فصل سوم:- عاریت یا اودھار

اسلامی قانون میں بقول فتاویٰ عالمگیری ”عاریت“ کا منشا یہ ہے کسی شخص کو بلا بدل آمدنی جائیداد کا مالک بنا دیا جائے۔ اس پر حضرت ابو بکر نوازی اور ہمارے فقہاء کا اجماع ہے۔ اور بقول سراج الوہاج درست ہے اس میں فرض یہ ہے کہ تحویل کنندہ کی رضامندی نہ وری ہے حامل تحویل کی ذمہ داری ضروری نہیں۔ یہ ہمارے تینوں فقہاء ابو محمد، ابو یوسف، امام حنیفہ کے مطابق ہے۔ تحویل کنندہ رضامندی اس صورت میں دے سکتا ہے میں نے تمہیں بطور عاریت دی ہے یا ”میں نے یہ کپڑا یا مکان تمہیں دیا ہے“ یا ”یہ غلام میں نے تمہاری خدمت کے لیے دیا ہے“ یا ”یہ جانور بار برداری کے لیے دیا ہے“ یہ زمین تمہارے بسراوقات کے لیے دی ہے مگر اس سے منشا یہ نہیں ہے۔ یہ سب عاریت ہی کی تعریف میں شامل ہے۔

اگر کوئی کہے کہ یہ مکان تمہاری رہائش (سکنہ) کے لیے ہے یا تمہاری عمر بھر کی سکونت (عمر بستہ) کے لیے ہے۔ ایسا ہی بدایہ میں آیا ہے۔

فی الاصل عاریت کسی دوسرے شخص کو کسی شے کا ایک مدت کے لیے منافع دینا ہے اور وہ شے استعمال سے ضائع ہونے والی نہ ہو۔ خواہ وہ مدت معینہ کے لیے ہو یا غیر مدت معینہ کے لیے ہے۔

فراست شرط ہے مگر بوجہ شرط نہیں ہے۔ پس ایک لڑکا جس کو قاضی نے تجارت کے لیے اجازت دی ہو کوئی بھی شے بطور عاریت دے سکتا ہے۔

یہ بھی ایک ضروری شرط ہے کہ ضائع نہ ہونے والی قابل استعمال شے بطور عاریت دی جائے لیکن اگر صرف ہونے والی ہو تو اس پر عاریت جائز نہیں ہے ایسا ہی

بدایہ میں ہے۔

حکیم شاہد نے کتاب الکفیل میں لکھا ہے کہ درہم اور دینار کی عاریت ایک قرضہ ہے یہی حالت ان اشیا کی ہے جس کو ناپا یا تولا جاسکتا ہے۔ اگر درہم اور دینار بطور زیورات یا وزن کام میں لئے جائیں تو وہ عاریت ہوں گے پس جو شے عاریت ہو اسے معاہدہ مقررہ سے زیادہ کام میں لینا جائز نہیں ہے۔ ایسا ہی غایت البیان میں ہے۔ عاریت کی کئی قسمیں ہیں۔

(۱) فائدہ اٹھانے کی مدت اور طریقہ غیر معین رکھا جائے۔ ایسی صورت میں حامل تحویل جس طرح اور جب چاہے استعمال کر سکتا ہے۔

(۲) جب کہ مدت اور طریقہ استعمال صریحاً مقرر کر دئے جائیں تو حامل تحویل اس کی تاد قتیکہ اس کی ضرورت نہ ہو خلاف ورزی نہیں کر سکتا۔

(۳) اس کے استعمال کی مدت مقرر ہو مگر طریقہ استعمال مقرر نہ ہو۔

(۴) طریقہ استعمال مقرر ہو مگر مدت استعمال مقرر نہ ہو اس کا نتیجہ قانونی یہ ہے کہ حامل تحویل بلا ادائیگی معاوضہ اس شے کے استعمال کا مستحق ہے۔

شے عاریت ایک امانت ہے اگر یہ حامل تحویل کی غفلت یا لاپرواہی سے ضائع ہو جاتی ہے تو وہ اس کا ذمہ دار نہیں ہے۔ ہمارے فقہاء میں اس شرط کے جواز میں اگر حامل تحویل کی غفلت یا لاپرواہی سے نقصان ہو تو اختلاف ہے۔ بعض فقہاء نے ایسی شرط کو جائز قرار دیا ہے اور بعض نے ناجائز بتایا ہے۔

اگر اس کی وجہ سے نقصان واقع ہو تو وہ بالاجماع نقصان کا ذمہ دار ہے اگر اس نے دیدہ و دانستہ ایک بار برداری کے جانور سے شب و روز کام لیا جس کے وہ قابل نہیں ہے۔ تو وہ نقصان کا ذمہ دار ہوگا۔

ایسے شخص کی ذمہ داری کے قواعد اس شے کی بابت پر جو بطور عاریت لی ہو اور دوسرے معاملات جو اس کے ذمہ ہوں فتاویٰ عالمگیری میں تفصیل سے دئے گئے ہیں لیکن اس کی تفصیل غیر ضروری ہے اس لئے کہ قانون معاہدہ (ہندوستان) ایسے تمام مسائل پر لاگو ہے۔

(۱) شیعہ قانون وقف

منقولہ

کسی وقف کے جواز کے لیے کئی شرطیں ضروری ہیں ان میں سے بعض یہ ہیں۔

(۱) واقف کا مالک جائیداد ہوتا۔

(۲) اس کی انتقال جائیداد کی اہلیت ہونا۔ اگر واقف دیوالیہ ہونے کی وجہ سے

انتقال کے لیے ممنوع ہے تو وقف ناجائز ہے۔

”یہ بھی ضروری ہے کہ وقف صریح الفاظ میں اور اس کا منشا حصول قربت

خداوندی ہو تشکیل وقف کے نئے یہ جملے صحیح ہیں ”وَقَفْتُ“ میں نے وقف کیا ”حَسْبْتُ“

میں نے اہلے کیا، میں نے باندھ دیا، ”سَلْتُ“ میں نے راہ خدا میں دیا اگر وہ ”صدقت“ کہے

تو اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں جیسا کہ حرمت، عیدت کے ہیں۔“

”یہ لازمی ہے کہ شے موقوفہ معلوم ہو تاکہ بنو شے دی جائے اس کے عین کو

قائم رکھتے ہوئے ہمیشہ اس سے منافع ہو سکے۔ بالا اجتماع جائیداد منقولہ اور غیر منقولہ و

جائیداد شفع پر (غلاحدہ شدہ) سب بہ لحاظ وقف مساوی ہیں۔ اس لئے کہ ان سب کا وقف

یکساں طور پر جائز ہے۔“

جواز وقف میں شرع کے بارے میں ثبوت ہے کہ آنحضرت صلعم نے اپنی

آراضیات واقع خیبر کے سلسلہ میں اس طرح فرمایا عمرؓ سے اصل کو محفوظ کر کے ان کا

منافع راہ خدا میں دو۔ ”حالانکہ آراضیات خیبر مشا عتھیں اور آنحضرت صلعم نے اس کا

تقاسمہ نہیں فرمایا تھا۔“

فقہاء کی اکثریت اس پر متفق ہے کہ درہم و دینار کا وقف جو اپنی اصل حالت

میں ہیں جائز نہیں ہے اس لئے کہ وہ بجنسہ بحالت عین رہتے ہیں اور ان سے کوئی منافع نہیں ہوتا۔ لیکن فقہا متاخرین کی رائے کے مطابق روپیہ کو کاروبار و تجارت میں لگانے سے منافع ہو سکتا ہے تو جائز ہے۔ اس بارے میں اہل تشیع اور احناف جب کے عام مسلمان کے لیے وقف کیا جائے اور واقف اس کیمنافوں میں شریک ہو تو اختلاف رائے ہے۔“

مقصد وقف معلوم ہونا چاہئے

”دوسری شرط موقوفہ کا ظاہر اور لائق نشاندہی ہونا ہے۔ تاکہ اس وقت سے اجر عاقبت حاصل ہو اور کوئی وقف بلا رائے ایسے بچے کے حق میں جو رحم مادر میں ہو یا غلام ہو نہیں کیا جاسکتا مگر جو بچے موجود ہیں ان کے اور ان کی آئندہ پیدا ہونے والی اولاد کے لیے بالاجماع جائز ہے۔“

”مساجد اور پلوں کے لیے وقف جائز ہے۔ وجہ یہ ہے کہ ان مقاصد سے مسلمانوں کو آرام ملتا ہے اور دوسری شرط یہ ہے کہ دائمی ہونا چاہئے اور اگر کوئی یہ کہے کہ میں نے ایک سال کے لیے وقف کیا ہے تو بھی جائز ہے۔“

یہ بھی ضروری ہے کہ جائیداد مستحقین کو یا ان کی جانب سے کسی کو منتقل ہونا چاہئے جب کسی وقف میں تمام شرائط مل جائیں تو وقف کا حق دائماً ساقط ہو جاتا ہے۔ نہ منسوخ کر سکتا ہے اور نہ وہ اغراض جن کے لیے اس نے وقف کیا تھا تبدیل کر سکتا ہے۔

”ہمارے مطابق مستفیدین محض اس وقت شے موقوفہ فروخت کر سکتے ہیں

جب کہ اس میں مفاد ہو بعد اس کے برباد و ضائع ہونے کا اندیشہ ہو۔“

”جو ہدایات آمدنی وقف کے استعمال کے لیے ہے واقف کا ان پر عمل ہونا چاہئے جب اولاد اور اولاد کی اولاد کے لیے وقف کیا جائے اس پر لڑکیوں کے بچے بھی شامل ہوں گے۔ اس لئے کہ استحقاق یا قانونی طور پر لفظ ولد لڑکی کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے جب کہ کوئی شخص اپنی نسل یا اعتقاد یا ذریعہ کے لیے وقف کرتا ہے تو نسب ماں کی طرف سے ہی سمجھا جائے گا اور اسی طرح سے وہ تمام اشخاص جو اپنی ماں کی جانب سے ہیں وہ وقف کے فوائد میں شامل کئے جائیں گے اس لئے کہ وقف ”عزت“ کے لیے ہے تو یہ اس کے مساوی ہے تو یا وہ اس کی اولاد ہونے کے مساوی ہے۔ اگر بمساویوں کے لیے ہے اور اس کو نامزد

نہیں کیا گیا تو تمام اشخاص جو واقف کے پڑوس میں چالیس (۴۰) گز کی حدود میں رہتے ہیں اس وقف سے استفادہ میں شامل ہوں گے یہی بالا اتفاق رائے ہے اور صحیح ہے۔“

”اگر وقف کسی مفید مقصد کے لیے ہے مگر لفظ ”مفید“ اس کے بارے میں بحث ہے (یعنی اگر مقصد مفید نہیں ہے) یا مستفیدین وقف معدوم ہو گئے ہیں تو وقف فرائض وجود الغیر کے لیے ہو گا۔ بحث کے نزدیک یہ وقف ورثا پر عود کرنا مگر اول الذکر رائے مسلمہ ترین ہے۔“

کتاب الامتداد سے اقتباس

”یہ بحث امامیوں کی رائے ہے کہ اگر شے موقوفہ ضائع ہو جائے اور اس کے فائدے حاصل کرنا ممکن نہ ہو تو ایسی صورت میں مستفیدین وقف کو فروخت کر کے اس سے منافع حاصل کر سکتے ہیں۔“

نبی سے اقتباس

”ایک شخص کے پاس جو بھی جائیداد ہو اس کا وقف جائز ہے خواہ اس پر علاحدہ قبضہ ہو یا مشترکاً یہ وقف دائمی ہے کسی معینہ مدت کے لیے وقف کرنا جائز نہیں ہے۔ اگر یہ مقررہ مدت کے لیے ہو گا تو عمر یا جس کے لیے نافذ ہو گا حنفی مذہب کے مطابق حتیوں کا وقف صحیح ہے۔“

”ایک وقف مقررہ مدت کے لیے دائمی وقف کی طرح نافذ ہوتا ہے۔“

”ایک غیر موجودہ شے کا وقف جائز نہیں۔ اس میں بھی حنفی مذہب سے اختلاف ہے لیکن اگر وقف کی ابتدا ہو موجودہ شے سے ہو تو غیر موجودہ اشیا کے لیے بھی وقف ہو سکتا ہے جب کوئی شخص اپنے صغیر بچوں کے لیے وقف کرے اور ان کی نسل کے لیے بھی وقف کرے تو یہ وقف جائز ہو گا۔ بلکہ جائز طور سے آنے والے بچوں (نسلوں) کو بھی وقف میں شامل کر سکتا ہے۔“

”اگر کوئی شخص اپنی اولاد کے لیے جس میں ذکور اور اناث دونوں شامل ہوں وقف کرے اور ایک پر دوسرے کو ترجیح دے تو اس کی غائد کردہ شرائط کا لحاظ رکھنا چاہئے لیکن اگر کوئی شخص شرط غائد نہ کرے تو اس کے ذکور و اناث بچے اور بچوں کے بچے

مساویانہ مستفید ہوں گے اس لئے کہ لفظ ”ولد“ میں سب شامل ہیں۔ لیکن اگر وہ یہ کہے کہ وہ کلام پاک کے مطابق حصہ لیں گے تو مرد عورت کے مقابلے میں دو چند حصہ لے گا۔ کعبہ اور مساجد اور مسجد (اماموں کے مقبروں) کے لیے وقف یا کسی خاص آبادی کے رہنے والوں کی نام فلاح کے لیے وقف قرضہ خداوندی کا سبب ہے اور جائز ہے۔

”شے موقوفہ نہ بہہ کی جاسکتی ہے نہ بیع نہ صدقہ میں دی جاسکتی ہے لیکن اگر شے موقوفہ کے فوراً ضائع ہونے کا اندیشہ ہو یا مستحقین ایسی شدید ضرورت میں ہوں کہ وقف کا بیع ان کے مفاد میں قطعاً ضروری ہو یا مستفیدین کے درمیان ایسے شدید نزاعات ہوں تو جائیداد فروخت کی جاسکتی ہے اور اس کی آمدنی وقف کی ہدایت کے مطابق کام میں لی جاسکتی ہے ایسا قیاساً قاضی کے ہدایت کے مطابق ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ کسی اور صورت میں بیع وقف جائز نہیں ہے۔“

ضمیمہ (جاری)

(۲) حنفی قانون

کنایہ المدیہ

”اگر بچوں اور بچوں کے بچوں کے لیے وقف کیا جائے تو اس میں ذکور اور اناث مساویانہ طور پر مستحق ہیں۔“

”بالا کے مطابق اوقاف تین اقسام کے ہوتے ہیں ایک قسم ان اوقاف کی ہے جو کہ محض غربا کے لیے ہوں دوسرے قسم کے اوقاف اول انبیا کے لیے بعد میں غربا کے لیے ہوں اور تیسرے قسم کے اوقاف انبیا اور غربا کے مساویانہ ہوں جیسے رباط، مراۓ، مساجد، پل با وغیرہ اس لئے کہ امر غربا کی ضرورتیں ان عمارتوں سے لائق ہیں اور اوقاف متولی نامزد کرے تو موخر الذکر یہ اپنے کو خود بخود سبکدش نہیں کر سکتا بلکہ سبکدشی کے لیے واقف اور قاضی کی اجازت لینا ضروری ہے

آنحضرت صلعم کا کیا ہوا وقف

”در المختار میں علامہ طحاوی کی شرح اس طرح ہے۔ امام شافعی کے بقول آنحضرت صلعم نے اپنے کئی مکانات مدینہ میں وقف کئے تھے جو اب تک قائم ہیں (خانائے راشدین) آپ کے ہر چہار خلیفہ و دیگر صحابی نے بھی وقف کئے تھے جیسا کہ اصعاف صفحہ ۲ جلد ۱۳ میں درج ہیں۔“

”بحر الرائق میں جیسا کہ بعد میں ظاہر ہو گا آیا ہے حنفی فقہاء کی اکثریت بالاتفاق حنفی قانون کے مطابق فتاویٰ صادر کرتی ہیں ان میں سے بعض امام محمد کی پیروی کرتے

”امام یوسف کی رائے میں وقف کے لیے محض وقف یا موقوفہ کا لفظ استعمال کرنا ہی کافی ہے۔ اور شہید (صدر الشہید) کی رائے میں ہم عام طریقے کے مطابق (محالات وقف) طے کرتے ہیں۔“

یہ بھی بتایا گیا ہے کہ بلخ کے فقہا امام ابو یوسف کی پیروی کرتے ہیں اور ایسے وقف کو بھی جائز بتاتے ہیں۔ جبکہ ”لفظ“ وقف“ استعمال کیا گیا ہو اور نہ یہ بتایا ہو کہ وقف دائرہ کیا گیا انہما کے وقف میں خوشنودی خداوندی مقصود ہوتی ہے۔

امتناع اور سناہت

”وقف کے شرائط میں جیسا کہ نصاب اور کمال نے لکھا ہے کہ واقف پر بوجہ سناہت یا دیوالیہ پن اس پر قاضی کی جانب سے کوئی امتناع عائد نہ ہو۔ کمال نے لکھا ہے کہ اگر کوئی سفہ ایسا وقف کرتا ہے جو معدوم ہونے کے لائق نہیں ہے ابو یوسف کے نزدیک جائز ہے۔ اور موخرین فقہا اس کو تسلیم کرتے ہیں۔ اگر ایسی صورت میں قاضی نے کوئی حکم صادر کیا ہو تو یہ جائز ہوگا۔“

”بحر الرائق میں اس نظریہ سے اتفاق کیا ہے اور بتایا ہے کہ یہ فعل ”شرع“ ہے اور ایک سفہ کسی انتقال کا اہل نہیں ہے۔ اس اعتراض کا جواب اس طرح ہے ایک سفہ دوسرے کے حق میں فعل خیر نہیں کر سکتا لیکن اپنے حق میں فعل تبرع ہے وہ ممنوع نہیں ہے۔ اگر کوئی وقف وہ اپنے لئے کرتا ہے تو یہ اس کا اپنے لئے فعل خیر ہے لیکن اگر اس کی موت کے بعد اس وقف سے دوسرے فائدہ اٹھانے والے ہوں تو قاضی کی اجازت حاصل کرنا ضروری ہے۔“

ایک دیوالیہ یا متفرق قرض یا مرض الموت میں وقف اور بحالت صحت وقف باطل یا لائق پابندی ہے

”فقہا کی رائے میں اگر کوئی شخص اس حد تک قرضہ میں مبتلا ہو کہ اس کی جائیداد قرضوں میں گھری ہو اور اگر بحالت مرض وقف کرے تو یہ وقف منسوخ کر دینا چاہئے اور جائیداد ادائیگی قرضوں کے لیے فروخت کرنا چاہئے۔ لیکن اگر وقف بحالت صحت کیا جائے تو خواہ اس کے سرمایہ سے بھی زیادہ قرضہ ہو تو قابل پابندی ہوگا بشرطیکہ

قرض حکم امتناعی کے بعد نہ لیا گیا ہو۔ ایسا وقف اگر اتفاق رائے سے کیا گیا ہے تو اس کو منسوخ نہیں کیا جاسکتا۔ فتح القدیر میں یہی کہا گیا ہے۔“

ابو یوسف کے مطابق دوامیت کا حوالہ ضروری نہیں ہے

”امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے مطابق شرائط وقف میں سے ایک یہ بھی ہے کہ انجام کار وقف ایسے مقصد کے لیے ہونا چاہئے جو دائمی ہو اور اگر واقف مقصد ظاہر نہیں کرے تو امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے مطابق یہ جائز ہے۔ امام ابو یوسف کا قول ہے کہ اگرچہ مقصد وقف کا حوالہ ضروری نہیں ہے لیکن اگر اس نے ایسے مقصد کا حوالہ دیا جو معدوم ہونے والا ہے تو اس کو معدوم ہونے پر وقف غربا کے لیے ہوگا خواہ غربا کا حوالہ نہ ہو اس لئے کہ واقف کے استعمال سے واقف کی نیت غربا کے لیے وقف کی ہے خواہ ان کا ذکر نہ ہو پس یہ شرط قانون کے ضروری قیاس سے ہی اخذ کی جائے گی اور ایسا ہی ہندو (فتاویٰ عالمگیری) میں ہے۔“

منقولہ کا وقف

”دوسری شرط وقف کے لیے یہ ہے کہ شے موقوفہ موزوں ہو۔ اصول صحیح کے مطابق جائیداد منقولہ وغیر منقولہ دونوں کا ہی وقف ہو سکتا ہے موخر الذکر کے بارے میں چونکہ رسم و طریقہ کے مطابق وقف مثل کلام پاک وغیرہ رائج ہے۔ اس لئے جائز طور پر وقف ہو سکتا ہے۔ پس مصر کے پڑوسی ملکوں میں مردجہ سکوں کے وقف کا رواج نہیں ہے اور یہ ناجائز ہے مگر ممالک روم (سلطنت ترکی) میں درہم دینار کے وقف کا رواج ہے اس لئے یہ جائز ہے۔ اگر درہم دینار وقف کئے جائیں تو یہ مضاربت (کاروباری تجارت) میں صرف ہوں گے اور ان سے حاصل شدہ آمدنی اغراض وقف پر صرف ہوگی۔“

مکان کا وقف بلا زمین جائز ہے

”اس اصول کے مطابق یہ فتویٰ ہے کہ مقامات و درخت ہا بلا زمین جائز طور پر وقف ہو سکتے ہیں۔ ایسا ہی ہدایہ میں ہے کہ ان کا وقف معلق نہیں رہتا بلکہ فوراً نافذ ہو جاتا۔“

ہے (یعنی اس کا نفاذ کسی ایسے امر کے وقوع پر منحصر نہیں ہوتا ہے جو واقع ہو یا نہ ہو۔

اسلام سے مرتد کے حق میں وقف

مرتد اسلام کے لیے خواہ قانوناً سے انتہائی سزا ملی ہو یا نہیں وقف ناجائز ہے مگر اس کے اسلام واپس قبول کرنے پر یہ نافذ ہو گا۔ ایسی ہی خصاف نے اپنی کتاب میں وضاحت کی ہے۔ ابو یوسف، امام ابو حنیفہ کی اس رائے سے متفق ہیں کہ کوئی وقف بلا حکم قاضی یا انتقال وصیتی قابل پابندی نہیں ہے لیکن جب وہ خلیفہ ہارون رشید کے ساتھ حج کے موقع پر مدینہ منورہ شریف پہنچے وہاں انہوں نے پڑوس میں ان بے شمار اوقاف کو دیکھا جو آنحضرت صلعم کے اصحاب نے کئے تھے تو انہوں نے امام ابو حنیفہ کی رائے کو ترک کر دیا اور جواز وقف کا فتویٰ صادر کر دیا۔ اصلاً تمام فقہانے صاحبین کے اصول کی پیروی کی ہے اور انہی کے مطابق انہوں نے فتاویٰ صادر کئے ہیں۔ یہی بحر الرائق میں ہے۔“

انجام کا مقصد معدوم ہونے والا نہ ہو

”وقف کا مقصد انجام کار وہ غرض یا امر خیر ہے جو معدوم نہ ہو یعنی دائمی ہو بعض کے نزدیک شرط دوام بالاجماع ہے مگر ابو یوسف کے نزدیک دائم یا غیر معدوم مقصد کا حوالہ ضروری نہیں اس لئے کہ صدقہ وقف کا صریحاً یہی منشا ہے۔“

دائمی کا حوالہ ضروری نہیں ہے جبکہ منشا صریحاً اور تعبیراً ظاہر ہو

”میں پہلے بتا چکا ہوں کہ وقف جائیداد کو مثل آزاد کرنے یا جائیداد میں بلا کسی شخص دیگر کو متصل کئے ہوئے حق ملکیت ساقط ہوتا ہے۔ پس مختصر القدوری میں ہے کہ مقاصد محولہ معدوم ہونے کے بعد غربا ہی مستحق وقف ہوتے ہیں اور یہی صحیح ہے“

شرح ملتقی میں ہے کہ جب مسجد کا وقف ہو (اگر وقف نامہ پر مہر اور تصدیق قاضی کی اور اگرچہ شہادت کم ہو جائے اور اولاد واقف اسے منسوخ کرانا چاہتی ہو تو مفتی ابو سعید نے اپنی معروضات میں لکھا ہے کہ قاضی ایسے عزرات کی سماعت کے لیے ممنوع ہے پس یہی ذہن نشین رہنا چاہئے۔

ایک مسجد کا وقف

”بند یہ میں ہے کہ اگر ایک شخص مسجد میں تعمیر کرے تو اس جائیداد سے اس وقت تک اس کا حق سوخت نہیں ہوتا جب تک اسے دوسری جائیداد سے علیحدہ نہ کر دے اور لوگوں کو نماز کی اجازت نہ دی جائے اگر کسی شخص کو موزن مقرر کر کے خود ہی اذان و تکبیر کہہ کر نماز پڑھاتا ہے تب بھی وہ بالا جماع مسجد ہوگی۔ اگر وہ متولی کو عمارت مقصد شخص کے لیے تفویض کرتا ہے تب بھی خواہ اس میں نماز نہ ہوئی ہو یہ لازماً مسجد ہوگی۔ یہی صورت اس وقت ہے کہ وہ اس کو قاضی یا اس کے نائب کو تفویض کرے۔ یہ طریقہ باضابطہ احکام نہ ہونے کی صورت میں ہے۔“

احکام کافی ہے

”ملتی اور اس کی شرح میں ہے کہ ابو یوسف کے مطابق واقف کے شخص اس احکام سے کہ اس نے جائیداد کو وقف کیا، اس کا حق قطعاً سوخت ہو جاتا ہے۔“
تویر الابصار، درر الاحکام، اور وقایہ وغیرہ میں بھی ابو یوسف کا قول راجح ہے اور یہی عدالت کے ضابطہ کے مطابق ہے۔

”ابو یوسف کے مطابق واقف کا انتظام آمدنی وقف اپنے ہاتھ میں رکھنا جائز ہے اور اس کے مطابق فتویٰ ہے۔ تبدیلی یا مبادلہ یا اس کی شرائط (روپیہ لگانے میں تبدیلی) بالا جماع جائز ہے۔ اگرچہ بعض نے اسے ابو یوسف سے منسوب کیا ہے بحر الرائق میں ہے کہ یہ اصول مسلمہ طور پر تسلیم شدہ ہے کہ جب واقف نے آمدنی میں تبدیلی کی شرط بالفاظ دیگر (تبدیلی روپیہ) کی شرط رکھی ہو تو وقف اور شرط دونوں ہی جائز ہوں گے اور واقف اس کا مجاز ہوگا۔“

”بحر الرائق میں ہے کہ واقف نے یہ شرط رکھی ہو کہ اس کی زمین میں تبدیلی کر دے تو یہ جائز نہیں ہے کہ اس کو مکان میں تبدیل کر دے اس لئے کہ یہ شرط میں تبدیلی کا اسے اختیار نہیں ہے۔“

شرح ملتی میں اشباہ والنظائر اور دیگر مستند کتابوں کے حوالے سے ہے کہ تشکیل وقف کے بارے میں ابو یوسف کے قول کے مطابق ہے خواہ وہ متولی کو تفویض نہ کیا گیا ہو۔

جائیداد موقوفہ میں اضافہ

”اس فتویٰ میں محمد کی رائے کو اختیار کیا گیا ہے کہ قبر پر قرآن خوانی ناپسندیدہ نہیں ہے وہ درخت ہا جو مسجد میں لگائے جائیں وہ مسجد کی جائیداد ہیں اس لئے کہ وہ بھی انہیں حدود میں ہیں جس میں کہ مسجد کی عمارت ہے لیکن وہ درخت ہا جو شاہراہ عام یا نہریا تالاب یا گاؤں کے کنارے لگائے جائیں وہ مالک کی جائیداد ہیں اور وہ اپنی مرضی پر جب چاہے تبدیل کر سکتا ہے۔“

جائیداد مرہونہ کا وقف

”جب جائیداد موقوفہ کسی دوسرے شخص کو رہن کی جائے مگر اس کا اس سے قبل ہی انتقال ہو جائے اور اپنے ذمہ اس قرضہ کے علاوہ جائیدادیں چھوڑے تو وہ قرضہ جائیداد سے بیباق پر کوئی اثر نہ ہوگا۔ لیکن اگر کوئی جائیداد نہیں چھوڑتا تو معاملہ قاضی کے سامنے پیش ہوگا۔ اور جائیداد بیباقی قرضہ کے لیے فروخت کی جائے گی۔ اور جب تک کہ واقف کے اقربا میں سے منصب تولیت کے لیے کوئی موجود ہے تو غیر شخص کا تقرر نہ ہو گا۔ اور غیر شخص کے تقرر کے بعد اگر اقربا میں سے قابل شخص منصب تولیت کے لیے ہو تو تولیت اس کے سپرد کر دی جائے گی۔“

جائیداد موقوفہ پر قرضے کا بار نہیں ہو سکتا

جائیداد موقوفہ پر قرضہ کا بار نہیں ہو سکتا اس لئے کہ وقف پر بار قرضہ جائز نہیں ہے اولوالوعلجی کے مطابق اگر متولی وقف سے مال گزاری یا مطالبہ سرکاری متولی سے طلب ہونے پر اور متولی کے پاس جائیداد وقف میں کوئی رقم نہ ہو اور واقف نے متولی کو قرضہ لے کر ادائیگی مال گزاری کا مجاز کیا ہو تو یہ جائز ہوگا۔ ایسی صورت میں ابواللیث کے قول کو اختیار کرنا چاہئے۔

”اگر بلا قرض لئے کوئی اور صورت نہیں ہے تو معاملے قاضی کے سامنے پیش کیا جائے تاکہ وہ متولی کو وصول قرضہ کی اجازت دے سکے اور بعد میں آمدنی وقف سے ادا کیا جائے اس لئے کہ قاضی مجاز ہے اگر قاضی فاصلہ بعید پر ہے اور اس تک پہنچانا ممکن

ہے تو متولی شخص اس صورت میں کہ اس سال کوئی آمدنی نہ ہوئی ہو قرض لے سکتا ہے لیکن بصورت آمدنی اگر اس نے مستفیدین (خرچ کے لیے محفوظ کئے بغیر) کرے گا تو اور اتنی خرج کا ذمہ دار وہ ہو گا۔ یہی حمادی کا قول ہے اور یہی نفع الوساائل میں ہے۔“

واقف کی آل کے حق میں وقف

”اگر کوئی شخص اپنی آراضی کا وقف اپنے بچوں اور بچوں کے بچوں کے لیے اس وقت تک وقف کرتا ہے تو اس کی آمدنی مساویانہ تقسیم ہوگی اور اثاثہ کو ذکر پر ترجیح نہ ہوگی۔ اس لئے کہ واقف نے سب کے مساویانہ حقوق رکھے ہیں۔“

”ظاہر الروایات (مجموعہ احادیث) میں آیا ہے کہ اولاد میں جو اثاثہ سے ہو وہ شامل نہیں ہے اور اس کے مطابق فتویٰ ہے۔“

آمدنی کے استعمال کا طریقہ

نفع الوساائل میں ذخیرہ کے حوالے سے ہے کہ شیخ الاسلام سے ایک مشہور وقف کی آمدنی کے بارے میں (جبکہ وقف پر قرضہ ہو) قرضہ اور مستفید پر خرچہ کے لیے دریافت کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ پچھلے دور میں کیا رواج رہا ہے اور پہلے کے متولیوں کا کیا طریقہ کار رہا ہے اس کا لحاظ کر کے عمل کرنا چاہئے۔“

”بحر الرائق میں متولی کے الاؤنس کے بارے میں ہے کہ جب واقف نے اسے متولی مقرر کیا ہے تو جو کچھ بھی وقف سے ملے کر دیا گیا ہے وہ پائے گا۔ خواہ یہ مروجہ تنخواہ یا اس سے زیادہ ہو لیکن اگر قاضی نے مقرر کیا ہے تو حسب معمول پائے گا۔“

”فتویٰ اس کے جواب میں یہی ہے کہ مقررہ جگہ پر قرآن خوانی کی اجرت دی جائے گی اور محمد کا قول ہے کہ کسی قبر کے پاس قرآن خوانی غیر پسندیدہ نہیں ہے ایسا ہی بحر الرائق میں ہے۔“

اہلیت تقرر کا نگران کا معیار

اگر واقف نے اہل ترین شخص کے لیے شرط تولیت رکھی ہے تو اس صورت میں اس کے بچوں میں جو اہل ترین شخص ہو گا اور اگر اہل ترین شخص فاسق ہے تو اس کے

بعد جو بھی اہل ترین ہو گا متولی مقرر ہو گا۔

”اس کے بعد اگر اول الذکر فسق ترک کر دے اور اپنی حالت کی اصلاح کرے اور اہلیت میں بعد والے شخص سے افضل ہے تو اس کو واپس متولی کر دیا جائے گا اور اگر اہل ترین شخص متولی ہونا منظور کرے تب وہ شخص متولی ہو گا جو قابلیت میں اس سے قریب تر ہو اور اگر اہلیت میں سب مساوی ہیں تو عمر میں جو زیادہ ہو اسے مقرر کرنا چاہئے خواہ وہ مرد ہو یا عورت اگر ان میں سے کوئی بھی اس کا اہل نہ ہو تو قاضی غیر شخص کو بھی متولی مقرر کر سکتا ہے۔ اگر بعد میں ان میں سے اہل تر شخص ہے تو اس کو ولی مقرر کر دینا چاہئے۔ محض قاضی القضاة کو تقرر متولیان کا اختیار ہے لفظ قاضی سے ہر قاضی مراد نہیں ہے۔ اور ایسا ہی جامع الفصولین کی فصل ۷۲ میں درج ہے ہندیہ میں ہے کہ جب کوئی وقف کسی کی نسل یا ذریعات پر کیا جائے تو اس میں اس کی آل خواہ مذکر ہو یا اناث قریب ہو یا بعید شامل ہیں۔“

”اگر کوئی کہے کہ میری زمین میرے ولد (صیغہ واحد) پر وقف ہے۔ ایسی صورت میں اس کی آمدنی اس کے صلب کے بچوں اور بچوں کے بچوں پر خواہ مذکر ہوں یا اناث صرف ہو گی۔ اگر کوئی یہ کہے کہ میرے ولد ذکور پر وقف ہے تو آمدنی اس کے صلب کے ذکور بچے یا بچوں کے بچوں پر صرف ہو گی۔ اگر اس کے صلب سے بچے معدوم ہوں تو وہ آمدنی غربا پر نہ کہ اور ولد الولد پر تقسیم ہو گی اس لئے کہ اس نے صیغہ واحد میں ولد استعمال کیا ہے قیاس یہ ہے کہ وقف سے اس کا اپنے بچوں تک محدود رکھنا تھا۔ کیونکہ لفظ ولد کی بنا پر ہو اور اس کے صلب سے کوئی نہ تھا بلکہ اس کے لڑکے کا بچہ یا بچے تھے خواہ وہ ذکور ہوں یا اناث آمدنی انہیں پر صرف ہو گی نہ کہ بعد والی نسل پر اور ظہیر الروایت میں ہے کہ اس میں بیٹی کا بچہ شامل نہ ہو گا۔ یہی درست اور ظہیر الروایت کے مطابق ہے۔“

”اگر واقف نے یہ کہا کہ یہ میرے ولد اور ولد کے ولد کے لیے وقف ہے اور اس کو ذکور تک محدود نہ کیا اس صورت میں اس کے صلب کے بچے اور اس کے لڑکوں اور لڑکیوں کے بچے شامل ہوں گے اور یہی صحیح ہے اور سب آمدنی سے مساویانہ حصہ پائیں گے۔ واقف کے بچوں کو نہ اس کے لڑکوں کے بچوں کو اس کی لڑکیوں کے بچوں پر ترجیح دی جائے گی۔ تا وقتیکہ واقف نے اسے ذکور تک محدود نہ رکھا ہو تب اس میں

اس کے لڑکوں اور لڑکیوں کے بچے شامل ہوں گے اور یہی صحیح ہے۔“

”اگر وہ اس میں تیسری نسل کا بھی اضافہ کرے اور اس طرح کہے میرے بچے اور میرے بچے کا بچہ تو اس وقف پر اس کی نسل بھی شامل کر دی جائے گی اور جب تک اس کی نسل باقی رہے گی، آمدنی اس کی ”آل“ پر صرف ہوگی۔ اور جب تک اس کی اولاد میں سے کوئی ایک بھی خواہ قریب ہو یا بعید باقی رہے تو آمدنی غربا کو نہ دی جائے گی۔ اگر واقف نے تشکیل وقف میں ایسی عبارت استعمال کی ہو جس سے کہ اس کی آل کا یکے بعد دیگرے بالترتیب لینا ظاہر ہو یعنی اگر اس نے یہ کہا ہو کہ ”قریب ترین قریب ترین رہے گا“ یا اس طرح کہ میرے بچے کو اور بچے کے بچے کو یا بطناً بعد بطناً ان سب صورتوں میں تقسیم آمدنی کی ابتدا اس طرح ہو کہ جیسی کہ واقف نے مقرر کی ہو اور یہی درر الاحکام میں بھی ہے۔“

”اگر واقف نے ابتدا میں صیغہ جمع ”میری اولاد اور میرے بچوں“ استعمال کیا ہے تو ایسی صورت میں یہ وقف تمام اولاد کے لیے ہو گا جب تک وہ قائم ہے۔ قریب اور بعید سب مساوی ہوں گے تا وقتیکہ واقف بالترتیب نشانہ ہی نہ کرے۔“

خزانة المفتین

باب وقف سے اقتباسات

”اشتقاقی طور پر وقف کے معنی ”روک دینے“ کے ہیں۔ اور ابو حنیفہ کے مطابق قانوناً کسی شے کے عین کو اس کے مالک کی ملکیت میں روک دینا اور اس کی آمدنی کو منجملہ امور باخیر کسی وقف خیر میں صرف کرنا ہے۔ پس یہ اس طرح ہے ہو گا جیسے کہ عاریت۔ اس لئے یہ قابل پابندی ہوگا۔ واقف کو اس کی تہنیک یا فروخت جائیداد ناجائز ہے۔“

”صاحبین کے مطابق وقف جائیداد کو ملکیت خداوندی میں روک کر واقف کا حق ملکیت ساقط کرنا ہے۔ اور ملکیت خداوندی میں انتقال کی غرض یہ ہے کہ اس سے مخلوق خدا کو منافع پہنچے پس اگر کوئی شے اس طرح وقف ہے تو یہ نہ فروخت ہو سکتی ہے نہ کسی کو دی جا سکتی ہے۔ مسجد کی سطح پر بھی یہی صورت ہے۔“

”امام محمد کے مطابق جواز وقف کے لیے چار ضروری شرطیں ہیں۔ متولی کے سپرد کرنا۔ جائیداد وقف سے اسے علیحدہ کرنا۔ اور آمدنی وقف کو اپنے لئے مختص نہ کرنا اور اس طرح دائمی قرار دینا کہ بالاخر اس کا استعمال غربا کے لیے ہو۔“

”ابو یوسف کے مطابق ایسی کوئی شرط لازمی نہیں ہے۔ خراسان کے مشائخ نے ابو یوسف کی رائے کو اختیار کیا ہے اور فقہائے بخاری نے محمد کی رائے کو اختیار کیا ہے اگر کسی شخص نے اپنی زمین کو ایسے لوگوں کی مختص جماعت کے لیے وقف کیا ہے جو مسجد سے وابستہ ہوں اور خواہ انجام کار وہ وقف غربا کے لیے ہو تو بالا جماع فقہاء وقف جائز ہوگا۔ اور اسی کو مستند تسلیم کیا گیا ہے۔ اگر اس نے اپنے مکان کو مسجد کی صورت میں تبدیل کر دیا ہے اور بطور موزن کسی کو مقرر کر کے امامت اور نماز ہوتی ہے تو یہ بمنز لہتفویض ہوگا اور یہی مسلمہ ہے۔ جب کوئی مسجد ضائع ہو جائے اور مسجد نہ رہے تو فقہاء کی رائے میں یہ ہمیشہ کے لیے مسجد ہے اور یہی صحیح ترین رائے ہے۔“

”قبرستان میں صرف ایک نفس کا دفن ہونا سرائے میں صرف ایک شخص کا قیام سڑک پر کسی ایک شخص کا گذر، کنویں پر صرف ایک شخص کا پانی پینا یہ سب بمنزلہ تفویض ہیں اور مستند اقوال کے مطابق بلار کسی اظہار وقف کے یہ تصدیق کافی ہے۔“

مشاع

”مشاع دراصل مکمل قبضے کے مانع ہیں۔ لیکن وقف کو تفویض کی شرط خیال میں کہ مشاع کے جواز کی تسلیم کرتے ہیں مشاع جائز ہے مگر محمد کے مطابق ناجائز ہے۔ بخارا کے فقہاء نے اس کو تسلیم کیا ہے مگر متاخرین کا فتویٰ ہے کہ وقف مشاع جائز ہے اور یہی مستند ہے۔“

یہ ظاہر ہے کہ غیر منقسم مشترکہ جائیداد قابل تقسیم نہیں ہے مگر بلا اختلاف رائے یہ جائز طور پر وقف ہو سکتی ہے۔

زر نقد اور جائیداد منقولہ کا وقف عام

اگر کوئی شخص درہم یا ہر اس شے کا جو وزن یا پیمائش کئے جانے کے قابل ہوں وقف کرے تو امام ظفر کے نزدیک جائز ہے۔ جب ان سے دریافت کیا کہ ایسی اشیا کس

طرح وقف ہوں۔ انہوں نے جواب دیا کہ روپیہ مضاربت میں اور جو بھی منافع حاصل ہو وہ اغراض موقوف کے لیے صرف کیا جائے اور جو تولنے یا ناپنے کے قابل ہو وہ فروخت کر دیا جائے اور اس کی قیمت تجارت میں لگا دی جائے۔ فقہانے اس سے اتفاق کیا ہے اور اس سے مطابقت ہے کہ اگر واقف کی یہ شرط ہو کہ غربا کو گیہوں اغراض کاشت کے لیے قرض دیا جائے اور درودگی فصل کے بعد اسی ناپ کے مطابق واپس لے لیا جائے تاکہ اسی طرح دوسرے غربا کو دیا جاسکے تو یہ جائز ہے اسی کے مطابق دماوند اور طبرستان کی کوہستانی پٹیوں میں بے شمار واقف ہیں۔“

”اگر کوئی شخص وقف کرنے کے بعد خود کو یا کسی دوسرے کو متولی مقرر کرے ایسی صورت میں وہ یا یہ دوسرا شخص متولی ہو گا اور واقف دوسرے شخص سے افضل ہو گا۔ اسی طرح جو شخص مسجد کی تعمیر کرے اس کا موزن اور مسجد کی جانمازیں بچانے میں ترمیم حق ہے (یعنی مسجد کے انتظامی معاملات میں اگر واقف قابل اعتبار نہیں ہے تو حقوق مستفیدین کے پیش نظر قاضی اس سے وقف واپس لے گا اور اس کے بجائے دوسرے شخص کو متولی مقرر کرے گا خواہ ان کے لیے واقف نے تولیت مخصوص کی ہو یا نہیں اور خود اپنے لئے تولیت اس شرط کے ساتھ اس نے شخص کی ہو کہ قاضی علاحدہ نہ کر سکے گا۔ چونکہ یہ شرط خلاف شرع ہے اس لئے باطل ہے اور قاضی کو اسے علاحدہ کرنے کا اختیار اس وقت ہو گا جب کہ وہ ناقابل اعتبار ثابت ہو جائے یہ اختیار قاضی کے اس اختیار کے مثل ہے جس کی رو سے وہ خود متولی کے اپنے بچے نابالغ بچے کے مقرر کردہ دہی کو اگر وہ ناقابل اعتماد ثابت ہو تو علاحدہ کر سکتا ہے۔“

”جو کچھ انتظام وقف کے سلسلہ میں ہے وہ ابو یوسف کے اصولوں پر مبنی ہے اس کے مطابق ہی فتاویٰ صادر ہوتے ہیں۔ کسی وقف کے تقرر ولی کے سلسلہ میں حق واقف کی رائے افضل ہے۔ اور اس کے بعد اس کے ورثا اور اقربا کی رائے بشرطیکہ وہ فاسق نہ ہوں ورنہ وہ علاحدہ کر دئے جائیں گے۔“

”اور اگر واقف کسی غیر کو متولی مقرر کرے اور اس کے بعد وہ خود متولی ہونا چاہے تو ایسا کر سکتا ہے۔ متولی اپنے بعد کسی شخص دیگر بذریعہ وصیت کو متولی مقرر کر سکتا ہے۔“

”اگر واقف کسی دوسرے سے یہ کہے میرے بعد اس وقف کے تم وصی ہو تو یہ توکل ہے اور جب تک واقف زندہ ہے تو اس کا مقرر کیا ہوا ولی رہے گا اور واقف کے انتقال پر ولایت ختم ہو جائے گی بشرطیکہ واقف نے اپنی موت کے بعد اسی شخص کو ولی مقرر نہ کیا ہو اور واقف اپنی موت کے قریب تک کوئی متولی مقرر نہ کیا ہو اگر اس وقت وہ وصیت کرے کہ فلاں شخص واقف کے تمام امور میں وصی اور اس کے وقف کا متولی ہو گا۔ تو یہ جائز ہے اگر کسی کے بعد وائٹکسی دوسرے کو وصی مقرر کرتا ہے تو موخر الذکر متولی نہ ہوگا۔“

”اگر قاضی کے متولی مقرر کرنے تک کوئی متولی مقرر نہ ہو تو واقف اس کے علیحدہ کرنے کے لیے مجاز نہیں ہے تاکہ خود تولیت سنبھالے۔“

”اگر واقف دو شخصوں کو متولی مقرر کرے اور ان میں سے ایک دوسرے کو اپنا وصی مقرر کر کے انتقال کر جائے تو باقی ماندہ متولی کو وقف کرنے کے تمام معاملات پر اختیار حاصل ہوگا۔“

”مستفیدین کو اپنے درمیان نہ جائیداد موقوفہ کو تقسیم کرنے کا حق ہے اور نہ متولی اس کو قرضے کے عوض جو اغراض وقف کے لیے اس نے لیا ہو، رہن کر سکتا ہے۔ اس کے رہن رکھنے اور مرہن کے قبضے کی صورت میں وہ اجر المثل (مروجہ کرایہ) کا ذمہ دار ہوگا۔“

متولی کے اختیارات

”اگر واقف نے اس شرط کے ساتھ بذریعہ وصیت وقف تفویض کیا ہو کہ وصی کسی دوسرے کو وقف تفویض کرنے کا مجاز نہ ہوگا تو شرط جائز ہے۔ اور اگر یہ شرط ہو کہ فلاں فلاں ولی ہوگا اور اس کے بعد یہ شرط بھی جائز ہے کیونکہ یہ مثل وصیت ہے۔“

”اگر اس نے تولیت وقف کے لیے دو شخصوں کے حق میں وصیت کی ہو اور ان میں سے ایک منظور کرتا ہے اور دوسرا انکار ایسی صورت میں قاضی کو موخر الذکر کی جگہ کسی دوسرے کو مقرر کرنا چاہئے تاکہ معاملات وقف میں منشا واقف کے مطابق دو شخصوں کی مشترکہ رائے پر عمل کیا جاسکے۔ اور قاضی مجاز ہے کہ جس شخص نے ولی ہو

منشور کیا ہوا ہے تمام کا جائز طور پر ولی مقرر کر سکتا ہے۔“

”اگر واقف یہ طے کرے کہ اس کے بچوں میں قابل ترین متولی ہوگا۔ ایسی صورت میں ان میں جو لائق ترین ہوگا متولی ہوگا اگر وہ بد اطوار ثابت ہو تو اس کے بعد والا مقرر ہوگا۔ اور اگر اول الذکر بے راہروی ترک کر کے زہد اور نیکی کی زنگی اختیار کرے اور دوسروں کی بہ نسبت افضل ہو تو اس کو متولی مقرر کیا جائے گا۔“

اور جب دونوں ہی دیانت دار حق پسند قوت فیصلہ اور صلاحیت میں یکساں ہوں تو جو بھی معاملہ وقف میں سب سے زیادہ وقف ہو اس کا حق مرجع ہوگا اور اگر ان میں سے ایک زہد اور نیکی میں افضل ہو اور دوسرا معاملات وقف میں، مگر خائن نہ ہو تو موخر الذکر کو ترجیح ہوگی اور اگر اس نے زید کی آمد تک عبد اللہ کو واقف تفویض کر دیا ہو تو اس کے کہنے کے مطابق ہی عمل ہوگا اور اگر وقف نے کسی دوسرے کو وقف تفویض کیا ہو اور دوسرا شخص حیات میں واقف انتقال کر جائے تو واقف دوسرے شخص کو (خواہ قاضی نے آخر الذکر کو ہی نامزد کیا ہو) متولی نامزد کرنے کا مجاز ہے۔

”جب کہ اولاد واقف اور اس کے کہنے کے افراد موجود ہوں تو غیروں میں سے کسی ولی کا تقرر نہ کرنا چاہئے لیکن جب ان میں سے ایک بھی اہل نہ ہو تو ایک غیر شخص کا تقرر ہو سکتا ہے جب غیر مقرر ہو اور بعد میں واقف کے افراد خاندان سے کوئی اہل مل جائے تو اس کو متولی بنا نا چاہئے۔“

”ایک متولی بذریعہ وصیت دوسرے شخص کو تفویض وقف کر سکتا ہے جو اس کی موت پر نافذ ہو اگر وہ بحالت صحت عین حیات خود دوسروں کو مقرر کرنا نہ چاہے تو تا وقتیکہ وقف عام نوعیت (علی سہیل نسیم) کا نہ ہو تو یہ ناجائز ہوگا۔“

ابو یوسف کے نزدیک تفویض جواز وقف کے لیے ضروری ہے اور اس لئے سرانے، قبرستان، پانی کے بند وغیرہ پر، نہ قبضہ دہانی، نہ کسی مسافر کو بیچنا، نہ کسی نقش کا دفن، نہ کسی کا پانی پینا (بقول محمد) بمنزلہ قبضہ دہانی ہے ضروری ہے۔ شخص اس امر کی تصدیق کہ یہ وقف کیا گیا تھا کافی ہے۔“

”اگر کوئی شخص کہے کہ ’یہ زمین میرے حق میں موقوفہ یا صدقہ موقوفہ ہے‘ تو اتنی ہی جائز ہے جیسے کہ وہ شخص یہ کہے کہ ’عین حیات خود وہ بھی اس میں سے

کھائے گا اور دوسروں کو بھی اس میں کھلائے گا پس یہ مسلمہ سند ہے کہ وقف جائز ہے۔“
 ”ایک شخص غربا کے لیے وقف کرتا ہے اور یہ شرط کرتا ہے کہ اس میں سے
 کھائے گا تو کھانا جائز ہے۔ اگر وہ کہے کہ میری زمین صدقہ موقوفہ یا راہِ خدا میں وقف ہے
 اور جب تک میں حیات ہوں اس کی آمدنی سے مستفید ہوں گا اور مزید کچھ نہ کہے تو جائز
 ہے اس کے انتقال پر یہ وقف غربا کے لیے ہوگا۔“

”اگر وہ یہ کہے کہ جب تک میں زندہ ہوں اس کی آمدنی مجھے ملے گی۔ میرے
 بعد میرے بچوں اور بچوں کے بچوں اور میری نسل کو جب تک قائم رہیں انہیں ملے گی
 اور ان کے معدوم ہونے پر غربا کو ملے گی تو یہ جائز ہے۔“
 ”اگر واقف نے علاوہ گذراوقات خود کے یہ شرط بھی رکھی ہو کہ قرضے اس
 آمدنی سے ادا ہوں گے تو یہ شرط بھی جائز ہے۔“

اشباہ والنظائر مع شرح حمادی

”واقف کی شرائط کے خلاف عمل کرنا آنحضرت کے صلعم کے احکام کی خلاف
 ورزی کے مماثل ہے اس لئے کہ کسی ایسے فیصلے کو نافذ نہ کرنا چاہئے فقہا اس پر متفق
 الرائے ہیں کہ واقف کی مقررہ شرائط آنحضرت صلعم کی عائد کردہ شرائط کے مثل ہیں۔“
 ”اور یہ اصول ہندوستان کی عدالت ہا قانون کے لائق غور ہے جو اپنے
 تصورات قانون اور معدلت کی بنا پر ان احکام سے گریز کرتی ہیں۔“

”ذخیرہ اور اولیٰ الوعلجی میں ہے کہ جب تک واقف نے مسجد کے لیے فراش کی
 تقرری کی شرط نہ رکھی ہو قاضی جائز طور پر تقرر نہیں کر سکتا اس سے واضح ہے کہ
 وقف میں نئے مشاہروں کا اضافہ جو واقف نے نہ رکھے ہوں نا جائز ہے اور اگر واقف نے
 متولی کو مگر ان مسجد مقرر کرنے کے لیے مجاز کیا ہے تو وہ نہ ملازم کا تقرر کر سکتا ہے اور نہ
 ہی قاضی اس سلسلہ میں اسے مجاز کر سکتا ہے۔“

”اگر کوئی شخص اپنی ذریات (نسل) کے لیے بلا ترتیب جائین وقف کرے تو
 اعلیٰ واسئل تمام مساویانہ حصہ پائیں گے۔“

لیکن اگر اس نے نسل کے لیے اس شرط کے ساتھ وقف کیا ہو کہ اول الذکر کو

پہلے اور اس کے بعد بالترتیب یکے بعد دیگرے بعد والوں کو اور کسی کا ذکر نہ ہو تو جب تک پہلی نسل میں کوئی بھی ہو تو دوسری نسل میں کسی کو نہ ملے گا۔ کوئی اپنے بچوں اور بچوں کے بچوں کے حق میں وقف کرے تو ایسی صورت میں وہ بچہ جس کا اپنے باپ سے قبل انتقال ہو گیا ہو تو اس میں وہ شامل نہ ہو گا اس لئے کہ واقف نے مستفیدین کے بچوں تک وقف محدود رکھا ہے وہ بچہ جس کا پہلے ہی انتقال ہو چکا ہے وقف کے تحت نہیں آتا ہے اور یہ وقف نامہ کی تعبیر کی صورت ہے۔ اور منشا واقف عبارت وقف نامہ پر منحصر ہے۔

”اگر واقف یہ کہے کہ میرے بچے، بچوں کے بچے اور بچوں کے بچے تو پہلے فوت شدہ بچے اور ان کے بچوں کو شامل کرنے کا کوئی ایسا سوال پیدا نہیں ہوتا۔“

”اگر کوئی شخص اپنی اولاد اور اس کی اولاد کی اولاد اور ذریعات کے حق میں اس شرط کے ساتھ وقف کرے تو اس کی ابتدا پہلے بچوں سے اور اس کے بعد دوسرے بچوں سے ہو گی ایسی صورت میں دوسروں کو نہ ملے گا۔ جب تک کہ کوئی دوسری نسل موجود ہے کچھ نہ ملے گا اگر دوسری نسل دالامر جائے اور پہلی نسل میں ایک بھی بچہ ہے تو وہ بچہ اگر تیسری نسل میں سے ہے تو دوسری نسل سے کچھ نہ پائے گا مگر تیسری نسل کے منافع حاصل کرنے کے بعد اسے اپنے حصہ ملے گا۔“

”جب کوئی شخص اپنی اولاد اور اولاد کی اولاد اور ذریعات کے لیے وقف کرے اور کسی حکم کے بجائے (جس ترتیب سے وہ ملیں) یہ شرط عائد کرے کہ جب بھی ان میں سے کوئی بچہ چھوڑ کر انتقال کر جائے تو متولی کا حصہ اس بچہ کو ملے گا۔ ایسی صورت میں بچہ اور بچے کے بچوں میں تقاسم مساوی ہو گا۔ اس طرح متولی جو پاتا وہ بچہ پائے گا۔ اور بچہ کو دو حصے ملیں گے۔ ایک وقف میں شرکت کی بنا پر دوسرا والدین کا حصہ جو اس پر منتقل ہو اگر کوئی شخص اپنے صلب کے ذکور اور اثاث بچوں اور اپنے بچوں کے ذکور بچوں اور ان کی اولاد کی اولاد اور نسل کے لیے وقف کرے تو ایسی صورت میں اس کے ذکور اور اثاث بچے اور اس کے لڑکوں اور لڑکیوں کے اثاث بچے مساویانہ حصہ پائیں گے اور اس میں بیٹوں اور بیٹیوں کے بچے بھی شامل ہوں گے اور اگر یہ کہے کہ پہلی نسل اور اس کے بعد بالترتیب بعد والی نسل اس صورت میں اس صلب کے ذکور اور اثاث بچے شامل ہوں گے۔ اور اس کے بعد لڑکوں کو حصہ ملے گا۔ نہ کہ لڑکیوں کو اور اس کے بعد لڑکوں

کے بچوں کے بچوں کو دائماً حصہ ملے گا۔“

”اگر کوئی اپنی لڑکیوں کا حق لے اور اس کے بعد ان کی اولاد اور اولاد کی اولاد کے لیے وقف کرے تو ایسی صورت میں اصول یہ ہے کہ آمدنی لڑکیوں کو ملے گی نہ کہ ان کی نسل کو۔“

”یہ مناسب نہیں ہے کہ مفاد وقف میں وقف پر قرضے کا دباؤ ڈالا جائے اور اگر وقف کے مفاد میں قرضہ لینے کی ضرورت ہی پیش آجائے۔ مثلاً مرمت یا خریداری اس صورت میں قرضہ دو شرطوں سے لینا ضروری ہے۔“

”اولاً یہ کہ قاضی کی اجازت ہو۔ ثانیاً یہ کہ ضرورت مدت مہینہ کے کرائے سے پوری ہونی ممکن نہ ہو ابن وہبان کی یہی رائے ہے۔ مستفیدین پر خرچ کرنا ایسا ضرورت نہیں ہے جس کے لیے قرضہ لیا جائے اور یہی کناہہ میں ہے۔“

”جواز وقف کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ جس غرض کے لیے وقف قائم کیا گیا ہو وہ اس وقت موجود ہو پس اگر زید کے بچوں کے لیے وقف کیا جائے خواہ زید کے بچے نہ ہوں تاہم وقف جائز ہو گا۔ اور جب زید کے بچے نہ ہوں تو یہ وقف غربا پر صرف ہو گا۔“

”وقف کے عائد کردہ شرائط کی تکمیل لازمی ہے اس لئے بقول فقہاء آنحضرت صلعم کے احکامات (مثل حق) میں لیکن درج ذیل صورتوں میں ان سے گریز کیا جاسکتا ہے۔“

”(۱) اگر واقف نے یہ شرط کی ہو کہ متولی کبھی علاحدہ نہ ہو گا۔ تب بھی قاضی متولی کی علاحدگی کا مجاز ہے۔“

”(۲) اگر واقف کی شرط یہ ہو کہ جائیداد وقف ایک سال سے زیادہ اجارہ پر نہ دی جائے مگر کوئی شخص ایک سال کے لیے اجارہ پر لینے کو تیار نہ ہو یا زیادہ مدت پر اجارہ سے مستفیدین کو زیادہ فائدہ پہنچتا ہو تو واقف کی مقررہ شرط کے خلاف ورزی کے لیے قاضی مجاز ہے مگر ناظر مجاز نہیں ہے۔“

”(۳) اگر واقف کی شرط ہو کہ اس کی قبر پر قرآن خوانی کی جائے تو یہ شرط خارج کر دینا چاہئے حماوی کے مطابق شرط ۳ بہت سے علما امام ابو حنیفہ کی رائے کے

مطابق قبر کے نزدیک قرآن خوانی ناپسندیدہ ہے۔ پس شرط واقف کی ناجائز ہے۔ اس مسئلہ (قبر پر قرآن خوانی) کے بارے میں امام محمد کی رائے کے مطابق فتویٰ ہے کہ قبر پر یا قبر کے برابر قرآن خوانی ناجائز نہیں ہے۔ اور ایسا ہی خلاصہ میں ہے پس واقف کی یہ شرط قابل پابندی ہے اور مصنف کا یہ قول کہ باطل ہے بہت کمزور ہے۔“

”(۳) واقف کی یہ شرط کہ آمدنی وقف میں سے جو پس انداز ہو وہ مسجد کے دروازہ پر جو بھی آجاتے اسے دی جائے۔ مگر بعد میں بتایا کہ نظر انداز کر دیا جائے۔ اس لئے کہ بتو کماوی یا کناہیہ کے مطابق ہے۔ آخر میں بتایا کہ اس شخص پر توجہ دینا قابل ترجیح ہے۔“

”(۵) اگر واقف کی یہ شرط ہو کہ روزانہ مستفیدین کو روٹی گوشت کی مقررہ مقدار دی جائے تو متولی زر نقد دے سکتا ہے ایک دوسری جگہ یہ ہے کہ مستفیدین بصورت نقد طلب کر سکتے ہیں اور وہ ان کو دیدی جائے۔“

”(۶) اگر امام مسجد کا مقررہ وظیفہ ناکافی ہے اور وہ عالم و متشرع ہے۔ قاضی کا اس صورت میں انشاء الاونس کرنا جائز ہے مگر بقول حماوی قاضی اس کی بابت مجاز نہیں ہے تا وقتیکہ امام متشرع و عالم نہ ہو۔ اور واقف کی تنخواہ ناکافی ہو۔“

”(۷) اگر واقف کی یہ شرط ہو کہ سرمایہ میں کوئی تبدیلی نہ کی جائے لیکن اگر کسی اور جگہ سرمایہ لگانا وقف کے لیے مفید ہے تو قاضی اس تبدیلی کی اجازت دے سکتا ہے اگر واقف نے متولی مقرر کیا ہے اور تا وقتیکہ وہ بد نیت ثابت نہ ہو قاضی اسے علاحدہ نہیں کر سکتا اور یہی وحی کی صورت میں ہے۔“

”اگر واقف متولی کی تقرری و علیحدگی کا خود مجاز ہے اور متولی کو وہ علاحدہ کر دے تو یہ علاحدگی بالاجماع جائز ہوگی اگر ایسا اختیار نہیں ہے تو ابو یوسف کے مطابق یہ جائز نہ ہوگی اور بلخ کے فقہانے ابو یوسف کے قول کو اختیار کیا ہے۔“

”حماوی کے مطابق ابو یوسف کا اصول لوگوں کی ایک کثیر جماعت نے تسلیم کیا ہے اور فتح القدر میں ہے کہ فقہاء کے نزدیک یہی سب سے زیادہ مسلمہ ہے بانی مسجد اصلاً امام و مؤذن کے تقرر کا مجاز ہے۔ اس کے بچے اور اس کے لوگ (عشیرات طبقہ اور جماعت والے) غیروں کے مقابلے میں زیادہ مستحق ہیں۔“

”اگر واقف نے ایک ہی کام کے لیے دو شخصوں کا تقرر کیا ہے تو وہ تنہا (غلاحدہ ملاحظہ) نہیں کر سکتے لیکن اگر واقف کی یہ شرط ہو کہ اسے اور دوسروں کو تبدیلی سرمایہ کا اختیار ہوگا اسے خود بھی ایسا کرنے کا اختیار ہے فتاویٰ قاضی خان میں ایسا ہی ہے۔“

”حصامی نے اپنی کتاب واقعات میں لکھا ہے کہ اگر اس بارے میں وقف نامہ میں کوئی شرط نہ ہو تب بھی قاضی تقرر کا مجاز ہے مگر بلا ایسی شرط کے مسجد میں نئے ملازمین کا تقرر نہیں کیا جاسکتا۔ وقف کے کسی فقیر کو دوسو درہم دینا مناسب ہے لیکن واقف کے نادار اقربا کے لیے وقف ہو تو یہ ہو سکتا ہے کہ اور اختیار میں ایسا ہی ہے۔“

”اگر ایک شخص اپنے دو لڑکوں اور ان کے بچوں کے لیے جب تک ان کی نسل قائم رہے مکان وقف کرے اور وہ اس میں رہائش کا ارادہ کریں ان میں سے کسی کو حق رہائش حاصل نہیں ہوتا اس لئے کہ یہ ظاہر ہے کہ واقف نے جب لفظ ”وقف مکان“ کے لیے استعمال کیا تو اس کا منشا مستفیدین پر کرایہ مکان صرف کرنا تھا۔ اس لئے کہ مکان سے بعد رہائش وہ منشا پورا نہ ہوگا۔“

شرح الوقایہ

متن وقایہ

”امام ابو حنیفہ کے نزدیک وقف کا منشا کسی جائیداد کو مثل عاریت واقف کے ملک میں جس کر دینا۔ اور اس کی آمدنی نوع انسانی پر صرف کرنا ہے۔ صاحبین کے مطابق وقف کا منشا ”عین جائیداد“ کو ملکیت خداوندی میں دینا ہے اور بقول صاحبین جب ایک بار وقف ہو جائے تو وہ ہمیشہ قابل پابندی ہے۔ اسی کے مطابق فتویٰ ہے۔“

”کسی مکان کو مسجد میں تبدیل کرنے کی شرط کے بارے میں اختلاف ہے۔ ابو یوسف کے مطابق واقف کا منشا یہ اعلان کہ میں اس کی مسجد بناتا ہوں کافی ہے۔ ان کے مطابق جواز وقف کے لیے تفویض ضروری نہیں ہے۔ مگر محمد کے مطابق یہ ضروری ہے کہ اس میں نماز پڑھی جائے۔ ابو یوسف کے مطابق ایک ہی آدمی کا نماز پڑھنا کافی ہوگا۔“

”ابو یوسف کے مطابق اس جملہ سے ”میں نے یہ وقف کر دیا ہے“ حق ملکیت جائیداد ساقط ہو جائے گا۔“

”بالفاظ دیگر واقف کے شخص انامان سے جائیداد میں حق ساقط ہو کر یہ ملکیت خدادادی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ پس متولی کو تفویض کرنا ضروری نہیں ہے۔“

”میں وقف کی آمدنی کو اس شرط کے ساتھ اپنے لئے مختص کرنا کہ واقف زمین کو دوسری زمین سے مبادلہ کر سکے گا۔ ابو یوسف کے نزدیک جائز ہے اس لئے کہ وقف ہونے پر یہ فرما کے ہی کام آئے گا۔“

بطحاوی جلد ۲

باب متعلق معاملات وقف جو بچوں کے لیے کئے جائیں

”کتب بادرد اور مواہب سے ظاہر ہے کہ اگر کوئی اپنے اور اپنے بچوں اور آل کے لیے وقف کرے مگر زمین خود آمدنی اپنے لئے اور بعد خود آنے والی نسلوں کے لیے مختص کرے تو بقول امام ابو یوسف وقف جائز ہو گا۔ اور اسی کے مطابق فتویٰ ہے“

شرح

”لفظ ولد میں اثاث بھی شامل ہیں اس لئے کہ یہ لفظ ولادت سے متعلق ہے۔ اور درمیں حلہ نے لکھا ہے کہ عبارت ”اگر اس صلب سے کوئی بچہ پیدا نہ ہو“ کا منشا یہ ہے کہ اس کے صلب سے پیدا شدہ بچہ جس کے حق میں وقف کیا گیا ہو اگر کوئی بچہ چھوڑ کر انتقال کر جائے تو موخر الذکر جائیداد موقوفہ میں کسی چیز کا مستحق نہ ہو گا۔ اس طرح بوقت وقف اگر اس کے صلب سے پیدا شدہ بچہ کا انتقال ہو جائے تو یہ وقف غربا کو ملے گا نہ کہ بچے کو ”غربا“ کو اس لئے کہ جس شخص کے حق میں وقف کیا گیا تھا اب باقی نہ رہا۔ یہ اس کے بچے تک مختص رہے گا اس لئے کہ اس کے لڑکے کا بچہ اس کے صلب سے نہ ہونے پر بھی بچہ اس کے صلب سے پیدا ہونا قیاس کیا جائے گا۔ اور یہ ظہیر ^{یہ صحیح} ہے۔ اور یہ ظہیر الروایت میں ہے اور ہلال نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے لڑکیوں کے بچے اس لئے کہ ایک لڑکے کے بچے کا مسئلہ مختلف ہے۔“

”ماواہ اس نے درد میں لکھا ہے کہ اگر الفاظ ”میرے بچے کا بچہ اضافہ“ کر دیا جائے تو عامہ نوح کے مطابق اس کا منشا یہ ہے کہ اگر لفظ ولد اور اس کے بعد لفظ ’نی‘ (میرا) آجائے تو متکلم کی ضمیر ذکور سے نہیں ہوتا ہے اس لئے کہ منشا محض اس کے صلب سے پیدا ہونے والے مساویانہ ذکور اور اناث بچوں سے ہے۔ اور اگر اس میں اس طرح ترمیم کی جائے تو اس کا منشا محض ذکور بچوں سے ہوگا جو اس کے صلب سے پیدا ہوں۔“

”اگر کوئی یہ کہے کہ میں نے یہ زمین اپنے بچوں کے لیے وقف کی تو اس کی آمدنی بچوں پر خواہ ذکور ہوں یا اناث (جو اس کے صلب سے پیدا ہوں) صرف ہوگی۔ اور اگر وہ کہے کہ میں نے ذکور بچوں کے لیے وقف کیا ہے تو اس کے صلب سے پیدا ہونے والے محض ذکور بچوں کو ملے گی اور اگر اس کے صلب سے کوئی بچہ نہ ہو تو آمدنی غربا کو ملے گی نہ کہ بچے کے بچے کو۔ یہ اس وقت ہے کہ اگر وقت وقف اس کے صلب سے کوئی بچہ پیدا نہ ہو مگر اس کے لڑکے سے کوئی ذکور یا اناث بچہ ہو تو آمدنی کلیتاً ذکور یا اناث جب بھی ہو پائے گا مگر نسل میں سے کسی کو بھی نہیں ملے گی اور اس کی نسل میں سے سوائے اس شخص کے کوئی حصہ نہیں پائے گا سوائے اس آمدنی کے میں وہ شخص حصہ لے گا لیکن اس سے لڑکی کا بچہ مراد نہ ہوگا ایسا ظہیر الروایت میں ہے اور اسی کے مطابق فتویٰ ہے۔“

”اگر وہ کہے کہ میرے بچے اور بچے کے بچے کے حق میں اور لفظ ذکور استعمال نہ کرے تو اس میں اس کی نسل سے پیدا ہونے والے بچے اور اس کے لڑکے اور لڑکیوں سے پیدا ہونے والے بچے شامل ہوں گے۔ اور یہی صحیح روایت ہے کہ وہ آمدنی میں شامل ہوں گے نہ اس کے صلب سے پیدا ہونے والے بچوں کے لڑکے کے بچوں پر کوئی ترجیح ہوگی اور نہ لڑکے کے بچوں کو لڑکی کے بچوں پر۔ اگر وہ اس میں ترمیم کر دے تو صحیح روایات کے مطابق لڑکوں اور لڑکیوں کے ذکور بچے شامل ہوں گے جو آمدنی میں حصہ پائیں گے نہ اس کے صلب سے پیدا شدہ بچوں کو لڑکے کے بچوں پر نہ لڑکی سے پیدا شدہ بچوں کو ترجیح ہوگی۔ اگر ایسی شرط ہے تو اس میں لڑکوں اور لڑکیوں کے ذکور بچے شامل ہوں گے بقول صحیح روایت یہ دو تک ہی ہیں یعنی بچے اور بچوں کے بچے یعنی اگر اس میں تیسری نسل کا اضافہ کیا جائے بعد میں یہ کہا جائے کہ میرے بچے اور میرے بچے اور میرے بچوں کے بچے تو اس میں اس کی آل شامل ہوگی۔ ایسی صورت میں جب تک نسل

قائم ہے آمدنی اس کی آل کو ملے گی نہ کہ غریبوں کو خواہ اس کے بچوں میں کوئی بھی میات ہو اور خواہ کتنے ہی کمتر درجہ پر ہو اس لئے کہ اس میں وہ جن نسلوں کا حوالہ ہے اس سے فائدہ متصور ہے یعنی کئی درجے۔ پس یہ پابندی الگ ہونا چاہئے اور جو چیز قابل غور ہے وہ نسل ہے جو لفظ کے صحیح مفہوم کے مطابق ہے جس میں سب ہی شامل ہیں اس لئے کہ یہ اس میں بھی جو بعد میں آتا ہے اور جو آل میں سب سے بعد میں بھی شامل ہے۔

”دوسری نسل اس سے مختلف ہے اس لئے کہ وہ ایک درجہ ہی بعید ہے لیکن اگر واپسی اصطلاحات استعمال کرے جس کا منشا ترتیب کا ہو مثلاً کہے ”قریب ترین اور اس کے بعد قریب ترین“ یا یہ کہے کہ ”میرے بچے اور اس کے بچے کے بچے“ یا یہ کہے کہ ”نسل بعد نسل“ یا یہ کہے کہ اس سے ابتدا ہوگی جو وقف کرے۔ مثلاً اگر وہ یہ کہے کہ میرے بچوں کے حق میں اور سینڈ جمع استعمال کرے تو اس سے مراد آل میں بعد میں آنے والے بھی شامل ہوں گے وہ جو بہت بعد میں ہوں مساوی ہیں اگرچہ اس صورت میں نہیں کہ جب ایسے الفاظ استعمال کئے جائیں جن سے ترتیب ظاہر ہو اور جو کچھ اب بیان کیا جائے گا وہ بیان آئندہ منطبق ہوگا۔“

ذیلیہ

تخریج الہدایہ - کتاب وقف

”امام ذیلی نے اپنی تصنیف تخریج الہدایہ میں آنحضرت صلعم کے ہدایات و احکامات جو وقف کے متعلق بنیادی اصول کی حیثیت رکھتے ہیں تفصیل سے دئے ہیں۔ پہلی حدیث یہ ہے، فرمایا آنحضرت صلعم نے حضرت عمر سے جب کہ وہ اپنی آراضی الموسومہ سماع خیرات میں دینا چاہتے تھے۔ ارشاد فرمایا اس کو اسی حالت میں وقف کر دو نہ یہ فروخت ہو سکے نہ بصورت ہبہ منتقل ہو سکے نہ ورثے میں دی جاسکے۔ میں یہ کہتا ہوں کہ اس حدیث کا چہ الامین نے حوالہ دیا ہے۔“

”بخاری نے باب الشہادت کے آخر میں حوالہ دیا ہے مسلم اور ابو داؤد نے اپنی کتاب وصایا میں، ترمذی اور ابن ماجہ نے اپنی کتاب احکام میں اور نسائی نے اپنی کتاب

وقف میں اور ان سب نے نافع سے لیا ہے اور انہوں نے حضرت عمر کے صاحبزادے سے اس طرح روایت کی ہے کہ ”حضرت عمر کو خیبر میں ایک قطعہ آراضی ملا تھا اس پر وہ آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ مجھے ایسی چیز حاصل ہوئی ہے کہ اس سے بہتر مجھے کبھی نہیں ملی۔ حضور کا اس بارے میں کیا ارشاد گرامی ہے آپ نے فرمایا کہ اگر تم پسند کرو جیسی بھی وہ ہے اسے وقف کر دو اور امور خیر میں دے دو۔ حضرت عمر نے تب اسے اپنے اعزہ غربا و غلاموں پر نیز راہ خدا میں اور مسافروں پر اس طرح وقف کر دیا کہ وہ نہ فروخت کی جائے نہ ہبہ نہ منتقل کی جائے نہ ورثہ میں دی جائے۔“

”اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ متولی زمین کی آمدنی مستحقین کی ضرورتوں پر صرف کرے اور اس میں سے اپنے نادار دوستوں کو کھانا کھلائے۔ بخاری میں آپ (آنحضرت صلعم) کے ارشاد کا حوالہ اس طرح ہے۔ ”میں اس کو وقف کر دوں کہ یہ فروخت نہ ہو سکے نہ ہبہ میں منتقل ہو سکے بلکہ غربا اس سے اپنی شکم پری کر سکیں۔ پس حضرت عمر بن خطابؓ نے حسب ارشاد وقف کر دیا۔“

”بخاری نے یہ بھی بتایا کہ یہ ایک کھجور کا باغ تھا۔ ابو داؤد نے بتایا کہ تخی بن سعید نے کہا کہ عبد الحمید ابن عبد اللہ بن عمر بن خطاب نے اس وقف نامہ کی جو حضرت عمر نے تحریر کیا تھا نہیں نقل بھیجی تھی۔“

بسم اللہ الرحمن الرحیم: اللہ کے نام سے جو سب سے زیادہ رحمن اور رحیم ہے یہ اللہ کا غلام عمر سماع کے بارے میں لکھتا ہے۔

اس کا حوالہ دیا ہے اور وہ اس طرح ہے جیسا نافع نے لکھا اور ارشاد فرمایا ہے:

اس کے بعد جو آپ سے آنحضرت صلعم نے ارشاد گرامی فرمایا ہے:

”اگر متولی چاہے تو کسی آمدنی کی قیمت سے غلام خرید کرے یا کہ اس کی دیکھ

بھال کر سکے۔“

یہ حقب کا تحریر کردہ ہے اور حضرت عبد اللہ ابن ارقم کی شہادت ہے ”اللہ تعالیٰ رحمن اور رحیم کے حکم کے مطابق اس کے غلام عمر نے یہ تحریر کیا ہے۔ اگر کوئی چیز مجھ پر واقع ہو تو سماع اور اس کے اطراف یعنی ٹیلے اور اس میں غلام اور خیبر میں یک صد (۱۰۰) حصے اور اس میں غلام اور وادی میں سو حصے وہ آنحضرت صلعم وقف کرتے ہیں جو

حضرت حفصہؓ کی حین حیاتہ ان کے رہیں گے۔ اور ان کے بعد خاندان کے افراد کے پاس جو اس کے اہل ہوں رہیں گے اور نہ فروخت ہوں گے اور نہ خریدے جائیں گے اور اس کے بعد متوفی ان سے اپنے اقربا فقرائی شکم پر ی کرے گا۔ اور ان کو بھی جن کو ورثہ نہ ملا ہو اور جس کو وہ پسند کرے اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ متولی اس آمدنی میں سے خود بھی گزارہ کرے یا دوسروں کو کھلائے یا غلاموں کو آزاد کرائے۔“

لفظ (اکل) میں صرف الف کے زیادہ کھینچنے سے اس کا منشا کھلانے کا ہوتا ہے۔

حاشیہ کتاب مستدرک باب فضائل از واقدہ ی میں اس طرح لکھا ہے: ”یہ

حدیث حضرت عمرؓ کے پسر نے عبداللہ بن عثمان کے حوالے سے اور انہوں نے حضرت اہم مخذومی کے حوالے سے بیان کی کہ ان کے والد نے سخی ابن عثمان اور انہوں نے اہم کے حوالے سے بتائی اور ان سے عثمان ابن اہم نے بیان کی میں سید الاسلام کا لڑکا ہوں (یعنی کہ آنحضرت صلعم کے مبعوث ہونے کے ساتویں سال جو اسلام لائے ان کا مکان کوہ صفا سے قریب تھا مکان اور اس میں آنحضرت صلعم اعلان نبوت کے زمانے میں رونق افروز تھے یہ وہ مکان ہے جس میں آپ نے لوگوں سے اسلام قبول کرنے کے لیے فرمایا کثیر اعداد میں لوگوں نے اسلام قبول کیا اور ان میں عمر ابن خطاب بھی تھے اس لئے یہ بیت الاسلام کہا گیا۔ اہم نے اس مکان کو اپنے بچوں کے حق میں وقف کر دیا اور وہ وقف نامہ اس طرح تھا:

”اللہ کے نام سے جو سب سے زیادہ مہربان ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اہم نے اپنی جائیداد متصل ہذا کی آمدنی کو موخیر میں منتقل کر دیا یعنی اپنے بچوں کے لیے اسکو مع اس کی متصل جائیداد کے وقف کر دیا تاکہ یہ نہ بیچ ہو سکے نہ یہ ورثہ میں دی جاسکے۔“

”اس کی گواہی ہشام بن عاص نے اور ہشام بن عاص کے غلام نے دی اور یہ مکان اس کی اولاد پر وقف کیا جو کہ اس میں رہتی تھی اور کرایہ پر دیتی تھی۔ اور محض وہی اس کی آمدنی تصرف میں لاتی تھی اور کسی نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔“

”ابراہیم ہادی نے اپنی کتاب غریب الحدیث میں لکھا ہے کہ انہوں نے

ابوبکر بن شیبہ سے اور انہوں نے حافص ابن غیاث سے اور انہوں نے ہشام ابن عروہ سے

اور انہوں نے اپنے والد سے یہ روایت سنی ہے کہ زبیر ابن عوام نے اپنے مکان کا ایک وقف اپنی لڑکیوں میں سے ایک کے نام جو مرہ مطلقہ ہو گئی تھی کیا تھا۔ ان کا کہنا ہے کہ مطلقہ سے مراد وہ عورت جسے اس کے خاوند نے طلاق دیدی ہو اور بیوہ سے وہ عورت مراد ہے جس کے خاوند کا انتقال ہو گیا ہو۔“

”تیہتی نے اپنی کتاب خلائیات میں لکھا ہے کہ ابو بکر عبد اللہ ابن زبیر حمیدی نے کہا ہے۔“ حضرت ابو بکر نے اپنے مکان واقع مکہ کو اپنے بچوں کے حق میں وقف کیا تھا جو اب تک قائم ہے اور حضرت عمر نے اپنی جائیداد واقع متصل مرہ اور صنعا کی آمدنی اپنے بچوں کے حق میں وقف کی تھی جو اب تک قائم ہے اور حضرت علی نے اپنی آراضی واقع مصر اور اپنی جائیداد واقع مدینہ کو اپنے بچوں کے حق میں وقف کیا جو آج تک قائم ہے اور حضرت سعد بن وقاص نے اپنے مکانات واقع مدینہ، مکانات واقع مصر اپنے بچوں کے حق میں وقف کئے تھے جو آج تک قائم ہیں۔ اور حضرت عثمان نے رومہ کو وقف کیا وہ بھی آج تک قائم ہے اور عمرو ابن عاص نے طائف میں واقع اور اپنے مکانات واقع مکہ کو اپنے بچوں کے حق میں وقف کیا تھا وہ آج تک قائم ہیں۔“

”چوتھی حدیث اس بارے میں ہے کہ آنحضرت صلعم اپنی موقوفہ اشیا کی آمدنی سے تصرف میں لاتے تھے۔ مصنف کا قول ہے کہ خیر سے مراد مقصد وقف ہے ابن علی شیبہ اپنی کتاب مصنف کے ایک باب میں جس میں انہوں نے ان احادیث کا حوالہ دیا ہے جن کی بنا پر انہوں نے امام ابو حنیفہ کی رائے کی مخالفت کی ہے کہ ابن عتبہ (عتبہ) نے انہیں ایک حدیث روایت کی جو انہیں ابن طاؤس سے اور انہیں اپنی اولاد سے پہنچی تھی۔

”مجھے حضرت حجر مری سے جو آنحضرت صلعم کے صحابی ہیں، معلوم ہوا کہ جائیداد جو آنحضرت صلعم نے وقف کی تھی اس کی آمدنی آنحضرت کے اہل بیت اپنے تصرف میں لاتے تھے۔“ پانچویں حدیث یہ ہے: ”وہ شے جس سے آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ آدمی اپنی بسراوقات کرتا ہے وہ وقف ہے۔“

مصنف مقدم ابن معدی قرب خذری اور جابر اور ابی امامہ نے بھی اس حدیث کی تکرار کی ہے۔ مقدم کی بیان کردہ حدیث کو ابن ماجہ نے اپنی کتاب باب وقف میں اسمعیل ابن عیاشی سے اور انہوں نے بحیر ابن سعد سے اور انہوں نے خالد ابن

مقدمہ سے اور انہوں نے مقدمہ بمعدی قرب سے اور انہوں نے آنحضرت صلعم سے روایت کی ہے ”جو چیزیں کہ انسان پیدا کرتا ہے ان میں سے کوئی بھی اس سے بہتر نہیں ہے جو وہ اپنے قوت یا زور سے پیدا کرے۔ جو کچھ ایک شخص اپنے یا کنبے پر اور اپنے بچوں اور ملازمین پر صرف کرتا ہے سب اس کی جانب سے امر خیر ہے۔“

نسائی نے اس کا حوالہ اپنی کتاب عشرت النساء میں بتجیکے حوالے سے اور انہوں نے بخیر کے حوالے سے ان الفاظ میں لکھا ہے۔

”وہ جس سے تم اپنی پرورش کرتے ہو وہ تمہاری جانب سے امر خیر ہے اور جس سے تم اپنی بیوی کی پرورش کرتے ہو وہ امر خیر ہے اور جس سے تم ملازمین کی پرورش کرتے ہو وہ تمہاری جانب سے امر خیر ہے۔“

حدیث جو خذری ابن حبان سے اپنی کتاب صحیح کے پہلے باب میں دراج ابی رح کے حوالے سے جو کہ ابوالبیہتم نے ان سے بیان کی اور انہوں نے ابی سعید خذری کے حوالے سے اور انہوں نے آنحضرت کے حوالے سے بیان کی۔ ”اگر کوئی شخص جائز طور پر کما کر اس سے اپنے اور دوسروں کی پرورش کرتا ہے اور دوسری خلق خدا کو کھلاتا ہے تو یہزکوۃ ہے۔ حاکم نے بھی اس حوالہ سے اپنی کتاب مستدرک باب عتونه میں دیا ہے۔“

مسلم نے اپنی صحیح میں باب ذکور میں ابی زبیر سے اور انہوں نے جابر سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ پہلے اپنے سے ابتدا کرو۔ سب سے پہلے اپنے اوپر خرچ کرو اس سے بچ رہے تو بیوی اور اپنے رشتہ داروں پر وغیرہ وغیرہ۔“ اصحاب سنن (آنحضرت صلعم کے احکام کی تجوید کرنے والے مصنفین) نے معاویہ سے اور انہوں نے ابو ہریرہ سے اور انہوں نے آنحضرت صلعم سے روایت کی کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ ”صدقہ دو۔ اس نے عرض کیا کہ میرے پاس ایک دینار ہے آپ نے فرمایا کہ اس کو اپنے اوپر صرف کر لو اس نے عرض کیا کہ میرے پاس ایک اور ہے تو آپ نے فرمایا اس کو اپنی بیوی کو دو اس نے عرض کیا کہ میرے پاس ایک اور دینار ہے آپ نے فرمایا کہ اس کو اپنے بچوں کو دو انہوں نے کہا کہ ایک اور دینار ہے آپ نے فرمایا اپنے ملازموں کو دو انہوں نے عرض کیا کہ میرے پاس ایک اور دینار ہے آپ نے فرمایا اس کو جہاں چاہو وہاں صرف کر دو۔“

ابن ماجہ نے اس حدیث کا صحیح میں اور حاکم نے مستدرک میں حوالہ دیا ہے اور ان اسناد کا بھی حوالہ دیا ہے جن کی بنا پر اس کو قوی سمجھا ہے۔

ذخیرۃ الفتاویٰ

ناطقی کی کتاب اجناس میں ہے کہ اگر کوئی شخص وقف کرے اور اپنے بارے میں یہ طے کرے کہ تاحین حیات اپنی پرورش کرے گا۔ اور ان کی بھی پرورش کرے گا جو وہ پسند کرے اور ان کے بعد اس کے بچوں کو اور بچوں کے معدوم ہونے کی صورت میں غربا کو دے گا۔ ابو یوسف کے مطابق یہ جائز ہے۔ اور اپنے بچوں کے حق میں وصیت نہیں ہے بلکہ بچے اس جائیداد سے استفادہ کرتے ہیں جو ملکیت خداوندی ہو چکی ہے کیا آپ نہیں دیکھتے کہ ایک شخص اپنے بچوں کے حق میں اور بچوں کے بچوں کے لیے اور اس کے بعد غربا کے لیے وقف کرتا ہے یہ جائز ہے اور یہ معاملہ بھی اس کے مثل ہے۔

حزینۃ المفتین

”اگر کوئی کہے ”میں اپنی زمین کا وقف اپنے بچے کے لیے اور اس کے بعد غربا کے لیے کرتا ہوں تو اس کی آمدنی اس کے بچوں اور اس کے بچوں کے بچوں کو ملے گی جب کہ سب معدوم ہو جائیں اور ان میں کوئی نہ رہے اور اگر تیسری نسل بھی ہو تو آمدنی غربا کو ملے گی نہ کہ تیسرے نسل کو اگر وہ یہ کہے کہ میرے بچے میرے بچوں کے بچے اور میرے بچوں کے بچوں کے لیے وقف کرتا ہوں اور تین نسلوں کا حوالہ دے تو وہ آمدنی اس کی آل پر جب تک کہ نسل قائم ہے صرف ہوگی اور اس کی آل میں اگر کوئی بھی زندہ ہو خواہ کتنے ہی درجہ اسفل ہو۔ غربا کو نہیں ملے گی۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اگر واقف تین نسلوں کا حوالہ دے تو وقف ان کے اور ان سے بعید ترین کے حق میں ہو جو سب مساوی ہیں سوائے اس کے جب کہ وہ بوقت وقف کہے کہ بعد والا بعد والا رہے گا اور یہ کہے کہ میرے بچے کے حق میں اور اس کے بعد میرے بچے کے بچے کے حق میں اور یہ کہے نسلانہ بعد نسل ایسی صورت میں اس سے شروع ہوگا جس سے وقف نے شروع کیا ہے۔“

صدقہ موقوف

مشورۃ المسائخ کے اقتباسات

”آنحضرت صلعم کا ارشاد ہے۔ ہر فعل خیر صدقہ ہے اور اصالیہ بھی افعال خیر میں سے ہے کہ تم اپنی بھائی سے کشادہ پیشانی سے ملو اور اپنی مشک سے اس کے برتن میں پانی ڈالو۔“

بحوالہ ابو ہریرہ آنحضرت صلعم نے ارشاد فرمایا کہ ”تمہارا اپنے بھائی کو دیکھ کر مسکراتا یہ بھی صدقہ ہے لوگوں کو نیک کاموں کا مشورہ، برے کاموں سے روکنا یہ بھی صدقہ ہے اور گم کردہ راہ کو راستہ بتانا یہ بھی صدقہ ہے اور نابینا کو راہ بتانا یہ بھی صدقہ ہے اور تمہارا راستہ سے کانٹے ہٹانا ہڈیاں دور کرنا یہ بھی صدقہ ہے۔“

بحوالہ حضرت ابو ہریرہ ہاشم ابن حذام آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ ”سب سے اچھا صدقہ وہ ہے جو انسان اور کنبے کی (سراوقات) کے لیے کافی ہو۔ اور اس کی ابتدا ان سے ہو جن کے لیے تمہارے دل میں محبت ہے۔“

بحوالہ بن مسعود آنحضرت صلعم نے فرمایا جب کوئی شخص اپنے کنبے یا اقربا کو بطور انعام کوئی چیز دیتا ہے تو یہ صدقہ ہو جاتی ہے حالاں کہ اس نے غربا کو نہیں دیا بلکہ اپنے کنبہ اور بچے کو دیا ہے۔“

بحوالہ حضرت ابو ہریرہ آنحضرت صلعم نے ارشاد فرمایا کہ اگر ایک دینار راہ خدا میں صرف کیا اور دوسرا انعام کو آزاد کرانے کے لیے اور تیسرا دینار غربا کے لیے اور چوتھا دینار اپنے کنبے کے لیے تو اجر آخرت کے لحاظ سے وہ بڑا ہے جو تم نے اپنے کنبے پر صرف کیا ہے۔“

بحوالہ ثوبان آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ دو دینار بہترین ہیں وہ جو ایک شخص اپنے کنبے اور اہل خاندان پر خرچ کرتا ہے اور اس کے بعد وہ دینار ہے جو ان چوپایوں پر صرف کیا جائے جو دین حقیقت خاطر مقابلہ کرتے ہیں۔ اور چوتھا دینار وہ ہے جو راہ خدا میں اپنے دوست پر صرف کرے۔

”حضرت ام سلمہ نے آنحضرت صلعم سے عرض کیا کہ ”حضور جو کچھ میں نے

ابو سلمہ کے لڑکوں پر صرف کیا ہے کیا اس کے بارے میں کوئی ہے ان کے لڑکے میرے لڑکوں کے مقابلہ میں (غیر) نہیں ہیں میرے ہی لڑکے ہیں آنحضرت صلعم نے فرمایا پس ان کو اور جو کچھ بھی دوگی اس کا اجر ملے گا۔“

حضرت زینب زوجہ حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتی ہیں کہ پیغمبر خدا صلعم نے فرمایا اے جماعت خواتین صدقہ دو۔ خواہ یہ تمہارے زیورات ہی ہوں۔ بہسن کر میں ہی آپ کی خدمت سے اٹھ کر اپنے شوہر عبداللہ کے پاس آئی اور کہا کہ آپ غریب ہیں اور آنحضرت صلعم نے مجھے صدقہ دینے کا فرمایا ہے آپ آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہوں اور ان سے اجازت لیجئے کہ کیا یہ کافی ہوگا میں آپ کو اور آپ کے بچوں کو صدقہ دوں اگر ایسا ہے میں آپ کو صدقہ دوں گی۔ ورنہ میں کسی اور کو صدقہ دوں گی۔ عبد اللہ نے کہا تم خود ہی جاؤ اور اس بارے میں مجھ سے کچھ نہ کہو اس پر میں آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور وہاں میں نے ضرورت مندوں سے کسی ایک کی عورت کو آستانہ نبوت کے دروازہ پر دیکھا اس کی بھی ضرورت میری طرح تھی مگر رعب نبوت اتنا زیادہ تھا کہ بلا اذن حاضری کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ اس وقت حضرت بلال آنحضرت صلعم کے پاس سے باہر آئے اور ان سے میں نے عرض کیا کہ آپ آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہوں اور یہ عرض کریں کہ کیا یہ جائز ہوگا کہ ہم اپنے خاوندوں اور بچوں پر جو ہماری حفاظت میں ہیں مال صرف کریں مگر ہمارے نام نہ بتائیں کہ ہم کون ہیں۔“

”حضرت بلال آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور معاملہ کے بارے میں عرض کیا آپ نے فرمایا کہ وہ کون ہیں؟ حضرت بلال نے عرض کیا ایک تو خدام میں سے ایک کی زوجہ ہے اور دوسری زینب ہے۔ آپ نے فرمایا کہ کونسی زینب؟ حضرت بلال نے عرض کیا زینب زوجہ عبداللہ بن مسعود۔ پھر آنحضرت صلعم نے فرمایا یہ جائز ہے کہ اپنے خاوند کو دیں اور ان کے بچوں کو دیں اس طرح دواجر ہیں ایک آپسی عزیزوں کو دینے کا دوسرا صدقہ ملے گا۔“

بحوالہ سلیمان بن عامر پیغمبر خدا صلعم نے فرمایا کہ ”غریبا کو صدقہ دینے میں محض ایک صدقہ کا اجر ہے مگر اقربا کو صدقہ دینے میں دو کا اجر ہے ایک صدقہ کا اجر دوسرا رشتہ دار کو دینے کا اجر۔“

”حضرت ابو جریہ کا بیان ہے کہ ایک شخص آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میرے پاس ایک دینار ہے آپ نے فرمایا کہ اسے اپنے اوپر صرف کرو اس نے کہا میرے پاس ایک دوسرا دینار ہے آپ نے فرمایا کہ بچوں پر صرف کرو اس نے عرض کیا میرے پاس ایک اور دینار ہے آپ نے فرمایا اپنے رشتہ داروں پر اپنی بیوی و والدین پر صرف کرو اس نے عرض کیا کہ میرے پاس ایک اور دینار ہے آپ نے فرمایا اپنے ملازموں پر صرف کرو اس نے عرض کیا کہ میرے پاس ایک اور دینار ہے آپ نے فرمایا کہ تم جو اس کے اہل ترین ہوں اور ان کی حالت بہتر جانتے ہو ان پر صرف کرو۔“

حنفی لا متعلق وقف

بحر الباق

امام ابو حنیفہ کے مطابق قانون میں وقف کے معنی کسی شے کو واقف کی ملکیت میں جس کرنے اور اس کی آمدنی کا ذخیرہ میں صرف کرنے کے ہیں۔
سائنس کے مطابق جائیداد کو راہ خدا میں جس کرنے اور اس کی آمدنی مخلوق کے مفاد میں وقف کرنا ہے۔

فتح القدیر میں ہے کہ واقف آمدنی کو جسے چاہے دے۔

ذخیرہ میں ہے کہ اغنیا کو اپنے وقف میں شامل کرنا قربت خداوندی کا سبب ہے۔ وقف کی غرض دنیا میں زندہ لوگوں کی محبت حاصل کرنا ہے تاکہ قربت خداوندی ہو جائے اس کی شرائط بھی وہی ہیں جو کہ اغراض کی ہوتی ہیں کہ واقف صحیح العقل ہو بالغ ہو اور وقف فوراً نافذ ہونے والا ہونہ کہ معلق رہنے والا ہو۔

وقف کے لیے ایسے ۲۶ صریح الفاظ ہیں جن سے وقف ہوتا ہے۔

(۱) آراضی غربایا کسی شخص پر دائماً صدقہ موقوف ہو اس بارے میں کوئی

اختلاف نہیں ہے

(۲) یہ صدقہ موقوفہ ہے اس بارے میں دوسرے امام ابو یوسف ہلال اور دیگر

تمام فقہا متفق ہیں۔

(۳) جس ایک صدقہ ہے۔

(۴) یہ صدقہ محرمہ ہے اور یہ دونوں ہی دوسرے کے مثل ہیں۔

(۵) یہ موقوفہ ہے ابو حنیفہ اور ابو یوسف کے مطابق یہ لفظ خود وقف کا اظہار

کرتا ہے اور بالآخر اس کا منشا غربا کے لیے وقف ہے صدر الشہید نے لکھا ہے کہ اس کی تائید میں فتویٰ ہے اور فقہا بلخ نے ابو یوسف کے مطابق فتوے صادر کئے ہیں اور ہم سب ابو یوسف کے فتاویٰ کے پابند ہیں۔

(۶) یہ ایک فقیر کے لیے موقوفہ ہے۔

(۷) یہ محبوبہ ہے

(۸) یہ جس ہے اگر مقامی زبان کے مفہوم کے اعتبار سے ”دائماً“ ”وقف“

مراد ہوں یہ قابل پابندی ہے جس طرح کہ موقوف یا وقف کیا ہو۔

(۹) اگر وہ یہ کہے کہ یہ سبیل (راستہ) کے لیے ہے اور اس لفظ کے مروجہ معنی

(مستقبل) دائمی وقف کے ہیں تو یہ ایسے ہی سمجھا جائے گا ورنہ اس کے معنی معلوم کئے

جائیں گے اگر اس سے مراد وقف ہے اور یہ کہے کہ اس سے وقف مراد ہے تو یہ وقف

سمجھا جائے گا اگر وہ یہ کہے کہ اس کا منشا صدقہ تھا تو یہ محض نذریا منت سمجھا جائے گا۔

(۱۰) ”یہ میں نے ناداروں کے لیے کیا ہے“ اگر ان الفاظ کا مروجہ مفہوم وقف

ہے تو یہ وقف سمجھا جائے گا اور اگر ایسا نہیں ہے تو اس کے معنی دریافت کئے جائیں گے

اگر وہ یہ کہے اس کا منشا وقف تھا تو ایسی صورت میں وقف ہو گا اگر وہ یہ کہے کہ اس کا منشا

صدقہ تھا تو اس کا منشا منت یا نذر سمجھا جائے گا۔

(۱۱) محرمہ

(۱۲) اس کا منحص وقف کہنا صحیح ہے اور اہل حجاز میں عام ہے اور یہ جہاں موقوف

کے مساوی ہیں۔

(۱۳) اور یہ مختصراً موقوفہ کہنے کے مثل ہے۔

(۱۴) اس کا یہ کہنا کہ میں نے انگور کے درختوں کے پھلوں کو فروخت کیا ہے

تو یہ درختوں کا وقف ہو گا خواہ ان میں پھل ہوں یا نہ ہوں۔

(۱۵) اس کا یہ کہنا کہ میں نے اس جائیداد کی آمدنی کو اس طرح وقف کر دیا ہے۔

(۱۶) اس کا یہ کہنا کہ یہ راہ خدا میں موقوف ہے یہ صدقہ موقوفہ کہنے کے

مساوی ہے اور یہ پوری طرح فتح القدر میں درج ہے ہزارا یہ میں ہے کہ ایک وقف جو محض لفظ موقوفہ سے کیا گیا ہو جائز ہے۔

(۱۷) اگر وہ یہ کہے کہ یہ وجہ الخیر (اچھے مقصد) یا وجہ الاحسن (مستحسن مقصد)

کے لیے موقوفہ ہے تو یہ غربا کے لیے وقف ہے۔

(۱۸) اگر وہ یہ کہے کہ میرے بیٹے یا میرے عمرہ کے لیے صدقہ موقوفہ ہے تو یہ

وقف جائز ہوگا

(۱۹) اگر یہ کہے کہ یہ صدقہ ہے اور بیع نہیں کیا جائے گا تو یہ نذر و منت ہے

لیکن مزید وہ یہ بھی کہے یہ بطور ہبہ نہیں لیا جائے گا اور وراثت اس پر لاگو نہیں ہوگی تو یہ غربا کے لیے وقف ہوگا۔

(۲۰) اگر وہ یہ کہے کہ تم اس مکان کی آمدنی سے ہر ماہ دس درہم قیمت کی

روٹیاں خریدو اور حاجت مندوں کو دو تو یہ مکان وقف ہوگا (بقیہ غیر ضروری ہیں)

”جو از وقف کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے محض اختلاف اس لئے ہے

کہ کب لازم اور قابل پابندی ہوتا ہے بقول ابو حنیفہ بیع کی ڈگری سے جب تک یہ منسوخ نہ ہو قائم رہتا ہے۔“

صاحبین کے نزدیک یہ فوراً ہی قابل پابندی ہوتا ہے اور نہ یہ بیع ہو سکتا ہے اور

نہ وراثت میں دیا جاسکتا ہے۔ تمام فقہانے صاحبین کے اصول کو اختیار کیا ہے اور اسی کے مطابق فتویٰ ہے۔

”فتح القدر کے مطابق یہ صحیح ہے اور اسی پر بالاتفاق صحابہ کا اجماع ہے اور

ابو یوسف کے مطابق ایک وقف غلام کو آزاد کرنے کے مثل ہے اور محض وقف کے احسان سے ہی موثر اور قابل پابندی ہوتا ہے مگر بقول محمد متولی کو وقف پر قبضہ دہانی اس

کو ملتا ہے اور دائما کا حوالہ دینے کے بعد قابل پابندی ہوتا ہے۔“

”اگر واقف وقف کی آمدنی اپنے لئے مختص کرے یا خود کو ہی متولی مقرر کرے

تو یہ جائز ہوگا یعنی اگر بوقت وقف کوئی شرط مقرر کرے تو یہ شرط بھی جائز ہے۔ اور ابو

یوسف کے مطابق اول الذکر جائز ہے۔ اور محمد کے مطابق متولی کو قبضہ دہانی مشروط رکھنے سے یہ ناجائز ہے۔ کہا جاتا ہے کہ قبضہ دہانی کے متعلق ان میں اختلاف ہے اور اختلاف وقف کی لازمی شرائط سے ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے اختلاف بالکل نیا مسئلہ ہے اختلاف اس صورت میں ہوتا ہے جب واقف کی یہ شرط ہو کہ شے موقوفہ حسین حیات خود اس کے تصرف میں اور اس کے بعد غربا کے کام آئے گی۔ اور اس صورت میں اگر یہ شرط ہو کہ اپنی حسین حیات اس کے تصرف میں اس کے بعد غربا کے تصرف میں رہے گی۔“

”محمد کے مطابق ایک وقف اسی وقت جائز ہوتا ہے جب کوئی شخص مندرجہ بالا طرز سے کسی کو جائیداد کا مالک قرار دے۔ پس واقف جس شرط کے تابع تصرف میں لائے اس سے وقف ناجائز ہو جاتا ہے اس لئے کہ یہ بتانا مشکل ہے کہ ایک شخص خود کو کس طرح مالک بتائے یہ تو ایک مشروط خیرات ہوگی۔ اور عمارت مسجد کا ایک حصہ اپنے استعمال میں مختص کرنے کے مساوی ہوگا۔“

”ابو یوسف کلیثا آنحضرت صلعم کے عمل پر انحصار کرتے ہیں کہ آپ صدقہ میں سے جو صدقہ موقوفہ سمجھا گیا ہے خود تناول فرماتے تھے مگر تا وقتیکہ ایسی شرط نہ ہو اس میں سے کھانا جائز نہیں ہے۔ پس مندرجہ بالا مثال سے شرط جائز ہے۔ مزید برآں وقف کا منشا خود کو ملکیت جائیداد سے محروم کرنا اور اس کو خدائے برتر و اعلیٰ کے حق میں متذکرہ بالا مقصد یعنی قربت خداوندی کے لیے وقف کر دینا ہے۔ پس اگر کوئی شخص کل یا جزو اپنے لئے مختص کر کے جو کہ ملکیت خداوندی (وقف) سے لیتا ہے اور ملکیت ذاتی میں سے نہیں لینا یہ جائز ہے۔ یہ بعینہ اس طرح ہے کہ اگر کوئی شخص اجنبیوں کے لیے مکان وقف کرے یا مسافروں کے لیے باقی کا حوض تعمیر کرے یا قطعہ باراضی کو قبرستان میں تبدیل کرے۔ اور بایں شرط کہ وہ بھی اس میں قیام کرے گا پانی پئے گا اور دفن ہوگا۔ مزید برآں واقف کا مقصد امر خیر ہونا چاہئے جس سے وہ بھی استفادہ کرے۔ آنحضرت نے فرمایا کہ اپنی بسر معاش کا انتظام کرنا بھی امر خیر ہے۔ فتح القدیر کے مطابق بقول صدر الشہید ابو یوسف کے قول کو ترجیح ہے۔ اور بقول ابو یوسف کے مطابق دئے جاتے ہیں ہم بھی ابو یوسف کے قول کے مطابق فتویٰ دیتے ہیں تاکہ لوگوں کو وقف کرنے کے لیے ہمت افزائی ہو۔“

مشائخ (فتہا) بلخ نے اپنی رائے کو اختیار کیا ہے اور ہدایہ سے بھی یہی ظاہر ہے کہ اس کی تائید میں ہیں نہ کہ تردید میں۔ وقف کے بحق خود مختص کرنے کی صورت میں اگر کوئی کہے کہ اس کے ذمگی قرضے آمدنی وقف سے ادا کئے جائیں اور اسی طرح اگر وہ یہ کہے کہ یہ بھی اور اس کی حالت قرضے میں انتقال کی صورت میں اس کے جائیداد سے ادا کئے جائیں اور بقیہ رقم راہ خدا میں وقف کی جائے۔ اس میں ہر صورت میں وقف جائز ہوگا۔

”مصنف نے کتاب ”وقف“ میں لکھا ہے کہ اگر کوئی یہ شرط کرے کہ وہ مذکورہ آمدنی وقف کو اپنے بچوں۔ کنبے اور ملازمان کی بسر معاش میں صرف کرے گا اور آمدنی وصول ہونے پر اپنے قبضے میں رکھے گا لیکن خرچ کرنے سے پہلے اس کا انتقال ہو جائے۔ ایسی صورت میں وہ آمدنی کس کو ملے گی آیا اس کے ورثا کو یا جس کے حق میں وقف کیا۔“

”یہ بتایا گیا ہے کہ آمدنی اس کے ورثا کو ملے گی اس لئے کہ حسب شرط آمدنی اس کی تھی جو اس نے حاصل کی۔ مگر ہر ایک کا حصہ جو اسے پانا تھا اس میں مختص نہ تھا۔ خواہ وہ نصف یا چوتھائی تمام آمدنی جو اسے ملی ہے وہ ان کے لیے مشترک ہوگی اور یہی صورت اس وقت ہوگی۔ اگر کوئی کہے کہ فلاں فلاں منشا وقف کا انتقال ہو جائے تو اس حصوں میں سے ہر سال ایک حصہ جائیداد وقف کی آمدنی سے لیکر اس کے ایصال ثواب کے غرض سے ادا کی جاتی ہے۔ صرف کیا جائے تاکہ قسمیں توڑنے کا کفارہ ہو سکے۔ اور فلاں فلاں نامزد مدات پر صرف کیا جائے اگر وہ یہ کہے کہ اتنے درہم ہر سال اس جائیداد سے صدقہ کئے جائیں گے۔ اور فلاں فلاں اغراض پر صدقہ ہو گا اور بعینہ فلاں فلاں حالت پر صرف ہو گا جن کو متولی درست خیال کرے۔“

”تماوی میں ہے کہ ابو یوسف کا یہ اصول لوگوں کے وقف کے لیے ہمت افزائی اور انصاف اوقاف کے لیے فتویٰ قرار دیا گیا ہے۔ اس اختلاف رائے سے یہ بھی اخذ ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص ذکور اور اثنا ثلاثیوں کے لیے وقف کرے تو محمد کے نزدیک جائز اور ابو یوسف کے نزدیک ناجائز ہے جس طرح مفاد خود کے لیے شرائط بعض نے مندرجہ بالا اصول سے ہی اخذ کیا ہے۔ یہ دلیل کمزور صحیح مدبران اور ام الولد کا آمدنی کے تصرف کے لیے یہ ہے کہ مدبرین وغیرہ کی آمدنی کا استعمال جائز ہے اور ہر دو فتہا اس

پر متفق ہیں۔ محمد کی دلیل ہے کہ مالک کے انتقال پر دونوں (مدبران اور ام الولد) آزاد ہوں گے اور ان کے لیے مثل غیروں کے وقف ہوگا۔ اگر مالک کی حین حیات میں وہ آزاد ہو جائیں اور ان کی حین حیات پیشگی آزاد ہو جائیں تو موت کے بعد کیا صورت ہوگی۔ ہدایہ اور مجتبیٰ میں اس مسئلہ پر جو دلائل میں اختلاف ہے۔ وہ کمزور ہیں۔ ہمارے تمام مشائخ نے ابو یوسف کے اصول کو اختیار کیا ہے پس کنایہ اور فتاویٰ قاضی خان میں بھی یہی ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے لئے اور فلاں فلاں کے لیے وقف کرے تو اس کا نصف جائز ہوگا یعنی دوسرے کا حصہ اور خود کا حصہ باطل ہوگا اور اگر وہ کہے کہ اس کے لیے وقف ہے اور اس کے بعد وہ کہے کہ وہ فلاں فلاں کے لیے وقف ہے اور اس کے بعد خود کے لیے تو مصنف جائز اور بقیہ نصف ناجائز ہوگا مگر یہ ایک عجیب بات ہوگی مصنف نے یہ رائے کیسے قائم کی یہ اطلاقی عبارت ہوگی۔ آپ کو جاننا چاہئے کہ واقف نے خواہ کوئی بھی شرط رکھی ہو ان پر عمل کرنا چاہئے۔“

”آل کے حق میں وقف بلا اختلاف جائز ہے۔ جواز وقف کے بارے میں اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے اگر وقف کی شرط ہو کہ آمدنی اس کے بچوں کے لیے ہوگی پس اگر وہ ذکور تک محدود کرتا ہے تو اس میں اثاث شامل نہ ہوں گے اگر تیسری نسل کا بھی حوالہ دے تو غربا پر آمدنی صرف ہوگی تا وقتیکہ اس کی آل خواہ کتنی بھی بعید ہو موجود ہو۔“

تاتارخانیہ میں ہے کہ جب کوئی مختص افراد کے معروف طبقہ کے لیے جن کی تعداد کا تعین ہو وقف کیا جائے اور وہ بلا مشورہ قاضی متولی مقرر کریں اگر وہ اہل الرائے ہیں تو جائز ہے متقدمین کی رائے میں یہ سلسلہ قاضی کے سامنے پیش کرنا لائق ترجیح ہے مگر متقدمین فقہاء کی رائے میں ایسا نہ کرنا اس کے لیے راجح ہے کہ ہمارے فقہاء اور متاخرین مشائخ اس امر پر متفق ہیں کہ بہتر یہی ہے کہ یہ لوگ اپنا متولی مقرر کریں۔“

”طحاوی“

”متن درالمختار محمد اور ابو یوسف ہردو کے مطابق وقف سے مراد کسی شے کا ملکیت خداوندی میں روک کر آمدنی حسب منشا واقف چاہئے خواہ وہ دولت مند ہو خرچ کرنا چاہئے پس وقف قابل پابندی ہوگا۔ اور واقف اس کو نہ منسوخ کر سکتا ہے اور نہ وراثت

میں دے سکتا ہے ابن کمال اور ابن شحنہ کا فتویٰ بھی یہی ہے منشا ہے کہ دنیا میں بھی وہ خوش نصیب رہے اور آخرت میں بھی اجر حاصل کرے یعنی اگر ایسا شخص جو اس بارے میں اہل ہو وقف کرے اس لئے کہ کسی ٹکڑے کا بھی مباح وقف کرنا جائز ہے اور بعض وقف اس قسم کی بنا پر لازم ہو جاتا ہے مصنف نے الفاظ توفی الجملتی اناذہ کیا ہے فتح القدر کی مہارت کو تسلیم کیا ہے۔ ابن کمال نے بھی اسی رائے کو تسلیم کیا ہے۔ فتح القدر کے مطابق آمدنی جس پر چاہے صرف کرے اگر وقف امیر کے حق میں کیا جائے خواہ وہ قربت خداوندی کے لیے ہو مگر ایسا وقف جس کا مقصد انجام کار دائمًا قرب خداوندی ہو وقف ہو گا۔ خواہ دولت مند اس سے غلطیہ کردہ جائے جائیں اور غربا کا حوالہ نہ ہو یعنی جیسے کہ غربا کے لیے وقف ہو اور اس اناذہ سے وقف کی تعریف جامع ہو جاتی ہے اس مسجد کے مصارف کے اناذہ سے یہ وقف جائز ہو جاتا ہے۔ مندرجہ بالا بیان کا یہ نتیجہ ہے کہ وقف کا مقصد کسی بھی معنی میں اور کسی بھی وقت امر خیر کی انجام دہی ہے اور محیط کے مطابق بھی یہ جائز ہے اور اسی کے مطابق اگر وقف محض امر تک محدود ہو تو جائز ہو گا۔ اس لئے کہ اس میں قربت نہیں ہوتی اور معاملہ جب کہ انجام کار مقصد غربا کے لیے ہو یہ مختلف ہوتا ہے اس لئے کہ مجموعی طور پر معاملہ کی قربت کا ہے۔

متن :- ابو یوسف محض لفظ "موقوفہ" کافی سمجھتے ہیں۔ شہید بھی یہی کہتے ہیں کہ مروجہ طریقہ کا لحاظ کرتے ہوئے میں بھی اسی کے مطابق فتویٰ صادر کرتا ہوں۔

شرح :- مصنف کی رائے میں لفظ موقوفہ وغیرہ، حسب ابو یوسف جب وقف محض ایک لفظ سے وقف کیا جائے اس سے مراد غربا ہیں جب منشا محض طریقہ کے استعمال کا ہو تو غربا کے لیے وقف دائمی ہوتا ہے اس لئے کہ غربا کبھی معدوم نہیں ہوتے۔ بحر الرائق میں بحوالہ صدر الشہید ہے کہ وہ اسی کے مطابق فتویٰ دیتے ہیں اور مشائخ بلخ نے بھی اسی کے مطابق فتویٰ صادر کئے ہیں۔ ابو یوسف کے مطابق ایک لفظ کے استعمال سے وقف جائز ہو گا خواہ اس میں لفظ دوام یا جس کے لیے وقف کیا جائے، اس کا حوالہ نہ ہو۔

"فقہا متقدمین متوفی پر قرآن خوانی خوانی تو اہم عام طور پر سمجھتے ہیں مگر اب یہ طریقہ رائج ہو گیا ہے اور فقہا متاخرین نے اس کی اجازت دی ہے اور اسی اجازت کی وجہ

سے امام محمد کے کلیہ کو جائز قرار دیتے ہیں۔“

”کسی مسلم سلطنت کی غیر مسلم رعایا کو ذمی یا اہل ذمہ کہا جاتا ہے۔ کہ اگر کسی فرماں بردار نے کسی ملک کے ساتھ اپنی وفاداری کا حلف لے لیا ہے اور اس میں ملت اسلامیہ کے خاص سربراہ کی حیثیت سے اس کی حفاظت جان و مال و نگرانی و شہری حقوق کے استعمال کرنے کی آزادی کی ضمانت دے دی ہے۔“

”ایک غیر مسلم حکومت کی غیر مسلم رعایا کو کسی مسلم حکومت میں داخل ہونے پر اگر اس کو حفاظت کی ذمے داری دی جائے تو مستعین کہلاتا ہے۔“

یہ ضمانت خاص ہو سکتی ہے جو اس کی ذات تک محدود ہو یا عام ہو سکتی ہے اس کو فرمانروا کی صلح کی بنا پر جس کی رو سے خاص طور پر حکومت کی تمام رعایا شامل ہو کوئی بھی مسلمان خواہ غیر مسلم کے مقابلے میں اس کی کوئی بھی حیثیت ہو مسلم سلطنت کی حدود میں داخل ہونے پر اسے خاص امان دے سکتا ہے جو ایک مختص مدت کے لیے ہوگی مگر خاص امان جو حکومت منظور کرے اور اس ملک میں تمام مدت قیام جاری رہے گی۔“

وقف نامہ بمقدمہ دو جان بی بی — بنام عبداللہ باربر

سب حمد اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جو فضل و کرم فرماتا ہے اور تمام درود و سلام آنحضرت صلعم سردار انبیاء پر اور رحمت اور برکت ہو آپ کی آل اور آپ کے صحابہ پر جو کہ منزہ و مفضی ہیں اما بعد غفرہ مسماة گو و نڈ بی بی زوجہ شیخ کلو خان سامان ساکن موضع کولنگا واقع دیہو برجی جو کہ کلکتے کے محلوں میں سے ایک ہے، بصحت جسم و حواس جو اہل جملہ قانونی کاروائی ہے، برضاد رغبت خود بلا کسی جبر و اکراہ بہ پابندی قانون درج ذیل اعلان کرتی ہے۔

”جو کہ مختلف آراضی رعیت وزمین میری خرید کردہ بلا شرکت غیرے میرے قبضے میں ہیں جس کے ثبوت میں فروخت کنندگان کے اسما ہیں نیز جائیداد ہا جو سابق میں میرے خاوند کی مملوکہ تھیں جو مجھے شادی میں ملیں نیز تمام جائیداد ہا استمرار جن کا ثبوت اور پروانہ ہا نیلام میں سے واضح حدود اربعہ اندراج ہے، اور جو حقوق مالکانہ کی بنا پر تنہا میرے قبضے میں ہیں اور کسی دوسرے کا اس میں نہ کوئی حصہ نہ حق اور دوسرے کے قبضہ سے بری اور آزاد ہے بذریعہ تحریر بر بنائے خوشنودی خداوند تعالیٰ شرائط مندرجہ کے

اور پروانہ با نیلام میں سے واضح حدود اربعہ اندراج ہے، اور جو حقوق مالکانہ کی بنا پر تنہا میرے قبضے میں ہیں اور کسی دوسرے کا اس میں نہ کوئی حصہ نہ حق اور دوسرے کے قبضے سے بری اور آزاد ہے بذریعہ تحریر بر بنائے خوشنودی خداوند تعالیٰ شرائط مندرجہ کے مطابق وقف کرتی ہوں۔

(۱) جو کہ متذکرہ بالا آرنسیات کا زیر کرایہ کھلتے میں واقع ہیں ان کی آمدنی حسب ضروریات خود اپنے تصرف میں لاؤں۔ اور بعد ادائے مال گزاری حاصل سرکاری مقررہ کے کئی اعزہ (پوتہ، پوتی، بہو، نواسہ، نواسی) جو ہمراہ رہائش و بسر اوقات میں شامل ہیں بدستور استفادہ کرتے رہیں گے۔ اور تعداد مستحقین میں کمی یا بیشی یا حسب کمی و بیشی آمدنی کا مجھ کو اختیار ہو گا نیز مسجد کی تنخواہ موذن و خطیب کے دیگر مصارف ماور مضامین و عیدین اسی آمدنی سے ادا ہوں گے اور میرے بعد جو بھی ہو وہ مثل میرے تمام اختیارات کام میں لائے گا۔

(۲) اپنی حین حیات میں متولی رہوں گی اور میرے بعد میری لڑکی کا لڑکا عبداللہ ولد شیخ جن ساکن کھلتے متولی ہو گا اور عبداللہ کے آؤر میرے اعزہ میں سے جو بھی ہو متدین اور اہل ترین متولی ہو گا۔

(۳) میرے انتقال پر نہ متولی اور نہ میرے ورثا کو کسی بھی صورت میں جائیداد متذکرہ کو بیع یا منتقل کرنے کا حق نہ ہو گا آمدنی جائیداد امور الخیر و مستحسن اغراض پر میری نگرانی اور ہدایت کے مطابق صرف ہوتی رہے گی۔

پس یہ چند الفاظ بطور سند اس مقدمہ وقف کی غرض سے تحریر کئے ہیں اور جو قابل پابندی دستاویز قطعی کی صورت میں رہیں اور وقت ضرورت کام آئیں۔

(اس کے بعد ان آرنسیات کی تفصیل ہے جن کا کہ وقف کیا گیا ہے درج ہے)

محررہ یوم پنجشنبہ آخر ماہ مارچ ۱۳۳۲ مطابق ماہ پھاگن ۱۳۸۳ بنگلہ۔ مطابق

۷۲۲ رمضان المبارک، ۱۳۳۲ھ۔

مسلم قانون

جلد اول

سید امیر علی

قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان نئی دہلی